روحانی خزائن

تصنیفات

حضرت مرزا غلام احمد قادیانی

مسیح موعود و مہدی معہود علیہ السلام

روحانی خزائن

مجموعہ کتب حضرت مرزا غلام احمد قادیانی
مسیح موعود و مہدی معہود علیہ السلام
(جلد چہارم)

Ruhaani Khazaa'in

(Volume 4)

Collection of the books of Hazrat Mirza Ghulam Ahmad of Qadian,
The Promised Messiah and Mahdi (1835-1908), peace be upon him.
Volumes 1-23

First Published in Rabwah, Pakistan in the 1960s
Reprinted in the UK in 1984
Reprinted in 1989
Second edition (with computerized typesetting) published in 2008
Reprinted in the UK in 2009
Published in Qadian, India in 2008 (Vol. 1-10)
Present edition published in the UK in 2021

Published by:
Islam International Publications Ltd
Unit 3, Bourne Mill Business Park,
Guildford Road, Farnham, Surrey, GU9 9PS UK

Printed in Turkey at:
Levent Offset

ISBN: 978-1-84880-134-9 (Set Vol. 1-23)
10 9 8 7 6 5 4 3 2 1

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتب

کے مطالعہ کے متعلق

حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الخامس

ایّدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

کا

روحانی خزائن کے کمپیوٹرائزڈ ایڈیشن ۲۰۰۸ء

کی اشاعت کے موقع پر

واجعل لی من لدنک سلطاناً نصیراً
انا فتحنا لک فتحاً مبیناً

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نَحْمَدُهٗ وَ نُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ
وعلیٰ عبدہِ المسیح الموعود
خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ
ھوالنّاصر

لندن
10-8-2008

پیغام

وہ خزائن جو ہزاروں سال سے مدفون تھے   اب میں دیتا ہوں اگر کوئی ملے امیدوار

اللہ تعالیٰ نے وَاٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ کے مصداق حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس زمانے کے امام اور مہدی کے طور پر مبعوث فرمایا کہ تا اس کی توحید کا دنیا میں بول بالا ہو اور ہمارے پیارے نبی اکرم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی اور قرآن کریم کی صداقت دنیا پر روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جائے۔

قرآن کریم اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات مبارکہ سے یہ واضح ہوتا ہے کہ یہی وہ زمانہ تھا کہ جب اسلام کی اشاعت اور تبلیغ ساری دنیا کے کناروں تک پہنچانے کے سامان اس خدائے قادر مطلق نے پہلے سے مقرر کر رکھے تھے۔ اسی لئے اس زمانے میں سائنسی ایجادات اتنی تیزی اور کثرت سے ہوئی ہیں کہ انسانی عقل وَقَالَ الْاِنْسَانُ مَا لَهَا کے مصداق حیران ہو جاتی ہے۔ یہی وہ زمانہ ہے کہ جس کے بارے میں وَاِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ کی پیشگوئی فرما کر یہ بتلا دیا کہ اس زمانے میں ایسی ایسی ایجادات ہوں گی کہ کتابوں اور رسالوں کی نشر و اشاعت عام ہو جائے گی۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

"اور نشر صحف سے اس کے وسائل یعنی پریس وغیرہ کی طرف اشارہ ہے جیسا کہ تم دیکھ رہے ہو کہ اللہ نے ایسی قوم کو پیدا کیا جس نے آلات طبع ایجاد کئے۔ دیکھو کس قدر

پریس ہیں جو ہندوستان اور دوسرے ملکوں میں پائے جاتے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہے تا وہ ہمارے کام میں ہماری مدد کرے اور ہمارے دین اور ہماری کتابوں کو پھیلائے اور ہمارے معارف کو ہر قوم تک پہنچائے تا وہ ان کی طرف کان دھریں اور ہدایت پائیں''۔ (آئینہ کمالات اسلام، روحانی خزائن جلد ۵ صفحہ ۴۷۳)

ایک اور کتاب میں آپؑ فرماتے ہیں:

''کامل اشاعت اس پر موقوف تھی کہ تمام ممالک مختلفہ یعنی ایشیا اور یورپ اور افریقہ اور امریکہ اور آبادیٔ دنیا کے انتہائی گوشوں تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہی تبلیغ قرآن ہو جاتی اور یہ اس وقت غیر ممکن تھا بلکہ اس وقت تک تو دنیا کی کئی آبادیوں کا ابھی پتا بھی نہیں لگا تھا اور دور دراز سفروں کے ذرائع ایسے مشکل تھے کہ گویا معدوم تھے......ایسا ہی آیت وَّاٰخَرِیۡنَ مِنۡهُمۡ لَمَّا یَلۡحَقُوۡا بِهِمۡ اس بات کو ظاہر کر رہی تھی کہ گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات اور ہدایت کا ذخیرہ کامل ہو گیا مگر ابھی اشاعت ناقص ہے اور اس آیت میں جو مِنۡهُمۡ کا لفظ ہے وہ ظاہر کر رہا تھا کہ **ایک شخص اس زمانہ میں جو تکمیل اشاعت کے لئے موزوں ہے مبعوث ہوگا** جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رنگ میں ہوگا......اس لئے خدا تعالیٰ نے تکمیل اشاعت کو ایک ایسے زمانہ پر ملتوی کر دیا جس میں قوموں کے باہم تعلقات پیدا ہو گئے اور برّی اور بحری مرکب ایسے نکل آئے جن سے بڑھ کر سہولت سواری کی ممکن نہیں۔ اور کثرت مطابع نے تالیفات کو ایک شیرینی کی طرح بنا دیا جو دنیا کے تمام مجمع میں تقسیم ہو سکے۔ سو اس وقت حسب منطوق آیت وَّاٰخَرِیۡنَ مِنۡهُمۡ لَمَّا یَلۡحَقُوۡا بِهِمۡ اور حسب منطوق آیت قُلۡ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیۡ رَسُوۡلُ اللّٰهِ اِلَیۡکُمۡ جَمِیۡعًا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دوسرے بعث کی ضرورت ہوئی اور ان تمام خادموں نے جو ریل اور تار اور اگن بوٹ اور

مطابع اور احسن انتظام ڈاک اور باہمی زبانوں کا علم اور خاص کر ملک ہند میں اردو نے جو ہندوؤں اور مسلمانوں میں ایک زبان مشترک ہوگئی تھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بزبان حال درخواست کی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم تمام خدام حاضر ہیں اور فرض اشاعت پورا کرنے کے لئے بدل و جان سرگرم ہیں۔ آپ تشریف لائیے اور اس اپنے فرض کو پورا کیجئے کیونکہ آپ کا دعویٰ ہے کہ میں تمام کافہ ناس کے لئے آیا ہوں اور اب یہ وہ وقت ہے کہ آپ ان تمام قوموں کو جو زمین پر رہتی ہیں قرآنی تبلیغ کر سکتے ہیں اور اشاعت کو کمال تک پہنچا سکتے ہیں اور اتمام حجت کے لئے تمام لوگوں میں دلائل حقانیت قرآن پھیلا سکتے ہیں تب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانیت نے جواب دیا کہ دیکھو میں بروز کے طور پر آتا ہوں۔ مگر میں ملک ہند میں آؤں گا۔ کیونکہ جوش مذاہب و اجتماع جمیع ادیان اور مقابلہ جمیع ملل و نحل اور امن اور آزادی اسی جگہ ہے"۔

(تحفہ گولڑویہ روحانی خزائن جلد ۱۷ صفحہ ۲۶۰-۲۶۳)

سو اس زمانے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام ساری دنیا تک پہنچانے اور اسلام کی سچائی کو ساری دنیا پر ثابت کرنے اور خدائے واحد و یگانہ کی توحید کا پرچار کرنے کے لئے اسلام کا یہ بطل جلیل، جری اللہ، سیف کا کام قلم سے لیتے ہوئے قلمی اسلحہ پہن کر سائنس اور علمی ترقی کے میدان کارزار میں اترا اور اسلام کی روحانی شجاعت اور باطنی قوت کا ایسا کرشمہ دکھایا کہ ہر مخالف کے پرخچے اڑا دیے اور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کا پرچم پھر سے ایسا بلند کیا کہ آج بھی اس کے پھریرے آسمان کی رفعتوں پر بلند سے بلند تر ہو رہے ہیں اور ساری دنیا پر اسلام کا یہ پیغام حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تحریرات کے ذریعہ پھیل رہا ہے اور پھیلتا رہے گا۔ مسیح محمدی کی زندگی بخش تحریرات کی ہی یہ برکت ہے کہ ایک جہان روحانی اور جسمانی احیاء کی نوید سے مستفیض ہو رہا ہے اور صدیوں کے مردے ایک دفعہ پھر زندہ ہو رہے ہیں اور ایسا کیوں

نہ ہوتا کہ اسلام کی گزشتہ تیرہ صدیوں میں صرف آپ کا ہی کلام ایسا تھا جسے کبھی خدائے بزرگ و برتر کی طرف سے ''مضمون بالا رہا'' کی سند نصیب ہوئی تو کبھی الہاماً یہ نوید عطا ہوئی کہ:

''درکلامِ تو چیزے است کہ شعراء را دراں دخلے نیست۔ کَلَامٌ اُفْصِحَتْ مِنْ لَّدُنْ رَّبٍّ کَرِیْمٍ''۔ (کاپی الہامات حضرت مسیح موعود علیہ السلام صفحہ ۶۲۔ تذکرہ صفحہ ۵۰۸)

ترجمہ: ''تیرے کلام میں ایک چیز ہے جس میں شاعروں کو دخل نہیں ہے۔ تیرا کلام خدا کی طرف سے فصیح کیا گیا ہے۔'' (حقیقۃ الوحی، روحانی خزائن جلد ۲۲ صفحہ ۱۰۶)

چنانچہ ایسی ہی عظیم الٰہی تائیدات سے طاقت پا کر آپ فرماتے ہیں:

''میں بڑے دعویٰ اور استقلال سے کہتا ہوں کہ میں سچ پر ہوں اور خدا تعالیٰ کے فضل سے اس میدان میں میری ہی فتح ہے۔ اور جہاں تک میں دوربین نظر سے کام لیتا ہوں تمام دنیا اپنی سچائی کے تحت اقدام دیکھتا ہوں اور قریب ہے کہ میں ایک عظیم الشان فتح پاؤں کیونکہ میری زبان کی تائید میں ایک اور زبان بول رہی ہے اور میرے ہاتھ کی تقویت کے لئے ایک اور ہاتھ چل رہا ہے جس کو دنیا نہیں دیکھتی مگر میں دیکھ رہا ہوں۔ میرے اندر ایک آسمانی روح بول رہی ہے جو میرے لفظ لفظ اور حرف حرف کو زندگی بخشتی ہے''۔ (ازالہ اوہام، روحانی خزائن جلد ۳ صفحہ ۴۰۳)

ایک اور جگہ آپ فرماتے ہیں:

''میں خاص طور پر خدا تعالیٰ کی اعجاز نمائی کو انشاء پردازی کے وقت بھی اپنی نسبت دیکھتا ہوں کیونکہ جب میں عربی یا اردو میں کوئی عبارت لکھتا ہوں تو میں محسوس کرتا ہوں کہ کوئی اندر سے مجھے تعلیم دے رہا ہے''۔ (نزول المسیح، روحانی خزائن جلد ۱۸ صفحہ ۴۳۴)

پس یہ آپ کی دلی خواہش تھی کہ وہ آب حیات جو آپ کے مبارک قلم سے آپ کی کتابوں کی شکل میں دنیا کی روحانی اور علمی پیاس بجھانے کے لئے نکلا ہے اس سے سارا عالم فیضیاب ہو۔

چنانچہ آپ فرماتے ہیں:

''میں سچ سچ کہتا ہوں کہ مسیح کے ہاتھ سے زندہ ہونے والے مر گئے مگر جو شخص میرے ہاتھ سے جام پئے گا جو مجھے دیا گیا ہے وہ ہرگز نہیں مرے گا۔ وہ زندگی بخش باتیں جو میں کہتا ہوں اور وہ حکمت جو میرے منہ سے نکلتی ہے اگر کوئی اور بھی اس کی مانند کہہ سکتا ہے تو سمجھو کہ میں خدا تعالیٰ کی طرف سے نہیں آیا۔ لیکن اگر یہ حکمت اور معرفت جو مردہ دلوں کے لئے آب حیات کا حکم رکھتی ہے دوسری جگہ سے نہیں مل سکتی تو تمہارے پاس اس جرم کا کوئی عذر نہیں کہ تم نے اس سرچشمہ سے انکار کیا جو آسمان پر کھولا گیا زمین پر اس کو کوئی بند نہیں کرسکتا''۔ (ازالہ اوہام، روحانی خزائن جلد۳ صفحہ۱۰۴)

عزیزو! یہی وہ چشمۂ رواں ہے کہ جو اس سے پئے گا وہ ہمیشہ کی زندگی پائے گا اور ہمارے سید و مولا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی **یفیض المال حتی لا یقبله احد** (ابن ماجہ) کے مطابق یہی وہ مہدی ہے جس نے حقائق و معارف کے ایسے خزانے لٹائے ہیں کہ انہیں پانے والا کبھی ناداری اور بے کسی کا منہ نہ دیکھے گا۔ یہی وہ روحانی خزائن ہیں جن کی بدولت خدا جیسے قیمتی خزانے پر اطلاع ملتی ہے اور اس کا عرفان نصیب ہوتا ہے۔ ہر قسم کی علمی اور اخلاقی، روحانی اور جسمانی شفا اور ترقی کا زینہ آپ کی یہی تحریرات ہیں۔ اس خزانے سے منہ موڑنے والا دین و دنیا، دونوں جہانوں سے محروم اٹھنے والا قرار پاتا ہے اور خدا کی بارگاہ میں متکبر شمار کیا جاتا ہے، جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

''جو شخص ہماری کتابوں کو کم از کم تین دفعہ نہیں پڑھتا۔ اس میں ایک قسم کا کبر پایا جاتا ہے''۔

(سیرت المہدی جلد اول حصہ دوم صفحہ ۳۶۵)

اسی طرح آپؑ نے فرمایا کہ:

''وہ جو خدا کے مامور اور مرسل کی باتوں کو غور سے نہیں سنتا اور اس کی تحریروں کو غور سے

نہیں پڑھتا اس نے بھی تکبر سے حصہ لیا ہے۔ سو کوشش کرو کہ کوئی حصہ تکبر کا تم میں نہ ہو تا کہ ہلاک نہ ہو جاؤ اور تا تم اپنے اہل و عیال سمیت نجات پاؤ"۔

(نزول المسیح، روحانی خزائن جلد ۱۸ صفحہ ۴۰۳)

پھر آپ نے ایک جگہ یہ بھی تحریر فرمایا کہ:

"سب دوستوں کے واسطے ضروری ہے کہ ہماری کتب کم از کم ایک دفعہ ضرور پڑھ لیا کریں، کیونکہ علم ایک طاقت ہے اور طاقت سے شجاعت پیدا ہوتی ہے"۔

(ملفوظات جلد ۴ صفحہ ۳۶۱)

یہ ہماری خوش نصیبی ہے کہ ہمیں اس امام مہدی اور مسیح محمدی کو ماننے کی توفیق ملی اور ان روحانی خزائن کا ہمیں وارث ٹھہرایا گیا۔ اس لئے ہمیں چاہیے کہ ہم ان بابرکت تحریروں کا مطالعہ کریں تا کہ ہمارے دل اور ہمارے سینے اور ہمارے ذہن اس روشنی سے منور ہو جائیں کہ جس کے سامنے دجال کی تمام تاریکیاں کافور ہو جائیں گی۔ اللہ کرے کہ ہم اپنی اور اپنی نسلوں کی زندگیاں ان بابرکت تحریرات کے ذریعہ سنوار سکیں اور اپنے دلوں اور اپنے گھروں اور اپنے معاشرہ میں امن و سلامتی کے دیئے جلانے والے بن سکیں اور خدا اور اس کے رسول کی محبت اس طرح ہمارے دلوں میں موجزن ہو کہ اس کے طفیل ہم کل عالم میں بنی نوع انسان کی محبت اور ہمدردی کی شمعیں فروزاں کرتے چلے جائیں۔ اللہ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

والسلام

خاکسار

مرزا مسرور احمد

خليفة المسيح الخامس

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرض ناشر

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خصوصی ہدایات اور راہنمائی میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی جملہ تصانیف کا سیٹ ''روحانی خزائن'' پہلی بار کمپیوٹرائزڈ شکل میں پیش کیا جارہا ہے۔اس سیٹ کی خصوصیات حسب ذیل ہیں۔

۱۔حضور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے تاکیدی ارشاد کی تعمیل میں ہر کتاب فسٹ ایڈیشن کے عین مطابق رکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔اگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی میں ایک سے زائد ایڈیشن چھپے ہیں تو آخری ایڈیشن کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔

۲۔پورے سیٹ میں یہ التزام کیا گیا ہے کہ صفحہ کی سائیڈ پر ایڈیشن اوّل کا صفحہ نمبر دیا گیا ہے۔

۳۔ایڈیشن اوّل میں اگر سہو کتابت واقع ہوا ہے تو متن میں اس لفظ کو اسی طرح کمپوز کیا گیا ہے۔البتہ حاشیہ میں یہ نوٹ دیا گیا ہے کہ متن میں سہو کتابت معلوم ہوتا ہے اور غالباً صحیح لفظ یوں ہے۔

۴۔یہ ایڈیشن روحانی خزائن کے سابقہ ایڈیشن کے صفحات کے عین مطابق ہے تا کہ جماعتی لٹریچر میں گزشتہ نصف صدی سے آنے والے حوالہ جات کی تلاش میں سہولت رہے۔

۵۔حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی اجازت سے اس سیٹ میں مندرجہ ذیل اضافے کئے گئے ہیں۔

(ا) حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ایک مضمون جو آپ نے منشی گردیال صاحب مدرس مڈل اسکول چنیوٹ کے استفسار کے جواب میں تحریر فرمایا تھا اور روحانی خزائن میں شامل نہیں ہوسکا تھا۔ اسے روحانی خزائن کے نئے ایڈیشن میں جلد نمبر ۲ میں شامل اشاعت کر دیا گیا ہے۔

(ب) حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ایک اہم مضمون **''ایک عیسائی کے تین سوال اور ان کے جوابات''** جو پہلے ''تصدیق النبی'' کے نام سے سلسلہ کے لٹریچر میں موجود ہے اسے روحانی خزائن جلد نمبر ۴ کے آخر میں شامل اشاعت کر لیا گیا ہے۔

(ج) روحانی خزائن جلد ۴ میں الحق مباحثہ دہلی کے عنوان سے ایک کتاب شامل ہے۔اس کے صفحہ ۲۲۱ پر مراسلت نمبر ا مابین مولوی محمد بشیر صاحب اور مولوی سید محمد احسن صاحب ہے۔اس کے بعد مراسلت نمبر ۲ مابین منشی بوبہ صاحب و منشی محمد اسحاق و مولوی سید محمد احسن صاحب کسی وجہ سے روحانی خزائن میں شامل

ہونے سے رہ گئی ہے۔اسے روحانی خزائن جلد نمبر۴ کے نئے ایڈیشن میں شامل کرلیا گیا ہے۔

(د) روحانی خزائن جلد نمبر۵ آئینہ کمالات اسلام کے آخر میں ’’التبلیغ‘‘ کے نام سے جو عربی خط شامل ہے اس کے آخر میں عربی قصیدہ درج ہے۔ایڈیشن اول میں اس قصیدہ کے بعد ایک عربی نظم شائع شدہ ہے جو کسی وجہ سے روحانی خزائن جلد۵ میں شامل نہیں ہوسکی تھی۔نئے ایڈیشن میں یہ نظم شامل کردی گئی ہے۔

(ہ) جلسہ اعظم مذاہب ۱۸۹۶ء کیلئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا تحریر فرمودہ بے مثال مضمون جو ’’اسلامی اصول کی فلاسفی‘‘ کے نام سے اردو اور دوسری زبانوں میں چھپ چکا ہے اس کے اصل مسودہ کے کچھ صفحات کسی وجہ سے شامل اشاعت نہیں ہو سکے تھے انہیں اصل مسودہ سے جو خلافت لائبریری میں موجود ہے نقل کر کے جلد نمبر۱۰ میں شامل کیا گیا ہے۔

(و) ریویو آف ریلیجنز اردو کا پہلا شمارہ ۹؍جنوری ۱۹۰۲ء کو شائع ہوا۔اس میں صفحہ ۹ تا ۳۴ پر مشتمل ’’**گناہ کی غلامی سے رہائی پانے کی تدابیر کیا ہیں؟**‘‘ کے عنوان سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ایک بصیرت افروز مضمون شائع ہوا تھا۔اس مضمون کو روحانی خزائن جلد نمبر۱۸ کے آخر میں کتاب نزول المسیح کے بعد شامل کیا جارہا ہے۔

(ز) حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دست مبارک سے لکھا ہوا ’’**عصمت انبیاء**‘‘ کے عنوان سے ایک اور مضمون بھی ریویو آف ریلیجنز اردو مئی ۱۹۰۲ء صفحہ ۱۷۵ تا ۲۰۹ میں شائع ہوا تھا۔یہ مضمون اب تک کتابی شکل میں شائع نہیں ہوا۔اسے بھی روحانی خزائن جلد۱۸ کے آخر میں شامل اشاعت کیا جارہا ہے۔

والسلام

سید عبدالحی

ناظر اشاعت

اکتوبر ۲۰۰۸ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

اللہ تعالیٰ کے فرستادہ حضرت مسیح موعود و مہدی معہود علیہ السلام نے اپنی ساری زندگی اشاعت و تبلیغِ اسلام کے جہاد میں صَرف کی اور اس مقصد کے لئے آپ نے نہ صرف کثیر تعداد میں کتب تصنیف فرمائیں بلکہ اشتہارات و تقاریر کے ذریعہ بھی خدمت اسلام کے اس فریضہ کا حق ادا فرمایا۔ حضور علیہ السلام کی جملہ تصانیف کو روحانی خزائن کی تیئیس جلدوں کے سیٹ میں طبع کیا جا چکا ہے۔ اسی طرح آپؑ کے پُر معارف کلمات و تقاریر و مجالس علم و عرفان کو ملفوظات کی دس جلدوں میں، جبکہ آپؑ کے تحریر فرمودہ اشتہارات کو مجموعہ اشتہارات کے عنوان سے تین جلدوں میں تیار کیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے فضل سے سیدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی ہدایات کی روشنی میں علوم و فیوض روحانی سے لبریز اس لٹریچر (روحانی خزائن، ملفوظات اور مجموعہ اشتہارات) کے نئے ایڈیشن تیار کئے گئے ہیں جن کی اب سیدنا حضور اقدس کی منظوری سے یہاں انگلستان سے طباعت کی جارہی ہے تاکہ بیرون ممالک میں قائم جماعتوں کی بھی علمی و روحانی تشنگی دور ہو۔

حضرت اقدس مسیح موعود و مہدی معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جملہ تصانیف منیفہ جو روحانی خزائن کے نام سے ۲۳ جلدوں میں شائع شدہ ہیں، اس کے کمپیوٹرائزڈ ایڈیشن میں بعض مقامات پر کتابت کے سہو اور اغلاط کی نشاندہی ہوئی تھی۔

امامنا حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اس کے نئے ایڈیشن کی تیاری کا ارشاد فرماتے ہوئے بعض درج ذیل ہدایات سے نوازا:

> ”حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی کتب کی صحت کو قائم اور برقرار رکھنے کے لئے لازم ہے کہ ان کو اوّل ایڈیشن کے عین مطابق اور اسی حال میں برقرار رکھا جائے۔ اگر اوّل ایڈیشن میں کہیں سہوِ کتابت ہے تو اس کو بعینہٖ

قائم رکھا جائے۔ البتہ واضح سہو اور غلطی کی ناشر کی طرف سے حاشیہ میں وضاحت دی جائے۔ اگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی حیات مبارکہ میں اس کے ایک سے زیادہ ایڈیشنز شائع ہوئے تھے تو آپ کی زندگی میں مطبوعہ آخری ایڈیشن کو پیشِ نظر رکھا جائے۔

غرضیکہ اوّل ایڈیشن سے تقابل کرکے اگر مابعد کسی سہو یا کتابت کی غلطی کی درستگی کی گئی ہے تو اسے نظر انداز کرکے اوّل ایڈیشن کے بالکل مطابق کر دیا جائے اور متن میں کوئی تبدیلی نہ کی جائے۔"

اوّل ایڈیشن کے وقت اس زمانہ کی طرزِ کتابت کے مطابق "ے" اور "ی" کو اکثر و بیشتر "ی" لکھا گیا ہے۔ پہلے قارئین خود سمجھ جاتے تھے کہ فقرہ کی ترتیب کے لحاظ سے یہاں یائے معروف ہے یا یائے مجہول۔ لیکن اب اس تفریق کو سمجھنے میں قاری کو دقت اور مشکل در پیش ہوتی ہے۔ اس لئے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے ارشاد فرمایا ہے کہ فقرہ کی مناسبت سے یائے معروف اور یائے مجہول کو ظاہر کر دیا جائے۔

حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ "روحانی خزائن کے پہلے ایڈیشن کے مطابق صفحات نمبر اور عبارات رکھی جائیں۔" چنانچہ اس ہدایت کی پابندی کی گئی ہے۔ اس لئے ناشر کی طرف سے اگر کوئی وضاحت ضروری سمجھی گئی تو اس کو بارڈر سے باہر رکھا گیا ہے۔

ایسے انگریزی الفاظ، اسماء وغیرہ جو اردو رسم الخط میں تحریر شدہ ہیں اور جن کو صحیح تلفظ سے پڑھنا مشکل ہے سہولت کی غرض سے ان کو انگریزی طرز میں بھی حاشیہ میں دے دیا گیا ہے۔

الحق مباحثہ دہلی کا ایک حصہ "مراسلت نمبر ۲" جو روحانی خزائن کی تدوین کے وقت دستیاب نہ ہونے کی وجہ سے شامل نہ ہو سکا۔ کمپیوٹرائزڈ ایڈیشن کے وقت یہ مراسلت مل گئی اور اسے جلد ۴ کے آخر پر صفحہ ۴۸۳ پر دے دیا گیا۔ اس ایڈیشن میں حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد پر اسے الحق مباحثہ دہلی کے آخر پر مراسلت نمبر ا کے بعد شامل اشاعت کیا جا رہا ہے۔

محمود کی آمین تو جلد ۱۲ میں آچکی ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے حضرت مرزا بشیر احمد صاحب، حضرت مرزا شریف احمد صاحب اور حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ کی آمین بھی لکھی تھی۔ یہ نظم ۱۹۰۱ء میں شائع ہوئی جو روحانی خزائن کی کسی جلد میں شامل نہیں۔

اب روحانی خزائن کی نظر ثانی کے دوران حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد پر اسے اپنے زمانی اعتبار سے روحانی خزائن جلد ۷ا میں شامل کیا گیا ہے، مگر جلد کے آخر پر تا کہ صفحات کی ترتیب میں فرق نہ آئے۔

روحانی خزائن میں جو فارسی اشعار، عبارات اور رقوم بیان ہوئی ہیں ان کا ترجمہ اس ایڈیشن میں متن کے اختتام پر دے دیا گیا ہے تا کہ قارئین کو مفہوم سمجھنے میں سہولت ہو۔

یہاں انگلستان میں متعدد مرتبہ خاکسار نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں حاضر ہو کر مختلف امور میں راہنمائی حاصل کرنے کی سعادت حاصل کی اور ان ہدایات کی تعمیل کروائی۔ فالحمد للہ علیٰ ذلک۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور خلفائے کرام نے بارہا ان بیش بہا علوم کو پڑھنے اور پھیلانے کی نصیحت فرمائی ہے۔ اللہ کرے کہ ہم سب ان سے کماحقہٗ فائدہ اٹھانے والے ہوں۔ آمین

خاکسار

منیر الدین شمس

ایڈیشنل وکیل التصنیف

فروری ۲۰۲۱ء

ترتیب

روحانی خزائن جلد۴

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علٰی رسوله الكريم

تعارف

(از حضرت مولانا جلال الدین صاحب شمسؓ)

روحانی خزائن کی یہ جلد چہارم ہے جو ’’الحق مباحثہ لدھیانہ‘‘ اور الحق مباحثہ دہلی‘‘ اور ’’آسمانی فیصلہ‘‘ اور ’’نشان آسمانی‘‘ اور ’’ایک عیسائی کے تین سوال اوران کے جوابات‘‘ پر مشتمل ہے۔

مباحثہ لدھیانہ جولائی ۱۸۹۱ء میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ابوسعید مولوی محمد حسین بٹالوی کے اور مباحثہ دہلی اکتوبر ۱۸۹۱ء میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اور مولوی محمد بشیر صاحب سہسوانی ثم بھوپالی کے مابین ہوا۔ ماہ نومبر ۱۸۹۱ء میں جناب مولوی محمد احسن صاحب امروہی اور مولوی محمد بشیر صاحب بھوپالی کے مابین اس مباحثہ سے متعلق جو تحریری مراسلت ہوئی اور الحق میں طبع شدہ ہے۔ وہ ہم نے بھی اس کے موضوعِ مباحثہ سے شدید مناسبت رکھنے اور اس غرض سے کہ تا اُس زمانہ کے مولویوں کی طرز مناظرہ اور اُن کی علومِ رسمیہ سے وابستگی اور علمِ قرآن سے بیگانگی اور بے رغبتی کا قارئین پوری طرح اندازہ کرسکیں اصل مباحثہ کے ساتھ شائع کردی ہے۔

تیسری کتاب رسالہ ’’آسمانی فیصلہ‘‘ ہے جو جنوری ۱۸۹۲ء میں شائع ہوئی۔ چوتھی ’’نشان آسمانی‘‘ ہے جو حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مئی ۱۸۹۲ء میں تحریر فرمائی اور جون ۱۸۹۲ء میں شائع ہوئی۔ پانچویں کتاب ’’ایک عیسائی کے تین سوال اوران کے جوابات‘‘ ہے۔ جو مئی یا جون ۱۸۸۹ء کی ہے۔

مناظرات ومباحثات

مناظرات ومباحثات اگر خلوص نیّت سے اور نفسانی جذبات سے علیحدہ ہوکر اور فتح وشکست کے

خیال کو بالائے طاق رکھ کر محض اس مقصد کے پیش نظر کئے جائیں کہ تا حق ظاہر ہو جائے اور باطل کا پتہ لگ جائے اور حق کو اختیار اور باطل سے اجتناب کیا جائے تو ایسے مناظرات نہ صرف مفید بلکہ انسانی علمی ترقی کے لئے نہایت ضروری ہیں۔ قرآن مجید سے ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے انبیاء اور مامورین کو بھی بسا اوقات اپنے مخالفین سے مباحثات کرنے پڑے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنی قوم (مائدہ۔ انبیاء وصافات) اور ایک بااختیار بادشاہ (البقرہ) اور اپنے چچا (مریم) سے مباحثہ کرنا قرآن مجید میں مذکور ہے۔ اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کے فرعون اور ساحروں سے اور حضرت نوح علیہ السلام کے اپنی قوم سے مکالمات کا ذکر قرآن مجید کے متعدد مقامات میں آتا ہے۔ انبیاء اور مامورین کی اسی سنّت کے مطابق حضرت مسیح موعود و مہدیٔ معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی اپنے مخالفین سے مناظرات کئے۔ چنانچہ اِس جلد میں آپ کے دو مشہور مباحثات یعنی مباحثہ لدھیانہ اور مباحثہ دہلی شائع کئے گئے ہیں۔

مباحثہ لدھیانہ

مباحثہ لدھیانہ کی تقریب یوں پیدا ہوئی کہ جنوری ۱۸۹۱ء کو مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خط لکھا کہ میں نے آپ کا رسالہ ''فتح اسلام'' کے جب امرتسر میں چھپ رہا تھا پروف مطبع ریاض ہند سے منگوا کر دیکھا اور پڑھوا کر سُنا۔ پھر اُس سے عبارات نقل کر کے دریافت کیا کہ آپ نے اِس میں یہ دعویٰ کیا ہے۔ ''مسیح موعود جن کے قیامت سے پہلے آنے کا خدا تعالیٰ نے اپنے کلامِ مجید میں اشارۃً اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کلامِ مبارک میں جو صحاح میں موجود ہے صراحتاً وعدہ دیا ہے۔ وہ آپ ہی ہیں۔ جو مسیح ابن مریم کے مثیل کہلاتے ہیں۔ نہ وہ مسیح ابن مریم جن کو عام اہل اسلام مسیح موعود سمجھتے ہیں۔ مسیح ابن مریم کو مسیح موعود سمجھنے میں عام اہلِ اسلام نے غلطی کی ہے اور دھوکا کھایا ہے اور اُن احادیث کو جو مسیح موعود کی نسبت صحاح میں وارد ہیں غور سے نہیں دیکھا۔''

پھر لکھا کہ:۔ ''آیا اس دعویٰ سے آپ کی یہی مراد ہے۔ ہاں یا نہ میں جواب دیں۔''

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ۵؍فروری ۱۸۹۱ء کو جواباً لکھا:۔

''آپ کے استفسار کے جواب میں صرف ''ہاں'' کافی سمجھتا ہوں۔''

(مکتوبات احمد جلد اول۔ مکتوب نمبر ۵ صفحہ ۱۱ ۳ ایڈیشن ۲۰۰۸ء)

’’پھر۱۱رفروری کومولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے خط کا جواب دیتے ہوئے لکھا:۔

’’آپ اگر اس دعویٰ میں حضرت خضر کی طرح معذور ہیں تو میں اس کے انکار اور خلاف میں حضرت موسیٰؑ کی طرح مجبور ہوں۔آپ کے رسائل توضیح المرام اور ازالۃ الاوہام میرے خلاف کونہیں روکیں گے مجھے یقین ہے کہ نقلی یا عقلی دلائل سے آپ اور آپ کے حواریّین آپ کا مسیح موعود ہونا ثابت نہ کرسکیں گے۔‘‘

حضورؑ نے اِس خط کا جواب دیتے ہوئے تحریر فرمایا:۔

’’حضرت موسیٰؑ کی جو آپ نے مثل لکھی ہے۔اشارۃ النص پایا جاتا ہے کہ ایسا نہیں کرنا چاہئے جیسا کہ موسیٰؑ نے کیا۔ اِس قصّے کو قرآن شریف میں بیان کرنے سے غرض بھی یہی ہے کہ تا آئندہ حق کے طالب معارفِ روحانیہ اور عجائبات مخفیّہ کے کھلنے کے شائق رہیں۔حضرت موسیٰؑ کی طرح جلدی نہ کریں۔‘‘

۱۶رفروری ۱۸۹۱ء کومولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے اپنے خط میں رسالہ توضیح مرام کے موصول ہونے کا ذکر کر کے لکھا کہ:۔

’’اِس نے میری مخالفت رائے کو اور پختہ کر دیا ہے۔قیاس مقتضی ہے کہ ایسا ہی ازالۃ الاوہام ہوگا۔‘‘

۲۱رفروری کوحضور علیہ السلام نے اِس خط کا جواب دیتے ہوئے ۵رجنوری ۱۸۸۸ء کی قلمی یادداشت سے اِس خواب کا ذکر کیا کہ:۔

’’میں نے خواب میں دیکھا کہ مولوی محمد حسین صاحب نے کسی امر میں مخالفت کر کے کوئی تحریر چھپوائی ہے اور اُس کی سُرخی میری نسبت ’’کمینہ‘‘ رکھی ہے۔معلوم نہیں اس کے کیا معنے ہیں۔اور وہ تحریر پڑھ کر کہا ہے کہ آپ کو میں نے منع کیا تھا۔پھر آپ نے کیوں ایسا مضمون چھپوایا۔ھٰذَا مَارَأَیْتُ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِتَاْوِیْلِہٖ.

(مکتوبات احمد جلداول۔مکتوب نمبر۷صفحہ۳۱۳ ایڈیشن ۲۰۰۸ء)

چونکہ حتّی الوسع خواب کی تصدیق کے لئے کوشش مسنون ہے۔اِس لئے میں آنمکرم کو منع بھی کرتا ہوں کہ آپ اس ارادہ سے دستکش رہیں۔خدائے تعالیٰ خوب

جانتا ہے کہ میں اپنے دعویٰ میں صادق ہوں اور اگر صادق نہیں تو پھر اِنْ یَّکُ کَاذِباً کی تہدید پیش آنے والی ہے۔''

(مکتوبات احمد جلد اول۔ مکتوب نمبر ۷ صفحہ ۳۱۴ ایڈیشن ۲۰۰۸ء)

پھر ۲۴؍ فروری ۱۸۹۱ء کے خط میں مولوی محمد حسین بٹالوی نے لکھا:۔

''اخیر میں مَیں بھی آپ کو نصیحت کرتا ہوں (جیسے کہ آپ نے مجھے نصیحت کی ہے) کہ آپ اِس دعویٰ سے کہ میں مسیح موعود ہوں عیسیٰ ابن مریم موعود نہیں ہے دستکش ہو جائیں۔ یہ امر آسمانی نہیں ہے اور نہ یہ الہامِ رحمانی ہے۔ اس دعویٰ الہام میں اگر آپ سچے ہوں گے تو پھر بخاری و مسلم وغیرہ کتب صحاح مہمل و بے کار ہو جائیں گی بلکہ دین اسلام کے اکثر اصول وامہاتِ مسائل بے کار ہو جائیں گے۔''

اِس خط کا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کوئی جواب نہ دیا اور ۳؍ مارچ کو قادیان سے لدھیانہ تشریف لے گئے۔

پھر ۶؍ مارچ کو مولوی صاحب نے حضورؑ کو لکھا کہ ''حافظ محمد یوسف صاحب نے لکھا تھا کہ آپ ۸؍ مارچ ۱۸۹۱ء کو لاہور میں آکر ایک مجلس علماء میں گفتگو کریں گے۔ آج معلوم ہوا کہ آپ ماہ اپریل میں مجمع کرنا چاہتے ہیں۔ میں آپ کو اطلاع دیتا ہوں کہ ماہ اپریل میں مَیں ہندوستان میں ہوں گا۔ لہٰذا آپ گفتگو کرنا چاہتے ہیں تو ابھی کریں۔ ورنہ ہم لوگ جو ارادہ رکھتے ہیں وہ آپ پر ظاہر کر چکے ہیں۔''

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ۸؍ مارچ ۱۸۹۱ء کو لدھیانہ سے اس خط کا جواب دیا اور یہ ذکر کر کے کہ بظاہر مجھے گفتگو میں کچھ فائدہ معلوم نہیں دیتا مجمع علماء کے انعقاد کے لئے چند شرائط تحریر فرمائیں مثلاً یہ کہ مجلس صرف چند مولوی صاحبوں میں محدود نہ ہو اور بحث محض اظہاراً للحق ہو اور تحریری ہو اور اس مجمع بحث میں وہ الہامی گروہ بھی ضرور شامل ہو جنہوں نے اپنے الہامات کے ذریعہ سے اِس عاجز کو جہنمی ٹھہرایا ہے اور ایسا کافر جو ہدایت پذیر نہیں ہوسکتا۔ اور مباہلہ کی درخواست کی ہے۔ الہام کی رُو سے کافر و ملحد ٹھہرانے والے تو میاں عبدالرحمٰن صاحب لکھو کے ہیں اور جہنمی ٹھہرانے والے میاں عبدالحق غزنوی ہیں جن کے الہامات کے مصدق و پیرو میاں مولوی عبدالجبار ہیں سو اِن تینوں کا جلسہ بحث میں حاضر ہونا ضروری ہے تا کہ مباہلہ کا بھی ساتھ ہی قضیّہ طے ہو جائے وغیرہ۔

اگر آپ ہندوستان کی طرف سفر کرنا چاہتے ہیں تو لدھیانہ راہ میں ہے کیا بہتر نہیں کہ لدھیانہ میں ہی یہ مجلس قرار پائے۔ ورنہ جس جگہ غزنوی صاحبان اور مولوی عبدالرحمٰن (اس عاجز کو ملحد اور کافر قرار دینے والے) یہ جلسہ منعقد ہونا مناسب سمجھیں تو اس جگہ یہ عاجز حاضر ہوسکتا ہے۔

مکرر یہ کہ ۲۳؍ مارچ ۱۸۹۱ء تاریخ جلسہ مقرر ہوگئی ہے اور یہ قرار پایا ہے کہ بمقام امرتسر جلسہ ہو۔''

۹؍ مارچ ۱۸۹۱ء کو مولوی محمد حسین صاحب نے لکھا:۔

''کہ تجویز مجمع علماء کی تحریک میری طرف سے نہیں ہوئی۔ لہٰذا میں ان شرائط کا ذمہ دار نہیں ہوسکتا جو میری ذات خاص سے متعلق نہ ہوں۔''

یہ خط و کتابت کا سلسلہ ۳۰؍ مارچ تک جاری رہا۔ مولوی محمد حسین صاحب لکھتے ہیں کہ:۔

۲۹؍ مارچ ۱۸۹۱ء کو لدھیانہ سے ایک خط پہنچا جو نہ تو مرزا صاحب کے قلم کا لکھا ہوا تھا اور نہ اس پر مرزا صاحب کا دستخط ثبت تھا اور اس کے ساتھ مرزا صاحب کا وہ اشتہار پہنچا جو ۲۶؍ مارچ ۱۸۹۱ء کو انہوں نے شائع کیا تھا۔''

اِس خط پر مولوی صاحب مذکور نے یہ لکھ کر واپس کر دیا کہ:۔

''اِس خط پر مرزا صاحب کا دستخط نہیں ہے لہٰذا واپس ہے۔''

یکم اپریل کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یہ لکھ کر کہ ''اس عاجز کی منشاء کے موافق ہے۔'' اُسے پھر مولوی محمد حسین صاحب کو واپس بھیج دیا۔ جس کے جواب میں مولوی صاحب نے لکھا کہ

''اس خط اور اس اشتہار (مؤرخہ ۲۶؍ مارچ) سے آپ نے دوستانہ اور برادرانہ تعلقات کو قطع کر دیا ہے اور مخاصمانہ مباحثہ کی بناء کو قائم و مستحکم کر دیا۔ لہٰذا ہم بھی آپ سے دوستانہ و برادرانہ بحث بلکہ پرائیویٹ ملاقات تک نہیں چاہتے۔ اور مخاصمانہ مباحثہ کے لئے حاضر و مستعد ہیں۔''[1]

اس کے بعد مولوی صاحب نے ''اشاعة السنة'' میں یہ ذکر کر کے کہ اب ''اشاعة السنة'' صرف آپ کے دعاوی کا ردّ شائع کرے گا اور آپ کی جماعت کو تتر بتر کرنے کی کوشش کرے گا اور یہ کہ ''اشاعة السنہ'' کا ریویو براہین آپ کو امکانی ولی و ملہم نہ بناتا تو آپ تمام مسلمانوں کی نظر میں بے اعتبار ہو جاتے اور یہ کہ اِسی نے آپ کو حامی اسلام بنا رکھا تھا، لکھا:۔

[1] اشاعة السنة جلد ۱۲ نمبر ۱۳

''لہٰذا اِسی (اشاعۃ السنہ) کا فرض اور اس کے ذمہ یہ ایک قرض تھا کہ اُس نے جیسا اس کو دعاویٔ قدیمہ کی نظر سے آسمان پر چڑھایا تھا ویسا ہی اِن دعاویٔ جدیدہ کی نظر سے اس کو زمین پر گراوے اور تلافیٔ مافات عمل میں لاوے اور جب تک یہ تلافی پوری نہ ہو لے تب تک بلاضرورتِ شدید کسی دوسرے مضمون سے تعرض نہ کرے۔''[1]

حضرت خلیفۃ المسیح اوّلؓ سے گفتگو

اِس کے بعد لاہور کے چند احباب کی خواہش پر حضرت مولوی حکیم نورالدین رضی اللہ عنہ ۱۳؍اپریل کو لاہور پہنچے اور منشی امیر الدین صاحب کے مکان پر فروکش ہوئے۔ ۱۴؍اپریل کی صبح کو مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کو بھی بلایا گیا۔ جب وہ تشریف لائے تو محمد یوسف صاحب نے فرمایا کہ آپ کو

''اس غرض سے بلایا ہے کہ آپ مرزا صاحب کے متعلق حکیم صاحب سے گفتگو کریں۔''

مولوی محمد حسین صاحب نے کہا کہ قبل از بحث مقصود چند اصول آپ سے تسلیم کرانا چاہتا ہوں۔ اور ان اصول سے متعلق گفتگو ہوئی۔ گفتگو کے بعد اپنے طور پر ان دوستوں نے آپ سے وفات و حیات مسیحؑ اور یہ کہ حضرت عیسیٰؑ صلیب پر نہیں مرے تھے وغیرہ امور سے متعلق باتیں سُنیں اور چونکہ آپ کو واپس جانا ضروری تھا اِس لئے آپ لاہور بُلانے والوں سے اجازت لے کر واپس لدھیانہ پہنچ گئے (اِس کی تفصیلی رپورٹ ضمیمہ پنجاب گزٹ مؤرخہ ۲۵؍اپریل ۱۸۹۱ء میں درج ہے)

۱۵؍اپریل کو مولوی محمد حسین صاحب نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اس مضمون کا تار دیا:۔

''تمہارے ڈیسائپل (حواری) نورالدین نے مباحثہ شروع کیا اور بھاگ گیا۔ اس کو واپس کریں یا خود آویں ورنہ یہ متصوّر رہوگا کہ آپ نے شکست کھائی''[2]

اِس تار کے جواب میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ۱۶؍اپریل کو ایک خط لکھا اور ایک خاص آدمی کے ذریعہ مولوی محمد حسین صاحب کو لاہور پہنچایا۔ اُس خط میں آپ نے تحریر فرمایا:۔

''اے عزیز! شکست اور فتح خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ جس کو چاہتا ہے فتح مند کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے شکست دیتا ہے۔ کون جانتا ہے کہ واقعی طور پر فتح مند کون

[1] اشاعۃ السنۃ جلد ۱۳ نمبر ۱ صفحہ ۴ [2] اشاعۃ السنۃ نمبر ۲ جلد ۱۳ صفحہ ۴۶

ہونے والا ہے اور شکست کھانے والا کون ہے؟ جو آسمان پر قرار پا گیا ہے وہی زمین پر ہوگا گو دیر سے سہی‘‘[1] (مکتوبات احمد جلد اول مکتوب نمبر ۱۲ صفحہ ۳۲۳ ایڈیشن ۲۰۰۸ء)

پھر لاہور کی گفتگو سے متعلق لکھا:۔

’’اصل بات تو اس قدر تھی کہ حافظ محمد یوسف صاحب نے مولوی صاحب ممدوح کی خدمت میں لکھا تھا کہ مولوی عبدالرحمٰن اس جگہ آئے ہوئے ہیں۔ ہم نے اُن کو دو تین روز کے لئے ٹھہرالیا ہے تا اُن کے روبرو ہم بعض شبہات اپنے آپ سے دُور کرالیں اور یہ بھی لکھا کہ ہم اس مجلس میں مولوی محمد حسین صاحب کو بھی بُلا لیں گے۔ چونکہ مولوی صاحب موصوف حافظ صاحب کے اصرار کی وجہ سے لاہور میں پہنچے اور منشی امیر الدین صاحب کے مکان پر اُترے اور اس تقریب پر حافظ صاحب نے اپنی طرف سے آپ کو بھی بُلا لیا۔ تب مولوی عبدالرحمٰن صاحب تو عین تذکرہ میں اُٹھ کر چلے گئے اور جن صاحبوں نے آپ کو بلایا تھا انہوں نے مولوی صاحب کے آگے بیان کیا کہ ہمیں مولوی محمد حسین صاحب کا طریقِ بحث پسند نہیں آیا۔ یہ سلسلہ تو دو برس تک بھی ختم نہیں ہوگا۔ آپ خود ہمارے سوالات کا جواب دیجئے۔ ہم مولوی محمد حسین صاحب کے آنے کی ضرورت نہیں دیکھتے اور نہ انہوں نے آپ کو بلایا ہے۔ تب جو کچھ ان لوگوں نے پوچھا مولوی صاحب موصوف نے بخوبی اُن کی تسلّی کردی۔‘‘[2]

’’پھر بانشراح صدر حافظ محمد یوسف صاحب اور قریشی عبدالحق صاحب و منشی الٰہی بخش صاحب و منشی امیر دین صاحب اور مرزا امان اللہ صاحب نے کہا۔ ہماری تسلّی ہوگئی اور شکریہ ادا کیا۔ کہا بلاحرج تشریف لے جائیے۔ جب بلانے والوں نے کہا ہم مولوی محمد حسین صاحب کو بلانا نہیں چاہتے ہماری تسلّی ہوگئی تو آپ سے کیوں اجازت مانگتے۔‘‘ (ملخصًا)

اگر آپ کی یہ خواہش ہے کہ بحث ہونی چاہئے جیسا کہ آپ اپنے رسالہ میں تحریر فرماتے ہیں تو یہ عاجز بسر و چشم حاضر ہے مگر صرف تحریری بحث ہونی چاہئے۔ اور

[1] اشاعة السنة نمبر ۲ جلد ۱۳ صفحہ ۴۷ [2] مکتوبات احمد جلد اول مکتوب نمبر ۱۲ صفحہ ۳۲۳، ۳۲۴ ایڈیشن جدید مطبوعہ ۲۰۰۸ء

پرچے صرف دو[۲] ہوں گے اور موضوع مباحثہ یہ ہوگا کہ میں مثیل مسیحؑ ہوں اور یہ کہ حضرت مسیحؑ ابن مریم وفات پا چکے ہیں۔'' (ملخصًا)

مولوی محمد حسین صاحب نے اپنے خط میں دونوں شرطیں منظور کرتے ہوئے اپنی طرف سے دو[۲] شرطیں بڑھا دیں۔ جن میں سے ایک یہ تھی کہ ''میں قبل از مباحثہ چند اصول کی تمہید کروں اور آپ سے ان کو تسلیم کراؤں'' اور یہ آپ اپنے دعاوی جدیدہ کے جملہ دلائل درج کر کے مجھے بھیجیں۔

اِس خط کا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مدلّل اور مفصّل جواب لکھا۔ لیکن یہ مجوزہ مباحثہ بھی نہ ہوسکا۔[۱]

پھر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ۳رمئی کو اشتہار شائع کیا جس میں علماء کو مباحثہ کے لئے دعوت دی اور اس میں مولوی محمد حسن صاحب رئیس لدھیانہ کو بھی مخاطب کیا اور لکھا کہ اگر آپ چاہیں تو بذاتِ خود بحث کریں اور چاہیں تو اپنی طرف سے مولوی ابوسعید محمد حسین کو بحث کے لئے وکیل مقرر کریں۔

مباحثہ لدھیانہ

اِس اشتہار کے شائع ہونے کے بعد مولوی محمد حسن صاحب رئیس لدھیانہ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے درمیان مباحثہ کے لئے خط وکتابت ہوئی۔ موضوع مباحثہ سے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تحریر فرمایا کہ

''امر مبحوث عنہ وفات یا حیات مسیح ہوگا۔ کیونکہ اس عاجز کا دعویٰ اِسی بناء پر ہے۔ جب بناء ٹوٹ جاوے گی تو یہ دعویٰ خود ٹوٹ جاوے گا۔''

(مکتوبات احمد جلد اول مکتوب نمبر ۱۵ صفحہ ۳۳۱ جدید ایڈیشن ۲۰۰۸)

مولوی محمد حسن صاحب نے حسب مشورہ مولوی محمد حسین بٹالوی یہ جواب دیا کہ

''آپ کے اشتہار میں وفات مسیح اور اپنے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ پایا جاتا ہے لہٰذا میں یہ چاہتا ہوں کہ پہلے آپ کے مسیح موعود ہونے میں بحث ہو۔ پھر حضرت ابن مریم کے فوت ہونے میں۔''

[۱] اشاعة السنة نمبر ۳ جلد ۱۳ صفحہ ۱۰۰

حضرت اقدس نے جواباً تحریر فرمایا کہ

’’اصلی امر اس بحث میں جناب مسیح ابن مریم کی وفات یا حیات ہے اور میرے الہام میں بھی یہی اصل قرار دیا گیا ہے۔ کیونکہ الہام یہ ہے کہ ’’**مسیح ابن مریم رسول اللہ فوت ہو چکا ہے اور اُس کے رنگ میں ہو کر وعدہ کے موافق تو آیا ہے۔**‘‘

’’سو پہلا اور اصل امر الہام میں بھی یہی ٹھہرایا گیا ہے کہ مسیح ابن مریم فوت ہو چکا ہے اب ظاہر ہے کہ اگر آپ حضرت مسیح کا زندہ ہونا ثابت کر دیں گے تو جیسا کہ پہلا فقرہ الہام کا اس سے باطل ہو گا ایسا ہی دوسرا فقرہ بھی باطل ہو جائے گا۔ کیونکہ خدا تعالیٰ نے میرے دعویٰ کی شرط صحت مسیح کا فوت ہونا بیان فرمایا ہے۔‘‘

’’**میں اقرار کرتا ہوں اور حلفاً کہتا ہوں کہ اگر آپ مسیح کا زندہ ہونا کلامِ الٰہی سے ثابت کر دیں گے تو میں اپنے دعویٰ سے دست بردار ہو جاؤں گا اور الہام کو شیطانی القاء سمجھ لوں گا۔ اور توبہ کروں گا۔**‘‘ [1]

(مکتوباتِ احمد جلد اول مکتوب نمبر ۱۶ صفحہ ۳۳۲ جدید ایڈیشن ۲۰۰۸)

اس کے بعد بھی شرائط سے متعلق خط و کتابت ہوتی رہی اور مولوی محمد حسین صاحب نے یہ شرط بھی ضروری ٹھہرائی کہ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی گفتگو سے پہلے چند اصول آپ سے تسلیم کرائیں گے۔

چنانچہ ۲۰ر جولائی ۱۸۹۱ء کو مباحثہ شروع ہوا اور بارہ دن تک جاری رہا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو آخری پرچہ ۲۹ر جولائی کو سنانا تھا جس کی اطلاع مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کو بھی کی گئی لیکن اُن کے کہنے پر ۳۱ تاریخ کو سنایا گیا جس پر یہ مباحثہ ختم ہوا۔

موضوع مباحثہ

یہ مباحثہ انہیں تمہیدی امور پر ہوتا رہا جو مولوی محمد حسین صاحب منوانا چاہتے تھے اور اصل موضوع حیات و وفاتِ مسیحؑ پر بحث سے بچنے کے لئے مولوی صاحب موصوف اِن تمہیدی امور پر بحث کو طول دیتے چلے گئے۔ امر زیر بحث یہ رہا کہ حدیث کا مرتبہ بحیثیت حجتِ شرعیہ ہونے کے قرآن مجید کی طرح ہے یا نہیں اور یہ کہ بخاری اور مسلم کی احادیث سب کی سب صحیح ہیں اور قرآن مجید کی طرح واجب العمل ہیں یا نہیں؟ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بار بار یہی جواب دیا کہ میرا مذہب یہ ہے کہ کتاب اللہ مقدّم اور امام ہے۔

[1] اشاعۃ السنۃ جلد ۱۳ نمبر ۳ صفحہ ۸۴

جس امر میں حدیثِ نبویہؐ کے معانی جو کئے جاتے ہیں کتاب اللہ کے مخالف واقع نہ ہوں تو وہ معانی بطور حجتِ شرعیہ کے قبول کئے جائیں گے۔ لیکن جو معانی نصوصِ بیّنہ قرآنیہ سے مخالف واقع ہوں گے تو ہم حتّی الوسع اس کی تطبیق اور توفیق کے لئے کوشش کریں گے۔ اور اگر ایسا نہ ہو سکے تو اس حدیث کو ترک کر دیں گے۔ اور ہر مومن کا یہی مذہب ہونا چاہئے کہ کتاب اللہ کو بلا شرط اور حدیث کو شرطی طور پر حجت شرعی قرار دیوے۔

ہمارا ضرور یہ مذہب ہونا چاہئے کہ ہم ہر ایک حدیث اور ہر ایک قول کو قرآن کریم پر عرض کریں۔ کیونکہ قرآن قول فصل، فرقان، میزان اور امام اور نور ہے۔ اِس لئے جمیع اختلافات کے دُور کرنے کا آلہ ہے اور حدیث کا پایہ قرآن کریم کے پایہ اور مرتبہ کو نہیں پہنچتا۔ اکثر احادیث غایت درجہ مفید ظن ہیں اور اگر کوئی حدیث تواتر کے درجہ پر بھی ہو تاہم قرآن کریم کے تواتر سے اس کو ہرگز مساوات نہیں۔

پھر حدیثیں دو۲ قسم کی ہیں۔ ایک وہ احادیث جو اعمال وفرائضِ دین پر مشتمل ہیں۔ جیسے نماز، حج، زکوٰۃ وغیرہ۔ یہ تمام اعمال روائتی طور پر نہیں بلکہ اُن کے یقینی ہونے کا موجب سلسلۂ تعامل ہے۔ پس ایسی حدیثیں جن کو سلسلہ تعامل سے قوت ملی ہے ایک مرتبہ یقین تک اور دوسری احادیث جو قصصِ ماضیہ یا واقعات آئندہ پر مشتمل ہیں اُن کو مرتبہ ظن سے بڑھ کر تسلیم نہیں کیا جائے گا اور یہ وہ حدیثیں ہیں جنہیں سلسلۂ تعامل سے کچھ رشتہ اور تعلق نہیں۔ اِن میں سے اگر کوئی حدیث مخالف یا معارض آیت قرآن ہوگی تو وہ قابلِ ردّ ہوگی۔

مگر مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی اس موقف کی تردید کرتے چلے گئے اور کہتے گئے کہ آپ نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا اور اپنا مذہب یہ بیان کیا کہ صحیحین کی تمام احادیث قطعی طور پر صحیح اور بلا وقفہ وشرط وبلا تفصیل واجب العمل والاعتقاد ہیں۔ اور مسلمانوں کو مومن بالقرآن ہونا یہی سکھاتا ہے کہ جب کسی حدیث کی صحت بقوانین روایت ثابت ہو تو اُس کو قرآن مجید کی مانند واجب العمل سمجھیں۔ جب حدیث صحیح خادم ومفسّرِ قرآن اور وجوب عمل میں مثلِ قرآن ہے۔ تو پھر قرآن اس کی صحت کا حَکَم ومعیار ومحک کیونکر ہو سکتا ہے۔ پس سُنت قرآن پر قاضی ہے اور قرآن سنّت کا قاضی نہیں۔

لیکن حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اعلان فرمایا کہ

قرآن مجید ’’اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ کا تاجِ لازوال اپنے سر پر رکھتا ہے اور تِبْیَانًا لِکُلِّ شَیْءٍ کے وسیع اور مرصّع تخت پر جلوہ افروز ہے۔‘‘

(الحق مباحثہ لدھیانہ۔ روحانی خزائن جلد۴ صفحہ ۱۰۶)

آخری پرچہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یہ تحریر فرمایا کہ مولوی محمد حسین صاحب اصل موضوع مباحثہ یعنی حیات و وفات مسیحؑ سے گریز کر رہے ہیں اور نکمّی اور فضول اور بے تعلق باتوں میں وقت ضائع کیا ہے۔اب اِن تمہیدی امور میں زیادہ طول دینا ہرگز مناسب نہیں۔ہاں اگر مولوی صاحب نفسِ دعویٰ میں جو میں نے کیا ہے بالمقابل دلائل پیش کرنے سے بحث کرنا چاہیں تو میں حاضر ہوں۔اور فرمایا کہ:-

''میں ان کے مقابل پر اس طور فیصلہ کے لئے راضی ہوں کہ چالیس۴۰ دن مقرر کئے جائیں اور ہر ایک فریق **اعملوا علی مکانتکم انی عامل** پر عمل کر کے خدا تعالیٰ سے کوئی آسمانی خصوصیت اپنے لئے طلب کرے۔جو شخص اس میں صادق نکلے اور بعض مغیبات کے اظہار میں خدائے تعالیٰ کی تائید اس کے شامل حال ہو جائے وہی سچا قرار دیا جائے۔

اے حاضرین اس وقت اپنے کانوں کو میری طرف متوجہ کرو کہ میں اللہ جلّ شانہٗ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر حضرت مولوی محمد حسین صاحب چالیس دن تک میرے مقابل پر خدا تعالیٰ کی طرف توجّہ کر کے وہ آسمانی نشان یا اسرارِ غیب دکھلا سکیں جو میں دکھلا سکوں تو میں قبول کرتا ہوں کہ جس ہتھیار سے چاہیں مجھے ذبح کریں اور جو تاوان چاہیں میرے پر لگاویں۔**دنیا میں ایک نذیر آیا پر دنیا نے اس کو قبول نہ کیا لیکن خدا اسے قبول کرے گا اور بڑے زور آور حملوں سے اُس کی سچائی ظاہر کر دے گا۔''**

(الحق مباحثہ لدھیانہ۔روحانی خزائن جلد۴ صفحہ ۱۲۴)

اِس پر یہ بحث لدھیانہ ختم ہوگئی۔

مولوی نظام الدین صاحب کی بیعت

جب مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی بغرض مباحثہ لدھیانہ تشریف لائے تو ایک دن مولوی نظام الدین صاحب نے کہا کہ حضرت مسیحؑ کی زندگی پر قرآن میں کوئی آیت موجود بھی ہے۔ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی بولے کہ بیس آیتیں موجود ہیں۔مولوی نظام الدین صاحب بولے کہ پھر مرزا صاحب کے پاس جا کر گفتگو کروں۔انہوں نے کہا کہ ہاں جاؤ۔انہوں نے جا کر حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے عرض کیا کہ اگر قرآن شریف میں حضرت عیسیٰؑ کی حیات کی آیت موجود ہو تو مان لو گے۔حضرت اقدسؑ

نے فرمایا کہ ہاں ہم مان لیں گے۔ مولوی نظام الدین صاحب بولے ایک دو نہیں اکٹھی بیس آیتیں حضرت عیسیٰ کی زندگی پر لا دوں گا۔ حضورؑ نے فرمایا۔ تم ایک آیت ہی لا دو گے تو میں قبول اور تسلیم کر لوں گا۔ اور اپنا دعویٰ مسیح موعود ہونے کا چھوڑ دوں گا اور توبہ کروں گا۔ مگر یاد رہے کہ ایک آیت بھی حضرت عیسیٰؑ کی زندگی کی نہیں ملے گی۔ جب انہوں نے مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی سے اِس کا ذکر کیا اور کہا کہ میں مرزا کو ہرا آیا ہوں اور میں نے مرزا سے تسلیم کروالیا ہے کہ اگر میں نے مسیحؑ کی زندگی کی آیتیں لا کر دے دیں تو وہ توبہ کر لے گا۔ پس بیس آیتیں مجھے جلد نکال کر دو۔ اس پر مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے کہا۔ تم نے حدیثیں پیش نہیں کیں۔ کہا کہ حدیثوں کا ذکر ہی نہیں مقدّم قرآن شریف ہے۔ اِس پر مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی گھبرا کر کھڑے ہو گئے۔ اور عمامہ سر سے اتار کر پھینک دیا اور کہا کہ ''تُو مرزا کو ہرا کر نہیں آیا ہمیں ہرا کر آیا ہے۔ اور ہمیں شرمندہ کیا۔ میں مدّت سے مرزا صاحب کو حدیث کی طرف لا رہا ہوں اور وہ قرآن شریف کی طرف مجھے کھینچتا ہے۔ قرآن شریف میں اگر کوئی آیت مسیحؑ کی زندگی کی ہوتی تو ہم کبھی کی پیش کر دیتے۔ اِس لئے ہم حدیثوں پر زور دے رہے ہیں۔ قرآن شریف سے ہم سرسبز نہیں ہو سکتے۔ قرآن شریف تو مرزا کے دعویٰ کو سرسبز کرتا ہے[1]'' مولوی نظام الدین صاحب نے کہا۔ اگر قرآن شریف تمہارے ساتھ نہیں ہے اور وہ مرزا صاحب کے ساتھ ہے۔ تو پھر میں بھی تمہارا ساتھ نہیں دے سکتا۔ اس صورت میں مرزا صاحب کا ساتھ دوں گا یہ دین کا معاملہ ہے جدھر قرآن اُدھر میں۔

اِس پر مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے اپنے ساتھ والے مولوی صاحب سے مخاطب ہو کر کہا یہ نظام الدین تو کم عقل آدمی ہے اِس کو ابو ہریرہ والی آیت نکال کر دکھا دو۔ مولوی نظام الدین صاحب بولے کہ مجھے ابو ہریرہ والی آیت نہیں چاہئے۔ میں تو خالص اللہ تعالیٰ کی آیت لوں گا۔ اِس پر دونوں مولویوں نے کہا اے بیوقوف آیت تو اللہ تعالیٰ کی ہے لیکن ابو ہریرہ نے اُس کی تفسیر کی ہے۔ مولوی نظام الدین صاحب نے جواب دیا۔ مجھے تفسیر کی ضرورت نہیں۔ مرزا صاحب کا مطالبہ تو آیتِ قرآنی کا ہے۔ پس مجھے تو قرآن کی صریح آیت حیاتِ مسیحؑ پر چاہیئے۔ اِس پر مولوی محمد حسین صاحب کو یقین ہو گیا کہ یہ شخص تو ہاتھ سے گیا۔ اُن دنوں مولوی نظام الدین صاحب مولوی محمد حسن صاحب رئیس لدھیانہ کے ہاں کھانا کھایا کرتے تھے اس لئے مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی اُن سے مخاطب ہو کر بولے کہ آپ اِس کی روٹی بند کر دیں۔ مولوی نظام الدین صاحب

[1] تذکرۃ المہدی مؤلفہ حضرت پیر سراج الحق صاحب نعمانیؓ

یہ سُن کر فوراً کھڑے ہو گئے اور از راہ ظرافت ہاتھ جوڑ کر بولے کہ

''مولوی صاحب! میں نے قرآن شریف چھوڑا روٹی مت چھڑاؤ''

اِس پر مولوی بٹالوی صاحب سخت شرمند ہوئے۔ اور مولوی نظام الدین صاحب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سارا ماجرا عرض کر کے کہا کہ اب تو جدھر قرآن شریف ہے اُدھر میں ہوں۔ اِس کے بعد آپ نے بیعت کر لی۔[1]

اس ایڈیشن میں ستمبر ۱۹۰۳ء میں شائع ہونے والے ایڈیشن کی اتباع کی گئی ہے۔

مباحثہ دہلی

اِن حالات میں جب ہر جگہ لوگوں کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خلاف اُکسایا اور بھڑکایا جا رہا تھا۔ حضورؑ چاہتے تھے کہ کسی بارسوخ اور بااثر عالم سے آپ کا حیات و وفات مسیحؑ اور آپ کے دعوے پر مباحثہ ہو جائے تا عامۃ الناس کو حق و باطل میں امتیاز کا موقع مل سکے اس لئے آپ نے تمام علماء کو بذریعہ اشتہار دعوتِ مناظرہ دی۔

مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی ضلع سہارنپور میں ایک بہت بڑے عالم اور فقیہ اور محدّث خیال کئے جاتے تھے اور انہیں گروہ مقلّدین میں وہی مرتبہ اور مقام حاصل تھا جو مولوی سیّد نذیر حسین صاحب دہلوی کو اہل حدیث گروہ میں تھا۔ وہ بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے مباحثہ کرنے میں پہلوتہی کرتے رہے۔ پیر سراج الحق صاحب نعمانی جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مخلص مرید تھے اور لدھیانہ میں حضور کی خدمت میں حاضر تھے اور وہ مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کے ہمزلف بھی تھے انہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے عرض کیا کہ اگر حکم ہو تو میں مولوی رشید احمد صاحب کو لکھوں کہ وہ مباحثہ کے لئے آمادہ ہوں۔ چنانچہ پیر صاحب اور اُن کے درمیان خط و کتابت ہوئی۔ حیات و وفات مسیحؑ پر وہ بھی بحث کے لئے تیار نہ ہوئے۔ اور لکھا کہ بحث نزولِ مسیحؑ میں ہوگی اور تحریری نہیں ہوگی بلکہ صرف زبانی ہوگی لکھنے یا کوئی جملہ نوٹ کرنے کی کسی کو اجازت نہیں ہوگی۔ اور حاضرین میں سے جس کے جی میں جو آوے گا رفع شک کے لئے بولے گا۔ اور بحث کا مقام سہارنپور ہوگا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے سہارنپور جانا بھی

[1] تذکرۃ المہدی مؤلفہ حضرت پیر سراج الحق صاحب نعمانیؓ

منظور فرمالیا اور لکھوایا کہ حفظ امن کے لئے آپ سرکاری انتظام کرلیں جس میں کوئی یوروپین افسر ہو اور انتظام کر کے ہمیں لکھ بھیجیں۔ ہم تاریخ مقررہ پر آ جائیں گے۔ تحریری مباحثہ کا جھگڑا حاضرین کی کثرتِ رائے پر فیصلہ کیا جائے گا۔ اگر آپ تشریف لاتے تو ہم آپ کے اخراجات اور حفظِ امن کے لئے سرکاری انتظام کے بھی ذمہ وار ہوتے۔ مولوی رشید احمد صاحب نے جواباً لکھا کہ انتظام کا میں ذمہ وار نہیں ہو سکتا۔ اِس پر اُن کو دو تین خطوط اور لکھے گئے لیکن انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا۔

دہلی میں شیخ الکل کو مباحثہ کی دعوت

اِس کے بعد حضورؑ لدھیانہ سے واپس قادیان تشریف لے گئے۔ جب پنجاب کے علماء ایسے مباحثہ کے لئے تیار نہ ہوئے جس سے عامۃ الناس حق و باطل میں امتیاز کر سکیں تو حضورؑ نے دہلی جانے کا ارادہ فرمایا کیونکہ دہلی اُس وقت علمِ دین کے لحاظ سے ایک علمی مرکز کی حیثیت رکھتا تھا اور وہاں مولوی سیّد نذیر حسین صاحب جو علماء اہلحدیث کے استاد اور شیخ الکل کہلاتے تھے اور شمس العلماء مولوی عبدالحق صاحب مؤلف تفسیر حقّانی وغیرہ مشہور علماء رہتے تھے۔ آپ نے خیال فرمایا کہ شائد وہاں اتمامِ حجّت اور عام لوگوں کو حق معلوم کرنے کا موقع مل جائے۔ اِس لئے آپ قادیان سے لدھیانہ تشریف لے گئے جہاں ایک ہفتہ قیام فرما کر اپنے مخلص اصحاب سمیت عازمِ دہلی ہوئے۔ اور کوٹھی نواب لوہارو بازار بلیماراں میں قیام فرما ہوئے۔ اور ۲؍اکتوبر ۱۸۹۱ء کو آپ نے ایک اشتہار بعنوان ذیل شائع کیا:۔

”ایک عاجز مسافر کا اشتہار قابلِ توجہ جمیع مسلمانانِ انصاف شعار و حضرات علماء نامدار“

اِس اشتہار میں حضور علیہ السلام نے اپنے عقائد تحریر فرما کر مسئلہ حیات و وفات مسیحؑ بن مریم اور اپنے دعوے کا ذکر فرمایا اور لکھا کہ ”اگر حضرت سید مولوی محمد نذیر حسین صاحب یا جناب مولوی ابو محمد عبدالحق صاحب مسئلہ وفات مسیحؑ میں مجھے مخطی خیال کرتے ہیں یا ملحد اور مؤول تصور فرماتے ہیں اور میرے قول کو خلاف قال اللہ قال الرسول گمان کرتے ہیں تو حضرات موصوفہ پر فرض ہے کہ عامۂ خلائق کو فتنہ سے بچانے کے لئے اِس مسئلہ میں اِسی شہر دہلی میں میرے ساتھ بحث کرلیں۔ بحث میں صرف تین شرطیں ہوں گی۔“

(مجموعہ اشتہارات جلد اول صفحہ ۲۱۷ جدید ایڈیشن)

’’(۱) امن قائم رکھنے کے لئے وہ خود سرکاری انتظام کراویں۔ یعنی ایک افسر انگریز مجلس بحث میں موجود ہو۔

(۲) دوسرے یہ کہ فریقین کی بحث تحریری ہو اور سوال و جواب مجلسِ بحث میں لکھے جائیں۔

(۳) تیسری شرط یہ ہے کہ بحث وفات وحیاتِ مسیحؑ میں ہو اور کوئی شخص قرآن کریم اور کتب حدیث سے باہر نہ جائے۔‘‘ (ملخصًا)

نیز تحریر فرمایا کہ ’’ میں حلفاً اقرار کرتا ہوں کہ اگر میں اِس بحث میں غلطی پر نکلا تو دوسرا دعویٰ خود چھوڑ دوں گا .... اس اشتہار کے شائع ہونے کے بعد ایک ہفتہ تک حضرات موصوفہ کے جواب باصواب کا انتظار کروں گا۔‘‘ (مجموعہ اشتہارات جلد اول صفحہ ۲۱۷، ۲۱۸)

اِس اشتہار کے شائع ہونے کے بعد مولوی ابومحمد عبدالحق صاحب تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے ملاقات کر کے معذرت کر گئے کہ میں تو ایک گوشہ گزین آدمی ہوں اور ایسے جلسوں سے جن میں عوام کے نفاق و شقاق کا اندیشہ ہو طبعًا کارہ ہوں۔ چونکہ مولوی محمد حسین بٹالوی بھی دہلی پہنچ کر فخریہ انداز میں اپنی علمیت اور فضیلت کا اعلان کر رہا تھا اور ایک اشتہار میں اُس نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے متعلق لکھا کہ:۔

> ’’یہ میرا شکار ہے کہ بدقسمتی سے پھر دہلی میں میرے قبضہ میں آ گیا اور میں خوش قسمت ہوں کہ بھاگا ہوا شکار پھر مجھے مل گیا۔‘‘

اور لوگوں کو آپ کے خلاف بھڑکاتا رہا۔ اس لئے حضور علیہ السلام نے ۶؍ اکتوبر کو ’’اشتہار بمقابل مولوی سید نذیر حسین صاحب سرگروہ اہلحدیث‘‘ شائع کیا اُس میں آپ نے مولوی عبدالحق صاحب کو چھوڑتے ہوئے مولوی سید نذیر حسین صاحب اور اُن کے شاگرد بٹالوی صاحب کا ذکر کر کے تحریر فرمایا:۔

> ’’کہ اگر ہر دو مولوی صاحب موصوف حضرت مسیح ابن مریم کو زندہ سمجھنے میں حق پر ہیں اور قرآن کریم اور احادیث صحیحہ سے اس کی زندگی ثابت کر سکتے ہیں تو میرے ساتھ بپابندی شرائط مندرجہ اشتہار ۲؍ اکتوبر ۱۸۹۱ء بالاتفاق بحث کر لیں۔‘‘

(مجموعہ اشتہارات جلد اول صفحہ ۲۲۰ جدید ایڈیشن)

اور اتمامِ حجّت کی غرض سے بطریق تنزل حضورؑ نے یہ بھی لکھ دیا کہ مولوی سید نذیر حسین صاحب کسی انگریز افسر کے جلسۂ بحث میں مامور کرانے سے ناکام رہیں تو اُس صورت میں بذریعہ اشتہار حلفاً اقرار کریں کہ ہم خود

قائمی امن کے ذمہ دار ہیں اور اگر کوئی خلاف تہذیب وادب کوئی کلمہ مُنہ پر لاوے گا تو فی الفور اس کو مجلس سے نکال دیں گے۔ تو اس صورت میں یہ عاجز مولوی صاحب کی مسجد میں بحث کے لئے حاضر ہوسکتا ہے۔ اِس ۶/اکتوبر کے اشتہار شائع ہونے کے بعد مولوی سیّد نذیر حسین صاحب کے شاگردوں نے خود ہی ایک تاریخ معیّن کر کے ایک اشتہار شائع کر دیا کہ فلاں تاریخ کو بحث ہوگی اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اِس کی اطلاع نہ دی اور بحث کے مقررہ وقت پر حضورؑ کے پاس ایک آدمی بھیج دیا کہ بحث کے لئے چلئے۔ مولوی نذیر حسین صاحب مباحثہ کے لئے آپ کا انتظار کر رہے ہیں اور دوسری طرف حضور کے خلاف لوگوں کو سخت بھڑکایا گیا تھا۔ اور جلسہ کی غرض بھی بلوہ کر کے حضور علیہ السلام کو ایذاء پہنچانا تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام ایسے حالات میں بغیر شرائط طے کئے جلسہ میں شامل نہ ہوسکتے تھے اور نہ ہوئے اور لوگوں میں یہ مشہور کر دیا گیا کہ مرزا صاحب بحث میں حاضر نہیں ہوئے اور گریز کر گئے ہیں اور شیخ الکل صاحب سے ڈر گئے ہیں۔ تب حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ۱۷/اکتوبر ۱۸۹۱ء کو ایک اشتہار بدیں عنوان شائع کیا:۔

"اللہ جلّ شانہٗ کی قسم دے کر مولوی سید محمد نذیر حسین صاحب کی خدمت میں بحثِ حیات ومماتِ مسیح ابنِ مریم کے لئے درخواست۔"

اِس اشتہار میں حضور علیہ السلام نے ان کے جھوٹے فرار از بحث کے الزام کا جواب دیتے ہوئے تحریر فرمایا:۔

"یکطرفہ جلسہ میں حاضر ہونا اگرچہ میرے پر فرض نہ تھا کیونکہ میری اتفاق رائے سے وہ جلسہ قرار نہ پایا تھا۔ اور میری طرف سے ایک خاص تاریخ میں حاضر ہونے کا وعدہ بھی نہ تھا مگر پھر بھی میں نے حاضر ہونے کے لئے طیاری کر لی تھی لیکن عوام کے مفسدانہ حملوں نے جو ایک ناگہانی طور پر کئے گئے۔ اُس دن حاضر ہونے سے مجھے روک دیا صدہا لوگ اس بات کے گواہ ہیں کہ اس جلسہ کے عین وقت میں مفسد لوگوں کا اس قدر ہجوم میرے مکان پر ہوگیا کہ میں اُن کی وحشیانہ حالت دیکھ کر اوپر کے زنانے مکان میں چلا گیا۔ آخر وہ اسی طرف آئے اور گھر کے کواڑ توڑنے لگے اور یہاں تک نوبت پہنچی کہ بعض آدمی زنانہ مکان میں گھس آئے۔ اور ایک جماعت کثیر نیچے اور گلی میں کھڑی تھی جو گالیاں دیتے تھے اور بڑے جوش سے بدزبانی کا بخار نکالتے تھے۔

بڑی مشکل سے خدائے تعالیٰ کے فضل وکرم سے اُن سے رہائی پائی‘‘

’’ایک طرف عوام کو ورغلا کر اور اُن کو جوش دہ تقریریں سُنا کر میرے گھر کے اردگرد کھڑا کر دیا اور دوسری طرف مجھے بحث کے لئے بلایا اور پھر نہ آنے پر جو موانع مذکورہ کی وجہ سے شور مچا دیا کہ وُہ گریز کر گئے اور ہم نے فتح پائی۔‘‘

’’اب میں بفضلہٖ تعالیٰ اپنی حفاظت کا انتظام کر چکا ہوں اور بحث کے لئے تیار بیٹھا ہوں۔ مصائب سفر اٹھا کر اور دہلی والوں سے ہر روز گالیوں اور لعن طعن کی برداشت کر کے محض آپ سے بحث کرنے کے لئے **اے شیخ الکل صاحب** بیٹھا ہوں۔‘‘ (مجموعہ اشتہارات جلد اول صفحہ ۲۲۴ تا ۲۲۶ جدید ایڈیشن)

’’حضرت بحث کرنے کے لئے باہر تشریف لائیے کہ مَیں بحث کے لئے تیار ہوں۔ پھر اللہ جل شانہٗ کی آپ کو قسم دے کر اس بحث کے لئے بلاتا ہوں جس جگہ چاہیں حاضر ہو جاؤں۔ مگر تحریری بحث ہوگی۔‘‘ (ملخصًا)

آپ نے متعدد پیرایوں میں شیخ الکل صاحب کو مباحثہ کے لئے غیرت دلائی۔ نیز آپ نے یہ بھی تحریر فرمایا کہ صعودِ جسمانی سے متعلق وہ جتنی آیات اور احادیث پیش کریں میں فی آیت وحدیث پچیس روپے اُن کی نذر کروں گا۔

اِس کے بعد ۲۰؍اکتوبر کو جامع مسجد دہلی میں انعقادِ مجلس کا ہونا قرار پایا اور حفظ امن کے لئے پولیس کا بھی انتظام ہو گیا۔ چنانچہ اس دن حضرت مسیح موعود علیہ السلام معہ اپنے بارہ اصحاب کے جامع مسجد دہلی کے بیچ کے محراب میں جا بیٹھے۔ جامع مسجد میں اس روز ایک بے پناہ ہجوم تھا۔ ایک سَوؔ سے زائد پولیس کے سپاہی اور اُن کے ساتھ ایک یوروپین افسر بھی آ گئے۔ پھر مولوی سید نذیر حسین صاحب مع مولوی بٹالوی صاحب وغیرہ کے تشریف لائے جنہیں اُن کے شاگردوں نے ایک دالان میں جا بٹھایا۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے شیخ الکل کو رقعہ بھیجا کہ مطابق اشتہار ۱۷؍اکتوبر مجھ سے بحث کریں۔ یا قسم کھا لیں کہ میرے نزدیک مسیح ابن مریم کا زندہ بجسدِ عنصری اٹھایا جانا قرآن وحدیث کے نصوص صریحہ قطعیہ مبیّنہ سے ثابت ہے۔ اس قسم کے بعد اگر ایک سال تک اس حلف دروغی کے اثر بد سے محفوظ رہیں تو میں آپ کے ہاتھ پر توبہ کروں گا۔ لیکن

شیخ الکل صاحب نے دونوں طریقوں میں سے کسی طریق کو منظور نہ کیا اور حیات و وفات مسیح پر بحث کرنے سے قطعی طور پر انکار کر دیا اور اپنے آدمیوں کی معرفت سٹی مجسٹریٹ کو کہلا بھیجا کہ یہ شخص عقائد اسلام سے منحرف ہے۔ جب تک یہ شخص اپنے عقائد کا ہم سے تصفیہ نہ کرے ہم وفات و حیات مسیحؑ کے بارہ میں ہرگز بحث نہ کریں گے۔ یہ تو کافر ہے کیا کافروں سے بحث کریں۔ اس جلسہ میں خواجہ محمد یوسف صاحب رئیس و وکیل و آنریری مجسٹریٹ علی گڑھ بھی موجود تھے۔ انہوں نے حضورؑ سے کہا کہ یہ عقائد آپ کی طرف از راہِ افتراء منسوب کئے جاتے ہیں تو مجھے ایک پرچہ پر یہ سب باتیں لکھ دیں چنانچہ آپ نے اپنے عقائد کے بارہ میں ایک پرچہ لکھ دیا اور خواجہ صاحب کو دے دیا۔ جسے انہوں نے سپرنٹنڈنٹ پولیس کو بلند آواز سے سُنایا اور تمام معزز حاضرین نے جونزدیک تھے سن لیا۔

الغرض شیخ الکل اپنی ضد سے باز نہ آئے اور حیات و وفات مسیح پر بحث کرنے سے انکار کرتے رہے۔ تب سپرنٹنڈنٹ پولیس نے اس کشمکش سے تنگ آ کر اور لوگوں کی وحشیانہ حالت اور کثرتِ عوام کو دیکھ کر خیال کیا کہ اب بہت دیر تک انتظار کرنا اچھا نہیں لہٰذا عوام کی جماعت کو منتشر کرنے کے لئے حکم سنا دیا گیا کہ چلے جاؤ۔ بحث نہیں ہوگی۔ اِس کے بعد پہلے مولوی سید نذیر حسین صاحب مع اپنے رفقاء کے مسجد سے نکلے اور بعد میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور آپ کے اصحاب۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنے اشتہار ۲۳؍اکتوبر ۱۸۹۱ء میں اس جلسۂ بحث کا ذکر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:۔

''اے دہلی تجھ پر افسوس! تُو نے اپنا اچھا نمونہ نہیں دکھلایا۔''

مولوی محمد بشیر صاحب سے مباحثہ

جب شیخ الکل اور دوسرے علماء کا حیات و وفاتِ مسیحؑ پر مباحثہ کرنے سے انکار اور فرار سب لوگوں پر واضح ہو گیا۔ تو دہلی والوں نے مولوی محمد بشیر صاحب سہسوانی کو جو اُن دنوں بھوپال میں ملازم تھے مباحثہ کے لئے بلایا۔ جس نے خلاف مرضی شیخ الکل اور مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی اور دیگر علماء حیات و وفات مسیحؑ پر بحث کرنا منظور کر لیا۔ اور انہوں نے صاف طور پر کہہ دیا کہ اُن کی شکست ہماری شکست متصوّر نہ ہوگی۔

مولوی محمد بشیر صاحب نے حیات مسیحؑ ثابت کرنے کے لئے چار آیات پیش کیں۔ لیکن اپنے پرچہ

نمبر۲ میں صاف طور پر لکھ دیا کہ

”میری اصل دلیل حیاتِ مسیح علیہ السلام پر آیت اولیٰ ہے (یعنی وان من اھل الکتٰب الّا لیؤمننّ به قبل موته) ہے۔ میرے نزدیک یہ آیت اس مطلوب پر دلالت کرنے میں قطعی ہے۔ دوسری آیات محض تائید کے لئے لکھی گئی ہیں۔ جناب مرزا صاحب کو چاہئے کہ اصل بحث آیت اولیٰ کی رکھیں۔“

(الحق مباحثہ دہلی ۔ روحانی خزائن جلد۴ صفحہ ۱۷۰)

اور وجہ استدلال یہ بیان کی کہ لیؤمننّ میں نون تاکیدی ہے جو مضارع کو خالص استقبال کے لئے کر دیتا ہے۔

اور لکھا کہ اگر اس کے خلاف کوئی آیت یا حدیث ایسی پیش کی جائے جس میں نون تاکید کا حال یا ماضی کے لئے یقینی طور پر آیا ہو یا کسی کتاب نحو میں اس کے خلاف لکھا ہو تو میں اپنے اس مقدمہ کو غیر صحیح تسلیم کروں گا۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اُن کی اِس بناء استدلال کو قرآن مجید کی کئی آیات پیش کر کے باطل ثابت کر دیا۔ اور فرمایا کہ اگر اس وجۂ استدلال کو صحیح بھی تسلیم کر لیا جائے تو پھر بھی آیت کے دو استقبالی معنے اَور ہو سکتے ہیں۔ جو مولوی محمد بشیر صاحب کے پیش کردہ معنے سے زیادہ معقول ہیں۔

۱۔ ”کوئی اہل کتاب میں سے ایسا نہیں جو اپنی موت سے پہلے مسیحؑ پر ایمان نہیں لائے گا۔“

۲۔ ”کہ ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ اُس زمانہ کے موجودہ اہل کتاب سب کے سب نبیٔ خاتم الانبیاء پر اپنی موت سے پہلے ایمان لے آئیں گے۔“

اِن دونوں معنوں کی صحت آپؑ نے بحوالہ کتب تفاسیر پیش فرمائی اور قطعیۃ الدلالت اُسے کہتے ہیں جس میں کوئی دوسرا احتمال پیدا نہ ہو سکے۔ پس یہ آیت بھی حیاتِ مسیحؑ پر قطعیۃ الدلالۃ ثابت نہ ہوئی۔

اِس ضمن میں مَیں اپنے ایک مباحثہ کا بھی ذکر کر دینا مناسب خیال کرتا ہوں۔ ۳۱؍ اگست ۱۹۲۰ء کو بمقام سارچُور ضلع امرتسر میرے اور مولوی عبداللہ صاحب مولوی فاضل (فتح گڑھ) کے درمیان حیات و وفات مسیحؑ پر مباحثہ ہوا۔ جو بعد میں چھپ کر شائع ہو گیا تھا۔ اُس میں غیر احمدی مناظر نے بھی یہی

آیت بطور دلیل بیان کی اور اُس کے پیش کردہ معنوں پر میں نے کئی اعتراضات کئے اور اُس کے اس دعویٰ کہ لیؤ منّ میں لام اور نون تاکید کا ہے۔ اس لئے اِس کے معنے استقبال کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتے۔ جواب میں مَیں نے قرآن مجید کی مندرجہ ذیل آیات پیش کی جس میں دو جگہ نون تاکید کا ہے اور معنے حال کے ہیں۔

وَاِنَّ مِنْكُمْ لَمَنْ لَّيُبَطِّئَنَّ ۚ فَاِنْ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالَ قَدْ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيَّ اِذْ لَمْ اَكُنْ مَّعَهُمْ شَهِيْدًا. وَلَئِنْ اَصَابَكُمْ فَضْلٌ مِّنَ اللّٰهِ لَيَقُوْلَنَّ كَاَنْ لَّمْ تَكُنْۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهٗ مَوَدَّةٌ (النساء:۷۳،۷۴)

اِس کے معنے مولانا شاہ رفیع الدین صاحب محدّث دہلوی نے یہ کئے ہیں:۔

''اور تحقیق بعضے تم میں سے البتہ وہ شخص ہیں کہ دیر کرتے ہیں نکلنے میں۔ پس اگر پہنچ جاتی ہے تم کو مصیبت۔ کہتا ہے تحقیق احسان کیا اللہ نے اوپر میرے جس وقت کہ نہ ہوا میں ساتھ اُن کے حاضر۔ اور اگر پہنچ جاتا ہے تم کو فضل خدا کی طرف سے البتہ کہتا ہے کہ گویا نہ تھا درمیان تمہارے اور درمیان اس کے دوستی۔''

(مباحثہ سارچور صفحہ ۳۳،۳۴ بار دوم باہتمام محمد یامین تاجر کتب قادیان دارالامان)

پس اِس آیت میں لَیُبَطِّئَنَّ کا ترجمہ ''دیر کرتے ہیں'' اور لَیَقُوْلَنَّ کا ترجمہ ''البتہ کہتا ہے'' حال کا کیا ہے۔

اِسی طرح میں نے اس مباحثہ میں یہ حدیث بھی درج کی ہے کہ جب حضرت امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ وفات پانے لگے تو آپ نے اپنے بیٹے عبداللہؓ کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھیجا کہ وہ اُن کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ دفن کئے جانے کی اجازت کے لئے درخواست کریں۔ تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ میں اِس جگہ کو اپنے لئے چاہتی تھی۔ ''وَلأُوْثِرَنَّهُ الْيَوْمَ عَلٰى نَفْسِيْ'' لیکن آج میں حضرت عمرؓ کو اپنے نفس پر مقدم کرتی ہوں۔ اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ کے وفات پانے کے بعد اجازت حاصل کی گئی۔ پس اس روایت میں بھی ''لاوثرنہ'' کے باوجود مؤکد بہ نون ثقیلہ ہونے کے حال کے معنے ہیں۔''

الغرض جو شخص مباحثہ دہلی کو بغور پڑھے گا۔ اُس پر صاف کھل جائے گا کہ علماء کے ہاتھ میں حیات مسیحؑ ثابت کرنے کے لئے کوئی قطعی دلیل نہیں۔ نہ کوئی آیت اور نہ کوئی صحیح حدیث۔ اور یہ مباحثہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے بہت لوگوں کی ہدایت کا باعث ہوا۔

اس ایڈیشن میں ۱۹۰۵ء میں شائع ہونے والے ایڈیشن کی اتباع کی گئی ہے۔

''آسمانی فیصلہ''

چونکہ میاں نذیر حسین صاحب اور اُن کے شاگرد مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی اور دیگر علماء دہلی نے حیات و وفات مسیحؑ کے مسئلہ پر بحث کرنے سے انکار کیا اور میاں سید نذیر حسین صاحب نے بحث ٹالنے کے لئے بار بار یہی عذر کیا کہ آپ کافر ہیں اور مسلمان نہیں تو آپؑ نے دسمبر ۱۸۹۱ء میں رسالہ ''آسمانی فیصلہ'' لکھا۔ جس میں خاص طور پر میاں سید نذیر حسین صاحب کو پھر تحریری بحث کے لئے دعوت دی۔ اور فرمایا اگر وہ لاہور آسکیں تو اُن کے آنے جانے کا کرایہ بھی میں ادا کردوں گا۔ ورنہ دہلی میں بیٹھے ہوئے اظہارِ حق کے لئے تحریری بحث کرلیں۔ میاں صاحب سے بحث کو میں اس لئے ضروری سمجھتا ہوں کہ وہ شیخ الکل ہیں اور لوگوں کے خیال میں سب سے علم میں بڑھے ہوئے اور علماء ہند میں بیخ کی طرح ہیں اور کچھ شک نہیں کہ بیخ کے کاٹنے سے تمام شاخیں خود بخود گریں گی۔ اور چونکہ انہوں نے میرے اعلانات کو کہ میں مومن مسلمان ہوں کوئی وقعت نہیں دی اس لئے اب مولوی نذیر حسین صاحب اور اُن کی جماعت کے لوگ بٹالوی وغیرہ علماء اُن علامات کے اظہار کے لئے مجھ سے مقابلہ کرلیں جو قرآن کریم اور احادیث میں کامل مومن کی بتائی گئی ہیں۔ لیکن کسی کو اس مقابلہ کے لئے آپ کے سامنے آنے کی جرأت نہ ہوئی۔

''نشان آسمانی''

اِس کے بعد آپ نے سیالکوٹ اور لاہور وغیرہ کے سفر اختیار کئے اور پھر لدھیانہ گئے لدھیانہ میں آپ نے مجذوب گلاب شاہ کی پیشگوئی بالتفصیل اُن کے شاگرد کریم بخش صاحب سے حلفیہ قلمبند کروائی۔ اور اواخر مئی ۱۸۹۲ء میں آپ نے رسالہ ''نشان آسمانی'' جس کا دوسرا نام شہادت الملہمین ہے تحریر فرمایا جو جون ۱۸۹۲ء میں شائع ہوا۔ اور دوسری بار ۱۸۹۶ء میں حضور علیہ السلام کی زندگی میں ہی شائع ہوا تھا۔ اس میں آپ نے

سائیں گلاب شاہ صاحب کی پیشگوئی اور شاہ نعمت اللہ ولی رحمۃ اللہ علیہ کی پیشگوئی درج فرمائی جن سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دعویٰ کی صداقت ظاہر ہوتی ہے۔ موجودہ ایڈیشن ۱۸۹۶ء کے ایڈیشن کے مطابق ہے۔

خاکسار

جلال الدین شمس

ایک عیسائی کے تین سوال اور ان کے جوابات

مئی یا جون ۱۸۸۹ء مطابق ۱۳۰۹ھ میں ایک عیسائی عبداللہ جیمز نے انجمن حمایت اسلام لاہور کو اسلام کے بارہ میں اپنے تین سوالات بغرض جواب بھیجے۔ انجمن نے جواب کی غرض سے یہ سوالات حضرت مسیح موعود علیہ السلام۔ حضرت حکیم مولانا نورالدین صاحبؓ اور مولوی غلام نبی صاحب امرتسری کو بھیجے۔

انجمن حمایتِ اسلام لاہور نے ان تینوں کے جوابات کو ’’ایک عیسائی کے تین سوال اور ان کے جواب‘‘ کے عنوان سے شائع کر دیا۔ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے تحریر فرمودہ جوابات کو بعد میں حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی نے مکتوبات احمدیہ جلد سوم صفحہ ۳۴ تا ۹۷ میں شائع فرمایا اور ’’تصدیق النبیؐ‘‘ کے نام سے علیحدہ کتاب کی صورت میں بھی شائع کیا گیا تھا۔

یہ مضمون قبل ازیں روحانی خزائن میں شامل نہیں تھا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی اجازت سے اب اسے موجودہ ایڈیشن میں شامل کیا جا رہا ہے۔

ناشر

سید عبدالحي
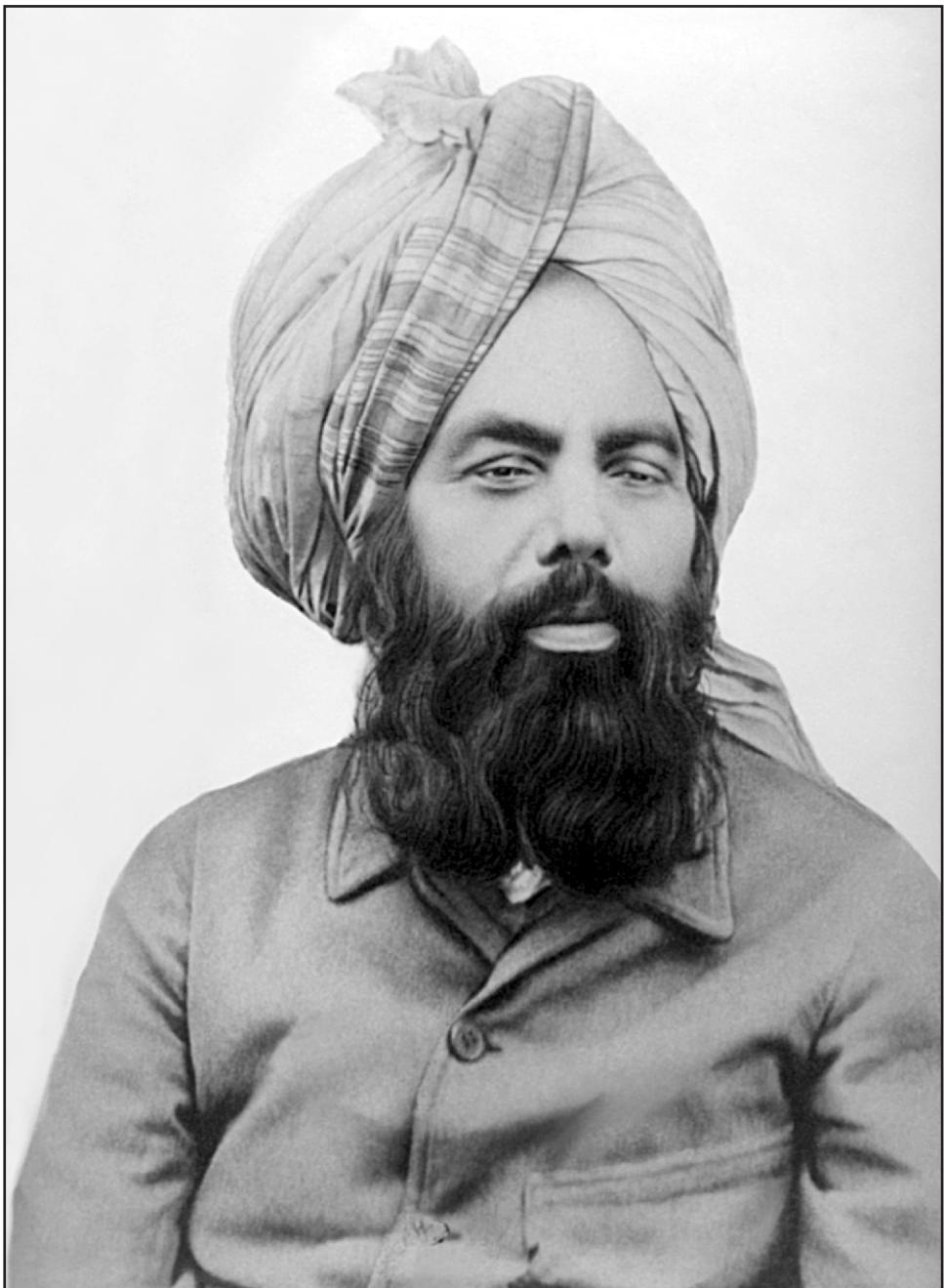
حضرت مرزا غلام احمد قادیانی
مسیح موعود و مہدی معہود علیہ السلام

ٹائیٹل بار دوم

جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا

الحق

مباحثہ

حضرت اقدس ؑ و مولوی محمد بشیر بھوپالوی بمقام

دہلی

مباحثہ بذریعہ مراسلت مابین مولوی سید محمد احسن صاحب

امروہی و مولوی محمد بشیر مذکور

مطبع ضیاء الاسلام قادیان میں باہتمام حافظ حکیم فضل دین صاحب

مالک مطبع کے چھپکر شائع ہوا

تعداد اشاعت ۴۰۰ تاریخ طبع جنوری ۱۹۰۵ء قیمت ۸/

﴿۱﴾

انٹروڈکشن

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَی النَّبِیِّ الۡاُمِّیِ الشَّفِیۡعِ الۡمُشَفَّعِ الۡمُطَاعِ الۡمَکِیۡنِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَ اَصۡحَابِہٖ اَجۡمَعِیۡنَ

مباحثات و مناظرات نفس الامر میں بہت ہی مفید امور ہیں۔ فطرتِ انسانی کی ترقی جسے طبعاً کورانہ تقلید سے کراہت ہے اور جسے ہر وقت جدید تحقیقات کی دھن لگی رہتی ہے اسی پر موقوف ہے۔ انسان کی طبیعت میں جذبات اور جوش ہی ایسے مخمر کئے گئے ہیں کہ کسی دوسرے ہم جنس کی بات پر سرِ تسلیم جھکانا اسے سخت عار معلوم ہوتا ہے **ایام جاہلیت** (جو اسلام کی اصطلاح میں کفر کا زمانہ ہے اور جو ہمارے ہادی کامل آفتاب صداقت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے کا زمانہ ہے) میں بڑی حمیت والے شدید الکفر سرداران عرب اس پر فخر کرتے ہیں کہ **ہم وہ لوگ ہیں جو کسی کی بات مانا نہیں کرتے** درحقیقت یہ ایک سرّ ہے جو ایک بڑی بھاری غرض کیلئے حکیم حمید نے انسان کی فطرت میں ودیعت کیا ہے۔ غرض اس سے یہ ہے کہ یہ ہستی بہائم کی طرح صمٌّ و بکمٌ اور مقلد محض نہ ہو بلکہ ایک کی بات دوسرے کی جدت پسند ایجادی طبیعت کے حق میں زبردست محرک اور اشتعال انگیز ہو۔ اگر عادت اللہ یوں جاری ہوتی کہ ایک نے کہی اور دوسرے نے مانی تو یہ نیرنجات و عجائبات سے بھرا ہوا عالم ایک سنسان ویرانہ اور وحشت آباد بیابان سے زیادہ نہ ہوتا۔ مگر حکیم خدا نے اپنا جلال ظاہر کرنے کیلئے ہر چیز کے وجود کے ساتھ شر کا وجود بھی لازم کر رکھا ہے۔ کم ہی کوئی ایسی شے ہوگی جو زوجین یا ذو وجہین نہ ہو۔ اس قابل فخر فضیلت کو بھی اسی قاعدہ کلیہ کے موافق بڑی سخت قبیح رذیلت یعنی تعصب بیجا اصرار معاندانہ ضد، فرضی مسلمات قومی کی پیچ۔ خلاف حق نفسانیت نے اس کے محققانہ بلند مرتبہ سے گرا کر۔ اور عامیانہ اخلاق کی پست اور ذلیل سطح پر اتار کر اس کو عالم میں بے اعتبار کر دیا۔ نہ صرف بے اعتبار بلکہ مہیب خونخوار بنا دیا۔ یوں ایک سچی اور صحیح اور ضروری اصل کو انسان کے بے جا استعمال کی درازدستی نے ایسا بگاڑا۔ ایسا بدنام کیا کہ اس

﴿۲﴾ آلہ ترقی و اصلاح کو ہر قسم کے مفسدات، شرور اور تمدن و معاشرت کی خرابیوں کا منبع کہا گیا۔ بدقسمتی سے بدعمل بنی آدم نے جہاں مباحثہ ومناظرہ کی مجلس قائم کی بس طرفۃ العین میں اسے تاریک وقتوں کی کشتی پنجہ زنی اور نبرد آزمائی کے خوفناک دنگل کی صورت سے بدل دیا۔ تواریخ عامہ کو چھوڑ کر مقدس تاریخ (کتب السیر) کو اٹھا کر دیکھو۔ صحابہ میں بھی امور پیش آمدہ اور مسائل مہمہ کے بارہ میں جن میں کسی قسم کا اشکال وابہام ہوتا اور کتاب وسنت کی نورانی چمک اس کی تاریکی کو اٹھا دینے کی متکفل نہ ہوتی۔ مباحثے ہوتے۔ بڑے بڑے اہل علم فقہا جمع ہوتے۔ مگر وہ اس سچے نور سے منور تھے اور راہ حق میں نفسانی جذبات کو نیست و نابود کر چکے تھے۔ بڑی آشتی ولطف سے امر متنازعہ فیہ کی الجھن کو سلجھا لیتے وللّٰہ در من قال

جھگڑتے تھے لیکن نہ جھگڑوں میں شر تھا خلاف آشتی سے خوش آئند تر تھا

حضرت مقدسہ مطہرہ عائشہ صدیقہ (رضی اللہ عنہا) بڑی مناظرہ کرنے والی تھیں۔ اکثر واقعات میں صحابہ نے ان کی خدمت کی طرف رجوع کیا اور مباحثات کے بعد حضرت صدیقہ کے مذہب کو اختیار کیا۔

الغرض مباحثہ کوئی بدعت اور دراصل فساد انگیز شے نہ تھی۔ مگر مغلوب الغضب۔ بہائم سیرت متنازعین کی بے اندامیوں نے اسے بدعت وطغیان کی حد سے بھی کہیں پرے کر دیا ہے۔

کچھ مدت سے حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے (رب جلیل کے القاء واعلام سے) یہ دعوٰی کیا ہے (۱) کہ حضرت مسیح اسرائیلی صاحب انجیل اپنے دوسرے بھائیوں (انبیاء علیہم السلام) کی طرح فوت ہو چکے ہیں۔ قرآن کریم ان کی وفات کی قطعی اور جزمی شہادت دے چکا ہے۔ اور (۲) دوبارہ دنیا میں آنے والے ابن مریم سے مراد مثیل المسیح کے وجود سے ہے نہ مسیح اصیل سے اور (۳) مَیں مسیح موعود ہوں جو بشاراتِ الٰہیہ کی بنا پر دنیا میں اصلاح خلق کے لئے آیا ہوں۔

حضرت مرزا صاحب نے اسی سنت اللہ کے موافق جو انبیاء اور محدثین کی سیرت سے عیاں ہے ان دعاوی خصوصاً و مہتماً ان دو دعووں کی اجابت کی طرف کافۃ الناس کو باواز بلند وندائے عام بلایا۔ اہل پنجاب سے (بحکم آیۃ شریفہ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ الاٰیۃ[1] بٹالہ کے شیخوں میں کے ایک بزرگ مولوی ابوسعید محمد حسین صاحب اس دعوت کی تردید پر کھڑے ہوئے۔ لوگوں کے اعتقاد کے موافق ان جدید دعووں نے عقائد قدیمہ کی دنیا میں فوق العادت رستخیز پیدا

[1] الحج : ۵۳

کر رکھی تھی۔ اور ہر ایک سرسری دیکھنے والے کو بھی وہ عمارتیں جو سراسر ریت پر اٹھائی گئی تھیں اس پر زور سیلاب کی رَو کے صدمہ سے بہتی نظر آنے لگیں۔ مدت کی مانی ہوئی بات کی الفت نے کسی حامی و معاون کی مشتاقانہ تلاش میں نگاہیں چاروں طرف دوڑا رکھی تھیں۔ مولوی محمد حسین کے وجود میں انہیں مغتنم حامی اور عزیز حریف مقابل نظر آیا۔ سچی ارادت اور مضبوط عقیدت نے **متفقًا** ہر طرف سے منقطع ہو کر اب مولوی ابوسعید صاحب کو امید وبیم کا مرجع قرار دیا۔ پنجاب کے اکثر مساجد نشین علماء نے (جو بظاہر اپنے تئیں غیر مقلد ومحقق کہتے ہیں) ایک آواز ہو کر بڑے فخر سے ہمارے بٹالوی مولوی صاحب کو اپنا وکیل مطلق قرار دیا۔ سب سے پہلے لاہور کی ایک برگزیدہ جماعت نے جنہوں نے اب تک اپنی عملی زندگی سے ثبوت دیا ہے کہ وہ اسلام کے سچے خیر خواہ اور حق پسند وحق بین لوگ ہیں میرے شیخ و حقیقی دوست مولوی **نورالدین** کو جبکہ وہ لودیانہ میں اپنے مرشد حضرت مرزا صاحب کی خدمت میں حاضر تھے بڑے خلوص اور بڑے اصرار والحاح سے لاہور میں بلایا کہ وہ انہیں ان مسائل مشکلہ کی کیفیت پر آگاہ کریں۔ مولوی نورالدین صاحب کی تشریف آوری پر طبعًا وہ اس طرف متوجہ ہوئے کہ مولوی ابوسعید صاحب کو جو ان دعاوی کے بطلان کے مدعی ہیں ان کے مقابل کھڑا کر کے جانبین کے اسلامیانہ مباحثہ اور صحابیانہ طرز مناظرہ سے حق دائر کو پالیں۔ مگر افسوس ان کے زعم کے خلاف ایک حلیم، متواضع اور دل کے غریب مولوی کے مقابلہ میں جناب مولوی ابوسعید صاحب نے صحابہ کے طرز مناظرہ کا ثبوت نہ دیا مشتاقین کی تڑپتی روحوں کے تقاضا کے خلاف اصل بنائے دعوٰی کو چھوڑ کر مولوی ابوسعید صاحب نے ایک خانہ ساز طومار اصول موضوعہ کا پیش کر کے حاضرین اور بے صبر مشتاقین کے عزیز وقت اور قیمتی آرزوؤں کا خون کر دیا اور معاملہ جوں کا توں رہ گیا۔ ﴿۳﴾

اس کے بعد حضرت مرزا صاحب کے دعاوی کی تائید میں کتابیں اور رسالے یکے بعد دیگرے شائع ہونے شروع ہوئے اور فوج فوج حق طلب لوگ اس روحانی اور پاک سلسلہ میں داخل ہونے لگے۔ مدافعین ومخالفین نے بجائے اس کے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی حیات کی نسبت قرآن کریم اور حدیث صحیح صریح کی بنا پر استدلال کر کے اپنے پرانے عقیدہ کی حمایت کرتے اور لوگوں پر اس جدید دعوٰی کی کمزوری کو ثابت کرتے عادتًا تکفیر بازی کی پتنگیں اور کنکوّے

﴿۴﴾ اِدھر اُدھر اڑانے شروع کئے جو حقانیت کی تند باد کی زد سے ٹوٹ کر اور پھٹ کر نابود ہو گئے۔

کچھ عرصہ کے بعد بعض زبردست احباب کی ناقابل تردید انگیخت اور ان کے بار بار کے شرم دلانے سے پھر مولوی صاحب نے کروٹ لی اور آخر کار زور آور دھکوں سے کرھا لودیانہ میں پہنچائے گئے۔ اب سے اس مباحثہ کی بناپڑنے لگی جو الحق کے ان چاروں نمبروں میں درج ہے۔

لودھیانہ والے مباحثہ پر چند ریمارکس

ہمارے مقصد میں داخل نہیں کہ ہم اس وقت یہاں مباحثہ کے جزوی وکلی حالات اور دیگر متعلقات سے تعرض کریں۔ اس مضمون پر ہمارے معزز و مکرم دوست منشی غلام قادر صاحب فصیح اپنے گرامی پرچہ پنجاب گزٹ کے ضمیمہ مورخہ ۱۲؍ اگست میں پوری روشنی ڈال چکے ہیں۔ ہمیں بحث کی اصلی غرض اور علتِ غائی اور آخرکار اس کے نتیجہ واقع شدہ سے تعلق ہے۔ الحاصل مولوی ابوسعید صاحب لودیانہ لائے گئے۔ اسلامی جماعتوں میں ایک دفعہ پھر حرکت پیدا ہوئی اور ہر ایک نے اپنے اپنے مشتاق خیال کے بلند ٹیلہ پر چڑھ کر اور تصور کی دوربین لگا کر اس مقدس جنگ کے نتیجہ کا انتظار کرنا شروع کیا۔

آخر مباحثہ شروع ہوا۔ ۱۲ روز تک اس کارروائی نے طول پکڑا۔ مگر افسوس نتیجہ پر لودیانہ کے لوگ بھی پورے معنوں میں اپنے بھائیوں اہل لاہور کی قسمت کے شریک رہے۔ مولوی صاحب نے اب بھی وہی اصول موضوعہ پیش کر دیئے۔ حالانکہ نہایت ضروری تھا کہ وہ بہت جلد اس فتنہ کا دروازہ بند کرتے جو ان کے زعم کے موافق اسلام و مسلمانان کے حق میں شدید مضر ثابت ہو رہا تھا یعنی اگر راستی و حقانیت پر اپنی انہیں پوری بصیرت اور وثوق کامل تھا تو وہی سب سے پہلے ہر طرف سے ہٹ کر اور لایعنی امور سے منہ موڑ کر حضرت مرزا صاحب کے اصل بنائے دعویٰ یعنی وفات مسیح کی نسبت گفتگو شروع کرتے۔ یہ تو کمزور اور بے سامان کا کام ہوتا ہے کہ وہ اپنے بچاؤ کے لئے اِدھر اُدھر پنجے مارتا اور ہاتھ اڑاتا ہے۔ ان پر واجب تھا کہ فوراً قرآن کریم سے کوئی ایسی آیت پیش کرتے جو حضرت مسیح کی حیات پر دلیل ہوتی۔ یا ان آیات کے معانی پر جرح کرتے اور ان دلائل

کو قرآن سے یا حدیث صریح صحیح سے توڑ کر دکھلاتے جو حضرت مرزا صاحب نے مسیح کی موت پر لکھی ہیں۔ مگر اس دلی شعور نے کہ وہ واقعی بے سلاح ہیں انہیں اس طرف مائل کیا کہ وہ جوں توں کر کے اپنے منہ کے آگے سے اس موت کے پیالہ کو ٹال دیں وہ نہ ٹلا۔ اور آخر مولوی صاحب پر ذلت کی موت وارد ہوئی! ﴿۵﴾

فَاعۡتَبِرُوۡا یَا اُولِی الۡاَبۡصَارِ ۔ اب امید ہے کہ وہ حسب قاعدہ کلیہ اس دنیا میں پھر نہ اٹھیں گے۔ چنانچہ لاہوری برگزیدہ جماعت نے بھی انہیں مردہ یقین کر کے اس درخواست میں اور اور بظاہر زندہ مولویوں کو مخاطب کیا ہے اور ان پر فاتحہ پڑھ دی ہے۔ ہم بھی انہیں روح میں مردہ سمجھتے اور ان کی موت پر تاسف کرتے ہیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ۔

اسلامی پبلک حیران ہے کہ کیوں مولوی ابوسعید صاحب نے اس بحث اور گزشتہ بحث میں قرآن کریم کی طرف آنے سے گریز کرنا پسند کیا اور کیوں وہ صاف صاف قرآن کریم اور فرقان مجید کی رو سے وفات و حیات مسیح کے مسئلہ کی نسبت گفتگو کرنے کی جرأت نہ کرتے یا عمداً کرنا نہ چاہتے تھے۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ قرآن کریم اپنی نصوص قطعیہ بیّنہ کا جرار وکرار لشکر اور ان گنت لشکر لے کر حضرت مرزا صاحب کی تائید پر آمادہ ہے۔ دو سو آیت کے قریب حضرت مسیح کی وفات پر بالصراحۃ دلالت کر رہی ہیں۔ مولوی ابوسعید صاحب نے نہ چاہا (اگر وہ چاہتے تو جلد فیصلہ ہو جاتا) کہ قرآن مجید کو اس نزاع میں جلد اور بلا واسطہ حکم اور فاصل بناویں اسلئے کہ وہ خوب سمجھتے تھے کہ سارا قرآن آنحضرت مرزا صاحب کے ساتھ ہے اور وہ اس خواہ نخواہ معاندانہ کارروائی سے زک اٹھائیں گے۔ لیکن پیش بندی یہ مشہور کرنا اور بات بات میں یہ کہنا شروع کر دیا کہ مرزا صاحب حدیث کو نہیں مانتے۔ نعوذ باللّٰہ ۔ ہم اس امر کا فیصلہ اہل تحقیق ناظرین پر چھوڑتے ہیں وہ دیکھ لیں گے اور مرزا صاحب کے جابجا اقراروں سے بخوبی سمجھ لیں گے کہ حدیث کی سچی اور واقعی عزت حضرت مرزا صاحب ہی نے کی ہے۔ ان کا مدعا و منشا یہ ہے کہ حدیث کے ایسے معنے کئے جائیں جو کسی صورت میں کتاب اللہ الشریف کے مخالف نہ پڑیں بلکہ حدیث کی عزت قائم رکھنے کیلئے اگر اس میں کوئی ایسا پہلو ہو جو بظاہر نظر کتاب اللہ کی مخالفت کا احتمال رکھتا ہو تو وہ اللہ تعالیٰ کی مدد سے اسے قرآن کے ساتھ توفیق و تطبیق دینے کی سعی بلیغ کرتے ہیں اگر ناچار کوئی ایسی

﴿۶﴾ حدیث (متعلق قصص۔ ایام و اخبار) ہو کہ قرآن کریم کے سخت مخالف پڑی ہو تو وہ کتاب اللہ کو بہمہ وجوہ واجب الادب واجب التعظیم اور واجب التفضیل سمجھ کر اس حدیث کی صحت سے انکار کرتے ہیں۔ اور ٹھیک حضرت صدیقہؓ کی طرح جیسا کہ انہوں نے اس روایت کو اِنَّ الْمَيِّتَ يُعَذَّبُ بِبُكَاءِ اَهْلِهٖ قرآن کریم کی آیت لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى [1] کے مقابلہ میں رد کر دیا تھا۔ حضرت اقدس مرزا صاحب (جن کا اصلی مشن اور منصبی فرض قرآن مجید کی عظمت کا دنیا میں قائم کرنا اور اسی کی تعلیم کا پھیلانا ہے) بھی ایسی مخالف و معارض قرآن حدیثوں کو (اگر ہوں اور پھر جس کتاب میں ہوں) قرآن کے مقابلہ میں بلاخوف لومۃ لائم کے رد کر دیتے ہیں۔

اے ناظرین۔ اے ناظرین۔ اے عاشقان کتاب رب العلمین! للہ سوچو! اس اعتقاد میں کیا قباحت ہے! اس پر یہ کیسا ناشدنی ہنگامہ ہے جو ابنائے روزگار نے مچا رکھا ہے! لوگ کہتے ہیں کہ فیصلہ نہیں ہوا۔ گو بالصراحت چونکہ اس اصل متنازع فیہ مسائل میں گفتگو نہیں ہوئی نہ کہا جا سکے کہ بین فیصلہ ہوا مگر مرزا صاحب کے جوابات کے پڑھنے والوں پر پوری وضاحت سے کھل جائے گا کہ احادیث کی دو قسمیں کر کے دوسری قسم کی حدیثوں کو جو تعامل کی قوت سے تقویت یافتہ نہ ہوں اور پھر قرآن کریم سے معارضہ کرتی ہوں حضرت مرزا صاحب نے تردید کر کے درحقیقت امر متنازع فیہ کا قطعی فیصلہ کر دیا ہے۔ گویا صاف سمجھا دیا ہے کہ قرآن مجید صریح منطوق سے حضرت مسیح کی موت کی خبر دیتا ہے اور یہ ایک واقعہ ہے۔ اب اگر کوئی حدیث نزول ابن مریم کی خبر دیتی ہو تو لامحالہ یہی سمجھا جائے گا کہ وہ کسی مثیل مسیح کی خبر دیتی ہے اور اگر اس میں کوئی ایسا پہلو ہوگا جو بوجہ من الوجوہ قرآن سے تطبیق نہ دیا جا سکے تو وہ ضرور ضرور ردّ کی جائے گی۔ پس بہرحال قرآن کریم اکیلا بلا کسی منازع و حریف کے میدان اثبات دعویٰ میں کھڑا رہا اور حق بھی یہی ہے کہ وہ تنہا بلا کسی مد مقابل کے اپنی نصوص کی صداقت ثابت کرنے والا ہو اور کسی کتاب کسی نوشتہ اور کسی مجموعہ کی کیا طاقت کیا مجال ہے کہ اس کے دعاوی کو توڑنے کا دم مار سکے اور یہی مرزا صاحب کا مدعا ہے۔ سو دراصل وہ فیصلہ دے چکے اور کر چکے ہیں۔ ہمارا ارادہ تھا کہ مولوی ابوسعید صاحب کے اشتہار لودیانہ مورخہ یکم اگست کی ان باتوں پر توجہ کرتے جن کے جواب کی تحریر کا

[1] فاطر:۱۹

﴿۷﴾ ایما معزز ایڈیٹر پنجاب گزٹ نے اپنے ضمیمہ میں ہماری طرف کیا تھا مگر ہم نے اس اثناء میں اپنے وسیع تجربہ سے دیکھ لیا ہے کہ معزز اور ذی فہم مسلمان اس بے بنیاد اشتہار کو بتمامہ سخت حقارت سے دیکھنے لگ گئے ہیں۔ ہمارا اس کی طرف اب متوجہ نہ ہونا ہی اسے گمنامی کے اتھاہ کنوئیں میں پھینک دینا ہے۔

آخر میں ہم افسوس سے کہتے ہیں کہ اگر مولوی ابوسعید صاحب معنًی بھی سعید ہوتے تو یاد کرتے اپنے اس فقرہ کو جو وہ ریویو براہین احمدیہ میں لکھ چکے ہوئے ہیں اور وہ یہ ہے۔

’’مؤلّف براہین الوہیت غیبی سے تربیت پا کر مورد الہامات غیبیہ وعلوم لدنیہ ہوئے ہیں‘‘۔ پھر لکھتے ہیں۔’’کیا کسی مسلمان متبع قرآن کے نزدیک شیطان کو بھی قوت قدسی ہے کہ وہ انبیاء وملائکہ کی طرح خدا کی طرف سے مغیبات پر اطلاع پائے اور اس کی کوئی بات غیب وصدق سے خالی نہ جائے؟‘‘ یعنی مرزا صاحب صاحب قوت قدسیہ ہیں اور اللہ تعالیٰ انہیں مغیبات پر اطلاع دیتا ہے۔

باوجود اس تصدیق اور ایسے اقرار سابق کے مناسب نہ تھا کہ اسی قلم سے کاذب‘ مفتری‘ نیچری اور مغالطہ دہندہ وغیرہ الفاظ نکلتے! رَبَّنَا اِنْ هِيَ اِلَّا فِتْنَتُكَ تُضِلُّ بِهَا مَنْ تَشَآءُ

ناظرین پر مخفی نہ رہے کہ **الحق** آئندہ انشاء اللہ تعالیٰ اپنے پراسپکٹس کے موافق مضامین شائع کیا کرے گا۔ درحقیقت یہ ایک صورت میں حضرت اقدس مرزا صاحب کی کارروائیوں کو جو سراسر صدق وصلاح پر مبنی ہیں ہر قسم کی ممکن اور محتمل غلط فہمیوں اور ناجائز نکتہ چینیوں سے محفوظ رکھنے کیلئے بڑی وضاحت سے بیان کیا کرے گا۔ وَمَا تَوْفِيْقِيْ اِلَّا بِاللّٰهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ۔

عَبْدُ الْكَرِيْم

﴿۸﴾

مُبَاحَثَہ

مَابَیْن

حضرت اقدس مسیح موعود جناب مرزا غلام احمد صاحب قادیانی

اور

مولوی ابوسعید محمد حسین صاحب بٹالوی

سوال نمبر ۱

مولوی صاحب

میں آپ کے چند عقائد و مقالات پر بحث کرنا چاہتا ہوں مگر اس سے پہلے چند اصول کی تمہید ضروری ہے آپ اجازت دیں تو میں ان اصول کو پیش کروں۔

دستخط ابوسعید محمد حسین ۲۰؍ جولائی ۱۸۹۱ء

مرزا صاحب

آپ کو اجازت ہے۔ بخوشی پیش کریں۔ لیکن اگر یہ عاجز مناسب سمجھے گا تو آپ سے بھی چند اصول تمہیدی دریافت کرے گا۔

دستخط غلام احمد ۲۰؍ جولائی ۱۸۹۱ء

﴿۹﴾

سوال نمبر۲

مولوی صاحب

میرے ان اصول کو جن کو میں رسالہ نمبر ا جلد ۱۲ میں بیان کر چکا ہوں اور ان کو آپ کے حواری حکیم نورالدین نے تسلیم کیا ہے آپ بھی تسلیم کرتے ہیں یا کسی اصول کے تسلیم میں عذر ہے۔

دستخط ابوسعید محمد حسین ۲۰ جولائی ۱۸۹۱ء

مرزا صاحب

مجھے ان اصول کی اطلاع نہیں پہلے مجھے بتلائے جائیں تب ان کی نسبت بیان کروں گا۔

دستخط غلام احمد ۲۰ جولائی ۱۸۹۱ء

پرچہ نمبر ا

مولوی صاحب

وہ اصول یہ ہیں جو رسالہ میں پڑھ کر سنائے جاتے ہیں۔ ان اصول میں سے جس اصول کی آپ کو تسلیم یا عدم ظاہر کرنا ہو تو آپ ظاہر کریں۔ چونکہ رسالہ چھپا ہوا ہے لہٰذا ان اصول کے دوبارہ تحریر میں لانے کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ ایک ایک اصول پر یکے بعد دیگرے کلام کریں۔

دستخط ابوسعید محمد حسین ۲۰ جولائی ۹۱ء

مرزا صاحب

کتاب وسنت کے حجج شرعیہ ہونے میں میرا یہ مذہب ہے کہ کتاب اللہ مقدم اور امام ہے۔ جس امر میں احادیث نبویہ کے معانی جو کئے جاتے ہیں کتاب اللہ کے مخالف واقع نہ ہوں تو

﴿۱۰﴾ وہ معانی بطور حجت شرعیہ کے قبول کئے جائیں گے لیکن جو معانی نصوص بینہ قرآنیہ سے مخالف واقع ہوں گے ان معنوں کو ہم ہرگز قبول نہیں کریں گے۔ بلکہ جہاں تک ہمارے لئے ممکن ہوگا ہم اس حدیث کے ایسے معانی کریں گے جو کتاب اللہ کی نص بیّن سے موافق و مطابق ہوں اور اگر ہم کوئی ایسی حدیث پائیں گے جو مخالف نص قرآن کریم ہوگی اور کسی صورت سے ہم اس کی تاویل کرنے پر قادر نہیں ہوسکیں گے تو ایسی حدیث کو ہم موضوع قرار دیں گے کیونکہ اللہ جلّ شانہٗ فرماتا ہے فَبِاَيِّ حَدِيْثٍ بَعْدَ اللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ يُؤْمِنُوْنَ [1] یعنی تم بعد اللہ اور اس کی آیات کے کس حدیث پر ایمان لاؤ گے۔ اس آیت میں صریح اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اگر قرآن کریم کسی امر کی نسبت قطعی اور یقینی فیصلہ دیوے یہاں تک کہ اس فیصلہ میں کسی طور سے شک باقی نہ رہ جاوے اور منشاء اچھی طرح سے کھل جائے تو پھر بعد اس کے کسی ایسی حدیث پر ایمان لانا جو صریح اس کے مخالف پڑی ہو مومن کا کام نہیں ہے۔ پھر فرماتا ہے۔ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۭ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ [2] ان دونوں آیتوں کے ایک ہی معنی ہیں اس لئے اس جگہ تصریح کی ضرورت نہیں۔ سو آیات متذکرہ بالا کے رو سے ہر ایک مومن کا یہ ہی مذہب ہونا چاہیئے کہ وہ کتاب اللہ کو بلا شرط اور حدیث کو شرطی طور پر حجت شرعی قرار دیوے اور یہی میرا مذہب ہے۔

(۲) اور آپ کے دوسرے امر مندرجہ صفحہ ۱۹ اشاعۃ السنہ کی نسبت علیحدہ جواب دینے کی ضرورت نہیں کیونکہ اس کا جواب اسی میں آ گیا ہے یعنی جو امر قول یا فعل یا تقریر کے طور پر جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف احادیث میں بیان کیا گیا ہے۔ ہم اس امر کو بھی اسی محک سے آزمائیں گے اور دیکھیں گے کہ حسب آیہ شریفہ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۭ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ [3] وہ حدیث قولی یا فعلی قرآن کریم کی کسی صریح اور بین آیت سے مخالف تو نہیں۔ اگر مخالف نہیں ہوگی تو ہم بسر و چشم اس کو قبول کریں گے اور اگر بظاہر مخالف نظر آئے گی تو ہم حتی الوسع اس کی تطبیق اور توفیق کیلئے کوشش کریں گے اور اگر ہم باوجود پوری پوری کوشش کے اس امر تطبیق میں ناکام رہیں گے اور صاف صاف کھلے طور پر ہمیں مخالف معلوم ہوگی تو ہم افسوس کے ساتھ اس حدیث کو ترک کردیں گے۔ کیونکہ حدیث کا پایہ قرآن کریم کے پایہ اور مرتبہ کو نہیں پہنچتا۔ قرآن کریم وحی متلو ہے۔ اور اس کے جمع کرنے اور محفوظ رکھنے میں وہ اہتمام بلیغ کیا گیا ہے کہ احادیث کے اہتمام

[1] الجاثیۃ: ۷ [2]۔[3] الاعراف: ۱۸۶

﴿۱۱﴾

تو اس سے کچھ بھی نسبت نہیں۔ اکثر احادیث غایت درجہ مفید ظن ہیں اور ظنی نتیجہ کی منتج ہیں اور اگر کوئی حدیث تواتر کے درجہ پر بھی ہوتا ہم قرآن کریم کے تواتر سے اس کو ہرگز مساوات نہیں بالفعل اسی قدر لکھنا کافی ہے۔

دستخط غلام احمد ۲۰؍ جولائی ۹۱ء

پرچہ نمبر ۲

مولوی صاحب

آپ کے کلام میں میرے سوال کا صاف اور قطعی جواب نہیں ☆ ہے آپ نے قبولیت و حجیت حدیث یا سنت کی ایک شرط بتائی ہے۔ یہ ظاہر نہیں کیا کہ اس حدیث یا سنت میں جو کتب حدیث خصوصاً صحیحین میں ہے جن کا ذکر اصول سیوم میں ہے پائی جائے متحقق ہے یا نہیں بناءً علیہ وہ حدیث یا سنت جو ان کتب میں ہے حجت شرعی ہے یا نہیں علاوہ براں اس کلام میں آپ نے جو شرط حجیت وقبولیت بیان کی ہے وہ شرط قانون درایت ہے نہ قانون روایت۔ اب آپ یہ بیان کریں کہ اصول روایت کے رو سے کتب حدیث خصوصاً صَحِیُحَین جن کا ذکر اصل سیوم میں ہے مثبت سنت نبو یہ ہیں یا نہیں اور ان کتابوں کی احادیث بلا وقفہ وشرط واجب العمل والاعتقاد ہیں یا ان کتابوں میں ایسی احادیث بھی ہیں جن پر بلا تحقیق صحت بحسب اصول روایت عمل واعتقاد جائز نہیں۔

ابوسعید محمد حسین ۲۰؍ جولائی ۱۸۹۱ء

مرزا صاحب

مولوی صاحب کا جواب سن کر میں عرض کرتا ہوں کہ میرے بیان کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر یک حدیث

☆ مولوی صاحب کی سمجھ پر ہمیں حیرت آتی ہے۔ حضرت مرزا صاحب نے تو صاف اور قطعی جواب دے دیا ہے آپ ایک مخفی غرض کو سینہ میں دبا کر کیوں لوگوں کو مغالطہ میں ڈالنا چاہتے ہیں۔ مرزا صاحب صاف فرماتے ہیں۔ ’’جو امر قول یا فعل یا تقریر کے طور پر الخ‘‘ خواہ وہ احادیث صَحِیُحَیں کی ہوں یا غیر صحیحین کی + اڈیٹر۔

﴿۱۲﴾

خواہ وہ بخاری کی ہو یا مسلم کی ہو اس شرط سے ہم کسی خاص معنوں میں جو بیان کئے جاتے ہیں قبول کریں گے کہ وہ حدیث ان معنوں کے رو سے قرآن کریم کے بیان سے موافق ومطابق ہو۔ اب زبانی بیان سے معلوم ہوا کہ آپ یہ دریافت کرنا چاہتے ہیں کہ ’’اصول روایت کی رو سے کتب حدیث خصوصاً صحیحین مثبت سنت نبویہ ہیں یا نہیں۔ اور ان کتابوں کی احادیث بلا وقفہ واجب العمل والاعتقاد ہیں یا ان کتابوں میں ایسی حدیثیں بھی ہیں جن پر عمل واعتقاد جائز نہیں۔‘‘ اس کا جواب میری طرف سے یہ ہے کہ چونکہ حدیثوں کا جمع ہونا ایسے یقینی اور قطعی طور سے نہیں کہ جس سے انکار کرنا کسی طور سے جائز نہ ہو اور جس پر ایمان لانا اسی پایہ اور مرتبہ کا ہو جیسا کہ قرآن کریم پر ایمان لانا۔ لہٰذا ہمارا یہ مذہب ہرگز ایسا نہیں ہے کہ روایت کے رو سے بھی حدیث کو وہ مرتبہ یقینی دیں جیسا کہ ہم قرآن کریم کا مرتبہ اعتقاد رکھتے ہیں☆ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ حدیثیں غایت کار ظنی ہیں اور جب کہ وہ مفید ظن ہیں تو ہم کیونکر روایت کی رو سے بھی ان کو وہ مرتبہ دے سکتے ہیں جو قرآن کریم کا مرتبہ ہے۔ جس طور سے حدیثیں جمع کی گئی ہیں اس طریق پر ہی نظر ڈالنے سے ہر یک عقلمند سمجھ سکتا ہے کہ ہرگز ممکن ہی نہیں کہ ہم اس یقین کے ساتھ انکی صحت روایت پر ایمان لاویں کہ جو قرآن کریم پر ایمان لاتے ہیں مثلاً اگر کوئی حدیث بخاری یا مسلم کی ہے لیکن قرآن کریم کے کھلے کھلے منشاء سے برخلاف ہے تو کیا ہمارے لئے یہ ضروری نہیں ہوگا کہ ہم اسکی مخالفت کی حالت میں قرآن کریم کو اپنے ثبوت میں مقدم قرار دیں؟ پس آپ کا یہ کہنا کہ احادیث اصول روایت کی رو سے ماننے کے لائق ہیں۔ یہ ایک **دھوکا** دینے والا قول ہے کیونکہ ہمیں یہ دیکھنا چاہئے کہ حدیث کے ماننے میں جو مرتبہ یقین کا ہمیں حاصل ہے وہ مرتبہ قرآن کریم کے ثبوت سے ہموزن ہے یا نہیں؟ اگر یہ ثابت ہو جائے کہ وہ مرتبہ ثبوت کا قرآن کے مرتبہ ثبوت سے ہم وزن ہے تو بلا شبہ ہمیں اسی پایہ پر حدیث کو مان لینا چاہئے مگر یہ تو کسی کا بھی مذہب نہیں تمام مسلمانوں کا یہی مذہب ہے کہ اکثر احادیث مفید ظن ہیں۔ **وَالظَّنُّ لَا یُغْنِیْ مِنَ الْحَقِّ شَیْئًا** مثلاً اگر کوئی شخص اس قسم کی قسم کھاوے کہ اس حدیث کے تمام الفاظ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے

☆نوٹ:- لیجئے مولوی صاحب فیصلہ شد۔ اب اس سے زیادہ صاف جواب آپ اور کیا چاہتے ہیں امید ہے کہ آئندہ آپ شکایت نہ کریں گے۔ اڈیٹر

﴿۱۳﴾ ہیں اور تمام الفاظ وحی الٰہی سے ہیں تو اس قسم کے کھانے میں وہ جھوٹا ہوگا۔ اور خود حدیثوں کا تعارض جو ان میں واقع ہے صاف دلالت کررہا ہے کہ وہ مقامات تحریف سے خالی نہیں ہیں پھر کیونکر کوئی مومن یہ اعتقاد رکھ سکتا ہے کہ حدیثیں روایتی ثبوت کے رو سے قرآن کریم کے ثبوت سے برابر ہیں! کیا آپ یا کوئی اور مولوی صاحب ایسی رائے ظاہر کرسکتے ہیں کہ ثبوت کے رو سے جس مرتبہ پر قرآن کریم ہے اُسی قرینہ پر حدیثیں بھی ہیں؟ پھر جب کہ آپ خود مانتے ہیں کہ حدیثیں اپنے روایتی ثبوت کی رو سے اعلیٰ مرتبہ ثبوت سے گری ہوئی ہیں اور غایت کار مفید ظن ہیں تو آپ اس بات پر کیوں زور دیتے ہیں کہ اسی مرتبہ یقین پر انہیں مان لینا چاہئے جس مرتبہ پر قرآن کریم مانا جاتا ہے۔ پس صحیح اور سچا طریق تو یہی ہے کہ جیسے حدیثیں صرف ظن کے مرتبہ تک ہیں بجز چند حدیثوں کے۔ تو اسی طرح ہمیں ان کی نسبت ظن کی حد تک ہی ایمان رکھنا چاہئے اور ہر ایک مومن خود سمجھ سکتا ہے کہ حدیثوں کی تحقیقات روایت کے نقص سے خالی نہیں کیونکہ ان کے درمیانی راویوں کے چال چلن وغیرہ کی نسبت ایسی تحقیقات کامل نہیں ہوسکی اور نہ ممکن تھی کہ کسی طرح شک باقی نہ رہتا۔ آپ خود اپنے رسالہ اشاعۃ السنہ میں لکھ چکے ہیں کہ احادیث کی نسبت بعض اکابر کا یہ مذہب ہوا ہے۔ ’’کہ ایک ملہم شخص ایک صحیح حدیث کو بالہام الٰہی موضوع ٹھہرا سکتا ہے اور ایک موضوع حدیث کو بالہام الٰہی صحیح ٹھہرا سکتا ہے۔‘‘ اب میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ جب کہ یہ حال ہے کہ کوئی حدیث بخاری یا مسلم کی بذریعہ کشف کے موضوع ٹھہر سکتی ہے تو پھر کیونکر ہم ایسی حدیثوں کو ہم پایہ قرآن کریم مان لیں گے؟ ہاں یہ تو ہمارا ایمان ہے کہ ظنی طور پر بخاری اور مسلم کی حدیثیں بڑے اہتمام سے لکھی گئی ہیں اور غالباً اکثر ان میں صحیح ہوں گی۔ لیکن کیونکر ہم اس بات پر حلف اٹھا سکتے ہیں کہ بلاشبہ وہ ساری حدیثیں صحیح ہیں جب کہ وہ صرف ظنی طور پر صحیح ہیں نہ یقینی طور پر تو پھر یقینی طور پر ان کا صحیح ہونا کیونکر مان سکتے ہیں!

الغرض میرا مذہب یہی ہے کہ البتہ بخاری اور مسلم کی حدیثیں ظنی طور پر صحیح ہیں۔ مگر جو حدیث صریح طور پر ان میں سے مبائن و مخالف قرآن کریم کے واقع ہوگی وہ صحت سے باہر ہو جائے گی۔ آخر بخاری اور مسلم پر وحی تو نازل نہیں تھی۔ بلکہ جس طریق سے انہوں نے حدیثوں کو جمع کیا ہے اس طریق پر نظر ڈالنے سے ہی معلوم ہوتا ہے کہ بلاشبہ وہ طریق ظنی ہے اور ان کی نسبت یقین کا ادعا کرنا ادعائے باطل ہے۔ دنیا میں جو اس قدر مخالف فرقے اہل اسلام میں ہیں خاص کر مذاہب اربعہ ان چاروں

﴿۱۴﴾ مذہبوں کے اماموں نے اپنے عملی طریق سے خود گواہی دے دی ہے کہ یہ احادیث ظنی ہیں۔ اور اس میں کچھ شک نہیں کہ اکثر حدیثیں ان کو ملی ہوں گی مگر ان کی رائے میں وہ حدیثیں صحیح نہیں تھیں۔ بھلا آپ فرماویں کہ اگر کوئی شخص بخاری کی کسی حدیث سے انکار کرے کہ یہ صحیح نہیں ہے جیسا کہ اکثر مقلدین انکار کرتے ہیں تو کیا وہ شخص آپ کے نزدیک کافر ہو جائے گا؟ پھر جس حالت میں وہ کافر نہیں ہوسکتا تو آپ کیونکر ان حدیثوں کو روایتی ثبوت کے رو سے یقینی ٹھہرا سکتے ہیں؟ اور جب کہ وہ یقینی نہیں ہیں تو اس حالت میں اگر ہم کسی حدیث کو قرآن کریم کے مخالف پاویں گے اور صریح طور پر دیکھ لیں گے کہ وہ قرآن کریم سے صریح طور سے مخالف ہے اور کسی طور سے تطبیق نہیں دے سکتے تو کیا ہم ایسی صورت میں قرآن کریم کی اس آیت کو ساقط الاعتبار کر دیں گے؟ یا اس کے کلام الٰہی ہونے کی نسبت شک میں پڑیں گے؟ کیا کریں گے؟ آخر یہی تو کرنا ہوگا کہ اگر ایسی حدیث کسی طور سے کلام الٰہی سے تطبیق نہیں کھائے گی تو اس کو بغیر خوف زید و عمرو کے وضعی قرار دیں گے۔ بلاشبہ آپ کا نور قلب ☆ اس بات پر شہادت دیتا ہوگا کہ حدیثیں اپنی روایتی ثبوت کی رو سے کسی طور سے قرآن کریم سے مقابلہ نہیں کرسکتیں۔ اسی وجہ سے گو وہ وحی الٰہی میں ہوں نماز میں بجائے کسی سورۃ کے ان کو نہیں پڑھ سکتے۔ اور ایک نقص حدیثوں میں یہ بھی ہے کہ بعض حدیثیں اجتہادی طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہیں اسی وجہ سے ان میں باہم تعارض بھی ہوگیا ہے۔ جیسا کہ ابن صیاد کے دجال معہود ہونے کی نسبت جو حدیثیں ہیں وہ حدیثیں ان حدیثوں سے صریح اور صاف طور پر معارض ہیں جو گرجا والے دجال کی نسبت ہیں جن کا راوی تمیم داری ہے۔ اب ہم ان دونوں حدیثوں میں سے کس حدیث کو صحیح سمجھیں؟ دونوں حضرت مسلم صاحب کی صحیح میں موجود ہیں۔ ابن صیاد کے دجال معہود ہونے کی نسبت یہاں تک وثوق پایا جاتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو قسم کھا کر بیان کیا کہ دجال معہود یہی ہے تو آپ چپ رہے ہرگز انکار نہیں کیا اور ظاہر ہے کہ نبی کا قسم کھانے کے وقت میں چپ رہنا گویا خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قسم کھانا ہے اور پھر ابن عمر کی حدیث میں صریح اور صاف لفظوں میں موجود ہے کہ انہوں نے قسم کھا کر کہا کہ دجال معہود یہی ابن صیاد ہے اور جابر نے بھی قسم کھا کر کہا کہ دجال معہود یہی ابن صیاد ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ بھی فرمایا کہ میں اپنی امت پر ابن صیاد کے دجال معہود

☆ (نوٹ اگر ہوا اور اس پر اتباعِ ہوا کے حجاب و غلاف نہ چڑھے ہوں۔ اڈیٹر)

﴿۱۵﴾ ہونے کی نسبت ڈرتا ہوں۔ پھر ایک اور حدیث مسلم میں ہے جس میں لکھا ہے کہ صحابہ کا اس پر اتفاق ہو گیا تھا کہ دجال معہود ابن صیاد ہی ہے۔ لیکن فاطمہ کی حدیث تمیم داری جو اسی مسلم میں موجود ہے صریح اس کے مخالف ہے۔ اب ہم ان دونوں دجالوں میں سے کس کو دجال سمجھیں؟ صدیق حسن صاحب جیسا کہ میرے ایک دوست نے بیان کیا ہے ابن صیاد کی حدیث کو ترجیح دیتے ہیں اور تمیم داری کی حدیث کو اپنی کتاب آثار القیامة میں ضعیف قرار دیتے ہیں۔ بہرحال اب یہ مصیبت اور رونے کی جگہ ہے یا نہیں کہ ایک ہی کتاب میں جو بعد بخاری کے اَصَحُّ الْکُتب سمجھی گئی ہے دو متعارض حدیثیں ہیں!!! جب ہم ایک کو صحیح مانتے ہیں تو پھر دوسری کو غلط ماننا پڑتا ہے۔ ماسوا اس کے تمیم داری کی حدیث میں صاف لفظوں میں لکھا ہے کہ وہی دجال جو تمیم داری نے دیکھا تھا کسی وقت خروج کرے گا۔ لیکن اسی مسلم کی تین حدیثیں صاف صاف ظاہر کر رہی ہیں کہ سو برس کے عرصہ تک کوئی شخص زندہ نہیں رہے گا بلکہ پہلی حدیث میں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم کھا کر بیان فرمایا ہے کہ اس وقت سے سو برس تک کوئی جاندار زمین پر زندہ نہیں رہے گا۔ اب اگر ابن صیاد اور گرجا والا دجال جاندار اور مخلوق ہیں تو اس سے لازم آتا ہے کہ وہ مر گئے ہوں۔ اب یہ دوسری مصیبت ہے جو دونوں حدیثوں کے صحیح ماننے سے پیش آتی ہے! آپ فرماویں☆ کہ ہم کیونکر ان دونوں کو باوجود سخت تعارض کے صحیح مان سکتے ہیں؟ پس اب بجز اس کے اور کیا راہ ہے کہ ہم ایک حدیث کو غیر صحیح سمجھیں۔ غرض کہاں تک بیان کیا جاوے جس قدر بعض احادیث میں تعارض و تخالف پایا جاتا ہے اس کے بیان کرنے کیلئے تو ایک رسالہ چاہئے۔ مگر اس جگہ اس قدر کافی ہے۔ اب ظاہر ہے کہ اگر تمام حدیثیں روایت کے طور سے یقینی الثبوت ہوتیں تو یہ خرابیاں کاہے کو پڑتیں۔ اب میں خیال کرتا ہوں کہ میں آپ کے سوال کا پورا پورا جواب دے چکا ہوں۔ کیونکہ جس حالت میں یہ ثابت ہو گیا کہ حدیثیں بوجہ اپنی ظنی حالت اور تعارض اور دوسری وجوہ کے یقین کامل کے مرتبہ پر نہیں ہیں۔ اس لئے وہ بجز شہادت و موافقت قرآن کریم یا عدم خلاف اس کے حجت شرعی کے طور سے کام میں نہیں آسکتیں۔ اور قانون روایت کے رو سے ان کا وہ پایہ ہرگز تسلیم نہیں ہوسکتا جو قرآن کریم کا پایہ ہے۔ سو بالفعل اسی قدر لکھنا کافی ہے۔ **دستخط غلام احمد ۲۰ جولائی ۹۱ء**

☆نوٹ: مولوی صاحب ٹلیے گا نہیں حدیث دانی کا ثبوت ضرور دیجئے گا۔ ایڈیٹر

﴿۱۶﴾

پرچہ نمبر ۳

مولوی صاحب

نوٹ: اس کے بعد مولوی صاحب نے چند سطر کا پھر ایک سراسر فضول جواب جس میں اعادہ پہلے ہی بیان کا تھا۔ دیا۔ جس کا ماحصل یہ تھا کہ میرا جواب آپ نے اب تک نہیں دیا۔ چونکہ وہ پرچہ بہت مختصر اور صرف چند سطریں تھا۔ غالباً انہیں کے ہاتھ میں رہا یا گم ہوگیا بہرحال اس کا مفصل جواب لکھا جاتا ہے اور اس سے مولوی صاحب کے پرچہ کا مضمون بھی بخوبی ذہن نشین ہو جائے گا۔ افسوس مولوی صاحب کی یہ شکایت کہ ان کے سوال کا جواب نہیں ملا ساتھ ساتھ لگی جاتی ہے۔ ناظرین غور کریں۔ ایڈیٹر

میرزا صاحب

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ط

نَحۡمَدُہٗ وَ نُصَلِّیۡ

آپ نے پھر میرے پر یہ الزام لگایا ہے کہ میں نے آپ کے سوال کا جواب صاف نہیں دیا میں حیران ہوں کہ میں کن الفاظ میں اپنے جواب کو بیان کروں یا کس پیرایہ میں ان گزارشوں کو پیش کروں تا آپ اس کو واقعی طور پر جواب تصور فرماویں ☆ آپ کا سوال جو اس تحریر اور پہلی تحریروں سے سمجھا جاتا ہے یہ ہے

☆ نوٹ:۔ عالی جناب! (روح من فدائے تو) آپ کیوں حیرت میں پڑنے کی تکلیف اٹھاتے ہیں مولوی صاحب تو یہی بے تکی ہانکے چلے جائیں گے جب تک آپ ان کے مافی البطن کے میلان کے موافق یا یوں کہیئے کہ جب تک آپ خلاف صدق و سداد کے جواب نہ دیں۔ اہل بصیرت تسلیم کر چکے ہیں کہ آپ صاف مدلل اور مسکت جواب دے چکے ہیں اور کئی بار دے چکے ہیں۔ آپ نے اس قوم کے بودے تار و پود کو ادھیڑ کر رکھ دیا ہے اسی بات کا دلی شعور مولوی صاحب کو بے قرار کر کے ان کے منہ سے یہ مجنونانہ فقرہ نکلواتا ہے وہ یاد رکھیں کہ ان کی مغالطہ دہی کا وقت جاتا رہا۔ اڈیٹر

﴿۱۷﴾ کہ احادیث کتب حدیث خصوصاً صحیح بخاری و صحیح مسلم صحیح و واجب العمل ہیں یا غیر صحیح و نا قابل عمل۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ آپ میرے منہ سے یہ کہلایا چاہتے ہیں کہ میں اس بات کا اقرار کروں کہ یہ سب کتابیں صحیح اور واجب العمل ہیں۔ اگر میں ایسا کروں تو غالباً آپ خوش ہو جائیں گے اور فرمائیں گے کہ اب میرے سوال کا جواب پورا پورا آ گیا۔ لیکن میں سوچ میں ہوں کہ میں کس شرعی قاعدہ کے رو سے ان تمام حدیثوں کو بغیر تحقیق و تفتیش کے واجب العمل یا صحیح قرار دے سکتا ہوں؟ طریق تقویٰ یہ ہے کہ جب تک فراست کاملہ اور بصیرت صحیحہ حاصل نہ ہو تب تک کسی چیز کے ثبوت یا عدم ثبوت کی نسبت حکم نافذ نہ کیا جاوے اللہ جلَّ شانہٗ فرماتا ہے۔ لَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ط اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا [1] سو اگر میں دلیری کر کے اس معاملہ میں دخل دوں اور یہ کہوں کہ میرے نزدیک جو کچھ محدثین خصوصاً امامین بخاری اور مسلم نے تنقید احادیث میں تحقیق کی ہے اور جس قدر احادیث وہ اپنی صحیحوں میں لائے ہیں وہ بلاشبہ بغیر حاجت کسی آزمائش کے صحیح ہیں تو میرا ایسا کہنا کن شرعی وجوہات و دلائل پر مبنی ہوگا؟ یہ تو آپ کو معلوم ہے کہ یہ تمام ائمہ حدیثوں کے جمع کرنے میں ایک قسم کا اجتہاد کام میں لائے ہیں اور مجتہد کبھی مصیب اور کبھی مخطی بھی ہوتا ہے۔ جب میں سوچتا ہوں کہ ہمارے بھائی مسلمان موحدین نے کس **قانون قطعی** اور یقینی کی رو سے ان تمام احادیث کو واجب العمل ٹھہرایا ہے؟ تو میرے اندر سے **نور قلب** یہی شہادت دیتا ہے کہ صرف یہی اک وجہ ان کے واجب العمل ہونے کی پائی جاتی ہے کہ یہ خیال کر لیا گیا ہے کہ علاوہ اس خاص تحقیق کے جو تنقید احادیث میں ائمہ حدیث نے کی ہے۔ وہ حدیثیں قرآن کریم کی کسی آیہ محکمہ اور بیّنہ سے منافی اور متغائر نہیں ہیں اور نیز اکثر احادیث جو احکام شرعی کے متعلق ہیں تعامل کے سلسلہ سے قطعیت اور یقین تام کے درجہ تک پہنچ گئی ہیں۔ ورنہ اگر ان دونوں وجوہ سے **قطع نظر** کی جائے تو پھر کوئی وجہ ان کے یقینی الثبوت ہونے کی **معلوم نہیں** ہوتی۔ ہاں یہ ایک وجہ پیش کی جائے گی کہ اسی پر اجماع ہو گیا ہے لیکن آپ ہی ریویو براہین احمدیہ کے صفحہ ۳۳۰ میں اجماع کی نسبت لکھ چکے ہیں کہ اجماع اتفاقی دلیل نہیں ہے چنانچہ آپ فرماتے ہیں کہ:۔

”اجماع میں اولاً یہ اختلاف ہے کہ یہ ممکن یعنی ہو بھی سکتا ہے یا نہیں بعضے اس کے امکان کو ہی نہیں مانتے۔ پھر ماننے والوں کا اس میں اختلاف ہے کہ اس کا علم ہو سکتا ہے یا نہیں۔ ایک جماعت امکان علم کے بھی منکر ہیں۔ امام فخر الدین رازی نے کتاب محصول میں یہ اختلاف بیان کر کے فرمایا ہے

[1] بنی اسرائیل: ۳۷

﴿۱۸﴾

کہ انصاف یہی ہے کہ بجز اجماع زمانہ صحابہ جب کہ مومنین اہل اجماع بہت تھوڑے تھے اوران سب کی معرفت تفصیلی ممکن تھی اورزمانہ کے اجماعوں کے حصول علم کی کوئی سبیل نہیں۔‘‘

اسی کے مطابق کتاب حصول المامول میں ہے جو کتاب ارشاد الفحول شوکانی سے ملخص ہے اس میں کہا۔ ’’جو یہ دعویٰ کرے کہ ناقل اجماع ان سب علماء دنیا کی جو اجماع میں معتبر ہیں معرفت پر قادر ہے وہ اس دعویٰ میں حد سے نکل گیا اور جو کچھ اس نے کہا اٹکل سے کہا۔‘‘ خدا امام احمد حنبل پر رحم کرے کہ انہوں نے صاف فرمادیا ہے کہ جو دعویٰ اجماع کا مدعی ہے وہ جھوٹا ہے۔فقط۔

اب میں آپ سے دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ بخاری اور مسلم کی احادیث کی نسبت جو اجماع کا دعویٰ کیا جاتا ہے یہ دعویٰ کیونکر راستی کے رنگ سے رنگین سمجھ سکیں؟ حالانکہ آپ اس بات کے قائل ہیں کہ صحابہ کے بعد کوئی اجماع حجت نہیں ہوسکتا۔ بلکہ آپ امام احمد صاحب کا قول پیش کرتے ہیں کہ جو وجود اجماع کا مدعی ہے وہ جھوٹا ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ بخاری اور مسلم کی صحت پر بھی ہرگز اجماع نہیں ہوا۔ چنانچہ واقعی امر بھی ایسا ہی ہے کہ بہت سے فرقے مسلمانوں کے بخاری اور مسلم کی اکثر حدیثوں کو صحیح نہیں سمجھتے۔ پھر جب کہ ان حدیثوں کا یہ حال ہے تو کیونکر کہہ سکتے ہیں کہ بغیر کسی شرط کے وہ تمام حدیثیں واجب العمل اور قطعی الصحت ہیں؟ ایسا خیال کرنے میں دلیل شرعی کونسی ہے؟ کیا کوئی قرآن کریم میں ایسی آیت پائی جاتی ہے کہ تم نے بخاری اور مسلم کو قطعی الثبوت سمجھنا؟ اوراس کی کسی حدیث کی نسبت اعتراض نہ کرنا؟ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ سلم کی کوئی وصیت تحریری موجود ہے جس میں ان کتابوں کو بلالحاظ کسی شرط اور بغیر توسط محک کلام الٰہی کے واجب العمل ٹھہرایا گیا ہو؟ جب ہم اس امر میں غور کریں کہ کیوں ان کتابوں کو واجب العمل خیال کیا جاتا ہے تو ہمیں یہ وجوب ایسا ہی معلوم ہوتا ہے جیسے حنفیوں کے نزدیک اس بات کا وجوب ہے کہ امام اعظم صاحب کے یعنی حنفی مذہب کے تمام مجتہدات واجب العمل ہیں! لیکن ایک دانا سوچ سکتا ہے کہ یہ وجوب شرعی نہیں بلکہ کچھ زمانہ سے ایسے خیالات کے اثر سے اپنی طرف سے یہ وجوب گھڑا گیا ہے جس حالت میں حنفی مذہب پر آپ لوگ یہی اعتراض کرتے ہیں کہ وہ نصوص بیّنہ شرعیہ کو چھوڑ کر بے اصل اجتہادات کو محکم پکڑتے اور ناحق تقلید شخصی کی راہ اختیار کرتے ہیں تو کیا یہی اعتراض آپ پر نہیں ہوسکتا کہ آپ بھی کیوں بے وجہ تقلید پر زور مار رہے ہیں؟ حقیقی بصیرت اور معرفت کے کیوں طالب نہیں ہوتے؟ ہمیشہ آپ لوگ بیان کرتے تھے کہ جو حدیث صحیح ثابت ہے اس پر عمل کرنا

﴿۱۹﴾ چاہئے اور جو غیر صحیح ہو اس کو چھوڑ دینا چاہئے۔ اب کیوں آپ مقلدین کے رنگ پر تمام احادیث کو بلا شرط صحیح خیال کر بیٹھے ہیں؟ اس پر آپ کے پاس شرعی ثبوت کیا ہے؟ کہاں سے امام محمد اسمٰعیل یا مسلم کی معصومیت ثابت ہوگئی ہے؟ کیا آپ اس بات کو سمجھ نہیں سکتے کہ جس کو خدا تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے فہم قرآن عطا کرے اور تفہیم الٰہی سے وہ مشرف ہو جاوے اور اس پر ظاہر کر دیا جائے کہ قرآن کریم کی فلاں آیت سے فلاں حدیث مخالف ہے اور یہ علم اس کا کمال یقین اور قطعیت تک پہنچ جائے تو اس کیلئے یہی لازم ہوگا کہ حتی الوسع اول ادب کی راہ سے اس حدیث کی تاویل کر کے قرآن شریف سے مطابق کرے۔ اور اگر مطابقت محالات میں سے ہو اور کسی صورت سے نہ ہو سکے تو بدرجہ ناچاری اس حدیث کے غیر صحیح ہونے کا قائل ہو۔ کیونکہ ہمارے لئے یہ بہتر ہے کہ ہم بحالت مخالفت قرآن شریف حدیث کی تاویل کی طرف رجوع کریں۔ لیکن یہ سراسر الحاد اور کفر ہوگا کہ ہم ایسی حدیثوں کی خاطر سے کہ جو انسان کے ہاتھوں سے ہم کو ملی ہیں اور انسانوں کی باتوں کا ان میں ملنا نہ صرف احتمالی امر ہے بلکہ یقینی طور پر پایا جاتا ہے قرآن کو چھوڑ دیں!!! **میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ تفہیم الٰہی میرے شامل حال ہے اور وہ عزّ اسمہٗ جس وقت چاہتا ہے بعض معارف قرآنی میرے پر کھولتا ہے اور اصل منشاء بعض آیات کا معہ ان کے ثبوت کے میرے پر ظاہر فرماتا ہے اور میخ آہنی کی طرح میرے دل کے اندر داخل کر دیتا ہے اب میں اس خداداد نعمت کو کیونکر چھوڑ دوں اور جو فیض بارش کی طرح میرے پر ہو رہا ہے کیونکر اس سے انکار کروں!**

اور یہ بات جو آپ نے مجھ سے دریافت فرمائی ہے کہ اب تک کسی حدیث بخاری یا مسلم کو میں نے موضوع قرار دیا ہے یا نہیں۔ سو میں آپ کی خدمت میں عرض کرتا ہوں کہ میں نے اپنی کتاب میں کسی حدیث بخاری یا مسلم کو ابھی تک

﴿۲۰﴾

موضوع قرار نہیں دیا۔ بلکہ اگر کسی حدیث کو میں نے قرآن کریم سے مخالف پایا ہے تو خدا تعالیٰ نے تاویل☆ کا باب میرے پر کھول دیا ہے اور آپ نے یہ سوال جو مجھ سے کیا ہے کہ صحت احادیث کا معیار ٹھہرانے میں سلف صالحین سے آپ کا کون امام ہے۔ میری اس کے جواب میں یہ عرض ہے کہ اس بات کا **بار ثبوت** میرے ذمہ نہیں۔ بلکہ میں تو ہر ایک ایسے شخص کو جو قرآن کریم پر ایمان لاتا ہے خواہ وہ گذر چکا ہے یا موجود ہے اسی اعتقاد کا پابند جانتا ہوں کہ وہ احادیث کے پرکھنے کیلئے قرآن کریم کو میزان اور معیار اور محک سمجھتا ہوگا کیونکہ جس حالت میں قرآن کریم خود یہ منصب اپنے لئے تجویز فرماتا ہے اور کہتا ہے فَبِاَیِّ حَدِیْثٍ بَعْدَهٗ یُؤْمِنُوْنَ[1] اور فرماتا ہے قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى[2] اور فرماتا ہے وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِیْعًا[3] اور فرماتا ہے هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَیِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى[4] اور فرماتا ہے اَنْزَلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ وَالْمِیْزَانَ[5] اور فرماتا ہے۔ اِنَّهٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ[6] لَا رَیْبَ ۛۚ فِیْهِ[7] تو پھر اس کے بعد **کون** ایسا مومن ہے جو قرآن شریف کو حدیثوں کے لئے حَکَم مقرر نہ کرے؟ اور جب کہ وہ خود فرماتا ہے کہ یہ کلام **حَکَم** ہے اور **قول فصل** ہے اور حق اور باطل کی شناخت کیلئے **فرقان** ہے اور **میزان** ہے تو کیا یہ ایمانداری ہوگی کہ ہم خدا تعالیٰ کے ایسے فرمودہ پر ایمان نہ لاویں؟ اور اگر ہم ایمان لاتے ہیں تو ہمارا ضرور یہ **مذہب** ہونا چاہئے کہ ہم ہر ایک حدیث اور ہر ایک قول کو قرآن کریم پر **عرض** کریں تا ہمیں معلوم ہو کہ وہ واقعی طور پر اسی مشکوٰۃ وحی سے نور حاصل کرنیوالے ہیں جس سے قرآن نکلا ہے یا اس کے مخالف ہیں۔ سو چونکہ مومن کیلئے یہ ایک **ضروری** امر ہے کہ قرآن کریم کو احادیث کا حَکَم مقرر کرے اس لئے ثبوت اس بات کا کہ سلف صالحین نے قرآن کریم کو حَکَم مقرر نہیں کیا آپ کے ذمہ ہے نہ میرے ذمہ۔ اس جگہ مجھے یہ **افسوس** بھی ہے کہ آپ قرآن کریم کا مرتبہ بخاری اور مسلم کے مرتبہ کے برابر بھی نہیں سمجھتے کیونکہ اگر کوئی حدیث کسی کتاب کو بخاری اور **مسلم**

☆نوٹ:۔ یعنی سچے اور حقیقی معنوں کا۔ عوام الناس نے جو علم الٰہی سے مطلق ناآشنا ہیں تاویل کو مرادف و ہم پلہ تحریف و تسویل کے سمجھ رکھا ہے یہ محض ان کی کوتہ فہمی ہے انہیں اس لغت کے معنی خود قرآن کریم سے سمجھنا چاہیے جہاں حق سبحانہ تعالیٰ فرماتا ہے وَمَا یَعْلَمُ تَاْوِیْلَهٗۤ اِلَّا اللّٰهُ[8] یَوْمَ یَاْتِیْ تَاْوِیْلُهٗ[9] حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا منشا یہ ہے کہ جہاں کوئی ایسی حدیث آئی ہے جو بظاہر خلاف قرآن معلوم ہوتی تھی اللہ جلّ شانہٗ نے الہاماً مجھ پر اس کے حقیقی معنے کھول دیئے۔ ایڈیٹر

[1] الاعراف:۱۸۶ [2] البقرۃ:۱۲۱ [3] اٰل عمران:۱۰۴ [4] البقرۃ:۱۸۶ [5] الشوریٰ:۱۸ [6] الطارق:۱۴ [7] البقرۃ:۳ [8] اٰل عمران:۸ [9] الاعراف:۵۴

کی کسی حدیث سے مخالف اور مبائن پڑے اور کسی طور سے تطبیق نہ ہو سکے تو آپ صاحبان فی الفور کہہ دیتے ہیں کہ وہ حدیث صحیح نہیں ہے مگر کمال افسوس کی جگہ ہے کہ یہ مذہب قرآن کریم کی نسبت آپ اختیار کرنا نہیں چاہتے!!! ﴿۲۱﴾

اور اجماع کی نسبت جو آپ نے دریافت فرمایا ہے میں تو پہلے ہی عرض کر چکا ہوں کہ ابن صیاد جو مسلمان ہو گیا تھا بیان کرتا ہے کہ لوگ مجھے ایسا کہتے ہیں کہ اس کی شہادت میں کوئی اشتباہ نہیں جس سے سمجھا جاتا ہے کہ عام طور پر صحابہ کا یہی خیال تھا کہ ابن صیاد ہی دجال معہود ہے ماسوا اس کے حدیثوں پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض صحابہ کا یہ مذہب ہو گیا تھا کہ حقیقت میں ابن صیاد ہی دجال معہود ہے اس صورت میں دوسرے صحابیوں کا خاموش رہنا صریح اس بات پر دلیل ہے کہ وہ اس مذہب کو مان چکے تھے اور اگر ان کی طرف سے کوئی مخالفت اور انکار ہوتا تو ضرور وہ انکار ظاہر ہو جاتا۔ پس صحابہ کے اجماع کیلئے اسی قدر کافی ہے۔ بالخصوص حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو قسم کھا کر بیان کرنا کہ درحقیقت ابن صیاد ہی دجال معہود ہے صریح دلیل اجماع پر ہے کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ اکثر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جماعت صحابہ سے اکیلے نہیں ہوتے تھے اور غالباً جس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قسم کھائی ہوگی اس وقت بہت سی جماعت صحابہ کی موجود ہوگی۔ پس ان کی خاموشی صریح اجماع پر دلیل ہے۔

پھر آپ نے بیان فرمایا ہے کہ شرح السنّہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی قول منقول نہیں ہے بلکہ اس میں ایک صحابی اپنا خیال ظاہر کرتا ہے حضرت اس کے جواب میں اس قدر کہنا کافی ہے کہ آپ لوگوں کے نزدیک تو صحابی کا قول بھی ایک قسم کی حدیث ہوتی ہے گو منقطع ہی سہی۔ صاف ظاہر ہے کہ صحابی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر افتراء نہیں کر سکتا اور ڈرنے کی بات ایک ایسی بات ہے کہ جب تک آنحضرت صلعم اشارۃً یا صراحتاً بیان نہ فرماتے تو صحابی کی کیا مجال تھی کہ خود بخود آنجناب پر افترا کر لیتا۔ بلا شبہ اس نے سنا ہوگا تب ہی تو اس نے ذکر کیا سو جو کچھ اس نے سنا۔ اگرچہ آنحضرت صلعم کے الفاظ سے ظاہر نہیں کیا لیکن ایک بچہ کو بھی سمجھ آ سکتی ہے کہ اس نے ضرور سنا تب ہی بیان کیا۔ پس ظاہر ہے کہ یہ افترا نہیں بلکہ بیان واقعہ ہے۔ کیا آپ اس صحابی پر حسن ظن نہیں رکھتے؟ اور یہ خیال رکھتے ہیں کہ بغیر سننے کے ہی اس نے کہہ دیا! آپ فرماتے ہیں کہ اس نے خیال ظاہر کیا! میں کہتا ہوں کہ آنحضرت صلعم کے ما فی الضمیر پر اس کو کیا علم تھا جب تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اشارۃً یا صراحتاً آپ ظاہر نہ فرماتے؟

راقم خاکسار غلام احمد عفی عنہ بقلم خود ۲۱؍ جولائی ۱۸۹۱ء

﴿۲۲﴾ پھر آپ فرماتے ہیں کہ ’’میں نے اشاعۃ السنّہ میں محی الدین ابن عربی کا قول نقل کیا ہے اور آخر میں مَیں نے لکھ دیا کہ ہم الہام کو حجت اور دلیل نہیں جانتے‘‘۔ اس کے جواب میں بادب ملتمس ہوں کہ آپ اگر اس قول کے مخالف ہوتے تو کیوں ناحق اس کا ذکر کرتے؟ غایت کار آپ کے کلام میں **تناقض** ہوگا کیونکہ اول صاف تسلیم کر آئے ہیں کہ **الہام ملہم** کے لئے حجت شرعی کے **قائم مقام** ہوتا ہے علاوہ اس کے آپ تو صاف طور پر مان چکے ہیں بلکہ بحوالہ **حدیث** بخاری بہ تصریح بیان کر چکے ہیں کہ **الہام محدث کا شیطانی دخل سے منزہ کیا جاتا ہے۔** ماسوا اس کے میں اس بات کیلئے آپ کو مجبور نہیں کرتا کہ آپ الہام کو حجت سمجھ لیں مگر یہ تو آپ اپنے **ریویو** میں خود تسلیم کرتے ہیں کہ **ملہم کیلئے وہ الہام حجت ہو جاتا ہے۔** سو میرا **دعویٰ** اسی قدر سے **ثابت** ہے۔ میں بھی آپ کو مجبور کرنا نہیں چاہتا۔

غلام احمد بقلم خود

پرچہ نمبر۴ ! مولوی صاحب!

آپ نے بایں ہمہ تطویل میرے سوال کا جواب پھر بھی صاف نہ دیا☆ اور آپ کے اس کلام میں وہی اضطراب و اختلاف پایا جاتا ہے جو پہلے کلام میں موجود ہے آپ شرط صحت کو جو آپ کے خیال میں ہے پیش نظر رکھ کر صاف صاف الفاظ میں دو حرفی جواب دیں کہ احادیث و کتب حدیث خصوصاً صحیح بخاری و صحیح مسلم بلا تفصیل صحیح و واجب العمل ہیں یا بلا تفصیل غیر صحیح و نا قابل عمل یا اس میں تفصیل ہے بعض احادیث صحیح ہیں اور بعض غیر صحیح و موضوع۔ اس کے ساتھ آپ یہ بھی بتا دیں کہ آپ نے اپنی تصانیف میں کسی حدیث صحیح بخاری و صحیح مسلم کو غیر صحیح و موضوع کہا ہے یا نہیں؟

(۲) آپ نے جو میرے اس سوال کا کہ سلف میں آپ کا کون امام ہے جواب دیا ہے وہ میرے سوال کا جواب نہیں ہے۔ میں نے ابن صیاد کی نسبت وہ سوال نہیں کیا تھا بلکہ آپ کے اس اعتقاد کی نسبت سوال کیا تھا کہ صحت احادیث کا معیار قرآن ہے اور جو حدیث قرآن کے موافق نہ ہو وہ موضوع ہے اب بھی آپ فرماویں۔

☆ **نوٹ:-** مولوی صاحب! آپ کی یہ تان کہیں ٹوٹے گی بھی! ذرا بغض و عناد کے بخار سے دماغ کو خالی فرماویں۔ آپ کو صاف معلوم ہو جائے گا کہ آپ کو صاف اور کافی جواب دیا گیا ہے۔ ایڈیٹر

﴿۲۳﴾

(اگر آپ کا اعتقاد فرقہ نیچریہ ضالہ کے موافق نہیں ہے) کہ صحت احادیث کا معیار توافق قرآن کو ٹھہرانے میں سلف صالحین سے آپ کا کون امام ہے۔

(۳) اجماع کی تعریف میں جو آپ نے کہا ہے یہ کس کتاب اصول وغیرہ میں پایا جاتا ہے۔ تین چار صحابہ کے اجماع کو علمائے اسلام سے کون شخص قرار دیتا ہے۔

(۴) شرح السّنّۃ سے جو حدیث آپ نے نقل کی ہے اس میں آنحضرت صلعم کا کوئی قول منقول نہیں ہے بلکہ اس میں ایک صحابی اپنا خیال ظاہر کرتا ہے جو اس کے فہم میں آیا ہے اس قول صحابی کو آنحضرت کا قول قرار دینا آنحضرت پر افترا نہیں تو کیا ہے۔

(۵) اشاعۃ السنۃ میں جو میں نے محی الدین ابن عربی کا قول نقل کیا ہے کیا اس کی نسبت میں نے آخر ریویو میں بصفحہ ۳۴۵ یہ ظاہر نہیں کیا کہ مجھے اس سے اتفاق نہیں ہے اس صفحہ میں کیا یہ عبارت درج نہیں ہے؟ یہی جتانا اس امر سوم کے بیان سے ہمارا مقصود تھا اس سے اس امر کا اظہار مقصود نہیں ہے کہ ہم خود بھی اس الہام کو حجت و دلیل جانتے ہیں اور غیر ملہم کو کسی ملہم (غیر نبی) کے الہام پر عمل کرنا واجب سمجھتے ہیں۔ نہیں نہیں ہرگز نہیں۔ ہم صرف کتاب اللہ و سنت کے پیرو ہیں اور اسی کو حجت و دستور العمل اور عام راہ جانتے ہیں نہ خود الہامی ہیں نہ کسی اور کشفی الہامی غیر نبی کے (متقدمین سے ہو خواہ متاخرین سے) متبع و مقلّد ہیں۔ پھر مجھ کو اس قول ابن عربی کا امکانی قائل بنانا مجھ پر افترا نہیں تو کیا ہے؟ آیات قرآن جو آپ نے نقل کی ہیں ان کو امر متنازعہ فیہ سے کچھ تعلق نہیں ہے میں اس امر کو اپنے تفصیلی جواب میں بیان کروں گا جب سوالات مذکورہ کا جواب پاؤں گا۔ ابوسعید فقط

مرزا صاحب! میری طرف سے مکرر گزارش یہ ہے کہ ائمہ حدیث جس طور سے صحیح اور غیر صحیح حدیثوں میں فرق کرتے ہیں اور جو قاعدہ تنقید احادیث انہوں نے بنایا ہوا ہے وہ تو ہر ایک پر ظاہر ہے کہ وہ راویوں کے حالات پر نظر ڈال کر باعتبار اُن کے صدق یا کذب اور سلامت فہم یا عدم سلامت اور باعتبار اُن کے قوت حافظہ یا عدم حافظہ وغیرہ امور کے جن کا ذکر اس جگہ موجب تطویل ہے کسی حدیث کے صحیح یا غیر صحیح ہونے کی نسبت حکم دیتے ہیں مگر ان کا کسی حدیث کی نسبت یہ کہنا کہ یہ صحیح ہے اس کے یہ معنے نہیں ہیں کہ وہ حدیث من کل الوجوہ مرتبہ ثبوت کامل تک پہنچ گئی ہے جس میں امکان غلطی کا نہیں بلکہ ان کا مطلب صحیح کہنے سے صرف اس قدر ہوتا ہے کہ وہ بخیال ان کے ان آفات اور عیوب سے مبرّا ہے جو غیر صحیح حدیثوں میں پائی

﴿۲۴﴾ جاتی ہیں اور ممکن ہے کہ ایک حدیث باوجود صحیح ہونے کے پھر بھی واقعی اور حقیقی طور پر صحیح نہ ہو غرض **علم حدیث ایک ظنّی علم ہے جو مفید ظن ہے**۔ اگر کوئی اس جگہ یہ اعتراض کرے کہ اگر احادیث صرف مرتبہ ظن تک محدود ہیں تو پھر اس سے لازم آتا ہے کہ صوم و صلوٰۃ و حج و زکوٰۃ وغیرہ اعمال جو محض حدیثوں کے ذریعہ سے مفصل طور پر دریافت کئے گئے ہیں وہ سب ظنی ہوں تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بڑے دھوکے کی بات ہے کہ ایسا سمجھا جائے کہ یہ تمام اعمال محض روایتی طور پر دریافت کئے گئے ہیں وبس بلکہ ان کے یقینی ہونے کا یہ موجب ہے کہ **سلسلہ تعامل** ساتھ ساتھ چلا آیا ہے اگر فرض کر لیں کہ یہ فن حدیث دنیا میں پیدا نہ ہوتا پھر بھی یہ سب اعمال و فرائض دین سلسلہ تعامل کے ذریعہ سے یقینی طور پر معلوم ہوتے۔ خیال کرنا چاہئے کہ جس زمانہ تک حدیثیں جمع نہیں ہوئی تھیں کیا اس وقت لوگ حج نہیں کرتے تھے؟ یا نماز نہیں پڑھتے تھے؟ یا زکوٰۃ نہیں دیتے تھے؟ ہاں اگر یہ صورت پیش آتی کہ لوگ ان تمام احکام و اعمال کو یک دفعہ چھوڑ بیٹھتے اور صرف روایتوں کے ذریعہ سے وہ باتیں جمع کی جاتیں تو بے شک یہ درجہ یقینی و ثبوت تام جواب ان میں پایا جاتا ہے ہرگز نہ ہوتا سو یہ ایک دھوکہ ہے کہ ایسا خیال کر لیا جائے کہ احادیث کے ذریعہ سے صوم و صلوٰۃ وغیرہ کی تفاصیل معلوم ہوئی ہیں بلکہ وہ سلسلہ تعامل کے ذریعہ سے معلوم ہوتی چلی آئی ہیں اور درحقیقت اس سلسلہ کو فن حدیث سے کچھ تعلق نہیں وہ تو طبعی طور پر ہر ایک مذہب کو لازم ہوتا ہے۔ اور میرا مذہب احادیث بخاری اور مسلم کی نسبت یہ نہیں ہے کہ میں خواہ نخواہ ان کی کسی حدیث کو موضوع قرار دوں۔ بلکہ میں ہر ایک حدیث کو قرآن کریم پر پیش کرنا ضرور سمجھتا ہوں۔ اگر قرآن کریم کی کوئی آیت صاف اور کھلے کھلے طور پر ان کی مخالف نہ ہو تو میں بسر و چشم اس کو قبول کروں گا بلکہ اگر مخالف بھی ہو تو کوشش کروں گا کہ وہ مخالفت اٹھ جائے لیکن اگر کسی طور سے مخالفت دور نہ ہو سکے تو پھر البتہ میں کہوں گا کہ اس حدیث کے بیان کرنے میں تغیّر الفاظ یا پیرایہ بیان میں کچھ فرق آ گیا ہوگا یا جو کچھ کسی صحابی نے بیان فرمایا ہوگا اس کے تمام الفاظ تابعی وغیرہ کے حافظہ میں محفوظ نہیں رہے ہوں گے۔ مگر اب تک تو مجھے ایسا اتفاق نہیں ہوا کہ بخاری یا مسلم کی کوئی حدیث صریح مخالف قرآن مجھ کو ملی ہو جس کی میں کسی وجہ سے تطبیق نہ کر سکا بلکہ جو کچھ بعض احادیث میں کچھ تعارض پایا جاتا ہے خدا تعالیٰ اس تعارض کے دور کرنے کیلئے بھی میری مدد کرتا ہے۔ ہاں میں دعویٰ نہیں کر سکتا کہ میں تعارض کو دور کر سکتا ہوں کیونکہ جو حقیقی اور واقعی تعارض ہوگا اس کو میں کیونکر دور کر سکتا ہوں یا کوئی اور شخص کیونکر دور کر سکتا ہے۔

﴿۲۵﴾

اورآپ نے یہ جو مجھ سے دریافت فرمایا ہے کہ جو ’’تعارض ابن صیاد والی حدیث اور گرجا والے دجال والی حدیث میں پایا جاتا ہے اس تعارض کے ماننے میں کون تمہارے ساتھ ہے۔‘‘ اس سوال سے میں متعجب ہوں کہ جس حالت میں مدلل اور موجّہ طور پر میں تعارض کو ثابت کر چکا ہوں۔ تو پھر میرے لئے ضرورت کیا ہے کہ میں اپنے لئے اس بصیرت خداداد میں کسی کی سلف میں سے تقلید ضروری سمجھوں اور آپ بھی تو ریویو براہین احمدیہ کے صفحہ ۳۱۰ میں اس بات کو قبول کر چکے ہیں کہ بلا تقلید غیرے استدلال منع نہیں۔ چنانچہ آپ اس صفحہ میں فرماتے ہیں کہ ’’ہمارے معاصرین جو باوجود ترک تقلید تقلید کے خوگر ہیں بلا واسطہ سابقین کسی آیت یا حدیث سے تمسک نہیں کرتے اور جو بلا واسطہ سابقین کسی آیت یا حدیث سے استدلال کریں اس کو تعجب کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔‘‘

اور آپ کا یہ فرمانا کہ ’’میرے کس لفظ سے یہ سمجھ لیا ہے کہ میں احادیث کا مرتبہ صحت قرآن کے مرتبۂ صحت سے برابر سمجھتا ہوں۔‘‘ یہ مجھے آپ کے فحوائے کلام سے خیال گزرا تھا اگر آپ کا یہ منشاء نہیں ہے اور آپ میری طرح احادیث کا مرتبہ صحت قرآن کریم کے مرتبہ صحت سے متنزل سمجھتے ہیں اور قرآن کریم کو امام قرار دیتے ہیں اور محک صحت احادیث ٹھہراتے ہیں تو پھر میری غلطی ہے کہ میں نے ایسا خیال کیا لیکن اگر آپ درحقیقت قرآن کریم کا اعلیٰ مرتبہ مانتے ہیں اور اس کو واقعی طور پر محک صحت احادیث قرار دیتے ہیں اور اس کی مخالفت کی حالت میں کسی حدیث کو قبول نہیں کرتے تو پھر تو آپ مجھ سے متفق الرائے ہیں۔ پھر اس لمبے چوڑے تکرار سے فائدہ کیا ہے!

اور یہ جو آپ نے مجھ سے دریافت فرمایا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اجتہاد سے کیا مطلب ہے۔ تو میں عرض کرتا ہوں کہ اس جگہ اجتہاد سے مراد اس عاجز کی **اجتہاد فی الوحی** ہے کیونکہ یہ تو ثابت ہے اور آپ کو معلوم ہوگا کہ آنحضرت صلعم **وحی مجمل** میں اجتہادی طور پر دخل دے دیا کرتے تھے اور بسا اوقات وہ **تفسیر** اور تشریح جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے **صحیح** اور سچی ہوتی تھی اور بعض اوقات **غلطی** بھی ہو جاتی تھی چنانچہ اس کی نظیریں بخاری اور مسلم میں بہت ہیں اور حدیث **فذهب وهلی** بھی اس کی شاہد ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک جماعت کثیر کے ساتھ مدینہ سے مکہ معظّمہ کی طرف بعزم طواف کعبہ سفر کرنا یہ بھی ایک اجتہادی غلطی تھی۔ زیادہ لکھنے کی حاجت نہیں۔ پھر آپ مجھ سے دریافت فرماتے ہیں کہ

﴿۲۶﴾ ابن صیاد کے دجال معہود ہونے پر صحابہ کا کہاں اجماع تھا۔ اس کے جواب میں عرض کرتا ہوں کہ یہ اجماع مسلم کی حدیث سے جو ابی سعید الخدری سے بیان کی ہے ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ اس حدیث میں ابن صیاد کہتا ہے کہ لوگ کیوں مجھے دجال معہود کہتے ہیں۔ اب ظاہر ہے کہ اس وقت کہنے والے صرف صحابہ تھے اور کون لوگ تھے؟ جو اس کو دجال کہتے تھے۔ یہ حدیث صاف بتلا رہی ہے کہ صحابہ کا اس بات پر اجماع تھا کہ ابن صیاد ہی دجال معہود ہے۔ صحابہ کی کوئی ایسی بڑی جماعت نہ تھی جن کے اجماع کا حال معلوم ہونا محالات میں سے ہوتا بلکہ ان کا اجماع بباعث وحدت مجموعی ان کی کے بہت جلد معلوم ہو جاتا تھا۔ پھر تین صحابیوں کا قسم کھانا کہ حقیقت میں ابن صیاد ہی دجال معہود ہے صاف اجماع پر دلالت کرتا ہے کیونکہ ان کے مخالف منقول نہیں!

پھر بعد اس کے آپ دریافت فرماتے ہیں کہ اجماع کی حقیقت کیا ہے۔ میں نہیں سمجھ سکتا کہ اس سوال سے آپ کا مطلب کیا ہے؟ ایک جماعت کا ایک بات کو بالاتفاق مان لینا یہی اجماع کی حقیقت ہے جو صحابہ میں بآسانی محقق ہو سکتی تھی اگرچہ دوسروں میں نہیں۔

اور یہ جو آپ نے دریافت فرمایا ہے کہ کہاں یہ حدیث ہے کہ ”آنحضرت صلعم ابن صیاد کے دجال ہونے پر ڈرتے تھے۔“ سو واضح ہو کہ وہ حدیث مشکوٰۃ میں بحوالہ شرح السنّہ موجود ہے اور اصل عبارت حدیث کی یہ ہے۔ **فَلَمْ یَزَلْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلعم مُشْفِقًا اَنَّہٗ ھُوَ الدَّجَّالُ**۔

اور آپ نے جو دریافت فرمایا تھا کہ بعض اکابر کا قول اشاعۃ السنّہ میں کہاں ہے جس میں یہ لکھا ہو کہ بعض موضوع حدیثیں کشف کے ذریعہ سے صحیح ہو سکتی ہیں اور صحیح موضوع ٹھہر سکتی ہیں سو وہ قول ریویو براہین احمدیہ کے صفحہ ۳۴۰ میں موجود ہے جس میں آپ نے بتائید اپنے خیال کے شیخ ابن عربی صاحب کا یہ قول نقل فرمایا ہے کہ ”ہم اس طریق سے آنحضرت صلعم سے احادیث کی تصحیح کرا لیتے ہیں۔ بہتیری حدیثیں ایسی ہیں جو اس فن کے لوگوں کے نزدیک صحیح ہیں اور وہ ہمارے نزدیک صحیح نہیں اور بہتیری حدیثیں ان کے نزدیک موضوع ہیں اور آنحضرت صلعم کے قول سے بذریعہ کشف صحیح ہو جاتی ہیں۔“ اب اگرچہ میں اس بات پر زور نہیں دیتا کہ ایمانی طور پر آں مکرم کا یعنی آپ کا یہی عقیدہ ہے لیکن میں آپ کے فحوائے بیان سے سمجھتا ہوں بلکہ ہر یک تدبر کرنے والا سمجھ سکتا ہے کہ امکانی طور پر ضرور آپ کا یہی عقیدہ ہے کیونکہ اگر یہ امر بکلی آپ کے عقیدہ سے باہر تھا تو پھر اس کا ذکر کرنا بطور لغو ہوتا ہے جو آپ کی شان سے بعید ہے۔

﴿۲۷﴾

انسانؔ جس کسی کا قول یا مذہب اپنے ریویو میں بطور نقل کے ذکر کرتا ہے وہ یا اپنے مؤیدات دعویٰ اور رائے کی مدد میں لاتا ہے یا اس کی رد کی غرض سے۔ لیکن صاف ظاہر ہے کہ آپ اس قول کو اپنے مؤیدات دعویٰ کے ضمن میں لائے ہیں۔ آپ نے بجز اس کے اسی دعویٰ کی تائید کیلئے ایک بخاری کی حدیث بھی لکھی ہے کہ محدث کا الہام دخل شیطانی سے محفوظ کیا جاتا ہے بلکہ وہاں تو آپ نے کھلے طور ظاہر کردیا ہے کہ آپ اسی قول کے حامی ہیں گو ایمانی طور پر نہیں مگر امکانی طور پر ضرور حامی ہیں اور میرے لئے صرف اسی قدر کافی ہے کیونکہ میرا مطلب تو صرف اس قدر ہے کہ حدیثیں اگرچہ صحیح بھی ہوں لیکن ان کی صحت کا مرتبہ ظن یا ظن غالب سے زیادہ نہیں۔ سوان حدیثوں کی **حقیقی صحت کا پرکھنے والا قرآن شریف ہے**۔ اور قرآن شریف جس قدر اپنے **محامد** اور اپنے کمالات بیان کرتا ہے ان پر نظر غور ڈالنے سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس نے اپنے تئیں اپنے ماسوا کی تصحیح کیلئے **محک** ٹھہرایا ہے اور اپنی ہدایتوں کو کامل اور اعلیٰ درجہ کی ہدایتیں بیان فرماتا ہے۔ جیسا کہ وہ اپنی شان میں فرماتا ہے۔

فِيهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ [1] فَصَّلْنٰهُ عَلٰى عِلْمٍ [2] يَهْدِىْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ [3] وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ [4] قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى [5] فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَاىَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقٰى [6] لَا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ [7] فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا [8] اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِىْ لِلَّتِىْ هِىَ اَقْوَمُ [9] اِنَّ فِىْ هٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوْمٍ عٰبِدِيْنَ [10] وَاِنَّهٗ لَحَقُّ الْيَقِيْنِ [11] حِكْمَةٌۢ بَالِغَةٌ [12] تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَىْءٍ [13] رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا [14] نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ [15] اَنْزَلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ وَالْمِيْزَانَ [16] هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ [17] اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ فِىْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ [18] فَصَّلْنٰهُ عَلٰى عِلْمٍ [19] اِنَّهٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ [20] لَا رَيْبَ فِيْهِ [21] وَمَاۤ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِى اخْتَلَفُوْا فِيْهِ وَهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ [22] قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ لِيُثَبِّتَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ [23] هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ [24] بِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ [25] قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّشِفَآءٌ [26] مَا كَانَ حَدِيْثًا يُّفْتَرٰى [27] اب ظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ نے ان آیات میں کئی قسم کی خصوصیتیں اور حقیقتیں قرآن کریم کی بیان فرمائی ہیں۔ از انجملہ ایک یہ کہ وہ

[1] البینۃ: ۴ [2] الاعراف:۵۳ [3] المائدۃ:۱۷ [4] البقرۃ:۱۵۲ [5] البقرۃ:۱۲۱ [6] طٰہٰ:۱۲۴ [7] حم السجدۃ:۴۳ [8] البقرۃ:۲۵۷ [9] بنی اسرائیل:۱۰ [10] الانبیاء:۱۰۷ [11] الحاقۃ:۵۲ [12] القمر:۶ [13] النحل:۹۰ [14] الشوریٰ:۵۳ [15] النور:۳۶ [16] الشوریٰ:۱۸ [17] البقرۃ:۱۸۶ [18] الواقعۃ:۷۸،۷۹ [19] الاعراف:۵۳ [20] الطارق:۱۴ [21] البقرۃ:۳ [22] النحل:۶۵ [23] النحل:۱۰۳ [24] اٰل عمران:۱۳۹ [25] بنی اسرائیل:۱۰۶ [26] حم السجدۃ:۴۵ [27] یوسف:۱۱۲

﴿۲۸﴾

تمام صداقتوں پر مشتمل ہے۔ (۲) وہ مفصل کتاب ہے (۳) وہ ان لوگوں کو ہدایت دیتا ہے کہ جو خدا تعالیٰ کی رضامندی کے اور دارالسلام کے طالب ہیں (۴) وہ ظلمات سے نور کی طرف نکالتا ہے اور نامعلوم باتیں سکھاتا ہے (۵) ہدایت اسی کی ہدایت ہے (۶) باطل اس کی طرف کسی طور سے راہ نہیں پا سکتا (۷) جس نے اس سے پنجہ مارا اس نے **عروہ وثقٰی** سے پنجہ مارا (۸) وہ سب سے زیادہ سیدھی راہ بتلاتا ہے (۹) وہ حق الیقین ہے اس میں ظن اور شک کی جگہ نہیں (۱۰) وہ حکمت بالغہ ہے اس میں ہر یک چیز کا بیان ہے (۱۱) وہ حق ہے اور میزان حق ہے یعنی آپ بھی سچا ہے اور سچ کی شناخت کیلئے محک بھی ہے (۱۲) وہ لوگوں کیلئے ہدایت ہے اور ہدایتوں کی اس میں تفصیل ہے اور حق اور باطل میں فرق کرتا ہے (۱۳) وہ قرآن کریم ہے کتاب مکنون میں ہے جس کے ایک معنے یہ ہیں کہ صحیفہ فطرت میں اس کی نقلیں منقوش ہیں یعنی اس کا یقین فطری ہے جیسا کہ فرمایا ہے فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا[1] (۱۴) وہ قول فصل ہے اس میں کچھ بھی شک نہیں (۱۵) وہ اختلافات کے دور کرنے کیلئے بھیجا گیا ہے (۱۶) وہ ایمانداروں کے لئے ہدایت اور شفا ہے۔ اب فرمائیے کہ یہ عظمتیں اور خوبیاں کہ جو قرآن کریم کی نسبت بیان فرمائی گئیں احادیث کی نسبت ایسی تعریفوں کا کہاں ذکر ہے؟ پس میرا مذہب ''فرقہ ضالہ نیچریہ'' کی طرح یہ نہیں ہے کہ میں عقل کو مقدم رکھ کر **قال اللہ** اور **قال الرسول** پر کچھ نکتہ چینی کروں۔ ایسے نکتہ چینی کرنے والوں کو ملحد اور دائرہ اسلام سے خارج سمجھتا ہوں بلکہ میں جو کچھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا تعالیٰ کی طرف سے ہم کو پہنچایا ہے اس سب پر ایمان لاتا ہوں صرف عاجزی اور انکسار کے ساتھ یہ کہتا ہوں کہ قرآن کریم ہر یک وجہ سے احادیث پر مقدم ہے اور احادیث کی صحت و عدم صحت پرکھنے کیلئے وہ محک ہے اور مجھ کو خدا تعالیٰ نے قرآن کریم کی اشاعت کیلئے مامور کیا ہے تا میں جو ٹھیک ٹھیک منشاء قرآن کریم کا ہے لوگوں پر ظاہر کروں اور اگر اس خدمت گذاری میں علماء وقت کا میرے پر اعتراض ہو اور وہ مجھ کو فرقہ ضالہ نیچریہ کی طرف منسوب کریں تو میں ان پر کچھ افسوس نہیں کرتا بلکہ خدا تعالیٰ سے چاہتا ہوں کہ خدا تعالیٰ وہ بصیرت انہیں عطا فرماوے جو مجھے عطا فرمائی ہے۔ نیچریوں کا اوّل دشمن میں ہی ہوں اور ضرور تھا کہ علماء میری مخالفت کرتے کیونکہ بعض احادیث کا یہ منشا پایا جاتا ہے کہ **مسیح موعود** جب آئے گا تو علماء اس کی مخالفت کریں گے اسی کی طرف مولوی صدیق حسن صاحب مرحوم نے **آثار القیامہ** میں اشارہ کیا ہے اور حضرت مجدد صاحب سرہندی نے بھی اپنی کتاب کے صفحہ (۱۰۷) میں لکھا ہے کہ ''مسیح موعود جب آئے گا تو علماء وقت اس کو اہل الرائے کہیں گے یعنی یہ خیال کریں گے کہ یہ حدیثوں کو چھوڑتا ہے اور صرف قرآن کا پابند ہے اور اس کی مخالفت پر آمادہ ہو جائیں گے۔'' **والسلام علٰی من اتبع الھدٰی**

غلام احمد قادیانی ۲۱؍ جولائی ۱۸۹۱ء

[1] الروم: ۳۱

﴿۲۹﴾

پرچہ نمبر۵! مولوی صاحب!

میں افسوس کرتا ہوں کہ آپ نے پھر بھی میرے سوال کا جواب صاف☆ الفاظ میں نہیں دیا آپ نے بیان کیا ہے کہ میں آپ سے ان کتب کی صحت تسلیم کرانا چاہتا ہوں اور آپ اس تسلیم کو صحیح نہیں سمجھتے بلکہ اس کو ایک غلط اصول فرضی وخیالی اجماع پر مبنی قرار دیتے ہیں پھر صاف الفاظ میں کیوں نہیں کہتے کہ صحیحین کے جملہ احادیث بلاوقفہ ونظر واجب التسلیم اور صحیح نہیں ہیں بلکہ ان میں موضوع یا غیر صحیح احادیث موجود ہیں یا ان کے موجود ہونے کا احتمال ہے جب تک آپ ایسے صریح الفاظ میں اس مطلب کوادا نہ کریں گے اس سوال کے جواب سے سبکدوش نہ ہوں گے خواہ برسوں گذر جائیں آپ حدیث اِنَّ مِنْ حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهٗ مَالَا يَعْنِيْهِ کو پیش نظر رکھ کر خارج از سوال باتوں سے تعرض کرنا چھوڑ دیں اور دوحرفی جواب دیں کہ صحیحین کی حدیثیں سب کی سب صحیح ہیں یا موضوع ہیں یا مختلط ہیں۔

(۲) آپ فرماتے ہیں میں نے اپنی کتاب میں کسی حدیث صحیح بخاری یا مسلم کو موضوع نہیں کہا (لفظ موضوع آپ کے کلام میں غیر صحیح کے معنوں میں استعمال ہوا ہے) اور یہ امر کمال تعجب کا موجب ہے کہ آپ جیسے مدعیان الہام ایسی بات خلاف واقعہ کہیں۔ آپ نے رسالہ ازالۃ الاوھام کے صفحہ ۲۲۰ میں دمشقی حدیث کی نسبت کہا ہے۔ ’’یہ وہ حدیث ہے جو صحیح مسلم میں امام مسلم صاحب نے لکھی ہے۔ جس کو ضعیف سمجھ کر رئیس المحدّثین امام محمد اسمٰعیل بخاری نے چھوڑ دیا ہے۔‘‘ اب انصاف سے فرماویں کہ اس حدیث صحیح مسلم کو آپ نے ضعیف قرار دیا ہے یا نہیں اور اگر آپ یہ عذر کریں کہ میں صرف ناقل ہوں اس کو ضعیف کہنے والے امام بخاری ہیں تو آپ تصحیح نقل کریں اور صاف فرماویں کہ امام بخاری نے اس کو فلاں کتاب میں ضعیف قرار دیا ہے یا کسی اور امام محدث سے نقل کریں کہ انہوں نے امام بخاری سے اس حدیث کی تضعیف نقل کی ہے ورنہ آپ اس الزام سے بری نہ ہوسکیں گے کہ آپ نے صحیح مسلم کی حدیث کو ضعیف قرار دیا اور پھر اس اپنی تحریر میں اس سے انکار کیا۔ ازالۃ الاوھام کے صفحہ ۲۲۶ میں آپ فرماتے ہیں۔ ’’اب بڑے مشکلات یہ درپیش آتے ہیں کہ اگر ہم بخاری اور مسلم کی ان حدیثوں کو صحیح سمجھیں جو دجال کو آخری زمانہ میں اتار رہی ہیں تو یہ حدیثیں موضوع ٹھہرتی ہیں۔ اور اگر ان حدیثوں کو صحیح قرار دیں تو پھر اس کا موضوع ہونا ماننا پڑتا ہے اور اگر یہ متعارض ومتناقض حدیثیں صحیحین میں نہ ہوتیں صرف دوسری صحیحوں میں ہوتیں تو شاید ہم ان دونوں کتابوں کی زیادہ تر پاس خاطر کرکے ان دوسری حدیثوں کو موضوع قرار دیتے مگر اب مشکل تو یہ آپڑی کہ ان ہی دونوں کتابوں میں یہ دونوں قسم کی حدیثیں موجود ہیں۔

☆ نوٹ اللہ اللہ! چشم باز وگوش باز وایں ذکا + خیرہ ام درچشم بندیٔ خدا۔ آپ کا یہ افسوس ختم ہونے میں نہیں آتا اور شائد موت (یعنی اختتام مباحثہ) تک اس افسوس سے نجات نصیب نہ ہو۔ اچھا دیکھیں۔ ایڈیٹر

﴿۳۰﴾ اب جب ہم ان دونوں قسم کی حدیثوں پر نظر ڈال کر گرداب حیرت میں پڑ جاتے ہیں کہ کس حدیث کو صحیح سمجھیں اور کس کو غیر صحیح۔ تب ہم کو عقل خداداد یہ طریق فیصلہ کا بتاتی ہے کہ جن احادیث پر عقل اور شرع کا کچھ اعتراض نہیں انہیں صحیح سمجھنا چاہئے۔'' اور **ازالۃ الاوھام** کے صفحہ ۲۲۴ میں آپ نے مسلم کی اس حدیث کو جس میں یہ بیان ہے کہ دجال معہود کی پیشانی پر ک ف ر لکھا ہوگا جو بخاری میں بصفحہ ۱۰۵۶ مروی ہے یہ کہہ کر اڑایا ہے کہ یہ حدیث مسلم کی اس حدیث کے مخالف ہے جس میں یہ وارد ہے کہ یہ دجال مشرف باسلام ہو چکا تھا ایسا ہی آپ نے صحیحین کی ان احادیث کو اڑایا ہے جن میں دجّال کے ان خوارق کا بیان ہے کہ اسکے ساتھ بہشت اور دوزخ ہونگے اور اسکے کہنے سے زمین شور سرسبز ہو جائے گی وغیرہ وغیرہ۔ پھر آپ کا اس مقام میں یہ کہنا کہ میں نے صحیحین کی کسی حدیث کو موضوع یا غیر صحیح قرار نہیں دیا اور ان احادیث کے صحیح معنے بیان کرنے میں خدا تعالیٰ میری مدد کرتا ہے خلاف واقعہ نہیں تو کیا ہے؟

آپ صحیحین کی احادیث کو موضوع جانتے ہیں اور **ساکت الاعتبار** سمجھتے ہیں۔ پھر اس اعتقاد کو طولانی تقریروں اور ملمع سازیوں سے چھپاتے ہیں اور یہ خیال نہیں فرماتے کہ جن باتوں کو آپ چھاپ چکے ہیں وہ کب چھپتی ہیں۔

(۳) آپ لکھتے ہیں کہ قرآن کو حدیث کا معیار صحت ٹھہرانے میں امام کے نشان دہی کا بار ثبوت آپ کے ذمہ نہیں ہے اور یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہر ایک مسلمان تصحیح احادیث کا معیار قرآن کو سمجھتا ہے میں آپ کے اس دعویٰ کا بھی منکر ہوں اور یہ کہہ سکتا ہوں کہ کوئی مسلمان جن کے اقوال سے استناد کیا جاتا ہے اس بات کا قائل نہیں۔ آپ کم سے کم ایک مسلمان کا علماء سلف سے نام لیں جو آپ کے خیال کا شریک ہو اور اگر باوجود ان دعاوی کے آپ پر بار ثبوت نہیں ہے تو آپ یہ امر کسی منصف سے (مسلمان ہو یا غیر مذہب) کہلا دیں۔ اس باب میں جو آیات آپ نے نقل کی ہیں ان کو آپ کے دعاوی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس کی تفصیل جواب تفصیلی میں ہوگی۔ **انشاء اللّٰہ تعالیٰ**۔

(۴) اجماع کے باب میں میرے کسی سوال کا آپ نے جواب نہیں دیا براہ مہربانی میرے سوال پر نظر ثانی کریں اور ان باتوں کا جواب دیں کہ اجماع کی تعریف جو آپ نے لکھی ہے کس کتاب میں ہے اور بعض صحابہ کے اتفاق کو کون شخص اجماع سمجھتا ہے۔ سکوت کل کا جو آپ نے دعویٰ کیا ہے یہ بھی محتاج نقل وثبوت ہے آپ بہ نقل صحیح ثابت کریں کہ حضرت عمر وغیرہ نے ابن صیاد کو دجال کہا تو اس وقت جملہ اصحاب یا فلاں فلاں موجود تھے اور انہوں نے

﴿۳۱﴾

اسؐ پر سکوت کیا۔ یا وہ قول جس صحابی کو پہنچا اس نے انکار نہ کیا یہ بات صرف ’’غالبًا اور ہونگی‘‘ کے الفاظ سے ثابت نہیں ہوسکتی ایسے دعاوی عظیمہ میں ائمہ نقل سے نقل بکار ہے نہ صرف تجویز عقل۔ اجماع کے باب میں جو کچھ ائمہ سے منقول ہے وہ آپ کی تحریر میں موجود ہے پھر تعجب ہے کہ اس پر آپ کی توجہ نہ ہوئی اور صرف اٹکل سے آپ نے کار براری کی۔

(۵) مضمون حدیث **شرح السنہ** کے متعلق آپ نے بڑے زور سے دعویٰ کیا تھا کہ آنحضرت نے فرمایا ہے کہ میں ابن صیاد کے دجال ہونے سے خوف کرتا ہوں اور **ازالۃ الاوھام** کے صفحہ ۲۲۴ میں آپ نے لکھا ہے کہ آنحضرت نے حضرت عمرؓ کو فرمایا ہے کہ ہمیں اس کے حال میں ابھی اشتباہ ہے یعنی اس کے دجال ہونے کا ہم کو خوف ہے۔ ان اقوال کا آپ نے آنحضرت صلعم کو یقیناً قائل قرار دیا ہے۔ اب آپ یہ کہتے ہیں کہ صحابی نے آنحضرت سے سنا ہوگا تب ہی آنحضرت کی طرف اس امر کو منسوب کیا کہ آپ ابن صیاد کے دجال ہونے سے ڈرتے تھے۔ اب انصاف کو اور صدق و دیانت کو پیش نظر رکھ کر فرماویں کہ احتمال موجب یقین ہوسکتا ہے؟ کیا یہ امکان نہیں ہے کہ آنحضرت صلعم کے ان معاملات سے جو ابن صیاد کی نسبت بار ہا وقوع میں آئے جیسے اس کا امتحان کرنا یا چھپ کر اس کے حالات معلوم کرنا وغیرہ وغیرہ جن کا صحیحین میں ذکر ہے اس صحابی کو یہ خیال پیدا ہو گیا ہو کہ آنحضرت صلعم اس کو دجال سمجھتے تھے اس امکان و احتمال کے ساتھ جو حسن ظنی بحق صحابی پر مبنی ہے کیا یہ یقین ہوسکتا ہے؟ کہ اس صحابی نے آنحضرت کو وہ باتیں کہتے ہوئے سنا جو آپ نے برخلاف واقع آنحضرت کی طرف منسوب کیں اور بلا حصول یقین آنحضرت صلعم کو ان اقوال کا قائل قرار دینا اور بلا کھٹکا یہ کہہ دینا کہ آپ ایسا فرماتے تھے جائز ہے؟ اور مسلمانان سلف سے یہ امر وقوع میں آیا ہے آپ کم سے کم ایک مسلمان کا نام بتلاویں جس سے یہ جرأت ہوئی ہو۔

(۶) آپ لکھتے ہیں کہ قول ابن عربی کے آپ مخالف ہوتے تو کیوں ناحق اس کا ذکر کرتے اور اس کے ذکر سے آپ کے کلام میں تناقض پیدا ہوتا ہے آپ کا یہ مفہوم میری عبارت کے صریح منطوق کے جو میں نے نقل کی ہے برخلاف ہے لہٰذا لائق لحاظ والتفات نہیں ہے اور وہ آپ کو الزام افترا سے بری نہیں کرسکتا اور نہ میری وہ تصریحات جو میں نے محدث کی نسبت کی ہیں آپ کو اس الزام سے بری کر سکتے ہیں میری کسی تصریح یا کلام میں قول ابن عربی کی تصدیق وتائید پائی نہیں جاتی اور میرا صریح اظہار کہ میں الہام غیر نبی کو حجت نہیں سمجھتا کتاب وسنت کا پیرو ہوں نہ کسی الہامی کشفی کا مقلّد۔ صاف شاہد ہے کہ آپ نے مجھ پر افترا کیا ہے۔ رہا الزام تعارض و اظہار خلاف عقیدت سو اسکا جواب اسی صفحہ **اشاعۃ السنہ** میں موجود ہے کہ میں نے ان اقوال ابن عربی وغیرہ کو اس غرض سے نقل کیا ہے کہ الہام کو حجت ماننے میں صاحب براہین منفرد نہیں ہے اور یہ مسئلہ ایسا نیا اور انوکھا نہیں جس کا کوئی قائل نہ ہو جس سے

﴿۳۲﴾

صاف ثابت ہے کہ میں نے ان اقوال کو نقل کرنے سے صاحب براہین کو تفرد سے بچانا چاہا تھا نہ یہ جتانا کہ میں بھی ایسے الہاموں کو لائق سند سمجھتا ہوں۔ ☆

آپ کی تحریرات میں بہت سے مطالب زائد اور خارج از بحث ہوتے ہیں جن سے میں عمداً تعرض نہیں کرتا ان سے تعرض اس تفصیلی جواب میں کروں گا جو بعد طے ہونے امور مستفسرہ کے قلم میں لاؤں گا۔ اب میں آپ کو پھر اپنے سوالات سابقہ کی طرف توجہ دلاتا ہوں کہ آپ براہ مہربانی بنظر حفظ اوقات فریقین میرے سوالات کا صاف اور مختصر الفاظ میں جواب دیں اور زائد باتوں کی طرف توجہ نہ کریں میں بنظر آپ کے رفع تکلیف کے پھر اپنے سوال کا خلاصہ بیان کرتا ہوں۔

خلاصہ سوال اول یہ کہ آپ صراحت کے ساتھ کہیں کہ جملہ احادیث صحیحین صحیح اور واجب العمل ہیں یا جملہ غیر صحیح اور موضوع یا مختلط اور اب تک آپ نے کسی حدیث صحیحین کو موضوع یا ضعیف نہیں کہا۔

دوم قرآن کو صحت احادیث کا معیار ٹھہرانے میں جملہ مسلمان آپ کے ساتھ ہیں یا کوئی امام ائمہ سلف سے۔

سوم اجماع کی تعریف اور یہ کہ چند اصحاب کا اتفاق شرعاً اجماع کہلاتا ہے اور حضرت عمر کے ابن صیاد کو دجال کہنے کے وقت جملہ اصحاب موجود تھے یا فلاں فلاں اور اس پر انہوں نے سکوت کیا اور یہ سکوت فلاں فلاں ائمہ حدیث نے نقل کیا۔

چہارم آنحضرت صلعم کے اصحاب آنحضرت کی طرف کوئی حکم یا خیال منسوب نہ کرتے جب تک کہ وہ آپ سے سن نہ لیتے اور آنحضرت صلعم کے وقائع اور قضایا سے کوئی امر استنباط کر کے آنحضرت کی طرف منسوب نہ کرتے جیسے بعض صحابہ سے منقول ہے **فیض یا شفعت للجار**[۱] یا یہ کہ صرف خیال و استنباط سے آنحضرت صلعم کی نسبت فرما دیتے کہ آپ نے ایسا ارشاد کیا ہے۔

پنجم میرے اس منطوق کے ہوتے وہ مفہوم قابل اعتبار رہے جو آپ کے خیال میں ہے **و بناءً علیہ** میں ابن عربی کا مصدق ہوں اور آپ اس دعویٰ میں صادق ہیں۔

راقم ابو سعید محمد حسین ۲۱؍ جولائی ۹۱ء

☆نوٹ: اہل بصیرت ناظرین یہاں غور کرنے کیلئے تھوڑی دیر توقف کریں۔ اگر حضرت مرزا صاحب اپنے دعویٰ میں متفرد نہیں ہیں تو ان پر الزام ہی کیا آ سکتا ہے بہر صورت اس میں تو کلام نہیں کہ مولوی صاحب جہد بلیغ سے حضرت مسیح موعود کو تفرد کے الزام سے بچا چکے ہیں **وھذا ھو المقصود فافھم**۔ ایڈیٹر

۱۔ اصل میں اسی طرح لکھا تھا ہم اس کی تصحیح کے مجاز نہیں۔ ایڈیٹر

مرزا صاحب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ---------☆--------- نحمدہٗ ونصلی علٰی رسولہ الکریم

حضرت مولوی صاحب۔ آپ پھر سہ کرر شکوہ کے طور پر تحریر فرماتے ہیں کہ میرے سوال کا اب بھی جواب صاف الفاظ میں نہیں دیا اور آپ فرماتے ہیں کہ ’’صاف الفاظ میں کہنا چاہئے کہ صحیحین کی جملہ احادیث بلاوقفہ ونظر واجب التسلیم اور صحیح نہیں بلکہ ان میں موضوع یا غیر صحیح احادیث موجود ہیں یا ان کے موجود ہونے کا احتمال ہے اور آپ اس بات کا جواب مجھ سے مانگتے ہیں کہ صحیحین کی حدیثیں سب کی سب صحیح ہیں یا موضوع ہیں یا مختلط ہیں‘‘۔ فقط

اما الجواب پس واضح ہو کہ احادیث کے دو حصہ ہیں ایک وہ حصہ جو سلسلہ **تعامل** کی پناہ میں کامل طور پر آ گیا ہے۔ یعنی وہ حدیثیں جن کو تعامل کے محکم اور قوی اور لاریب سلسلہ نے قوت دی ہے اور مرتبہ یقین تک پہنچا دیا ہے۔ جس میں تمام ضروریات دین اور عبادات اور عقود اور معاملات اور احکام شرع متین داخل ہیں۔ سو ایسی حدیثیں تو بلاشبہ یقین اور کامل ثبوت کی حد تک پہنچ گئے ہیں اور جو کچھ ان حدیثوں کو قوت حاصل ہے وہ قوت فن حدیث کے ذریعہ سے حاصل نہیں ہوئی اور نہ وہ احادیث منقولہ کی ذاتی قوت ہے اور نہ وہ راویوں کے وثاقت اور اعتبار کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے بلکہ وہ قوت ببرکت وطفیل سلسلہ تعامل پیدا ہوئی ہے۔ سو میں ایسی حدیثوں کو جہاں تک ان کو سلسلۂ تعامل سے قوت ملی ہے ایک مرتبہ یقین تک تسلیم کرتا ہوں لیکن دوسرا حصہ حدیثوں کا جن کو سلسلۂ تعامل سے کچھ تعلق اور رشتہ نہیں ہے اور صرف راویوں کے سہارے سے اور ان کی راست گوئی کے اعتبار پر قبول کی گئی ہیں ان کو میں مرتبہ ظن سے بڑھ کر خیال نہیں کرتا اور غایت کار مفید ظن ہو سکتی ہیں کیونکہ جس طریق سے وہ حاصل کی گئی ہیں۔ وہ **یقینی** اور قطعی الثبوت طریق نہیں ہے بلکہ بہت سی آویزش کی جگہ ہے۔ وجہ یہ کہ ان حدیثوں کا فی الواقع صحیح اور راست ہونا تمام راویوں کی صداقت اور نیک چلنی اور سلامت فہم اور سلامت حافظہ اور تقویٰ وطہارت وغیرہ شرائط پر **موقوف** ہے۔ اور ان تمام امور کا کماحقہ اطمینان کے موافق فیصلہ ہونا اور کامل درجہ کے ثبوت پر جو حکم رویت کا رکھتا ہے پہنچنا حکم **محال** کا رکھتا ہے اور کسی کو طاقت نہیں کہ ایسی حدیثوں کی نسبت ایسا ثبوت کامل پیش کر سکے۔ کیا آپ ایسی کسی حدیث کی نسبت حلفاً بیان کر سکتے ہیں کہ اس کے مضمون کی صحت کی نسبت کامل اطمینان اور سکینت مجھ کو حاصل ہے؟ اگر آپ حلف اُٹھانے پر مستعد بھی ہوں تاہم میں خیال کروں گا کہ آپ ایک پرانے خیال اور عادت سے متاثر ہو کر ایسی جرأت کرنے پر آمادہ ہو گئے ہیں ورنہ آپ کو بصیرت کی راہ سے ہرگز قدرت نہیں ہوگی کہ کسی ایسی حدیث کے لفظ لفظ کی صحت قطعی اور یقینی کی نسبت دلائل شافیہ جو غیر قوم کے لوگ بھی سمجھ سکیں پیش کر سکیں۔ سو چونکہ واقعی صورت یہی ہے کہ جس قدر حدیثیں تعامل کے سلسلہ سے فیض یاب ہیں۔

﴿۳۴﴾ وہ حسب استفاضہ اور بقدر اپنی فیضیابی کے یقین کے درجہ تک پہنچ گئی ہیں لیکن باقی حدیثیں ظن کے مرتبہ سے زیادہ نہیں۔ غایت کار بعض حدیثیں ظن غالب کے مرتبہ تک ہیں۔ اس لئے میرا مذہب بخاری اور مسلم وغیرہ کتب حدیث کی نسبت یہی ہے جو میں نے بیان کر دیا ہے یعنی مراتب صحت میں یہ تمام حدیثیں یکساں نہیں ہیں۔ بعض بوجہ تعلق سلسلہ تعامل یقین کی حد تک پہنچ گئی ہیں۔ اور بعض بباعث محروم رہنے کے اس تعلق سے ظن کی حالت میں ہیں۔ لیکن اس حالت میں مَیں حدیث کو جب تک قرآن کے صریح مخالف نہ ہو موضوع قرار نہیں دے سکتا۔ اور میں سچے دل سے اس بات کی شہادت دیتا ہوں کہ **حدیثوں کے پرکھنے کیلئے قرآن کریم سے بڑھ کر اور کوئی معیار ہمارے پاس نہیں**۔ ہر چند محدثین نے اپنے طریق پر روات کی حالت کو صحت یا غیر صحت حدیث کیلئے معیار مقرر کیا ہے۔ لیکن کبھی انہوں نے دعویٰ نہیں کیا کہ یہ معیار کامل اور قرآن کریم سے مستغنی کرنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے۔ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا[1] یعنی اگر کوئی فاسق کوئی خبر لاوے تو اس کی اچھی طرح تفتیش کر لینی چاہئے۔ اور ظاہر ہے کہ بوجہ اس کے کہ بجز نبی کے اور کوئی **معصوم** ٹھہر نہیں سکتا اور امکانی طور پر صدور کذب وغیرہ ذنـــــوب کا ہر یک سے بجز نبی کے **ممکن الوقوع** ہے۔ لہٰذا روات کے حالات صدق وکذب و دیانت وخیانت کے پرکھنے کیلئے بڑی کامل تحقیقات درکار تھی تا ان حدیثوں کو مرتبہ یقین کامل تک پہنچاتی لیکن وہ تحقیقات میسر نہیں آ سکی۔ کیونکہ اگرچہ صحابہ کے حالات روشن تھے۔ اور ان لوگوں کے حالات بھی جنہوں نے ائمہ حدیث تک حدیثوں کو پہنچایا لیکن درمیانی لوگ جن کو نہ صحابہ نے دیکھا تھا اور نہ ائمہ حدیث ان کے اصلی حالات سے پورے اور یقینی طور پر واقف تھے ان کے صادق یا کاذب ہونے کے حالات یقینی اور قطعی طور پر کیوں کر معلوم ہو سکتے تھے؟

سو ہر یک منصف اور ایماندار کو یہی مذہب اور عقیدہ رکھنا پڑتا ہے کہ بجز ان حدیثوں کے جو آفتاب سلسلۂ تعامل سے منور ہوتی چلی آئی ہیں۔ باقی تمام حدیثیں کسی قدر تاریکی سے پُر ہیں اور ان کی اصلی حالت بیان کرنے کے وقت ایک متقی کی یہ شان نہیں ہونی چاہئے کہ چشم دید یا قطعی الثبوت چیزوں کی طرح ان کی نسبت صحت کا دعویٰ کرے بلکہ گمان صحت رکھ کر **واللہ اعلم** کہہ دیوے اور جو **شخص** ان حدیثوں کی نسبت **واللہ اعلم بالصواب** نہیں کہتا اور احاطۂ تام کا دعویٰ کرتا ہے وہ بلاشبہ **جھوٹا** ہے خداوند کریم ہرگز پسند نہیں کرتا کہ انسان علم تام سے پہلے علم تام کا دعویٰ کرے۔ اسی قدر دعویٰ کرنا چاہئے جس قدر علم حاصل ہو پھر زیادہ اس سے اگر کوئی سوال کرے تو **واللہ اعلم بالصواب** کہہ دیا جائے۔ سو میں آپ کی خدمت میں کھول کر گزارش کرتا ہوں کہ میں حصہ دوم حدیثوں کی نسبت خواہ وہ حدیثیں بخاری کی ہیں یا مسلم کی ہیں ہرگز نہیں کہہ سکتا کہ وہ

[1] الحجرات: ۷

﴿۳۵﴾

میرے نزدیک قطعی الثبوت ہیں۔ اگر میں ایسا کہوں تو خدا تعالیٰ کو کیا جواب دوں۔ ہاں اگر کوئی ایسی حدیث قرآن کریم سے مخالف نہ ہوتو پھر میں اس کی صحت کاملہ کی نسبت قائل ہو جاؤں گا۔ اور آپ کا یہ فرمانا کہ قرآن کریم کو کیوں محک صحت احادیث ٹھہراتے ہو۔ سو اس کا جواب میں بار بار یہی دوں گا کہ قرآن کریم **مھیمن** اور **امام** اور **میزان** اور **قول فصل** اور **ھادی** ہے۔ اگر اس کو محک نہ ٹھہراؤں تو اور کس کو ٹھہراؤں؟ کیا ہمیں قرآن کریم کے اس مرتبہ پر ایمان نہیں لانا چاہئے جو مرتبہ وہ خود اپنے لئے قرار دیتا ہے؟ دیکھنا چاہئے کہ وہ صاف الفاظ میں بیان فرماتا ہے۔ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا [1] کیا اس **حبل** سے حدیثیں مراد ہیں؟ پھر جس حالت میں وہ اس **حبل** سے پنجہ مارنے کیلئے تاکید شدید فرماتا ہے تو کیا اس کے یہ معنے نہیں کہ ہم ہر ایک اختلاف کے وقت قرآن کریم کی طرف رجوع کریں؟ اور پھر فرماتا ہے۔ وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِیْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى [2] یعنی جو شخص میرے فرمودہ سے اعراض کرے اور اس کے مخالف کی طرف مائل ہو تو اس کیلئے تنگ معیشت ہے یعنی وہ حقائق اور معارف سے بےنصیب ہے اور قیامت کو اندھا اٹھایا جائے گا۔ اب ہم اگر ایک حدیث کو صریح قرآن کریم کے مخالف پائیں اور پھر مخالفت کی حالت میں بھی اس کو مان لیں اور اس تخالف کی کچھ بھی پرواہ نہ کریں تو گویا اس بات پر راضی ہو گئے کہ معارف حقہ سے بےنصیب رہیں اور قیامت کو اندھے اٹھائے جائیں۔ پھر ایک جگہ فرماتا ہے فَاسْتَمْسِكْ بِالَّذِیْۤ اُوْحِیَ اِلَيْكَ [3] وَاِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ [4] یعنی قرآن کو ہریک امر میں دستاویز پکڑو۔ تم سب کا اسی میں شرف ہے کہ تم قرآن کو دستاویز پکڑو اور اسی کو مقدم رکھو۔ اب اگر ہم مخالفت قرآن اور حدیث کے وقت میں قرآن کو دستاویز نہ پکڑیں تو گویا ہماری یہ مرضی ہوگی کہ جس شرف کا ہم کو وعدہ دیا گیا ہے اس شرف سے محروم رہیں۔ اور پھر فرماتا ہے وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ [5] یعنی جو شخص قرآن کریم سے اعراض کرے اور جو اس کے صریح مخالف ہے اس کی طرف مائل ہو ہم اس پر شیطان مسلط کر دیتے ہیں کہ ہر وقت اس کے دل میں وساوس ڈالتا ہے اور حق سے اس کو پھیرتا ہے اور نابینائی کو اس کی نظر میں آراستہ کرتا ہے اور ایک دم اس سے جدا نہیں ہوتا۔ اب اگر ہم کسی ایسی حدیث کو قبول کر لیں جو صریح قرآن کی مخالف ہے تو گویا ہم چاہتے ہیں کہ شیطان ہمارا دن رات کا رفیق ہو جائے اور اپنے وساوس میں ہمیں گرفتار کرے اور ہم پر نابینائی طاری ہو اور ہم حق سے بےنصیب رہ جائیں۔ اور پھر فرماتا ہے۔ اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِیَ ۖ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ۚ ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ [6] **یعنی ذالک الکتاب کتاب متشابه یشبه بعضه بعضا لیس فیه تناقض ولا اختلاف مثنی**

[1] اٰل عمران:۱۰۴ [2] طٰہٰ:۱۲۵ [3] الزخرف: ۴۴ [4] الزخرف: ۴۵ [5] الزخرف: ۳۷ [6] الزمر: ۲۴

﴿۳۶﴾

فیہ کل ذکر لیکون بعض الذکر تفسیرا لبعضہ تقشعر منہ جلود الذین یخشون ربھم یعنی یستولی جلالہ وھیبتہ علی قلوب العشاق لتقشعر جلودھم من کمال الخشیۃ والخوف یجاھدون فی طاعۃ اللہ لیلا ونھارا بتحریک تاثیرات جلالیۃ و تنبیھات قھریۃ من القرآن ثم یبدل اللہ حالتھم من التألم الی التلذّذ فیصیر الطاعۃ جزو طبیعتھم و خاصۃ فطرتھم فتلین جلودھم و قلوبھم الی ذکر اللہ. یعنی لیسیل الذکر فی قلوبھم کسیلان الماء ویصدر منھم کل امر فی طاعۃ اللہ بکمال السھولۃ والصفاء لیس فیہ ثقل ولا تکلف ولا ضیق فی صدورھم بل یتلذذون بامتثال امر الھھم ویجدون لذۃ وحلاوۃ فی طاعۃ مولاھم وھذا ھوالمنتھی الذی ینتھی الیہ امر العابدین والمطیعین فیبدل اللہ آلامھم باللذات ☆ اب ان تمام محامد سے جو قرآن کریم اپنی نسبت بیان فرماتا ہے صاف اور صریح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ وہ اپنے مقاصد عظیمہ کی آپ تفسیر فرماتا ہے اور اس کی بعض آیات بعض کی تفسیر واقع ہیں یہ نہیں کہ وہ اپنی تفسیر میں بھی حدیثوں کا محتاج ہے۔ بلکہ صرف ایسے امور جو سلسلۂ تعامل کے محتاج تھے وہ اسی سلسلہ کے حوالہ کر دیئے گئے ہیں اور ماسوا ان امور کے جس قدر امور تھے ان کی تفسیر بھی قرآن کریم میں موجود ہے۔ ہاں باوجود اس تفسیر کے حدیثوں کی رو سے بھی

☆ ۔ترجمہ یعنی یہ کتاب متشابہ ہے جس کی آیتیں اور مضامین ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں ان میں کوئی تناقض اور اختلاف نہیں۔ ہر ذکر اور وعظ اس میں دوہرا دوہرا کر بیان کی گئی ہے جس سے غرض یہ ہے کہ ایک مقام کا ذکر دوسرے مقام کے ذکر کی تفسیر ہو جائے۔ اس کے پڑھنے سے ان لوگوں کی کھالوں پر جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ یعنی اس کا جلال اور اس کی ہیبت عاشقوں کے دلوں پر غالب ہو جاتی ہے اس لئے کہ ان کی کھالوں پر کمال خوف اور دہشت سے رونگٹے کھڑے ہو جائیں وہ قرآن کی قہری تنبیہات اور جلالی تاثیرات کی تحریک سے رات دن اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں بہ دل و جان کوشش کرتے ہیں پھر ان کی یہ حالت ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی اس حالت کو جو پہلے دکھ درد کی حالت ہوتی ہے لذت و سرور سے بدل ڈالتا ہے۔ چنانچہ اس وقت طاعت الٰہی ان کی جز و بدن اور خاصہ فطرت ہو جاتی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کے ذکر سے ان کے دلوں اور بدنوں پر رقت اور لینت طاری ہوتی ہے یعنی ذکر ان کے دلوں میں پانی کی طرح بہنا شروع ہو جاتا ہے اور ہر بات طاعت الٰہی کی ان لوگوں سے نہایت سہولت اور صفائی سے صادر ہوتی ہے نہ یہ کہ اس میں کوئی بوجھ ہو یا ان کے سینوں میں اس سے کوئی تنگی واقع ہو بلکہ وہ تو اپنے معبود کے امر کی فرمانبرداری میں لذت حاصل کرتے ہیں اور اپنے مولیٰ کی طاعت میں انہیں حلاوت آتی ہے پس عابدوں اور مطیعوں کی غایت کار اور معراج یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے دکھوں کو لذتوں سے بدل ڈالے۔ ایڈیٹر۔

﴿۳۷﴾ عوام کے سمجھانے کیلئے جو لایمسّہ کے گروہ میں داخل ہیں زیادہ تر وضاحت کے ساتھ بیان کردیا گیا ہے۔ لیکن جو اس امت میں اِلّا المطھرون کا گروہ ہے۔ وہ قرآن کریم کی اپنی تفسیروں سے کامل طور پر فائدہ حاصل کرتا ہے لیکن اس کا زیادہ لکھنا چنداں ضروری نہیں ضروری امر تو صرف اسی قدر ہے کہ ہر یک حدیث مخالف ہونے کی حالت میں قرآن کریم پر پیش کرنی چاہئے۔ چنانچہ یہ امر ایک مشکٰوۃ کی حدیث سے بھی حسب منشاء ہمارے بخوبی طے ہوجاتا ہے اور وہ یہ ہے وعن الحارث الاعور قال مررت فی المسجد فاذا الناس یخوضون فی الاحادیث فدخلت علی علیؓ فاخبرته فقال اوقد فعلوھا قلت نعم قال اما انی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیه و سلم یقول الا انھا ستکون فتنة قلت ماالمخرج منھا یارسول اللہ قال کتاب اللہ فیه خبر ماقبلکم وخبر مابعدکم وحکم ما بینکم ھوالفصل لیس بالھزل من ترکه من جبار قصمه اللہ ومن ابتغی الھدی فی غیرہ اضله اللہ وھوحبل اللہ المتین ...... من قال به صدق ومن عمل به اجر ومن حکم به عدل ومن دعا الیه ھدی الی صراط مستقیم ۔ یعنی روایت ہے حارث اعور سے کہ میں مسجد میں جہاں لوگ بیٹھے تھے اور حدیثوں میں خوض کررہے تھے گزرا۔ سو میں یہ بات دیکھ کر کہ لوگ قرآن کو چھوڑ کر دوسری حدیثوں میں کیوں لگ گئے۔ علی کے پاس گیا اور اس کو جاکر یہ خبر دی۔ علیؓ نے مجھے کہا کہ کیا سچ مچ لوگ احادیث کے خوض میں مشغول ہیں اور قرآن کو چھوڑ بیٹھے ہیں۔ میں نے کہا ہاں۔ تب علیؓ نے مجھے کہا کہ یقیناً سمجھ کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ عنقریب ایک فتنہ ہوگا یعنی دینی امور میں لوگوں کو غلطیاں لگیں گی اور اختلاف میں پڑیں گے اور کچھ کا کچھ سمجھ بیٹھیں گے تب میں نے عرض کی کہ اس فتنہ سے کیونکر رہائی ہوگی تب آپ نے فرمایا کہ **کتاب اللہ** کے ذریعہ سے رہائی ہوگی اس میں تم سے پہلوں کی خبر موجود ہے اور آنے والے لوگوں کی بھی خبر ہے اور جو تم میں تنازعات پیدا ہوں ان کا اس میں فیصلہ موجود ہے وہ **قول فصل** ہے۔ ہزل نہیں۔ جو شخص اس کے غیر میں ہدایت ڈھونڈے گا اور اس کو حکم نہیں بنائے گا۔ خداتعالیٰ اس کو گمراہ کردے گا۔ وہ حبل اللّٰہ المتین ہے جس نے اس کے حوالہ سے کوئی بات کہی اس نے سچ کہا اور جس نے اس پر عمل کیا وہ ماجور ہے اور جس نے اس کے رو سے حکم کیا اس نے عدالت کی اور جس نے اس کی طرف بلایا اس نے راہ راست کی طرف بلایا۔ رواہ الترمذی والدّارمی ۔ اب ظاہر ہے کہ اس حدیث میں صاف اور صریح طور پر خبر دی گئی ہے کہ اس وقت میں فتنہ ہوجائے گا اور لوگ طرح طرح کی ہدایت نکال لیں گے اور انواع واقسام کے اختلافات اس وقت میں باہم پڑ جائیں گے تب اس فتنہ سے مخلصی پانے کیلئے قرآن کریم ہی دلیل ہوگا جو شخص اس کو محک

﴿۳۸﴾

اور معیار اور میزان قرار دے گا وہ بچ جائے گا اور جو شخص اس کو محک قرار نہیں دے گا وہ ہلاک ہو جائے گا۔ اب ناظرین انصاف فرماویں کہ کیا یہ حدیث بآواز بلند نہیں پکارتی کہ احادیث وغیرہ میں جس قدر اختلاف باہمی پائے جاتے ہیں۔ ان کا تصفیہ قرآن کریم کے رو سے کرنا چاہئے۔ ورنہ یہ تو ظاہر ہے کہ اسلام میں تہتر کے قریب فرقے ہوگئے ہیں ہر یک اپنے طور پر حدیثیں پیش کرتا ہے اور دوسرے کی حدیثوں کو ضعیف یا موضوع قرار دیتا ہے۔ چنانچہ دیکھنا چاہئے کہ خود حنفیوں کو بخاری اور مسلم کی تحقیق احادیث پر اعتراض ہیں تو اس حالت میں کون فیصلہ کرے؟ آخر قرآن کریم ہی ہے کہ اس گرداب سے اپنے مخلص بندوں کو بچاتا ہے اور اسی **عروہ وثقٰی** کے پتہ سے اس کے سچے طالب ہلاک ہونے سے بچ جاتے ہیں۔

اور آپ نے جو یہ دریافت فرمایا ہے کہ اس مذہب میں تمہارا کوئی دوسرا اہم خیال بھی ہے تو اس میں یہ عرض ہے کہ وہ تمام لوگ جو اس بات پر ایمان لاتے ہیں کہ قرآن کریم درحقیقت حکم اور رہنما اور امام اور **مھیمن** اور فرقان اور میزان ہے وہ سب میرے ساتھ شریک ہیں۔ اگر آپ قرآن کریم کی ان عظمتوں پر ایمان لاتے ہیں تو آپ بھی شریک ہیں۔ اور جن لوگوں نے یہ حدیث بیان کی ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے کہ ایک فتنہ واقع ہونے والا ہے۔ اس سے خروج بجز ذریعہ قرآن کریم کے ممکن نہیں وہ لوگ بھی میرے ساتھ شریک ہیں اور **عمر فاروق** جس نے کہا تھا **حسبنا کتاب اللہ** وہ بھی میرے ساتھ شریک ہیں اور دوسرے بہت سے اکابر ہیں جن کے ذکر کرنے کیلئے ایک دفتر چاہئے صرف نمونہ کے طور پر لکھتا ہوں۔ تفسیر حسینی میں زیر تفسیر آیت وَ اَقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ وَلَا تَکُوۡنُوۡا مِنَ الۡمُشۡرِکِیۡنَ[1] لکھا ہے کہ کتاب تیسیر میں شیخ محمد ابن اسلم طوسی سے نقل کیا ہے کہ ایک حدیث مجھے پہنچی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ”جو کچھ مجھ سے روایت کرو پہلے کتاب اللہ پر عرض کر لو۔ اگر وہ حدیث کتاب اللہ کے موافق ہو تو وہ حدیث میری طرف سے ہوگی ورنہ نہیں“۔ سو میں نے اس حدیث کو کہ **مَنۡ تَرَکَ الصَّلٰوۃَ مُتَعَمِّدًا فَقَدۡ کَفَرَ** قرآن سے مطابق کرنا چاہا اور تیس سال اس بارہ میں فکر کرتا رہا مجھے یہ آیت ملی وَ اَقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ وَلَا تَکُوۡنُوۡا مِنَ الۡمُشۡرِکِیۡنَ[2] اب چونکہ آپ نے فرمایا تھا کہ پہلوں میں سے کسی ایک کا نام لو جو قرآن کریم کو محک ٹھہراتا ہے۔ سو میں نے بحوالہ مذکورہ بالا ثابت کر دیا۔ یا تو آپ کو ضد چھوڑ کر مان لینا چاہئے ☆ اور صاف ظاہر ہے کہ چونکہ یہ تمام حدیثیں سلسلہ تعامل کی تقویت یاب نہیں

☆ نوٹ: نفس در آئینہ آہنیں کند تاثیر۔ سخن نمی شنوی ظالم ایں چہ خارائے است۔ ایڈیٹر

[1،2] الروم : ۳۲

﴿۳۹﴾

صرف ظن یا شک کے درجہ پر ہیں اور فن حدیث کی تحقیقاتیں ان کو ثبوت کامل کے درجہ تک نہیں پہنچا سکتیں اس صورت میں اگر ہم اس محک مقدس سے ان کی **تصحیح** کیلئے مدد نہ لیں تو گویا ہم ہرگز نہیں چاہتے کہ وہ حدیثیں صحت کاملہ کے درجہ تک پہنچ سکیں۔ میں متعجب ہوں کہ آپ اس بات کے ماننے سے کیوں اور کس وجہ سے رکتے ہیں کہ **قرآن کریم** کو ایسی احادیث کیلئے محک و معیار ٹھہرایا جاوے؟ کیا آپ قرآن کریم کی ان خوبیوں کے بارے میں کہ وہ محک اور معیار اور میزان ہے کچھ شک میں ہیں؟ آپ اس بات پر زور دیتے ہیں کہ بخاری اور مسلم کے صحیح ہونے پر اجماع ہو چکا ہے! اب ان کو بہرحال آنکھیں بند کر کے صحیح مان لینا چاہئے! لیکن میں سمجھ نہیں سکتا کہ یہ اجماع کن لوگوں نے کیا ہے اور کس وجہ سے واجب العمل ہو گیا ہے؟ دنیا میں **حنفی** لوگ پندرہ کروڑ کے قریب ہیں وہ اس اجماع سے منکر ہیں۔ ماسوا اس کے آپ صاحبان ہی فرمایا کرتے ہیں کہ حدیث کو بشرط صحت ماننا چاہئے اور قرآن کریم پر بغیر کسی شرط کے ایمان لانا فرض ہے۔ اب اگرچہ اس بات پر تو ہمارا ایمان ہے کہ جو حدیث صحیح ثابت ہو جائے وہ واجب العمل ہے۔ لیکن اس بات پر ہم کیونکر ایمان لے آویں کہ ہر یک حدیث بخاری اور مسلم کی بغیر کسی شک اور شبہ کے واجب العمل ماننی چاہئے۔ یہ وجوب کس سند شرعی یا نص صریح سے ہوا کرتا ہے۔ کچھ بیان تو کیا ہوتا۔ تفسیر **فتح العزیز** میں زیر آیت فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ [1] کے لکھا ہے کہ ’’چنانچہ عبادت غیر خدا مطلقاً شرک و کفر است اطاعت غیر او تعالیٰ نیز بالاستقلال کفر است و معنے اطاعت غیر بالاستقلال آنست کہ ربقۂ تقلید او در گردن انداز د و تقلید او لازم شمارد با وجود ظہور مخالفت حکم او بحکم او تعالیٰ۔‘‘

اور **مولوی عبداللہ صاحب غزنوی** مرحوم بھی اپنے ایک خط میں جو آپ ہی کے نام ہے جو لاہور کی گول سڑک کے باغ میں آپ نے مجھے دیا تھا قرآن کریم کی نسبت چند شرطیں اسی امر کی تائید میں لکھتے ہیں اور وہ یہ ہیں کہ

فقیر را از ابتداء حال میلان بکلام رب عزیز بود و دعاء میکردم کہ یا الہ العالمین دروازہ ہائے کلام خود بریں عاجز باز کن۔ سالہا شد و مصیبت بسیار شد تا بحدے کہ ہر جا کہ مے رفتم بلوا مے شد و دل تنگ شد ناگاہ القاشد قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا [2] بعد ازاں رو بقرآن شد و آیاتے کہ درباب توجہ بقرآن بود القا مے شد مانند اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ [3] و امثال آن تا بحدیکہ یک روز دیدم کہ قرآن مجید پیش رویم نہادہ شد و القاشد ھٰذَا كِتَابِيْ وَ ھٰذَا عِبَادِيْ فَاقْرَءُوْا كِتَابِيْ عَلٰى عِبَادِيْ۔ پس یہ آیت جو کہ مولوی صاحب اپنے القاء کے رو سے ذکر فرماتے ہیں کہ اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ کیسے فیصلہ

[1] البقرۃ: ۲۳ [2] البقرۃ: ۱۴۵ [3] الاعراف: ۴

﴿۴۰﴾

کرنے والی آیت ہے جس سے صریح اور صاف طور پر صاف ثابت ہوتا ہے کہ اول توجہ مومن کی قرآن کریم کی طرف ہونی چاہیئے پھر اگر اس توجہ کے بعد کسی حدیث یا قول من دونہ میں داخل دیکھے تو اس سے منہ پھیر لیوے۔

پھر آپ مجھ سے دریافت فرماتے ہیں بلکہ مجھے الزام دیتے ہیں کہ میں نے مسلم کی حدیث کو اس وجہ سے ضعیف ٹھہرایا ہے کہ بخاری نے اس کو چھوڑ دیا ہے اس کے جواب میں میری طرف سے یہ عرض ہے کہ موضوع ہونا کسی حدیث کا اور بات ہے اور اس کا ضعیف ہونا اور بات اور چونکہ دمشقی حدیث ایک ایسی حدیث ہے جو اس کے متعلق کی حدیثیں بخاری نے اپنی کتاب میں لکھی ہیں مگر اس طولانی حدیث کو چھوڑ دیا ہے اس لئے بوجہ تعلقات خاصہ اس حدیث کے جو دوسری حدیثوں سے ہیں یہ شک ہرگز نہیں ہوسکتا کہ بخاری صاحب اس حدیث کے مضمون سے بے خبر رہے ہیں بلکہ ذہن اسی بات کی طرف انتقال کرتا ہے کہ انہوں نے اپنی رائے میں اس کو ضعیف قرار دیا ہے۔ سو یہ میری طرف سے ایک اجتہادی امر ہے اور میں ایسا ہی سمجھتا ہوں اس کو موضوع ہونے سے کچھ تعلق نہیں اور یہ بحث اصل بحث سے خارج ہے اس لئے میں اس میں طول دینا نہیں چاہتا آپ کا اختیار ہے جو چاہیں رائے قائم کریں پڑھنے والے خود میری اور آپ کی رائے میں فیصلہ کر لیں گے میرے پر اس امر کا کوئی الزام عاید نہیں ہوسکتا اور پھر آپ نے ازالہ اوہام کے صفحہ ۲۲۶ کا حوالہ دے کر ناحق ایک طول اپنی کلام کو دیا ہے میری اس تمام کلام کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ میں نے فیصلہ کے طور پر کسی حدیث مسلم یا بخاری کو موضوع قرار دے دیا ہے بلکہ میرا مطلب صرف تناقض کو ظاہر کرنا ہے اور یہ دکھلانا ہے کہ اگر تناقض کو دور نہ کیا جاوے تو یہ دونوں طور کی حدیثوں میں سے ایک کو موضوع ماننا پڑے گا۔ سو میرے اس بیان میں فیصلہ کے طور پر کوئی حکم قطعی نہیں کہ درحقیقت بلا ریب فلاں حدیث موضوع ہے بلکہ میرا تو ابتدا سے مذہب یہی ہے کہ اگر کسی حدیث کی قرآن کریم سے کسی طور سے تطبیق نہ ہوسکے تو وہ حدیث موضوع ٹھہرے گی یا وہ حدیثیں جو سلسلہ تعامل کی متواترہ حدیثوں سے یا جو ایسی حدیثوں سے مخالف ہوں جو کمّی اور کیفی طور پر اپنے ساتھ کثرت اور قوت رکھتی ہیں وہ موضوع ماننی پڑیں گی۔ اگر میں کسی حدیث کو مخالف قرآن ٹھہراؤں اور آپ اس کو موافق قرآن کر کے دکھلا دیں تو میں اگر فرض کے طور پر اس کو موضوع ہی قرار دوں تب بھی عند التطابق اپنے مذہب سے رجوع کر لوں گا۔ میری غرض تو صرف اس قدر ہے کہ حدیث کو قرآن کریم سے مطابق ہونا چاہیئے۔ ہاں اگر سلسلہ تعامل کے رو سے کسی حدیث کا مضمون قرآن کے کسی خاص حکم سے بظاہر منافی معلوم ہو تو اس کو بھی تسلیم کرسکتا ہوں کیونکہ سلسلہ تعامل حجت قوی ہے۔ میرے نزدیک بہتر ہے کہ آپ ان باتوں کی فکر کو جانے دیں اور اس ضروری بات پر توجہ کریں کہ کیا ایسی حالت میں جب کہ ایک حدیث صریح قرآن کریم کے مخالف معلوم ہو اور سلسلہ تعامل سے باہر ہو تو اس وقت کیا کرنا چاہیئے؟ میں آپ پر اپنا اعتقاد بار بار ظاہر کرتا ہوں کہ میں صحیح بخاری اور مسلم کی حدیثوں کو یونہی بلا وجہ ضعیف اور موضوع قرار نہیں دے سکتا بلکہ میرا ان کی نسبت حسن ظن ہے ہاں جو حدیث قرآن کریم کے مخالف معلوم ہو اور کسی طرح اس سے مطابقت نہ کھا سکے میں اس کو ہرگز منجانب

رسول کریم یقین نہیں کروں گا۔ جب تک کوئی مجھ کو مدلل طور پر سمجھا نہ دیوے کہ درحقیقت کوئی مخالفت نہیں ﴿۴۱﴾
ہاں سلسلہ تعامل کی حدیثیں اس سے مستثنیٰ ہیں۔

پھر آپ فرماتے ہیں کہ ’’قرآن کریم کو حدیث کا معیار صحت ٹھہرانے میں کوئی علماء سلف میں سے تمہارے ساتھ ہے۔‘‘ سو حضرت میں تو حوالہ دے چکا اب ماننا نہ ماننا آپ کے اختیار میں ہے۔

پھر آپ مجھ سے اجماع کی تعریف پوچھتے ہیں میں آپ پر ظاہر کر چکا ہوں کہ میرے نزدیک اجماع کا لفظ اس حالت پر صادق آ سکتا ہے کہ جب صحابہ میں سے مشاہیر صحابہ ایک اپنی رائے کو شائع کریں اور دوسرے باوجود سننے اس رائے کے مخالفت ظاہر نہ فرماویں تو یہی اجماع ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ اسی صحابی نے جو امیر المومنین تھے ابن صیاد کے دجال معہود ہونے کی نسبت قسم کھا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو اپنی رائے ظاہر کی اور آنحضرت نے اس سے انکار نہیں کیا اور نہ کسی صحابی نے اور پھر اسی امر کے بارے میں ابن عمر نے بھی قسم کھائی اور جابر نے بھی اور کئی صحابیوں نے یہی رائے ظاہر کی تو ظاہر ہے کہ یہ امر باقی صحابہ سے پوشیدہ نہیں رہا ہوگا۔ سو میرے نزدیک یہی اجماع ہے۔ اور کون سی اجماع کی تعریف مجھ سے آپ دریافت کرنا چاہتے ہیں؟ اگر آپ کے نزدیک یہ اجماع نہیں تو آپ جس قدر ابن صیاد کے دجال معہود ہونے پر صحابہ نے قسمیں کھا کر اس کا دجال معہود ہونا بیان کیا ہے یا بغیر قسم کے اس بارے میں شہادت دی ہے دونوں قسم کی شہادتیں بالمقابل پیش کریں اور اگر آپ پیش نہ کر سکیں تو آپ پر حجت من کل الوجوہ ثابت ہے کہ ضرور اجماع ہو گیا ہوگا کیونکہ اگر انکار پر قسمیں کھائی جاتیں تو ضرور وہ بھی نقل کی جاتیں آنحضرت صلعم کا قسم کو سن کر چپ رہنا ہزار اجماع سے افضل ہے اور تمام صحابہ کی شہادت سے کامل تر شہادت ہے پھر اگر یہ چھیڑ چھاڑ فضول نہیں تو اور کیا ہے!

پھر آپ فرماتے ہیں کہ ’’ابن صیاد کے دجال ہونے پر کب آنحضرت صلعم نے اپنی زبان سے اپنا ڈرنا ظاہر فرمایا ہے۔‘‘ میں کہتا ہوں کہ تمام باتیں تصریح سے ہی ثابت نہیں ہوتیں اشارہ سے بھی ثابت ہو جاتی ہیں جس حالت میں صحابی کا یہ قول ہے کہ جس وقت تک آنحضرت صلعم بعد دیکھنے ابن صیاد کے زندہ رہے اس بات سے ڈرتے رہے کہ وہی دجال معہود ہوگا جیسے لَمْ یَزَلْ کے لفظ سے ظاہر ہے اس صورت میں کوئی دانا خیال کر سکتا ہے کہ اس طول طویل مدت کا ڈر ایک احتمالی بات تھی؟ اور اس لمبی مدت میں کبھی آنحضرتؐ نے اپنے منہ سے نہیں فرمایا تھا۔ جس حالت میں آنحضرتؐ آپ ہی فرماتے ہیں کہ ہر ایک نبی دجال سے ڈراتا رہا ہے اور میں بھی ڈراتا ہوں تو اس صورت میں کیونکر سمجھ آ سکتی ہے کہ جو ڈر آنحضرتؐ کے دل میں مخفی تھا وہ کسی ایسی مدت میں کسی صحابی پر ظاہر نہیں کیا۔ ماسوا اس کے جب ایک ادنیٰ قال سے ایک شخص ایک بات بیان کر کے اس کا قائل ٹھہرتا ہے ایسا ہی اپنے اشارات اور ایماءات اور حالات سے اس کو ادا کر کے اس کا قائل قرار پاتا ہے سو یہ کونسی بڑی بات ہے جس کی

﴿۴۲﴾ وجہ سے آپ مجھ کو مفتری قرار دیتے ہیں۔ آپ کو ڈرنا چاہئے۔ انسان جو بے وجہ تہمت اپنے بھائی کی نسبت تجویز کرتا ہے وہ خدا تعالیٰ کی جناب میں اس لائق ہو جاتا ہے کہ کوئی دوسرا وہی تہمت اس پر کرے۔ خدا تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ مجھ کو پختہ طور پر اس بات پر یقین ہے کہ اگر **لَمْ يَزَلْ** کا لفظ حدیث میں صحیح اور مطابق واقعہ ہے تو اس کا مصداق مجرد نگرانی حالات ہرگز نہیں ٹھہر سکتا مثلاً اگر کوئی شخص کہے کہ میں زید کو دس برس سے برابر دیکھتا ہوں کہ وہ دہلی جانے کا ہمیشہ ارادہ رکھتا ہے تو کیا اس سے یہ سمجھا جائے گا کہ زید نے کبھی زبان سے اس مدت دس برس میں دہلی جانے کا ارادہ ظاہر نہیں کیا اور بفرض محال اگر یہ اجمالی امر ہے تو جیسا اجمال اس بات کا ہے کہ زبان سے کچھ نہ کہا ہو یہ احتمال بھی تو ہے کہ زبان سے کہا ہو لیکن **لم یزل** کا لفظ احتمال کے امر کو دور کرتا ہے ایک مدت تک کسی امر کی نسبت وہ حالت بنائے رکھنا جس کا ادا کرنا زبان کا کام ہے صریح اس بات پر دلیل ہے کہ اتنی لمبی مدت میں کبھی تو زبان سے بھی کام لیا ہوگا۔

پھر آپ فرماتے ہیں کہ تمہارا یہ کہنا آپ ابن عربی کے مخالف تھے تو کیوں ناحق اس کا ذکر کیا۔ باطل ہے۔ کیونکہ میرے کلام کے صریح منطوق سے مختلف ہے۔ میں کہتا ہوں کہ آپ کے کلام کا آپ کے ابتدائی بیان میں یہ صریح منطوق بھی پایا جاتا ہے کہ آپ ابن عربی کے مؤید ہیں؟ اگر آپ مؤید ہیں تو آپ نے صحیح بخاری کی حدیث کیوں نقل کی ہے؟ جس میں لکھا ہے کہ محدث بھی نبی کی طرح مرسل ہے اور آپ نے کیوں محمد اسماعیل صاحب کا یہ قول نقل کیا ہے کہ محدث کی وحی نبی کی طرح دخل شیطانی سے منزّہ کی جاتی ہے۔ اگر آپ بخاری کی حدیث کو نہیں مانتے تو گزشتہ راصلواۃ ابھی اقرار کر دیں کہ میں محدث کی وحی کو دخل شیطانی سے منزّہ ہونے والی نہیں سمجھتا! تعجب کہ ایک طرف تو آپ بخاری بخاری کرتے ہیں اور ایک طرف اس کے برخلاف چلتے ہیں! پھر جب کہ آپ کا بخاری پر ایمان ہے کہ اس کی سب حدیثیں صحیح ہیں تو اس صورت میں تو آپ کو ابن عربی سے اتفاق کرنا پڑے گا کیونکہ اگر کسی محدث پر یہ کھل جائے کہ فلاں حدیث موضوع ہے اور وہ بار بار کی وحی سے اس پر قائم کیا جائے تو کیا اب حسب منشاء بخاری یہ اعتقاد نہیں کریں گے کہ محدث کو وہ حدیث موضوع مان لینی چاہیے۔ پھر جب کہ آپ کا یہ اعتقاد ہے تو میں نے آپ پر کیا افترا کیا؟ حضرت مولوی صاحب آپ ایسے الفاظ کو کیوں استعمال کرتے ہیں۔ **اتقوا اللّٰہ** کے مضمون کو کیوں اپنے دل میں قائم نہیں کرتے۔ مفتری، ملعون اور دین سے خارج ہوتے ہیں۔ اجتہادی طور کی بات کو کسی نہج سے گو غلط ہی سہی سمجھ لینا اور چیز ہے اور عمداً ایک واقعہ **معلومة الحقیقت** کے برخلاف کہنا یہ اور امر ہے۔ (۱) آپ کے خلاصہ سوال کی نسبت میرا یہی بیان ہے کہ میں اس طرح سے کہ جیسے **حنفی** لوگ امام اعظم صاحبؒ پر محض تقلید کے طور پر ایمان رکھتے ہیں بخاری اور مسلم پر ایمان نہیں رکھتا۔ ان کی صحت کو ظن کے طور پر مانتا ہوں اور **الغیب عنداللّٰہ** کہتا ہوں۔ مجھے ان کے بارے میں رویت کی مانند علم نہیں ہے۔ اگر کسی حدیث کو مخالف کتاب اللہ پاؤں گا تو بغیر تطبیق اور فیصلہ کے ہرگز اس کو قول رسول کریم نہیں سمجھوں گا۔ گو حدیث صحیح میرا مذہب ہے اور قرآن کے معیار ٹھہرانے میں پہلے عرض کر آیا

﴿۴۳﴾

ہوں اور سب کچھ بیان کر چکا ہوں۔ حاجت اعادہ نہیں ہے۔ فقط میرزا غلام احمد ۲۲/ جولائی ۱۸۹۱ء

پرچہ نمبر ۶! مولوی صاحب۔ افسوس آپ نے پھر بھی میرے اصل سوال کا جواب صاف اور قطعی نہ دیا☆ اور نہ فرمایا کہ صحیح بخاری و مسلم کی احادیث جملہ صحیح ہیں۔(۱) یا جملہ موضوع یا مختلط یعنی بعض ان میں صحیح ہیں بعض موضوع باوجودیکہ میرا یہ سوال آپ نے شروع تحریر میں نقل کر دیا جس سے یہ گمان کہ آپ نے مطلب سوال نہ سمجھا ہو رفع ہوگیا۔ ہر چند آپ نے یہ بات بتصریح کہہ دی ہے کہ اگر میں کسی حدیث صحیح بخاری و صحیح مسلم کو کتاب اللہ کے

☆ مرزا صاحبؑ کے جوابات ہمارے سوالات کے مقابلہ میں بعض رؤساء لدھیانہ نے سنے تو اس کی نظر میں ایک چشم دید حکایت بیان کی۔ اس حکایت کا اس مقام میں نقل کرنا لطف سے خالی نہیں رئیس مذکور نے بیان کیا کہ ایک رسالہ کے ایک کمان افسر ایک یورپین صاحب تھے جو رات کو دو گھنٹے دربار کیا کرتے اور اس میں اپنی فوج کے سرداروں کے معروضات اور رسالہ کے یومیہ واقعات سنتے۔ ایک دن ایک سردار کی اونٹنی کھوئی گئی۔ صاحب کمان افسر کو یہ حال معلوم ہوا تو انہوں نے رات کے دربار میں سردار اونٹنی کے مالک سے کہا کہ سردار صاحب اس واقعہ کے متعلق مجھے آپ صرف تین باتوں کا جواب دیں اور کچھ نہ فرماویں یہ اس لئے کہہ دیا تھا کہ صاحب بہادر کو اس بات کا علم تھا کہ سردار صاحب بڑے باتونی ہیں وہ مطلب کی بات کا جواب جلد نہ دیں گے۔ وہ تین باتیں یہ ہیں کہ اونٹنی کس پڑاؤ پر کھوئی گئی اور کس وقت و تاریخ۔ سردار صاحب نے یہ تمہید شروع کی کہ حضور وہ اونٹنی میں نے ساڑھے تین سو روپیہ کو خریدی تھی مگر اس کے پانسو روپیہ مانگے جاتے تھے۔ صاحب نے کہا کہ سردار صاحب میں نے یہ بات آپ سے نہیں پوچھی جو میں نے آپ سے پوچھا ہے اس کا جواب دیں۔ سردار صاحب نے فرمایا کہ حضور وہ اونٹنی میں نے بیکانیر کی منڈی سے خریدی تھی۔ اس پر پھر صاحب بہادر نے فرمایا کہ سردار صاحب یہ میرے سوال کا جواب نہیں۔ آپ میرے سوالات کا جواب دیں۔ سردار صاحب نے فرمایا کہ ہاں حضور جواب دیتا ہوں وہ اونٹنی سو کوس روز چلتی تھی اس پر صاحب نے پھر وہی عذر کیا کہ سردار صاحب آپ اور تکلیف نہ کریں صرف میرے سوالات کا جواب دیں اس پر سردار صاحب نے ان تینوں سوالوں کا جواب کوئی نہ دیا۔ اور اپنی اونٹنی کے وقائع عمری شمار کرنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ دربار کا وقت مقرری گذر گیا اور ان سوالات ثلثہ کا جواب نہ دیا۔ (ابوسعید)

حاشیہ بر حاشیہ نمبر ۱

مولوی صاحب کی طبعزاد یا مولوی صاحب کے کسی فرضی رئیس کی اس خانہ ساز کہانی پر ہم سوائے اس کے اور کچھ کہنا نہیں چاہتے کہ دقیقہ رس ناظرین خود ہی فیصلہ کر لیں گے کہ یہ داستان کہاں تک بجا اور باموقع ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ مولوی صاحب کے ناحق کے افسوس سے کوئی سچی ہمدردی کرنے والا پیدا نہ ہوگا۔ ایک ناشکر گذار بے صبر کی طرح انہیں سیری بخش سامان مل رہا ہے اور وہ افسوس و شکایت کئے جا رہے ہیں۔ معلوم نہیں ایسا کفور مبین بننے سے آپ کیا اپنے تئیں ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ مولوی صاحب ایسے صاف اور مسکت جواب آپ کو مل رہے ہیں کہ ان کی قوت وسطوت نے آپ کو مختل الحواس بنا دیا ہے ورنہ آپ خود ہی اس جملہ پر جو

﴿۴۴﴾

موافق نہ پاؤں گا تو اس کو موضوع قرار دوں گا۔ کلام رسول صلعم نہ سمجھوں گا (۲) اور اپنے پرچہ نمبر۴ میں آپ صاف کہہ چکے ہیں کہ ان کتابوں کے وہ مقامات جن میں تعارض ہے تحریف سے خالی نہیں۔ مگر اس میں یہ تصریح نہیں ہے کہ صحیح بخاری و صحیح مسلم میں ایسی کوئی حدیث ہے یا نہیں جس کو آپ اس اصول کی شہادت سے موضوع قرار دیتے ہیں اور طرفہ یہ کہ ان مقامات ازالۃ الاوہام میں جو میرے پرچہ نمبر۷ میں منقول ہوئے ہیں آپ صحیحین کی بعض احادیث کو موضوع قرار دے چکے ہیں مگر آپ پرچہ نمبر۸ میں اس سے انکار کرتے ہیں اور یہ فرماتے ہیں کہ جو کچھ میں نے وہاں کہا ہے شرطیہ طور پر کہا ہے کہ بشرط تعارض وعدم موافقت ومطابقت وہ احادیث موضوع ہیں۔ میرا وہ قطعی فیصلہ نہیں ہے۔ باوجودیکہ ان مقامات میں آپ نے یہ شرط نہیں لگائی بلکہ ان احادیث کا باہم تعارض خوب زور سے ثابت کیا اور پھر ان کو موضوع قرار دیا ہے۔ آپ کے میرے اصل سوال کا صاف جواب نہ دینے اور ازالۃ الاوہام کی تصریحات مذکورہ پرچہ نمبر۷ سے انکار کر جانے کی وجہ یہ ہے کہ آپ اس سوال کے دونو شق جواب میں پھنستے ہیں اور کوئی شق قطعی طور پر اختیار نہیں کر سکتے اگر آپ یہ شق جواب اختیار کریں کہ وہ احادیث سب کی سب صحیح ہیں تو اس سے آپ پر سخت مصیبت عائد ہوتی ہے کیونکہ صحیح بخاری و صحیح مسلم کی احادیث آپ کے عقائد مستحدثہ جدیدہ کے صریح خلاف ہیں ان احادیث کو صحیح مان کر آپ کا کوئی عقیدہ جدیدہ قائم وثابت نہیں رہ سکتا اس وجہ سے آپ نے یہ مذہب اختیار کیا ہے کہ احادیث صحیحین کو بلا وقفہ نظر صحیح تسلیم کرنا اندھا پن اور تقلید بلا دلیل ہے اور اگر آپ یہ شق جواب اختیار کریں کہ حدیث صحیحین سب کی سب موضوع یا ازاں جملہ بعض صحیح اور بعض موضوع ہیں تو اس سے عام اہل اسلام اور خصوصاً اہل حدیث جن کے بعض عوام آپ کے دام میں پھنس گئے ہیں آپ سے بے اعتقاد ہوتے اور کفر یا فسق اور بدعت کا فتویٰ لگانے کو تیار ہوتے ہیں یہی☆ وجہ ہے کہ آپ میرے سوال کا صاف اور قطعی جواب نہیں دیتے صرف شرطی

ترمیم حاشیہ: شروع مضمون میں آپ نے لکھا ہے۔ غور کر کے سمجھ سکتے تھے کہ حضرت مرزا صاحب آپ کو جواب باصواب دے چکے ہیں اور وہ جملہ یہ ہے۔ ’’ہر چند آپ نے یہ بات بتصریح‘‘۔ الخ ایڈیٹر

☆ حاشیہ: مولوی صاحب کی تیز فہمی ملاحظہ کے قابل ہے مولوی صاحب کے نزدیک گویا مرزا صاحب نے جواب کی شق ثانی اختیار نہیں کی بایں خیال کہ مبادا عوام مسلمان اور اہل حدیث کا فتویٰ لگانے کو طیار نہ ہو جائیں مگر حیرت ہے کہ اس پر بھی ہمارے آتشیں مزاج مولوی صاحب کی زبان کی ایذا سے حضرت مرزا صاحب بچ نہ سکے۔ مولوی صاحب نے پہلے ہی سے اس بات کو جو سائر اہل حدیث کو بھی مرزا صاحب کے جواب کی شق ثانی کے اختیار کرنے پر سوجھتی اپنے ذہن میں شدہ ٹھان کر مرزا صاحب کے حق میں وہ فتوے جڑ دیئے اور یوں اہلحدیث کی پیٹھ پر سے ایک فرض کفایہ کا بوجھ ہلکا کر دیا آفرین ؎ ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند۔ ایڈیٹر

﴿۴۵﴾

طور پر کہتے ہیں کہ اگر کتاب بخاری و مسلم کی احادیث کو موافق قرآن نہ پاؤں گا تو میں اس کو موضوع قرار دوں گا ورنہ مجھے بخاری و مسلم سے حسن ظن ہے میں خواہ مخواہ یعنی قبل از وقت و بلا ضرورت ان کی احادیث کو موضوع قرار دینا ضروری نہیں سمجھتا ضرورت ہوگی یعنی قرآن سے ان کی موافقت نہ ہو سکے تو موضوع قرار دوں گا۔

ہر چند آپ کے اس شرطی جواب پر بھی حق و اختیار حاصل ہے کہ میں آپ سے اس سوال کے جواب کا مطالبہ کروں لیکن اب میری یہ امید کہ آپ میرے سوال کا جواب دیں گے قطع ہوگئی اور میں یہ بھی جان چکا ہوں کہ میرے اس مطالبہ پر بھی آپ ۲۶ صفحہ یا اس سے دو چند ۵۲ صفحہ بھی ایسے ہی لایعنی اور فضول باتوں کا اعادہ کریں گے جو اس وقت تک مکرر سہ کرر تحریر کر چکے ہیں جن سے آپ کا تو یہ فائدہ ہے کہ آپ کے مرید حاضر مجلس یہ کہیں گے اور کہہ رہے ہیں سبحان اللہ☆ ہمارے حضرت مسیح اقدس کس قدر طولانی تحریرات کرتے ہیں اور کتنے صفحہ کاغذات پُر کرتے ہیں اور بیسوں آیات قرآن تحریر فرماتے جاتے ہیں اور یہی فائدہ اس تحریر سے آپ کو پیش نظر ہے مگر میرے اوقات کا کمال حرج ہے مجھے اس بحث کے علاوہ اور بھی بہت سے اہم کام دامنگیر ہیں لہٰذا اب میں آپ سے اس سوال کے جواب کا مطالبہ نہیں کرتا اور میں ناظرین اور سامعین کو آپ کی طولانی تحریرات کے وہ نتائج بتانا چاہتا ہوں جن نتائج کے جتانے کی غرض سے میں اب تک آپ کے جواب پر نکتہ چینیاں کرتا رہا ہوں میرا یہ مقصود نہ ہوتا تو جو میں آپ کے پرچہ نمبر ۳ کے جواب میں لکھ چکا تھا کہ آپ نے قبولیت حدیث کی شرط بتائی ہے مگر یہ ظاہر نہیں کیا کہ یہ شرط احادیث صحیحین میں پائی جاتی ہے یا نہیں۔ وبناءً علیہ وہ احادیث صحیح ہیں یا نہیں اس پر اکتفا کرتا اور اس کے جواب دینے پر آپ کو مجبور کرتا اور دوسری کوئی بات آپ کی نہ سنتا کیونکہ ہر شخص جس کو فن مناظرہ میں ادنیٰ مس ہو یہ بات سمجھ سکتا ہے کہ جب کوئی اپنے مناظر و مخاطب سے اصول تسلیم کرانا چاہے کوئی اصول پیش کر کے اس سے دریافت کرے کہ آپ اس اصول کو مانتے ہیں یا نہیں تو اس کے مخاطب کا فرض صرف یہ ہوتا ہے کہ وہ اس کو تسلیم کرے یا اس سے انکار کرے اس سے زیادہ کسی اصول کے تسلیم یا عدم تسلیم کی وجہ بیان کرنا اس کا فرض نہیں ہوتا یہ اس صورت میں اور اسی وقت ہوتا ہے جب کہ اس کا مقابل صاحب تمہید اس کی تسلیم کے یا عدم تسلیم کے خلاف کا مدعی ہو اور اپنے ممہّد ہ اصول پر دلائل قائم

☆ اللہ اللہ! مولوی صاحب کے بغض و عناد کی کوئی حد باقی نہیں رہی بات بات پر جلے پھپھولے پھوڑتے ہیں۔ ناظرین اس راز کو ہم کھولے دیتے ہیں غور سے سنیئے اور انصاف کیجئے جس دن حضرت مرزا صاحب نے مضمون نمبر ۵ سنایا چونکہ ایک عارف ملہم مؤید من اللہ کے کلام میں قدرتی تاثیر ہوتی ہے اکثر حاضرین کے منہ سے بے اختیار سبحان اللہ نکل گیا اور عموم حاضرین کے چہروں پر نظر کرنے سے معلوم ہوتا تھا کہ استیلائے اثر سے وجد و رقت ان پر طاری ہو رہی ہے ہمارے زاہد خشک مولوی صاحب کو یہ نظارہ بھی سخت جانگزا گذرا۔ یہ کہہ دینا اور عمداً ایمان کے خلاف اظہار کرنا کہ وہ مریدین کی جماعت تھی بڑی آسان بات ہے اس سے مرزا صاحب کے مضامین کی خداداد خوبی اور قدر کم نہیں ہوسکتی۔ مضامین موجود ہیں خود پبلک دیکھ لے گی۔ ایڈیٹر

﴿۴۶﴾

کرے۔ آپ نے میرے اصول کی نسبت تسلیم یا عدم تسلیم تو قطعی طور پر ظاہر نہیں کی مگر ان اصول کا خلاف ثابت کرنے پر مستعد ہو گئے سو بھی ایسے طور پر کہ اصل سوال سے غیر متعلق اور فضول باتوں میں خامہ فرسائی شروع کر دی اس صورت میں مجھ پر لازم نہ تھا کہ میں آپ کی کسی بات کا جواب دیتا یا اس پر کوئی سوال کرتا مگر اسی غرض سے اب تک آپ کے جوابات کے متعلق خدشے و سوالات کرتا رہا ہوں کہ آپ کی کلام سے وہ نتائج پیدا ہوں جن کو میں عام اہل اسلام پر ظاہر کرنا چاہتا ہوں اس غرض سے میں اب آپ کی تحریرات سابقہ و حال پر تفصیلی نکتہ چینی کرتا ہوں جس کا وعدہ اپنی تحریرات سابقہ میں دے چکا ہوں اس نکتہ چینی میں بالاستقلال تو آپ کا پرچہ نمبر ۵ نشانہ ہوگا مگر اس کے ضمن میں آپ کی جملہ تحریرات سابقہ کا جواب آ جائے گا۔ **بحول اللّٰہ و قوّتہ۔**

آپ لکھتے ہیں کہ احادیث کے دو حصے ہیں اول وہ جو تعامل میں آ چکا ہے اس میں تمام ضروریات دین اور عبادات اور معاملات اور احکام شرع داخل ہیں یہ حصہ بلاشبہ صحیح ہے مگر اس کی صحت نہ روایت کی رو سے ہے بلکہ تعامل کے ذریعہ سے۔ دوسرا وہ حصہ جس پر تعامل نہیں پایا گیا یہ حصہ یقیناً صحیح نہیں ہے کیونکہ اس کا مدار صرف اصول روایت پر ہے اور اصول روایت سے صحت کا ثبوت اور کامل اطمینان نہیں ہو سکتا ہاں اس حصہ کی قرآن کریم سے موافقت ثابت ہو تو یہ بھی یقیناً صحیح تسلیم کیا جا سکتا ہے۔ اس قول سے ثابت ہے اور یہ ہی جتانا اس وقت مدنظر ہے کہ آپ فن حدیث اور اصول روایت اور قوانین درایت سے محض ناواقف ہیں اور مسائل اسلامیہ سے ناآشنا۔

آپ یہ نہیں جانتے کہ ضروریات دین اصطلاح علماء اسلام میں کس کو کہتے ہیں اور تعامل کی کیا حقیقت ہے اور وہ جملہ احادیث معاملات و احکام سے متعلق کیونکر ہو سکتا ہے اور اہل اسلام کے نزدیک اصول تصحیح روایت کیا ہیں۔

خاکسار ہر ایک امر سے آپ کو اور دیگر ناواقف ناظرین کو مطلع کر کے یہ جتانا چاہتا ہے کہ جو کچھ آپ نے کہا ہے وہ ناواقفی پر مبنی ہے اور وہ میرے سوال کا جواب نہیں ہو سکتا۔

پس واضح ہو کہ ضروریات دین وہ کہلاتے ہیں جو دین سے ضرورۃً یعنی بداھۃً اور بلافکر معلوم ہوں اور نہ وہ امور جن کی طرف دین کی ضرورت یعنی حاجت متعلق ہو۔

ضرورت سے مراد امور متعلقہ حاجت ہوں تو اس سے آنحضرت کی کوئی حدیث خارج و مستثنیٰ نہیں ہوتی۔ آنحضرتؐ نے جو کچھ دین میں فرمایا ہے وہ دینی حاجت و ضرورت کے متعلق ہے اس صورت میں دوسرا حصہ احادیث جس کو آپ یقیناً صحیح نہیں جانتے ضروریات دین میں داخل ہو جاتا ہے۔

اگر آپ یہ کہیں کہ ضروریات سے میری مراد بھی وہی ہے جو تم نے بیان کی ہے تو پھر جملہ احکام معاملات و عقود کو ضروریات میں شامل کرنا غلط قرار پاتا ہے۔

احکام متعلقہ معاملات بلکہ عبادات جملہ ایسے نہیں جو بداھۃً دین سے ثابت ہوں کسی حکم یا امر پر تعامل کی صورت یہ ہے

﴿۴۷﴾ کہ وہ حکم عام لوگوں کے عمل میں آ جاوے اس کی مثال ہم احکام شرع سے صرف ان اتفاقی امور کو ٹھہرا سکتے ہیں جو جملہ اہل اسلام میں علیٰ سبیل الاشتراک عمل میں آ گئے ہیں۔

جیسے نماز یا حج یا صوم۔ کہ اتفاقی ارکان ہیں۔

بلا لحاظ ان کے قیودات و خصوصیات کے کہ نماز رفع یدین والی ہو یا بلا رفع اور اس میں ہاتھ سینہ پر باندھے جاویں یا زیر ناف یا ارسال یدین عمل میں آوے وعلیٰ ھٰذا القیاس اور اگر ان کے قیود و خصوصیات کا لحاظ کیا جاوے تو ان پر تعامل کا ادّعا محض غلط ہے اور کوئی فریق یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ ہمارا طریق تعامل عام اہل اسلام سے ثابت ہے۔

ان امور پر تعامل عام ہوتا تو ان میں اختلاف ہرگز واقع نہ ہوتا جو آپ کے نزدیک وضع و عدم صحت کی دلیل ہے۔ لہٰذا آپ کا یہ کہنا کہ احادیث کا حصہ متعلق عبادات و معاملات تعامل سے ثابت ہے محض ناواقفی پر مبنی ہے۔

اور اگر تعامل سے آپ کی مراد خاص خاص فرقوں یا شہروں یا اشخاص کا تعامل ہے اور اس تعامل کو قطعی صحت کی دلیل سمجھتے ہیں تو آپ پر سخت مصیبت پڑے گی کیونکہ یہ تعامل خاص ہر ایک قوم و شہر و مذہب کا باہم مختلف ہے یہ موجب یقین ہو تو چاہئے کہ جملہ احادیث مختلفہ جن پر یہ تعامل ہائے خاص خاص پائے جاتے ہیں یقینی اور صحیح ہوں اور یہ امر نہ صرف آپ کے مذہب کے بالکل مخالف ہے بلکہ حق اور نفس الامر کے بھی مخالف ہے۔ اصول تصحیح روایت محققین اہل اسلام کے نزدیک یہ نہیں جو آپ نے قرار دیا ہے کہ وہ توافق قرآن ہے یا تعامل امت بلکہ وہ اصول شروط صحت ہیں جن کا مدار چار امور سے عدل [۱]۔ ضبط [۲] عدم شذوذ [۳] وعدم علت [۴]۔ ان شروط میں جو آپ نے سلامت فہم راوی کو داخل کیا ہے یہ بھی آپ کی فنون حدیث سے ناواقفی پر دلیل ہے۔

فہم معنے ہر ایک حدیث کی روایت کیلئے شرط نہیں ہے بلکہ خاص کر اس حدیث کی روایت کیلئے شرط ہے جس میں بالمعنٰی حکایت ہو اور جس حدیث کو راوی بعینہٖ الفاظ سے نقل کر دے اس میں راوی کے فہمِ معانی کو کوئی شرط نہیں ٹھہراتا۔ کتب اصول حدیث شرح نخبہ وغیرہ ملاحظہ ہوں۔

اس کے جواب میں شاید آپ کہیں گے کہ احادیث سب ہی بالمعنے روایت ہوتی ہیں جیسا کہ آپ کے مقتدا سید احمد خاں نے (جس کی تقلید سے آپ نے قرآن کو معیار صحت احادیث ٹھہرایا ہے چنانچہ عنقریب ثابت ہوگا) کہا ہے تو اس پر آپ کو اہل حدیث جو فن حدیث سے واقف ہیں محض ناواقف کہیں گے۔

سلف نے احادیث نبویہ کو بعینہٖ الفاظ سے روایت کیا ہے یہی وجہ ہے کہ بعض روایات میں شک راوی موجود ہے اگر صحابہ وغیرہ رواۃ سلف میں حکایت بالمعنے کا رواج ہوتا تو دو ہم معنے لفظوں کو جیسے ''مومن'' و ''مسلم''

﴿۴۸﴾

شک سے بلفظ ’’مومن اور مسلم‘‘ روایت نہ کیا جاتا۔ اس مسئلہ کی تحقیق کتب اصول فقہ واصول حدیث میں ہے۔ اور ہماری تالیفات اشاعۃ السنہ وغیرہ میں آپ ان کو ملاحظہ فرماویں۔
آپ شروط صحت کی تحقیق وثبوت کو شکی فرماتے ہیں و بناءً علیہ صرف اصول روایت کو مثبت صحت قرار نہیں دیتے یہ امر بھی فن حدیث سے آپ کی ناواقفی کا مثبت ہے۔ مہربانِ من شروط کی تحقیق وثبوت میں محدثین نے ایسی تحقیق کی ہے کہ اس سے علم طمانیت حاصل ہو جاتا ہے۔
محدثین نے ہر ایک راوی کے تحقیق حال میں کہ وہ کب پیدا ہوا کہاں کہاں سے سفر کر کے اس نے حدیث حاصل کی کس کس سے حدیث سنی کس کس نے اس سے حدیث سنی کون سی حدیث میں وہ منفرد رہا کس حدیث میں اس سے وہم ہو گیا ہے اور کس شخص نے اس کی حدیث کو بلحاظ تحقق شروط صحیح کہا۔ کس نے ضعیف قرار دیا ہے وغیرہ وغیرہ دفتروں کے دفتر لکھ دیئے ہیں و بناءً علیہ ہر ایک حدیث کی نسبت جس کو ائمہ محدثین خصوصاً امامین ہمامین بخاری ومسلم نے صحیح قرار دیا ہے اور عام اہل اسلام نے اس کو صحیح تسلیم کر لیا ہے ظن غالب صحت حاصل ہو جاتا ہے بلکہ ابن صلاح وغیرہ ائمہ حدیث کے نزدیک شیخین کی اتفاقی حدیث جس پر کسی نے کچھ کلام نہیں کیا مفید یقین ہے۔ آپ یقین کو مانیں خواہ نہ مانیں ظن غالب سے تو انکار نہیں کر سکتے کیونکہ اپنی تحریرات میں اس کا اقرار کر چکے ہیں۔
اس پر جو آپ نے باستدلال آیت وَإِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا [1] اعتراض کیا ہے وہ بھی آپ کے اصول دین سے ناواقفی پر مبنی ہے۔ مہربانِ من ظن غالب عملیات میں لائق اعتبار ہے اور قرآنِ مجید کی آیت مذکورہ اور دیگر آیات میں جہاں ظن کے اتباع سے ممانعت وارد ہے اس سے اعتقاد کے متعلق ظن مراد ہے۔ کیا آپ کو یہ مسائل معلوم نہیں یا کسی عالم سے نہیں سنے کہ اگر نماز میں بھول ہو جاوے کہ رکعت ایک پڑھی ہے یا دو تو نمازی تحرّی کرے اور جو ظن غالب ہو اس پر عمل کرے یا اگر وضو کے ٹوٹ جانے میں شک واقع ہو تو ظن غالب پر عمل کرے۔ اسی وجہ سے جملہ علماء اسلام کا حنفی ہیں یا شافعی، اہلحدیث ہیں خواہ اہل فقہ اتفاق ہے کہ خبر واحد صحیح ہو تو واجب العمل ہے حالانکہ خبر واحد ہر ایک کے نزدیک موجب ظن ہے نہ مثبت یقین۔ اسی وجہ سے خاص کر صحیحین کی نسبت علماء اسلام نے جن میں مقلد ومجتہد فقیہ ومحدث سب داخل ہیں اتفاق کیا ہے کہ صحیحین کی احادیث واجب العمل ہیں اور امام ابن صلاح نے فرمایا کہ ان کی اتفاقی حدیثیں موجب یقین ہیں لہٰذا ان کے مضمون پر اعتقاد بھی واجب ہے اور اکابر ائمہ نے لکھا ہے کہ اگر کوئی قسم کھالے کہ جو احادیث صحیحین میں ہیں وہ صحیح نہ ہوں تو اس کی عورت پر طلاق ہے تو اس کی عورت پر طلاق واقع نہیں ہوتی اور وہ اس قسم میں جھوٹا نہیں ہوتا امام نووی نے شرح مسلم میں فرمایا ہے **اتفق العلماء رحمھم اللّٰہ تعالی علی ان اصح الکتب بعد القرآن العزیز الصحیحان البخاری و مسلم و تلقتھم الامت بالقبول و کتاب البخاری اصحھما صحیحا و اکثرھما فوائد و معارف**

[1] النجم: ۲۹

﴿۴۹﴾

ظاہرۃ وغامضۃ وقدصح ان مسلمًا کان ممن یستفید من البخاری و یعترف بانہ لیس لہ نظیر فی علم الحدیث وھذا الذی ذکرنا من ترجیح کتاب البخاری ھوالمذھب المختار الذی قالہ الجماھیر و اھل الاتقان والحذق والغوص علی اسرار الحدیث ۔ شیخ الاسلام حافظ ذہبی نے تاریخ اسلام میں فرمایا ہے اما جامع البخاری الصحیح فاجل کتب الاسلام وافضلھا بعد کتاب اللہ وھو اعلٰی فی وقتنا یعنی سنۃ ثالث عشر بعد سبع مائۃ و من ثلاثین سنۃ یفرحون العلماء بعلو سماعہ فکیف الیوم فلو رحل شخص لسماعہ من الف فرسخ لماضاعت رحلتہ۔ قسطلانی نے شرح بخاری میں کہا ہے واما تالیفہ یعنی البخاری فانھا سارت مسیر الشمس ودارت فی الدنیا فماجحد فضلھا الا الذی یتخبطہ الشیطان من المس واجلھا واعظمھا الجامع الصحیح ۔ شیخ حافظ ابن کثیر نے کتاب البدایہ والنہایہ میں فرمایا ہے وکتابہ الصحیح یسستسقی بقرائتہ الغمام واجمع علی قبولہ و صحۃ مافیہ اھل الاسلام ۔ اور حضرت شاہ ولی اللہ نے حجۃ اللہ البالغہ میں فرمایا ہے۔ امالصحیحان فقد اتفق المحدثون علی ان جمیع ما فیھما من المتصل المرفوع صحیح بالقطع وانھما متواتران الی مصنفیھما وانہ کل من یھون امرھمافھو مبتدع متبع غیر سبیل المومنین۔ اورصاحب دراسات نے فرمایا ہے وکونھما اصح کتاب فی الصحیح المجرد تحت ادیم السماء وانھما اصح الکتب بعد القرآن العزیز باجماع من علیہ التعویل فی ھذا العلم الشریف قاطبۃ فی کل عصر واجماع کل فقیہ مخالف و موافق . امام ابن صلاح نے فرمایا ہے وھذا القسم یعنی المتفق علیہ مقطوع بصحتہ والعلم الیقینی النظری واقع بہ خلافًا لقول من نفی ذلک محتجًا بانہ لایفیدالا الظن وانما تلقتہ الامت بالقبول لانہ یجب علیھم العمل بالظن والظن قد یخطئ وقدکنت امیل الی ھذا واحسبہ قویا ثم بان لی ان المذھب الذی اخترناہ اولاھوالصحیح لان الظن من ھو معصومًا من الخطأ لایخطی والامۃ فی اجماعھا معصومۃ من الخطاء لھذا کان الاجماع المبنی علی الاجتھاد حجۃ مقطوعۃ بھا واکثر اجماعات العلماء کذالک ۔ امام نووی نے شرح صحیح مسلم میں فرمایا ہے۔ قد قال امام الحرمین لوحلف انسان بطلاق امرأتہٖ ان ما فی کتابی البخاری و مسلم مما حکما بصحۃ من قول النبی صلعم لماالزمتہ الطلاق ولاحنثتہ لاجماع علماء المسلمین علی صحتھما☆ ۔

﴿۴۸﴾

☆ مولوی صاحب کو عجلت اور شدت طیش وغضب شاید فرصت نہیں لینے دیتی کہ وہ اپنے بیانات کے تناقض پر غور کریں اور سوچیں کہ جو الزام وہ اپنے حریف پر لگاتے ہیں وہ خود انہیں پر لگتا ہے۔ آپ جابجا شکایت کرتے ہیں کہ

﴿۵۰﴾

اسی مضمون کے اقوال بکثرت موجود ہیں جن کی نقل سے تطویل ہوتی ہے اس کے مقابلہ میں آپ کا یہ کہنا کہ پندرہ کروڑ حنفی صحیح بخاری کو نہیں مانتے۔ یہ محض ایک عامیانہ بات ہے، عامی لوگ جن کی تعداد مردم شماری کے کاغذات سے آپ نے بتائی ہے بخاری کو نہ مانتے ہوں تو اس کا اعتبار نہیں ہے عالم حنفی تو صحیح بخاری کی صحت سے انکار نہیں کرتے۔ آپ اس دعوے میں سچے ہیں تو کم سے کم ایک عالم کا متقدمین یا متاخرین سے نام بتادیں جس نے صحیح بخاری یا صحیح مسلم کی احادیث کو غیر صحیح یا موضوع کہا ہو۔ اور آپ کا یہ کہنا کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے احادیث صحیح بخاری کو ان پر اطلاع پا کر چھوڑ دیا۔ یہ بھی ایک عامیانہ بات ہے۔ آپ یہ نہیں جانتے کہ امام اعظم صاحب کب ہوئے اور صحیح بخاری کب لکھی گئی۔ مہربانِ من امام اعظم صاحب ڈیڑھ سو سنہ ہجرت میں انتقال کر کے داخل فردوس ہوئے اور صحیح بخاری دو سو سنہ کے بعد تالیف ہوئی☆۔ صحیح بخاری امام صاحب کے وقت میں تالیف ہوتی تو امام اعظم صاحب اس کو آنکھ پر رکھ لیتے۔ امام شعرانی میزان کبریٰ کے صفحہ ۲۷ وغیرہ میں فرماتے ہیں۔ **اعتقادنا و اعتقاد کل منصف فی الامام ابی حنیفه رضی الله عنه بقرینة ما**

بقیہ حاشیہ

مرزا صاحب غیر ضروری طویل بیانات اور نقل آیات سے مضمون کو بڑھاتے ہیں حالانکہ خود بے جا اور بے محل صحیحین خصوصًا صحیح بخاری کی مدح پر خامہ فرسائی کی ہے۔ کیوں؟ اس لئے کہ اپنے عوام ہم خیالوں کو دھوکا دینے کی راہ نکالیں اور انہیں اشتعال دلائیں کہ مرزا صاحب **صحیح بخاری** کو نہیں مانتے۔ سنئے مولوی صاحب! آپ نے خود صحیحین کی صحیح قرارداده حدیث پر بلحاظ صحت ظن غالب کا لفظ اطلاق کیا ہے اور بس۔

حضرت مرزا صاحب بھی اسی کے قائل ہیں چنانچہ مضمون نمبر ۶ میں جو آخری اور قطعی مضمون ہے فرماتے ہیں۔ ”اور ہمارا مذہب تو یہی ہے کہ ہم ظن غالب کے طور پر بخاری اور مسلم کو صحیح سمجھتے ہیں۔“ اب فرمایئے نزاع کس بات کی ہے؟ فیصلہ شد۔

☆ حاشیہ

مولوی صاحب شدت بغض کی وجہ سے **وھو علیھم عمًی** کا مصداق ہو رہے ہیں! افسوس آنکھیں کھلی ہیں پر دیکھتے نہیں۔ کہاں مرزا صاحب نے بخاری کو امام صاحب کا معاصر یا اُن سے مقدم بیان کیا ہے۔ جس سے مستنبط ہوسکتا ہے کہ ان کی جامع امام صاحب کے وقت موجود تھی! ہاں یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ حدیثیں جو مجموعی طور پر جامع بخاری میں مدوّن ہیں متفرق طور پر امام صاحب کے عصر میں اور ان سے قبل بھی موجود تھیں اور یہ کہنا صحیح ہے۔ کوئی منصف مولوی صاحب سے پوچھے (ہمیں امید ہے کہ پوچھنے والے ضرور پوچھیں گے کیونکہ مولوی صاحب کی ہمہ دانی کا پردہ تو اب اور اس میدان میں پھٹا ہے۔ آگے تو اس گلستان والے بدرقہ کی طرح گھر کی چار دیوار میں پہلوان بنے بیٹھے تھے) کہ اتنی درازنفسی آپ کی کس مصرف کی ہے؟ جب اصل بناہی خام ہے تو اس پر جو متفرع ہوا سب ہی نکما اور فضول ٹھہرا۔ یہ نکتہ چینی مرزا صاحب کے کس بیان کے متعلق ہے؟ **فافھم**۔ ایڈیٹر۔

رویناہ انفا عنہ من ذم الرای والتبری منہ و من تقدیمہ النص علی القیاس انہ لو عاش حتّٰی دونت احادیث الشریعت و بعد رحیل الحفاظ فی جمعھا من البلاد والثغور و ظفر بھا لاخذ بھا و ترک کل قیاس کان قاسہ وکان القیاس قل فی مذھبہ کما قل فی مذھب غیرہ بالنسبت الیہ لکن لما کانت ادلۃ الشریعت مفرقۃ فی عصرہ مع التابعین و تابع التابعین فی المدائن و القریٰ والثغور کثر القیاس فی مذھبہ بالنسبت الی غیرہ من الائمۃ ضرورۃ لعدم وجود النص فی تلک المسائل التی قاس فیھا بخلاف غیرہ من الائمۃ فان الحفاظ قد رحلوا فی طلب الاحادیث و جمعھا فی عصرھم من المدائن والقری و دونوھا فجاوبت احادیث الشریعت بعضھا بعضا فھذاکان سبب کثرۃ القیاس فی مذھبہ و قلتہ فی مذاھب غیرہ۔ انتھٰی۔ جس کا ماحصل یہ ہے کہ کتب احادیث امام ابوحنیفہ کے بعد تالیف ہوئیں۔ امام صاحب ان احادیث کو پاتے تو ضرور قبول فرماتے۔ اور اس سے پہلے ایک جگہ فرماتے ہیں فلو ان الامام ابا حنیفۃ ظفر بحدیث من مس فرجہ فلیتوضا لاخذبھا۔ واضح رہے کہ یہ حدیث بخاری میں نہیں ہے بلکہ اس سے کم مرتبہ کتب سنن میں ہے۔ اس تحقیق سے آپ کو یہ بھی معلوم ہوگا کہ اہل حدیث کا صحیحین کو بلا وقفہ ونظر واجب العمل سمجھنا تقلید بے دلیل نہیں ہے بلکہ اس میں ان دلائل واصول کا اتباع ہے جو تصحیح حدیث میں مرعی رکھے گئے ہیں۔ اجماع مخالفین وموافقین جس کو مخالف وموافق نقل کرتے ہیں ان احادیث کی صحت پر بڑی روشن دلیل ہے آپ اجماع کے لفظ سے گھبراتے ہیں تو اس کی جگہ تلقی وتداول امت کو جو تعامل وتوارث کا ہموزن ہے قبول کریں اور یقین کے ساتھ مان لیں کہ صحیح بخاری وصحیح مسلم پر جملہ فرقہائے اہل سنت کا عمل واستدلال چلا آیا ہے اس پر جو آپ کا یہ سوال ہے کہ صحیح بخاری وصحیح مسلم مسلمانوں میں اتفاق کے ساتھ مسلم چلے آئے ہیں تو بعض علماء حنفیہ وغیرہ نے ان احادیث کا خلاف کیوں کیا اور سبھی نے ان کے مطابق کوئی مذہب کیوں اختیار نہ کرلیا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ خلاف فہم معانی میں اختلاف پر مبنی ہے یا بعض وجوہات ترجیح پر آپ کتب اصول وفروع اسلام میں نظر نہیں رکھتے آپ فتح القدیر کو جو حنفی مذہب کی مشہور کتاب ہے یا برہان شرح مواہب الرحمٰن کو جو عرب وعجم میں بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے۔ ایک دو روز مطالعہ کر کے دیکھیں کہ ان میں کس عزت وادب کے ساتھ صحیحین کی حدیثوں سے استدلال کیا گیا ہے اور جس حدیث سے اختلاف کیا ہے اس کو ضعیف سمجھ کر اختلاف کیا ہے؟ یا اس کے معانی میں اختلاف کر کے یا اور وجوہات خارجیہ سے دوسری احادیث کو ترجیح دے کر اختلاف کیا ہے؟

آپ فرماتے ہیں کہ احادیث پرکھنے کیلئے قرآن کریم سے بڑھ کر ہمارے پاس کوئی معیار نہیں۔ محدثین نے گو

﴿۵۲﴾

معیارِ صحت قوانین روایت کو ٹھہرایا ہے مگر انہوں نے اس کو کامل معیار نہیں کہا اور نہ قرآن کریم سے مستغنی کرنے والا بتایا ہے اور اس دعوے کی تائید میں متعدد تحریروں میں متعدد آیات کو ذکر کیا ہے جن میں قرآن مجید کے محامد علیہ وفواضل سنیہ مسلمہ اہل اسلام کا ذکر ہے۔

مہربانِ من محدثین کیا کوئی محقق مسلمان حنفی یا شافعی مقلد یا غیر مقلد تصحیح روایات حدیثیہ کا معیار قرآن کریم کو نہیں ٹھیراتا اور یہ نہیں کہتا کہ جب کسی حدیث کی صحت پرکھنی ہو تو اس کو قرآن کریم کی موافقت یا مخالفت سے صحیح یا غیر صحیح قرار دیں بلکہ معیار **تصحیح** وہ قوانین روایت ٹھہراتے ہیں کہ ازانجملہ کسی قدر بیان ہو چکے ہیں۔اس کی وجہ **معاذ الله ثم عیاذاً بالله** یہ نہیں کہ قرآن مجید مسلمانوں کا حکم ومہیمن نہیں یا وہ امام حبل المتین نہیں۔کوئی مسلمان جو قرآن پر اعتقاد رکھتا ہے یہ نہیں سمجھتا اور اگر کوئی ایسا سمجھے تو وہ سخت کافر ہے۔ابوجہل کا بڑا بھائی نہ چھوٹا کیونکہ ابوجہل نے تو قرآن مجید کو تسلیم ہی نہیں کیا تھا یہ کافر قرآن پر ایمان لا کر اس کو اپنا نہیں بناتا اور حکم نہیں سمجھتا۔ایسا شخص درحقیقت قرآن پر ایمان نہیں رکھتا اگر بظاہر مدعی ایمان ہو۔☆ آپ نے ناحق و بلاضرورت ان آیات قرآنیہ کو ہمارے سوال کے جواب میں پیش کیا جن میں قرآن مجید کے یہ محامد علیہ وارد ہیں اور ان کے بےضرورت نقل و بیان سے اپنے اور ہمارے اوقات کا خون کیا بلکہ توافق قرآن کو معیار صحت نہ ٹھہرائے اور اس باب میں اصول روایت کی طرف رجوع کرنے کی دو وجہ ہیں ایک وجہ یہ ہے کہ جو احادیث ان اصول روایت سے صحیح ہو چکی ہوں وہ خودبخود قرآن مجید کے موافق ہوتی ہیں اور ہرگز ہرگز وہ قرآن کے مخالف نہیں ہوتیں۔قرآن امام ہے اور وہ احادیث خادم قرآن اور اس کی وجوہات کے مفسر ومبین اور ان وجوہات معانی قرآن کے جو کم فہم و قاصر الفکر لوگوں کے خیال میں متعارض معلوم ہوتی ہیں فیصلہ کرنے والی ہیں جس حالت میں ایک حدیث صحیح دوسری حدیث صحیح کے مخالف نہیں ہوتی اور ان کی باہم تطبیق ممکن ہے۔چنانچہ امام الائمہ ابن خزیمہ سے منقول ہے۔ **لا اعرف انه روی عن النبی صلعم حدیثان باسنادین صحیحین متضادین فمن کان عندہ فلیاتینی به لأولف بینهما** تو پھر کسی حدیث صحیح کا مخالف قرآن ہونا کیونکر ممکن ہے۔جو شخص کسی حدیث صحیح کو قرآن کے مخالف سمجھتا ہے وہ نافہم ہے اور اپنی نافہمی سے حدیث کو مخالف قرآن قرار دیتا ہے۔محققین اسلام ومحدثین وفقہا ایسے نہیں ہیں کہ صحیح حدیث کو مخالف قرآن سمجھیں اس لئے ان کو تصحیح حدیث کیلئے اس امر کی ضرورت نہیں ہے کہ موافقت یا مخالفت قرآن سے اس کا امتحان کریں یہی وجہ ہے

☆**حاشیہ**۔ مولوی صاحب کے اس ایمان بالقرآن پر ٹھیک وہی پنجابی مثل صادق آتی ہے ”پنچاں دا آکھیا سر متھے تے پر پرنالہ اساں اوتھے ای رکھناں اے“۔

اس زبانی ایمان سے کیا فائدہ جب کہ عملدرآمد اس کے برخلاف ہے۔سبحان اللہ! بےشک قریب قیامت کا زمانہ ہے اور ضرور تھا

﴿۵۳﴾

کہ علماء اسلام قاطبةً حدیث کی صحت قوانین روایت سے ثابت کرتے ہیں اور بعد تسلیم صحت وحصول فراغ از تصفیہ صحت اس حدیث کے قرآن سے تطبیق کرتے ہیں وہ بھی ایسے طور پر کہ امام قرآن ہی رہے اور احادیث اس کی خادم ومفسر ومترجم وفیصلہ کنندہ وجوہ اختلاف درنظر اشخاص قاصرالانظار رہیں۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ صرف توافق مضمون کسی حدیث کا اس کی صحت کا موجب ہو تو اس سے لازم آتا ہے کہ موضوع حدیثیں اگر ان کے مضامین صادق اور قرآن کے مطابق ہوں صحیح متصور ہوں جس کا کوئی مسلمان قائل نہیں اس کے مقابلہ میں جو آپ نے کہا ہے کہ قرآن خود اپنا مفسر ہے حدیث اس کی مفسر نہیں ہوسکتی اس سے بھی آپ کی ناواقفیت اصول مسائل اسلام سے ثابت ہوتی ہے۔ قرآن مجید نے خود حدیث کو اپنا خادم ومفسر قرار دیا ہے۔ خداتعالیٰ نے قرآن مجید میں بعض احکام ایسے طور پر بیان کئے ہیں کہ وہ بلا تفصیل صاحب حدیث صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی مسلمان مخاطب قرآن کی سمجھ میں نہ آتے اور نہ وہ دستور العمل ٹھہرائے جاسکتے ایک حکم نماز ہی کو دیکھ لو قرآن میں اس کی نسبت صرف یہ ارشاد ہے- اَقیموا الصلوٰة اور کہیں اس کی تفسیر نہیں ہے کہ نماز کیونکر قائم کی جائے صاحب الحدیث آنحضرت صلعم (بابی ھو وامی) نے قولی وفعلی حدیثوں سے بتایا کہ نماز یوں پڑھی جاتی ہے تو وہ حکم قرآن سمجھ وعمل میں آیا۔ آپ کہیں گے کہ یہ کیفیت نماز تعامل سے ثابت ہے اس پر سوال کیا جائے گا کہ تعامل کب سے شروع ہوا اور جس طریق پر تعامل ہوا وہ طریق کس نے بتایا۔

بقیہ حاشیہ

کہ مسیح موعود اس وقت آتا۔ قرآن کے نام سے چڑ اور ضد پیدا ہوتی ہے وہ جو دوسروں کو قدم قدم پر بے باکی سے مشرک کہتے تھے اب خود شرک بالقرآن کی مرض میں مبتلا ہوگئے ہیں حق تو یہ تھا اور ادب کی غایت یہ تھی کہ اس جملہ کو سن کر کہ قرآن معیار احادیث کی صحت کا ہے۔ تادب قرآن کی نظر سے توقف کرتے کونسی چیز انہیں ستاتی ہے کونسی پیش بندی ان کی بغلوں میں گدگدی کرتی ہے کہ وہ انسانی ہاتھوں کی فرسودہ اور غیر معصوم کتابوں کی حمایت کی خاطر کلام اللہ شریف کے پیچھے پنجے جھاڑ کر پڑ گئے ہیں۔ واویلا! وامصیبتاہ! تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا [1] اب عامہ مقلدہ کی کیا شکایت ہے جو کہا کرتے ہیں کہ قرآن کے معنے کرنے اور صرف قرآن پر چلنے سے ایمان جاتا رہتا ہے۔ اے مولوی صاحب کاش آپ مینڈک کی طرح کنوئیں سے باہر نکل کر دنیا کے جدیدہ علوم اور مذاہب عالم اور ان کے اسلام پر اعتراضات سے واقف ہوتے تو آپ کو معلوم ہوتا کہ آپ اس اصول سے جو قرآن کو حدیث سے موخر کر رہے ہیں کیسی خرابی اسلام میں پیدا کر رہے ہیں اور اسلام کو لاجواب اعتراضات کا مورد بنا رہے ہیں حضرت وہ قرآن کریم ہے جسے ہاتھ میں لے کر ہم مذاہب باطلہ عالم کا مقابلہ کرسکتے ہیں نادان دوستوں سے خدا بچائے۔ (ایڈیٹر)

[1] مریم : ۹۱

﴿۵۴﴾ اس کے جواب میں اخیر یہی کہو گے کہ حدیث یا صاحب حدیث نے۔ دوسرا یہ سوال کہ وہ تعامل کن کن صورتوں پر ہوا ہے اتفاقی پر یا اختلافی پر۔ صرف اتفاقی صورتوں میں اس کو منحصر کرو گے تو آپ کو نماز پڑھنا مشکل ہو جائے گا۔ اختلافی صورتوں پر تعامل کا دعویٰ کرو گے تو اختلاف موجب تساقط ہوگا یا آخر اس اختلاف کا تصفیہ احادیث صحیحہ سے ہوگا جو آپس میں متوافق ہوسکتی ہیں۔ اب ہم ایک دو ایسی مثالیں پیش کرتے ہیں جن میں آپ کو تعامل کا اشتباہ نہ ہو قرآن کریم نے حرام جانوروں کو (جیسے خنزیر و منخنقه وغیرہ) حرام فرما کر ان کے ماسوا جانوروں کو حلال کر دیا ہے۔ آیت قُلْ لَّآ اَجِدُ فِیْ مَآ اُوْحِیَ اِلَیَّ مُحَرَّمًا عَلٰی طَاعِمٍ یَّطْعَمُهٗۤ اِلَّاۤ اَنْ یَّکُوْنَ مَیْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا [۱] الایة. هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَکُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا [۲] ملاحظہ ہوں۔

اور بعض جانوروں کی حرمت کا بیان اپنے خادم حدیث یا صاحب الحدیث صلعم کے حوالہ کر دیا۔ وبناء علیه اس نے ظاہر کر دیا کہ علاوہ ان جانوروں کے جن کی حرمت کا بیان قرآن میں ہے گدھا اور درندے حرام ہیں۔ اب فرمائیے اس حکم گدھے اور درندوں کی حرمت کی تفسیر قرآن کریم نے خود کہاں فرمائی ہے اس پر وقوع تعامل کا بھی آپ دعویٰ نہیں کر سکتے گدھے وغیرہ درندوں کی حرمت کا اعتقاد یا اس کے استعمال کا ترک کوئی عمل نہیں ہے جس پر تعامل کا ادعا ہو سکے حدیث کو یہ خدمت تفسیر و فیصلہ وجوہات قرآن کریم نے خود عطا فرمائی ہے اور صاحب الحدیث صلعم نے بھی اپنے کلام میں جس کو حدیث کہا جاتا ہے اس خدمت کے عطا ہونے کا اظہار کیا ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے۔ وَمَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰکُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا [۳] اس مضمون کی آیات قرآن میں اور بہت ہیں مگر ہم آپ کی طرح ان سب کو شمار کر کے تطویل کلام نہیں کرنا چاہتے۔ ☆ یعنی اے مسلمانو! جو کچھ

☆ حاشیہ: مولوی صاحب آیتیں نہیں لکھتے تطویل کلام سے ڈرتے ہیں مگر حدیثیں اتنی گن دی ہیں اور ان پر تفریعات اس قدر کی ہیں کہ مبصر اور کلام پر محل کا شیفتہ ملول ہو جاتا ہے۔ اللہ اللہ! من ضحک ضحک خدا جانے ہمارے شیخ صاحب کی دانش کو کیا ہو گیا ہے کوئی ان سے پوچھے اس قدر نقل اقوال سے آپ کا مدعا کیا ہے کیا یہ سب حدیثیں تعامل کے سلسلہ کی نہیں ہیں؟ اور یہ سب اقوال مرزا صاحب کی تقسیم احادیث کی مؤید نہیں؟ مولوی صاحب آپ کا سرمایہ علمی یہی نقل اقوال ہے اگر اقوال آپ کے مضمون سے کوئی نکال لے تو غالباً آپ کا طبع زاد اصلی مضمون چند سطریں رہ جاوے۔ فضول گوئی سے باز آئیے اور سچے ولی اللہ کے حضور میں (جسے آپ پہلے بصدق دل مان چکے ہیں) زانوئے استفاضہ واستفادہ ٹیک کر بیٹھئے۔ انصاف سے دیکھئے کیا وسیع مضمون لکھا ہے اور اللہ تعالیٰ کی تعلیم و تفہیم سے لکھا ہے نہ یہ کہ زید وعمر کی کتابوں اور بہماں وفلاں کے اقوال سے اپنے مضمون کو بے قدر کیا ہو۔ اس مجدد کا سرمایہ اور گل سرسبد فرقان حمید اور قرآن مجید ہے وہ اسی سے لیتا ہے اور اسی سے لے کر دیتا ہے وہ ان علموں کو جن پر آپ ایسے لوگوں کو ناز ہے اور جن کا دوسرا نام نقل اقوال علماء ہے حقارت سے دیکھتا ہے اور فرماتا ہے۔ علم آں بود کہ نور فراست رفیق اوست۔ ایں علم تیرہ را بہ پشیزے نمے خرم۔ ایڈیٹر

---

[۱] الانعام:۱۴۶ [۲] البقرة: ۳۰ [۳] الحشر:۸

﴿۵۵﴾

رسولؐ صلی اللہ علیہ وسلم تم کو دے۔قرآن ہو خواہ وحی غیر متلو حدیث وہ لے لو اور جس سے روکے یعنی جو حکم کسی چیز کے عدم استعمال کی نسبت دے گو وہ حکم قرآن میں نہ ہو اس سے رک جاؤ۔ اس ارشاد قرآن کی ہدایت و شہادت سے حضرت ابن مسعود نے وشم (جسم کو گودنے) پر لعنت کی وعید کو جو صرف حدیث میں وارد ہے قرآن میں داخل قرار دیا۔ اس پر ایک عورت اُمّ یعقوب نے اعتراض کیا کہ یہ لعنت قرآن کریم میں کہیں نہیں ہے تو انہوں نے جواب دیا کہ جس حالت میں لعنت حدیث میں وارد ہے تو بحکم آیت وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ [1] یہ قرآن کریم میں وارد ہے۔ چنانچہ صحیح مسلم میں ہے۔ عن عبدالله قال لعن الله الواشمات والمستوشمات [2] والمتنمصات و المتفلجات للحسن المغيرات لخلق الله قال فبلغ ذٰلک امرأة من بنی اسد يقال لها ام يعقوب وكانت تقرأ القراٰن فاتته فقالت ماحديث بلغنی عنک انک لعنت الواشمات والمستوشمات [2] والمتنمصات والمتفلجات للحسن المغيرات لخلق الله. فقالؔ عبدالله ومالی لا العن من لعن رسول الله صلى الله عليه و سلم وهو فی كتاب الله عزوجل فقالت امرأة لقد قرات مابين لوحی المصحف فماوجدته فقال لئن كنت قرأته لقد وجدته قال الله عزّوجل وما اتاكم الرسول فخذوه ومانهاكم عنه فانتهوا ۔ جناب صاحب الحدیث صلعم نے اسی ارشاد قرآنی کے موافق ارشاد کیا ہے وعن المقداد ابن معديكرب قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم الا انی اوتيت القراٰن ومثله معه الايوشک رجل شبعان علٰی اريكته يقول عليكم بهذا القران فماوجدتم فيه من حلال فاحلوه وماوجدتم فيه من حرام فحرموه وانما حرم رسول الله صلى الله عليه و سلم كما حرم الله الا لايحل لكم الحمار الاهلی ولا كل ذی ناب من السباع ولا لقطة معاهد الا ان يستغنی عنها صاحبها ومن نزل بقوم فعليهم ان يقروه فان لم يقروه فله ان يعقبهم بمثل قراه رواه ابوداؤد ۔طیبی نے شرح مشکوٰۃ میں کہا ہے فی هذا الحديث توبيخ و تقريع ينشأ من غضب عظيم على من ترک السنة وما عمل بالحديث استغناء عنها بالكتٰب ۔ اس حدیث کو دارمی نے بھی نقل کیا ہے اور اس سے یہ مسئلہ استنباط کیا ہے السنة قاضية على كتاب اللّٰه ۔ یعنی حدیث ان وجوہات اختلافات قرآن کا فیصلہ کرنے والی ہے جو کتاب کے معانی مختلفہ سے لوگوں کے خیال میں آتے ہیں پھر امام یحیٰی ابن ابی کثیر سے نقل کیا ہے قال السنة قاضية على القراٰن وليس القراٰن بقاضٍ على السنة یعنی حدیث قرآن کے وجوہات اختلافات کا فیصلہ کرنے والی ہے اور قرآن ایسا نہیں کرتا کہ وہ حدیث کے وجوہ اختلاف کا فیصلہ کرے یعنی اس لئے کہ خدمت خادم کا کام ہے نہ مخدوم کا۔ اور دارمی نے حسانؓ

[1] الحشر:۸ [2] متن میں حدیث کے یہ الفاظ سہواً کتابت ہونے سے رہ گئے ہیں۔ ناشر

﴿۵۶﴾

سے نقل کیا ہے۔ قال کان جبرئیل ینزل علی النبی صلعم بالسنة کماینزل علیه بالقراٰن یعنی حضرت جبرئیل جیسا کہ آنحضرت صلعم پر قرآن اتارتے ویسے ہی حدیث اور سعید بن جبیرؓ سے نقل کیا ہے انه حدث یوما بحدیث عن النبی صلعم فقال رجل فی کتاب الله مایخالف هٰذا' قال لا ارانی احدثک عن رسول الله صلعم و تعرض فیه بکتاب الله کان رسول الله صلعم اعلم بکتاب اللّٰه منک۔

امام شعرانی نے منهج المبین میں کہا ہے اجتمعت الاُمّة علی ان السنة قاضیة علی کتاب الله۔ ان ہدایات قرآنی واقوال نبوی وآثار سلف کے مقابلہ جو حدیث آپ نے تفسیر حسینی سے نقل کی ہے وہ قابل اعتبار نہیں ہے وہ حدیث زندیقوں یعنے چھپے...... مرتدوں کی بنائی ہوئی ہے اور اگر اس حدیث کو بطور فرض محال صحیح فرض کرلیا جائے تو وہ خود اپنے مضمون کے مکذب ومبطل ہے۔ ہم اس حدیث کے رو سے پہلے اسی کو قرآن پر پیش کرتے ہیں تو بحکم آیت و مااٰتاکم الرسول وغیرہ اس کو موضوع پاتے ہیں یہ بات میں صرف اپنی رائے سے نہیں کہتا بلکہ ائمہ محدثین وفقہاءِ اصولیین کی کتابوں میں پاتا ہوں۔

کتاب تلویح میں ہے وقد طعن فیه المحدثون بان فی روایة یزید بن ربیعة وهو مجهول۔ وترک فی اسناده واسطة بین الاسعث وثوبان فیکون منقطعا۔ وذکر یحي بن معین انه حدیث وضعته الزنادقة۔ مولانا بحر العلوم نے شرح مسلّم الثبوت میں فرمایا ہے قال صاحب سفر السعادت انه من اشدّالموضوعات۔ قال الشیخ بن حجر العسقلانی قدجاء بطرق لاتخلوعن المقال وقال بعضهم قد وضعته الزنادقة وایضا هو مخالف لقوله تعالٰی مااٰتاکم الرسول فخذوه فصحت هذا الحدیث لیستلزم وضعه ورده فهو ضعیف مردود۔

ابن طاہر حنفی صاحب مجمع البحار تذکرہ میں فرماتے ہیں وما اورده الاصولیون فی قوله اذا روی عنی حدیث فاعرضوه علی کتاب الله فان وافقه فاقبلوه وان خالفه ردوه قال الخطابی وضعته الزنادقة ویدفعه حدیث انی اوتیت الکتب وما یعدله ویروی ومثله وکذاقال الصغانی وهو کما قال انتهٰی۔ قاضی محمد بن علی الشوکانی فواید مجموعہ میں فرماتے ہیں۔ حدیث اذاروی عنی حدیث فاعرضوه علی کتاب الله فاذا وافقه فاقبلوه وان خالفه فردوه ۔ قال الخطابی وضعته الزنادقة ویدفعه انی اوتیت القراٰن ومثله معه وکذا قال الصغانی قلت وقد سبقهما الی نسبته الی الزنادقة ابن

﴿۵۷﴾

معیّن کماحکاہ الذھبی علی ان فی ھذاالحدیث الموضوع نفسہ مایدل علی ردہ لانا اذا عرضناہ علی کتاب اللہ خالفہ ففی کتاب اللہ عزوجل ما اتاکم الرسول فخذوہ ومانھاکم عنہ فانتھوا ۔ ونحوہ من الایات انتہٰی۔ اور جو حدیث حارث اعور آپ نے پیش کی ہے وہ بھی اولاً صحیح نہیں جس کتاب مشکوٰۃ سے آپ نے وہ حدیث نقل کی ہے اس میں اس کا جرح موجود ہے جس کو آپ نے سرقہ وخیانت سے نقل نہیں کیا اس میں منقول ہے۔ قال الترمذی ھذا حدیث اسنادہ مجھول و فی الحارث مقال ۔ ایسا ہی تقریب التھذیب میں حارث اعور کو مجہول کہا ہے اور اس حارث کا حال ہم کتب اسماء الرجال سے بہ تفصیل نقل کریں تو ایک دفتر ہو جائے۔ یہ اعور بھی ایک دجال تھا اور اگر بطور فرض محال اس حدیث کو صحیح تسلیم کرلیں تو اس کے وہ معنی نہیں جو آپ نے بطور تحریف کئے ہیں بلکہ اس کے معنے یہ ہیں کہ لوگ دلائل شرعیہ یعنی قرآن وحدیث کو چھوڑ کر محض رائے والی باتوں میں خوض کریں تو اس فتنہ سے نجات قرآن سے متصور ہے اور احادیث وآثار سابقہ سے ظاہر ہو چکا ہے کہ حدیث بھی مثل قرآن ہے۔ بناءً علیہ اس حدیث کے یہ معنے ہوں گے کہ اس فتنہ سے نجات قرآن وحدیث دونوں کی اتباع سے متصور ہے نہ یہ کہ حدیث نبوی فتنہ ہے اور اس سے نجات مطلوب ہے۔ آپ نے اس حدیث کے ترجمہ میں لفظ احادیث کا ترجمہ لفظ حدیثوں سے کیا اور مسلمانوں کو پورا دھوکہ دیا روئے زمین میں ایسا کوئی مسلمان نہ ہوگا جو اس کلام میں احادیث سے نبوی حدیثیں مراد لیتا ہو۔ یہاں احادیث سے لوگوں کی باتیں مراد ہیں جو اس کے لغوی معنے ہیں اور بہت سی احادیث نبویہ میں یہ لغوی معنے پائے جاتے ہیں ایک حدیث میں ہے ایاک والظن فان الظن اکذب الحدیث ۔ ایک حدیث میں ذکر ہے کفابالمرء کذبًا ان یحدث بکل ماسمع یہاں بھی حدیث سے بات کرنا مراد ہے جس حدیث میں بوقت قضاء حاجت دو شخصوں کی آپس میں باتیں کرنے سے ممانعت وارد ہے اس حدیث میں بھی لفظ یحدثان بولا گیا ہے کیا ان سب احادیث میں حدیث سے حدیث نبوی کی تحدیث مراد ہے۔ ہرگز نہیں۔ آپ نے اس حدیث اعور کے معنے میں تحریف کرنے کے وقت یہ غور نہ کیا کہ حدیث کے لغوی معنے کیا ہیں یا کہ دیدہ دانستہ لوگوں کو دھوکہ دیا۔ حضرت عمرؓ کے قول حسبنا کتاب اللہ سے جو آپ نے تمسک کیا ہے اس سے یہ مقصود نہیں کہ احادیث صحیح مسلّم الصحۃ والثبوت کو چھوڑ کر کتاب اللہ کو کافی سمجھنا چاہئے بلکہ اس کے معنے یہ ہیں کہ جہاں ہمارے پاس سنت صحیحہ نبویہ سے کوئی تفصیل نہ ہو وہاں قرآن کریم کو کافی سمجھیں گے کیونکہ اس صورت میں یہ امر ناممکن ہے کہ قرآن کریم میں اس کا بیان کافی نہ ہوا ہو۔ قرآن میں اس کا بیان نہ ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث میں ضرور اس کی تفصیل پائی جاتی اس پر روشن دلیل جس سے کوئی مسلمان انکار نہ کرے یہ ہے

﴿۵۸﴾ کہ حضرت عمر فاروق نے اپنی تمام عمر میں اپنے سے چھوٹے رتبہ کے لوگوں کی روایات کو قبول کیا ہے اور ان روایات سے مستغنی ہو کر عمل کتاب اللہ کو کافی نہیں سمجھا اس کی تفصیل ہمارے ضمیمہ جات ۱۸۷۸ء سے بخوبی ہو چکی اس مقام میں اس کی چند مثالیں ذکر کی جاتی ہیں۔

(۱) قرآن مجید سے بیٹی کی وراثت کا یہ حکم بیان ہوا ہے کہ کسی شخص کی ایک بیٹی ہو تو وہ نصف مال کی وارث ہے اس حکم قرآنی کے مفسر یا یوں کہیں کہ مخصص آنخضرت کی یہ احادیث ہیں گروہ انبیاء کا کوئی وارث نہیں ہوتا جس کے دستاویز سے حضرت صدیق اکبر نے حضرت فاطمہ زہرا کو آنخضرت کے خالص مال سے ورثہ نہ دیا باوجودیکہ انہوں نے مطالبہ بھی کیا اور آنخضرت صلعم نے بیٹی بیٹے وغیرہ وارثوں کو اس حالت میں محروم الارث ٹھہرایا ہے جب کہ وہ اپنے مورث کو قتل کر دیں یا وارث و مورث کے مذہب میں اختلاف ہو جاوے۔ حضرت عمر فاروق نے ان احادیث کو قبول فرمایا اور ان پر عمل کیا اور ان احادیث سے مستغنی ہو کر آیت میراث کے عمل پر اکتفا نہ کیا۔

(۲) قرآن مجید میں ان عورتوں کو جن کا نکاح مرد پر حرام ہے شمار کر کے فرمایا ہے اُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ [1] یعنی ان عورتوں کے سوا جن کا حکم حرمت نکاح قرآن میں بیان ہوا ہے سب عورتیں تم پر حلال ہیں اس حکم قرآن کی تفسیر یا یوں کہیں کہ تخصیص میں آنخضرت کا یہ ارشاد ہے کہ جورو کی خالہ اور پھوپھی جورو کے نکاح میں ہونے کی حالت میں نکاح میں نہ لائی جاوے چنانچہ فرمایا ہے **لا تنكح المرأة على عمتها و لا خالتها** آنخضرت کے جملہ اصحاب نے جن میں حضرت عمرؓ بھی داخل و شامل ہیں اس حدیث نبوی کو قبول فرمایا ہے اور اس کو مخالف قرآن سمجھ کر اس کے عمل سے استغنا اور عمل قرآن پر اکتفا نہیں کیا۔

فاضل قندھاری نے کتاب **مغتنم الحصول** میں کہا ہے **ان الصحابة خصّصوا واحل لكم ما وراء ذالكم و لا تنكح المرأة على عمتها و لا على خالتها ويوصيكم الله فى اولادكم ولايرث القاتل ولايتوارثان اهل الملتين ونحن معشر الانبياء لا نرث ولا نورث۔**

(۳) حضرت عمر فاروق نے ایک بادیہ نشین راوی کی اس حدیث کو قبول فرمایا جس میں بیان ہے کہ آنخضرت صلعم نے ایک عورت کو اس کے خاوند کی دیت کا وارث کیا باوجودیکہ قرآن مجید اس عورت کو دیت کا وارث نہیں بناتا کیونکہ وہ دیت بعد موت شوہر کا مال ہوتا ہے اور عورت بعد موت شوہر اس کی عورت نہیں رہتی **وبناءً عليه** حضرت عمر فاروق کی رائے یہ تھی کہ وہ عورت اس مال سے وراثت کی مستحق نہیں مگر جب آپ کو حدیث مذکور معلوم ہوئی تو اپنی رائے کو چھوڑ دیا اور حدیث کو قبول فرمایا۔ **كان عمر بن الخطاب يقول الدية على العاقلة ولا ترث المرأة من دية زوجها شيئًا حتى قال له الضحّاك بن سفيان**

[1] النساء: ۲۵

کتبؐ الی رسول اللہ صلعم ان ورث امرأۃ اشیم الضبابی من دیۃ زوجھا فرجع عمر رواہ الترمذی وابوداؤد۔

(۴) دیت جنین کی حدیث کو دو شخصوں کی روایت وشہادت سے آپ نے قبول کیا اور اس بات میں قرآن کریم کے حکم قصاص پر اکتفا نہ فرمایا۔ عن ھشام عن ابیہ ان عمر بن الخطاب نشد الناس من سمع النبیؐ قضی فی السقط فقال المغیرۃ انا سمعتہ قضی فی السقط بغرۃ عبدا و امۃ قال ائت من یشھد معک علی ھذا فقال محمد بن مسلمۃ انا اشھد علی النبی صلعم بمثل ھذا رواہ البخاری صفحہ ۱۰۲۰۔

وزاد ابوداؤد فقال عمر بن الخطاب اللہ اکبر لولم اسمع بھذا لقضینا بغیرھذا۔

(۵) سب ہی انگلیوں کے خون بہا کے برابر ہونے کی حدیث آپ نے قبول فرمائی باوجودیکہ آپ کی رائے اس میں یہ تھی کہ چھوٹی انگلی اور اس کے ساتھ والی کی دیت نو [۹] اونٹ ہونا چاہئے۔ بیچ والی اور اس کے ساتھ والی سبابہ کے بارہ [۱۲] اونٹ۔ انگوٹھے کے پندرہ [۱۵] اونٹ جو بظاہر ان کی مختلف قوتوں اور مقداروں کی نظر سے انصاف و عدل معلوم ہوتی ہے جس کا قرآن میں حکم ہے مگر آپ نے حدیث سنی تو قبول فرمائی اور قرآن سے اس کے مطابق کرنے کی کچھ پرواہ نہ کی صحیح بخاری صفحہ ۱۰۱۸ میں ہے۔ عن النبی صلعم قال ھذہ وھذہ یعنی الخنصر والابھام سواء اور مسلّم الثبوت کی شرح فواتح الرحموت میں ہے وترک عمر رأیہ فی دیۃ اصابع وکان رأیہ فی الخنصر والبنصر تسعًا وفی الوسطیٰ وفی المسبحۃ اثنا عشرو فی الابھام خمسۃ عشر کل ذٰلک فی التیسیر قال الشارح وکذا ذکر غیرہ والذی فی روایتہ البیھقی انہ کان یری فی المسبحۃ اثنا عشرو فی الوسطی ثلث عشر بخبر عمر بن حزم فی کل اصبع عشر من الابل ۔اس مضمون کی اور بہت مثالیں ہیں مگر ہم آپ کی طرح تطویل پسند نہیں کرتے۔ ان امثلہ کو دیکھ کر کس وناکس بشرطیکہ ادنیٰ فہم وانصاف رکھتا ہو ہرگز نہ کہے گا کہ حضرت عمر نے جو فرمایا ہے کہ ہم کو کتاب اللہ کافی ہے اس سے مراد یہ ہے کہ حدیث نبوی کی ہم کو حاجت نہیں اور قرآن اس کی جگہ کافی ہے۔ اور نہ یہ مراد ہے کہ جب تک کسی حدیث کی شہادت قرآن میں نہ پائی جاوے وہ لائق قبول نہیں بلکہ اس سے مراد صرف وہی ہے جو ہم نے بیان کی کہ جس مسئلہ میں سنت صحیحہ سے کوئی تفصیل نہ ہو وہاں قرآن کریم کافی ہے اس قول فاروقی کے مورد کو دیکھا جائے تو اس سے بھی یہی معنے سمجھ میں آتے ہیں۔ مگر اس کی بحث وتفصیل میں تطویل ہوتی ہے کیونکہ اس میں شیعہ سنیوں کے باہمی اختلاف کو جو اس قول کی نسبت ان میں پایا جاتا ہے ذکر کرنا پڑتا ہے جس سے بحث مقصود سے خروج لازم آتا ہے۔ امکان تضعیف وتوہین حدیث صحیحین پر آپ نے ایک یہ دلیل پیش کی ہے کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے۔

﴿۶۰﴾

جب کوئی فاسق تمہارے پاس خبر لاوے تو تم اس کی تفتیش کرو۔ یہ دلیل بھی آپ کی ناواقفی پر ایک دلیل ہے۔ احادیث صحیحین کے راوی تہمت فسق سے بری ہیں اور ان کی عدالت ثابت و محقق ہو چکی ہے۔ اس نظر سے ان کتابوں کی احادیث اتفاق اہل اسلام کے ساتھ صحیح تسلیم کی گئی ہیں۔ امام ابن حجر مقدمہ فتح الباری میں فرماتے ہیں۔ ینبغی لکل منصف ان یعلم ان تخرج صاحب الصحیح لای راوی کان مفض لعدالته عنده و صحة ضبطه و عدم غفلته و لا سیما الی ذلک من اطلاق جمهور الائمة علی تسمیة الکتابین بالانصاف بالصحیحین و هذا المعنیٰ لم یحصل بغیر من خرج عنه فی الصحیحین فهو نهایة اطباق الجمهور علی تعدیل من ذکر فیهما هذا اذا اخرج له فی الاصول فاما ان اخرج فی المتابعات و الشواهد و التعالیق فهذا یتفاوت درجات من اخرج له فی الضبط و غیره مع حصول اسم الصد ق لهم و حینئذٍ اذا وجد نالغیره فی احدمنهم طعنا فذالک الطعن مقابل للتعدیل لهذا الامام فلا یقبل الامبین السبب مفتقرا بقادح یقدح فی عدالة هذا الراوی و فی ضبطه مطلقا او فی ضبطه الخبر بعینه لان الاسباب الحاملة للا ئمة علی الجرح متفاوتة منهاما یقدح و منها ما لایقدح وقد کان الشیخ ابوالحسن المقدسی یقول فی الرجل الذی یخرج عنه فی الصحیح هذا جاز القنطرة یعنی بذالک انه لایلتفت الی ماقیل فیه قال الشیخ ابو الفتح القشیری فی مختصره وھٰکذا معتقد و به اقول و لا یخرج عنه الالحجة ظاهرة و بیان شاف یزید فی غلبة الظن علی المعنی الذی قدمناه من اتفاق الناس بعد الشیخین علی تسمیة کتابیهما بالصحیحین و من لوازم ذٰلک تعدیل رواتها قلت فلا یقبل الطعن فی احدمنهم الابقادح واضح۔ اس کے مقابلہ میں جو آپ نے لکھا ہے کہ امکانی طور پر صدور کذب وغیرہ ذنوب ہر ایک سے بجز نبی کے ممکن الوقوع ہے یہ آپ کی ناواقفی پر ایک اور دلیل ہے آپ یہ نہیں جانتے کہ روایت اور شہادت کا حکم ایک ہے جس میں فعلی صدور کذب مانع قبول و اعتبار ہے نہ امکانی اور اگر امکانی کذب بھی مانع قبول و اعتبار ہوتا تو خدا تعالیٰ کسی گواہ کی شہادت بجز نبی معصوم قبول نہ کرتا اور نہ عدالت شہود کا نام لیتا اور مسلمانوں کو یہ اجازت نہ دیتا وَاَشْهِدُوْا ذَوَیْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ [1] یعنی دو گواہ عادل گواہ بناؤ اور نہ فرماتا مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ [2] یعنی ان لوگوں کو گواہ بناؤ جن کو پسند کرو۔ یعنی بلحاظ عدل ان کے و استقامت کے اچھا سمجھو بلکہ صاف یہ فرمایا کہ ہر معاملہ میں نبی معصوم کو گواہ کر لیا کرو کیونکہ امکان کذب وغیرہ ذنوب بقول آپ کے بجز نبی معصوم کے ہر ایک گواہ میں موجود ہیں اور امید ہے کہ بات آپ بھی نہ کہیں گے کہ امکان کذب کی نظر سے شہادت بجز نبی معصوم کسی کی مقبول نہیں۔

[1] الطلاق:۳ [2] البقرة : ۲۸۳

﴿۶۱﴾ پھر اس امکان کذب کی نظر سے روایت احادیث کیوں نا قابل اعتبار ٹھہراتے ہیں۔ آپ کے ایسے دلائل واقاویل سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو فن حدیث کے کوچہ سے بالکل ناآشنائی ہے۔ آپ کو کتب حدیث پر اتفاقی نظر بھی نہیں پڑی۔ صحیح مسلم کا چھٹا صفحہ اگر آپ کی نظر سے گذرا ہوا ہوتا تو آپ ہرگز اس آیت سے اپنے دعوے پر استدلال نہ کرتے۔ یہ آیت تو اس امر کی دلیل ہے کہ جب راویوں یا ناقلوں کے ظاہری صدق وعدالت کا حال معلوم نہ ہو تو ان کو بلاتحقیق قبول نہ کرو۔ نہ یہ کہ جن کا صدق وعدالت تم کو ثابت ہو ان کو نقل روایت میں اس خیال سے کہ ان سے صدور کذب ممکن ہے بلاتحقیق جدید نہ مانو۔

صحیح مسلم صفحہ ۶ میں ہے و اعلم وفقک اللہ ان الواجب علی کل احد عرف التمیز بین صحیح الروایات و سقیمها و ثقات ناقلین لها من المتهمین ان لایروی منها الا ماعرف صحة مخارجه والستارة فی ناقلیه وان یتقٰی منها ماکان منها عن اهل التهم والمعاندین من اهل البدع والدلیل علی ان الذی قلنا من هذا هو اللازم دون ما خالفه قول اللہ تبارک و تعالٰی ذکره یاایها الذین اٰمنوا ان جاء کم فاسق بنبأ فتبینوا ان تصیبوا قوما بجهالة فتصبحوا علی مافعلتم نادمین وقال جل ثناء ه ممن ترضون من الشهداء وقال واشهدوا ذوی عدل منکم مدل بماذکرنا من هذه الأیِ ان خبر الفاسق ساقط نجر مقبول و ان شهادة غیر العدل مردودة والخبر وان فارق معناه معنی الشهادة فی بعض الوجوه فقد یجتمعان فی اعظم معنیهما اذکان خبر الفاسق غیر مقبول عند اهل العلم کما ان شهادته مردودة عند جمیعهم میرے اس سوال کے جواب میں کہ قرآن مجید کو احادیث صحیحہ کا معیار صحت ٹھہرانے میں آپ کا کوئی شخص امام یا موافق ہے جو آپ نے فرمایا ہے کہ تمام مسلمان جو قرآن کو امام جانتے ہیں اور اس پر ایمان رکھتے ہیں اس مسئلہ میں میرے موافق ہیں۔ اور خاص کر صاحب تفسیر حسینی یا شیخ محمد اسلم طوسی میرا موافق ہے جنہوں نے آنحضرت کے اس حکم سے کہ جو کچھ مجھ سے روایت کرو اسے کتاب اللہ پر عرض کرو حدیث من ترک الصلٰوۃ متعمدا فقد کفر کو قرآن پر عرض کیا اور تیس سال کے بعد اس کو آیت اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ [1] کے مطابق پایا۔ تو اس حدیث کو قبول کیا۔

اس کے پہلے حصہ کا جواب تو سابقاً گذر چکا ہے کہ مسلمانوں کا قرآن کو امام ماننا اور اس پر ایمان لانا یہ نہیں چاہتا کہ وہ کوئی حدیث صحیح جب تک کہ اس کو قرآن پر عرض نہ کریں قبول نہ کریں بلکہ وہ ایمان ان کو یہ سکھلاتا ہے کہ وہ حدیث کو جب اس کی صحت بقوانین روایت ثابت ہو فوراً قبول کریں اور اس کو قرآن مجید کی مانند

[1] الروم: ۳۲

﴿۶۲﴾

واجب العمل سمجھیں صرف قرآن مجید کو کافی سمجھ کر☆ اس حدیث سے استغنا نہ کریں۔ رہا جواب دوسرے حصہ کا کہ صاحب تفسیر حسینی یا شیخ محمد اسلم طوسی نے آپکے اعتقاد کے موافق عمل کیا ہے اور حدیث **من ترک الصلوٰۃ متعمدا** کو قبول نہ کیا جب تک کہ اس کو آیت **اقیموا الصلوٰۃ** کے مطابق وموافق نہ پایا۔ سو اسکا جواب یہ ہے کہ کلام صاحب حسینی یا شیخ محمد اسلم طوسی کا مطلب بیان کرنے میں آپ نے دو وجہ سے دھوکا کھایا یا دیدہ ودانستہ مسلمانوں کو دھوکہ دینا چاہا ہے وجہ اول یہ کہ صاحب تفسیر حسینی یا شیخ محمد اسلم طوسی نے آپ کی مانند یہ عام اصول نہیں ٹھہرایا کہ احادیث صحیحہ مسلم الصحت کی صحت ثابت ہو جانے کے بعد اس کی صحت کا امتحان اس اصول سے کیا جائے اور جب تک وہ حدیث مطابق قرآن نہ ہو اس کو صحیح نہ سمجھنا چاہئے ان کے کلام میں اس عام اصول کا نام ونشان بھی نہیں ہے اور نہ آپ نے یہ عام اصول ان سے نقل کیا ہے انہوں نے صرف ایک حدیث **من ترک الصلوٰۃ** کو کتاب اللہ پر عرض کیا اور اگر اس حدیث کے سوا اور احادیث کو بھی انہوں نے اسی غرض کے ذریعہ سے صحیح قرار دیا ہے تو آپ یہ امر ان سے بہ نقل صحیح ثابت کریں ورنہ آپ پر یہ الزام قائم ہے کہ آپ جزئی واقع کو عام اصول بناتے ہیں اور خود دھوکہ کھاتے اور مسلمانوں کو دکھ دیتے ہیں اس پر اگر یہ سوال کرو کہ ان کے نزدیک یہ اصول تصحیح روایات عام مقرر نہ تھا تو انہوں نے اس حدیث

☆ حاشیہ

اس گستاخی اور شوخی کی بھی کوئی حد ہے! اے اہل ایمان اے عاشقان کلام پاک رحمان تمہارے بدنوں پر رونگٹے نہیں کھڑے ہوتے تمہارے کلیجے دہل نہیں جاتے! کیسا اندھیر پڑ گیا! قرآن کریم کو ناکافی غیر مکمل اور ناقابل حکومت کہا جاتا ہے۔ وہ کتاب جس نے علانیہ دعویٰ کیا ہے کہ میں کامل مہیمن اور تمام صداقتوں اور تمام دینی ضرورتوں کی حاوی و جامع کتاب ہوں۔ اور میں حکومت اور فیصلہ کرنے والی ہوں شرارت دیکھو اسے ناکافی کہا جاتا ہے! کوئی اس بے باک گروہ سے پوچھے کہ اگر قرآن کو کسی تکملہ۔ تتمہ۔ ذیل۔ مستدرک اور ضمیمہ کی ضرورت تھی تو کیوں صاحب الوحی مہبط القرآن علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں ان کے حکم سے قرآن کے علاوہ اوران کے ملفوظات کی کتابت وتدوین کا شدید اور اکید اہتمام نہ کیا گیا کیوں بالصراحت آپ نے نہ کہہ دیا کہ قرآن (معاذ اللہ) مجمل وناکافی ہے۔ حدیثیں ضرور ضرور لکھ لیا کرو۔ ورنہ قرآن ادھورا ناقص اور بے معنے رہ جائے گا۔ اللہ اللہ! قرآن کا تو وہ اہتمام ہو کہ بمجرد آیت کے نزول کے کاتب تیار بیٹھے ہوں اور ہڈیوں اور رقّ وغیرہ پر جھٹ پٹ لکھ لیں اور احادیث کے اہتمام کی کسی کو پرواہ نہ ہو۔ افسوس جس امر کا دعویٰ تحدی خود صاحب الحدیث نے نہیں کیا آپ لوگ اس سے بڑھ کر کیوں قدم مارتے ہیں قرآن کریم کی نسبت بے شک دعویٰ کیا گیا ہے وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا[۱] احادیث کی نسبت یہ تحدی اور دعویٰ کہاں کیا گیا ہے۔ فتدبر۔ ایڈیٹر

[۱] النساء: ۸۳

﴿۶۳﴾

مَنْ ترک الصلٰوۃ کو قرآن پر کیوں عرض کیا تو جواب یہ ہے کہ اس حدیث کی صحت معنے میں ان کو کچھ شک ہوگا☆ اس شک کو رفع کرنے کی غرض سے انہوں نے یہ عمل کیا یا یہ کہ باوجود تسلیم صحت وعدم شک انہوں نے حصول مزید طمانیت کیلئے ایسا کیا اور اس حدیث کے اعتقاد کو اور پختہ کیا۔ اس کے جواب میں اگر یہ کہو کہ اس مسئلہ کا عام اصول ہونا خود اس حدیث کے الفاظ سے ثابت ہے اس صورت میں یہ اصول گویا آنخضرت کا مجوزہ اصول ہوا تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث کا آنخضرت سے ثابت نہ ہونا بلکہ زندیقوں۞ چھپے کافروں کی بناوٹ ہونا سابقاً بخوبی ثابت ہو چکا ہے لہٰذا اس مسئلہ کا بحکم نبوی عام اصول ہونا ثابت نہیں ہوسکتا۔ دوسری وجہ یہ کہ صاحب تفسیر حسینی یا شیخ محمد اسلم طوسی کے کلام میں یہ تصریح نہیں ہے کہ جب تک شیخ طوسی نے اس حدیث کو آیت اقیموا الصلٰوۃ کے موافق نہ کر لیا تھا تب تک اس کو غیر صحیح یا وضعی سمجھا تھا۔ یا تیس سال کے عرصہ تک اس حدیث کی صحت یا عدم صحت کی نسبت کوئی فیصلہ نہ کیا تھا کیوں جائز نہیں کہ وہ اس حدیث کو مان چکے تھے مگر مزید اطمینان کیلئے وہ تیس برس تک قرآن مجید سے اس کا موافق ہونا تلاش کرتے رہے آپ سچے ہیں تو اس احتمال کو دلیل سے اٹھاویں اور بہ نقل صریح ثابت کریں کہ شیخ طوسی تیس سال تک اس حدیث کو غیر صحیح یا موضوع سمجھتے رہے یا اس کی صحت میں متردد و متوقف رہے۔ اس احتمال کو بدلائل اٹھا کر اس امر کو بہ نقل صریح ثابت کرنے کے بغیر آپ کا اس قول شیخ طوسی سے استدلال کرنا اور اس پر یہ درخواست کرنا کہ میں نے ایک آدمی کا نام اپنے موافقین سے بتا دیا۔ اب آپ ضد چھوڑ دیں کمال تعجب کا محل ہے اور شرم کا موجب ثبت العرش ثم النقش آپ شیخ محمد اسلم طوسی سے اس عرض کا عام اصول صحت احادیث ہونا یا تیس۳۰ سال کا خاص کر حدیث من ترک الصلٰوۃ کی صحت میں متوقف رہنا ثابت کریں تو ہمارے انکار کو ضد کہیں۔ یہ نہ ہو سکے تو اس حدیث کی صحت ہی ثابت کریں پھر ہم شیخ محمد اسلم طوسی سے ان امور کا ثبوت بہم

☆ حاشیہ: ناظرین مولوی صاحب کی اس ''ہوگا'' کو خوب یاد رکھیں۔ آپ نے اسی ہوگا کے باعث مرزا صاحب پر اعتراض کیا ہے۔ یہاں آپ نے نہ معلوم۔ ''ہوگا'' کو کس قسم کے یقین کا مثبت قرار دیا ہے۔ ایڈیٹر

۞ حاشیہ: اے بیچارے مسکین مسلمانو! اے اللہ تعالیٰ کے سچے مخلص بندو! تمہیں زندیق۔ منافق اور چھپے کافر صرف اس وجہ سے کہا گیا کہ تم نے کلام اللہ کا ادب کیا۔ اس کی قرار واقعی تعظیم کی۔ تم نے یہ کہا کہ خلاف کتاب اللہ کے جو حدیث ہو وہ قابل اعتبار نہیں! تم نے یہ بڑا ظلم کیا کہ قرآن کریم کو معیار صحت حدیث ٹھہرایا! پیارو! ظالموں نے تمہیں اس جرم پر کافر اور اور کیا کچھ کہا۔ نہیں نہیں تم قرآن کا۔ ہمارے محبوب کا ادب کرنے والے ہو۔ تم ہمارے سرتاج ہو۔ آؤ تمہیں سر آنکھوں پر بٹھائیں۔ قرآن کے چھپے دشمن تمہیں جو چاہیں کہیں۔ پر ہم تو تمہیں سچا مسلمان جانتے اور یقین کرتے ہیں۔ ایڈیٹر

﴿۶۴﴾ پہنچانے کے طالب نہ رہیں گے اوراس حدیث کوجس کا مضمون خود ایک اصول ہے تسلیم کر کے اپنے انکار سے رجوع کریں گے واللّٰہ ثم باللّٰہ ثم تاللّٰہ و کفٰی باللّٰہ شھیدا و کفٰی باللّٰہ و کیلا ۔اوراگر آپ صحت حدیث ثابت نہ کرسکیں یا شیخ طوسی سے امور مذکورہ بہ نقل صریح ثابت نہ کریں تو آپ اپنے مخترعہ مستحدثہ☆ اصول پر اصرار وضد چھوڑ دیں۔زیادہ ہم کیا کہیں۔

(۵) آپ لکھتے ہیں کیا آپ قرآن کریم کی ان خوبیوں کے بارہ میں کہ وہ محک اور معیار اور میزان ہے کچھ شک میں ہیں یہ کمال دھوکہ دہی ہے اور وہ اپنے پرچہ نمبر میں میرا یہ اقرار کہ میں قرآن کو امام جانتا ہوں اور احادیث صحیحین کو قرآن کے برابر نہیں سمجھتا نقل کرنے کے بعد یہ استفسار ایک افترا ہے جس سے مقصود صرف اپنے بے علم حاضرین مریدوں کو میری طرف سے بدظن کرنا ہے اور یہ جتانا ہے کہ یہ شخص قرآن کو نہیں مانتا۔اس کا جواب میں پہلے بھی دے چکا ہوں کہ جو شخص قرآن کو حکم و امام نہ مانیں وہ کافر ہے۔اب پھر کہتا ہوں کہ قرآن ہمارا حکم امام میزان معیار قول فصل وغیرہ ہے مگر آپ اپنے غیر پر یعنی لوگوں کے باہمی اختلافات وتنازعات پر جو رائے پر مبنی ہوں اور حدیث صحیح تو خادم ومفسر قرآن اور وجوب عمل میں مثل قرآن ہے وہ اس سے مخالف ومتنازع نہیں اور کسی مسلمان کا اس کی صحت قبول کرنے میں اختلاف نہیں تو پھر قرآن اس کی صحت کا حکم و معیار ومحک کیونکر ہوسکتا ہے۔اے خدا کی مخلوق خدا سے ڈرو۔مسلمانوں کو دھوکہ میں نہ ڈالو قرآن وحدیث صحیح ایک ہی چیز ہیں اور ایک دوسرے کے مصدق ہیں تو پھر ایک کا دوسرے کے محک ومعیار ہونا کیا معنے رکھتا ہے ۞ آپ لکھتے ہیں کہ موضوع ہونا کسی حدیث کا اور بات ہے ضعیف ہونا اور ہے اور میں نے صحیح مسلم کی حدیث دمشقی کے ضعیف

☆ حاشیہ۔ اہل ایمان۔خدا ترس ناظرین پر واضح رہے کہ مولوی صاحب مرزا صاحب کے اس اصول کو کہ ’’قرآن کریم صحت احادیث کا معیار ہے۔‘‘ مخترعہ۔مستحدثہ اصول قرار دیتے ہیں۔بے شک حضرت مرزا صاحب کا بڑا بھاری جرم ہے کہ وہ اختلاف کے وقت قرآن مجید کو حکم قرار دیتے ہیں مولوی صاحب اس پر جس قدر ناراض ہوں بجا ہے۔آفرین۔مولوی صاحب!۔ایڈیٹر

۞ حاشیہ۔ مولوی صاحب! ہوش سے بولئے۔آپ دہائی کیوں دیتے ہیں۔مرزا صاحب کب کہتے ہیں کہ حدیث صحیح قرآن کی معارض ومخالف ہوتی ہے۔مرزا صاحب کا یہ قول ہے کہ ہرایک حدیث کو قرآن مجید کی محک پر کسنا چاہیئے جو اس امتحان میں پوری اترے وہ صحیح ہوگی اور پھر وہ لامحالہ قرآن کی مصدق ہوگی اور قرآن اور اس کا مضمون باہم متوافق ہوگا۔آپ کا یوں چلانا بے سود ہے مولوی صاحب کہتے ہیں کہ پھر ’’اس کی صحت کا قرآن کیونکر معیار وحکم بن سکتا ہے۔‘‘ ہم کہتے ہیں کہ وہ صحیح جب ہی ہوگی جب قرآن کے معیار کے موافق کامل المعیار ثابت ہوگی پہلے اس کی صحت تو ثابت ہونی چاہیئے۔بات تو بڑی آسان ہے کچھ یونہی سا پھیر ہے۔مولوی صاحب اگر غور کریں تو شاید سمجھ جائیں۔یاد رکھیئے کہ قرآن کی مفسر و خادم بھی وہی حدیث ہوسکے گی جو قرآن کی میزان میں پوری اترے گی۔مولوی صاحب! بتایئے تو آپ کو اس فضول پیچ نے کیوں

﴿۶۵﴾ ہونے کا امام بخاری کو قائل قرار دیا ہے انہوں نے اس حدیث کی روایت کو ترک کیا تو اس سے مجھے معلوم ہوا کہ انہوں نے اس حدیث کو ضعیف سمجھا ہے جس کو موضوع ہونے سے کوئی تعلق نہیں اس قول میں ایک تو آپ نے دھوکہ دیا ہے دوسرا اپنی ناواقفی کا اظہار کیا ہے۔ دھوکہ یہ کہ یہاں آپ ضعیف اور موضوع میں فرق کو تسلیم کرتے ہیں حالانکہ آپ کے نزدیک جو حدیث موافق قرآن نہ ہو وہ موضوع ہے اور کلام رسول ہونے سے خارج نہ اور قسم کے ضعیف یہی وجہ ہے کہ آپ اپنے پرچہ ایے نمبر میں ایسی حدیثوں کو کبھی موضوع کہتے ہیں کبھی غیر صحیح وضعیف جس سے صاف ثابت ہے کہ آپ کی اصطلاح میں موضوع وضعیف ایک ہے اور صحیح مسلم کی حدیث دمشقی کو بھی آپ قرآن کریم کے مخالف سمجھتے ہیں اور رسالہ ازالہ میں اس کی وجوہ مخالفت بڑے زور سے بیان کر چکے ہیں لہٰذا وہ آپ کے نزدیک موضوع ہے نہ اور قسم کی ضعیف۔ یہاں آپ اس اعتقاد کو جتا کر مسلمانوں کو دھوکہ دیتے ہیں جس ناواقفی کا آپ نے اظہار کیا ہے وہ یہ ہے کہ روایت صحیح مسلم کو امام بخاری کے ترک کرنے سے آپ نے یہ اجتہاد کیا ہے کہ انہوں نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے صحیح سمجھتے تو وہ اس کو ضرور اپنی کتاب میں لاتے۔

یہ بات وہی شخص کہے گا جس کو حدیث کے کوچہ میں بھولے سے بھی کبھی گذر نہ ہوا ہوگا۔ امام بخاری نے بہت سی احادیث صحیحہ کو اپنی کتاب میں ذکر نہیں کیا اور یہ فرما دیا ہے کہ میں نے ان کو بخوف طوالت ترک کر دیا ہے☆۔ صحیح بخاری کے مقدمہ میں ہے **وروی من جھات عن البخاری قال صنفت کتاب الصحیح بِستّ عشر سنة اخرجته من ستة مأیة الف حدیث وجعلته حجة بینی و بین اللّٰہ۔ وروی عنه قال رأیت النبی صلعم فی المنام و کأنی واقفت بین یدیه وبیدی مروحة اذب عنه فسألت بعض المعبرین فقال انت تذب عنه الکذب فھو الذی حملنی علی اخراج الصحیح. وروی عنه قال ما ادخلت فی کتاب الجامع الا ماصح و ترکت کثیرا من الصحاح لحال الطول**۞۔ امام بخاری

بقیہ حاشیہ: پکڑ رکھا ہے۔ کہیں قرآن کے سوا کسی اور کتاب یا مجموعہ کی نسبت **فاتو بسورة من مثله** کہا گیا ہے؟ وہ کلام جس کا لٹریچر غیر متلو ہو اور مختلف مونہوں کے سانسوں سے مشوب ہو کر دائر وسائر ہوا ہو کبھی محفوظ رہ سکتا ہے۔ جانے دو ناحق کی ضد کو۔ ایڈیٹر

☆ حاشیہ: اس سوئے ادب اور افترا کا جو امام ہمام بخاری کی نسبت اس نادان دوست نے کیا ہے حضرت مرزا صاحب کا جواب بڑی غور سے ملاحظہ ہو۔ مولوی صاحب آپ نے بخاری کو دین کے ایک کثیر صحیح حصہ کا عمداً تارک قرار دیا ہے! **کبرت کلمة تخرج من افواھھم.** الآیة الٰہی ان دوستوں سے بچائیو۔ ایڈیٹر

۞ حاشیہ: مولوی صاحب! ان منقولات کو جن پر حقیقۃً حضرت امام بخاریؒ کی کوئی مہر یا دستخط نہیں۔ کون بے ادب

﴿۲۶﴾

سے یہ بھی منقول ہے کہ مجھے دو لاکھ حدیثیں غیر صحیح اور ایک لاکھ صحیح یاد ہیں۔ باوجودیکہ صحیح بخاری میں چار ہزار حدیثیں منقول ہیں جس سے ثابت ہے کہ چھیانویں ہزار حدیث اور امام بخاری کے نزدیک صحیح ہیں جن کو وہ اپنی کتاب میں نہیں لائے۔ **وجملة ما فی الصحیح البخاری من الاحادیث المسندة سبعة الاف و مئتان و خمسة و سبعون حدیثا بالاحادیث المکررة و بحذف المکررة نحو اربعة الا ف کذا ذکر النووی فی التھذیب والحافظ بن حجر فی مقدمة فتح الباری۔**

شیخ عبدالحق نے مقدمہ شرح مشکوٰۃ میں کہا ہے **ونقل عن البخاری انہ قال حفظت من الصحاح مائة الف حدیث ومن غیر الصحاح مأتی الف** ۔اس سے صاف ثابت ہے کہ امام بخاری کا کسی حدیث صحیح کی روایت کو ترک کرنا اس امر کا مثبت نہیں ہے کہ انہوں نے اس کو ضعیف قرار دیا۔ امام بخاری کا ترک روایت حدیث مسلم کیونکر موجب ضعف ہو۔ امام مسلم نے خود اپنی کتاب میں بہت سی احادیث کو جن کو وہ صحیح سمجھتے ہیں ذکر نہیں کیا۔ جیسا کہ مقدمہ شرح مشکوٰۃ میں ہے۔ **قال مسلم الذی**

بقیہ حاشیہ

تسلیم کرسکتا ہے بمقابلہ اس شدید اور لاجواب الزام کے جو بخاریؒ پر عائد ہوتا ہے (درصورتیکہ ان منقولات کو واقعی منقول عن البخاری تسلیم کیا جاوے) کہ اس نے (بخاری) دین کے اکثر حصہ کو اور صحیح اور ثابت شدہ حصہ کو یعنی کلام نبوی کو جس کی تبلیغ اس پر فرض تھی عمداً کسل اور طوالت کی وجہ سے ترک کردیا اور خوف طوالت کا نہایت بودہ اور ناقابل سماعت عذر پیش کردیا۔ دھیان میں لاؤ ان شاقہ محنتوں اور دراز مصائب کو جن کے بہ تفصیل سننے سے ایک صاحب عزم آدمی کی روح کانپ اٹھتی ہے اور جنہیں حضرت امام بخاری نے جمع احادیث کی خاطر مختلف سفروں میں گوارا کیا اور ان زمانوں میں صحرا ہائے دشوار گذار قطع کئے جب کہ قدم قدم پر ہلاکت کا اندیشہ تھا اور پھر جب کئی لاکھ احادیث کو جمع کرکے ایک لاکھ صحیح ان میں سے چھانٹیں۔ تو ''نیکی کر دریا میں ڈال'' کے مقولہ پر عمل کرکے بلا وجہ کسی ترجیح کے چار ہزار کو رکھ لیا اور باقی چھیانویں ہزار کو نیست و نابود کردیا!!! ابلہ گفت و دیوانہ باور کرد۔ اے سنگدل مولویو! تمہیں کس نے دین کی حمایت کرنا سکھایا۔ تم تو خدا کی' اس کے برگزیدہ رسول کی' خدام کرام رسول کی توہین کر رہے ہو۔ وَلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ [1] سچ ہے اہل اللہ کے مقابلہ میں جو لوگ آویں اللہ تعالیٰ ان کے دلوں کو مسخ کر ڈالتا ہے ان کی عقلیں تاریک ہوجاتی ہیں۔ اے مولائے کریم ہمیں اس سے بچانا کہ ہم تیرے برگزیدوں سے لڑائی کی ٹھہرائیں۔ ایڈیٹر

[1] البقرة: ۱۵۵

﴿۶۷﴾

اوردت فی ھذا الکتب من الاحادیث صحیح و لااقول ان ماترکت ضعیف ۔
امام مسلم نے خود اپنی کتاب صحیح میں فرمایا ہے لیس کل شیٔ عندی صحیح وضعته ھنا یعنی فی کتاب الصحیح وانما وضعت ھھنا ما اجمعوا علیه آپ دل میں سوچ کر انصاف سے کہیں کہ امام بخاری یا خود امام مسلم کی کسی حدیث کی روایت کو ترک کرنے سے یہ کہاں لازم آتا ہے کہ وہ حدیث ان کے نزدیک صحیح نہ ہو۔ آپ اٹکل پچو ایسی باتیں کہہ کر یہ ظاہر کر رہے ہیں کہ فن حدیث سے آپ کو کوئی تعلق اور کچھ مس نہیں اس الزام دھوکہ دہی و ناواقفی کو آپ مانیں خواہ نہ مانیں آپ کے کلام سے تو یہ ثابت ہوتا ہے جس کے ماننے سے آپ کو بھی انکار نہیں کہ حدیث دمشقی صحیح مسلم کو آپ نے اپنے اجتہاد سے ضعیف قرار دیا ہے اور آپ کے اعتقاد مخفی توہین صحیحین کے اظہار کے لئے اس مقام میں اسی قدر بس ہے۔

اہل حدیث ☆ جو آپ کے پنجہ میں گرفتار ہیں آپ کے اس قول واقرار سے یقین کریں گے کہ آپ حدیث صحیح مسلم کو ضعیف قرار دیتے ہیں اور اس پر جو فتویٰ لگائیں گے وہ مخفی نہیں ہے۔

(۲) آپ لکھتے ہیں کہ ازالۃ الاوہام میں احادیث صحیح بخاری و صحیح مسلم کی نسبت میں نے یہ قطعی فیصلہ نہیں دیا کہ وہ موضوع ہیں بلکہ شرطیہ طور پر کہا ہے کہ اگر ان کے باہمی تناقض کو دور نہ کیا جائے گا تو ایک جانب کی حدیثوں کو موضوع ماننا پڑے گا۔ یہ آپ کی محض حیلہ سازی ہے۔ جس مقام میں آپ نے ان حدیثوں کو موضوع کہا وہاں شرط تناقض بیان نہیں کی بلکہ بڑے زور سے پہلے ان کا تعارض ثابت کیا ہے پھر ان پر موضوع ہونے کا حکم لگا دیا ہے جس سے صاف ثابت ہے

☆ حاشیہ

مولوی صاحب! عجب و پندار چھوڑ دو۔ کبریا اللہ تعالیٰ کی چادر ہے۔ یہاں شیخی کام نہیں آسکتی۔ آپ کو اپنے خیالی علم نے پاتال کے تاریک اور گندھک کے کنوئیں میں ڈال رکھا ہے۔ آپ ان لوگوں کو بارہا حقارت سے یاد کر چکے جو حضرت مسیح موعود۔ مجدد۔ محدث حضرت مرزا صاحب (سلمہ الرحمٰن) کی جناب میں عقیدت رکھتے ہیں ان کا حق ہے کہ آپ کو فوراً یہ سنائیں اَلَاۤ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ [1] ''پنجہ میں گرفتار ہیں'' کیسا حقارت آمیز جملہ ہے! حضرت مسیح موعود کو اجلة الفضلاء (مولانا رفیقی وانیسی مولوی نورالدین صاحب۔ حضرت مولوی محمد احسن صاحب بھوپالوی مولانا مولوی غلام نبی صاحب خوشابی وغیرھم جن میں سے اکثر کی فہرست حضرت اقدس نے ازالہ اوہام کے آخر میں شائع کی ہے) مانتے ہیں۔ ان پر جان و دل سے فدا ہیں۔ بڑے بڑے خدا کے نیکوکار بندے متقی۔ صاحب تقویٰ وانابت و خشیۃ وطہارت حضرت اقدس کو خلوص قلب سے خادم دین اللہ اعتقاد کرتے ہیں۔ ایک یہ خاکسار گنہگار عبدالکریم بھی ہے جو کتاب وسنت پر علیٰ بصیرت مطلع ہو کر حضرت ممدوح کو اپنا مخدوم و مرشد مانتا ہے۔

[1] البقرة: ۱۴

﴿۶۸﴾ کہ آپ کے نزدیک ان احادیث میں تعارض وتناقض متحقق ہے و بناءً علیہ وہ احادیث آپ کے نزدیک موضوع ہیں۔ ہاں آپ نے ان احادیث میں کچھ کچھ تاویلیں بھی کی ہیں جن سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ وہ تاویل بغرض صحت احادیث مذکورہ آپ کرتے ہیں آپ کے کلام سے صاف یہ مفہوم ہوتا ہے کہ وہ احادیث اول تو آپ کے نزدیک صحیح نہیں موضوع ہیں اور اگر بالفرض وہ صحیح مانی جائیں تو پھر وہ آپ کے نزدیک تاویلات سے مأوّل ہیں۔ یہ مطلب آپ کی ان عبارات ازالہ اوہام سے جو ہم پرچہ نمبر میں نقل کر چکے ہیں ان میں بلا شرط آپ نے ان احادیث کو موضوع کہا ہے صاف ثابت ہے۔ آپ اس کے خلاف کے مدعی اور اپنے دعویٰ حال میں سچے ہیں تو اس مضمون کی عبارت نقل کریں جس میں پہلے آپ نے قطعی اور صاف طور پر ان احادیث کو صحیح مان لیا ہو پھر اس بیان صحت کے بعد شرطیہ طور پر یہ کہا ہو کہ ان احادیث کی تاویل نہ کی جائے تو یہ موضوع ٹھہرتی ہیں۔ آپ اپنی کتاب سے یہ تصریح نکال دیں گے تو ہم آپ کو اس الزام سے کہ آپ نے صحیحین کی احادیث کو موضوع قرار دیا ہے بری کر دیں گے۔ ورنہ کس و ناکس کو یقین ہوگا کہ درحقیقت آپ صحیح بخاری و مسلم کی حدیثوں کو موضوع ٹھہرا چکے ہیں۔ مگر آپ اتباع عوام اہل حدیث کے خوف سے ان کو موضوع کہنے سے انکار کرتے ہیں تا کہ وہ عوام آپ کو منکر احادیث نہ کہیں اور زمرہ اہل سنت سے خارج نہ کریں۔

(۷) آپ لکھتے ہیں میرے نزدیک اجماع کا لفظ اس حالت پر صادق آ سکتا ہے کہ جب صحابہ میں سے مشاہیر صحابہ اپنی رائے کو شائع کریں اور دوسرے باوجود سننے کے اس رائے کی مخالفت ظاہر نہ فرماویں سو یہی اجماع ہے۔ پھر آپ فرماتے ہیں کہ ابن عمرؓ و جابرؓ نے ابن صیاد کو دجال کہا تو یہ امر باقی صحابہ سے پوشیدہ نہ رہا ہوگا۔ سو میرے نزدیک یہی اجماع ہے آپ کے نزدیک یہ اجماع نہیں تو آپ بتاویں کہ کس صحابی نے ابن صیاد کے دجال ہونے سے انکار کیا ہے۔ پھر آپ لکھتے ہیں کہ حضرت عمر کے ابن صیاد کو دجال کہنے پر آنحضرت صلعم نے سکوت کیا ہے اور یہ ہزار اجماع سے افضل ہے ان عبارات میں آپ نے میرے سوالات کا نمبر ا کہ یہ تعریف اجماع جو آپ نے لکھی ہے

بقیہ حاشیہ

دیکھو! مولوی صاحب اللہ کے بندوں کو حقیر جاننا وخامت عاقبت کا موجب ہوا کرتا ہے جلا دو ان فضول کتابوں کی الماریوں کو جو حق شناسی کی راہ میں حجاب الاکبر بن رہی ہیں۔ ڈر جاؤ کہیں اس جماعت میں داخل نہ ہو جاؤ جن پر **یحمل اسفارا** بولا گیا ہے آخر ہمارا بھی **یوم الدین** پر اس کی جزا و سزا پر ایمان ہے۔ ہم اپنے تئیں اللہ تعالیٰ کے حضور میں اپنے افعال و اعمال کا جواب دہ یقین کرتے ہیں۔ کوئی وجہ نہیں کہ آپ غرور و کبر سے مسلمانوں کو استحقار کی نظر سے دیکھیں! **اتقوا اللّٰہ اتقوا اللّٰہ ایھا المفرطون المعتدون!** **ایڈیٹر**

﴿۶۹﴾

وہ کس کتاب میں ہے۔ نمبر۲ بعض صحابہ کے اتفاق کو کون اجماع کہتا ہے نمبر۳ سکوت باقی صحابہ پر نقل صحیح کی کہاں شہادت پائی جاتی ہے اس کو نقل کریں غالبًا اور ہو گا سے کام نہ لیں ۔ کچھ جواب نہ دیا اور پھر اپنے خیالات سابقہ کو دوبارہ نقل کر دیا جس سے صاف ثابت ہے کہ آپ علمی سوالات کو سمجھ نہیں سکتے اور مسائل متعلقہ اجماع سے واقف نہیں یا دیدہ ودانستہ مسلمانوں کو دھوکہ دہی کی غرض سے ان کے جواب سے جو آپ کے دعاوی کے مبطل ہیں چشم پوشی کرتے ہیں اب میں ان سوالات کا پھر اعادہ نہیں کرتا کیونکہ میں آپ سے جواب ملنے کی امید نہیں رکھتا۔☆ اور بجائے اس کے آپ کی باتوں کا خود ایسا جواب دیتا ہوں جس سے ثابت ہو کہ آپ نے جو کچھ کہا ہے وہ آپ کی ناواقفی پر مبنی ہے اور وہ میرے سوالات کا جواب نہیں ہو سکتا۔ آپ نے پرچہ نمبر میں تین شخصوں کی جماعت کے اتفاق کو اجماع قرار دیا تھا جو محض غلط اور ناواقفی پر مبنی ہے علماء اسلام جو اجماع کے قائل ہیں اجماع کی تعریف یہ کرتے ہیں وہ ایک وقت کے جملہ مجتہدین کے جن میں ایک شخص بھی متفرد و مخالف نہ ہو اتفاق کا نام ہے۔ توضیح میں ہے **ھو اتفاق المجتھدین من امة محمد صلعم فی عصر علی حکم شرعی**۔ کتب اصول میں یہ بھی مصرح ہے کہ **خلاف الواحد مانع** یعنی ایک مجتہد بھی اہل اتفاق کا مخالف ہو تو پھر اجماع متحقق نہ ہو گا۔ مسلم الثبوت اور اس کی شرح فواتح الرحموت میں ہے۔ **قیل اجماع الاکثر مع ندرة المخالف اجماع کغیر ابن عباس اجمعوا مایقول علی العول وغیر ابی موسی الاشعری اجمعوا علی نقض النوم الوضوء وغیر ابی ھریرة وابن عمر اجمعوا علی جواز الصوم فی السفر والمختار انه لیس باجماع لانتفاع الکل الذی ھو مناط العصمة** اور نیز اس میں ہے **لاینعقد الاجماع باھل البیت وحدھم لانھم بعض الامة خلافا للشیعة** اور نیز اس میں ہے **ولاینعقد بالخلفاء الاربعة خلافا لاحد الامام**۔ سکوت باقی اصحاب سے آپ نے اجماع استنباط کیا ہے۔ مگر اس کا ثبوت نہیں دیا بلکہ الٹا ہم سے ثبوت مخالفت طلب کیا ہے یہ ثبوت پیش کرنا ہمارا فرض نہ تھا۔ مگر ہم آپ پر احسان کرتے ہیں ۔ آپ کو سکوت کل کا ثبوت پیش کرنا معاف کر کے خود ثبوت خلاف پیش کرتے ہیں۔ پس واضح ہو کہ ابن صیاد کو

☆ حاشیہ: آخر افسوس کرتے کرتے مولوی صاحب کی حالت یاس وقنوط تک پہنچ گئی مولوی صاحب لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ[1] لَا تَايْـَٔسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ[2] صبر کیجئے ابھی حضرت مرزا صاحب سو صفحہ تک کا جواب مفصل آپ کو سناتے ہیں۔ ایڈیٹر

[1] الزمر:۵۴ [2] یوسف:۸۸

﴿۷۰﴾ دجاؔل موعود نہ سمجھنے والے ایک ابوسعید خدری صحابی ہے ان سے صحیح مسلم میں منقول ہے قال صحبت ابن صیاد الی مکة فقال لی أما قد لقیت من الناس یزعمون انّی الدجال الست سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول انه لایولدله قال قلت بلی قال فقد ولد لی اولیس سمعت رسول الله صلعم یقول لایدخل المدینة ولامکة قلت بلی قال فقد ولدت بالمدینة وھٰذا انا اریدمکة قال ثم قال لی فی اخر قوله اماوالله انی لاعلم مولده ومکانه واین ھو قال فلبّسنی۔ ابوسعید خدری کا یہ لفظ لبسنی صاف مشعر ہے کہ وہ دجال ابن صیاد کو یقیناً دجال موعود نہ سمجھتے تھے بلکہ اس میں ان کو لبس یعنی شبہ تھا۔ دوسرے تمیم داری جو دجال کو اپنی آنکھ سے ایک جزیرہ میں مقید دیکھ کر آئے تھے۔ چنانچہ صحیح مسلم میں ہے۔

وفی روایة فاطمة بنت قیس...... قالت سمعت نداء المنادی رسول الله صلعم ینادی الصلٰوة جامعة فخرجت الی المسجد فصلیت مع رسول الله صلی الله علیه وسلم فکنت فی صف النساء الذی یری ظھور القوم فلما قضی رسول الله صلی الله علیه وسلم صلٰوته جلس علی المنبروھو یضحک فقال لیلزم کل انسان مصلاه ثم قال اتدرون لم جمعتکم قال الله ورسوله اعلم قال انی والله ما جمعتکم لرغبة ولا لرھبة ولکن جمعتکم. لان تمیم الداری کان رجلا نصرانیا فجاء فبایع فاسلم وحدثنی حدیثا وافق الذی کنت احدثکم عن مسیح الدجال حدثنی انه رکب فی سفینة بحریة مع ثلثین رجلا من لخم وجزام فلعب بھم الموج شھرا فی البحرثم رفعوا الی جزیرة فی البحرحین تغرب الشمس فجلسوا فی اقرب السفینة فدخلوا الجزیرة فلقیتھم دابة اھلب کثیر الشعر لا یدرون ماقبله من دبره من کثرة الشعر فقالوا ویلک ماانت قالت اناالجساسة قالوا وماالجساسة قالت یا ایھا القوم انطلقوا الی ھذا الرجل فی الدیر فانه الی خبرکم بالاشواق قال لما سمت لنا رجلا فرقنا منھا ان تکون شیطانة قال فانطلقنا سراعاً حتی دخلنا الدیر فاذا فیه اعظم انسان رأیناه قط خلقا و اشد وثاقا مجموعة یداه الی عنقه ما بین رکبتیه الی کعبیه بالحدید قلنا ویلک ما انت قال قدرتم علی خبری فاخبرونی ما انتم قالوا نحن اناس من العرب رکبنا فی سفینة بحریة فصادفنا البحر حین اغتلم فلعب بنا الموج شھرا ثم ارفئنا الی جزیرتک ھذه فجلسنا فی اقربھا فدخلنا الجزیرة فلقینا دابة اھلب کثیر الشعر لاندری ما قبله من دبره

﴿۱۷﴾

مّن کثرة الشعر فقلنا ویلک ما انت فقالت انا الجساسة قلنا ما الجساسة قالت اعمدوالی هذا الرجل فی الدیر فانه الی خبرکم بالاشواق فاقبلنا الیک سراعا وفزعنا منهاولم نطمئن ان تکون شیطانة فقال اخبرونی عن نخل بیسان قلنا عن ای شاهنا تستخبر قال اسئلکم عن نخلها هل یثمر قلنا له نعم قال امانها یوشک ان لاتثمر قال اخبرونی عن بحیرة طبریة قلنا عن ای شاهنا تستخبر قال هل فیها ماء قالوا هی کثیرة الماء قال اما ان ماء ها یوشک ان یذهب قال اخبرونی عن عین زغرقالوا عن ای شاهنا تستخبر قال بل فی العین ماء وهل یزرع اهلها بماء العین قلنا له نعم هی کثیرة الماء و اهلها یزرعون من ماء ها قال اخبرونی عن نبی الامیین مافعل قالوا قد خرج من مکة ونزل بیثرب قال ا قاتله العرب قلنانعم قال کیف صنع بهم فاخبرناه انه قدظهر علی من یلیه من العرب و اطاعوه قال لهم قد کان ذاک قلنا نعم قال اماان ذاک خیرلهم یطیعوه و انی مخبرکم عنی انی اناالمسیح الدجال وانی اوشک ان یوذن لی فی الخروج فاخرج فاسیر فی الارض فلا ادع قریة الّا هبطتها فی اربعین لیلة غیرمکة و طیبة فهما محرمتان علی کلماتها کلما اردت ان ادخل واحدة او واحدا منهما استقبلنی ملک بیده السیف سلطایصدنی عنها وان علی کل نقب منها ملائکة یجرسونها قالت قال رسول الله صلی الله علیه و سلم وطعن بمخصرته فی المنبرهذه طیبة هذه طیبة یعنی المدینة الاهل کنت حدثتکم ذالک فقال الناس نعم فانه اعجبنی حدیث تمیم انه وافق الذی کنت احدثکم عنه و عن المدینة ومکة الا انه فی بحر الشام اوبحر الیمن لابل من قبل المشرق ماهو من قبل المشرق ماهو اومی بیده الی المشرق قالت فحفظت هذا من رسول الله صلعم اس حدیث سے صاف ثابت ہے کہ تمیم داری نے دجال کو آنکھ سے دیکھا پھر کیونکر ممکن تھا کہ وہ قول ابن عمر کے موافق ابن صیاد کو دجال سمجھتے آپ نے اس حدیث کا ضعف ایک دوست کے حوالہ سے نواب صدیق حسن خاں صاحب مرحوم سے نقل کیا ہے۔ اس کا جواب ہم اس وقت دیں گے جب آپ نواب صاحب کا اصل کلام نقل کریں گے۔

تیسرے وہ لوگ جو حضرت ابن عمر کے منہ پر ابن صیاد کے دجال ہونے سے انکار کر چکے تھے چنانچہ صحیح مسلم کے صفحہ ۳۹۹ میں حضرت ابن عمر سے منقول ہے فقلت لبعضهم هل تحدثون انه هو قال لا والله

﴿۷۲﴾ قال قلت کذبتنی واللہ لقد اخبرنی بعضکم انہ لایموت حتی یکون اکثر مالا وولدا فذالک ھو زعم الیوم یعنی حضرت ابن عمر نے کہ میں نے بعض لوگوں کو (جن سے ان کے معاصر اصحاب مراد ہیں) کہا کہ کیا تم کہتے ہو کہ ابن صیاد دجال ہے تو وہ بولے بخدا ہم نہیں کہتے میں نے کہا تم مجھے جھوٹا کرتے ہو بخدا تم ہی سے بعض نے مجھے یہ خبر دی ہے کہ دجال صاحب اولاد ہو کر مرے گا اور اب وہ (ابن صیاد) ایسا ہی صاحب اولاد ہے یہ قول ابن عمر اس امر پر نص صریح ہے کہ ابن صیاد کو اور لوگ حضرت ابن عمر کے معاصر دجال نہیں جانتے ہیں اور ان کے سامنے ان کی رائے سے خلاف ظاہر کرتے تھے۔

صرف حضرت ابن عمر ہی کا یہ ایسا قول تھا کہ جس میں ابن صیاد کو دجال موعود بلفظ مسیح الدجال کہا گیا ہے کیونکہ جابر و حضرت عمر کے قول سے یہ تصریح نہیں ہے کہ وہ دجال موعود ہے بلکہ انہوں نے ابن صیاد کو صرف دجال کہا ہے جس سے منجملہ تیس ۳۰ دجالوں کے ایک دجال مراد ہوسکتا ہے۔ چنانچہ عنقریب اس کا ثبوت آتا ہے اور جب کہ حضرت ابن عمر کے صریح قول پر انکار مانا گیا ہے تو اس سے بڑھ کر خلاف کے تصریح آپ کیا چاہیں گے۔ آپ کے حواری حکیم نورالدین نے ہمارے سوال نمبری ۲۱ کے جواب میں اس اختلاف کو تسلیم کیا اور یہ کہا ہے کہ دجال کی نسبت مختلف خیال ہیں۔

آپ نے بڑا غضب ڈھایا کہ ابن صیاد کے دجال ہونے پر اجماع صحابہ کا دعویٰ کر لیا اپنے حواری سے تو مشورہ کر لیا ہوتا آخر میں جو آپ نے قول فاروقی پر آنحضرت صلعم کے سکوت کرنے کا دعویٰ کیا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عمر نے جو آنحضرت کے سامنے ابن صیاد کو دجال کہا اور اس پر قسم کھائی تھی اس میں یہ تصریح نکمی ہے کہ ابن صیاد ہی وہ دجال ہے جس کے آنے کی آنحضرت نے علامات خاصہ بیان کر کے خبر دی تھی اور جملہ انبیاء سابقین نے اپنی امت کو ڈرایا تھا لہٰذا ممکن و محتمل[1] ہے کہ حضرت عمر کے اس قول سے یہ مراد ہو کہ ابن صیاد منجملہ ان تیس ۳۰ دجالوں کے ہے جن کے خروج کی آنحضرت نے خبر دی ہے اس صورت میں آنحضرت کا سکوت آپ کیلئے کچھ مفید نہیں ہے کیونکہ یہ سکوت ابن صیاد آخری دجال کہنے پر نہ ہوا بلکہ کوئی اور دجال منجملہ دجاجلہ ملا علی قاری نے مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں کہا ہے۔ قیل لعل عمر اراد بذالک ان ابن صیاد من الدجالین الذین یخرجون فیدعون

[1] حاشیہ | ناظرین! ممکن و محتمل کا لفظ قابل غور ہے! ایڈیٹر

﴿۷۳﴾

النبوّت ویضلون الناس ویلبسون علیھم اس پر شاید آپ یہ اعتراض کریں کہ جابر کے قول ابن صیاد الدجال میں جو حضرت عمر کی طرف بھی منسوب ہوا ہے لفظ دجال پر الف ولام بتارہا ہے کہ دجال سے ان کی مراد خاص دجال ہے نہ کہ کوئی دجال اور علماء معنے و بیان نے کہا ہے کہ خبر معرف بلام ہو تو اس کا مبتدا میں قصر ہوتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اگر دجال سے آخری دجال مراد نہ لیں بلکہ منجملہ تیس ۳۰ دجال کے ایک دجال مراد ٹھہرائیں تو اس صورت میں بھی خاص دجال کی طرف الف ولام کا اشارہ ہوسکتا ہے۔ رہا جواب قصر سو یہ ہے کہ خبر معرف بلام مقدم ہو جیسا کہ ابن عمر کے قول المسیح الدجال ابن صیاد میں ہے تو بے شک و بلا اختلاف خبر کا مبتدا پر قصر ہوتا ہے مگر درصورتیکہ خبر موخر ہو تو اس کا مفید قصر ہونا محل اختلاف ہے۔ صاحب کشاف نے فایق میں اس سے انکار کیا ہے۔ چنانچہ فاضل عبدالحکیم سیالکوٹی نے مطول کے حاشیہ میں کہا ہے قال مال صاحب الکشاف الی التفرقة بینھما حیث ذکر فی الفائق ان قولک اللہ ھو الدھر معناہ انہ الجالب للحوادث لاغیر الجالب و قولک الدھر ھو اللہ معناہ ان الجالب للحوادث ھو اللہ لاغیرہ ۔ بناءً علیہ لام الدجال سے قصر ثابت نہیں ہوتا۔ لام کو عہدی کہو یا جنسی اور قول جابرؓ یا حضرت عمر کے معنے یہ بنتے ہیں کہ ابن صیاد دجال ہے نہ کچھ☆ اور یہ معنے نہیں ہیں کہ دجال وہی ہے نہ کوئی اور مگر ان باتوں کے سمجھنے کیلئے علم بیان و ادب و معانی میں دخل درکار ہے جس سے آپ اس احتمال کو کہ حضرت عمر نے دجال سے تیس ۳۰ دجالوں میں سے ایک دجال مراد رکھا تھا کسی دلیل سے الٹا دیں اور ان کے صریح الفاظ سے ثابت کریں کہ دجال سے ان کی مراد آخری دجال تھا تو پھر ہم اس کا جواب یہ دیں گے کہ آنحضرت صلعم نے حضرت عمر کو جب انہوں نے ابن صیاد کو قتل کرنا چاہا تھا یہ فرمایا تھا کہ ابن صیاد وہ دجال ہے تو تجھے اس کے قتل پر قدرت نہ ہوگی اس کے قاتل حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں چنانچہ صحیح مسلم میں ہے فقال عمر بن الخطاب ذرنی یارسول اللہ اضرب عنقہ فقال لہ رسول اللہ صلعم ان یکنہ فلن تسلط علیہ و ان لم یکنہ فلا خیرلک فی قتلہ ۔ ابوداوٗد کی روایت میں یوں آیا ہے ان یکن فلست صاحبہ انما صاحبہ عیسی ابن مریم و ان لایکن ھو فلیس لک ان تقتل رجلا من اھل الذمة اس قول آنحضرت صلعم سے صاف ثابت ہے کہ آنحضرت نے حضرت عمر کو اس خیال سے

حاشیہ: ☆ ناظرین ان تاویلات رکیکہ پر ذرا غور سے نظر ڈالنا۔ اس پر حضرت مرزا صاحب کا دعویٰ وتحدی ملاحظہ ہو۔ ایڈیٹر

﴿۷۴﴾ (انہوں نے بالفرض ظاہر کیا ہو خواہ دل میں رکھا ہو) ابن صیاد دجال موعود ہے روک دیا اور بناءً علیہ اس کے قتل سے منع کر دیا۔ اس قول نبوی کے کتب احادیث میں موجود ہونے کے ساتھ یہ کہنا کہ آنحضرت نے حضرت عمر کے ابن صیاد کو دجال موعود کہنے یا سمجھنے پر سکوت کیا اسی شخص کا کام ہے جس کو حدیث بلکہ کسی شخص کا کلام سمجھنے سے کوئی تعلق نہ ہو۔

اس بیان سے صاف ثابت ہے کہ آپ نے جو کچھ اس باب میں لکھا ہے وہ فن حدیث اصول فقہ علم معانی و بیان و ادب وغیرہ سے ناواقفی پر مبنی ہے۔

(۸) آپ لکھتے ہیں کہ کسی کو کسی بات کا قائل ٹھہرانا تصریح پر موقوف نہیں اس امر کی نسبت اس کے اشارات پائے جانے سے بھی اس کو قائل بنایا جاتا ہے۔ آنحضرت کا ایک مدت طویل تک ابن صیاد کے دجال ہونے سے ڈرتے رہنا احتمال امر نہیں۔ آنحضرت نے زبان سے ڈر سنایا ہوگا تب ہی صحابی نے **لم یزل** کا لفظ فرمایا آنحضرتؐ اور سبھی انبیاءؑ دجال سے ڈراتے آئے ہیں۔

ایک شخص کا دس برس سے دہلی کی طیاری کرنا کوئی بیان کرے تو اس سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ اس شخص نے دہلی جانے کا ارادہ کبھی زبان سے بتایا ہوگا۔

اور اگر یہی احتمال مسلم ہو کہ آنحضرت کے حالات سے ان کا ڈرنا صحابی نے اس کا ڈرنا سمجھ لیا تھا تو یہ بھی احتمال ہے کہ زبان سے سنا ہو اور لفظ **لم یزل** سے یہ احتمال قوی ہوتا ہے۔ اس صورت میں آپ کا مجھ کو مفتری کہنا بے جا ہے۔

اس سے آپ کا افتراء سابق اور پختہ و متیقن ہوتا ہے اور یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ آپ نے جو پہلے کہا تھا وہ خطاءً نہیں کہا عمداً افتراء کیا ہے اور اس پر آپ کو اب تک ایسا اصرار ہے کہ جتانے سے بھی باز نہیں آتے اور اپنی غلطی کا اعتراف نہیں کرتے محدثین نے بیان کیا ہے کہ جو شخص روایت حدیث میں غلطی پر متنبہ کیا جاوے اور پھر اس سے باز نہ آئے وہ ساقط العدالت ہو جاتا ہے۔

آپ کا یہ کہنا کہ اشارات سے بھی ایک شخص کو ایک امر کا قائل بنایا جاتا ہے تب آپ کے حق میں مفید ہو جب کہ صحابی آنحضرت کو اس قول کا قائل بناتا جس کا قائل آنحضرت کو آپ نے بنا دیا ہے صحابی نے آنحضرت کو قائل قول مذکور نہیں بنایا بلکہ اپنا خیال بیان کیا ہے تو پھر اس کہنے سے آپ کو کیا فائدہ ہے کہ اشارات سے بھی قائل بنایا جاتا ہے آنحضرت کی طرف کسی قول کو منسوب کرنا اسی صورت و پیرایہ میں حلال ہے جس صورت

﴿۷۵﴾

وپیرایہ میں آپ نے فرمایا ہوا شارۃً ہو تو اشارۃً صراحۃً ہو تو صراحۃً آنحضرت نے فرمایا۔ **اتقوا عنی الا ماعلمتم فمن کذب علی متعمدا فلیتبوء مقعده من النار** آپ کی کتب حدیث میں اگر نظر ہو تو آپکو معلوم ہو کہ آنحضرت کے اصحاب آپ سے کوئی ایسا لفظ نقل نہ کرتے جو آپ نے نہ فرمایا ہوتا اور اگر ان کو اصل لفظ حضرت رسالت میں شک واقع ہو جاتا تو شک وتردد کے ساتھ الفاظ بیان کرتے آپ نے باوجودیکہ آپ کو یہ علم نہ تھا کہ آنحضرت صلعم نے وہ الفاظ فرمائے ہیں جو آپ نے نقل کئے ہیں اور اب تک اس کا علم پر یقین نہیں صرف خیالی احتمال ہے پھر آپ نے اس لفظ کو آنحضرت کی طرف منسوب کیا تو بجز افترا عمدی اور کیا ہوسکتا ہے۔

آنحضرت کے ابن صیاد کے ڈرنے کو احتمالی کون کہتا ہے۔ وہ ہمیشہ اس سے اور اصحاب اس امر کو ملاحظہ کرتے تب ہی ایک صحابی نے یہ کہہ دیا کہ ہمیشہ آنحضرت ڈرتے تھے لفظ ہمیشہ (**مالم یزل**) کو یہ لازم نہیں ہے کہ آپ زبان سے بھی یہ فرمادیا کرتے کہ میں ڈرتا ہوں۔

پہلے انبیاء اور آنحضرت صلعم اجمعین نے بےشک دجال موعود سے ڈرایا ہے مگر اس سے یہ نکالنا کہ آپ نے ابن صیاد کو دجال کہہ کر ڈرایا ہے آنحضرت پر ایک اور افترا ہے دجال سے ڈرانا ابن صیاد سے ڈرانا نہیں ہے خدا سے ڈرو آنحضرت پر افترا نہ کرتے جاؤ۔

تیاری دہلی کی مثال میں آپ نے مسلمانوں کو دھوکہ دیا ہے ایک شخص کو دس برس سے اگر کوئی دیکھے کہ وہ وقتاً فوقتاً دہلی کا ٹکٹ خرید کر واپس کرآتا ہے اور ایسی حالت میں آخری برس تک وہ رہا ہے تو اس کی نسبت یہ کہہ سکتا ہے کہ وہ دس برس سے تیار ہے۔ گو تیاری کا حرف کبھی زبان پر نہ لاوے ہم سے ایک اور مثال سنیئے ایک شخص مدت العمر نمازوں اور دعاؤں میں زاری کرتا رہے احکام شریعت کا پابند ہو خدا کا اور بندوں کا حق تلف نہ کرے اس کی نسبت کس وناکس بشرطیکہ فاتر الحواس نہ ہو یہ کہہ سکتا ہے اور سمجھ سکتا ہے کہ وہ خدا سے ڈرتا ہے گو وہ منہ سے کبھی نہ کہے کہ میں خدا سے ڈرتا ہوں۔

ایک احتمال کے مقابل دوسرا احتمال ہو تو مدعی کو اس سے استدلال درست نہیں ہے اس کے خصم منکر کو پہنچتا ہے کہ وہ اس احتمال سے تمسک کرکے بحکم **اذاجاء الاحتمال بطل الاستدلال** ۔مدعی کے استدلال کو توڑ دے۔ آپ اس امر سے ناواقف ہیں تب ہی مدعی ہو کر احتمال سے استدلال کرتے ہیں۔

افترا آپکی قدیم سنت[1] ہے ان افتراؤں کے علاوہ جو ثابت کئے گئے ہیں آپ نے رسالہ ازالہ کے صفحہ ۲۰۱

حاشیہ: [1] کیا اسی وقت سے جب کہ آپ نے ان کو ولی اللہ۔ ملہم۔ مجدد اور محدث مانا اور ان کی بےمثل کتاب البراہین کی اخص

﴿۷۶﴾

میں حدیث کیف انتم اذا نزل ابن مریم فیکم و امامکم منکم کا ترجمہ کیا تو اس میں اس سوال و جواب کا رسول اللہ صلعم پر افترا کیا ہے کہ ابن مریم کون ہے وہ تمہارا ہی ایک امام ہوگا اور تم میں سے ہی (اے امتی لوگو) پیدا ہوگا۔ آپ نے عمداً رسول اللہ پر یہ افترا نہیں کیا تو بتائیں کس حدیث کے کس طریق یا وجہ میں یہ سوال و جواب وارد ہیں۔

رسالہ ازالہ کے صفحہ ۲۱۸ میں آپ نے دجال موعود کے محل نزول میں اختلاف علماء بیان کیا تو اس میں علماء اسلام پر یہ افترا کیا کہ بعض علماء کہتے ہیں کہ وہ نہ بیت المقدس میں اترے گا نہ دمشق میں بلکہ مسلمانوں کے لشکر میں اترے گا۔ آپ اس قول کے بیان میں مفتری نہیں تو بتادیں کہ کس عالم کا یہ قول ہے کہ وہ نہ بیت المقدس میں اتریں گے نہ دمشق میں۔

آپ کے ان افتراؤں سے کامل یقین ہوتا ہے کہ آپ کسی الہام کے دعویٰ میں سچے نہیں اور جو تار و پود آپ نے پھیلا رکھا ہے سب افترا ہے۔

(۹) آپ لکھتے ہیں کہ آپ بخاری بخاری کرتے ہیں اور بخاری کی یہ حدیث اپنے رسالہ میں نقل کر چکے ہیں کہ محدث کی بات میں شیطان کا کچھ دخل نہیں ہوتا۔ بخاری پر آپ کا ایمان ہے تو اس حدیث کی تسلیم سے ابن عربی کا قول آپ کے نزدیک مسلم ہے پھر میں نے آپ پر کیا افترا کیا۔

اس میں آپ نے مجھ پر ایک اور افترا کیا اور مسلمانوں کو دھوکہ دیا۔ مہربان من میں صحیح بخاری کو تسلیم کرتا ہوں اور اس حدیث پر جو صحیح بخاری میں محدث کے شان میں مروی ہے میں ایمان رکھتا ہوں و مع ھذا یہ اعتقاد رکھتا ہوں کہ جو شخص محدث کہلاوے اور صحیح بخاری یا صحیح مسلم کی احادیث کو بشہادت الہام خود موضوع قرار دے وہ محدث نہیں ہے۔ شیطان کی طرف سے مخاطب ہے واقعی محدث و ملہم وہی شخص ہے جس کے تحدیث والہام قدیم قرآن مجید و احادیث صحیحہ کے مخالف نہ ہو اور جو شخص محدث یا ملہم ہونے کا دعویٰ کرے اور اس کے ساتھ یہ کہے کہ مجھے فرشتوں نے کیا ہے یا خدا نے الہام کیا یا رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے

بقیہ حاشیہ

برکات میں شامل ہونے کیلئے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی تھی؟ دیکھو ریویو براہین کا آخری حصہ شیخ صاحب بقول شیخ سعدیؒ بڑی سبک سری اور دنائت ہے:۔

’’باندک تغیر خاطر از مخدوم قدیم برگشتن وحقوق نعمت سالہا درنوشتن۔‘‘

شیخ صاحب ایسی ضد سے باز آجاؤ۔ ایڈیٹر

کہ صحیحین کی حدیثیں موضوع ہیں میں اسکو شیطان کا مخاطب اور اس کی طرف سے محدث بلکہ شیطان مجسم سمجھتا ہوں ایسا جعلی محدث بعینہٖ ویسا ہے جو محدث بن کر کہے کہ مجھے الہام ہوا ہے کہ قرآن مجید خدا کا کلام نہیں ہے جسکو امید ہے کہ آپ بھی محدث تسلیم نہ کریں گے۔ ﴿۷۷﴾

یہی وجہ ہے کہ اس وقت کے مسلمان جو بخاری کو مانتے ہیں آپکے دعویٰ محدثیت کو قبول نہیں کرتے کیا وہ اس انکار سے اس حدیث بخاری کے منکر ہو سکتے ہیں ہرگز نہیں۔

خدا سے ڈرو اور مسلمانوں کو مغالطہ نہ دو یہ آپکے کلام کا مختصر جواب ہے جس سے آپ کے مغالطات اور ناواقفی اور دھوکہ دہی کا بخوبی اظہار ہو گیا۔

بعض مطالب پرچہ آخری اور پرچہائے سابق کے جوابات ونتائج کو بخوف تطویل عمداً چھوڑ دیا گیا ہے کیونکہ جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے وہ ہمارے حصول مطلب کیلئے کافی ہے ان باتوں کو ہمارے اصل مدعا سے ایسا تعلق نہیں ہے کہ وہ بلا بیان ان باتوں کے وہ مدعا حاصل نہ ہوتا ان باتوں کا اظہار صرف اس وجہ سے ہوا ہے کہ آپ نے اصل سوال کا جواب نہ دیا اور ان باتوں کے بیان سے جنکا جواب ہم نے دیا ہے جواب کو ٹلایا۔ آئندہ اپنی طرز تحریر اور تطویل ودفع الوقتی کو چھوڑ دیں تو اس طرف سے بھی اس قسم کی باتوں سے قلم روک لیا جائے گا اور اگر اسی تحریر کے جواب میں آپ نے پھر وہی روش اختیار کی تو آپ دیکھ لیں کہ اس طرف سے بھی ایسا ہی سلوک ہوگا۔ آپ کیلئے بہتر ہے کہ اس روش کو بدل دیں اور میرے اصل سوال کا جواب اتنی سطروں میں دیں جتنی سطروں میں میرا سوال ہے میں سردست جواب با دلائل نہیں چاہتا مجرد جواب کا طالب ہوں جس وقت میں کسی مسئلہ میں آپ سے بحث ودلائل کا طالب ہوں گا۔ اس وقت آپ تفصیلی بحث کریں۔ میری یہ نصیحت منظور ہو تو آپ مختصراً بتادیں کہ صحیح بخاری وصحیح مسلم کی احادیث جملہ صحیح ہیں یا جملہ موضوع نا قابل العمل یا مختلط جن میں بعض صحیح ہوں بعض موضوع۔ اس سوال کا جواب دو حرفی آپ نے دیا تو پھر میں اور سوال کروں گا اور اسی طرح اختصار آپ نے مدنظر رکھا تو ایک دن میں مباحثہ انشاء اللہ تعالیٰ ختم ہوگا۔ **کماتدین تدان**۔

ابوسعید محمد حسین۔ ۲۶؍ جولائی ۹۱ء

﴿۷۸﴾

مرزا صاحب

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم نحمدہٗ و نصلّی علٰی رسولہٖ الکریم

حضرت مولوی صاحب میں نہایت افسوس سے تحریر کرتا ہوں کہ جس سوال کے جواب کو میں کئی دفعہ آپ کی خدمت میں گذارش کر چکا ہوں وہی سوال آپ بار بار بہت سی غیر متعلق باتوں کے ساتھ پیش کر رہے ہیں۔ مجھے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اچھی طرح میری تحریرات پر غور بھی نہیں کی اور نہ میری کلام کو سمجھا اسی وجہ سے آپ ان امور کا بھی الزام میرے پر لگاتے ہیں جن کا میں قائل نہیں لہٰذا میں مناسب سمجھتا ہوں کہ برعایت اختصار پھر آپ کو اپنے عقیدہ اور مذہب سے جو حدیثوں کے بارہ میں مَیں رکھتا ہوں اطلاع دوں۔

سو مہربان من آپ پر ظاہر ہو کہ میں اپنی تحریر نمبر چہارم و پنجم میں بہ تفصیل وتصریح بیان کر چکا ہوں کہ احادیث کے دو حصے ہیں ایک وہ حصہ جو سلسلہ تعامل کے پناہ میں آ گیا ہے یعنی وہ حدیثیں جن کو تعامل کے محکم اور قوی اور لاریب سلسلہ نے قوت دی ہے۔

اور دوسرا وہ حصہ ہے جن کو سلسلہ تعامل سے کچھ تعلق اور رشتہ نہیں اور صرف راویوں کے سہارے اور ان کی راست گوئی کے اعتبار پر قبول کی گئی ہیں سو اگرچہ میں صحیحین کی حدیثیں اس قوت اور مرتبہ پر نہیں سمجھتا کہ باوجود مخالفت آیات صریحہ و بینہ قرآن ان کو صحیح سمجھ سکوں۔ لیکن سلسلہ تعامل کی حدیثیں میری اس شرط سے باہر ہیں چنانچہ میں اپنی تحریر کے نمبر پنجم میں بتصریح لکھ چکا ہوں اگر سلسلہ تعامل کی حدیثوں کے رو سے کسی حدیث کا مضمون قرآن کے کسی خاص حکم سے بظاہر مغائر معلوم ہو تو میں اس کو تسلیم کر سکتا ہوں کیونکہ سلسلہ تعامل کی حدیثیں حجت قوی ہیں اور قرآن کو معیار ٹھہرانے سے سلسلہ تعامل کی حدیثیں مستثنٰی ہیں دیکھو تحریر نمبر پنجم بجواب آپ کی تحریر کے۔

آپ میری تحریر نمبر پنجم کے پڑھنے کے بعد اگر فہم اور تدبر سے کام لیتے تو بیہودہ اور غیر متعلق باتوں سے اپنی تحریر کو طول نہ دیتے میں نے کب اور کہاں یہ اعتقاد ظاہر کیا ہے کہ سنت متوارثہ متعاملہ اور حدیث مجرد دونو اس بات کی محتاج ہیں کہ قرآن کریم سے اپنی تحقیق صحت کیلئے پرکھی جائیں بلکہ میں تو نمبر مذکور میں صاف طور پر لکھ چکا کہ سلسلہ تعامل کی حدیثیں بحث مانحن فیہ سے خارج ہیں۔

اب مکرر آواز بلند کے ساتھ آپ پر کھولتا ہوں کہ سلسلۂ تعامل کی حدیثیں یعنی سنن متوارثہ متعاملہ جو عاملین اور آمرین کے زیر نظر چلی آئی ہیں اور علٰی قدر مراتب تاکید مسلمانوں کی عملیات دین میں قرناً بعد قرنٍ و عصراً بعد عصرٍ داخل رہی ہیں وہ ہرگز میری آویزش کا مورد نہیں اور نہ قرآن کریم کو انکا معیار ٹھہرانے کی ضرورت ہے اور اگر انکے ذریعہ سے کچھ زیادت تعلیم قرآن پر ہو تو اس سے مجھے انکار نہیں۔ ہر چند میرا مذہب یہی ہے کہ قرآن

«۷۹» اپنی تعلیم میں کامل ہے اور کوئی صداقت اس سے باہر نہیں کیونکہ اللہ جلّ شانہٗ فرماتا ہے۔ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ [1] یعنی ہم نے تیرے پر وہ کتاب اتاری ہے جس میں ہر ایک چیز کا بیان ہے اور پھر فرماتا ہے مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ [2] یعنی ہم نے اس کتاب سے کوئی چیز باہر نہیں رکھی لیکن ساتھ اس کے یہ بھی میرا اعتقاد ہے کہ قرآن کریم سے تمام مسائل دینیہ کا استخراج واستنباط کرنا اور اس کی مجملات کی تفاصیل صحیحہ پر حسب منشاء الٰہی قادر ہونا ہر ایک مجتہد اور مولوی کا کام نہیں بلکہ یہ خاص طور پر ان کا کام ہے جو وحی الٰہی سے بطور نبوت یا بطور ولایت عظمٰی مدد دیئے گئے ہوں۔ سو ایسے لوگوں کیلئے جو استخراج واستنباط معارف قرآنی پر بعلت غیر ملہم ہونے کے قادر نہیں ہو سکتے یہی سیدھی راہ ہے کہ وہ بغیر قصد استخراج واستنباط قرآن کے ان تمام تعلیمات کو جو سنن متوارثہ متعاملہ کے ذریعہ سے ملی ہیں بلا تامل وتوقف قبول کرلیں۔ اور جو لوگ وحی ولایت عظمٰی کی روشنی سے منور ہیں اور الا المطھرون کے گروہ میں داخل ہیں ان سے بلاشبہ عادت اللہ یہی ہے کہ وہ وقتاً فوقتاً دقائق مخفیہ قرآن کے ان پر کھولتا رہتا ہے اور یہ بات ان پر ثابت کر دیتا ہے کہ کوئی زائد تعلیم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہرگز نہیں دی۔ بلکہ احادیث صحیحہ میں مجملات واشارات قرآن کریم کی تفصیل ہے سو اس معرفت کے پانے سے اعجاز قرآن کریم ان پر کھل جاتا ہے اور نیز ان آیات بینات کی سچائی ان پر روشن ہو جاتی ہے جو اللہ جلّ شانہٗ فرماتا ہے جو قرآن کریم سے کوئی چیز باہر نہیں۔ اگرچہ علماء ظاہر بھی ایک قبض کی حالت کے ساتھ ان آیات پر ایمان لاتے ہیں تا ان کی تکذیب لازم نہ آوے۔ لیکن وہ کامل یقین اور سکینت اور اطمینان جو ملہم کامل کو بعد معائنہ مطابقت وموافقت احادیث صحیحہ اور قرآن کریم اور بعد معلوم کرنے اس احاطہ تام کے جو درحقیقت قرآن کو تمام احادیث پر ہے ملتی ہے وہ علماء ظاہر کو کسی طرح نہیں مل سکتی۔ بلکہ بعض تو قرآن کریم کو ناقص وناتمام خیال کر بیٹھتے ہیں اور جن غیر محدود صداقتوں اور حقائق اور معارف پر قرآن کریم کے دائمی اور تمام تر اعجاز کی بنیاد ہے اس سے وہ منکر ہیں اور نہ صرف منکر بلکہ اپنے انکار کی وجہ سے ان تمام آیات بینات کو جھٹلاتے ہیں جن میں صاف صاف اللہ جلّ شانہٗ نے فرمایا ہے کہ قرآن جمیع تعلیمات دینیہ کا جامع ہے!!!

اب ناظرین سمجھ سکتے ہیں کہ میں نے سنن متوارثہ متعاملہ کو اپنے پرچہ نمبر پنجم وچہارم میں ایک علیحدہ حصہ بتصریح بیان کر دیا ہے اور میرے نمبر پنجم کے پڑھنے سے ظاہر ہوگا کہ میں نے ان سنن متوارثہ متعاملہ کو ایک ہی درجہ یقین پر قرار نہیں دیا بلکہ میں ان کے مراتب متفاوتہ کا قائل ہوں جیسا کہ

[1] النحل:۹۰ [2] الانعام: ۳۹

﴿۸۰﴾ میرے نمبر پنجم کے صفحہ ۳ میں یہ عبارت ہے کہ جس قدر حدیثیں تعامل کے سلسلہ سے فیض یاب ہیں وہ حسب استفاضہ اور بقدر اپنی فیض یابی کے یقین کے درجہ تک پہنچتے ہیں یعنی کوئی ان میں سے اول درجہ کے یقین پر پہنچ جاتی ہے اور کوئی اوسط تک اور کوئی ادنیٰ تک جس کو ظن غالب کہتے ہیں لیکن وہ تمام حدیثیں بغیر اس کے کہ محک قرآن سے آزمائی جائیں بوجہ جمع ہونے دونوں قوتوں تعامل اور صحت روایت کے اطمینان کے لائق ہیں مگر ایسی احاد حدیثیں جو سنن متوارثہ متعاملہ میں سے نہیں ہیں اور سلسلۂ تعامل سے کوئی معتد بہ تعلق نہیں رکھتیں وہ اس درجہ صحت سے گری ہوئی ہیں۔ اب ہر ایک دانا سمجھ سکتا ہے کہ ایسی حدیثیں صرف اخبار گزشتہ وقصص ماضیہ یا آئندہ ہیں جن کو نسخ سے بھی کچھ تعلق نہیں یہ میرا وہ بیان ہے جو میں اس تحریر سے پہلے لکھ چکا ہوں یہی وجہ ہے کہ میں نے اپنے کسی پرچہ میں ان دوسرے حصہ کی احادیث کا نام سنن متوارثہ متعاملہ نہیں رکھا بلکہ ابتدائے تحریر سے ہر جگہ حدیث کے نام سے یاد کیا جس سے میری مراد واقعات ماضیہ واخبار گزشتہ یا آئندہ تھیں اور ظاہر ہے کہ سنن متوارثہ متعاملہ اور احکام متداولہ کے نکالنے کے بعد جو احادیث بکلی فرضیت تعامل سے باہر رہ جاتے ہیں وہ یہی واقعات واخبار وقصص ہیں جو تعامل کے تاکیدی سلسلہ سے باہر ہیں اور ایک نادان بھی سمجھ سکتا ہے کہ یہ بحث احکام کے اختلافات کی وجہ سے شروع نہیں کی گئی۔ اور میں تمام مسلمانوں کو یقین دلاتا ہوں کہ مجھے کسی ایک حکم میں بھی دوسرے مسلمانوں سے علیحدگی نہیں جس طرح سارے اہل اسلام احکام بینہ قرآن کریم واحادیث صحیحہ وقیاسات مسلّمہ مجتہدین کو واجب العمل جانتے ہیں اسی طرح میں بھی جانتا ہوں۔ صرف بعض اخبار گزشتہ ومستقبلہ کی نسبت الہام الٰہی کی وجہ سے جس کو میں نے قرآن سے بکلی مطابق پایا ہے بعض اخبار حدیثیہ کے میں اس طرح پر معنی نہیں کرتا جو حال کے علماء کرتے ہیں کیونکہ ایسے معنے کرنے سے وہ احادیث نہ صرف قرآن کریم کے مخالف ٹھہرتی ہیں بلکہ دوسری احادیث کی بھی جو صحت میں ان کے برابر ہیں مغائر ومبائن قرار پاتی ہیں۔ سو دراصل یہ تمام بحث ان اخبار سے متعلق ہے جن کی نسخ کی نسبت کوئی سلف وخلف میں سے قائل نہیں۔ کوئی باسمجھ انسان ایسا نہیں جس کا یہ عقیدہ ہو کہ قرآن کریم کی وہ آیتیں جن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کا ذکر ہے حدیثوں سے منسوخ ہوچکی ہیں۔ یا یہ عقیدہ ہو کہ حدیثیں اپنی صحت میں ان سے بڑھ کر ہیں۔ بلکہ اس راہ میں بحالت انکار بجز اس طریق کے مجال کلام نہیں کہ یہ کہا جائے کہ وہ آیتیں پیش کرو ہم حدیثوں سے مطابق کردیں گے سوائے حضرت مولوی صاحب آپ ناراض نہ ہوں۔

﴿۸۱﴾ کاش آپ نے دیانت و امانت کو مدنظر رکھ کر وہی طریق مقصود اختیار کیا ہوتا! کیا آپ کو معلوم نہیں تھا کہ جو احادیث تعامل کے سلسلہ میں داخل ہوں ان کو میں بحث متنازع فیہ سے باہر کر چکا ہوں؟ اور اگر معلوم تھا تو پھر کیوں آپ نے گدھے کے حرام ہونے کی حدیث پیش کی؟ کیا کسی چیز کا حرام یا حلال کرنا احکام میں سے نہیں؟ اور کیا احکام اکل وشرب کے تعامل الناس سے باہر ہیں؟ اور پھر آپ نے **لعنت علی الواشمات والمستوشمات** کی بھی حدیث پیش کر دی اور آپکو کچھ خیال نہ آیا کہ یہ تو سب احکام ہیں جن کیلئے تعامل کے سلسلہ کے نیچے داخل ہونا ضروری ہے! آپ سچ کہیں کہ ان تمام غیر متعلق باتوں سے آپ نے اپنا اور سامعین کا وقت ضائع کیا یا کچھ اور کیا؟ لوگ منتظر تھے کہ اصل بحث کے سننے سے جس کا ایک دنیا میں شور پڑ گیا ہے فائدہ اٹھاویں اور حق اور ناحق کا فیصلہ ہو لیکن آپ نے نکمی اور فضول اور بے تعلق باتیں شروع کر دیں شاید ان باتوں سے وہ لوگ بہت خوش ہوئے ہونگے جن میں اصل مقصود کی شناخت کرنے کا مادہ نہیں لیکن میں سنتا ہوں کہ حقیقت شناس لوگ آپ کی اس تقریر سے سخت ناراض ہوئے اور آپ کی مناظرانہ لیاقت کا مادہ انہوں نے معلوم کر لیا کہ کہاں تک ہے بہرحال چونکہ آپ اپنے اس دھوکہ دینے والے مضمون کو ایک جلسہ عام میں سنا چکے ہیں اسلئے میں مواضع مناسبہ سے آپ کے اقوال قولہ۔ اقول کے طرز پر ذیل میں بیان کرتا ہوں تا منصفین پر کھل جائے کہ کہاں تک آپ نے دیانت وراستی وتہذیب اور طریق مناظرہ کا التزام کیا ہے۔ **وباللہ التوفیق**۔

قولہ۔ آپ نے میرے سوال کا جواب صاف اور قطعی نہیں دیا کہ احادیث جملہ صحیح ہیں یا جملہ موضوع یا مختلط۔

اقول۔ حضرت میں آپ کو کئی دفعہ جواب دے چکا ہوں کہ حصہ دوم احادیث کا جو تعامل کے سلسلہ سے یا یوں کہو کہ سنن متوارثہ متعاملہ سے باہر ہے صرف ظن کے درجہ پر ہے اور یہی میرا مذہب ہے اور چونکہ اس حصہ سے جو اخبار گزشتہ یا مستقبلہ کی قسم میں سے ہے نسخ بھی متعلق نہیں اس لئے درحالت مخالفت نصوص بینہ قرآن قابل تسلیم نہیں۔ اگر کوئی ایسی حدیث نص قطعی بین قرآن سے مخالف ہوگی تو قابل تاویل ہوگی یا موضوع قرار پائے گی۔

قولہ۔ صحیح بخاری ومسلم میں ایسی کوئی حدیث ہے جو بوجہ تعارض موضوع ٹھہر سکتی ہے؟

اقول۔ بے شک حصہ دوم کے متعلق کئی ایسی حدیثیں ہیں جن میں سخت تعارض پایا جاتا ہے جیسا کہ وہی حدیثیں جو نزول ابن مریم کے متعلق ہیں کیونکہ قرآن قطعی طور پر فیصلہ دیتا ہے کہ مسیح ابن مریم فوت ہوگیا ہے اور صحیحین کی بعض حدیثیں بھی اس فیصلہ پر شاہد ناطق ہیں اور ایک گروہ صحابہ اور علماء امت کا بھی قرناً بعد قرنٍ اسی بات کا مقرّ ہے اور نصاریٰ کا یونی ٹیرین فرقہ بھی اسی بات کا قائل ہے اور یہودیوں کا بھی یہی

﴿۸۲﴾

اعتقاد ہے اب اگر ان مخالف حدیثوں کی جو قرآن اور احادیث صحیحہ کے برخلاف ہیں ہماری طرز پر تاویل نہ کی جائے تو پھر بلاشبہ موضوع ٹھہریں گی اور خود وہ حدیثیں پکار پکار کر بتلا رہی ہیں کہ ابن مریم کا لفظ ان میں حقیقت پر محمول نہیں لیکن اس زمانہ کے اکثر مولوی صاحبان اور خاص کر آپ کی مرضی معلوم ہوتی ہے کہ قرآن سے ان کی تطبیق نہ دی جائے گو وہ بوجہ اس مخالفت کے موضوع ہی ٹھہر جائیں آپ کا دعویٰ تطبیق کا ہے لیکن اس فضول دعویٰ کو کون سنتا ہے جب تک آپ اس بحث کو شروع کر کے تطبیق کر کے نہ دکھلائیں ایسا ہی کئی حدیثیں اور بھی ہیں جن میں سخت تعارض باہمی پایا جاتا ہے مثلاً بخاری کے صفحہ ۴۵۵ میں جو معراج کی حدیث بروایت مالک لکھی ہے وہ دوسری حدیثوں سے جو اسی بخاری میں درج ہیں بالکل مختلف ہے صرف نمونہ کے طور پر دکھاتا ہوں کہ اس حدیث میں لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت موسیٰؑ کو چھٹے آسمان پر دیکھا لیکن بخاری کے صفحہ ۴۷۱ میں ابوذر کی روایت سے بجائے موسیٰؑ کے ابراہیم کا چھٹے آسمان پر دیکھنا لکھا ہے! اور پھر وہ حدیث بخاری کی جو باب صلوٰۃ میں ہے اور نیز امام احمد کی مسند میں بھی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ معراج بیداری میں تھا اور اسی پر اکثر اکابر صحابہ کا اتفاق بھی ہے لیکن بخاری کی حدیث صفحہ ۴۵۵ جو مالک کی روایت سے ہے اور نیز بخاری کی وہ حدیث جو شریک بن عبداللہ سے ہے صاف بیان کر رہی ہیں کہ وہ اسراء یعنی معراج نیند کی حالت میں تھا۔ اور تینوں حدیثوں میں محلِّ نزول جبرئیل مختلف لکھا ہے کسی میں عندالبیت اور کسی میں اپنا گھر ظاہر کیا ہے اور شریک کی حدیث میں قبل ان یوحٰی کا لفظ بھی درج ہے جس سے سمجھا جاتا ہے کہ آنحضرت کی پیغمبری سے پہلے معراج ہوا تھا حالانکہ اس میں کچھ بھی شک نہیں کہ یہ اسراء بعد بعثت ہوا ہے تبھی تو نمازیں بھی فرض ہوئیں۔ اور خود حدیث بھی بعد البعث پر دلالت کر رہی ہے جیسا کہ اسی حدیث میں جبرئیل کا قول بوّابُ السماء کے اس سوال کے جواب میں کہ أَبُعِثَ ۔ نَعَمْ لکھا ہے۔ ان اختلافات کا اگر یہ جواب دیا جائے کہ یہ اسراء متعدد اوقات میں واقع ہوا ہے اسی وجہ سے کبھی موسیٰ کو چھٹے آسمان میں دیکھا اور کبھی ابراہیم کو تو یہ تاویل رکیک ہے کیونکہ انبیاء اور اولیا بعد موت کے اپنے اپنے مقامات سے تجاوز نہیں کرتے جیسا کہ قرآن کریم سے ثابت ہوتا ہے۔

ماسوا اس کے معراج کے متعدد ماننے میں ایک بڑی خرابی یہ ہے کہ بعض احکام ناقابل تبدیل اور مستمرہ کا فضول طور پر منسوخ ماننا پڑتا ہے اور حکیم مطلق کو ایک لغو اور بے ضرورت تنسیخ کا مرتکب قرار دے کر پھر پشیمانی کے طور پر پہلے ہی حکم کی طرف عود کرنے والا اعتقاد کرنا پڑتا ہے۔ کیونکہ اگر قصہ معراج کئی مرتبہ

﴿۸۳﴾ واقع ہوا ہے جیسا کہ احادیث کا تعارض دور کرنے کیلئے جواب دیا جاتا ہے تو پھر اس صورت میں یہ اعتقاد ہونا چاہیئے کہ مثلاً پہلی دفعہ کی معراج کے وقت میں نمازیں پچاس فرض کی گئیں اور ان پچاس میں تخفیف کرانے کیلئے کئی مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے موسیٰ اور اپنے رب میں آمدورفت کی۔ یہاں تک کہ پچاس نماز سے تخفیف کرا کر پانچ منظور کرائیں۔ اور خدا تعالیٰ نے کہہ دیا کہ اب ہمیشہ کیلئے غیر مبدل یہ حکم ہے کہ نمازیں پانچ مقرر ہوئیں اور قرآن پانچ کیلئے نازل ہوگیا پھر دوسری دفعہ کی معراج میں یہی جھگڑا پھر از سر نو پیش آ گیا کہ خدا تعالیٰ نے پھر نمازیں پچاس مقرر کیں اور قرآن میں جو حکم وارد ہو چکا تھا اس کا کچھ بھی لحاظ نہ رکھا اور منسوخ کر دیا مگر پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی دفعہ کے معراج کی طرح پچاس نمازوں میں کچھ تخفیف کرانے کی غرض سے کئی دفعہ حضرت موسیٰؑ اور اپنے رب میں آمدورفت کرکے نمازیں پانچ مقرر کرائیں اور جناب الٰہی سے ہمیشہ کیلئے یہ منظوری ہوگئی کہ نمازیں پانچ پڑھا کریں اور قرآن میں یہ حکم غیر متبدل قرار پا گیا لیکن پھر تیسری دفعہ کے معراج میں وہی پہلی مصیبت پھر پیش آ گئی اور نمازیں پچاس مقرر کی گئیں اور قرآن کریم کی آیتیں جو غیر متبدل تھیں منسوخ کی گئیں پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سی دقت اور بار بار کی آمدورفت سے پانچ نمازیں منظور کرائیں مگر منسوخ شدہ آیتوں کے بعد پھر کوئی نئی آیت نازل نہ ہوئی!!! اب کیا یہ سمجھ میں آ سکتا ہے کہ خدا تعالیٰ ایک دفعہ تخفیف کرکے پھر پانچ سے پچاس نمازیں بنا دے اور پھر تخفیف کرے اور پھر پچاس کی پانچ ہو جائیں! اور بار بار قرآن کی آیتیں منسوخ کی جائیں اور حسب منشاء نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا[1] اور کوئی آیت ناسخ نازل نہ ہو! درحقیقت ایسا خیال کرنا وحی الٰہی کے ساتھ ایک بازی ہے! جن لوگوں نے ایسا خیال کیا تھا انکا مدعا یہ تھا کہ کسی طرح تعارض دور ہو لیکن ایسی تاویلوں سے ہرگز تعارض دور نہیں ہوسکتا بلکہ اور بھی اعتراضات کا ذخیرہ بڑھتا ہے ایسا ہی اور کئی حدیثوں میں تعارض ہے۔

قولہ۔ آپ لکھتے ہیں کہ احادیث کے دو حصے ہیں اول وہ حصہ جو تعامل میں آ چکا ہے جس میں وہ تمام ضروریات دین اور عبادات اور معاملات اور احکام شرع داخل ہیں دوسرا وہ حصہ جو تعامل سے تعلق نہیں رکھتا یہ حصہ یقینی طور پر صحیح نہیں ہے اور اگر قرآن سے مخالف نہ ہو تو صحیح تسلیم ہوسکتا ہے اس قول سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ فن حدیث اور اصول روایات اور قوانین درایت سے محض ناواقف ہیں اور مسائل اسلامیہ سے ناآشنا۔

[1] البقرة : ۱۰۷

﴿۸۴﴾

اقــــول ۔آپ کا یہ ثابت کرنا اس بات کو ثابت کر رہا ہے کہ علاوہ حدیث دانی کے سخن فہمی کا بھی آپ کو بہت سا ملکہ ہے☆ ۔ ناظرین سمجھ سکتے ہیں کہ میں نے جو کچھ اپنی پہلی تحریروں کے نمبر چہارم و پنجم میں بیان کیا ہے وہ عام لوگوں کے سمجھانے کیلئے ایک عام فہم عبارت ہے اسی لئے میں نے اہل حدیث کی اصطلاح سے کچھ سروکار نہیں رکھا کیونکہ جو مضمون عام جلسہ میں پڑھا جائے وہ حتی الوسع عوام کے فہم اور استعداد کے موافق ہونا چاہئے نہ کہ ملاؤں کی طرح لفظ لفظ میں اپنے علم کی نمائش ہو۔ اور یہ بات ہر ایک کی سمجھ میں آ سکتی ہے کہ فی الواقعہ احادیث کے دو ہی حصے ہیں ایک وہ جو احکام اور ایسے امور سے متعلق ہیں جو اصل تعلیم اسلام اور تعامل سے تعلق رکھتے ہیں اور ایک وہ جو حکایات اور واقعات اور قصص اور اخبار ہیں جن کا سلسلہ تعامل سے کچھ ایسا ضروری تعلق قرار نہیں دیا گیا سو میں نے ضروریات دین کے لفظ سے انہی امور کو مراد لیا ہے جن کا سلسلہ تعامل سے ضروری تعلق ہے اور آپ اپنی حدیث دانی دکھلانے کیلئے اس صاف اور سیدھی تقریر پر بے جا مواخذہ کرنا چاہتے ہیں اور ناحق ضروریات کے لفظ کو پکڑ لیا ہے۔ کیا آپ کو اس بات کا بھی علم نہیں کہ ہر ایک شخص اپنے لئے اصطلاح قرار دینے کا مجاز ہے؟ آپ فرماتے ہیں کہ اگر ضروریات سے مراد امور متعلقہ حاجت ہوں تو اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث خارج و مستثنیٰ نہیں رہتی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ دین میں فرمایا ہے وہ دینی حاجت اور ضرورت کے متعلق ہے لیکن افسوس کہ آپ دانستہ حق پوشی کر رہے ہیں۔ آپ خوب جانتے ہیں کہ اخبار و قصص کو جو امر متنازعہ فیہ ہے، سلسلۂ تعامل سے کوئی معتد بہ تعلق نہیں جو کچھ ہمیں مسلمان بننے کیلئے ضرورتیں ہیں وہ احکام فرمودہ اللہ اور رسول سے حاصل ہیں اور وہی احکام تعامل کی صورت میں عصراً بعد عصرٍ صادر ہوتے رہتے ہیں مسلم اور بخاری میں کئی جگہ بنی اسرائیل کے قصے اور انبیاء اور اولیاء اور کفار کی بھی حکایتیں ہیں جن پر بجز خاص خاص لوگوں کے جو فن حدیث کا شغل رکھتے ہیں دوسروں کو اطلاع تک نہیں اور نہ حقیقت اسلامیہ کی تحقیق کیلئے ان کی اطلاع کچھ ضروری ہے سو وہی اور اسی قسم کے

☆ **حاشیہ**

حضرت مرشدنا! مولوی صاحب کی سخن فہمی اور سخن دانی کا ایک یہ خاکسار بھی قائل ہے اور ثبوت میں مولوی صاحب کا یہ نادر شعر پیش کرتا ہوں۔

آنکس کہ خود ز ضعف و مرض لاغری کند اللہ اللہ! **صدق من قال وھو القائل العزیز** وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا فِیْٓ اَکِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَیْهِ وَفِیْٓ اٰذَانِنَا وَقْرٌ[1] الآیۃ۔ ایڈیٹر

[1] حٰمٓ السجدۃ : ۶

اَور امور ہیں جن کا نام میں احادیث مجردہ رکھتا ہوں۔ سنن متوارثہ کے نام سے انہیں موسوم نہیں کرتا اور وہی ہیں جو سلسلۂ تعامل سے خارج ہیں اور مسلمانوں کو تعامل کی حدیثوں کی طرح ان کی کوئی بھی ضرورت نہیں اگر اسی مجلس میں بعض قصص بخاری یا مسلم کے حاضر الوقت مسلمانوں سے دریافت کی جائیں تو ایسے آدمی بہت ہی تھوڑے نکلیں گے جن کو وہ تمام حالات معلوم ہوں بلکہ بجز کسی ایسے شخص کے جو اپنی معلومات کے بڑھانے کی غرض سے دن رات احادیث کا شغل رکھتا ہے اور کوئی نہیں ہے جو بیان کر سکے لیکن ہر یک مسلمان ان تمام احکام اور فرائض کو جو ہم پہلے حصہ میں داخل کرتے ہیں عملی طور پر یاد رکھتا ہے کیونکہ وہ مسلمان بننے کی حالت میں دائمی طور پر اس کو کرنی پڑتی ہیں یا کبھی کبھی کرنے کیلئے وہ مجبور کیا جاتا ہے ہاں یہ سچ ہے کہ تعامل کے متعلق جو احکام ہیں وہ سب ثبوت کے لحاظ سے ایک درجہ پر نہیں جن امور کی مواظبت اور مداومت بلا فتور و اختلاف چلی آئی ہے وہ اول درجہ پر ہیں اور جس قدر احکام اپنے ساتھ اختلاف لے کر تعامل کے دائرہ میں داخل ہوئے ہیں وہ بحسب اختلاف اس پہلے نمبر سے کم درجہ پر ہیں مثلاً رفع یدین یا عدم رفع یدین جو دو طور کا تعامل چلا آتا ہے ان دونوں طوروں سے جو تعامل قرن اوّل سے آج تک کثرت سے پایا جاتا ہے اس کا درجہ زیادہ ہوگا اور باایں ہمہ دوسرے کو بدعت نہیں ٹھہرائیں گے بلکہ ان دونوں عملوں کی تطبیق کی غرض سے یہ خیال ہوگا کہ باوجود مسلسل تعامل کے پھر اس اختلاف کا پایا جانا اس بات پر دلیل ہے کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہفت قراءت کی طرح طرق ادائے صلوٰۃ میں رفع تکلیف امت کیلئے وسعت دیدی ہوگی اور اس اختلاف کو خود دانستہ رخصت میں داخل کر دیا ہوگا تا امت پر حرج نہ ہو۔ غرض اس میں کون شک کر سکتا ہے کہ سلسلہ تعامل سے احادیث نبویہ کو قوت پہنچتی ہے اور سنت متوارثہ متعاملہ کا ان کو لقب ملتا ہے۔ یاد رکھنا چاہئے کہ جو نمبر اول پر سلسلہ تعامل احکام ہے وہ اختلاف سے بکلی محفوظ ہے۔ کوئی مسلمان اس بات میں اختلاف نہیں رکھتا کہ فریضہ صبح کی دو رکعت ہیں اور مغرب کی تین اور ظہر اور عصر اور عشاء کی چار چار اور کسی کو اس بات میں اختلاف نہیں کہ ہر یک نماز میں بشرطیکہ کوئی مانع نہ ہو قیام اور قعود اور سجود اور رکوع ضروری ہے اور سلام کے ساتھ نماز سے باہر آنا چاہئے ایسا ہی خطبہ جمعہ اور عیدین اور عبادات اور اعتکاف عشرہ اخیرہ رمضان اور حج اور زکوٰۃ ایسے امور ہیں جو بہ برکت تعامل اپنے نفس وجود میں محفوظ چلی آتی ہیں اور ہمارا یہ دعویٰ نہیں کہ ہر ایک حکم نبوی اور تعلیم مصطفوی یکساں طور پر سلسلہ میں آ گئی ہے ہاں جو کامل طور پر آ گیا ہے وہ کامل طور پر ثبوت کا نور اپنے ساتھ رکھتا ہے ورنہ جس قدر یا جس مرتبہ تک کوئی حکم سلسلہ تعامل سے فیض یاب ہوا ہے اسی قدر ثبوت اور یقین کے رنگ سے رنگین ہو گیا ہے۔

﴿۸۶﴾

قولہ۔ آپ نے جو سلامت فہم راوی شرط ٹھہرایا ہے یہ آپ کے فنون حدیث کی ناواقفی پر دلیل ہے فہم معنے ہر یک حدیث کی روایت کے لئے شرط نہیں ہے بلکہ خاص کر اس حدیث کی روایت کیلئے شرط ہے جس میں بالمعنے روایت ہو۔

اقول۔ حضرت میں نے سلامت فہم کو شرط ٹھہرایا ہے نہ فہم معنی کو۔ خدا تعالیٰ آپ کو سلامت فہم☆ بخشے۔ سلامت فہم تو یہ ہے کہ قوت مدرکہ میں کوئی آفت نہ ہو۔ اختلال دماغ نہ ہو۔ اور یہ بھی سراسر آپ کی کم فہمی معلوم ہوتی ہے کہ حدیث کے راویوں نے محض الفاظ سے غرض رکھی ہے یہ ظاہر ہے کہ جب تک لفظ کے سننے سے اس کے معنی کی طرف ذہن انتقال نہ کرے اور مجرد الفاظ بغیر معانی کے یاد ہوں جیسے ایک شخص انگریزی سے محض ناآشنا اس کے چند لفظ سن کر یاد کر لیوے ایسا شخص مبلغین میں داخل نہیں ہوسکتا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم آنحضرت کی احادیث کے مبلغ تھے اور تبلیغ کیلئے کم سے کم اس قدر تو فہم ضروری ہے کہ لغوی طور پر ان عبارتوں کے معنے معلوم ہوں۔ اور جو شخص اس قدر فہم بھی نہیں رکھتا کہ مجھے جو دوسرے تک پہنچانے کیلئے ایک بات کہی گئی وہ کس زبان میں ہے کیا عربی ہے یا انگریزی یا ترکی یا عبری اور اس کے معنے کیا ہیں ایسا شخص کیا خاک اس پیغام کی تبلیغ کرے گا اور اگر حدیثوں کے ایسے ہی مبلغ تھے کہ ان کیلئے ذرہ بھی یہ شرط نہیں تھی کہ الفاظ کے لغوی معنی بھی انہیں معلوم ہوں تو ایسے مبلغوں سے خدا حافظ❁ اور ایسوں سے جو فن حدیث کی شان کو دھبہ لگتا ہے وہ پوشیدہ نہیں جو شخص ایک ایسا پیغام پہنچاتا ہے جو بکلی قوت مدرکہ اس کے اس پیغام کے الفاظ سمجھنے سے بے نصیب ہے وہ ان الفاظ کے یاد رکھنے میں بھی کب اور کیونکر محفوظ رہ سکتا ہے؟ جیسے وہ شخص جو انگریزی زبان سے بکلی ناواقف ہے وہ انگریزی عبارتوں کو کئی مرتبہ سن کر بھی یاد نہیں رکھ سکتا بلکہ ایک لفظ بھی اس لہجہ پر ادا نہیں کرسکتا اور یہ آپ کا دعویٰ بھی بالکل فضول ہے کہ حدیثیں بعینہٖ الفاظ سے نقل ہوئی ہیں بجز اس صورت کے کہ صحابی نے بالمعنے

حاشیہ ☆ اس کی تو بہت کم توقع ہے اب ضرور ہے کہ عجلت مزاج مولوی صاحب ان تمام عواقب اور عوارض اور لوازم کو اپنے اوپر وارد ہوتا دیکھیں جو ایک اولوالعزم جری اللہ ولی اللہ کی مخالفت و معادات کا اٹل نتیجہ ہیں سچ ہے من عادیٰ لی ولیا فقد آذنتہ بالحرب۔ سلامت طبع۔ سلامت حواس اور معقول پسندی بالمرہ مولوی صاحب سے رخصت ہوگئی ہے ان کی تحریرات موجودہ اس کی شاہد ہیں۔ ایڈیٹر

حاشیہ ❁ مولوی صاحب کے ہوش و حواس کو کیا ہوگیا مولوی صاحب نے ٹھیک اس وقت نادان دوست کا روپ بھرا ہوا ہے خدارا وہ غور کریں کہ وہ علٰی غفلۃٍ حدیث کی حمایت کی آڑ میں اس کی تردید کر رہے ہیں۔ ایڈیٹر

حکایت کا اقرار کر دیا ہو کیونکہ اگر آپ کا یہی اعتقاد ہے تو آپ پر بڑی مصیبت پڑے گی اور آپ اس تعارض کو جو محض الفاظ کے اختلاف کی وجہ سے جو بعض حدیثوں میں پیدا ہوتا ہے کسی طرح دور نہیں کر سکیں گے۔ مثلاً بخاری کی انہیں حدیثوں کو دیکھو جن میں قطع اور جزم کے طور پر بعض جگہ معراج کی رات میں حضرت موسیٰؑ کو چھٹے آسمان میں بتلایا ہے اور بعض جگہ حضرت ابراہیم کو۔ پھر جس حالت میں باقرار آپ کے احادیث کے مبلغ فہم احادیث سے فارغ تھے یعنی ان کیلئے ان الفاظ کا سمجھنا جو ان کے منہ سے نکلے تھے ضروری نہیں تھا اور حافظہ کا یہ حال تھا کہ کبھی موسیٰ کو چھٹے آسمان پر جگہ دی اور کبھی ابراہیم کو تو پھر ایسے مبلغین کی وہ شہادتیں جو حدیث کے ذریعہ سے انہوں نے پیش کیں کس قدر وزن رکھتی ہیں! جائے شرم ہے! آپ کیوں ناحق ان بزرگوں پر ایسے الزام لگاتے ہیں جو معمولی انسانیت سے بھی بعید ہوں! صاف ظاہر ہے کہ جس کی قوت فہم بکلی مسلوب ہو وہ نیم مجنون یا مدہوش کا حکم رکھتا ہے ایسا کون عقل مند ہے کہ ایسے **مخبط الحواس** کے منہ سے کوئی حدیث سن کر پھر اس کو واجب العمل قرار دے یا اس کے ساتھ قرآن پر زیادت جائز ہو! افسوس کہ آپ نے یہ بھی نہیں سمجھا کہ اگر سلامت فہم راوی کیلئے شرط نہیں تو پھر عدم سلامت فہم جو فساد عقل کے ہم معنی ہیں کسی راوی میں پایا جانا جائز ہوگا۔ اس صورت میں مجانین اور سُکاریٰ کی روایت بلادغدغہ جائز اور صحیح ہوگی! کیونکہ سلامت فہم سے مراد یہ ہے کہ قوت فاہمہ باطل اور **مختل** نہ ہو۔ آپ اپنے بیان میں راوی کیلئے عدل کی شرط لگاتے ہیں اور صفت عدل کی صفت سلامت فہم کے تابع ہے اگر سلامت فہم میں آفت ہو صفت درست فہمی میں اختلال راہ پاوے تو پھر کسی کے قول اور فعل میں عدل بھی قائم نہیں رہ سکتا۔ ہمیشہ عدل کو سلامت فہم مستلزم ہے اب بھی اگر آپ ضد سے باز نہ آئیں تو پھر آپ پر فرض ہوگا کہ آپ کسی معتبر کتاب کا حوالہ دیں جس سے ثابت ہو جو **مختل الفہم** لوگوں کی روایت بھی محدثین کے نزدیک قبول کے لائق ہے تا آپ کی حدیث دانی ثابت ہو ورنہ وہ تمام الفاظ عدم علم جو اپنی عادت کی لاچاری سے آپ اس عاجز کی نسبت استعمال کرتے ہیں آپ پر وارد ہوں گے اور میں تو محدثین کا متبع اور شاگرد ہو کر گفتگو نہیں کرتا تا میرے لئے ان کے نقش قدم پر چلنا یا ان کی اصطلاحوں کا پابند ہونا ضروری☆ ہو بلکہ الٰہی تفہیم سے گفتگو کرتا ہوں لیکن میں آپ کے اس بار بار کی تحقیر کے الفاظ سے جو آپ فرماتے

﴿۸۷﴾

حاشیہ ☆ کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ محدثین کی اصطلاحات توقیفی ہیں اور شارع علیہ السلام کی تصدیق کی مہر ان پر لگی ہوئی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ جیسے اور علوم وفنون کی مصطلحات انسانوں نے اپنے ذہنوں کی صفائی سے تراشی ہیں۔ اس مقدس

﴿۸۸﴾

ہیں جو تم فن حدیث سے محض نا آشنا ہو کچھ آپ پر افسوس نہیں کرتا کیونکہ جس حالت میں آپ اس استخفاف کی عادت سے ایسے مجبور ہیں کہ **امام بزرگ ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ** بھی جنہوں نے بعض تابعین کو بھی دیکھا تھا اور جو علم دین کے ایک دریا تھے آپ کی تحقیر سے بچ نہیں سکے☆ اور آپ نے ان کی نسبت بھی کہہ دیا کہ باوجود قرب مکان اور زمان حدیث نبوی کے پانے سے محروم رہے اور ناچاری سے قیاسی اٹکلوں پر گزارہ رہا تو پھر اگر مجھے

بقیہ حاشیہ

علم کی (جس پر بوجہ امتداد زمانہ اور اختلافات فرق اور بنی عباس اور بنی امیہ، بنی فاطمہ کی باہمی خانہ جنگیوں اور بغض و معاندت کی سخت تاریکی چھا گئی تھی) تحقیق وتنقید کیلئے جودت فہم سے نہ الہام الٰہی اور وحی سے اصول اور قواعد تراشے۔ بنا برآں ہرگز ضروری نہیں کہ ایک مؤیّد من اللہ اور ملہم اور صاحب الوحی شخص کو انکی پابندی لازمی ہو۔ ایڈیٹر

حاشیہ

☆ ٹھیک اسی طرح پر جس طرح جناب مسیح علیہ السلام کی نسبت سنگدل یہود نے نہایت حقارت سے ذکر کرنا اور ان پر ناگفتہ بہ الزامات لگانے کا سلسلہ جاری کر رکھا تھا اور کوئی بھی صاحب بصیرت اور غیرت کا حامی ایسا نہ تھا جو جناب روح اللہ کی عزت و آبرو کو ان بے ایمانوں کے ہاتھ سے بچانے کی کوشش کرتا اور آخر کار بنی آدم کا ایک حقیقی خیرخواہ اور تمام راستبازوں کا زبردست حامی (**اللّٰھم صل علیہ وعلی آلہ واجعلنی فداہ ووفقنی لاشاعة ماجاء بہ صَلَّی اللّٰہ علیہ وسلم**) دنیا میں آیا جس نے وَجِيْهًا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ[1] کی بشارت سنا کر ان کی کھوئی ہوئی عزت کو پھر بحال کیا۔ امام ابوحنیفہؒ کی سخت بے عزتی۔ سخت حقارت۔ سخت ہتک اس سنگدل۔ خشک اور بے مغز گروہ (غیر مقلدین) نے اپنی تحریرات وتقریرات میں کی۔ ان کے علم وفضل۔ ان کی کتاب وسنت کی واقفیت پر بڑی جرأت سے نکتہ چینیاں کیں۔ آخر اسی احمدؐ۔ محمدؐ (**علیہ افضل الصلوات و التسلیمات**) کا خادم اور سچا خادم آیا اور ایک خدا کے برگزیدہ بندے۔ حقیقی متبع السنہ کی عزت و آبرو کو چند بے باک شوخوں شیخوں کی دست برد سے بچایا۔ اور یہ بات قدرتی طور پر اس لئے ہوئی کہ اس مسیح موعود علیہ السلام کو حضرت امام ہمام ابوحنیفہ سے ایک زبردست مشابہت اور تامہ ملابست ہے کیونکہ جناب امام رحمۃ اللہ بھی قرآن کریم سے استنباط و استخراج مسائل کے کرنے میں ممتاز ملکہ اور خاص خداداد استعداد رکھتے تھے اور تابمقدور تمام مسائل و واقعات پیش آمدہ کا مدار و مناط قرآن کریم ہی کو بناتے تھے اور بہت کم اور نہایت ہی کم احادیث کی طرف بوجہ ان کے غیر محفوظ ہونے اور اضطراب و ضعف کے توجہ کرتے تھے۔ ایسا ہی ہمارے مرشد و ہادی حضرت مرزا صاحب بھی قرآن کریم سے دقائق و معارف اور علوم الٰہیہ کے استنباط کرنے میں ید طولیٰ رکھتے ہیں اور قرآن کے ساتھ جو شرک کیا گیا ہے۔

[1] ال عمران: ۴۶

﴿۸۹﴾ بھی آپ انہیں القاب سے ملقب کریں تو دراصل مجھے خوشی کرنی چاہئے کہ جو کچھ **امام صاحب** کی نسبت آپ کی زبان نے حق درازی کا دکھلایا وہی باتیں میرے حق میں بھی ظہور میں آئیں۔

قولہ ۔شاید آپ کہیں گے کہ احادیث سبھی بالمعنی روایت ہوتی ہیں جیسا کہ آپ کے مقتدا سید احمد خاں نے کہا ہے جس کی تقلید سے آپ نے قرآن کو معیار صحت احادیث ٹھہرایا۔

اقول ۔ یہ آپ کا سراسر افترا ہے کہ سید احمد خاں کو اس عاجز کا مقتدا ٹھہراتے ہیں۔ میرا مقتدا اللہ جلّ شانہٗ کا کلام ہے اور پھر اس کے رسول کا کلام۔ میں نے کس وقت کہا ہے کہ احادیث سبھی بالمعنی روایت ہوتی ہیں؟ بلکہ میرا تو یہ مذہب ہے کہ حتی الوسع صحابہ اہتمام حفظ اصل الفاظ نبی علیہ السلام کیلئے ساعی تھے تا ہر یک شخص ان متبرک الفاظ پر غور کر سکے اور نبی علیہ السلام کا اصل مطلب سمجھنے کیلئے وہ الفاظ مؤیّد ہوں ہاں ان کی روایتوں پر اور ایسا ہی دوسروں کی روایت پر اعتماد کامل کرنے کیلئے سلامت فہم ضروری شرط ہے کیونکہ اگر فہم میں بباعث پیرانہ سالی یا اختلال دماغ کے کوئی آفت پیدا ہوجائے تو مجرد حفظ

بقیہ حاشیہ ﴿۸۹﴾

کہ اس کی حقیقی عزت اور بلا اشتراک عزت اس سے چھین کر اوراور غیر معصوم کتابوں کو دی گئی ہے اس ناقابل مغفرت شرک مٹانے کیلئے آئے ہیں۔ خاکسار کے روبرو بڑی مجلس میں حضور نے فرمایا تھا کہ اگر دنیا کی تمام کتابیں۔ فقہ۔ حدیث۔ علم کلام وغیرہ وغیرہ جو انسان کی تمدنی۔ معاشرتی مجلسی اور سیاسی زندگی سے تعلق رکھتی ہیں اور جنہیں لوگ ضروری اور لابدی کہتے ہیں بالفرض دنیا سے یک قلم اٹھادی جائیں۔ میں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ میں اللہ کی مدد وتوفیق سے ان تمام ضروریات اور متجددہ احتیاجات کو قرآن کریم سے استنباطاً پورا کر کے دکھا دوں گا۔ سبحان اللہ! واقعی آپ کا دعویٰ بجا دیکھا گیا ہے۔ امید ہے کہ براہین احمدیہ اور بالآخر ازالہ اوہام کے پڑھنے والے اس دعوے کی تصدیق میں ذرا بھی تذبذب نہ دکھائیں گے۔ کہاں اور کس تفسیر وکتاب میں وہ عجائب نکات ودقائق ہیں جو اس مجدد۔ محدث اور جری اللہ نے قرآن کریم سے نکال کر دکھائے ہیں؟ یہ الزام تراشنا کہ امام ہمام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تعریف حنفیوں کو خوش کرنے کیلئے کی گئی ہے اس قابل ہے کہ اس کے جواب سے اعراض کیا جاوے۔ اس لئے کہ ہر ایک عقل مند جانتا ہے کہ مرزا صاحب اپنے بلند اور سچے دعاوی سے کہاں تک ملل ونحل کو خوش کر رہے ہیں۔ (ایڈیٹر)

﴿۹۰﴾ الفاظ کافی نہیں بلکہ اس صورت میں تو الفاظ میں بھی شک پڑتا ہے کہ شاید اختلال دماغ کے سبب سے اس میں بھی کچھ تصرف ہوگیا اور قرآن کریم کے معیار بنانے سے آپ کیوں چڑتے ہیں؟ جب کہ قرآن حق و باطل میں فرق کرنے کیلئے آیا ہے۔ پھر اگر وہ معیار نہیں تو اور کیا ہے؟ بلاشبہ قرآن کریم تمام صداقتوں پر حاوی ہے اور تمام علوم میں جہاں تک صحت سے ان کو تعلق ہے قرآن کریم میں پائے جاتے ہیں لیکن وہ عظمتیں اور وہ کمالات جو قرآن میں ہیں مطہرین پر کھلتے ہیں جن کو وحی الٰہی سے مشرف کیا جاتا ہے اور ہر ایک شخص تب مومن بنتا ہے کہ جب سچے دل سے اس بات کا اقرار کرے کہ درحقیقت قرآن کریم احادیث کیلئے جو راویوں کے دخل سے جمع کی گئی ہیں معیار ہے۔ گو اس معیار کے تمام استعمال پر عوام کو فہمی قدرت حاصل نہیں صرف اخص لوگوں کو حاصل ہے لیکن قدرت کا حاصل نہ ہونا اور چیز ہے اور ایک چیز کا ایک چیز کیلئے واقعی طور پر معیار ہونا یہ اور امر ہے۔ میں پوچھتا ہوں کہ جو صفات اللہ جلّ شانہٗ نے قرآن کریم کیلئے آپ بیان فرمائی ہیں کیا ان پر ایمان لانا فرض ہے یا نہیں؟ اور اگر فرض ہے تو پھر میں پوچھتا ہوں کہ کیا اس سبحانہٗ نے **قرآن کریم** کا نام عام طور پر **قول فصل** اور **فرقان** اور **میزان** اور **امام** اور **حکم** اور **نور** نہیں رکھا؟ اور کیا اس کو جمیع اختلافات کے دور کرنے کا آلہ نہیں ٹھہرایا؟ اور کیا یہ نہیں فرمایا کہ اس میں ہر ایک چیز کی تفصیل ہے؟ اور ہر یک امر کا بیان ہے اور کیا یہ نہیں لکھا کہ اس کے فیصلہ کے مخالف کوئی حدیث ماننے کے لائق نہیں؟ اور اگر یہ سب باتیں سچ ہیں تو کیا مومن کیلئے ضروری نہیں جو ان پر ایمان لاوے اور زبان سے اقرار اور دل سے تصدیق کرے؟ اور واقعی طور پر اپنا یہ اعتقاد رکھے کہ حقیقت میں قرآن کریم معیار اور حکم اور امام ہے۔ لیکن محجوب لوگ قرآن کریم کے دقیق اشارات اور اسرار کی تہہ تک نہیں پہنچ سکتے اور اس سے مسائل شرعیہ کا استنباط اور استخراج کرنے پر قادر نہیں اس لئے وہ احادیث صحیحہ نبویہ کو اس نگاہ سے دیکھتے ہیں کہ گویا وہ قرآن کریم پر کچھ زوائد بیان کرتی ہیں یا بعض احکام میں اس کی ناسخ ہیں۔ اور نہ زوائد بیان کرتی ہیں بلکہ قرآن شریف کے بعض مجمل اشارات کی شارح ہیں۔ قرآن کریم آپ فرماتا ہے۔ مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا[1] یعنی کوئی آیت ہم منسوخ یا منسی نہیں کرتے جس کے عوض دوسری آیت ویسی ہی یا اس سے بہتر نہیں لاتے۔ پس اس آیت میں قرآن کریم نے صاف فرما دیا ہے کہ نسخ آیت کا آیت سے ہی ہوتا ہے اسی وجہ سے وعدہ دیا ہے کہ نسخ کے بعد ضرور آیت منسوخہ کی جگہ آیت نازل ہوتی ہے ہاں علماء نے مسامحت کی راہ سے بعض احادیث کو بعض آیات کی ناسخ ٹھہرایا ہے جیسا کہ حنفی فقہ کے رو سے مشہور حدیث سے آیت

[1] البقرۃ: ۱۰۷

منسوخ ہوسکتی ہے مگر امام شافعی اس بات کا قائل ہے کہ متواتر حدیث سے بھی قرآن کا نسخ جائز نہیں اور بعض محدثین خبر واحد سے بھی نسخ آیت کے قائل ہیں لیکن قائلین نسخ کا یہ ہرگز مطلب نہیں کہ حقیقی اور واقعی طور پر حدیث سے آیت منسوخ ہوجاتی ہے بلکہ وہ لکھتے ہیں کہ واقعی امر تو یہی ہے کہ قرآن پر نہ زیادت جائز ہے اور نہ نسخ کسی حدیث سے لیکن ہماری نظر قاصر میں جو استخراج مسائل قرآن سے عاجز ہے یہ سب باتیں صورت پذیر معلوم ہوتی ہیں اور حق یہی ہے کہ حقیقی نسخ اور حقیقی زیادت قرآن پر جائز نہیں کیونکہ اس سے اس کی تکذیب لازم آتی ہے نورالانوار جو حنفیوں کے اصول فقہ کی کتاب ہے اس کے صفحہ ۹۱ میں لکھا ہے۔ روی عن النبی صلی اللہ علیہ و سلم بعث معاذا الی الیمن قال لہ بماتقضی یامعاذ فقال بکتاب اللہ قال فان لم تجد قال بسنۃ رسول اللہ قال فان لم تجد قال اجتھد برأی فقال الحمدللہ الذی وفق رسولہ بما یرضی بہ رسولہ لایقال انہ یناقض قول اللہ تعالی ما فرطنا فی الکتاب من شیءٍ فکل شیءٍ فی القرآن فکیف یقال فان لم تجد فی کتاب اللہ لانّا نقول ان عدم الوجدان لایقضی عدم کونہ فی القرآن ولھٰذا قال صلی اللہ علیہ و سلم فان لم تجد، ولم یقل فان لم یکن فی الکتاب ۔اس عبارت مذکورہ بالا میں اس بات کا اقرار ہے کہ ہر ایک امر دین قرآن میں درج ہے کوئی چیز اس سے باہر نہیں اور اگر تفاسیر کے اقوال جو اس بات کے مؤیّد ہیں بیان کئے جائیں تو اس کیلئے ایک دفتر چاہئے۔ لہٰذا اصل حق الامر یہی ہے کہ جو چیز قرآن سے باہر یا اس کے مخالف ہے وہ مردود ہے اور احادیث صحیحہ قرآن سے باہر نہیں۔ کیونکہ وحی غیر متلو کی مدد سے وہ تمام مسائل قرآن سے مستخرج اور مستنبط کئے گئے ہیں۔ ہاں یہ سچ ہے کہ وہ استخراج اور استنباط بجز رسول اللہ یا اسی شخص کے جو ظلّی طور پر ان کمالات تک پہنچ گیا ہو ہر یک کا کام نہیں اور اس میں کچھ شک نہیں کہ جن کو ظلّی طور پر عنایات الٰہیہ نے وہ علم بخشا ہو جو اس کے رسول متبوع کو بخشا تھا وہ حقائق و معارف دقیقہ قرآن کریم پر مطلع کیا جاتا ہے جیسا کہ اللہ جلّ شانہٗ کا وعدہ ہے لَا یَمَسُّہٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ [1] اور جیسا کہ وعدہ ہے یُؤْتِی الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِیَ خَيْرًا كَثِيْرًا [2] اس جگہ **حکمت** سے مراد علم قرآن ہے۔ سو ایسے لوگ وحی خاص کے ذریعہ سے علم اور بصیرت کی راہ سے مطلع کئے جاتے ہیں اور صحیح اور موضوع میں اس خاص طور کے قاعدہ سے تمیز کرلیتے ہیں۔ گو عوام اور علماء ظواہر کو اسکی طرف راہ نہیں لیکن ان کا اعتقاد بھی تو یہی ہونا چاہئے کہ قرآن کریم بے شک احادیث مرویہ کیلئے بھی

﴿۹۱﴾

[1] الواقعۃ: ۸۰ [2] البقرۃ :۲۷۰

﴿۹۲﴾

معیار اور محک ہے گو عام طور پر بوجہ عدم بصیرت اس معیار سے وہ کام نہیں لے سکتے لیکن حدیث کے دونوں حصوں میں جو ہم بیان کر آئے ہیں حصہ ثانی کی نسبت جو اخبار اور واقعات اور قصص اور وعدے وغیرہ ہیں جن پر نسخ جاری نہیں بے شک وہ کھلے کھلے طور پر قرآن کریم کے محکمات اور بینات اور قطعی اور یقینی فیصلجات کو احادیث مرویہ کے پرکھنے کیلئے محک اور معیار ٹھہرا سکتے ہیں بلکہ ضرور ٹھہرانا چاہئے تا وہ اس علم سے مستفید ہو جائیں جو ان کو دیا گیا ہے کیونکہ قرآن کریم کی محکمات اور بینات علم ہے اور مخالف قرآن کے جو کچھ ہے وہ ظن ہے۔ اور جو شخص علم ہوتے ظن کا اتباع کرے وہ اس آیت کے نیچے داخل ہے مَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ [1] اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَ اِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ [2]

قولہ۔ آپ نے جو باستدلال آیت وَاِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا [3] احادیث پر اعتراض کیا ہے یہ آپ کی ناواقفی پر مبنی ہے۔

اقول ۔آپ کیوں بار بار اپنی نافہمی ظاہر کرتے ہیں میرا عام طور پر احادیث پر اعتراض نہیں بلکہ ان احادیث پر اعتراض ہے جو ادلہ قطعیّہ بیّنہ صریحہ قرآن کریم سے مخالف ہوں۔

قولہ ۔علماء اسلام کا حنفی ہوں یا شافعی اہل حدیث ہوں یا اہل فقہ اس بات پر اتفاق ہے کہ خبر واحد صحیح ہو تو واجب العمل ہے۔

اقول ۔آپ کی علمیّت اور لیاقت اور واقفیت بات بات میں ظاہر ہو رہی ہے۔ حضرت سلامت حنفیوں کا ہرگز یہ مذہب نہیں کہ مخالفت قرآن کی حالت میں خبر واحد واجب العمل ہے اور نہ شافعی کا یہ مذہب ہے بلکہ فقہ حنفیہ کا تو یہ اصول ہے کہ جب تک اکثر قرنوں میں تواتر حدیث کا ثابت نہ ہو۔ گو پہلے قرن میں نہیں مگر جب تک بعد میں اخیر تک تواتر نہ ہو تب تک ایسی حدیث کے ساتھ قرآن پر زیادت جائز نہیں اور شافعی کا یہ مذہب کہ اگر حدیث آیت کے مخالف ہو تو باوجود تواتر کے بھی کالعدم ہے پھر آپ نے کہاں سے اور کس سے سن لیا کہ ان سب کے نزدیک خبر واحد بہرحال واجب العمل ہے؟ اگر یہ کہو کہ ہمارا منشاء اس کلام سے یہ ہے کہ اگر خبر واحد مخالف قرآن کے نہ ہو تو اس صورت میں ان بزرگوں کے نزدیک واجب العمل ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ آپ کا کب اور کس دن یہ منشاء ہوا تھا؟ اگر آپ کا یہ منشاء ہوتا تو آپ اس بحث کو کیوں طول دیتے!

قولہ ۔اسی وجہ سے (جو خبر واجب العمل ہے) علماء اسلام نے جس میں مقلد و محدث سب داخل ہیں اتفاق کیا ہے کہ صحیحین کی حدیثیں واجب العمل ہیں اور موافقین اور مخالفین کا ان پر اجماع ہے۔

اقول ۔میں نہیں جانتا کہ اس سفید جھوٹ سے آپ کی غرض کیا ہے اگر علماء مقلدین کے نزدیک بخاری اور مسلم کی حدیثیں بغیر کسی عذر نسخ وغیرہ کے بہرحال واجب العمل ہوتیں تو وہ بھی آپ کی طرح خلف امام فاتحہ پڑھتے اور ان

[1] الزخرف: ۲۱ [2] یونس: ۶۷ [3] النجم: ۲۹

حنّی مسجدیں بھی آپ کی مساجد کی طرح آمین کے شور سے گونج اٹھتیں اور نیز وہ رفع یدین اور ایسا ہی تمام اعمال حسب ہدایت بخاری و مسلم بجالاتے اور آپ کا یہ کہنا کہ وہ لوگ حدیث کو مسلّم اور واجب العمل ٹھہراتے صرف دوسرے طور پر معنے کرتے ہیں یہ دوسرا جھوٹ ہے حضرت وہ تو صریح ضعیف یا منسوخ قرار دیتے ہیں۔ اگر آپ اس بات میں سچے ہیں تو شہر لدھیانہ کے علماء جمع کر کے اپنے قول کی شہادت ان سے دلاؤ ورنہ یہ آپ کا افترا ایسا نہیں ہے جس سے آپ کچے عذروں کے ساتھ بری ہوسکیں۔

قولہ ۔ امام ابن الصلاح نے فرمایا ہے کہ صحیحین کی اتفاقی حدیثیں موجب یقین ہیں اور امام نووی نے شرح مسلم میں فرمایا ہے کہ اس پر اتفاق ہوگیا ہے کہ اصح الکتب بعد کتاب اللہ صحیحین ہیں۔

اقول ۔ کسی ایک یا دو شخص کا اپنی طرف سے رائے ظاہر کرنا حجت شرعی نہیں ہوسکتا پس اگر امام ابن الصلاح نے صحیحین کی اتفاقی حدیثوں کو عام طور پر موجب یقین مان لیا ہے تو مانا کرے ہمارے لئے وہ کچھ حجت نہیں۔ اگر ایسی متفق رائیں حجت ٹھہر سکتی ہیں تو پھر ان لوگوں کی رائیں بھی حجت ہونی چاہئیں جنہوں نے بخاری اور مسلم کی بعض حدیثوں کا قدح کیا ہے۔ چنانچہ تلویح میں لکھا ہے کہ بخاری میں یہ حدیث ہے **تکثرلکم الاحادیث من بعدی فاذا روی لکم حدیث فاعرضوہ علی کتاب اللہ تعالی فما وافقہ فاقبلوہ وما خالفہ فردوہ** یعنی میرے بعد حدیثیں کثرت سے نکل آئیں گی سو تم یہ قاعدہ رکھو کہ جو حدیث تم کو میرے بعد پہنچے یعنی جو حدیث **ما اتاکم الرسول** کے زمانہ کے بعد ملے اس کو کتاب اللہ پر عرض کرو اگر اس کے موافق ہو تو اس کو قبول کرو اور اگر مخالف ہو تو رد کرو۔ **ھذا مانقلناہ من کتاب التلویح والعھدۃ علی الراوی** ☆ اور منہاج شرح صحیح مسلم میں حافظ ابوزکریا بن شرف النووی نے حدیث شُرَیک پر جو مسلم اور بخاری دونو میں ہے جرح کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ فقرہ کہ **ذلک قبل ان یوحی الیہ** ہے غلط صریح ہے

☆ **حاشیہ** ۔ صحیح بخاری کے جس قدر مطبوعہ نسخے ہم نے دیکھے ہیں ان میں یہ حدیث بایں الفاظ پائی نہیں جاتی۔ گو دوسری حدیثیں ایسی بخاری میں موجود ہیں جو اپنے مآل اور ماحصل اور مفہوم میں اس حدیث کے معانی کے ممد و مقوی ہیں۔ اور مسلم میں ہے **اما بعد فان خیر الحدیث کتاب اللہ ۔ انما ھلک من کان قبلکم باختلافھم فی الکتاب** اور دارقطنی میں ہے۔ **کلامی لا ینسخ کلام اللہ. المراء فی القراٰن کفر رواہ احمد** وابوداؤد۔ **وفی البخاری قال عمر رضی اللہ عنہ حسبنا کتاب اللہ** لیکن ان مطبوعہ نسخوں میں اس حدیث کا بالفاظہٖ نہ پایا جانا اس پر دلالت نہیں کرتا کہ علامہ تفتازانی نے

﴿۹۴﴾

سو یہ علامہ نووی کا جرح آپ لوگوں کی توجہ کے لائق ہے کیونکہ علامہ نووی کی شان فن حدیث میں کسی پر مخفی نہیں اور علامہ تفتازانی نے اپنی تلویح میں صحیح بخاری کی ایک حدیث کو موضوع قرار دیا ہے اور ہمارا مذہب تو یہی ہے کہ ہم ظن غالب کے طور پر بخاری اور مسلم کو صحیح سمجھتے ہیں **واللہ اعلم بالصواب۔** اور شرح مسلم الثبوت میں لکھا ہے۔**ابن الصلاح وطائفة من الملقبین باهل الحدیث (زعموا ان روایة الشیخین محمد ابن اسماعیل البخاری ومسلم بن الحجاج صاحبی الصحیحین یفیدالعلم النظری للاجماع علی ان للصحیحین مزیة علی غیر هماوتلقت الامة بقبولهما والاجماع قطعی وهٰذابهت فان من راجع الی وجدانه یعلم بالضروریة ان مجرد روایتهما لایوجب الیقین البتة وقد روی فیهما اخبارٌ متناقضة فلوا فاد روایتهما علمالزم تحقق النقیض فی الواقع وهذا ای ماذهب الیه ابن الصلاح واتباعه بخلاف ماقاله الجمهور من الفقهاء والمحدثین لان انعقاد الاجماع علی المزیة علی غیرهما من مرویات ثقات اٰخرین**

﴿۹۴﴾ بقیہ حاشیہ

عمداً کذب اور افترا کیا ہے کیونکہ احتمال قوی ہے کہ حضرت علامہ موصوف نے کسی قلمی نسخے میں بخاری شریف کی یہ حدیث ضرور دیکھی ہوگی۔ بخاری کے مختلف نسخوں پر گہری نگاہ ڈالنے سے اب تک ثابت ہوتا ہے کہ باوجود سخت کوشش تصحیح و تطبیق کے پھر بھی بعض الفاظ بعض نسخوں کے بعد دوسرے نسخوں کے الفاظ سے مغائر ہیں۔ پھر کیا تعجب کا مقام ہے کہ کسی پرانے قلمی نسخے بخاری میں جو علامہ موصوف کی نظر سے گذرا یہ حدیث موجود ہو بلکہ یقین کا پلہ اسی جانب کو جھکتا ہے کہ ضرور کسی نسخے میں یہ حدیث لکھی ہوگی ایک ایسے مسلمان کی شہادت جو اکابر فقہائے حنفیہ میں سے ہے ہرگز ساقط الاعتبار نہیں ہوسکتی کس کا ایسا دل گردہ ہے اور کس کا اسلام و ایمان اس امر کو روا رکھتا ہے کہ ایسے بزرگ علماء اسلام ایسے خدا ترس فاضلوں کو کذب و افترا اور فاحش دروغ بافی کی تہمت لگائی جائے۔ اور اس میں شک نہیں کہ اگر یہ شہادت خلاف واقعہ ہوتی تو علامہ کی زندگی میں ہی یہ مقام تلویح کا ترمیم کے لائق ٹھہرتا نہ یہ کہ اب تک یہ عبارت تلویح میں محفوظ چلی آتی۔ غرض جس حالت میں صاحب تلویح کی شہادت سے یہ ثابت ہوا ہے کہ بخاری کے کسی نسخے میں یہ عبارت لکھی ہوئی تھی تو جب تک دنیا کے تمام قلمی نسخے دیکھ نہ لئے جائیں یہ احتمال ہرگز اٹھ نہیں سکتا۔ اور بخاری کے کسی قلمی نسخے میں اسکا موجود ماننا بہت آسان ہے بہ نسبت اسکے کہ ایک برگزیدہ عالم کی نسبت افترا و اختلاق کی تہمت لگائی جائے

﴿۹۵﴾

ممنوع والاجماع علی مزیتهما فی انفسهما لایفید لان جلالة شانهما وتلقی الامة بکتابهما لوسُلّم لایستلزم ذالک القطع والعلم فان القدر المسلم المتلقی بین الامة لیس الا ان رجال مرویاتهما جامعة للشروط التی اشترطها الجمهور بقبول روایتهم وهذا لایفید الاالظن واما ان مرویاتهما ثابتة عن رسول الله صلی الله علیه وسلم فلا اجماع علیه اصلا کیف ولا اجماع علی صحته جمیع ما فی کتابهما لان رواتهما منهم قدریون وغیرهم من اهل البدع وقبول روایة اهل البدع مختلف فیه فاین الاجماع علی صحة مرویات القدریة غایة مایلزم ان احادیثها اصح الصحیح یعنی انها مشتملة علی الشروط المعتبرة عند الجمهور علی الکمال وهذا لایفیدالاالظن القوی هذا هوالحق المتبع ولنعم ماقال الشیخ ابن الهمام ان قولهم بتقدیم مرویاتهم علی مرویات الائمة الاٰخرین قول لایعتدبه ولایقتدی بل هو من محکماتهم الصرفة کیف لاوان الاصحة من تلقاء عدالة الرواة وقوة ضبطهم واذاکان رواة غیرهم عادلین ضابطین فهما وغیرهما علی السواء لا سبیل للتحکم بمزیتها علی غیرهما الاتحکما والتحکم لایتلفت الیه فافهم۔ خلاصہ ترجمہ یہ ہے کہ صاحب مسلم الثبوت جو بحر العلوم سے ملقّب ہے فرماتا ہے کہ ابن الصلاح اور ایک طائفہ اہل حدیث نے یہ گمان کیا ہے کہ روایت شیخین محمد ابن اسماعیل البخاری اور مسلم کی جو صحیحین میں ہے علم نظری کی مفید ہے کیونکہ اس بات پر اجماع ہو چکا ہے کہ صحیح بخاری اور مسلم کو ان کے غیر پر فضیلت ہے اور امت ان دونوں کو قبول کر چکی ہے اور اجماع قطعی ہے۔ پس واضح ہو کہ ان دونوں کتابوں کی صحت پر اجماع ہونا بہتان ہے۔ ہر ایک شخص اپنے وجدان کی طرف رجوع کر کے ضروری طور پر معلوم کر سکتا ہے کہ ان دونوں کی مجرد روایت موجب یقین نہیں یعنی کوئی بات ایسی نہیں جس سے خواہ نخواہ ان کی روایت موجب یقین سمجھی جائے بلکہ حال اس کے مخالف ہے

﴿۹۵﴾ **بقیہ حاشیہ**

بناء علی هذا جو شخص اپنی بیوی کو ان لفظوں سے مطلقہ قرار دے کہ اگر بخاری میں یہ حدیث ہے تو میری عورت پر طلاق ہے تو اگرچہ یقینی طور پر طلاق نہ پڑے لیکن کچھ شک نہیں کہ ظن غالب کے طور پر ضرور طلاق پڑ گئی۔ کیونکہ ہم مامور ہیں کہ مومن پر حسن ظن کریں اور اس کی شہادت کو ساقط الاعتبار نہ سمجھیں۔ فتدبر۔ ایڈیٹر

﴿۹۶﴾

کیونکہ ان دونوں کتابوں میں متناقض خبریں موجود ہیں جو ایک دوسرے کی نقیض ہیں۔ اب ظاہر ہے کہ اگر ان دونوں کی روایت علم قطعی اور یقینی کا موجب ہے تو اس سے لازم آتا ہے کہ **نقیضین فی الواقع** سچی ہوں اور یاد رہے کہ ابن الصلاح اور اس کے رفیقوں کی رائے جمہور فقہاء اور محدثین کے برخلاف ہے کیونکہ یہ ایک امر ممنوع ہے جس کو کوئی ثابت نہیں کرسکتا کہ بخاری اور مسلم کو اپنی روایت کے رو سے دوسروں پر زیادتی ہے اور امام بخاری اور مسلم کی عظمتِ شان اور ان کی کتابوں کا امت میں قبول کیا جانا اگر مان بھی لیا جاوے تب بھی اس بات کی دلیل نہیں ہوسکتا کہ وہ کتابیں قطعی اور یقینی ہیں۔ کیونکہ امت نے ان کے مرتبہ قطع اور یقین پر ہرگز اجماع نہیں کیا بلکہ صرف اسقدر مانا گیا اور قبول کیا گیا ہے کہ دونوں کتابوں کے راوی ان شرطوں کے جامع ہیں جو جمہور نے قبول روایت کیلئے لگا دی ہیں اور ظاہر ہے کہ صرف اسقدر تسلیم سے قطع اور یقین پیدا نہیں ہوتا بلکہ صرف ظن پیدا ہوتا ہے اور یہ بات کہ درحقیقت صحیح بخاری اور مسلم کی مرویات ثابت ہیں اور جس قدر حدیثیں ان میں روایت کی گئی ہیں وہ درحقیقت جرح سے مبرّا ہیں اس پر امت کا ہرگز اجماع نہیں بلکہ اس اجماع کا تو کیا ذکر اس بات پر بھی اجماع نہیں کہ جو کچھ ان دونوں کتابوں میں ہے وہ سب صحیح ہے کیونکہ بخاری اور مسلم کے بعض راویوں میں سے قدری بھی ہیں اور بعض اہل بدع بھی راوی ہیں جنکی روایت قبول نہیں ہوسکتی۔ پس جب کہ یہ حال ہے تو اجماع کہاں رہا! کیا مرویات قدریہ پر بھی اجماع ہو جائے گا؟ غایت مافی الباب یہ ہے کہ ان کی حدیثیں اصح ہیں اور شروط معتبرہ جمہور پر علیٰ وجہ کمال مشتمل ہیں سو اس سے بھی صرف ایک ظن قوی پیدا ہوتا ہے نہ کہ یقین۔ پھر جو ہم نے بخاری اور مسلم کے **صحیحوں** کی نسبت بیان کیا ہے یہی حق بات ہے جس کی پیروی کرنی چاہئے اور شیخ ابن الہمام نے کیا اچھا فرمایا ہے کہ یہ قول محدثین کا کہ مرویات صحیحین ان کے ماسوا پر مقدم ہیں ایک ایسا بے معنی قول ہے جو قابل اعتماد و التفات نہیں اور ہرگز پیروی کے لائق نہیں بلکہ صریح اور صاف تحکم ہے انہیں تحکمات میں سے جو کھلے کھلے طور پر ان لوگوں نے کئے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اگر اصحیت کا مدار عدالت اور ضبط پر ہے تو کیا ایسی کتابیں جن میں یہ شرط پائی جاتی ہے کم درجہ پر ہوں گی۔ سو ان دونوں کتابوں کی زیادتی پر حکم لگانا محض تحکم ہے اور تحکم قابل التفات نہیں **فافہم**۔ اور شرح نووی کی جلد ثانی صفحہ ۹۰ میں زیر تشریح اس مسلم کی حدیث کے کہ **یا امیر المؤمنین اقض بینی و بین ھذا الکاذب الاٰثم الغادر الخائن**. امام نووی فرماتے ہیں کہ جب ان الفاظ کی تاویل سے ہم عاجز آ جائیں تو ہمیں کہنا پڑتا ہے کہ اسکے راوی جھوٹے ہیں۔

﴿۹۷﴾

اب اس تمام تحقیقات سے ظاہر ہے کہ جو کچھ صحیحین کے مرتبہ قطع اور یقین کی نسبت مبالغہ کیا گیا ہے وہ ہرگز صحیح نہیں اور نہ اس پر اجماع ہے اور نہ ان کی تمام حدیثیں جرح قدح سے خالی سمجھی گئی ہیں اور نہ وہ مخالفت قرآن کی حالت میں بالاجماع واجب العمل خیال کی گئی ہیں بلکہ ان کی صحت پر ہرگز اجماع نہیں ہوا۔

قولہ۔ یہ آپ کی عامیانہ بات ہے کہ پندرہ کروڑ حنفی صحیح بخاری کو نہیں مانتے بلکہ عام☆ حنفی تو صحیح بخاری کی صحت سے ہرگز انکار نہیں کرتے۔

اقول۔ اس کا جواب ہو چکا ہے کہ علماء حنفیہ خبر واحد سے گو وہ بخاری ہو یا مسلم قرآن کریم کے کسی حکم کو ترک نہیں کرتے اور نہ اس پر زیادت کرتے ہیں اور امام شافعی حدیث متواتر کو بھی بمقابلہ آیت کالعدم سمجھتا ہے اور امام مالک کے نزدیک خبر واحد سے بشرط نہ ملنے آیت کے قیاس مقدم ہے۔ دیکھو صفحہ ۱۵۰ کتاب نور الانوار اصول فقہ۔

اس صورت میں جو کچھ ان اماموں کی نظر میں درصورت قرآن کے مخالف ہونے کے احادیث کی عزت ہوسکتی ہے عیاں ہے خواہ اس قسم کی حدیثیں اب بخاری❁ میں ہوں یا مسلم میں۔ یہ ظاہر ہے کہ بخاری اور مسلم اکثر مجموعہ احاد کا ہے اور جب احاد کی نسبت امام مالک اور امام شافعی اور امام ابوحنیفہ کی یہی رائے ہے کہ وہ قرآن کے مخالف ہونے کی حالت میں ہرگز قبول کے لائق نہیں تو اب فرمائیے کیا اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ان بزرگوں کے نزدیک وہ حدیثیں بہرحال واجب العمل ہیں؟ اول حنفیوں اور مالکیوں وغیرہ سے ان سب پر عمل کرائیے اور پھر یہ بات منہ پر لائیے۔

قولہ۔ آپ اگر اس دعوے میں سچے ہیں تو کم سے کم ایک عالم کا متقدمین یا متاخرین میں سے نام بتاویں جس نے صحیح بخاری یا صحیح مسلم کی احادیث کو غیر صحیح یا موضوع کہا ہو۔

اقول۔ جن اماموں کا ابھی میں نے ذکر کیا ہے اگر وہ واقعی اور یقینی طور پر صحیحین کی احادیث کو واجب العمل سمجھتے تو آپ کی طرح ان کا بھی یہی مذہب ہوتا کہ خبر واحد سے قرآن پر زیادت مان لینا یا آیت کو منسوخ سمجھ لینا واجبات سے ہے لیکن میں بیان کر چکا ہوں کہ وہ خبر واحد کو قرآن کی مخالفت کی حالت میں ہرگز قبول نہیں کرتے اس سے ظاہر ہے کہ وہ صرف قرآن کریم کے سہارے سے اور بشرط مطابقت قرآن صحیحین کے احاد کو جو کل سرمایہ صحیحین کا ہے مانتے ہیں اور مخالفت کی حالت میں ہرگز نہیں مانتے۔ آپ تلویح کی عبارت سن چکے ہیں کہ **انما یرد خبر الواحد من معارضة الکتاب** یعنی اگر کوئی حدیث احاد میں سے قرآن کے مخالف پڑے گی تو وہ رد کی جائے گی۔ اب دیکھئے کہ وہ نیا جھگڑا جواب تک آپ نے محض اپنی نافہمی کی وجہ سے کیا ہے کہ قرآن

☆ سہو کتابت معلوم ہوتا ہے ” عالم “ ہونا چاہیے۔ (ناشر)

❁ یہ حاشیہ اگلے صفحہ پر درج کیا گیا۔

﴿۹۸﴾ احادیثؔ کا معیار نہیں کیونکہ صاحب تلویح نے آپکو اس بارہ میں جھوٹا ٹھہرایا ہے! اور تینوں امام اسی رائے میں آپکے مخالف ہیں! اور میں بیان کر چکا ہوں کہ میرا مذہب بھی اسی قدر ہے کہ باستثناء سنن متوارثہ متعاملہ کے جو احکام اور فرائض اور حدود کے متعلق ہیں باقی دوسرے حصہ کی احادیث میں سے جو اخبار اور قصص اور واقعات ہیں جن پر نسخ بھی وارد نہیں ہوتا اگر کوئی حدیث نصوص بینہ قطعیہ صریحۃ الدلالت قرآن کریم سے صریح مخالف واقع ہو گو وہ بخاری کی ہو یا مسلم کی میں ہرگز اس کی اس طرز کے معنی کو جس سے مخالفت قرآن لازم آتی ہے قبول نہیں کروں گا۔ میں بار بار اپنے مذہب کو اس لئے بیان کرتا ہوں کہ تا آپ اپنی عادت کے موافق پھر کوئی تازہ افترا اور بہتان میرے پر نہ لگاویں اور نہ لگانے کی گنجائش ہو☆ اور ظاہر ہے کہ یہ میرا مذہب امام شافعی اور امام ابوحنیفہ اور امام مالک کے مذہب کی نسبت حدیث کی بہت رعایت رکھنے والا ہے کیونکہ میں صحیحین کی خبر واحد کو بھی جو تعامل کے سلسلہ سے موکد ہے اور احکام اور حدود اور فرائض میں سے ہو نہ حصہ دوم میں سے اس لائق قرار دیتا ہوں کہ قرآن پر اس سے زیادتی کی جائے اور یہ مذہب ائمہ ثلاثہ کا نہیں مگر یاد رہے کہ میں واقعی زیادتی کا قائل نہیں بلکہ میرا ایمان **انا انزلنا الکتاب تبیانا لکل شیء** پر ہے جیسا کہ میں ظاہر کر چکا ہوں۔ اب آپ سمجھ سکتے ہیں کہ میں اس مذہب میں اکیلا نہیں ہوں بلکہ اپنے ساتھ کم سے کم تین یار غالب رکھتا ہوں جن کا عقیدہ میرے موافق بلکہ مجھ سے بڑھ چڑھ کر ہے۔

قولہ ۔ اور آپ کا یہ کہنا کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے احادیث بخاری کو چھوڑ دیا یہ بھی عامیانہ بات ہے۔ آپ یہ نہیں جانتے کہ امام اعظم کب ہوئے اور صحیح بخاری کب لکھی گئی۔

اقول ۔ جناب مولوی صاحب آپ ایمان کے ساتھ جواب دیں کہ میں نے کب اور کہاں لکھا ہے کہ صحیح بخاری امام اعظم رحمۃ اللہ کے زمانے میں موجود تھی؟ ان فضول مفتریانہ تحریروں سے آپ کی صرف یہ غرض ہے کہ عوام کے سامنے ہر یک بات میں اس عاجز کی سُبکی

﴿۹۷﴾ حاشیہ صفحہ ۹۹ — کیونکہؔ اگر یہ مدوّنات ان کے روبرو ہوتیں تو انہیں اپنا عقیدہ اور مسلمہ قاعدہ ان کتابوں کی مخالف الکتاب احادیث پر (اگر ہوں) جاری کرنے میں کون مانع ہوسکتا تھا۔

﴿۹۸﴾ ☆ حاشیہ — حضرتؔ مرشدنا آپ ہزار پیش بندیاں کیا کریں۔ سو سو بار ایر پھیر کر اپنا مطلب بیان کریں۔ دلیر مولوی صاحب کب افترا سے باز آنے والے ہیں۔ ایڈیٹر۔

﴿۹۹﴾

اور خفت اور لاعلمی ظاہر کریں۔ لیکن یاد رکھیں کہ مجھے بعض ملاؤں کی طرح لوگوں کی مدح وثنا کی طرف خیال نہیں اور نہ عوام کی تحسین ونفرین کی کچھ پروا۔ ہر یک دانا بلکہ ایک بچہ بھی سمجھ سکتا ہے کہ صحیح بخاری کی حدیثیں امام محمد اسمٰعیل کا اپنا ایجاد تو نہیں تا یہ اعتراض ہو کہ جب تک کوئی متقدمین سے امام بخاری کا زمانہ نہ پاتا اور انکی کتاب کو نہ پڑھتا تب تک محال تھا کہ ان حدیثوں پر اس کو اطلاع ہوتی بلکہ حدیثوں کے رواج اور زبانی شیوع کا زمانہ اسی وقت یعنی قرن اول سے شروع ہوا ہے جب کہ امام بخاری صاحب کے جد امجد بھی پیدا نہیں ہوئے ہوں گے تو پھر کیا محال تھا کہ وہ حدیثیں جن کی تبلیغ کی صحابہ کو تاکید تھی امام اعظمؒ کو نہ پہنچتیں بلکہ قریب یقین کے یہی ہے کہ ضرور پہنچی ہوں گی کیونکہ ان کا زمانہ قرن اوّل سے قریب تھا اور بہت حفاظ حدیث کے زندہ تھے اور خاص اسی ملک میں رہتے تھے جو سر چشمہ حدیث کا تھا۔ پھر تعجب کہ بخاریؒ جو زمانی اور مکانی طور پر **امام اعظم صاحب** سے کچھ نسبت نہیں رکھتے تھے ایک لاکھ حدیث صحیح اکٹھی کر لیں۔ اور ان میں چھیانوے ہزار صحیح حدیث کو ردی مال کی طرح ضائع کر دیں۔ اور **امام اعظم صاحب** کو باوجود قرب زمان اور مکان کے سو حدیث بھی نہ پہنچ سکے۔ کیا کسی کا نور قلب یہ گواہی دیتا ہے کہ ایک شخص بخارا کا رہنے والا جو بہت دور حدود عرب سے اور نیز دو سو برس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیدا ہو وہ لاکھ حدیث صحیح حاصل کر لے اور **امام اعظم صاحب** جیسے بزرگوار فانی فی سبیل اللہ کو نماز کے بارہ میں بھی دو چار صحیح حدیثیں باوجود قرب زمان اور مکان کے نہ مل سکیں! اور ہمیشہ بقول **مولوی محمد حسین صاحب** کے اٹکلوں سے کام لیتے رہے! اے حضرت مولوی صاحب آپ ناراض نہ ہوں آپ صاحبوں کو **امام بزرگ ابوحنیفہؒ** سے اگر ایک ذرہ بھی حسن ظن ہوتا تو آپ اس قدر سُبکی اور استخفاف کے الفاظ استعمال نہ کرتے آپ کو امام صاحب کی شان معلوم نہیں وہ ایک بحر اعظم تھا اور دوسرے سب اس کی شاخیں ہیں اسکا نام اہل الرائے رکھنا ایک بھاری خیانت ہے! امام بزرگ حضرت ابوحنیفہؒ کو علاوہ کمالات علم آثار نبویہ کے استخراج مسائل قرآن میں یدطولیٰ تھا خدا تعالیٰ حضرت مجدد الف ثانی پر رحمت کرے انہوں نے مکتوب صفحہ ۳۰۷ میں فرمایا ہے کہ **امام اعظم صاحب کی آنیوالے مسیح کے ساتھ استخراج مسائل قرآن میں ایک روحانی مناسبت ہے۔**

﴿۱۰۰﴾ **قولہ**۔محقق مسلمان حنفی ہو یا شافعی مقلد ہو یا غیر مقلد تصحیح روایات حدیثیہ کا معیار قرآن کریم کو نہیں ٹھہراتا۔
اقول ۔اس بات کا جواب ابھی مفصل گزر چکا ہے کہ علماء مذاہب ثلاثہ نے احادحدیث کو گو وہ بخاری کی ہوں یا مسلم کی اس شرط سے قبول کیا ہے کہ وہ قرآن کریم کے معارض اور مخالف نہ ہوں تلویح کی عبارت ابھی میں نے سنائی آپ کو یاد ہوگی کہ جس حالت میں ائمہ ثلاثہ ان حدیثوں سے جو احاد ہیں اور مخالف قرآن ہیں خدمت نہیں لیتے اور معطل کی طرح چھوڑ دیتے ہیں تو اگر وہ قرآن کریم کو معیار قرار نہیں دیتے تو حدیثوں کو اس کی مخالف پاکر کیوں چھوڑتے ہیں۔کیا معیار ماننا کچھ اور طور سے ہوتا ہے؟ جب کہ ان لوگوں نے یہ اصول ہی ٹھہرالیا ہے کہ خبر واحد بحالت مخالفت قرآن ہر گز قبول کے لائق نہیں گو اسکا راوی مسلم ہو یا بخاری ہو تو کیا اب تک انہوں نے قرآن کریم کو معیار قبول نہیں کیا؟ اتقوا الله و لاتغلوا!
قولہ۔امام الائمہ ابن خزیمہ سے منقول ہے **لا اعرف انه روی عن النبی صلی الله علیه و سلم حدیثان باسنادین صحیحین متضادان فمن کان عنده فلیأت به لاؤلف بینهما** یعنی امام الائمہ ابن خزیمہ سے منقول ہے کہ میں ایسی دو حدیثوں کو شناخت نہیں کرتا جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اسناد صحیح کے ساتھ روایت کی گئی ہوں اور پھر متضاد ہوں اگر کسی کے پاس ایسی حدیثیں ہوں تو میرے پاس لاوے میں ان میں تالیف کردوں گا۔
اقول ۔امام ابن خزیمہ تو فوت ہوگئے اب ان کے دعویٰ کی نسبت کچھ کلام کرنا بے فائدہ ہے لیکن مجھے یاد ہے کہ آپ نے اپنے مضمون کے سنانے کے وقت بڑے جوش میں آکر فرمایا تھا کہ ابن خزیمہ تو امام وقت تھے میں خود دعویٰ کرتا ہوں کہ دو متعارض حدیثوں میں جو دونو صحیح الاسناد تسلیم کی گئی ہوں توفیق و تالیف دے سکتا ہوں اور ابھی دے سکتا ہوں؟ آپکا یہ دعویٰ ہر چند اس وقت ہی فضول سمجھا گیا تھا لیکن برعایت شرائط قرار یافتہ مناظرہ اس وقت آپ کی تقریر میں بولنا ناجائز اور ممنوع تھا۔ چونکہ آپ کی خودستائی حد سے گذر گئی ہے اور عجز و نیاز اور عبودیت کا کوئی خانہ نظر نہیں آتا اور ہر وقت **انا اعلم** کا جوش آپکے نفس میں پایا جاتا ہے اسلئے میں نے مناسب سمجھا کہ اسی دعویٰ کے رو سے آپ کے کمالات کی آزمائش کروں جس آزمائش کے ضمن میں میری اصل بحث بھی لوگوں پر ظاہر ہوجائے۔ میں بالطبع اس سے کارہ ہوں کہ کسی سے خواہ نخواہ آویزش کروں لیکن چونکہ آپ دعویٰ کر بیٹھے ہیں اور دوسروں کو تحقیر اور ذلت کی نظر سے دیکھتے ہیں یہاں تک کہ آپکے خیال میں **امام اعظم**ؒ

﴿۱۰۱﴾

کو بھی حدیث دانی میں آپ سے کچھ نسبت نہیں۔ اسلئے بقول سعدیؒ

ندارد کسے باتو ناگفتہ کار ولیکن چو گفتی دلیلش بیار

چاہتا ہوں کہ چھ سات حدیثیں بخاری اور مسلم کی یکے بعد دیگرے جن میں میری نظر میں تعارض ☆ ہے آپ کی خدمت میں پیش کروں۔ اگر آپ ان میں توفیق وتالیف امام ابن خزیمہ کی طرح کر دکھائیں گے

حاشیہ ☆ مولوی صاحب لیجئے۔ سردست کسی قدر تعارض کا نمونہ یہ عاجز پیش کرتا ہے۔ موقع ہے۔ اپنی حدیث دانی کا ثبوت لوگوں پر ظاہر کیجئے۔ (۱) معراج کی حدیث بروایت شریک کے حاشیہ پر فتح الباری کی یہ عبارت لکھی ہے۔ قال النووی جاء فی روایة شریک اوھام انکرھا العلماء من جملتھاانه قال ذالک قبل ان یوحی الیه و ھو غلط لم یوافق علیه احد و ایضا اجمعوا علی ان فرض الصلوٰة کانت لیلة الاسراء فکیف یکون قبل الوحی - و قول جبرائیل فی جواب بواب السماء۔ اذ قال ابعث؟ نعم. صریح فی انه کان بعد البعث۔ ترجمہ۔ نووی کہتا ہے کہ شریک کی روایت میں کتنے وہم ہیں جن پر علماء نے اعتراض کیا ہے ازاں جملہ ایک یہ کہ شریک کی روایت میں قبل ان یوحی الیه لکھا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج بعثت سے پہلے ہوئی اور یہ صریح غلط ہے جس پر کسی نے اتفاق نہیں کیا۔ علاوہ اسکے علماء اس پر اتفاق کر چکے ہیں کہ نمازیں معراج کی رات میں فرض کی گئی تھیں! پھر قبل از وحی کیونکر فرض ہوسکتیں تھیں!! اور عجب تر اس حدیث میں یہ تعارض ہے کہ حدیث کے سر پر تو یہ لکھا ہے کہ قبل از بعثت ونبوت معراج ہوئی اور پھر آئندہ عبارتیں حدیث کی اپنی صریح منطوق سے ظاہر کر رہی ہیں کہ یہ معراج بعد از بعثت ہوئی اور اسی حدیث میں نمازوں کی فرضیت کا ذکر بھی ہے سو یہ حدیث کتنے تعارض سے بھری ہے۔ (۲) پھر بخاری کی کتاب التفسیر صفحہ ۶۵۲ میں ایک حدیث ہے جس کی یہ عبارت ہے۔ مامن مولود یولد الا و الشیطان یمسه فیستھل صارخامن مس الشیطان ایاه الا مریم و ابنھا یعنی کوئی ایسا بچہ نہیں جو پیدا ہوا اور پیدا ہونے کے ساتھ شیطان اس کو نہ چھو جائے اور وہ بوجہ شیطان کے چھونے کے چیخیں نہ مارے بجز مریم اور اس کے بیٹے کے جاننا چاہیئے کہ یہ حدیث صفحہ ۶۷۷ کی حدیث سے معارض پڑتی ہے اور شارح بخاری صفحہ ۶۵۲ کی حدیث کے حاشیہ پر لکھتا ہے کہ زمخشری کو اس حدیث کی صحت میں کلام ہے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے کلام کے معارض ہے وجہ یہ کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِلَّا عِبَادَكَ مِنۡهُمُ الۡمُخۡلَصِيۡنَ [1] اس آیت سے صاف سمجھا جاتا ہے کہ بغیر خصوصیت مریم اور ابن مریم کے تمام عباد مخلصین مس شیطان سے محفوظ رکھے جاتے ہیں

[1] الحجر: ۴۱

﴿۱۰۲﴾

تو میں تاوان کے طور پر آپ کو پچیس روپیہ نقد دوں گا اور نیز مدت العمر تک آپکے کمالات کا قائل ہو جاؤں گا اور اپنا مغلوب اور شکست یافتہ ہونا قبول کرلوں گا اور بباعث اس کے جو مجھ سے پچیس روپیہ بطور تاوان لئے جائیں گے۔ آپ کے کمالات حدیث دانی کے بخوبی نقش قلوب ہو جائیں گے اور ہمیشہ صفحہ روزگار میں عزت کے ساتھ یادگار رہیں گے لیکن اس میں انتظام یہ چاہئے کہ تین منصف بتراضی فریقین مقرر کئے جائیں جو فہم تقریر اور وزن دلائل کا مادہ رکھتے ہوں اور فریقین سے کسی قسم کا تعلق ان کو نہ ہو۔ نہ رشتہ۔ نہ مذہب۔ نہ دوستی اور اگر من بعد تعلق ثابت ہو تو وہ فیصلہ فسخ کیا جائے ورنہ فیصلہ ناطق قرار دے کر بحالت غالب ہونے پچیس روپیہ آپکے حوالے کر دیئے جائیں۔ لیکن منصفوں کی آزمائش لیاقت کیلئے ضروری ہوگا کہ وہ اخیری روبکار کی طرح فیصلہ تحریری بوجوہات شافیہ قلمبند کر کے فریقین کو جلسہ عام میں سنا دیں اور ادلہ قطعیہ سے اس فریق کا غالب ہونا اپنے فیصلہ میں ظاہر کریں۔ جس کو اپنی رائے میں انہوں نے غالب سمجھا ہے یہ شرائط کچھ مشکل نہیں ہیں۔ ایسی لیاقت کے بہت آدمی ہیں بالخصوص ایسے حکام جن کو ہر وقت فیصلجات دینے کی مشق ہے اور ثابت اور غیر ثابت میں تمیز کرنے کا ملکہ ہے بڑی آسانی سے منصفی کیلئے پیدا ہو سکتے ہیں اور اگر آپ کو منصفوں کے فیصلہ کی نسبت پھر بھی کچھ دل میں دھڑکا رہے تو منصفوں کیلئے حلف کی قید بھی لگا سکتے ہیں۔ اب اگر آپ میری اس درخواست سے گریز کریں گے تو پھر بلاشبہ آپکے وہ سب دعاوی فضول قرار پا کر وہ تمام توہین وتحقیر اور ہتک کی باتیں جو آپ نے اس عاجز کی نسبت اپنی تحریرات میں خودنمائی کی غرض سے کی ہیں آپ پر وارد سمجھی جائیں گی۔ تحریر کے ذریعہ سے ایک ہفتہ تک آپ اس کا جواب دیں۔

قولہ ۔ اگر صرف قرآن سے مضمون کسی حدیث کا موافق ہونا اس کی صحت کا موجب ہو تو اس سے لازم آتا ہے کہ موضوع حدیثیں اگر ان کے مضامین صادق اور قرآن کے مطابق ہوں صحیح متصور ہوں۔

اقول ۔ حضرت یہ آپ نے میری کس عبارت سے نکالا ہے کہ میں قانون روایت محدثین کو بے مصرف اور فضول خیال کر کے اول حالت سے ہی ہر یک بے سند قول کیلئے تصدیق قرآن کریم کو حدیث بنانے کیلئے

بقیہ حاشیہ: اور یحییٰ علیہ السلام کے حق میں فرماتا ہے وَسَلٰمٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ [1] پس اگر یوم تولد مس شیطان کا یوم ہے تو سلام کا لفظ جو سلامتی پر دلالت کرتا ہے کیونکر اس پر صادق آ سکتا ہے۔ پھر علامہ زمخشری نے تاویل کی ہے کہ اگر مریم اور ابن مریم سے مراد خاص یہی دونو نہ رکھے جائیں بلکہ ہر ایک شخص جو مریم اور ابن مریم کی صفت اپنے اندر رکھتا ہے اس کو بھی مریم اور ابن مریم ہی قرار دیا جاوے تو پھر اس حدیث کے معنے بلاشبہ صحیح ہو جائیں گے۔ فافهم و تدبر۔ ایڈیٹر

[1] مریم : ۱۶

﴿۱۰۳﴾

کافی جانتا ہوں۔ اگر میرا یہی مذہب ہوتا تو میں کیوں کہتا کہ میں ظنی طور پر صحیحین کو صحیح سمجھتا ہوں اور جن حدیثوں کے ساتھ تعامل کا سلسلہ قرناً بعد قرنٍ پایا جاتا ہے۔ ان کو نہ صرف ظنی بلکہ حسب مراتب تعلق تعامل قطعیت کے رنگ سے رنگین خیال کرتا ہوں!۔ اور اگر چہ میں دوسرے حصہ احادیث کو ظنی طور پر صحیح خیال کرتا ہوں لیکن اگر ان کی صحت پر قرآن کی شہادت ہے تو وہ صحت ظن قوی ہو جاتا ہے۔ مگر جب کہ قرآن کریم صریح اس کے مخالف ہو اور تطبیق کی کوئی راہ نہ ہو تو میں ایسی حدیث کو جو حصہ دوم کی قسم میں سے ہے قبول نہیں کرتا کیونکہ اگر میں قبول کرلوں تو پھر قرآن کی خبر کو مجھے منسوخ ماننا پڑے گا۔ مثلاً قرآن نے خبر دی ہے کہ سلیمان داؤد کا بیٹا تھا اور اسحاق ابراہیم کا اور یعقوب اسحاق کا۔ اب اگر کوئی حدیث اس کے مخالف ہے اور یہ بیان کرے کہ داؤد سلیمان کا بیٹا تھا اور ابراہیم لاولد تھا میں کیونکر سمجھ لوں کہ جو کچھ قرآن نے فرمایا تھا وہ منسوخ ہوگیا ہے۔ ہر ایک دانا سمجھ سکتا ہے کہ تاریخی واقعات اور اخبار وغیرہ پر ہرگز نسخ وارد نہیں ہوتا ورنہ اس سے خدا تعالیٰ کا کذب لازم آتا ہے! سو میں یہ تو نہیں کہتا کہ صحت حدیث کیلئے قانون روایت کی حاجت نہیں۔ ہاں یہ میں ضرور کہتا ہوں کہ جب اس قانون کے استعمال کے بعد کوئی روایت حدیث نبوی کے نام سے موسوم ہو۔ پھر اگر وہ احادیث کے حصہ دوم میں سے ہے تو اس کی تکمیل صحت کیلئے یہ ضروری ہے کہ تصریحات قرآن کریم کے مخالف نہ ہو۔

قولہ ۔ جو آپ نے کہا ہے کہ قرآن کریم اپنا آپ مفسر ہے حدیث اسکی مفسر نہیں۔ اس سے بھی آپ کی ناواقفیت اصول اسلام سے ثابت ہوتی ہے۔

اقول ۔ اے حضرت آپ نے اس قدر افتراؤں پر کیوں کمر باندھ لی ہے میں نے کہاں اور کس جگہ لکھا ہے کہ حدیث قرآن کی مفسر نہیں۔ میں نے تو بحوالہ آیت اس قدر بیان کیا ہے کہ اول مفسر قرآن کا خود قرآن ہے پھر بعد اسکے نمبر دوم پر حدیث مفسر ہے اس سے میرا یہ مطلب تھا کہ حدیث کی تفسیر دیکھنے کے وقت قرآن کی تفسیر نظر انداز نہ ہو اور اگر کوئی ایسا مسئلہ ہو جو حدیث کے دونوں حصوں میں سے حصہ دوم میں داخل ہو یعنی اخبار و واقعات وغیرہ میں سے جس سے نسخ معلوم نہیں ہوسکتا اور نہ اس پر زیادت متصور ہے تو ایسی صورت میں کسی مجمل آیت کی وہ تفسیر مقدم اور قابل اعتبار ٹھہرے گی جو قرآن نے آپ فرمائی ہے اور اگر حدیث کی تفسیر اس تفسیر کے مخالف ہو تو قبول کے لائق نہیں ہوگی۔

قولہ ۔ آیت قُلْ لَّاۤ اَجِدُ فِیْ مَاۤ اُوْحِیَ اِلَیَّ مُحَرَّمًا عَلٰی طَاعِمٍ یَّطْعَمُهٗۤ اِلَّاۤ اَنْ یَّكُوْنَ مَیْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا [1] صاف دلالت کرتی ہے کہ قرآن میں صرف یہ چند چیزیں حرام کی گئی ہیں۔ لیکن حدیث کے رو سے گدھا اور درندے بھی حرام کردیئے گئے۔

[1] الانعام : ۱۴۶

﴿۱۰۴﴾

اقول ۔حضرت یہ قصہ آپ نے ناحق چھیڑ دیا۔میں کہتے کہتے تھک بھی گیا کہ حصہ اول کی حدیثیں جو احکام دین اور تعلیم دین اور فرائض اور حدود اسلام کے متعلق ہیں جن کا سلسلہ تعامل سے کثیر یا قلیل طور پر تمدن مذہبی میں ایک لازمی طور پر تعلق پڑا ہوا ہے وہ میری بحث سے خارج ہیں۔ بلکہ میری بحث سے خاص طور پر وہ امور علاقہ رکھتے ہیں جن کو نسخ اور کمی اور زیادت سے کچھ تعلق نہیں جیسے اخبارات۔ واقعات۔قصص لیکن آپ نے ہرگز میرے مدعا کو نہ سمجھا اور ناحق کاغذات کو سیاہ کر کے چند پیسوں کا نقصان کیا۔ باوجود اس کے میرا یہ مذہب نہیں ہے کہ قرآن ناقص ہے اور حدیث کا محتاج ہے بلکہ وہ اَلۡیَوۡمَ اَکۡمَلۡتُ لَکُمۡ دِیۡنَکُمۡ [1] کا تاج لازوال اپنے سر پر رکھتا ہے اور **تبیانا لکل شیء** کے وسیع اور مرصع تخت پر جلوہ افروز ہے۔قرآن میں نقصان ہرگز نہیں اور وہ داغ ناتمام اور ناقص ہونے سے پاک ہے لیکن تقاصر افہام کی وجہ سے اس کے اسرار عالیہ تک ہر ایک فہم کی رسائی نہیں! **ولنعم ماقیل**۔

وکل العلم فی القرآن لٰکن تقاصر منہ افہام الرجال

خود نبی صلعم نے بوحی الٰہی استنباط احکام قرآن کر کے قرآن ہی سے یہ مسائل زائدہ لئے ہیں جس حالت میں قرآن کریم صاف ظاہر کرتا ہے کہ کل خبائث حرام کئے گئے تو کیا آپ کے نزدیک درندے اور گدھے طیبات میں سے ہیں؟ جن کے حرام کرنے کیلئے کسی حدیث کی واقعی طور پر ضرورت تھی! گدھے کی مذمت خود اللہ جلّ شانہٗ فرماتا ہے۔اِنَّ اَنۡکَرَ الۡاَصۡوَاتِ لَصَوۡتُ الۡحَمِیۡرِ [2] پھر جو اس کی نظر میں کسی وجہ سے منکر اور مکروہ اور خبائث میں داخل ہے وہ کس طرح حلال ہو جاتا؟ اور تمام درندے بدبو سے بھرے ہوئے ہوتے ہیں۔ چڑیا گھر میں جا کر دیکھو کہ شیر اور بھیڑیا اور چیتا وغیرہ اس قدر بدبو رکھتے ہیں کہ پاس کھڑا ہونا مشکل ہوتا ہے! پھر اگر یہ خبائث میں داخل نہیں ہیں تو اور کیا ہیں؟ اسی طرح میں آپ کی ہر ایک حدیث پیش کردہ کا جو احکام زائدہ کے بارہ میں آپ نے لکھی ہے جواب دے سکتا ہوں اور قرآن سے انکا منبع دکھلا سکتا ہوں مگر یہ باتیں بھی بحث سے خارج ہیں۔ میں نے آپ کو کب اور کس وقت کہا تھا کہ سنن متوارثہ متعاملہ اور ایسے احکام جو تعامل کے سلسلہ مستمرہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ بنظر ظاہر حدیثوں کو ان کے منسوخ یا زیادہ کرنے میں دخل نہیں۔افسوس آتا ہے کہ آپ نے ناحق بات کو طول دے کر اپنے اور لوگوں کے اوقات کا خون کیا۔حضرت پہلے سمجھ تو لیا ہوتا کہ میرا مدعا کیا ہے جس بات کو میں نے نشانہ رکھ کر یعنی وفات حیات مسیح کے مسئلہ کو۔ یہ تقریر پیش کی تھی۔ افسوس کہ اس بات کی طرف بھی آپ کو خیال نہ آیا کہ وہ منجملہ اخبار ہے یا از قبیل احکام ہے۔آئندہ

[1] المائدۃ: ۴ [2] لقمان: ۲۰

﴿۱۰۵﴾

ایسی شتاب کاری سے احتیاط رکھیں ؎ پشیمان شواز اں عجلت کہ کردی

قولہ ۔امام شعرانی نے منہج المبین میں لکھا ہے **اجتمعت الامة علٰی ان السنة قاضیة علٰی کتاب اللّٰہ.**

اقول ۔اجماع کا حال آپ معلوم کر چکے ہیں کہ امام مالک نے خبر واحد پر قیاس کو مقدم رکھا ہے۔ چہ جائیکہ آیت اللہ اس پر مقدم ہو۔ اور حنفیہ کے نزدیک احادیث اگر قرآن کے مخالف ہوں تو سب متروک ہیں اور امام مالک ۞ کے نزدیک حدیث متواتر بھی کتاب اللہ کی مخالفت کی حالت میں ہیچ ہے۔ پھر جبکہ یہ ائمہ جنکے کروڑہا لوگ مقتدی اور پیرو ہیں یہ فیصلہ دیتے ہیں تو اجماع کہاں ہے؟

قولہ ۔جو حدیث آپ نے تفسیر حسینی سے نقل کی ہے وہ قابل اعتبار نہیں۔

اقول ۔حضرت وہ تو دراصل بقول صاحب تلویح بخاری کی حدیث ☆ ہے۔ جیسا کہ ہم پہلے بھی تلویح کی عبارت نقل کر چکے ہیں پھر کیا بخاری بھی موضوعات سے پُر ہے؟ اور اگر کہو کہ وہ آیت اللہ مَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ [1] سے مخالف ہے تو میں کہتا ہوں کہ ہرگز مخالف نہیں **مااتکم الرسول** کا حکم بغیر کسی قید اور شرط کے نہیں۔ اول یہ تو دیکھ لینا چاہئے کہ کوئی حدیث فی الواقع **مااتاکم** میں داخل ہے یا نہیں۔ **مااتاکم** میں تو وہ داخل ہوگا جسکو ہم شناخت کر لیں کہ درحقیقت رسول نے اس کو دیا ہے اور جب تک پورے طور پر اطمینان نہ ہو تو کیا یہ جائز ہے کہ حدیث کا نام سننے سے **مااتاکم** میں اس کو داخل کر دیں؟ اور یہ حدیث تو بخاری میں بقول تلویح موجود ہے نہ بھی ہو منشاء قرآن کے تو مطابق ہے اور ائمہ ثلٰثہ نے قریباً اسی کے مطابق اپنا اصول فقہ قائم رکھا ہے تو پھر اسکو کیوں قبول نہ کریں؟ اور اگر یزید بن ربیعہ کا اس کے راویوں میں سے ہونا اس کو ضعیف کرتا ہے تو ایسا ہی قرآن کی منشاء سے اس کا مطابق ہونا اسکے ضعف کو دور کرتا ہے کیونکہ اللہ جلّ شانہٗ فرماتا ہے۔ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۭ بَعْدَ اللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ يُؤْمِنُوْنَ [2] یعنی بعد اللہ جلّ شانہٗ کی آیات کے کس حدیث پر ایمان لاؤ گے؟ اس آیت میں صریح اس بات کی طرف ترغیب ہے کہ ہر ایک قول اور حدیث کتاب اللہ پر

☆ **حاشیہ** ہم اس سے پہلے ایک نوٹ میں لکھ آئے ہیں کہ موجودہ مطبوعہ نسخ بخاری میں باللفظ یہ حدیث مذکور نہیں۔ نہ سہی نقاد بصیر سمجھ سکتا ہے کہ صحاح میں اس معانی کی مؤیّد و شاہد احادیث وارد ہیں تو کیا حرج ہے۔ اگر ان لفظوں میں بخاری کے اندر یہ حدیث نہ ہو۔ لفظوں سے اتنا تعرض کرنے کی کیا جگہ ہے۔ کیا نفس الامر میں یہ مضمون صحیح نہیں کہ صرف کتاب اللہ کی موافقت و مخالفت حدیث کے قبول و ردّ کی معیار ہوسکتی ہے؟ قرآن اسی کا شاہد ہے ائمہ ثلاثہ کا مذہب بھی یہی ہے تو پھر بایں الفاظ صد بار نہیں ہزار بار ایک کتاب بخاری میں نہ ہو! ایڈیٹر

۞ سہو کتابت معلوم ہوتا ہے ’’شافعی‘‘ ہونا چاہیے۔ (ناشر)

[1] الحشر : ۸ [2] الجاثیة : ۷

﴿۱۰۶﴾ عرض کر لینا چاہئے۔ اگر کتاب اللہ نے ایک امر کی نسبت ایک فیصلہ ناطق اور مؤیّد دے دیا ہے جو قابل تغیر اور تبدیل نہیں تو پھر ایسی حدیث دائرہ صحت سے خارج ہوگی جو اسکے مخالف ہے۔ لیکن اگر کتاب اللہ فیصلہ مؤیّدہ اور نا قابل تبدیل نہیں دیتی تو پھر اگر وہ حدیث قانون روایت کے رو سے صحیح ثابت ہو تو ماننے کے لائق ہے۔ غرض قرآن ایسی مجمل کتاب نہیں جو کبھی اور کسی صورت میں معیار کا کام نہ دے سکے۔ جس کا ایسا خیال ہے بے شک وہ سخت نادان ہے۔ بلکہ ایمان اس کا خطرہ کی حالت میں ہے اور حدیث **انی اوتیت الکتاب و مثلہ** سے آپ کے خیال کو کیا مدد پہنچ سکتی ہے؟ آپ کو معلوم نہیں کہ وحی متلو کا خاصہ ہے جو اس کے ساتھ تین چیزیں ضرور ہوتی ہیں خواہ وہ وحی رسول کی ہو یا نبی کی یا محدث کی۔

اول۔ مکاشفات صحیحہ جو اخبارات اور بیانات وحی کو کشفی طور پر ظاہر کرتے ہیں۔ گویا خبر کو معائنہ کر دیتے ہیں جیسا کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ بہشت اور دوزخ دکھلایا گیا جس کا قرآن کریم نے بیان کیا تھا۔ اور ان گزشتہ رسولوں سے ملاقات کرائی گئی جن کا قرآن حمید میں ذکر کیا گیا تھا۔ ایسا ہی بہت سی معاد کی خبریں کشفی طور پر ظاہر کی گئیں۔ تا وہ علم جو قرآن کے ذریعہ سے دیا گیا تھا زیادہ تر انکشاف پکڑے اور موجب طمانیت اور سکینت کا ہو جائے۔

دوئم۔ وحی متلو کے ساتھ رویائے صالحہ دی جاتی ہے جو نبی اور رسول اور محدث کیلئے ایک قسم کی وحی میں ہی داخل ہوتی ہے اور باوجود کشف کے رؤیا کی اس لئے ضرورت ہوتی ہے کہ تا علم استعارات کا جو رؤیا پر غالب ہے وحی یاب پر کھل جائے اور علوم تعبیر میں مہارت پیدا ہو اور تا کشف اور رؤیا اور وحی بباعث تعدد طرق کے ایک دوسرے پر شاہد ہوں اور اس وجہ سے نبی اللہ کمالات اور معارف یقینیہ کی طرف ترقی رکھے۔

سوئم۔ وحی متلو کے ساتھ ایک خفی وحی عنایت ہوتی ہے جو تفہیمات الٰہیہ سے نامزد ہو سکتی ہے یہی وحی ہے جس کو وحی غیر متلو کہتے ہیں اور متصوفہ اس کا نام وحی خفی اور وحی دل بھی رکھتے ہیں۔ اس وحی سے یہ غرض ہوتی ہے کہ بعض مجملات اور اشارات وحی متلو کے منزل علیہ پر ظاہر ہوں۔ سو یہ وہ تینوں چیزیں ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے **اُوتیت الکتاب** کے ساتھ مثلہ کا مصداق ہیں۔ اور ہر ایک رسول اور نبی اور محدث کو اس کی وحی کے ساتھ یہ تینوں چیزیں حسب مراتب اپنی اپنی حالت قرب کے دی جاتی ہیں چنانچہ اس بارے میں راقم تقریر **ھٰذا** صاحب تجربہ☆ ہے یہ مؤیدات ثلاثہ یعنی کشف اور رؤیا اور وحی خفی دراصل

حاشیہ ☆ مولوی صاحب ایسے ولی اللہ کے مقابلہ کیلئے آپ نے کمر کسی ہوئی ہے! مولوی صاحب اہل ظن اور صاحب یقین برابر نہیں ہو سکتے۔ وقت ہے۔ باز آ جائیے۔ ورنہ دانت پیسنا اور رونا ہوگا۔ ایڈیٹر

﴿۱۰۷﴾

امورزائدہ نہیں ہوتے بلکہ وحی متلو کے جو متن کی طرح ہے مفسّر اور مبیّن ہوتے ہیں۔ فتدبّر۔

قولہ۔ حدیث حارث اعور کی صحیح نہیں ہے اور یہ اعور بھی ایک دجال ہے۔

اقول۔ افسوس کہ دجال کی حدیث اب تک مشکوٰۃ اور دوسری مقدس کتابوں میں درج ہوتی چلی آئی۔ آپ جیسے کسی بزرگ نے اس پر قلم نسخ نہ پھیرا۔ جس حالت میں وہ حدیث صریح جھوٹی ہے اور اسکا راوی دجال ہے! تو وہ کیوں نہیں خارج کی جاتی؟ میں نہیں جانتا کہ خبیث کو طیب سے کیا علاقہ ہے! مگر اس حدیث کی ترک سے ہمارا کچھ نقصان نہیں۔ اس مضمون کے قریب چند حدیثیں بخاری میں بھی ہیں جیسا کہ کسی قدر تبدیل یا کمی بیشی الفاظ سے یہ حدیث بخاری میں موجود ہے۔ **انی ترکت فیکم ما ان تمسکتم بہ لن تضلوا کتاب اللہ و سنتی**☆ اور آپ سرقہ کا مجھ کو الزام دیتے ہیں حالانکہ میں نے فی الحارث مقال کے لفظ کو ایک جرح بے ہودہ

☆ **حاشیہ**: اس حدیث کی ہم معنی جو حدیثیں بخاری میں موجود ہیں از انجملہ ایک وہ حدیث ہے جو بخاری کی **کتاب الاعتصام** میں لکھی ہے اور وہ یہ ہے **وھذا الکتاب الذی ھدی اللہ بہ رسولکم فخذوا بہ تھتدوا**۔ ازاں جملہ یہ حدیث ہے **و کان وقّافًا عند کتاب اللہ صفحہ ۱۷۹** از انجملہ یہ حدیث ہے **ما عندنا شیء الا کتاب اللّٰہ**۔ از انجملہ یہ حدیث ہے **ما کان من شرط لیس فی کتاب اللّٰہ فھو باطلٌ قضاء اللّٰہ احق**۔ صفحہ ۳۷۷۔ از انجملہ یہ حدیث ہے! **اوصٰی بکتاب اللّٰہ**۱۵۷۔ از انجملہ یہ حدیث ہے جو بخاری کے صفحہ ۱۷۲ میں ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ زخم کاری سے مجروح ہوئے تو صہیب رضی اللہ عنہ روتے ہوئے ان کے پاس گئے کہ ہائے میرے بھائی۔ ہائے میرے دوست۔ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اے صہیبؓ مجھ پر تو روتا ہے کیا تجھے یاد نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میت پر اسکے اہل کے رونے سے عذاب کیا جاتا ہے پھر جب حضرت عمرؓ وفات پا گئے تو حضرت ابن عباس کہتے ہیں کہ میں نے یہ سب حال حدیث پیش کرنے کا عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو سنایا تو انہوں نے کہا کہ خدا عمر پر رحم کرے بخدا کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا بیان نہیں فرمایا کہ مومن پر اسکے اہل کے رونے سے عذاب کیا جاتا ہے اور فرمایا کہ تمہارے لئے قرآن کافی ہے۔ اللہ جلّ شانہٗ فرماتا ہے لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی[1] یعنی حضرت عائشہ صدیقہ نے باوجود محدود علم کے فقط اسلئے قسم کھائی کہ اگر اس حدیث کے ایسے معنے کئے جائیں کہ خواہ نخواہ ہر ایک میت اسکے اہل کے رونے سے معذب ہوتی ہے تو یہ حدیث قرآن کے مخالف اور معارض ٹھہرے گی اور جو حدیث قرآن کے مخالف ہو وہ قبول کے لائق نہیں۔ **کان النبی صلعم یجمع بین رجلین**

---

[1] فاطر: ۱۹

﴿۱۰۸﴾ سمجھ کر عمداً ترک کیا ہے کیونکہ جس قدر کمالات قرآنیہ کی طرف یہ حدیث اشارہ کرتی ہے وہ اہل کشف اور اہل باطن پر درحقیقت ظاہر ہو چکے ہیں اور ہوتے ہیں اور حارث کی روایت کی ہر ایک زمانہ میں تصدیق ہو رہی ہے۔ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ قرآن کریم بلا شبہ جامع حقائق و معارف اور ہر زمانہ کی بدعات کا مقابلہ کرنے والا ہے۔ اس عاجز کا سینہ اس کی چشم دید برکتوں اور حکمتوں سے پر ہے۔ میری روح گواہی دیتی ہے کہ حارث اس حدیث کے بیان کرنے میں بے شک سچا ہے بلا شبہ ہماری بھلائی اور ترقی علمی اور ہماری دائمی فتوحات کیلئے قرآن ہمیں دیا گیا ہے اور اس کے رموز اور اسرار غیر متناہی ہیں جو بعد تزکیہ نفس اشراق اور روشن ضمیری کے ذریعہ سے کھلتے ہیں۔ خدا تعالیٰ نے جس قوم کے ساتھ کبھی ہمیں ٹکرا دیا اس قوم پر قرآن کے ذریعہ سے ہی ہم نے فتح پائی وہ جیسا ایک اُمی دیہاتی کی تسلی کرتا ہے ویسا ہی ایک فلسفی معقولی کو اطمینان بخشتا ہے یہ نہیں کہ وہ صرف ایک گروہ کیلئے اترا ہے دوسرا گروہ اس سے محروم رہے۔ بلا شبہ اس میں ہر یک شخص اور ہر یک زمانہ اور ہر یک استعداد کیلئے علاج موجود ہے۔ جو لوگ معکوس الخلقت اور ناقص الفطرت نہیں وہ قرآن کی ان عظمتوں پر ایمان لاتے ہیں۔ اور ان کے انوار سے مستفید ہوتے ہیں۔ جس حارث کے منہ سے ہمارے پیارے قرآن کی یہ تعریفیں نکلیں مَیں تو اس منہ کے قربان ہوں۔ آپ اس کو دجال سمجھیں تو آپکا اختیار ہے۔ **کل احد یؤخذ من قولہ ویترک.**

رہی یہ بات کہ آپ نے میرا نام چور رکھا تو میں اپنا اور آپکا فیصلہ حوالہ بخدا کرتا ہوں۔ اگر قرآن کے لئے میں چور کہلاؤں تو میری یہ سعادت ہے۔ یہ تو ایک لفظ کی کمی کا نام سرقہ رکھا گیا ہے لیکن خداوند کریم بہتر جانتا ہے کہ اس واقعی سرقہ یا اس کی اعانت کا مرتکب کون ہے جس کے ارتکاب سے ایک درم کی مالیت پر ہاتھ کاٹا جاتا ہے۔ **فتفکر فی سر ھذا الکلام واخش اللہ المحاسب العلام۔** كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ

قولہ ۔ احادیث صحیحین کے راوی تہمت فسق سے بری ہیں۔ سو آیت پیش کرنا جب کوئی فاسق خبر لاوے تو اس کی تفتیش کرو۔ آپ کی ناواقفی پر ایک دلیل ہے۔

اقول ۔ میں پہلے بیان کر چکا ہوں کہ بخاری اور مسلم کے بعض راویوں پر تہمت اہل بدع ہونے کی کی

بقیہ حاشیہ: **بجمع من قتلیٰ احد ثم یقول ایھما اخذاً للقرآن فاذا اشیر لہ الیٰ احد ھما قدمہ فی اللحد** (بخاری صفحہ ۱۰۰) اللہ اللہ! آپ نے کس قدر رعایت اور عزت قرآن کی کی ہے۔ ایڈیٹر۔

﴿۱۰۹﴾

گئی ہے جو فاسق کے حکموں میں ہیں۔ جیسا کہ مسلم الثبوت کا حوالہ دے چکا ہوں جس میں صحیحین کی نسبت یہ عبارت ہے۔ **لان رواتھما قدریون وغیرھم اھل البدع** یعنی بعض راوی مسلم اور بخاری کے قدری اور بدعتی ہیں۔ اب یا حضرت فرمائیے کہ آپ کی ناواقفی ثابت ہوئی یا میری۔ اور اگر آپ کہیں کہ دوسری طرق سے وہ حدیثیں ثابت ہیں تو یہ بار ثبوت آپکے ذمہ ہے کہ **من کل الوجوہ** پورا مفہوم اور منطوق ان حدیثوں کا دوسری طرق روایت سے ثابت کر کے دکھلاویں۔ تلویح میں لکھا ہے کہ ''بعض موضوع حدیثیں جو زنادقہ کا افترا معلوم ہوتی ہیں بخاری میں موجود ہیں''۔ اور امام نووی نے حدیث عباس اور علی کی نسبت جو کہا ہے وہ پہلے لکھ چکا ہوں اور میرا یہ کہنا کہ امکانی طور پر صدور کذب ہر ایک سے بجز نبی کے ممکن الوقوع ہے۔ اس اعتراض کا مورد نہیں ہوسکتا کہ امکان کذب کی وجہ سے شہادت رد نہیں کی جاسکتی اور نہ کمزور ہوسکتی ہے کیونکہ امکان دو قسم کا ہوتا ہے۔ ایک مترقب الوقوع اور ایک مستبعد الوقوع۔ اس کی یہ مثال ہے کہ جیسے ایک شخص کیلئے جو زمین کھود رہا ہے۔ ممکن ہے کہ اس زمین سے کسی قدر مال کا دفینہ نکل آوے۔ اور امکان مترقب الوقوع کی یہ مثال ہے کہ جیسے ایک ایسے گھر میں کتا اندر چلا جائے جس میں طرح طرح کے کھانے کھلے کھلے ہوئے ہیں سو ممکن ہے کہ وہ کتا کھانا شروع کرے اسی طرح انسان دو گروہ ہیں ایک وہ جو ذنوب سے آزاد کئے جاتے ہیں اور تقویٰ اور ایمان ان کی محبوب طبیعت کیا جاتا ہے۔ دوسرے وہ گروہ ہیں کہ اگرچہ تکلف سے نیکی کرتے ہیں اور متقی کہلاتے ہیں مگر جذبات نفس سے ایمن اور محفوظ نہیں ہوتے اور اغراض نفسانی کے موقعہ پر پھر پھسلنا انکا امکان ترقبی میں داخل ہوتا ہے کیونکہ اعمال صالح ان کی طبیعت کے جزو نہیں ہوتے۔ یہ بات شہادتوں میں بھی ملحوظ رہتی ہے۔ اس وجہ سے ایک ایسے گواہ کی شہادت جو فریق ثانی سے جس پر وہ گواہی دیتا ہے سخت عداوت رکھتا ہے اور بالجہر درپے آزار ہے اور فریق اول کا جس کیلئے گواہی دیتا ہے۔ قریبی رشتہ دار اور اس کی حمایت پر اس کو سخت اصرار ہے کمزور بلکہ قابل رد سمجھی جاتی ہے۔ کیوں سمجھی جاتی ہے؟ اسی وجہ سے کہ اس کی دروغگوئی کے بارے میں امکان ترقبی کا احتمال قوی پیدا ہو جاتا ہے۔ اور بوجہ اس امکان کے اس کی گواہی وہ وزن نہیں رکھتی جو قابل ذوی عدل شواہد کی رکھتی ہے۔ اور کسی طور سے پورے اعتماد کے لائق نہیں ٹھہر سکتی۔ خاص کر ایسے زمانہ میں جو فسق اور کذب کا شیوع ہو۔ اب میں پوچھتا ہوں کہ کیا خوارج اور قدریوں کی شہادت میں بوجہ ان کے مذاہب زائغہ کے دروغگوئی کا امکان ترقبی پیدا ہے یا نہیں؟ اور یہی میرا مطلب تھا۔

﴿۱۱۰﴾

قولہ۔ آپ کے ایسے دلائل واقاویل سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو فن حدیث کے کوچہ سے بالکل ناآشنائی ہے۔

اقول۔ حضرت مولوی صاحب اس زمانہ میں جو صحیحین اردو میں ترجمہ ہو چکی ہیں فن حدیث کا کوچہ کوئی ایسا دشوار گذار راہ نہیں رہا جس پر خاص طور پر آپ کا ناز زیبا ہو۔ عنقریب زمانہ آنے والا ہے بلکہ آ گیا ہے کہ اردو میں حدیثوں کا توغل رکھنے والے اپنی دماغی اور دلی روشنی کی وجہ سے عربی خوان غبی طبع ملاؤں پر ہنسیں گے اور استاد بن کر انہیں دکھائیں گے۔ میں حضرت محض للّٰہ آپ کو صلاح دیتا ہوں کہ اب آپ اپنی علمی نمائش کو کم کر دیں کہ خدا تعالیٰ کے نزدیک فضیلت تقویٰ میں ہے۔ اس ناحق کی نفسانی خودستائی اور دوسرے کی تحقیر سے حاصل کیا؟ اور طرفہ تر یہ کہ آپ تو میرے پر نادانی اور نالیاقتی کا الزام لگانا چاہتے ہیں۔ مگر خدا تعالیٰ وہی الزام لوٹا کر آپ پر نازل کرنا چاہتا ہے۔ **من اراد هتک ستر اخیه هتک الله ستره ان الله لایحب کل مختالٍ فخور والله بصیرٌ بالعباد ولا یحب الله الجهر بالسوء من القول الامن ظلم۔**

قولہ۔ صاحب تفسیر حسینی یا شیخ محمد اسلم طوسی نے حدیث کو قرآن پر عرض کرنے کے بارہ میں آپ کی مانند یہ اصول تو نہیں ٹھہرایا کہ احادیث صحیحہ مسلم الصحت کی صحت ثابت ہو جانے کے بعد ان کی صحت کا امتحان قرآن سے کیا جائے۔ اور جب تک وہ حدیث مطابق قرآن ثابت نہ ہو اس کو صحیح نہ سمجھا جائے۔

اقول۔ تفسیر حسینی کی عبارت سے یہ ظاہر ہے کہ شیخ محمد ابن اسلم طوسی تیس ۳۰ سال تک اس بارہ میں فکر کرتے رہے کہ حدیث ترک صلوٰۃ کی تصدیق جس کا مضمون یہ ہے کہ جو کوئی نماز کو عمداً چھوڑے وہ کافر ہو جاتا ہے قرآن سے ثابت ہو۔ اب ظاہر ہے کہ اگر یہ حدیث قانون روایت کے لحاظ سے ان کے نزدیک موضوع ہوتی تو پھر اس کی مطابقت کیلئے قرآن کی طرف توجہ کرنا ایک فضول امر اور بیہودہ کام تھا۔ کیونکہ اگر حدیث موضوع تھی تو پھر اس کا خیال دل سے دفع کیا ہوتا۔ کیا یہ قریب قیاس ہے کہ کوئی دانا ایک حدیث کو موضوع سمجھ کر پھر اس موضوع کی تصدیق کے لئے تیس ۳۰ سال تک اپنا وقت ضائع کرے۔ ظاہر ہے کہ جس حدیث کو پہلے سے موضوع سمجھ لیا پھر اس کی تصدیق قرآن سے طلب کرنا چہ معنے دارد! بلکہ حق اور واقعی بات جو قرائن موجودہ سے معلوم ہوتی ہے یہ ہے کہ ایک طرف تو شیخ محمد اسلم طوسی کو اس حدیث کی صحت پر وثوق کامل تھا اور دوسری طرف بظاہر نظر قرآن کی عام تعلیم سے اس کو مخالف پاتا تھا اس لئے اس نے صحیح بخاری کی اس حدیث کے موافق جس میں عرض علی القرآن کا ذکر ہے کتاب اللہ سے اس کی موافقت

﴿۱۱۱﴾

چاہیے؟☆ اور خدا جانے کس قدر اس کو ترک صلوٰۃ کی حدیث کی صحت پر پختہ یقین تھا کہ باوجودیکہ انتیس سال تک یا کچھ اس سے زیادہ اس حدیث کی مصدق کوئی آیت اس کو قرآن کریم میں نہ ملی تاہم اس نے تلاش اور طلب سے ہمت نہ ہاری۔ یہاں تک کہ آیت وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ [1] اس کو مل گئی یہ طلب اور تلاش بجز اسکے اور کس غرض کیلئے تھی کہ ایک طرف تو شیخ اسلم طوسی کو ترک صلوٰۃ کی حدیث میں اس کی صحت کے بارہ میں کچھ کلام نہ تھا اور دوسری طرف عبارت اس کی قرآن کریم کی ظاہر تعلیم سے مخالف معلوم ہوتی تھی اور اس بات کو ایک ادنیٰ فہم والا بھی سمجھ سکتا ہے کہ اگر شیخ موصوف کو حدیث اور ظاہر قرآن میں کچھ مخالفت دکھائی نہیں دیتی تھی تو پھر تیس۳۰ سال تک کس غوطہ میں رہا! اور کونسی چیز گم ہوگئی تھی جس کو وہ تلاش کرتا رہا؟ آخر یہی تو سبب تھا کہ وہ اس حدیث کے موافق کوئی آیت نہ پاتا تھا اور اسی خیال سے وہ قرآن کی آیات کو اس حدیث کے مخالف خیال کرتا تھا۔ آپ فرماتے ہیں کہ ’’شیخ مذکور کی کلام میں قرآن کے معیار ٹھہرانے کا نام ونشان نہیں‘‘۔ مگر آپ کی سمجھ پر نہ خود میں بلکہ ہر یک عاقل تعجب کرے گا کہ اگر شیخ کی رائے میں قرآن ایسی حدیثوں کی تصدیق کیلئے کہ بظاہر مخالف قرآن معلوم ہوں معیار نہیں تھا تو پھر شیخ نے تیس۳۰ سال تک تصدیق کیلئے کیوں ٹکریں ماریں؟ تیس۳۰ سال کا عرصہ کچھ تھوڑا نہیں ہوتا ایک جوان اس عرصہ میں بڈھا ہو جاتا ہے۔ کیا کسی کی سمجھ میں آ سکتا ہے کہ بغیر ارادہ کسی بھاری مرحلہ کے طے کرنے اور بغیر قصد نجات کے ایک سخت مشکل سے یوں ہی کوئی ایک زائد اطمینان کیلئے اس قدر عرصہ دراز عمر عزیز کا ضائع کرے۔ پھر آپ دریافت کرتے ہیں کہ کیا شیخ محمد اسلم نے بجز اس حدیث ترک صلوٰۃ کے کسی اور حدیث کو بھی قرآن پر عرض کیا؟ یہ کیسا پر خبط سوال ہے! کیا عدم علم سے عدم شے لازم آتا ہے؟ پس ممکن ہے کہ عرض کیا ہو اور ہمیں معلوم نہ ہو۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ مشکل اور حدیثوں میں انہیں پیش نہ آئی ہو۔ اور ان کی نظر میں کوئی اور حدیث ایسے طور سے مخالف قرآن نہ ہو جس سے قرآن کی کامل اور غیر مبدل ہدایتوں کو ضرر پہنچ سکے اور اگر یہ کہو کہ اس تیس۳۰ سال کے عرصہ تک یعنی جب تک کہ آیت نہیں ملی تھی حدیث ترک صلوٰۃ کی صحت کی نسبت شیخ کا کیا اعتقاد تھا تو جواب یہ ہے کہ شیخ اس میں حسب قانون روایت صحت کے آثار صحت پاتا تھا لیکن بوجہ مخالفت ظاہری قرآن حیرت اور سرگشتگی میں تھا اور کوئی رائے استقلال کے ساتھ قائم نہیں کرسکتا تھا اور آیت کے مل جانے کا زیادہ تر امیدوار تھا۔ پھر میں کہتا ہوں کہ آپ ضد چھوڑ دیں ۞ اور خدا تعالیٰ

☆ سہو کتابت معلوم ہوتا ہے’’ چاہیٔ ‘‘ہونا چاہیے۔ (ناشر) [1] الروم : ۳۲ ۞ حاشیہ اگلے صفحہ پر ہے۔ (ناشر)

﴿۱۱۲﴾

سے شرم کریں۔ آپ نے صرف ایک آدمی کا پتہ مانگا تھا جو احادیث مختلفہ کی نسبت عرض علی القرآن کا قائل ہو۔ لیکن ہم نے کئی امام اور بزرگوار اس عقیدہ کے رکھنے والے پیش کر دیئے۔ مکرر یہ کہ آپ یاد رکھیں کہ شیخ طوسی کا تیس۳۰ سال تک آیت کی طلب و تلاش میں لگے رہنا شیخ کے اس مذہب کو ظاہر کر رہا ہے جو اسکا حدیث ترک الصلوٰۃ کے صحت کی نسبت اور پھر تصدیق قرآنی کی ضرورت کی نسبت تھا۔ اگر آپ قرائن موجودہ سے نہیں سمجھیں گے تو اور سمجھنے والے دنیا میں بہت ہیں انہیں کو فائدہ ہوگا۔

قولہ۔ میں قرآن کو امام جانتا ہوں+

اقول۔ یہ سراسر خلاف واقع ہے اگر آپ قرآن کو امام اور ہادی اول جانتے تو آپ کے انکار اور ضد کی یہ نوبت کیوں پہنچتی؟ آپ فرماتے ہیں کہ ’’میرے پر یہ افترا ہے کہ میری نسبت بیان کیا گیا کہ میں قرآن کے امام ہونے کا منکر ہوں‘‘۔ اس آپ کی دلاوری کا میں کیا جواب دوں خود لوگ معلوم کر لیں گے!۔

قولہ۔ اے خدا کی مخلوق خدا سے ڈرو۔

اقول۔ حضرت کچھ آپ بھی تو ڈر کریں☆ لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ [۱]

قولہ۔ یہ گمان کہ امام بخاری نے دمشقی حدیث کو ضعیف جان کر چھوڑ دیا ہے یہ بات وہ ہی شخص کہے گا جس کو حدیث کے کوچہ میں بھولے سے بھی کبھی گزر نہیں ہوا۔

اقول۔ حضرت آپ کے اس بیان سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ کو اس کوچہ میں خود گذر نہیں آپ نہیں

حاشیہ صفحہ ۱۱۲: ہاں مولوی صاحب ایک ناصح عارف باللہ کی بات مان لیجئے اس سے آپ کی شان کو کوئی بٹہ نہیں لگنے کا بلکہ تمام خدا شناس آپ کو قدر و عزت کی نگاہ سے دیکھیں گے مگر افسوس ایک مولوی کا اپنی مشہور کردہ رائے سے رجوع کرنا ایسا ہی ہے جیسا اونٹ کا سوئی کے ناکے سے گذرنا۔ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ [۲] ایڈیٹر

+ حاشیہ: نوٹ۔ ضرور۔ تیر از کمان جستہ باز بدست نمے آید۔ ایڈیٹر

☆ حاشیہ: حضرت وہ کیوں ڈریں اس زمانہ کے مولویوں پر کچھ اس کی پابندی ضروری نہیں کہ جو کچھ وہ لوگوں کو کہیں خود بھی اس پر عمل کیا کریں۔ اسی سے تو خلق خدا میں فتنہ برپا ہو گیا ہے اور اسی فتنہ اور ان مولویوں کی کجیوں اور ناراستیوں کی اصلاح کے لئے اللہ تعالیٰ نے حضور کو دنیا میں بھیجا ہے سعادت مند ہے وہ جو آپ کو پہچانے۔ ایڈیٹر

[۱] الصف: ۳، ۴ [۲] البقرۃ: ۲۱۴

﴿۱۱۳﴾

جانتے؟ کہ ایک شخص امام بخاری جیسا معلومات کاملہ کا دعویٰ رکھنے والا جس نے تین لاکھ حدیث حفظ کی تھی۔ اس کی نسبت ضروری طور پر ماننا پڑتا ہے کہ تمام احادیث مدوّنہ مکتوبہ صحاح ستہ کی اس کو معلوم تھیں کیونکہ جس قدر کل حدیثیں صحاح ستہّ میں مندرج ہیں وہ معلومات بخاری کا چھٹا حصہ بھی نہیں۔ بلکہ ان سب کو معلومات امام بخاری میں داخل کر کے پھر بھی اڑھائی لاکھ احادیث ایسی رہ جاتی ہیں جن کے ضبط اور حفظ میں کوئی دوسرا امام بخاری سے شریک نہیں پس اس دلیل سے بظن غالب معلوم ہوتا ہے کہ دمشقی حدیث ضروری امام بخاری کو یاد ہوگی اور ان تمام حدیثوں کے لکھنے کے وقت جو امام بخاری نے مسیح ابن مریم اور مسیح دجال کی نسبت لکھی ہیں بخاری کا یہ فرض تھا کہ اس ناتمام قصہ کی تکمیل کیلئے جس کی تبلیغ کیلئے سب سے بڑھ کر تاکید نبی کریم ہے وہ دمشقی حدیث بھی لکھ دیتا جو مسلم میں درج ہے۔ حالانکہ بخاری نے اپنی حدیثوں میں بعض ٹکڑے اس قصہ کے لئے ہیں اور بعض ترک کر دیئے ہیں۔ پس صحیح بخاری کا ان قصص متعلقہ سے خالی ہونا اس بات پر حمل نہیں ہوسکتا کہ امام بخاری ان باقی ماندہ ٹکڑوں سے بےخبر رہا کیونکہ اس کو تین لاکھ حدیث کے ضبط کا دعویٰ ہے اور چالیس ہزار مجرا ے دے کر پھر بھی دو لاکھ ساٹھ ہزار بخاری کے پاس خاص ذخیرہ حدیثوں کا ماننا پڑتا ہے آخر قرائن موجودہ جو بخاری کے احاطہ احادیث پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتے وہ ایک محقق کو کشاں کشاں اس طرف لے آئیں گے کہ امام بخاری نے بعض متعلقات اس قصہ کو جو دمشقی حدیث میں پائی جاتی ہیں عمداً ترک کیا۔ یہ گمان ہرگز نہیں ہوسکتا کہ نواس بن سمعان کی حدیث بخاری کو نہیں ملی۔ بلکہ یہ گمان بھی نہیں ہے کہ علاوہ حدیث نواس بن سمعان کے ایسی روایت کے متعلق اور بھی حدیثیں ملی ہوں جن کو اس نے متروک البیان رکھا۔ لیکن یہ خیال کسی طرح طمانیت بخش نہیں کہ بخاری نے اس حدیث کو بھی اسی کنز مخفی میں شامل کر دیا جو تین لاکھ حدیث کا خزانہ اس کے دل میں تھا کیونکہ اس کے ذکر کرنے کے ضروری دواعی پیش تھے اور قصہ کی تکمیل اس بقایا ذکر پر موقوف تھی۔ سو بجز اس کے صحیح اور واقعی جواب جو جلالت شان بخاری کے مناسب حال ہے اور کوئی نہیں کہ بخاری نے وہ حدیث نواس بن سمعان کی اس مرتبہ پر نہ سمجھی جس سے وہ اپنی صحیح میں اس کو دخل دیتا۔ اس پر ایک اور بھی ثبوت ہے اور وہ یہ ہے کہ بخاری کی بعض حدیثیں اگر غور سے دیکھی جائیں تو اس دمشقی حدیث سے کئی امور میں مخالف ثابت ہوتی ہیں تو یہ بھی ایک وجہ تھی کہ بخاری نے اس حدیث کو نہیں لیا تا اپنی صحیح کو تعارض اور تناقض سے بچاوے اور معلوم ہوتا ہے کہ باقی حدیثیں بھی جو چھیانوے ہزار کے قریب بخاری

﴿۱۱۴﴾ کو یاد تھیں وہ باوجود اپنی صحت اسناد کے صحیح بخاری کی حدیثوں سے کچھ تعارض رکھتی ہونگی جبھی تو بخاری جیسے حریص اشاعت سنت رسول نے ان کو کتاب میں درج نہیں کیا۔ اور نہ کسی دوسری کتاب میں ان کو لکھا ورنہ بخاری جیسے عاشق قول رسول پر ایک ناقابل دفع اعتراض ہوگا کہ اس نے رسول اللہ کی حدیثوں کو پاکر کیوں ضائع کیا! کیا اس کی شان سے بعید نہیں کہ سولہ برس مصیبت اٹھا کر ایک لاکھ حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی جمع کی اور پھر ایک نکمے خیال سے کہ کتاب میں طول ہوتا ہے اس خزانہ کو ضائع کر دے؟

چہ عقل است صد سال اندوختن پس انگاہ دریک دمے سوختن

خداداد علم اور حکمت کو ضائع کرنا بالاتفاق معصیت کبیرہ ہے پھر کیونکر یہ حرکت بے جا ایسے امام سے ممکن ہے! سو اگرچہ کسی مخفی وجہ کی نسبت سے امام بخاری نے ظاہر نہیں کیا اور یا ظاہر کیا اور محفوظ نہیں رہا لیکن بہرحال یہی سبب ہے اور یہی عذر شرعی ہے جس کے تجویز کرنے سے امام محمد اسماعیل کی غم خواری دینی کا دامن کسل اور لاپروائی کی آلائش سے پاک رہ سکتا ہے۔

قولہ ۔آپ نے اجماع کے بارے میں کہ اجماع کس کو کہتے ہیں کچھ جواب نہ دیا جس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ آپ علمی سوالات کو کچھ سمجھ نہیں سکتے۔ اجماع کی تعریف یہ ہے کہ ایک وقت کے جملہ مجتہدین جن سے ایک شخص بھی متفرد و مخالف نہ ہو ایک حکم شرعی پر اتفاق کرلیں اگر ایک مجتہد بھی مخالف ہو تو پھر اجماع متحقق نہیں ہوگا۔

اقول ۔ میرے سیدھے سیدھے بیان میں ماحصل اجماع کی تعریف کا موجود ہے۔ ہاں میں نے اصولیوں کی مصنوعہ مخترعہ طرز پر جو دقت سے خالی نہیں اس بیان کو ظاہر نہیں کیا تا عوام الناس فہم سخن سے بے نصیب نہ رہیں۔ لیکن آپ نے اصطلاحی طور پر اجماع کی تعریف کرنے کا دعویٰ کر کے پھر اس میں خیانت کی ہے اور پورے طور پر اسکا بیان نہ کیا جس سے آپکے دل میں یہ اندیشہ ہوگا کہ جن شرائط کو اصول فقہ والوں نے اجماع کی تحقیق کیلئے ٹھہرایا ہے ان تمام شرائط کے لحاظ سے آپکے مسلمہ اجماعوں میں سے کوئی اجماع صحیح ٹھہر نہیں سکتا۔ اور یا یہ مطلب ہوگا کہ جو امور اس میں میرے مفید مطلب ہوں ان کو پوشیدہ رکھا جاوے اور وہ اجماع معہ اس کی شرائط کے اس طرح پر بیان کیا گیا ہے **الاجماع اتفاق مجتهدين صالحين من امة محمد مصطفٰى صلى الله عليه و سلم فى عصرٍ واحدٍ والا ولٰى ان يكون فى كل عصر على امر قولى او فعلى و ركنه نوعان عزيمة و**

﴿۱۱۵﴾

ھو التکلم منھم بمایوجب الاتفاق بان یقولوا اجمعنا علی ھذا ان کان ذلک الشیء من باب القول اوشروعھم فی الفعل ان کان ذالک الشیء من باب الفعل والنوع الثانی منہ رخصۃ وھو ان یتکلم اویفعل البعض من المجمعین دون البعض ای یتفق بعضھم علی قول او فعل ویسکت الباقون منھم ولایردون علیھم الی ثلثۃ ایام اوالی مدۃ یعلم عادۃ انہ لوکان ھناک مخالف لاظھر الخلاف ویسمی ھذا اجماعا سکوتیا و لابد فیہ من اتفاق الکل خلافا للبعض وتمسکا بحدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم و ذھب بعضھم الی کفایۃ قول العوام فی انعقاد الاجماع کالباقلانی و کون المجمعین من الصحابۃ اومن العترۃ لا یشترط وقال بعضھم لااجماع الاللصحابۃ و بعضھم حصر الاجماع فی اھل قرابۃ رسول اللہ و عند البعض کونھم من اھل المدینۃ یعنی مدینۃ رسول اللہ شرط ضروری و عند بعضھم انقراض عصرھم شرط لتحقق الاجماع وقال الشافعیؒ یشترط فیہ انقراض العصر وفوت جمیع المجتھدین فلایکون اجماعھم حجۃ مالم یموتوا لان الرجوع قبلہ محتمل ومع الاحتمال لایثبت الاستقراء ولابدلنقل الاجماع من الاجماع والاجماع اللاحق جائز مع الاختلاف السابق والاولی فی الاجماع ان یبقی فی کل عصر وقال بعض المعتزلۃ ینعقد الاجماع باتفاق الاکثر بدلیل من شذشذ فی النار. قال بعضھم ان الاجماع لیس بشیء ولایتحقق لجمع شرائط یعنی اجماع اس اتفاق کا نام ہے جو امت محمدیہ کے مجتہدین صالحین میں زمانہ واحد میں پیدا ہو اور بہتر تو یہ ہے کہ ہر زمانہ میں پایا جائے اور جس امر پر اتفاق ہو برابر ہے کہ وہ امر قولی ہو یا فعلی۔ اور اجماع کی دو نوع ہیں ایک وہ ہے جس کو عزیمت کہتے ہیں اور عزیمت اس بات کا نام ہے کہ اجماع کرنیوالے صریح تکلم سے اپنے اجماع کا اقرار کریں کہ ہم اس قول یا فعل پر متفق ہو گئے لیکن فعل میں شرط ہے کہ اس فعل کا کرنا بھی وہ شروع کر دیں۔ دوسری نوع اجماع کی وہ ہے جس کو رخصت کہتے ہیں اور وہ اس بات کا نام ہے کہ اگر اجماع کسی قول پر ہے تو بعض اپنے اتفاق کو زبان سے ظاہر کریں اور بعض چپ رہیں اور اگر اجماع کسی فعل پر ہے تو بعض اسی فعل کا کرنا شروع کر دیں اور بعض فعلی مخالفت سے دستکش رہیں۔ گو اس فعل کو بھی نہ کریں اور تین دن تک اپنی مخالفت قول یا فعل سے ظاہر نہ کریں یا اس مدت تک مخالفت ظاہر نہ کریں جو عادتاً اس بات کے سمجھنے کیلئے دلیل

﴿۱۱۶﴾ ہوسکتی ہے کہ اگر کوئی اس جگہ مخالف ہوتا تو ضرور اپنا خلاف ظاہر کرتا اور اس اجماع کا نام اجماع سکوتی ہے اور اس میں یہ ضروری ہے کہ کل کا اتفاق ہے۔ مگر بعض سب کے اتفاق کو ضروری نہیں سمجھتے تا من شــذ شــذ کی حدیث کا مورد باقی رہے اور حدیث باطل نہ ہو جائے اور بعض اس طرف گئے ہیں کہ مجتہدین کا ہونا ضروری شرط نہیں بلکہ انعقاد اجماع کیلئے عوام کا قول کافی ہے جیسا کہ باقلانی کا یہی مذہب ہے اور بعض کے نزدیک اجماع کیلئے یہ ضروری شرط ہے کہ اجماع صحابہ کا ہو نہ کسی اور کا۔ اور بعض کے نزدیک اجماع وہی ہے جو عترت یعنی اہل قرابت رسول اللہ کا اجماع ہو۔ اور بعض کے نزدیک یہ لازم شرط ہے کہ اجماع کرنے والے خاص مدینہ کے رہنے والے ہوں۔ اور بعض کے نزدیک تحقیق اجماع کیلئے یہ شرط ہے کہ اجماع کا زمانہ گذر جائے۔ چنانچہ شافعی کے نزدیک یہ شرط ضروری ہے وہ کہتا ہے کہ اجماع تب متحقق ہوگا کہ اجماع کے زمانہ کی صف لپیٹی جائے اور وہ تمام لوگ مر جائیں جنہوں نے اجماع کیا تھا اور جب تک وہ سب نہ مریں تب تک اجماع صحیح نہیں ٹھہر سکتا کیونکہ ممکن ہے کہ کوئی شخص اپنے قول سے رجوع کرے اور یہ ثابت ہونا ضروری ہے کہ کسی نے اپنے قول سے رجوع تو نہیں کیا اور نقل اجماع پر بھی اجماع چاہیئے۔ یعنی جو لوگ کسی امر کے بارہ میں اجماع کے قائل ہیں ان میں بھی اجماع ہو اور اجماع لاحق مع اختلاف سابق جائز ہے یعنی اگر ایک امر پہلے لوگوں نے اجماع نہ کیا اور پھر کسی دوسرے زمانہ میں اجماع ہو گیا ہو تو وہ اجماع بھی معتبر ہے اور بہتر اجماع میں یہ ہے کہ ہر زمانہ اس کا سلسلہ چلا جائے اور بعض معتزلہ کا قول ہے کہ اتفاق اکثر سے بھی اجماع ہوسکتا ہے بدلیل مــن شذشذ فی النار اور بعض نے کہا ہے کہ اجماع کوئی چیز نہیں اور اپنی جمیع شرائط کے ساتھ متحقق نہیں ہوسکتا۔ دیکھو کتب اصول فقہ ائمہ اربعہ۔

اب اس تمام تقریر سے ظاہر ہے کہ علماء کا اس تعریف اجماع پر بھی اجماع نہیں اور انکار اور تسلیم کے دونوں دروازے کھلے ہوئے ہیں لہٰذا میں نے جب بعض اقوال کے ابن صیاد کے دجال معہود ہونے پر بلاشبہ اجماع سکوتی کا ثبوت دے دیا ہے۔ ابوسعید نے ہرگز ہرگز ابن صیاد کے دجال ہونے سے انکار نہیں کیا ایک امر کا کسی پر مشتبہ ہونا اور چیز ہے اور انکار اور چیز ہے تمیم داری کا بھی انکار ثابت نہیں کیونکہ تمیم داری نے گرجا والے دجال کی نسبت اپنا یقین ظاہر نہیں کیا صرف ایک خبر سنا دی اور بمجرد خبر سنانے کے انکار لازم نہیں آتا اور وہ خبر جرح سے خالی بھی نہیں کیونکہ تمیم داری کہتا ہے کہ اس دجال نے غیب کی باتیں اور آئندہ میں ظاہر ہونے والی پیشگوئیاں کھلے کھلے طور پر سنائیں

﴿۱۱۷﴾

اور یہ امر قرآن کے مخالف ہے۔ کیونکہ اللہ جلّ شانہٗ فرماتا ہے فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ [1] یعنی خدائے تعالیٰ کھلے کھلے طور پر کسی کو اپنے غیب پر بجز رسولوں کے یعنی بجز ان لوگوں کے جو وحی رسالت یا وحی ولایت کے ساتھ مامور ہوا کرتے ہیں اور منجانب اللہ سمجھے جاتے ہیں مطلع نہیں کرتا مگر دجال نے تو اس جگہ غیب کی پکی پکی خبریں سنائیں ☆ اب سوال یہ ہے کہ وہ رسولوں کی کس قسم میں سے تھا؟ کیا وہ حقیقی طور پر منصب رسالت رکھتا تھا یا نبی تھا یا محدث تھا؟ ممکن نہیں کہ خدائے تعالیٰ کے کلام میں کذب ہو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو تمیم داری کے قول کی تصدیق کی یہ تصدیق درحقیقت اس شخص اور معین آدمی کی نہیں جو تمیم داری کے ذہن میں تھا بلکہ عام طور پر ان واقعات کی تصدیق ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ دجال آئے گا اور مدینہ اور مکہ میں نہیں جا سکے گا۔ اور اس جگہ کسی لفظ سے ثابت نہیں ہوتا کہ وحی الٰہی کے رو سے آنحضرت نے تمیم داری کی تصدیق کی۔ بلکہ معمولی طور پر اور بشری عادت کی طرز سے بغیر لحاظ کسی خصوصیت کے چند واقعات کی تصدیق کی تھی اور حدیث کے لفظوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ تمیم داری کے اس لفظ کی جو دجال ایک جزیرے میں تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تصدیق نہیں کی بلکہ ایک طور سے انکار کیا کیونکہ لفظ حدیث کے یہ ہیں۔

☆ حاشیہ

موحدین نام رکھوا کر شرم کرنی چاہئے! جب مخلوق کو (اور مخلوق بھی کافر دجال! یا للعجب!) خدائی طاقتیں اور صفتیں حاصل ہو گئیں تو خالق اور مخلوق میں مابہ الامتیاز کیا رہا؟

افسوس یہ خشک مغز لفظ پرست قوم کچھ بھی کلام الٰہی میں غور نہیں کرتی گویا انہیں کلام الٰہی سے کوئی انس و مناسبت ہی نہیں۔ توحید توحید زبان سے پکارتے ہیں اور سخت شرک میں گرفتار ہیں حضرت مسیح ایسے عبد ضعیف کو۔ خالق۔ شافی۔ محی اور حیّ قیوم اعتقاد کر رکھا ہے!!۔ اس پر غضب یہ کہ دوسرے تمام اسلامی فرقوں کو مبتدع اور مشرک کے سوائے اور کوئی لقب دینا گوارا نہیں کرتے۔ مبارکی ہو اس برگزیدہ الٰہی، اس مسیح موعود کو جس نے اصل سرّ توحید کا دنیا پر روشن کیا اور اقسام اقسام اشراک خفیہ سے اہل اسلام کو آگاہ کیا اور قرآن کریم کے نور سے منور ہو کر صفات باری تعالیٰ کے چشمہ کو شرک کے خس و خاشاک سے پاک و صاف فرمایا۔ اے اللہ! اے میرے مولا! مجھے اس کے خادموں میں شامل رکھ کر اس کی برکات سے مستفیض فرما! آمین۔ ایڈیٹر

[1] الجن: ۲۷-۲۸

﴿۱۱۸﴾ الا انہ فی بحر الیمن لا بل من قبل المشرق ما ھو و اومأ بیدہ الی المشرق یعنی آگاہ ہو کیا تحقیق دجال اس وقت شام کے دریا میں ہے یا یمن کے دریا میں۔ نہیں بلکہ وہ مشرق کی طرف سے نکلے گا اور مشرق کی طرف اشارہ کیا۔ ماھو کے لفظ میں اشارہ کیا کہ **بذاتہ وہ نہ نکلے گا بلکہ اس کا مثیل نکلے گا**۔ تمیم داری نصاریٰ کی قوم میں سے تھا اور نصاریٰ ہمیشہ ملک شام کی طرف سفر کرتے ہیں۔ سو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمیم داری کے اس خیال کو رد کر دیا کہ وہ شام کے دریا میں کسی جزیرہ میں دجال کو دیکھ آیا ہے اور فرمایا کہ دجال مشرق کی طرف سے نکلے گا **جس میں ہندوستان داخل ہے**۔ اور نیز یہ بھی یاد رکھو کہ معمولی تصدیق میں جو بغیر وحی کے ہو نبی سے بھی خطا فی الاجتہاد ممکن ہے جیسا کہ اس خبر کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تصدیق کر لی تھی کہ قیصر روم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر چڑھائی کرنے کا ارادہ رکھتا ہے اور اس تصدیق کی وجہ سے عین موسم گرما میں دور دراز کا سفر بھی اختیار کیا۔ آخر وہ **خبر غلط نکلی**۔ اور تواریخ صحابہ میں ایسی خبروں کے اور بہت سے نمونے ہیں۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچائی گئیں اور آنحضرت نے ان کی فکر کی لیکن آخر وہ صحیح نہ نکلیں۔ ظاہر ہے کہ جس حالت میں قیصر کے حملہ کی خبر سن کر آنجناب شدت گرما میں بلا توقف مع ایک لشکر صحابہ کے روم کی طرف تشریف لے گئے تھے۔ اگر تمیم داری کی خبر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نور فراست کے آگے کسی قدر آثار صداقت رکھتی تو آنجناب ایسے عجیب دجال کے دیکھنے کیلئے ضرور اس جزیرہ کی طرف سفر کرتے تا نہ صرف دجال بلکہ اس کی نادر الشکل جسامت بھی دیکھی جاتی جس حالت میں آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم ابن صیاد کے دیکھنے کے لئے گئے تھے تو اس عجیب الخلقت دجال کے مشاہدہ کیلئے کیوں تشریف نہ لے جاتے بلکہ ضرور تھا کہ جاتے۔ یہ مسئلہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا چشم دید ہو کر بکلّی تصفیہ پا جاتا۔ اور یہ بھی آپکو یاد رکھنا چاہئے کہ گرجا والے دجال کی تصدیق اس درجہ پر ہرگز ثابت نہیں ہو سکتی جیسے ابن صیاد کا دجال ہونا! حضرت عمر وغیرہ صحابہ کی قسموں سے ثابت ہو گیا ہے، گرجا والے دجال کی تصدیق قسم کھا کر کس نے کی جس کی تعریف اجماع کو میں نے پیش کیا ہے جو متفرق اقوال کتب اصول فقہ کا خلاصہ ہے۔ کیا کوئی بھی حصہ اس تعریف کا ابن صیاد کے اجماع کی نسبت ثابت نہیں ہوتا؟ بے شک ثابت ہوتا ہے اور آپ کا نقض فضول ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اخیر مدت تک اپنے قول سے رجوع ثابت نہیں اور حدیث ابوسعید سے کم سے کم یہ ثابت ہوتا ہے کہ ایک جماعت صحابہ کی ابن صیاد

﴿۱۱۹﴾ کے دجال ہونے کی قائل تھی اور اگر فرض کے طور پر کوئی فرد باہر رہا ہے تو جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں اجماع کا مخل نہیں۔ **الدجال** کے لفظ کی نسبت جس قدر آپ نے بیان کیا ہے وہ سب **لغو** ہے۔ آپ نہیں جانتے کہ دجال معہود کیلئے الدجال ایک نام مقرر ہو چکا ہے۔ دیکھو صحیح بخاری صفحہ ۱۰۵۵۔ اگر آپ الدجال صحیح بخاری میں بجز دجال معہود کے کسی اور کی نسبت اطلاق ہونا ثابت کر دیں تو پانچ روپیہ آپ کی نذر ہوں گے۔ ورنہ اے مولوی صاحب ان فضول ضدوں سے باز آؤ! اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا[1] آپ اگر کچھ حدیث سمجھنے کا ملکہ رکھتے ہیں تو الدجال کے لفظ سے استعمال صحیح بخاری یا صحیح مسلم میں بغیر دجال معہود کے کسی اور میں ثابت کریں۔ ورنہ بقول آپ کے ایسی باتیں کرنا اس شخص کا کام ہے جس کو حدیث بلکہ کسی شخص کا کلام سمجھنے سے کوئی تعلق نہ ہو۔ یہ آپ ہی کا فقرہ ہے آپ ناراض نہ ہوں۔ **ایں ہمہ سنگ است کہ بر سرے من زدی۔**

قولہ۔ آپکا یہ عذر کہ کسی کو (امارات قول دیکھ کر) کسی بات کا قائل ٹھہرانا افترا نہیں اس سے آپکا افترا اور ثابت ہوتا ہے۔

اقول۔ اگر یہی بات ہے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فعلی امر کا نام کیوں حدیث رکھ کر لیتے ہیں؟ اور کیوں بخاری نے کہا کہ میں نے تین لاکھ حدیث رسول اللہ کی تقریر کی؟ ظاہر ہے کہ حدیث بات اور قول کو کہتے ہیں۔ مگر احادیث میں صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں نہیں اقوال بھی تو ہیں آپ نے ان افعال کا نام اقوال کیوں رکھا کیا یہ افترا ہے یا نہیں؟ اگر کہو کہ بطور مسامحت یہ اصطلاح فن حدیث میں جاری ہوگئی۔ تو اسی طرح آپکو سمجھ لینا چاہئے کہ بہت سی باتیں بطور مسامحت انسان کرتا ہے اور ان کو افترا نہیں کہا جاتا۔ اگر کوئی شخص فقط ہاتھ کے اشارہ سے کسی کو کہے کہ بیٹھ جا تو ناقل اس امر کا بسا اوقات کہہ سکتا ہے کہ اس نے مجھے بیٹھنے کیلئے کہا۔ ایک شخص کسی کو کہتا ہے کہ تو شیر ہے اس پر کوئی اعتراض نہیں کر سکتا کہ تو نے افترا کیا۔ اگر یہ شیر ہے تو کہاں شیر کی طرح اس کی کھال ہے اور شیر کی طرح پنجے کہاں ہیں دم کہاں ہے۔ ایسا ہی اپنے اجتہاد کے اتباع کا ہر یک کو اختیار ہے جو شخص اجتہاد کے رو سے ایک ظنی امر کو یقینی سمجھ لیتا ہے خواہ اس کی نسبت کچھ کہا جائے مگر اس کو مفتری تو نہیں کہا جاتا۔ میرا اور آپ کا بیان اب جلد پبلک کے سامنے آئے گا لوگ خود اندازہ کر لیں گے۔ حدیث کے راویوں کی احتیاطیں صرف اس غرض سے تھیں کہ ان کا قول حدیث شمار کیا جاتا تھا مگر میرا قول تو حدیث نہیں میں تو صاف کہتا ہوں کہ یہ میرا اجتہاد ہے اور میں اجتہادی طور پر کہتا ہوں ضرور آنحضرت نے ابن صیاد کے دجال ہونے پر خوف ظاہر کیا اور میں نے قرائن موجودہ سے

[1] بنی اسرآئیل : ۳۷

﴿۱۲۰﴾

استنباط کیا ہے کہ اس خوف کا اظہار ضرور کلام کے ذریعہ سے ہوگا۔ چنانچہ اصول فقہ کے رُو سے سکوت بھی کلام کا حکم رکھتا ہے۔ اور آنحضرت کے صریح کلام سے بھی جو مسلم میں موجود ہے مترشح ہو رہا ہے کہ آنحضرت ابن صیاد کے دجال ہونے کی نسبت ضرور اندیشہ میں تھے۔ مسلم کی دوسری حدیثیں غور سے دیکھو تا آپ پر حق کی روشنی پڑے۔

قولہ۔ ایک آپ کا افترا یہ ہے کہ آپ نے رسالہ ازالہ اوہام کے صفحہ ۲۰۱ میں حدیث **و امامکم** کے ترجمہ میں اپنی عبارت ملا دی۔

اقول۔ مَیں کہتا ہوں کہ یہ آپ کے فہم کا قصور ہے یا بحالت افہم ایک افترا ہے کیونکہ ہمیشہ اس عاجز کی عادت ہے کہ ترجمہ کی نیت سے نہیں بلکہ تفسیر کی نیت سے معنے کیا کرتا ہے مگر اپنی طرف سے نہیں بلکہ وہی کھول کر سنایا جاتا ہے جو اصل عبارت میں ہوتا ہے۔ بیشک اس جگہ **و امامکم** کی واؤ پہلے فقرہ کی تفسیر کے لئے ہے جس وقت آپ سے یہ بحث شروع ہوگی اسوقت آپ کو قواعد نحو کے رو سے سمجھا دیا جائیگا۔ ذرا صبر کیجئے اور میری کتاب براہین احمدیہ کو دیکھئے ہمیشہ تفسیر کی طرز پر میرا ترجمہ ہوتا ہے۔ افسوس کہ باوجود ریویو لکھنے کے ان تراجم پر آپ نے اعتراض نہیں کیا اور کسی جگہ افترا نام نہ رکھا۔ اس کی اصل وجہ بجز اسکے اور کوئی نہیں کہ اس وقت آپ کی آنکھیں اور تھیں اور اَب اور ہیں۔ خدائے تعالیٰ آپ کی پہلی بینائی آپ کو بخشے۔ **وھو علٰی کل شیءٍ قدیر**. اور آپ کو یاد رہے کہ بیت المقدس یا دمشق میں نزولِ عیسیٰ کا ذکر بھی محض تفسیر کے طور پر مَیں نے کیا ہے مجرّد ترجمہ نہیں ہے۔

قولہ۔ آپ نے مجھے یہ الزام دینے سے کہ میرا بخاری کی حدیثوں پر ایمان ہے افترا کے طور پر یہ نتیجہ نکالا ہے کہ مَیں کسی ایسے ملہم کو بھی مانتا ہوں کہ جو بخاری یا مسلم کی کسی حدیث کو موضوع کہیں۔

اقول۔ بیشک آپ نے ایسے ملہم کو جو کسی صحیح حدیث کو اپنے کشف کے رو سے موضوع جانتا ہو یا موضوع کو صحیح قرار دیتا ہو۔ اپنی کتاب **اشاعة السُنّة** میں مخاطب الشیطان نہیں ٹھہرایا۔ یہ آپ کا سراسر افترا اور مشت بعد از جنگ ہے کہ اب آپ اپنی تحریر میں یہ لکھتے ہیں کہ میرے نزدیک ایسا محدث شیطان کی طرف سے مخاطب ہے اور جو شخص کسی صحیح حدیث کو جو صحیحین میں سے ہو موضوع کہے نہ صرف وہ شیطان کا مخاطب بلکہ شیطان مجسم ہے آپ نے **اشاعة السُنّة** میں ان بزرگوں کا نام جنہوں نے ایسے مکاشفات یا ایسا عقیدہ اپنا بیان کیا تھا شیطان مجسّم ہرگز نام نہیں رکھا بلکہ مدح کی محل اور موردمیں انکا ذکر لائے ہیں مثلاً آپ نے جو میری تائید کے لئے ابن عربی کا قول لکھا اور فتوحات میں سے یہ نقل کیا کہ بعض حدیثیں کشفی طور پر موضوع ظاہر کی جاتی ہیں سچ کہو کہ آپ کی اس وقت کیا نیت تھی کیا یہ نیت تھی کہ نعوذ باللہ ابن عربی

﴿۱۲۱﴾

کافر اور شیطان مجسم ہے؟ کیا اکابر کا لفظ جو اس محل میں ہے یہی دلالت کر رہا ہے کہ وہ لوگ اکابر کفر تھے؟ آپ ایک خط میں محی الدین عربی کو رئیس المتصوفین اور اولیاء اللہ میں داخل کر چکے ہیں۔ وہ خط تو اس وقت موجود نہیں لیکن ایک دوسرا خط ہے جس سے بھی یہی مطلب نکلتا ہے جسکو آپ نے مولوی عبداللہ غزنوی مرحوم کی طرف لکھا تھا جسکی یہ عبارت ہے۔ ''علم دو قسم است یکے ظاہری کہ بکسب و اکتساب ونظر واستدلال حاصل میشود دوم باطنی کہ غیب الغیب بہم مے رسد چنانچہ انبیاء علیہم السلام ومن بعدھم اولیاء کرام راحاصل بود کما قال الشیخ المحی الدین العربی فی الفتوحات وقع لی اوّلا الخ فرمائیے کہ آپ نے ایسے محل میں کہ اولیاء الرحمٰن کے کلام کا حوالہ دینا چاہئے تھا محی الدین عربی کا کیوں ذکر کیا؟ اگر وہ بزرگ آپ کے آزاد دل کی نسبت نعوذ باللہ شیطان مجسم تھا تو کیا آپ نے اپنے خط میں جو اپنے مرشد کی طرف لکھا تھا ایک شیطان کا حوالہ دینا تھا! ماسوا اس کے آپ کا وہ پرچہ اشاعۃ السنۃ موجود ہے مَیں اپنے پر سَو روپیہ تاوان قبول کرتا ہوں اگر منصفین اس پرچہ کو پڑھ کر یہ رائے ظاہر کریں کہ آپ نے ان اولیاء کو جنہوں نے ایسا رائے ظاہر کیا تھا کافر اور شیطان ٹھہرایا تھا اور ان کے ملہمات کو شیطانی مخاطبات میں داخل کیا تھا تو میں سَو روپیہ داخل کردُونگا۔ آپ اپنے شائع کردہ ریویو کے منشاء سے بھاگنا چاہتے ہیں☆ اور ایک پرانی قوم کی عادت پر تحریفوں پر زور مار رہے ہیں وانّٰی لکم ذالک ولات حین مناص۔

قولہ ۔آپ کے ان افتراؤں سے کامل یقین ہوتا ہے کہ آپ کسی الہام کے دعوے میں سچے نہیں اور جو تاروپود آپ نے پھیلا رکھا ہے وہ سب افترا ہے۔

اقول ۔مَیں آپ کی ان باتوں سے آزردہ نہیں ہوتا اور نہ کچھ رنج کرتا ہوں۔ کیونکہ جو لوگ حق کے مخالف تھے۔ ہمیشہ ارباب حق اور اہل اللہ بلکہ انبیاء کی نسبت ایسے ایسے ہی ظن کرتے آئے ہیں حضرت موسیٰ کا نام مفتری رکھا گیا۔ حضرت عیسیٰ کا نام مفتری رکھا گیا۔ ہمارے سید مولیٰ کا نام مفتری رکھا گیا۔ بہت سے اولیاء کا نام مفتری رکھا گیا۔ پھر اگر میرا نام بھی آپ نے مفتری رکھ لیا تو کونسی رنج کی بات ہے؟ وَقَدْ خَلَتْ سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ[1] مَیں آپ کو سچ سچ کہتا ہوں کہ میں مفتری نہیں ہوں اور خداوند کریم نے جو ہمیشہ مصلحت عباد کی رعایت رکھتا ہے مجھے حقًّا وعدلاً مامور کر کے بھیجا ہے۔ وہ خوب جانتا ہے اور اب سن رہا ہے کہ اُس نے مجھے ضرور بھیجا ہے تا میرے ہاتھ پر ان خرابیوں کی اصلاح ہو جو مولویوں کی کج فہمی سے امت محمدیہ میں شائع ہوگئی ہیں اور تا مسلمانوں میں سچے ایمان کا تخم پھر نشوونما کرے سو مَیں بفضلہ ورحمتہٖ تعالیٰ سچا ہوں اور سچائی کی تائید کیلئے آیا ہوں اور ضرور تھا کہ میرا انکار کیا جاتا۔ کیونکہ براہین احمدیہ میں الٰہی الہام میرے حق میں یہ درج ہو چکا ہے کہ دنیا میں ایک نذیر آیا پر دنیا نے اس کو قبول

☆ کہیں تحریف کرتے ہیں اور کبھی یہ نامعقول عذر تراش کر کہ مجھ کو پہلے دھوکہ ہوگیا تھا پبلک میں اپنی خفت ظاہر کرتے ہیں۔ ایک ولی اللہ کی معادات کا یہ نتیجہ ہے! ایڈیٹر۔

[1] الحجر : ۱۴

﴿۱۲۲﴾ نہ کیا۔ لیکن خدا اسے قبول کریگا اور بڑے زور آور حملوں سے اسکی سچائی ظاہر کر دیگا۔ سو مَیں جانتا ہوں کہ میرا خدا ایسا ہی کرے گا۔ مَیں کسی کے منہ کی پُھونکوں سے معدوم نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ وہ جس نے مجھے بھیجا ہے میرے ساتھ ہے وہ میری حمایت کریگا ضرور حمایت کریگا۔ اور میری صداقت میرے آسمانی نشان دیکھنے والوں پر ظاہر ہے گو آپ پر ظاہر نہ ہو۔ اسی مجلس میں بعض لوگ ایسے موجود ہیں کہ وہ حلف اُٹھا کر کہہ سکتے ہیں کہ آسمانی نشان انہوں نے مجھ سے دیکھے ہیں۔ شیخ مہر علی صاحب رئیس ہوشیار پور بھی حلف اٹھا کر یہ شہادت دے سکتے ہیں کہ مَیں نے چھ مہینہ پہلے ان پر ایک بلا نازل ہونے کی ان کو اطلاع دی اور عین اس وقت میں کہ جب پھانسی کا حکم ان کے لئے صادر ہو چکا تھا ان کے انجام بخیر اور نجات پا جانے کی خبر استجابت دعا کے بعد ان تک پہنچا دی۔ مَیں نے سنا ہے کہ یہ خبر ہوشیار پور اور اس ضلع میں اس کثرت سے پھیل گئی کہ ہزاروں آدمی اس کے گواہ ہیں۔ پھر مَیں نے اپنی زبان سے دلیپ سنگھ کی ناکامی اور ہندوستان میں نہ داخل ہونے کی پیش از وقت خبر دی اور صدہا آدمیوں کو زبانی سنایا اور اشتہار شائع کیا اور پنڈت دیانند کے تین مہینہ تک فوت ہونے تک پہلے سے خبر دے دی اور اللہ جلّ شانہٗ خوب جانتا ہے کہ شاید تین ہزار کے قریب ایسے امور میرے پر ظاہر ہوئے ہیں کہ وہ ٹھیک ٹھیک ظہور میں آ گئے ہیں۔ مَیں یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ کبھی میرے مکاشفات میں غلط فہمی کی وجہ سے خطا واقع نہیں ہوتی کیونکہ اس وجہ سے تو نبیوں کے مکاشفات میں بھی کبھی کبھی خطا واقع ہو جاتی ہے بخاری کی حدیث فذھب وھلی بہتوں کو یاد ہوگی حضرت مسیح کی غلط پیشگوئی یہودا اسکریوطی کی نسبت کہ وہ بارہویں تخت کا مالک ہے ابتک کسی عمدہ تاویل کے رو سے صحیح نہیں ہوسکی لیکن کثرت کی طرف دیکھنا چاہیئے جو لوگ مجھے مفتری سمجھتے ہیں اور اپنے تئیں صاف پاک اور متقی قرار دیتے ہوں مَیں ان کے مقابل پر اس طور کے فیصلہ کیلئے راضی ہوں کہ چالیس[۴] دن مقرر کئے جائیں اور ہر ایک فریق اِعْمَلُوْا عَلٰی مَكَانَتِكُمْ اِنِّیْ عَامِلٌ[۱] پر عمل کر کے خدا تعالیٰ سے کوئی آسمانی خصوصیت اپنے لئے طلب کرے۔ جو شخص اس میں صادق نکلے اور بعض مغیبات کے اظہار میں خدائے تعالیٰ کی تائید اس کے شامل حال ہو جائے وہی سچا قرار دیا جائے۔ اے حاضرین اسوقت اپنے کانوں کو میری طرف متوجہ کرو کہ مَیں اللہ جلّ شانہٗ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر حضرت مولوی محمد حسین صاحب چالیس دن تک میرے مقابل پر خدا تعالیٰ کی طرف توجہ کر کے وہ آسمانی نشان یا اسرار غیب دکھلا سکیں جو مَیں دکھلا سکوں تو میں قبول کرتا ہوں کہ جس ہتھیار سے چاہیں مجھے ذبح کر دیں اور جو تاوان چاہیں میرے پر لگا دیں۔ دنیا میں ایک نذیر آیا پر دنیا نے اسکو قبول نہ کیا لیکن خدا اسے قبول کریگا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کر دیگا۔ بالآخر میں لکھتا ہوں کہ اب میں یہ موجودہ بحث ☆

☆ اے حق پژدہ ناظرین للہ غور کر کے اس جملہ کو اور آئندہ جملہ ''اب ان تمہیدی امور میں'' الخ کو پڑھیے گا اور پھر مقابلہ کیجئے گا مولوی محمد حسین صاحب کے لدھیانہ والے اشتہار کے ساتھ جس میں آپ نے کس بے باکی سے حضرت مرزا صاحب کا آئندہ اجرائے بحث سے فرار کرنا لکھ مارا ہے۔ حضرت مرزا صاحب کا کیا مطلب اور کیا منشا ہے اور مولوی صاحب اسے کس قالب میں ڈالتے ہیں۔ كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ[۲] اِنْ يَّقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا[۲]۔ ایڈیٹر۔

[۱] الانعام: ۱۳۶ [۲] الکھف: ۶

﴿۱۲۳﴾ ختم کر چکا ہوں اگر مولوی صاحب کو کسی بات کے ماننے میں کچھ عذر ہو تو علیحدہ طور پر اپنے رسالہ میں درج کریں اب ان تمہیدی امور میں زیادہ طول دینا ہرگز مناسب نہیں۔ ہاں اگر مولوی صاحب نفس دعویٰ میں جو مَیں نے کیا ہے بالمقابل دلائل پیش کرنے سے بحث کرنا چاہیں تو میں طیار ہوں اور اگر وہ خاص بحثیں جنکی درخواست اس تحریر میں کی گئی ہے پسند خاطر ہوں تو ان کیلئے بھی حاضر ہوں اَب انشاء اللہ یہ کاغذات چھپ جائیں گے اور مولوی صاحب نے جس قدر تیز زبانی سے ناحق کو حق قرار دیا ہے پبلک کو اس پر رائے لگانے کیلئے موقعہ ملے گا۔ وٰاخر دعوٰنا ان الحمد للّٰہ رب العٰلمین۔

راقم خاکسار غلام احمد ۲۹ جولائی ۱۸۹۱ء[1]

---

[1] یہ مضمون ۲۹ تاریخ کو لکھا گیا تھا اور مولوی محمد حسین کو اطلاع دی گئی تھی مگر انہوں نے ۳۱ تاریخ پر مضمون کا سننا ملتوی کر دیا چنانچہ ۳۱ تاریخ کو سنایا گیا۔

لاہور کے عمائد اہل اسلام کی مخلصانہ درخواست تحقیق کیلئے بنام

مولوی[۱] محمد صاحب لکھو کے ۔ مولوی[۲] عبدالرحمٰن صاحب لکھو کے ۔ مولوی[۳] عبیداللہ صاحب تبّتی ۔ مولوی[۴] رشید احمد صاحب گنگوہی ۔ مولوی[۵] غلام دستگیر صاحب قصوری ۔ مولوی عبدالجبار صاحب امرتسری ۔ مولوی سید محمد نذیر حسین صاحب دہلوی ۔ مولوی عبدالعزیز صاحب لدھیانوی ۔ مولوی احمد اللہ صاحب امرتسری ۔ مولوی محمد سعید صاحب بنارسی ۔ مولوی عبداللہ صاحب ٹونکی از طرف اہل اسلام لاہور بالخصوص حافظ محمد یوسف صاحب ضلعدار و خواجہ امیر الدین صاحب و منشی عبدالحق صاحب و محمد چٹو صاحب و منشی شمس الدین سیکرٹری حمایت اسلام و مرزا صاحب ہمسایہ خواجہ امیر الدین صاحب و منشی کرم الٰہی صاحب وغیرہ وغیرہ ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ ۔ مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے جو دعاوی حضرت مسیح علٰی نبینا وعلیہ الصلٰوۃ والسلام کی موت اور خود مسیح موعود ہونے کی نسبت کئے ہیں آپ سے مخفی نہیں ۔ ان کے دعاوی کی اشاعت اور ہمارے ائمۂ دین کی خاموشی نے مسلمانوں کو جس تردد اور اضطراب میں ڈالدیا ہے وہ بھی محتاج بیان نہیں اگرچہ جمہور علماء موجود کی بے سود مخالفت اور خود مسلمانوں کے پرانے عقیدے نے مرزا صاحب کے دعاوی کا اثر عام طور پر پھیلنے نہیں دیا مگر تاہم اِس امر کے بیان کرنے کی بلاخوف تردید جرأت کی جاتی ہے کہ اہل اسلام کے قدیمی اعتقاد نسبت حیات ونزول عیسٰی ابن مریم میں بڑا بھاری تزلزل واقع ہوگیا ہے ۔ اگر ہمارے پیشوایانِ دین کا سکوت یا ان کی خارج از بحث تقریر اور تحریر نے کچھ اور طول پکڑا تو احتمال کیا بلکہ یقین کامل ہے کہ اہلِ اسلام علی العموم اپنے پُرانے اور مشہور عقیدے کو خیرباد کہہ دیں گے اور پھر اس صورت اور حالت میں حامیان دین متین کو سخت تر مشکل کا سامنا پڑے گا ۔ ہم لوگوں نے جن کی طرف سے یہ درخواست ہے اپنی تسلی کے لئے خصوصًا اور عامہ اہل اسلام کے فائدہ کے لئے عمومًا کمال نیک نیتی سے بڑی جدوجہد کے بعد ابوسعید مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کو مولوی حکیم نور الدین صاحب کے

﴿۱۲۴﴾

ساتھ (جو مرزا صاحب کے مخلص معتقدین میں سے ہیں) مرزا صاحب کے دعویٰ پر گفتگو کرنے کیلئے مجبور کیا تھا مگر نہایت ہی حیرت ہے کہ ہماری بدقسمتی سے ہمارے منشاء اور مُدعا کے خلاف مولوی ابوسعید صاحب نے مرزا صاحب کے دعووں سے جو اصل مضمون بحث تھا قطع نظر کرکے غیر مفید امور میں بحث شروع کر دی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ متردد دین کے شبہات کو اور تقویت ہوگئی اور زیادہ تر حیرت میں مبتلا ہو گئے اسکے بعد لدھیانہ میں مولوی ابوسعید صاحب کو خود مرزا صاحب سے بحث کرنے کا اتفاق ہوا۔ تیرہ روز گفتگو ہوتی رہی اسکا نتیجہ بھی ہمارے خیال میں وہ ہی ہوا جو لاہور کی بحث سے ہوا تھا بلکہ اس سے بھی زیادہ تر مضر کیونکہ مولوی صاحب اس دفعہ بھی مرزا صاحب کے اصل دعویٰ کی طرف ہرگز نہ گئے اگرچہ (جیسا کہ سنا گیا ہے اور پایہ ثبوت کو پہنچ گیا ہے) مرزا صاحب نے اثناء بحث میں بھی اپنے دعووں کی طرف مولوی صاحب کو متوجہ کرنے کے لئے سعی کی چونکہ علماء وقت کے سکوت اور بعض بے سود تقریر و تحریر نے مسلمانوں کو علی العموم بڑی حیرت اور اضطراب میں ڈال رکھا ہے اور اسکے سوا انکو اور کوئی چارہ نہیں کہ اپنے امامان دین کی طرف رجوع کریں لہذا ہم سب لوگ آپ کی خدمت میں نہایت مؤدبانہ اور محض بنظر خیر خواہی برادرانِ اسلام درخواست کرتے ہیں کہ آپ اس فتنہ و فساد کے وقت میدان میں نکلیں اور اپنی خداداد نعمت علم و فضل سے کام لیں۔ خدا کے واسطے مرزا صاحب کے ساتھ ان کے دعاوی پر بحث کرکے مسلمانوں کو ورطہ تذبذب سے نکالنے کی سعی فرما کر عندالناس مشکور و عنداللہ ماجور ہوں۔ ہم چاہتے ہیں کہ آپ جن کی ذات پر مسلمانوں کو بھروسہ ہے خاص لاہور میں مرزا صاحب کے ساتھ ان کے دعاوی میں بالمشافہ تحریری بحث کریں مرزا صاحب سے ان کے دعاوی کا ثبوت کتاب اللہ اور سنت رسول صلعم سے لیا جاوے یا ان کو اس قسم کے دلائل بینہ سے توڑا جاوے۔ ہماری رائے میں مسلمانوں کی تسلی اور رفع تردد کے واسطے اس سے بہتر اور کوئی طریق نہیں۔ اگر آپ اس طریق پر بحث کو منظور فرماویں اور امید واثق ہے کہ آپ اپنا ایک اہم منصبی اور مذہبی فرض یقین کرکے محض **ابتغاءً لوجہ اللہ وھدای خلق اللہ** ضرور قبول فرماویں گے تو اطلاع بخشیں تا کہ مرزا صاحب سے بھی اس بارہ میں تصفیہ کرکے تاریخ مقرر ہو جائے اور آپکو لاہور تشریف لانے کی تکلیف دی جاوے تمام انتظام متعلّقہ قیام امن وغیرہ ہمارے ذمہ ہوگا اور انشاء اللہ تعالیٰ آپ صاحبوں کو کسی قسم کی تکلیف نہ اٹھانی پڑے گی جواب سے جلد سرفراز فرماویں۔ والسلام

نوٹ: ہمارے پاس ایک اور بھی طویل درخواست لدھیانہ کے مسلمانوں کی آئی ہے جس پر ایک سو نو اشخاص کے نام درج ہیں اور جو انہوں نے مشاہیر علماء کے پاس مذکورہ بالا غرض سے کی ہے اور ساتھ ہی ایک اقرار نامہ کی نقل ہے جو حضرت مرزا صاحب نے ان درخواست کنندوں کے ساتھ کیا ہے اور جس کا لب لباب یہ ہے کہ مرزا صاحب ان کی درخواست کے بموجب اکابر اور مشاہیر علماء سے ظاہری اور باطنی طور پر مباحثہ کرنے کے لئے طیار ہیں اور لاہور کو ہی اس مباحثہ کا صدر مقام پسند کرتے ہیں۔ درخواست مذکور میں یہ بھی مندرج ہے کہ اگر مخاطبین مولوی صاحبان ایک ماہ تک انکی درخواست کے بموجب مباحثہ کرنے کے لئے نہیں آئیں گے تو وہ مرزا صاحب کے دعاوی کو بلا تذبذب صحیح و صادق تسلیم کرلیں گے اور مولوی صاحبان کی گریز کو عام پر مشتہر کر دیں گے۔ چونکہ اس درخواست کا منشاء مذکورہ بالا درخواست کے مطابق ہے اس لئے ہم نے اس کے اندراج کی ضرورت نہیں سمجھی۔ ایڈیٹر

تمت

جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا

اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتَابًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا

مباحثہ لدھیانہ

جو کہ مابین حضرت اقدس مرزا غلام احمد صاحب مسیح موعود

و مہدی معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام و ابو سعید مولوی محمد حسین صاحب

بٹالوی ہوا ہے

الحق

یعنی

تصدیق اصول اسلام و تحقیق ملت قویمہ حضرت خیر الانام علیہ

الصلوٰۃ والسلام کا ماہوار رسالہ

بابت

ماہ ذی الحجہ۔ محرم۔ صفر۔ ربیع الاول ۱۳۰۹ سنہ ہجری المقدس

مطابق جولائی۔ اگست۔ ستمبر۔ اکتوبر ۱۸۹۱ سنہ عیسوی

مؤلفہ

مولوی عبدالکریم صاحب سیالکوٹی

۴ ستمبر سنہ ۱۹۰۳ء

مطبع ضیاء الاسلام قادیان میں باہتمام حکیم فضل الدین طبع ہوا

بار دوم — قیمت ۸ر علاوہ محصول — تعداد ۷۰۰

﴿۱﴾

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَی النَّبِیِّ الۡاُمِّیِّ

الصادق المصدوق المطاع الامین .

دہلی کے مباحثہ کے شیوع میں امید سے زیادہ توقف ہوا اس عرصہ میں بیقرار اور منتظر شائقین کو فرط تحیر سے طبعًا طرح طرح کے ظنون واوہام کے پنجہ میں اسیر ہونا پڑا۔ مگر اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس التوا وتوقف میں بھی بڑی مصلحتیں ثابت ہوئیں اور اب یہ دنیا میں اپنی پوری تجلّی کے ساتھ آفتاب نصف النہار کی طرح چمکا ہے۔ بیشک ایک عالم کو انتظار لگ رہا تھا کہ اس جلیل اور باہیبت دعوے کے مقابلہ پر جو مرسل یزدانی امام ربّانی حضرت غلام احمدؐ قادیانی نے کیا ہے مستند اور مسلم فضلاء سے کوئی شخص کھڑا ہو اور مسلمانوں کو دلی شوق تھا کہ قدیم بغل پروردہ عقیدہ کو نہ چھوڑیں جب تک کسی زبردست مقابلہ کی محک پر کس کر اُس کا ناسرہ ہونا ثابت نہ ہوجائے۔ لودیانہ کے مباحثہ سے جو اصل دعویٰ مسیح موعود سے بالکل اجنبی واقع ہوا تھا مسلمانوں کی پیاس کو ایک قطرۂ آب بھی ہونٹ تر کرنے کیلئے نہ ملا تھا۔ گو ایک وجہ سے اہلِ حق مبصّر کو اس سے بھی حضرت مرزا صاحب کا مویّد من اللہ ہونا صاف طور پر ثابت ہو چکا تھا۔ مگر عام لوگ جنکی نگاہیں مبادی سے متجاوز ہوکر مقاصد کی تہ درتہ باریکیوں پر پہنچ نہیں سکتیں کھلا کھلا ثبوت اور بیّن حجت کا ظہور چاہتے تھے سو رحیم کریم اللہ تعالیٰ نے جو انسان کو حیرت وتردد کی ظلمتوں میں ابتلا کے وقت اپنی خاص رحمت سے چراغ ہدایت ہاتھ میں دیتا ہے اپنی دائمی سنت کے موافق اب بھی تقاضا فرمایا کہ ان فطری سعیدوں کو جن پر بعض بواعث سے آنی حجاب پڑ گئے ہیں اور جنہیں حقیقۃً قبول حق کی سچی اور پُر جوش تڑپ تو لگی ہوئی ہے مگر وہ صدیقی ایمان کے خلاف قاطع حجت اور باہر دلیل دیکھ کر ایمان لانا پسند کرتے ہیں۔ اپنی مرضیات کی راہیں دکھانے کیلئے ایک خاص امر فارق بین الحق والباطل دکھلائے۔ اس حکیم حمید اللہ تعالیٰ نے اپنی زبردست حکمت کے پورا کرنے کیلئے حضرت مسیح موعود کے دل میں سفر دہلی کا ارادہ القا کیا۔ آپ ۲۸ ستمبر کو مع الخیر وارد دہلی ہوئے۔ کل پنجاب اور ہندوستان کی آنکھیں بڑی بے صبری سے دہلی کی کارروائیوں کو دیکھنے لگیں۔ ان کا یہ موروثی اعتقاد چلا آتا تھا کہ دہلی بڑے بڑے نامی علماء اور اجلہ اولیاء کا مسکن وماویٰ ہے اس لئے وہاں کما ینبغی احقاق حق اور ابطال باطل ہو جائیگا مگر افسوس وہ نہ جانتے تھے کہ ان کے حسن اعتقاد کے محرک ومرجع جن کی پاک اور برگزیدہ تصنیفات وتالیفات انکی دلکش تصاویر کے مرقع کی بجا قائم مقامی کر کے پڑھنے والوں کے دل میں سوسو حسرتیں چھوڑتی ہیں قبروں میں سو رہے ہیں اور انکے سینوں کو روندنے والے اترا اترا کر چلنے والے وہ لوگ ہیں جو فَخَلَفَ مِنۡۢ بَعۡدِهِمۡ خَلۡفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ [1]

[1] مریم: ۶۰

﴿۲﴾

کے پورے مصداق ہورہے ہیں۔ بے شک بعض اب بھی ہیں جنہیں مقدس اسلاف کی سچی یادگاریں کہنا کچھ بھی مبالغہ نہیں۔ الغرض حضرت مرزا صاحب اپنے مخدوم آقا اپنے مقتدا جناب ہادیٔ کامل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرح جبکہ وہ اہلِ مکہ سے ایذائیں سہہ کر طائف ایسے مہذب وشاداب شہر کو تشریف لے گئے تھے کہ کہیں ان میں ہی کوئی طالب حق مل جائے ہندوستان کے مہذب شہر دہلی میں آئے۔ مگر کیا ہمیں اس بات کے اظہار پر دلی رنج مجبور نہیں کرتا کہ اہلِ دہلی نے (**الّا ماشاء اللہ ومن شاء عصمہ**) شاید اہلِ طائف کی تاریخ پڑھ کر اور اپنی پرزور نخوت ورعونت پر اعتماد کر کر نہ چاہا کہ وہ ایک مرد خدا کے ساتھ بدسلوکی کرنے میں ان گزشتہ مخالفان راستی سے کوئی قدم پیچھے رہ جائیں خیر جو کچھ ان سے بن پڑا انہوں نے کہا اور کیا **اور ایک با امن۔ رحیم۔ مہذب اور پکی بے طرف دار گورنمنٹ** کے پرسطوت وبارعب وقت میں جس قدر مخالفت کا وہ حوصلہ رکھتے تھے انہوں نے کی مگر ان کی متفق کوششوں سے نور اللہ بُجھ نہ سکا بلکہ آخر اُنہی کے ہاتھوں اُنہی کی کوششوں کو اللہ تعالیٰ نے اس نور کی ترقی کا موجب بنایا مگر انہوں نے سخت غفلت کی وجہ سے نہ سمجھا شاید اب بہتیرے سمجھ جائیں۔ یہاں ہمیں ضرورت معلوم نہیں ہوتی کہ ہم دہلی کی کارروائی کے جزوی وکلی حالات مفصلاً لکھنے کی تکلیف اٹھائیں۔ اس امر کو ہمارے مکرم دوست منشی غلام قادر صاحب فصیح ضمیمہ پنجاب گزٹ مورخہ ۱۴ رنومبر میں بڑی وضاحت اور صداقت سے شائع کر چکے ہیں ہمارے نزدیک اتنا ہی کہنا ایک جامع مضمون کے قائم مقام ہے کہ ان لوگوں نے ایک مسلم انسان کے ساتھ برتاؤ کرنے میں حقوق العباد میں سے کسی ایک حق کی بھی رعایت نہ کی لیکن اللہ تعالےٰ کو منظور تھا کہ بہر نہج ان پر حجت تمام کردے گو میاں مولوی سید نذیر حسین صاحب اور انکے لشکروں نے اللہ تعالیٰ کے اتمام حجت کی راہ میں عمداً ابڑی بڑی چٹانیں ڈالدیں اور ہر طرح ہاتھ پاؤں مارے کہ انکا لشکر قیام بیّنہ سے ہلاک نہ ہونے پائے اور جوں توں کر کے وہ پیالہ اُن سے ٹل جائے مگر اللہ تعالیٰ نے مولوی محمد بشیر صاحب بھوپالوی کو ایک دوست کی صورت میں ان کا خانہ برانداز دشمن بھیج دیا یہ کہنا نادرست نہیں کہ مولوی صاحب کو دہلی کے بعض پیروانِ میاں صاحب نے جو میاں صاحب سے بوجہ شدّت ھَرم اور دیگر ملاؤں سے بوجہ فقدان قابلیت مایوس ہو چکے تھے بڑے شوق سے بلایا اور یہ بھی بالکل حق ہے کہ مولوی محمد بشیر صاحب کو باغراض شتّٰی خود بھی خواہش تھی کہ حضرت مرزا صاحب سے مباحثہ کریں بہر حال اس سادہ دل مولوی نے میاں سید نذیر حسین صاحب اور انکے تابعین کے رحم انگیز زارنالے اور سخت سرزنش پر بھی مطلق کان نہ دھر کے بڑی جرأت سے حیاتِ مسیح علیہ السلام کا دعویٰ کیا اور اس دعویٰ کو کیونکر نباہا ناظرین اِن مضامین کو پڑھ کر خود ہی سمجھ لیں گے گو

﴿۳﴾

مولوی محمد بشیر صاحب نے کسی نیت پر اس میدان میں قدم رکھا ہو مگر ہم انھیں مبارک دیتے ہیں کہ انہوں نے ہندو پنجاب کے علماء کی طرف سے اپنے تئیں فدیہ دیا ہے واقعی وہ ایک زبردست کفارہ اپنے ہم پیشہ لوگوں کی طرف سے ہوئے ہیں اللہ تعالیٰ نے انھیں اس لق ودق بیابان میں جہاں کوئی جادہ نہ ملتا تھا اور نہ جہاں کوئی نقش پائے رہ رواں ہی نظر آتا تھا اس نشان کی طرح کھڑا کیا جس سے مسافر سمت کا پتہ لگاتے ہیں اگرچہ اس میل (نشان) کو شعور نہ ہو کہ اس کا وجود اتنے بڑے فائدہ کا موجب ہے مگر ہم امید رکھتے ہیں کہ شاید شاکر علیم خدا اُن کو بوجہ دال علی الخیر ہونے کے واقعی فہم بھی عطا کر دے تو کہ وہ اس فرستادہ خداوندی کو طوعًا قبول کریں میرا پکا ارادہ تھا کہ میں معمولاً ان مضامین پر کچھ نوٹ یا ایک مختصر ساریویو کرتا مگر میرے دلی دوست بلکہ مخدوم معظم مولوی سید محمد احسن صاحب نے مجھے اس فرض سے سبکدوش کر دیا انھوں نے جیسا اس خدمت کو ادا کیا ہے درحقیقت اُنہی جیسے فاضل اجل کا حصہ تھا۔ جزاہ اللہ احسن الجزاء میرا یقین ہے کہ یہ ایسا نیک کام ان کے مبارک ہاتھ سے پورا ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان کے رفع درجات کے لئے ایک یہ ہی بس ہے مگر قوی امید ہے کہ ہمارے حضرت سیّد صاحب موصوف روح قدس سے مویّد ہو کر اور بھی بڑے مفید اور منتج ثواب کام کریں گے۔

الغرض مولوی محمد بشیر صاحب کے وجود کو ہم مغتنم سمجھتے ہیں جنہوں نے غیر ضروری مباحث اور بخلاف ایک پنجابی ملا کے لاطائل اصول موضوعہ کو چھوڑ کر اصل امر کو بحث کا تختہ مشق بنایا اور یوں خلق کثیر کے ہر روزہ انتظار جانکاہ کو رفع کر دیا گو اس پر بھی اس بات کے کہنے سے چارہ نہیں کہ ہدایت ایک منجانب اللہ امر ہے اور وہ سچا ہادی لامعلوم اسباب کے وسایط سے سعیدان ازلی کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے مگر کہنے کو کہا جا سکتا ہے کہ راہ خوب صاف ہوگئی اور اس مضمون حیات وممات مسیحؑ کی بحث کی حجت قطعًا وحکمًا تمام ہوگئی۔

ہم کمال ہمدردی اور اسلامی اخوت کی راہ سے اہل دہلی کو اتنا کہنا ضروری سمجھتے ہیں کہ وہ ناحق کی ضد کو چھوڑ کر اس مامور من اللہ کو قبول کریں ورنہ ان کا انجام خطرناک معلوم ہوتا ہے۔ میں کانپتے ہوئے دل سے انھیں اتنا کہنے سے رک نہیں سکتا کہ ان کا جامع مسجد دہلی میں حضرت مسیح موعود کے برخلاف چھ سات ہزار آدمی کا مجمع کر کے طرح طرح کی ناسزا حرکات کا مرتکب ہونا دیکھ کر مجھے یاد آ گیا حضرت شاہ عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کا وہ واقعہ جو کمالات عزیزی مطبوعہ دہلی میں لکھا ہے ''جناب مولانا شاہ عبدالعزیز جو واسطے نماز جمعہ کے جامع مسجد میں تشریف لے جاتے تو عمامہ آنکھوں پر رکھتے۔ ایک شخص فصیح الدین نام جو اکثر حضور میں حاضر رہتے تھے انہوں نے عرض کیا

﴿۴﴾ کہ حضرت اس کی کیا وجہ ہے جو آپ اس طرح رہتے ہیں آپ نے کلاہ اتار کر انکے سر پر رکھدی ایک دفعہ ہی بے ہوش ہو گئے جب دیر میں افاقہ ہوا عرض کیا سوسوا سو کی شکل آدمی کی تھی اور کوئی ریچھ اور کوئی بندر اور کوئی خنزیر کی شکل تھا اور اُس وقت مسجد میں پانچ چھ ہزار آدمی تھے حضرت نے فرمایا کہ میں کس کی طرف دیکھوں اس باعث تو نہیں دیکھتا۔‘‘

دہلی والو خدا کیلئے اس واقعہ سے عبرت پکڑو مجھے ڈر لگتا ہے کہ اسوقت بھی تم نے اپنی حرکات سے ثابت کر دیا ہے کہ تم میں بہت ہی تھوڑے ہیں جو اصلی انسانی صورت پر ہیں اللہ تعالیٰ تم پر رحم کرے۔ اے اہل پنجاب! موقعہ ہے کہ تم اس دہلی کے واقعہ کو سن کر پوری نصیحت حاصل کرو۔ سعادت مند وہ ہے جو دوسروں کا حال دیکھ کر عبرت پاتا ہے تم ان تکفیر باز خشک ملاؤں کو انکی اپنی غضب وحسد کی دہکتی ہوئی بھٹی میں جلنے دو۔ ان سنگدل حقد مجسم صاحبان غرض کو کبھی بھی خلوصًا حق سے سروکار رہا ہے جواب ہوگا؟۔ اے علم خیز سرزمین لاہور کے رہنے والو ہوشیار ہو جاؤ تمہارا یہ بزرگ خطہ ساری پنجاب کا مرجع ہے۔ دیکھنا وہ پتھر جسے خود تم نے بڑی کوششوں کے ساتھ اپنی راہ سے ہٹایا ہے وہ پھر تمہاری ٹھوکر کا باعث نہ ہو۔ تم خوب جانتے ہو وہ شاخ کس جڑ سے پھوٹی ہے کس زمین میں اسکا نشو ونما ہوا ہے۔ دیکھنا دیکھنا! بُھولے سے بھی تمہارے ہاتھ سے پھر اس کی آبیاری نہ ہو!۔ ایسا نہ ہو کہ دِلّی کا اُلّو تمہاری دیواروں پر بھی بولنے لگے۔ اے دانشمندو! تم ان کاغذی گڑیوں پر کیوں فریفتہ ہوتے ہو کیا یہ کفر کے فتوے غیر معصوم ہاتھوں کے لکھے ہوئے اور ظالم دلوں کے نتائج نہیں؟ کیا یہ ناشدنی سیاہ کارروائی کرنیوالے خود بھی کاغذی پیراہن پہن کر دادخواہ نہیں ہوئے کہ ان پر ناحق کفر کا فتویٰ لگایا گیا؟ پس یہ مسلسل کافر بھی کیا کسی دوسرے کو کافر بنانے کا استحقاق رکھتے ہیں؟ یہ دھوکے کی ٹٹّی ہے جو ان ملاؤں نے کھڑی کر رکھی ہے۔ اے صاف باطن حق کے طالبو اسکو پھاند کر آگے بڑھو اور دیکھو کہ وہ جسے یہ حاسد سیاہ غول ثابت کرنا چاہتے اور ڈھٹ بندی کر کے لوگوں کو ایک ڈراؤنی مورت دکھاتے ہیں وہ درحقیقت ایک عظیم الشان روشنی کا فرشتہ ہے۔ اے خدا اے ہدایت کے مالک خدا تو ان لوگوں کو توفیق عنایت فرما کہ وہ تیرے اس بندہ کو پہچانیں! آخر میں اس دل لبھانے والے عربی قصیدہ کی نسبت جسکی اشاعت کو بڑا ضروری اور مفید سمجھا گیا ہے مَیں اتنا کہنا چاہتا ہوں کہ یہ ہمارے ایک نہایت برگزیدہ دوست کا لکھا ہوا ہے جسکے وجود کو ہم اپنے درمیان اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت سمجھتے ہیں۔ ہم کسی وقت بشرط ضرورت اُنکا حال بھی لکھیں گے۔ امید ہے کہ اس قصیدہ کے اردو ترجمہ کو جو اکثر جگہ حاصل مطلب کے طور پر کیا گیا ہے دلچسپی سے خالی نہ پائیں گے۔

﴿۵﴾

اب ہم ان تکفیر بازوں کو حضرت امام ابن قیّم کے چند شعر سنا دیتے ہیں شاید ان میں کوئی خدا ترس بات کی تہ کو پہنچ کر اللہ تعالیٰ سے ڈر جائے۔

(۱)	وَمِنَ الْعَجَائِبِ أَنَّكُمْ كَفَّرْتُمُ	أَهْلَ الْحَدِيثِ وَ شِيعَةَ الْقُرْآنِ
(۲)	اَلْكُفْرُ حَقُّ اللّٰهِ ثُمَّ رَسُوْلِهِ	بِالنَّصِّ يَثْبُتُ لَا بِقَوْلِ فُلَانِ
(۳)	مَنْ كَانَ رَبُّ الْعَالَمِيْنَ وَعَبْدُهُ	قَدْ كَفَّرَاهُ فَذَاكَ ذُو الْكُفْرَانِ
(۴)	فَهَلُمَّ وَيَحُكُمْ نُحَاكِمُكُمْ اِلَى النُّ	ـصَّيْنِ مِنْ وَحْيٍ وَمِنْ قُرْآنِ
(۵)	وَهُنَاكَ يُعْلَمُ أَيُّ حِزْبَيْنِ عَلَى الْـ	ـكُفْرَانِ حَقّاً أَوْ عَلَى الْاِيْمَانِ
(۶)	فَلْيَهْنِكُمْ تَكْفِيْرُ مَنْ حَكَمَتْ بِاِسْـ	ـلَامٍ وَ اِيْمَانٍ لَهُ النَّصَّانِ
(۷)	اِنْ كَانَ ذَاكَ مُكَفِّرًا يَا اُمَّةَ الْـ	ـعُدْوَانِ مَنْ هٰذَا عَلَى الْاِيْمَانِ
(۸)	كَفَّرْتُمْ وَاللّٰهِ مَنْ شَهِدَ الرَّسُوْ	لُ بِاَنَّهُ حَقًّا عَلَى الْاِيْمَانِ
(۹)	كَمْ ذَا التَّلَاعُبُ مِنْكُمْ بِالدِّيْنِ وَا لْـ	ـاِيْمَانِ مِثْلَ تَلَاعُبِ الصِّبْيَانِ
(۱۰)	خُسِفَتْ قُلُوْبُكُمْ كَمَا خُسِفَتْ عُقُو	لُكُمْ فَلَا تَزْكُوْا عَلَى الْقُرْآنِ
(۱۱)	يَا قَوْمُ فَانْتَبِهُوْا لِاَ نْفُسِكُمْ وَخَلُّـ	ـوا الْجَهْلَ وَالدَّعْوَى بِلَا بُرْهَانِ

(۱) بڑے تعجب کی بات یہ ہے کہ تم نے اہل حدیث اور اہل قرآن کی تکفیر کی۔

(۲) تکفیر تو اللہ اور اس کے رسول کا حق ہے (تمہیں کافر بنانے کا منصب کس نے دیا) وہ نص سے ثابت ہوتا ہے نہ فلان و بہماں کے قول سے۔

(۳) جس کو اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول کافر کہیں وہی کافر ہے۔

(۴) افسوس تم لوگوں پر! تو اب آؤ ہم تم کتاب وسنت پر اپنے مقدمہ کو عرض کرتے ہیں۔

(۵) وہاں چل کر کھل جائے گا کہ واقعی ایمان پر کون ہے اور کفر پر کون۔

(۶) اُن لوگوں کا کافر کہنا جنکے ایمان واسلام پر کتاب وسنت گواہی دیں تمہیں مبارک ہو۔

(۷) سرکشو! اگر ایسے برگزیدہ لوگ عاملین بہ کتاب اللہ کافر ہیں تو پھر مومن کون ہے۔

(۸) اللہ کی قسم تم دلیری کر کے ایسے کی تکفیر کر رہے ہو جس کی نسبت رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام گواہی دیتے ہیں کہ وہ واقعی مومن ہے۔

(۹) آؤ خدا کا خوف کرو کب تک بچوں کی طرح دین کو بازیچہ بنا رکھو گے؟

(۱۰) تمہارے دل اور عقلیں گہنائی گئیں ہیں اب قرآن پر تو زیادت نہ کرو۔

(۱۱) اے لوگو اپنی جان کے بچاؤ کے لئے بیدار ہو جاؤ اور اس جہل اور دعویٰ بلا دلیل کو چھوڑ دو۔

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین والصّلوٰۃ والسلام علی السید الامین وعلی اٰلہ وصحبہ اجمعین۔ عبدالکریم

﴿۶﴾

قصیدہ

یتشرف المَنظُومُ بِلَثمِ کف الاِمام الجلیل والھامُ النّبیل المجدد الممجَّد

میرزا غُلام احمد قادیانی ادام اللّٰه تعالٰی ظله‘

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الی کم تمادی الھجر یلعب بالصَّبِّ	۱	وحتّام یَبلوہ الزّمان بذا النَکبِ
فھل للمعنّی زورۃ ینطفی بھا	۲	بتاریح وَجُدٍ توقد النّار فی الجنب
الا ھل علمتم ما حملت بحبّکم	۳	واوزارہ من بعدکم انقضت صُلبی
اَبیتُ علی جمر الغضامتقرّعًا	۴	ودمعی طویل اللیل یشرح لِلغربِ
حرامٌ علی جفنی الکری فاسألوا بہٖ	۵	نجوم الدُّجیٰ والھدبُ یجفو عن الھدبِ

(۱) نہیں معلوم ہجر کی درازی کب تک عاشق کو ستاتی رہے گی۔ اور زمانہ اُسکو ان دکھوں میں کب تک مبتلا رکھے گا۔

(۲) کبھی دکھ سہنے والے (عاشق) کو بھی ایک بار ملاقات میسر ہو گی۔ جس سے وہ عشق کی اس جلن کو بُجھا سکے جس نے اس کے پہلو میں آگ مشتعل کر رکھی ہے۔

(۳) ہائے تمہیں کیا خبر ہے؟ کہ میں نے تمہارے عشق میں کیا کیا اُٹھایا۔ اُس کے بوجھوں نے تمہاری جدائی میں میری پیٹھ توڑ دی۔

(۴) میں چوب غضا کے دہکتے کوئلوں پر کروٹیں بدلتے بدلتے راتیں کاٹتا ہوں اور میرے آنسو رات بھر رگ آب چشم کو کھولتے رہتے ہیں۔

(۵) نیند میری آنکھوں پر حرام ہے تم اُسکی بابت تاریکی کے ستاروں سے دریافت کر لو کیا مجال جو پلک سے پلک لگی ہو۔

﴿۷﴾

کذا حال مسلوب القرار متیّمٍ	۶	عدیم اصطبارٍ وامق فی الهوی صلبٖ
حلیف الضنی مستوحشٍ ذی کآبةٍ	۷	طویل اغتراب نازح الاهل والحبٖ
هل العیش الا فی وصال احبّةٍ	۸	نأت دارهم لکن عن الجسم لا القلبٖ
فان بعد وا عنی فان حدیثهم	۹	یخفف اشجانی وینهیٰ عن النّحُبٖ
بلانی اللّیالی ویلها من صروفها	۱۰	بما صرت فیه حآئر الفکر و اللُّبٖ
والٰهی عن الانشآء والشعر بعدما	۱۱	تعوّدت شعرًا والکتابة من طلبیٖ
کانی ماکنت امرأ ذافطانة	۱۲	ولا ورثت نفسی الفصاحة من کعبٖ
هموم و تنکیدٌ و اَسرٌ وغربة	۱۳	وفی سفهاء الناس دارٌ وهم کَرُبیٖ
فقدت سروری مذ فقدت احبتی	۱۴	کرام اُناسٍ خلّفوا الهَمَّ فی العَقُبٖ

۶۔ عاشق بے قرار۔ سوختہ دل۔ بے صبر۔ شیدا اور عشق میں ثابت قدم کا ایسا ہی حال ہوا کرتا ہے۔
۷۔ وہ عاشق جس نے بیماری سے دائمی دوستی کا عہد باندھ رکھا ہے۔ لوگوں کی صحبت سے گریزاں۔ دکھی۔ مدتوں کا مسافر۔ اہل وعیال اور دوستوں سے جدا ہے۔
۸۔ زندگی کا لطف تو بس ان پیاروں کی صحبت میں ہے جن کا وطن جسم سے دور پر قلب کے نزدیک ہے۔
۹۔ وہ جو مجھ سے دور ہیں تو مضائقہ ہی کیا ہے کیونکہ ان کی پیاری باتیں میرے دکھ درد کو ہلکا کرتی اور مجھے گریہ وزاری سے روکتی ہیں۔
۱۰۔ مجھے جدائی کی راتوں نے سخت ستایا۔ ان کی گردشوں اور حادثوں پر افسوس! میری تو اس میں عقل وفکر چکر کھا گئی ہے۔
۱۱۔ مجھے انشاء اور شعر گوئی سے بالکل غافل کر دیا حالانکہ شعر گوئی اور اعلیٰ درجہ کا لٹریچر لکھنا تو میری عادت تھی۔
۱۲۔ اب میری یہ حالت ہے کہ گویا مَیں کبھی بھی زیرک شخص نہ تھا اور جیسے میں کعب (صاحب قصیدہ بانت سعاد) سے فصاحت کا وارث ہی نہیں ہوا۔
۱۳۔ رنج وغم۔ گرفتاری اور سفر میں مبتلا۔ بیوقوف لوگوں میں مکان ہے جنکے ہاتھوں دُکھ سہہ رہا ہوں۔
۱۴۔ میری خوشی اور عیش مفقود ہوگئی جب سے اپنے پیارے دوستوں سے جدا ہوا۔ وہ کیا ہی برگزیدہ لوگ تھے۔ ان کے پیچھے میرے حصہ میں تو اب غم ہی غم ہے۔

﴿۸﴾

حقّا لتهم ابقیتُ فِیْھَا اِذَا مَضَوْا	۱۵	فامسیتُ احیی بالطغام و بالقحبِ
بُلیتُ باھل الجھل ویل لاُمھم	۱۶	مضرتھم ادھی من الذئب و الکلبِ
یعادون اھل العلم و العلم کلہ	۱۷	لما ھمّھم فی لذۃ الفرج و الشربِ
اقاسی الاذی من جھلھم و مرائھم	۱۸	و شدتھم بالسبع کالطعن و الخلبِ
علی غربۃ فیھا ھموم و کربۃ	۱۹	و انواع اسقام و فقد اخی الحبِّ
و ما لاقنی فی ذی البلاد مواسِیًا	۲۰	و لم یتیسّر اٰسیًا من فتًی نَدبِ
وحید و اصناف الخُطوب ینوبنی	۲۱	تعددت البلویٰ علٰی عادم الصحبِ
ارانی مع الاوغاد یستصحبوننی	۲۲	اُعَلّم غیر الاھل کَالُقرد و الدُّبِّ
لقد ضاق صدری بالاقامۃ عندھم	۲۳	و سُوءِ جوار العابس الوجہ ذی قطب

۱۵۔ وہ برگزیدے تو چلے گئے اور میں ردی سا پیچھے رہ گیا۔ اب کمینوں قلاشوں میں مجھے زندگی بسر کرنی پڑ گئی۔

۱۶۔ جاہلوں سے میرا پالا پڑ گیا۔ اُن کی جننے والی پر افسوس۔ یہ تو کتوں اور بھیڑیوں سے بھی بڑھ کر موذی ہیں۔

۱۷۔ فسق و فجور اور مے خواری کے دلدادہ ہیں اس لئے علم اور اہلِ علم سے بَیر رکھتے ہیں۔

۱۸۔ مجھے ان کے ناحق کے جھگڑے۔ جہالت اور گالی گلوچ سے سدا تکلیف رہتی ہے۔

۱۹۔ مزیدے برآں پردیس۔ اور پھر ہر طرح کے رنج و غم اور بیماریاں اور محبوں کا نہ ہونا۔

۲۰۔ افسوس ان دیسوں میں مجھے کوئی غمخوار نہ ملا اور نہ کوئی جوانمرد فیاض غمگسار ہاتھ آیا۔

۲۱۔ میں اکیلا ہوں اور اس پر طرح طرح کے مصائب مجھ پر پڑ گئے ہیں۔ جس کے دوست نہ ہوں اُس پر بہت سی مصیبتیں وارد ہوا ہی کرتی ہیں۔

۲۲۔ میرا یہ حال ہو رہا ہے کہ فرومایہ لوگوں سے سنگت نصیب ہو رہی ہے۔ اور بندروں اور ریچھوں کے ایسے نااہلوں کا معلم بنا ہوا ہوں۔

۲۳۔ ان بدمزاج ۔ بدخو۔ ترش رو ہم نشینوں میں رہنے اور اُن کی سنگت سے میرا دل اُکتا گیا ہے۔

﴿۹﴾

الیؔ اللہ أشکو قارعاتٍ تصیبنی	۲۴	من الدھر قد ضاقت بھا سَعَة اللُّحُبِ
ومن مفتریٍ یرمی بانواع تھمة	۲۵	وتلبیس مُغتابٍ ومستھزءٍ سبّ
وعلماء ☆ السُّوءِ یدعون اسوة	۲۶	علٰی فرط جھل بالحقائق والکتبِ
عمآئم والجبات والقمص واللحیٰ	۲۷	بھا فخرھم لکنھا الجھل لا تخبی
یبکم سمع الیلمحیّ حدیثھم	۲۸	ورؤیتھم تقذی بھا عین ذی لُبّ
فواللّٰہ انی ما ھجرت خلاطھم	۲۹	لغیر جفآء لیس من شیمة النُّجُبِ
وجھلھم المُزری بعلمی ولومھم	۳۰	ورغبتھم فیما یناسب بالوغبِ
یلوموننی انی اعاف لقآئھم	۳۱	وکیف اُلاقی جاھلا لیس من حزبی
فکم بین ذی لبّ ادیب وجاھل	۳۲	وشتان بین الماجد الحرّ والوشبِ
من الجھل ان تلقی و تکرم جاھلا	۳۳	للحیتہٖ اوجبة او عظم السِبّ
عذیری من الایام من جوراھلھا	۳۴	اقاموا جبال الفادحات علٰی قلبی

۲۴۔زمانہ کے مصائب سے جنہوں نے میرے وسیع سینہ کو بھی تنگ کر دیا ہے۔اللہ تعالیٰ کے حضور میں شکوہ کرتا ہوں۔
۲۵۔اور اس مفتری سے جو طرح طرح کی تہمتیں لگاتا ہے اور غیبت کرنیوالے کے دھوکے اور ٹھٹھہ باز گالی دینے والے سے۔
۲۶۔اور برے عالموں سے جو باوجود حقائق ومعارف وعلوم کے نہ جاننے کے اپنے تئیں نمونے سداتے ہیں۔
۲۷۔ آجا کے انکا مایہ ناز عمامے۔جبے۔قمیصیں اور ڈاڑھیاں ہیں۔مگر ان سے جہل کیونکر چھپ جائے۔
۲۸۔سمجھدار ان کی گفتگو کو سننا گوارا نہیں کرتا۔اور دانشمند ان کے دیکھنے سے گھن کرتا ہے۔
۲۹۔ بخدا میں نے جو ان سے ملنا جلنا چھوڑ دیا تو ان کی جفا کے باعث جو شریفوں کا شیوہ نہیں۔
۳۰۔اور ان کے جہل کے باعث جس کی وجہ سے وہ میرے علم کو حقیر جانتے اور ان کی فرومائیگی اور رذیلوں کیسی عادات سے مانوس ہونے کے باعث۔
۳۱۔ وہ مجھے ملامت کرتے ہیں کہ میں انہیں دیکھنا روا نہیں رکھتا۔سچ ہے۔میں کیونکر جاہل سے ملوں جو میری جماعت سے نہیں۔
۳۲۔دانا، ادیب اور جاہل، نجیب وشریف اور کمینے میں بڑا فرق ہوتا ہے۔
۳۳۔کسی جاہل سے ملنا اور اسکی بڑی پگڑی اور لمبی ڈاڑھی اور جبہ کے باعث اس کی عزت کرنا بھی جاہل ہی کا کام ہے۔
۳۴۔زمانہ اور اہل زمانہ کے جور وجفا سے جو میں شکوہ کروں تو مجھے معذور رکھنا چاہیئے کیونکہ انہوں نے میرے دل پر مصائب کے پہاڑ رکھ دیئے ہیں۔

☆ و من علماء السوء ”من“ سہو کاتب سے رہ گیا معلوم ہوتا ہے۔(شمس)

﴿۱۰﴾

شرّقت بایذآء اللئام وشرّھم	۳۵	وفتنتھم لا بالملام ولا العَتْبِ
لعمری ھٰذی النآئبات اخفھا	۳۶	اشد علی الانسان من وقعة القضبِ
رعی اللہ طیفا قد اتانی بفرحةٍ	۳۷	تکاد بھا انجو من الھم والنّصبِ
فانی بلیل بین ھدءٍ و رقدةٍ	۳۸	اذا شیم برق الشرق فی اسرع الوثبِ
اضاء ت بہ الاٗفاق والارض کلھا	۳۹	وحار البرایا فیہ خوفامن الخطبِ
ففاھوا بما شآء وا ولم یتفکّروا	۴۰	لفرط اختباط بالضجیج وبالصّخبِ
وکم مدع للعلم من فرط جھلہ	۴۱	تاوّلہ بالھرج والطعن والضربِ
تانّقتُ فیہ غیر یوم و لیلة	۴۲	اراقب ما یبدیے الزمان من العَجُبِ
وقد اجتلی اٰثار خیر ورحمة	۴۳	من الجانب الشرقی مستوطن الخصبِ
وانشق من ریح الصّبا کل سُحرةٍ	۴۴	روایح تروی القلب کا لغصن الرطبِ

۳۵۔ میں خبیث طینت لوگوں کے شر وفتنہ سے نہ انکی ملامت وعتاب سے سخت تنگ آ گیا ہوں۔

۳۶۔ بخدا یہ ایسی مصیبتیں ہیں کہ ان میں سے ہلکی سے ہلکی بھی انسان پر تلوار کی ضرب سے زیادہ شدید ہیں۔

۳۷۔ اللہ تعالیٰ اس خیال کا حافظ وناصر ہو جو میرے پاس ایسی بشارت لایا جس سے امید پڑتی ہے کہ میں غم والم سے نجات پا جاؤں گا۔

۳۸۔ اس کا واقعہ یوں ہے کہ میں ایک رات کچھ بیداری اور نیند کے درمیان تھا کہ شرقی بجلی اس زور سے کَوندتی نظر آئی۔

۳۹۔ کہ ساری دنیا اسکی روشنی سے منور ہوگئی اور لوگ حیران ہو کر کہنے لگے کہ کوئی بڑا حادثہ واقع ہوا چاہتا ہے۔

۴۰۔ جو کچھ کسی کے منہ میں آیا بولتا رہا۔ مگر کسی کو بھی شدت اضطراب اور شور وغل کی وجہ سے سوچنے کا موقع نہ ملا۔

۴۱۔ بعض مدعیان علم نے بڑی جہالت سے اسکی یہ تاویل کی کہ کوئی بڑا فتنہ اور جنگ ہونے والی ہے۔

۴۲۔ میں بھی اس امر میں کئی رات دن غور کرتا رہا اور منتظر تھا کہ زمانہ کیا عجیب واقعہ ظاہر کیا چاہتا ہے۔

۴۳۔ مگر میں اپنے زعم میں مبارک سر زمین مشرق کی طرف سے رحمت وخیر کے آثار کا منتظر تھا۔

۴۴۔ اور مشرقی ہوا سے ہر سحر مجھے ایسی خوشبو آتی۔ جو شاخ تر کی طرح دل کو تر وتازہ کر جاتی۔

﴿۱۱﴾

وتُھدی لہ من نفحۃٍ عنبریّۃٍ	۴۵	فَحَنَّ لذکر الشرق شوقا الی القربِ
واُلقی فیہ انّ بالشرق قدوۃ	۴۶	تفوّح انفاس لہ موجب الجذبِ
فقد جآء نا من قادیانَ مُبشِرٌ	۴۷	بخیر امام انتظرناہ مُذحقبِ
واخبر ان اضحٰی غلامٌ لاحمدٍ	۴۸	خلیفتہ فینا ومنا بلاذبِّ
امامٌ ھمامٌ نائب الشرع مُلْھَمٌ	۴۹	من اللہ رب العرش عافٍ عن الذنُبِ
مجدد دین اللّٰہ فی امّۃٍ غَوَت	۵۰	وصاحب ھذا العصر حقا بلا کذبِ
جلیل جمیل احسن الناس کُلّھِم	۵۱	کریم المحیّا اسمر اللون ذوالرّعب
وقور حلیم ربعۃ رب وفرۃٍ	۵۲	لہ شعر سبط کما قال من نبیّ
سمی صفی بین الوصف ماجد	۵۳	حمید السجایا وافر العلم واللبِ
ھو الحجۃ البیضاء للہ فی الوریٰ	۵۴	کشمس الضُّحٰی قد ضآء شرقا الٰی غربِ

۴۵۔ اور اسے بوئے عنبر تحفہ دیتی جس سے میرے دل کو یاد شرق اور اس کے قرب کا اشتیاق لگ گیا۔
۴۶۔اور میرے دل میں ڈالا گیا کہ **مشرق** میں ایک **برگزیدہ** ہے جسکے دم مبارک کی ہوا یہ کشش کر رہی ہے۔
۴۷۔ اتنے میں **قادیاں** سے ایک بشارت دینے والا آیا کہ جس برگزیدہ امام کا تم برسوں سے انتظار کرتے تھے وہ آ گیا۔
۴۸۔اور اس نے اطلاع دی کہ **احمد** (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ایک خادم وغلام ہم میں اور ہم میں سے اس کا جانشین ہوا ہے۔
۴۹۔ مبارک امام۔نائب شرع اور اللہ رب عرش کی طرف سے ملہم اور گناہوں سے پاک۔
۵۰۔ بہک گئی ہوئی امت میں ازسرِ نو اللہ کے دین کو بحال کرنے والا اور لا ریب اس زمانہ کا صاحب۔
۵۱۔صاحب جلال وجمال اور حسن میں لوگوں سے برتر، کریمانہ بشرہ والا، گندم گوں اور صاحب رعب۔
۵۲۔باوقار، حلیم، میانہ قد اور بڑا سخی ہے۔اسکے نیچے لٹکنے والے بال ہیں جیسے کہ جناب نبوت مآب نے خبر دی۔
۵۳۔ عالی قدر، برگزیدہ جس کی وصف عیاں ہے۔ بڑی شرافت والا جس کی تمام عادتیں ستودہ ہیں۔ بڑے علم ودانش والا۔
۵۴۔ وہ جہان میں اللہ تعالیٰ کی روشن حجت ہے۔آفتاب نیمروز کی طرح شرق وغرب میں درخشاں ہے۔

﴿۱۲﴾

علیم باسرار الشریعة عاملٌ	۵۵	بموجبها فی محکم الفرض و الندبِ
بشیر بفوز بالمُنٰی لمن اقتدیٰ	۵۶	نذیر لمن ولی من البوس و الکربِ
قوی مهیب اشجع القوم باسلٌ	۵۷	شدید علی الکفار کالصارم العضبِ
محب لمن ود الرسول وصحبه	۵۸	عدو لاهل الغی و الجبت و النصبِ
عفیف تقیّ اودع الناس خیرهم	۵۹	و اصدقهم فیما یقول وما یُنْبی
حییٌّ ستیر ذوالمروة والوفا	۶۰	عفوّ صبورٌ هیّن لیّن القلبِ
وضییءٌ طلیق الوجه برٌّ مبارک	۶۱	کریم رحیب الباع ذوالمنزل الرَّحبِ
سریع الی الحسنی نفور عن الخنا	۶۲	بعید من الایذآء والزجر والسبِّ
امین علٰی حقٍ مطاع مُحَدَّثٌ	۶۳	بکل الذی یقضی ویسطر فی الکتبِ
یعین بنی الاٰمال بالمال و العطا	۶۴	و یغنی ذوی الافلاس بالجود و الوهبِ

۵۵۔ شریعت کے اسرار کا جاننے والا۔ فرض وندب میں شریعت کے موجبات پر عمل کرنے والا۔

۵۶۔ اپنے پیرو کو حصول آرزو کی بشارت دینے والا اور منکر کو دکھ درد سے ڈرانے والا۔

۵۷۔ زبردست، باہیبت، شجاع ترین قوم، جواں مرد، کافروں پر شمشیر تیز سے زیادہ تیز۔

۵۸۔ جناب رسولؐ اور انکے دوستوں کے دوست کا دوست۔ گمراہوں اور غیراللہ کے پوجنے والوں کا دشمن۔

۵۹۔ پاکدامن، تقویٰ شعار سب لوگوں سے برگزیدہ اور پرہیزگار اور اپنی تمام باتوں اور پیشگوئیوں میں سچا۔

۶۰۔ بڑی حیا وشرم والا، بڑی مروت ووفا والا، درگذر کرنے والا، برداشت کرنے والا، بڑا ہی نرم دل۔

۶۱۔ روشن رو، کشادہ بشرہ والا، نیکی رساں مبارک، کریم بڑا ہی مہمان نواز جس کا مکان سدا مہمانوں کے لئے کھلا رہتا ہے۔

۶۲۔ نیکی کرنے میں جلد باز اور بدکاری سے بھاگنے والا، کسی کو سرزنش کرنے، دکھ دینے اور دشنام دہی سے کوسوں دور۔

۶۳۔ مانا گیا۔ خدا کی ہم کلامی سے مشرف اور جو کچھ اپنی کتابوں اور رسالوں میں لکھتا ہے اس سب میں امین برحق۔

۶۴۔ امیدواروں کی داد ودہش سے اعانت کرتا ہے اور مفلسوں کو جود وکرم سے غنی کرتا ہے۔

یضیف مساءً و افدیہ و غدوۃً	۶۵	ویدعی اباالاضیاف فی الخصب و الجدب
تسیر الیہ الوفد من کل وجھۃ	۶۶	ویقصدہ الرّکبان رکبًا علیٰ رکب
حلیف التقی یھدی الانام الی التقی	۶۷	ویسعٰی لمرضاۃ المھیمن و القرب
طبیب بامراض القلوب مُبَصرٌ	۶۸	ینقی من الاھوآء والدرن و الثلب
مشید قصر الدین من بعد ما وھت	۶۹	اساطینہ فینا عن الثلم و الشعب
تصدی لاصلاح المفاسد فی الوریٰ	۷۰	بمنفعۃٍ تدعوا لی السلم لا الحرب
و اذن انی قد بعثت مؤیَّدًا	۷۱	بارشاد من فی الحضر منھم وفی السُّھُب
یصنف فی ھذا رسایل جمّۃً	۷۲	ویرسلھا جھرًا الی العُجم و العُرُب
و اعلن فی الاٰفاق دعوۃ بیعۃ	۷۳	فشدوا الیہ الرحل حزبا علی حزب
یزفون من بَدْوٍ الیہ وحَضرۃ	۷۴	ثباتًا و اشتاتًا من الشِیبِ و الشبِّ

۶۵۔صبح وشام مہمانوں کی مہمانی میں مصروف رہتا ہے۔اسی لئے گرانی اور ارزانی میں اسے مہمانوں کا باپ کر کے پکارا جاتا ہے۔
۶۶۔ ہر سمت سے جماعتوں کی جماعتیں اسکے پاس آتی ہیں اور گروہ در گروہ ٹرینوں میں بھر کر اس کے پاس حاضر ہوتے ہیں۔
۶۷۔ بڑا ہی پرہیزگار اور پرہیزگاری کی راہ خلقت کو دکھانے والا۔ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی رضامندی اور قرب میں کوشش کرتا رہتا ہے۔
۶۸۔دل کی بیماریوں کا طبیب۔بڑی پہچان والا جو ہر قسم کے عیب۔زنگ اور بُری خواہشوں سے پاک صاف کرتا ہے۔
۶۹۔دین کی عمارت کا مضبوط کرنیوالا۔جب کہ رخنے پڑ پڑ کر اس کی دیواریں ڈھینے پر آرہی تھیں۔
۷۰۔خلقت کے بگاڑوں کی اصلاح کا بیڑا ایسی نفع رسانی کی بناء پر اٹھایا ہے جس کی بلاہٹ صلح کی جانب ہے نہ لڑائی کی طرف۔
۷۱۔اور اشتہار پر اشتہار دیئے ہیں کہ میں تائید یافتہ از خدا آیا ہوں تو کہ ان سب کو جو دیہاتوں اور شہروں میں رہتے ہیں راہ حق دکھاؤں۔
۷۲۔اس بارہ میں متعدد رسالے تصنیف کر کے علانیہ طور پر اطراف واکناف عالم میں بھیجتا ہے۔
۷۳۔عالم میں بیعت کی دعوت کا اعلان دے دیا ہے اور جوق جوق لوگ تیاریاں کر کر اسکے قدموں میں حاضر ہوتے ہیں۔
۷۴۔دیہات سے شہر سے ہر سمت سے الگ الگ اور مل مل کر زائرین اس کے حضور میں حاضر ہوتے ہیں۔

﴿۱۴﴾

یبایعہ من کل حزبٍ عریفہ	۷۵	علی طاعۃ الرحمٰن فی السھل والصَّعُبِ
تراھم خضوعًا خاشعین لربّھم	۷۶	قلوبھم ملآی من الشوق والحُبِّ
نفوع یفید الناس من نفثاتہٖ	۷۷	ویسبی قلوب الخلق من خلقہ العذبِ
رحیم بھم کالوالد البر مشفِقٌ	۷۸	ینفس عنھم کربۃ الجھل والعُجبِ
وبحر علوم یقذف الدرّموجہ	۷۹	الی الناس طرًا لایذود عن النَھبِ
یحلق اھل العلم والفضل عندہٗ	۸۰	صباحًا مساءً وھو کالبدر فی الشھبِ
قعودًا لدیہ تسقط الطیر فوقھم	۸۱	کانھم استولت علیھم ید الرُّھبِ
یدورون فی اخذ المکارم حولہ	۸۲	مثال النجوم الدایرات علی القطبِ
وکم من کتاب جآء نا منہ معجب	۸۳	لہ درجات عالیات علی الکتبِ
براھینہ تھدی البرایا و کحلہ	۸۴	یجلی عیون الشک والجھل والعَصُبِ

۷۵۔ ہرگروہ کے شناسا آدمی اس سے بیعت کرتے ہیں کہ وہ ہرحال میں راحت ورنج میں اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار رہیں گے۔
۷۶۔ ان بیعت کرنیوالوں کو تم دیکھو (وہ کیسے ہیں!) وہ اپنے رب کے آگے گڑگڑانے والے ہیں۔ان کے دل شوق ومحبت الٰہی سے بھرپور ہیں۔
۷۷۔ وہ نفع رساں ہے۔خلقت کو اپنے کلام سے فائدہ بخشتا ہے اور اپنے خلق شیریں سے خلقت کے دل مٹھی میں کرلیتا ہے۔
۷۸۔ان پرمہربان باپ کی طرح رحیم ومشفق ہے۔اور جہل اور خود بینی کی بلاؤں کو ان پر سے ٹالتا ہے۔
۷۹۔وہ علوم کا سمندر ہے جس کی موجیں تمام لوگوں کی طرف موتی پھینکتی ہیں اور پھر لوٹنے سے کسی کو روکتا نہیں۔
۸۰۔صبح وشام اہل علم وفضل اس کے گرد حلقہ کئے رہتے ہیں اور وہ ان میں ایسا ہے جیسے ستاروں میں بدر۔
۸۱۔وہ اہل علم اس کے حضور میں ایسے محو ہو کر بیٹھے رہتے ہیں کہ انہیں بے جان خیال کرکے پرندے ان پر بیٹھ جاتے ہیں گویا ہیبت کا ہاتھ ان لوگوں پر غالب ہے۔
۸۲۔جس طرح بنات النعش قطب کے گرد گھومتے ہیں اسی طرح یہ اہل علم تحصیل معارف کیلئے اسکے گرد گھومتے ہیں۔
۸۳۔ اسکی کئی بڑی بڑی عجیب کتابیں بھی ہمیں ملیں جنہیں اور کتابوں پر بڑی بھاری فضیلت اور ترجیح ہے۔
۸۴۔اسکی براہین (احمدیہ) خلقت کی ہادی ہے اور سرمہ چشم آریہ جہل شک اور تعصب کی آنکھوں کو جلا دیتا ہے۔

﴿۱۵﴾

وتوضیحہ تجلو ظلام غوایة	۸۵	وماالفتح الا مفتح الفتح والغلب
وکم معجزات النظم قد تبهر النهی	۸۶	تغادر من باراه احیر من ضبّ
یروق عیونا حسنها ونظامها	۸۷	وتکسو نفوسًا کلها نشوة الشرب
قصآئد فیها النور والصدق والهدی	۸۸	تدل علی الاحسان والفوز بالقرب
تکاد النجوم الزاهرات من السما	۸۹	تخر الیها ساجداتٍ علی التُرب
یلذ علی الاسماع حر کلامه	۹۰	ولطف معان فیه اَلْبَابَنَا یَسْبِیُ
نفیس ارانا من نفایس سرّه	۹۱	دقایق علم لا ینال عن الکسب
واعجز من اعجاز انفاسه العدی	۹۲	وقدباء من احداه☆ بالخسر والتّب
شیاطین انس منه فروّا و جنّةٍ	۹۳	کان لهم انفاسه شهب الثقب
اقر له الاعداء بالفضل والعلٰی	۹۴	وذل لدیه کل ذی العزل والنصب

۸۵۔ توضیح مرام گمراہی کی تاریکی کو کھول دیتی ہے۔اور فتح اسلام تو فتح وغلبہ کی کنجی ہے۔

۸۶۔ اور آپ کی منظومات کے معجزے عقل کو حیران کر دیتے اور مقابلہ کرنے والے کو سوسمار سے بھی زیادہ سراسیمہ کر ڈالتے ہیں۔

۸۷۔ان کا حسن ونظام آنکھوں کو سرور بخشتا اور سخن فہموں کے دلوں کو سرشار بھی کر دیتا ہے۔

۸۸۔قصائد میں تو نور، صدق، ہدایت، توحید اور قرب الٰہی کے حصول کی باتیں بھری ہوئی ہیں۔

۸۹۔ کچھ عجب نہیں جو آسمان کے نورانی تارے ان قصائد کے آگے سجدہ کرنے کیلئے زمین پر آ رہیں۔

۹۰۔آپ کا لطیف کلام کانوں کو لذت دیتا اور اسکے معانی کی خوبی تو ہماری دانشوں کو اسیر ہی کر لیتی ہے۔

۹۱۔ آپ کی ذات مبارک نے عجائبات اسرار الٰہیہ سے ہمیں ایسے دقائق معارف دکھلائے ہیں جو کسب سے حاصل نہیں ہو سکتے۔

۹۲۔اپنے کلمات طیبات سے مخالفوں کو عاجز کر دیا ہے اور معارضہ کرنیوالے کے پلّے زیاں اور وبال کے سوا کچھ نہیں پڑا۔

۹۳۔ تمام شیاطین انس وجن اُسکے ظہور سے رفو چکر ہو گئے ہیں گویا آپ کے انفاس انکے حق میں شہاب ثاقب ہو گئے۔

۹۴۔ دشمن بھی آپ کی فضیلت کا اقرار کر چکے ہیں اور بڑے بڑے صاحب اختیار لوگ بھی آپ کے سامنے سر نیچا کر دیتے ہیں۔

☆ صحیح حَذّاہ معلوم ہوتا ہے۔ (شمس)

﴾۱۶﴿

دعــا امة مــن ههٰنــا ثــم ههٰنــا	۹۵	فقــال سـويداء القلوب لها لَبِّی
یــؤثــر فــی اتبــاعــه مــایقــولــه	۹۶	ویکثرهم یومًا فیومًا ولایکبی☆
ویحــمــده مــن شــط منــه ومــن دَنــا	۹۷	سوی من یری فی الدین غیر اولی الارب
وکم مــن کبیــر القــوم اصغی وانّما	۹۸	حــذارًا عــلی الدنیا نایٰ عنه بالجنب
فــلــم یبق الا مــن تـعدّیٰ بـجهلــه	۹۹	یـمــاری مــراءً عــن غــوایتــه یُنَبِّی
اذا قیــل بــرزَ اختبــره منــا ظــرًا	۱۰۰	یفــر ویهذی بــالوقــاحة والجهب
واکبــر مــن اَغــراه نشوۃ جَهــلــه	۱۰۱	بــانکــاره من یدعی العلم عن کذب
یـمیل الــی الطــاغوت طورًا وتــارۃ	۱۰۲	الی الرفض ثم الی النیجر الکفر کالضّبّ ❁
ومتبــع طــورًا و وقـــتًــا مـقــلد	۱۰۳	وعبد النصاری مرۃ ناصرا لصلب
تــزبــا بــزی الـکفر یشری بــه الهدیٰ	۱۰۴	ویبغی رضی الکفار فی سخط الرب

۹۵۔ اس نے قوم کو ہر سمت سے آواز دی جسے سن کر سویدائے دل نے کہا کہ اسے مان ہی لو۔
۹۶۔ آپکا کلام معجز نظام پیروؤں کے دلوں میں پوری تاثیر کرتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ انہیں روز افزوں ترقی نصیب ہو رہی ہے۔ تنزل نہیں۔
۹۷۔ سب ہی نزدیک و دور آپ کی مدح سرائی کرتے ہیں۔ سوائے اس بدقسمت کے جسے دین سے کوئی غرض واسطہ نہ ہو۔
۹۸۔ بڑے بڑے سرداران قوم کو آپکی باتیں دل میں لگ جاتی ہیں۔ مگر پھر دنیا سے ڈر کر آپ سے الگ ہو جاتے ہیں۔
۹۹۔ اب سوائے جاہل بے اندام کے اور کوئی نہیں رہا جو ناحق کے جھگڑوں سے اپنی گمراہی کا ثبوت دیتا ہے۔
۱۰۰۔ جب اسے کہو میدان میں نکل اور مناظرہ کر کے حضرت مثیل کو آزمالے تو نوک دم بھاگتا اور ناگفتنی باتیں منہ پر لاتا ہے۔
۱۰۱۔ اور سب سے بڑھ کر ایک جاہل ہے جو نادانی کے نشے میں چور ہو کر انکار پر کھڑا اور علم کا جھوٹا دعویٰ کرتا ہے۔
۱۰۲۔ کبھی تو وہ پاگل آدمی کی طرح طاغوت کی طرف جھک پڑتا ہے۔ کبھی رافضی بن جاتا اور کبھی فرقہ ضالہ نیچریہ کا پہلو اختیار کر لیتا ہے۔
۱۰۳۔ وہ گرگٹ کی طرح رنگ بدلتا رہتا ہے۔ کبھی ادھر کبھی اُدھر۔ کبھی کبھی نصاریٰ کا غلام صلیب کا حامی بھی بن جاتا ہے۔
۱۰۴۔ کفر کا لباس پہن کر دین کو بیچتا ہے اور اپنے مولا کی ناراضی میں کفار کو خوش کرنا چاہتا ہے۔

☆ وہ کلام بے اثر نہیں ہوتا یقال کَبَا وَ اَکْبَی الزَّنْدُ اَیْ لَمْ یُوْرِ۔ (شمس) ❁ اَوْ کَالضَّبِّ۔ (شمس)

﴿۱۷﴾

وما هاجه شيءٌ سوى حسد له	۱۰۵	وذلک داء لا يعالج بالطب
اذا بهت المرتاب عند حجاجه	۱۰۶	تبادر للبهتان والشتم والقشب
ولم يدر ان الله ينصر عبدهٗ	۱۰۷	على الجاهل المرتاب والمبطل الخب
ومن يخذل المبعوث يخذله ربّه	۱۰۸	ويجعله فی خلقه عالی الكعب
ومن لم يعاونه سيبک تأسفا	۱۰۹	ويلق اثامًا بالمذلّة والكب
هلموا عباد اللّٰه و استمعوا له	۱۱۰	وقوموا جميعًا قومة الجحفل اللجب
اعينوه بالاموال و افدوه بالنفوس	۱۱۱	تنجوا من الافات فی الخلف و الشجب
عليكم عليكم باتباع امامكم	۱۱۲	فنعم امام جاء فيكم من الرب
يقودكم نحو الهدى فاقتدوا به	۱۱۳	ووالوه بالاخلاص والصدق و الرغب
اتاكم ببرهان ومافيه مرية	۱۱۴	فلا تبطلوه بالمماراة والشغب

۱۰۵۔اس کی مخالفت کی اور کوئی وجہ سوائے حسد کے نہیں۔اوراس بیماری کا علاج تو طِب میں بھی نہیں۔

۱۰۶۔ جب وہ اللہ کی باتوں میں شک لانے والا مباحثہ میں ہار کر بغلیں جھانکنے لگا تب گالی گلوچ جھوٹ اور بہتان بولنے لگا۔

۱۰۷۔اور یہ نہ سمجھا کہ اللہ تعالیٰ بہ مقابلہ جاہل شکی مبطل دھوکے باز کے اپنے بندہ کا ناصر ہے۔

۱۰۸۔ اصل یہ ہے کہ جس نے بھیجے ہوئے کو چھوڑا اس کو اس کا رب بھی ضرور چھوڑے گا اور وہ اسے خلقت میں ذلیل کرے گا۔

۱۰۹۔جس نے آج اسکی مدد نہ کی کل وہ افسوس کھا کر روئے گا۔اور بڑی ذلت ورسوائی کے علاوہ سخت گنہ گار ہوگا۔

۱۱۰۔آؤ۔اے خدا کے بندو!اس کی باتیں سنو اور جرّار لشکر کی طرح سب کے سب اٹھ کھڑے ہو۔

۱۱۱۔ مالوں سے اسکی مدد کرو۔جانوں کو اس پر فدا کرو تو تم تمام دکھ درد کی آفتوں سے نجات پاؤ گے۔

۱۱۲۔اس اپنے امام کی پیروی کو فرض سمجھو۔کیونکہ رب تعالےٰ کی طرف سے یہ خوب امام تم میں آیا ہے۔

۱۱۳۔ وہ تمہیں ہدایت کی طرف چلاتا ہے اسکے پیچھے آؤ اور اخلاص صدق اور رغبت سے اسکو پیار کرو۔

۱۱۴۔تمہارے پاس واضح برہان لایا ہے جس میں شک کی گنجایش نہیں۔اب ناحق کے جھگڑوں فسادوں سے اس کا ابطال نہ کرو۔

﴿۱۸﴾

ھو النعمة العظمٰی من الله فاشکروا	۱۱۵	و لا تکفروھا بالتمرد و النکبٖ
ھو الغیث فیکم فاقدروا حق قدرہ	۱۱۶	یروی البرایا کالصبیب من السحبٖ
ھو النور بین الرشد و الغی فی الوری	۱۱۷	بہ تنجلی سود الاساء ۃ والذنبٖ
ولله عینا من راٰہ فانہ	۱۱۸	علی شرف اعلی وقد فاز بالحِسبٖ
عجبت لمن لم یستبن بعد امرہ	۱۱۹	وقد بلغ الابکار فی الخدر والحجبٖ
ویاعجبی ممن اساء ظنونہ	۱۲۰	بہ وھو یھدیھم الی خالص الحبٖ
ابی الله الاان یزید اعتلاءَ ہ	۱۲۱	ومن یتحی ما شاء للمحو والقلبٖ
ابی اللّٰہ الا ان یضیءَ سراجہ	۱۲۲	ومن ذا الذی یطفیه بالنفخ والحصبٖ
لحی الله من ولاہ بالبغي مدبرا	۱۲۳	یثیر رعاع الناس بالویل والحربٖ
لک الله قد ارسلت فینا مکرمًا	۱۲۴	فاھلا وسھلًا مرحبا بک یا مُحبی

۱۱۵۔ وہ اللہ کی طرف سے بڑی نعمت ہے۔ اسکی قدر کرو۔ سرکشی اور روگردانی سے کفران نعمت کے ملزم نہ ہو۔
۱۱۶۔ وہ تم میں ابر رحمت ہے اس کی پوری قدر کرو۔ یہ آسمانی باراں کی طرح مخلوقات کو سیراب کرتا ہے۔
۱۱۷۔ وہ حق و باطل کے درمیان فرق کرنے کے لئے عالم میں ایک نور ہے اسی سے بدکاریوں اور گناہوں کی تاریکی دور ہوگی۔
۱۱۸۔ مبارک ہو وہ آنکھ جس نے اسے دیکھا۔ کیونکہ اسے بڑا ہی شرف اور بڑا ہی اجر حاصل ہوا۔
۱۱۹۔ مجھے اس شخص پر تعجب آتا ہے جس پر اب تک اس امام کا مشن واضح نہیں ہوا حالانکہ پردہ نشین کنواریوں تک تو یہ دعوت پہنچ گئی ہے۔
۱۲۰۔ اس پر تو بڑا ہی تعجب ہے جو اب تک اس پر بدظنی رکھتا ہے حالانکہ وہ تو خالص حُبِّ الٰہی کی انھیں راہ دکھاتا ہے۔
۱۲۱۔ اللہ تعالیٰ قطعی فیصلہ کر چکا ہے کہ اس امام کی عظمت وقدر بڑھے گی اور جسے خدا قائم رکھنا چاہے اسے کون میٹ سکے یا ادل بدل کر سکے۔
۱۲۲۔ اللہ تعالیٰ ضرور اسکے چراغ کو منور رکھنے والا ہے۔ کون ہے جو پھونکوں اور کنکروں سے اسے بُجھا دے؟۔
۱۲۳۔ خدا کی پھٹکار اس پر جو اس سے روگرداں ہوتا اور سفلہ لوگوں کو اس کے مقابلہ کے لئے جوش دلاتا ہے۔
۱۲۴۔ اللہ تعالیٰ تیرے ساتھ ہو! تو ہم میں مکرّم و معظّم بھیجا گیا ہے۔ آیئے آیئے اے فیاض کریم ہمارے سر آنکھوں پر بیٹھئے۔

﴿۱۹﴾

واشقٰی عباد اللہ من صار جاحدًا	۱۲۵	لفضلک واستھواہ ابلیس فی الشقبِ
فاخزاہ فی الدنیا وسود وجھہ	۱۲۶	وقدامہ یوم الندامة والسَحُبِ
دعانی الی ذاالنظم صدق مودّةٍ	۱۲۷	وفرط اشتیاق کان مستوطن القلبِ
فھاک امام المؤمنین حدیقة	۱۲۸	منضرة الاشجار مخضرة القضبِ
ودونک منی روضة مستطابة	۱۲۹	سقاھا الحجٰی سقی السحائب لا الغربِ
یروق عیون الناظرین ابتسامھا	۱۳۰	اذا سرحت فیھا قلوبھم یطبی
قوافٍ تزید السامعین اشتیاقکم	۱۳۱	اذا اُنشدوھا نحوا عتابکم یصبی
احن الیکم والدیار بعیدة	۱۳۲	وشوق لقاء ینجد العین بالسکبِ
تھز النسیم القلب حین ھبوبھا	۱۳۳	کھزّلسانٍ بالثنا دایما رَطبِ
سقام وبعدثم عذرووحدة	۱۳۴	فکیف الحدور السھل فی المرتقی العَصبِ

۱۲۵۔ بڑا ہی شقی بندہ ہے جو تیری فضیلت کا منکر ہوا۔ اور اسے شیطان نے وادیٔ ضلالت میں پھینک دیا۔
۱۲۶۔ خدا نے اسے دنیا میں ذلیل اور روسیاہ کر دیا اور عاقبت میں اسکے سامنے دخول جہنم اور ندامت ہے۔
۱۲۷۔ میں نے یہ قصیدہ مدحیہ محض اخلاص محبت اور کمال اشتیاق سے جو میرے دل میں جاگزین ہے لکھا ہے۔
۱۲۸۔ اے امام المومنین! لیجئے یہ ایک باغ ہے جس کی شاخیں اور درخت سب سرسبز ہیں۔
۱۲۹۔ میری طرف سے یہ باغ عجیب تحفہ قبول فرمایئے۔ یہ باغ سدا سرسبز رہنے والا ہے اور کبھی خزاں کا منہ نہ دیکھے گا۔
۱۳۰۔ اس کی شگفتگی ناظرین کی آنکھوں کو خنک کر دیتی ہے اور جب انکے دل اس میں سیر وتفریح کریں تو انہیں خوش وخرم کرتی ہے۔
۱۳۱۔ یہ ایسے اشعار ہیں کہ جب پڑھے جائیں گے تو سامعین کے دلوں میں اشتیاق پیدا کرینگے پھر وہ شوق حضور کی آستان بوسی کی طرف انھیں مائل کرے گا۔
۱۳۲۔ میں آپ کا مشتاق ہو رہا ہوں۔ ملک بہت دور ہے اور شوق ملاقات میں میری آنکھیں آنسو برسا رہی ہیں۔
۱۳۳۔ جب نسیم چلتی ہے میرے دل کو جنبش دے جاتی ہے جسطرح میری زبان حضور کی مدح وثنا میں ہمیشہ حرکت کرتی رہتی ہے۔
۱۳۴۔ بیماری۔ دوری۔ عذر اور تنہائی اور اس پر دشوار گزار بیابان اور کٹھن منزلیں میری راہ میں حائل ہیں۔

﴿۲۰﴾

واشکو عدوًا لا یزال بمرصد	۱۳۵	یراقبنی فیما اقول وما انبی
مداج یهیج الشر من ای وجهة	۱۳۶	ویرشقنی ارشاق من ریع بالسَلْبِ
یحرق انیابًا علیّ عداوة	۱۳۷	کانی اوجعت المنافق بالغَصْبِ
بمقدمک المیمون طابت بشارة	۱۳۸	واسفرت الدنیا لکل اخی لُبِّ
وزالت بها الاتراح عن قلب مکمدٍ	۱۳۹	وقام بهٖ داعی المسرّة و الرَّحْبِ
فلازلت للاسلام عونا وعزّة	۱۴۰	یهابک من یأباه فی الشرق والغرب

۱۳۵۔ میں ایک دشمن کی شکایت کرتا ہوں جو برابر گھات میں لگا ہوا میرے اقوال کو تاکتا رہتا ہے۔

۱۳۶۔ وہ ایک منافق ہے جو ہر طرح شر اٹھاتا رہتا ہے اور مجھے یوں تیر مارتا ہے جیسے وہ شخص جسے اسکا اسباب لوٹنے کی دھمکی دیجاوے۔

۱۳۷۔ وہ مارے بغض کے مجھ پر دانت پیستا رہتا ہے جیسے میں نے اسکا کچھ چھین کر اسے ستایا ہے۔

۱۳۸۔ حضور کے قدوم مبارک سے دنیا بشارت پا کر خوش ہوگئی ہے اور عقلمندوں کو روشن نظر آنے لگی ہے۔

۱۳۹۔ اس بشارت کو پا کر آزردہ دلوں کے رنج دور ہو گئے اور بجائے اس کے دلوں میں خوشی اور فراخی کے ولولے پیدا ہو گئے۔

۱۴۰۔ میری دعا ہے کہ حضور اسلام کے مددگار اور باعث عزّت رہیں! اور منکرانِ اسلام شرق وغرب سے آپ سے خوف کھاتے رہیں۔

{۲۱}

مباحثہ

مابین

حضرت اقدس مرزا غلام احمد قادیانی مسیح موعودؑ

اور

مولوی محمد بشیر صاحب بھوپالی

دہلی میں

پرچہ نمبر (۱)

مولوی محمد بشیر صاحب

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد للّٰہ وکفٰی وسلام علی عبادہ الذین اصطفٰی امابعد ارباب علم ودین پر مخفی نہ رہے کہ اصل دعویٰ جناب مرزا صاحب کا مسیح موعود ہونے کا ہے لیکن جناب ممدوح کے محض اصرار بلیغ سے مباحثہ حیات ووفات مسیح علیہ السلام میں منظور کیا گیا ہے اوراس مسئلہ میں بھی اصل منصب جناب مرزا صاحب کا مدعی کا ہے لیکن صرف جناب ممدوح کے اصرار سے ہی یہ بھی قبول کیا گیا کہ پہلے یہ عاجز اَدِلّہ حیات مسیح علیہ السلام تحریر کرے اوراس میں بحث صعودونزول وغیرہ کا خلط نہ کیا جائے **فاقول بحول اللّٰہ و قوتہ وما توفیقی الا بہٖ علیہ توکلت والیہ اُنیب.** جاننا چاہئے کہ دلیلیں حیات مسیح علیہ السلام کی پانچ آیتیں ہیں۔ دلیل اول یہ ہے۔ **قال اللّٰہ تعالی فی سورۃ النّساء** وَاِنۡ مِّنۡ اَہۡلِ الۡکِتٰبِ اِلَّا لَیُؤۡمِنَنَّ بِہٖ قَبۡلَ مَوۡتِہٖ ۚ وَیَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ یَکُوۡنُ عَلَیۡہِمۡ شَہِیۡدًا [۱] وجہ استدلال کی یہ ہے کہ لیؤمنن میں نون تاکید کا آیا ہے اورنون تاکید مضارع کو خالص استقبال کے لئے کردیتا ہے۔ ماضی اورحال کی تاکید کے لئے نون نہیں آتا ہے ازہری تصریح میں لکھتا ہے۔ **ولایوکد بھما الماضی لفظًا و معنی مطلقًا لا نھما یخلصان مدخو لھما للاستقبال وذالک ینافی الماضی. انتھی** اوردوسری جگہ لکھتا ہے

[۱] النساء: ۱۶۰

﴿۲۲﴾

ولایجوز تاکیده بهما اذا کان منفیا او کان المضارع حالا کقراءة ابن کثیر لاقسم بیوم القیمة۔ و قول الشاعر یمینا لأبغض کل امرئ + یزخرف قولا و لا یفعل۔ فاقسم فی الآیة و ابغض فی البیت معناهما الحال لدخول اللّام علیهما و انما لم یؤکدا بالنون لکونها تخلص الفعل للاستقبال و ذلک ینافی الحال انتهی۔ *فوائد ضیائیہ میں ہے* تختص ای النون بالفعل المستقبل فی الامر و النهی و الاستفهام و التمنی و العرض والقسم وانما اختصت هذه النون بهذه المذکورات الدّالة علی الطلب دون الماضی والحال لانه لایؤکد الا مایکون مطلوبا انتهی ۔ *عبدالحکیم تکملہ میں لکھتے ہیں* لان النون تخلص المضارع للاستقبال فکرهوا الجمع بین حرفین لمعنی واحد فی کلمة واحدة ۔ *مغنی میں ہے* ولایؤکّد بهما الماضی مطلقا و اما المضارع فان کان حالا لم یؤکّد بهما و ان کان مستقبلا أکّد بهما وجوبا فی نحو و الله لاکیدن اصنامکم انتهٰی ۔ *شیخ زادہ حاشیہ بیضاوی میں لکھتا ہے*۔ و اعلم ان الاصل فی نون التاکید ان تلحق باٰخر فعل مستقبل فیه معنی الطلب کالامر والنهی والاستفهام والتمنی والعرض نحو اضربن زیدا و لاتضربن وهل تضربنه ولیتک تضربن مثقلة ومخففة واختص بما فیه معنی الطلب لان وضعه للتاکید و التاکید انما یلیق بما یطلب حتی یوجد ویحصل فیغتنم هوبوجدان المطلوب ولایلیق بالخبر المحض لانه قد وجد وحصل فلایناسبه التاکید واختص بالمستقبل لان الطلب انما یتعلق بمالم یحصل بعد لیحصل وهو المستقبل بخلاف الحال والماضی لحصو لهما والمستقبل الذی هو خبر محض لا تلحق نون التاکید باٰخره الا بعد ان یدخل علی اول الفعل مایدل علی التاکید کلام القسم وان لم یکن فیه معنی الطلب لان الغالب ان المتکلم یقسم علی مطلوبه انتهٰی ۔ *اور ایسا ہی بلا خلاف تمام کتب نحو میں مرقوم ہے۔ قرآن مجید اور سنت مطہرہ میں بھی نون بہت مواضع میں خاص مستقبل کیلئے آیا ہے اور ماضی اور حال کیلئے ایک جگہ بھی پایا نہیں جاتا۔ اس مقام پر چند آیات نقل کی جاتی ہیں سورہ بقر میں ہے* فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ[۱] *اور بھی اسی میں ہے* فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا[۲] *اور بھی اسی میں ہے* وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ[۳] *سورہ آل عمران میں ہے* وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ[۴] *اور بھی اسی میں ہے* لَتُبْلَوُنَّ فِيْٓ اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَذًى

۱ تا ۳ البقرة: ۳۹، ۱۴۵، ۱۵۶ ۴ آل عمران: ۸۲

﴿۲۳﴾

کَثِیْرًا[۱] اور بھی اسی میں ہے۔ وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ لَتُبَیِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَکْتُمُوْنَهٗ الایة[۲] اور بھی اسی میں ہے۔ فَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ وَاُوْذُوْا فِیْ سَبِیْلِیْ وَقٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا لَاُکَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَیِّاٰتِهِمْ وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ[۳] سورہ نساء میں ہے وَلَاُضِلَّنَّهُمْ وَلَاُمَنِّیَنَّهُمْ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَیُبَتِّکُنَّ اٰذَانَ الْاَنْعَامِ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَیُغَیِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ[۴] سورہ مائدہ کے رکوع گیارہویں میں ہے۔ لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوا الْیَهُوْدَ وَالَّذِیْنَ اَشْرَکُوْا وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوا الَّذِیْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰی[۵] اسی سورہ کے تیرہویں رکوع میں ہے یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَیَبْلُوَنَّکُمُ اللّٰهُ بِشَیْءٍ مِّنَ الصَّیْدِ[۶] سورہ انعام کے دوسرے رکوع میں ہے لَیَجْمَعَنَّکُمْ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ لَا رَیْبَ فِیْهِ[۷] سورہ اعراف کے پہلے رکوع میں ہے فَلَنَسْـَٔلَنَّ الَّذِیْنَ اُرْسِلَ اِلَیْهِمْ وَلَنَسْـَٔلَنَّ الْمُرْسَلِیْنَ فَلَنَقُصَّنَّ عَلَیْهِمْ[۸] اسی سورہ کے چودہویں رکوع میں ہے لَاُقَطِّعَنَّ اَیْدِیَکُمْ وَاَرْجُلَکُمْ مِّنْ خِلَافٍ ثُمَّ لَاُصَلِّبَنَّکُمْ[۹] اسی سورہ کے اکیسویں رکوع میں ہے وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّکَ لَیَبْعَثَنَّ عَلَیْهِمْ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ مَنْ یَّسُوْمُهُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ[۱۰] سورہ ابراہیم کے دوسرے رکوع میں ہے وَلَنَصْبِرَنَّ عَلٰی مَآ اٰذَیْتُمُوْنَا[۱۱] سورہ ابراہیم کے تیسرے رکوع میں ہے وَقَالَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لِرُسُلِهِمْ لَنُخْرِجَنَّکُمْ مِّنْ اَرْضِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِیْ مِلَّتِنَا فَاَوْحٰٓی اِلَیْهِمْ رَبُّهُمْ لَنُهْلِکَنَّ الظّٰلِمِیْنَ. وَلَنُسْکِنَنَّکُمُ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ[۱۲] سورہ نحل کے تیرہویں رکوع میں ہے۔ وَلَیُبَیِّنَنَّ لَکُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ مَا کُنْتُمْ فِیْهِ تَخْتَلِفُوْنَ[۱۳] اسی میں ہے وَلَتُسْـَٔلُنَّ عَمَّا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ[۱۴] اسی میں ہے مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَکَرٍ اَوْ اُنْثٰی وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْیِیَنَّهٗ حَیٰوةً طَیِّبَةً وَلَنَجْزِیَنَّهُمْ[۱۵] بنی اسرائیل کے پہلے رکوع میں ہے۔ وَقَضَیْنَآ اِلٰی بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ فِی الْکِتٰبِ لَتُفْسِدُنَّ فِی الْاَرْضِ مَرَّتَیْنِ وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا کَبِیْرًا[۱۶] سورہ حج کے چھٹے رکوع میں ہے وَلَیَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ یَّنْصُرُهٗ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِیٌّ عَزِیْزٌ[۱۷] سورہ نور کے ساتویں رکوع میں ہے۔ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِی الْاَرْضِ کَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَیُمَکِّنَنَّ لَهُمْ دِیْنَهُمُ الَّذِی ارْتَضٰی لَهُمْ وَلَیُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا[۱۸] سورہ نمل کے دوسرے رکوع میں ہے۔ لَاُعَذِّبَنَّهٗ عَذَابًا شَدِیْدًا اَوْ لَاَاذْبَحَنَّهٗٓ اَوْ لَیَاْتِیَنِّیْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ[۱۹] سورہ عنکبوت کے ساتویں رکوع میں ہے وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا[۲۰] سورہ محمد کے ۴ رکوع میں ہے وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِیْ لَحْنِ الْقَوْلِ[۲۱] تغابن کے پہلے رکوع میں ہے قُلْ بَلٰی وَرَبِّیْ لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ[۲۲] انشقت میں ہے لَتَرْکَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ[۲۳] اگر جناب مرزا صاحب ایک آیت یا ایک حدیث یا کوئی کلام عرب عربا کا ایسا پیش کریں کہ اس میں نون تاکید حال یا ماضی کیلئے یقینی طور پر آیا ہو یا کوئی عبارت کسی معتبر کتاب نحو کی جس میں

۱ ال عمران: ۱۸۷ ۲ ال عمران: ۱۸۸ ۳ ال عمران: ۱۹۶ ۴ النساء: ۱۲۰ ۵ المائدة: ۸۳ ۶ المائدة: ۹۵ ۷ الانعام: ۱۳
۸ الاعراف: ۷،۸ ۹ الاعراف: ۱۲۵ ۱۰ الاعراف: ۱۶۸ ۱۱ ابراهیم: ۱۳ ۱۲ ابراهیم: ۱۴،۱۵ ۱۳ النحل: ۹۳ ۱۴ النحل: ۹۴ ۱۵ النحل: ۹۸
۱۶ بنی اسرائیل: ۵ ۱۷ الحج: ۴۱ ۱۸ النور: ۵۶ ۱۹ النمل: ۲۲ ۲۰ العنکبوت: ۷۰ ۲۱ محمد: ۳۱ ۲۲ التغابن: ۸ ۲۳ الانشقاق: ۲۰

﴿۲۴﴾ تصریح امر مذکور کی ہوتو میں اپنے اس مقدمہ کو غیر صحیح تسلیم کرلوں گا بعد اس تمہید کے میں کہتا ہوں کہ لفظی ترجمہ اس آیت کا یہ ہوا اور نہیں ہوگا اہل کتاب میں سے کوئی مگر البتہ ایمان لاوے گا ساتھ حضرت عیسیٰ کے پہلے مرنے حضرت عیسیٰ سے اور حاصل ترجمہ یہ ہے کہ آئندہ زمانے میں ایک ایسا زمانہ آنے والا ہے کہ سب اہل کتاب اس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مرنے سے پہلے ایمان لاویں گے یہی ایک معنی اس آیت کے موافق محاورۂ عرب وقواعد نحو اور محاورہ کتاب وسنت کے صحیح ہیں اور اس کے ماعدا جتنے معنے ہیں سب غلط اور باطل ہیں کیونکہ کسی معنی کی بنا پر لَیُؤْمِنَنَّ کا لفظ خالص استقبال کیلئے نہیں باقی رہتا وہ چار معانی ہیں۔ اول وہ جو عامہ تفاسیر میں منقول ہے کہ موتہ کے ضمیر کتابی کی طرف عائد ہے اور معنے یہ ہیں کہ نہیں کوئی اہل کتاب میں سے مگر البتہ ایمان لاتا ہے حضرت عیسیٰ پر اپنے مرنے سے پہلے یعنی نزع روح کے وقت اس تقدیر پر لیؤمنن کا خالص استقبال کیلئے نہ ہونا ظاہر ہے اس لئے یہ معنے باطل ہیں۔ دوسرے معنے وہ ہیں جو جناب مرزا صاحب نے کشفی طور پر ازالہ اوہام کے صفحہ ۳۷۲ میں لکھے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ ہر اہل کتاب ہمارے اس بیان مذکورہ بالا پر جو ہم نے اہل کتاب کے خیالات کی نسبت ظاہر کیا ہے ایمان رکھتا ہے قبل اس کے کہ وہ ایمان لاوے کہ مسیح اپنی موت سے مر گیا فقط۔ یہ معنے بھی بسبب اس کے کہ اس تقدیر پر لیؤمنن خالص استقبال کیلئے نہیں رہتا ہے باطل ہیں اور اس معنے کشفی کے بطلان کے اور بھی وجوہ ہیں مگر ان کو اس بحث سے علاقہ نہیں ہے اس لئے ہم ان کو یہاں بیان نہیں کرتے انشاء اللہ تعالیٰ ان وجوہ کا ذکر ازالہ اوہام کے رد میں بہ بسط بسیط کیا جائے گا۔ تیسرے وہ معنی ہیں جو جناب مرزا صاحب نے ازالۃ الاوہام کے صفحہ ۳۸۵ میں لکھے ہیں وہ یہ ہیں کہ مسیح تو ابھی مرا بھی نہیں تھا کہ جب سے یہ خیالات شک وشبہ کے یہود و نصاریٰ کے دلوں میں چلے آتے ہیں فقط۔ یہ معنی بھی اسی وجہ سے باطل ہیں کہ لیؤمنن اس تقدیر پر خالص استقبال کیلئے نہیں رہتا بلکہ ماضی کیلئے ہو جاتا ہے چوتھے وہ ہیں جو مولوی ابو یوسف محمد مبارک علی صاحب سیالکوٹی مرید مخلص مرزا صاحب نے **القول الجمیل** کے صفحہ ۲۸ میں لکھے ہیں وہ یہ ہیں اور ان اہل کتاب میں سے ہر ایک شخص کیلئے ضروری ہے کہ اس بات کو اپنے مرجانے سے پیشتر ہی تسلیم کرے فقط۔ اس عبارت کا مطلب اگر یہ ہے کہ ان اہل کتاب میں سے ہر ایک شخص کو چاہئے کہ اس بات کو اپنے مرنے سے پہلے ہی تسلیم کرے یعنی یہ جملہ انشائیہ ہے جیسا کہ بعض عبارات **القول الجمیل** اس پر قرینہ ہے تو اس معنے کے غلط ہونے کی یہ وجہ ہے کہ صاحب **القول الجمیل** اس مقام پر غلط فاحش

﴿۲۵﴾

کا مصدر رہوا ہے کیونکہ لیؤمنن میں لام مکسورہ‘ لام الامر سمجھا ہے حالانکہ قرآن خواں اطفال بھی جانتے ہیں کہ قرآن مجید میں لام مفتوحہ لام تاکید ہے اور اگر یہ معنی ہیں کہ ان اہل کتاب میں سے ہر ایک شخص اس بات کو اپنے مرنے سے پہلے تسلیم کر لیتا ہے یعنی یہ جملہ خبر یہ ہے تو اس وقت لیؤمنن خالص استقبال کیلئے نہیں رہتا ہے اس لئے یہ معنے غلط ہوئے اور وہ معنے اس آیت کے جو خاکسار نے اول بیان کئے سلف میں سے ایک جماعت کثیر اسی طرف گئی ہے ان میں سے ہیں ابوہریرہ اور ابن عباس اور ابو مالک اور حسن بصری وقتادہ وعبدالرحمان بن زید بن اسلم۔ تفسیر ابن کثیر میں ہے حدثنا ابن بشار حدثنا عبدالرحمن عن سفیان عن ابی حسین عن سعید بن جبیر عن ابن عباس وان من اهل الکتاب الا لیؤمنن به قبل موته قال قبل موت عیسٰی بن مریم وقال العوفی عن ابن عباس مثل ذلک قال ابومالک فی قوله الا لیؤمنن به قبل موته قال ذلک عند نزول عیسی بن مریم علیه السلام لایبقی احد من اهل الکتاب الا اٰمن به وقال الضحاک عن ابن عباس وان من اهل الکتاب الالیومنن به قبل موته یعنی الیهود خاصة وقال الحسن البصری یعنی النجاشی و اصحابه رواهما ابن ابی حاتم وقال ابن جریر حدثنی یعقوب حدثنا ابن علیة حدثنا ابورجاء عن الحسن وان من اهل الکتاب الا لیؤمنن به قبل موته قال قبل موت عیسٰی وانه لحیٌّ الآن عند الله و لکن اذا نزل آمنوا به اجمعون و قال ابن ابی حاتم حدثنا ابی حدثنا علی بن عثمان اللاحقی حدثنا جریریة بن بشیر قال سمعت رجلا قال للحسن یا ابا سعید قول الله عزّوجل وان من اهل الکتاب الا لیؤمنن به قبل موته قال قبل موت عیسٰی ان الله رفع الیه عیسٰی وهو باعثه قبل یوم القیٰمة مقاماً یومن به البرو الفاجرو کذا قال قتادة وعبدالرحمٰن بن زید بن اسلم وغیر واحد وهذا القول هو الحق کما سنبیّنه بعد بالدلیل القاطع انشاء الله و به الثقة وعلیه التکلان انتهٰی ۔ اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا اس طرف جانا حدیث صحیحین سے ظاہر ہے مخفی نہ رہے کہ جناب مرزا صاحب نے اس معنی پر جس کو ہم نے صحیح اور حق کہا ہے۔ ازالۃ الاوہام کے صفحہ ۳۶۸۔ اور صفحہ ۳۶۹ میں چار اعتراض کئے ہیں ان سب کا جواب مسکت بفضلہٖ تعالیٰ ہمارے پاس موجود ہے۔ اعتراض اول آیت موصوفہ بالا صاف طور پر فائدہ تعمیم کا دے رہی ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل کتاب کے لفظ سے تمام وہ اہل کتاب مراد ہیں جو مسیح کے وقت میں یا مسیح کے بعد برابر ہوتے رہیں گے اور آیت میں ایک بھی ایسا لفظ نہیں جو آیت کو کسی خاص محدود زمانے سے متعلق اور وابستہ کرتا ہو۔ فقط جواب اس کا بدو وجہ ہے اول یہ کہ آیت میں نون تاکید ثقیلہ موجود ہے جو آیت کو خاص زمانہ

﴿۲۶﴾

مستقبل سے وابستہ کرتا ہے۔ دوم یہ کہ اس تعمیم کے موافق آپ کے معنی اول جوازالۃ الاوہام میں لکھے گئے ہیں بھی باطل ہوئے جاتے ہیں کیونکہ آپ کے نزدیک لفظ اہل کتاب کا آیت موصوفہ میں ان سب اہل کتاب کو بھی شامل ہے جو مسیح کے وقت میں ان کو صلیب پر چڑھانے سے پہلے موجود تھے حالانکہ ان کا بیان مذکورہ بالا پر ایمان رکھنا قبل اس کے کہ وہ اس پر ایمان لاویں کہ مسیح اپنی طبعی موت سے مر گیا غیر متصور ہے اور ایسا ہی آپ کے دوسرے معنے بھی باطل ہوئے جاتے ہیں۔ **وھٰذا غیر خفی علٰی من له ادنٰی تأمل۔**

اعتراض دوم احادیث صحیحہ بآواز بلند پکار رہی ہیں کہ مسیح کے دم سے اس کے منکر خواہ وہ اہل کتاب ہیں یا غیر اہل کتاب کفر کی حالت میں مریں گے فقط جواب اس کا بدو وجہ ہے۔ اول یہ کہ آیت میں کہیں تصریح اس امر کی نہیں ہے کہ مسیح کے آتے ہی سب اہل کتاب مسیح پر ایمان لے آویں گے بلکہ آیت میں تو صرف اسی قدر ہے کہ مسیح کی موت سے پہلے ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ اس زمانہ کے سب اہل کتاب ان پر ایمان لے آویں گے۔ پس ہوسکتا ہے کہ جن کفار کا علم الٰہی میں مسیح کے دم سے کفر کی حالت میں مرنا مقدر ہو ان کے مرنے کے بعد سب اہل کتاب ایمان لے آویں۔ دوم ہوسکتا ہے کہ مراد ایمان سے یقین ہو نہ ایمان شرعی جیسا کہ آپ کے دونوں معنے کے موافق ایمان سے مراد ایمان شرعی نہیں ہے بلکہ یقین مراد ہے۔ اعتراض سوم۔ مسلمانوں کا یہ عقیدہ مسلّمہ ہے کہ دجال بھی اہل کتاب میں سے ہوگا اور یہ بھی مانتے ہیں کہ وہ مسیح پر ایمان نہیں لائے گا فقط اس کا جواب بھی انہیں دو وجہوں سے ہے جو اعتراض دوم کے جواب میں لکھی گئیں اعادہ کی حاجت نہیں۔ اعتراض چہارم۔ مسلم میں موجود ہے کہ مسیح کے بعد شریر رہ جائیں گے پھر قیامت آئے گی اگر کوئی کافر نہیں رہے گا تو وہ کہاں سے آجاویں گے فقط۔ یہ اعتراض جناب مرزا صاحب کی شان سے نہایت مستبعد ہے کیا مرزا صاحب یہ نہیں خیال فرماتے کہ یقیناً دنیا میں ابتداءً ایک ایسا زمانہ بھی ہو چکا ہے کہ کوئی کافر نہ تھا پھر یہ کفار جو اب تک موجود ہیں کہاں سے آ گئے جیسے یہ کفار ہو گئے ایسا ہی بعد عیسٰی علیہ السلام کے بھی ہو جائیں گے۔ **دلیل دوسری** یہ آیت سورہ آل عمران کی ہے۔ وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَّمِنَ الصّٰلِحِيْنَ [1] اس آیت سے علماء نے استدلال حیات مسیح پر کیا ہے تفسیر ابوالسعود میں ہے **وبه استدل على انه عليه السلام سينزل من السماء لما انه عليه السلام رفع قبل التكهل قال ابن عباس رضى اللّٰه عنه ارسله اللّٰه تعالى وهو ابن ثلا ثين سنة ومكث فى رسالته ثلثين شهرا ثم رفع اللّٰه تعالى اليه** تفسیر کبیر میں ہے **قال الحسين بن الفضل**

[1] اٰل عمران: ۴۷

﴿۲۷﴾

وفی ھذہ الآیۃ نصّ فی انہ علیہ الصلوٰۃ والسلام سینزل الی الارض ۔ بیضاوی میں ہے۔ وبہ استدل علی انہ سینزل فانہ رفع قبل ان اکتھل ۔جلالین میں ہے یفید نزولہ قبل الساعۃ لانہ رفع قبل الکھولۃ معالم میں ہے وقیل للحسین بن الفضل ھل تجدنزول عیسٰی فی القرآن قال نعم قولہ وکھلا وھولم یکتھل فی الدنیا وانما معناہ وکھلا بعد نزول من السماء انتھٰی ۔یہ آیت اگرچہ فی نفسہا قطعیۃ الدلالۃ حیات مسیح پر نہیں ہے مگر بانضمام آیہ وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ [1] کے قطعی الدلالۃ ہوجاتی ہے اور اس بنا پر ایک حسن اس آیت میں یہ ہوتا ہے کہ جیسا کلام فی المھد ایک آیت اور معجزہ ہے ایسا ہی کلام فی الکھولۃ معجزہ ٹھہرتا ہے کیونکہ اس زمان دراز تک جسم کا بغیر طعام وشراب کے زندہ رہنا اور اس میں کچھ تغیر نہ آنا خارق عادت ہے ورنہ کلام فی الکھولۃ تو سب ہی کہول کیا کرتے ہیں حضرت مسیح کا اس میں کیا کمال ہوا جس کو اللہ تعالیٰ نے فہرست نعم جلیلہ میں ذکر فرمایا ہے۔

دلیل سوم۔سورہ نساء میں ہے وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ۔ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا [2] یہ آیت بھی فی نفسہا اگرچہ قطعی الدلالۃ حیات مسیح پر نہیں ہے مگر ظاہر اس سے رفع الروح مع الجسد ہے کیونکہ ماقتلوہ اول وثانی اور ماصلبوہ کے ضمیر منصوب کا مرجع تو قطعاً روح مع الجسد ہے پس یہ امر دال ہے اس پر کہ مرجع رفعہ کے ضمیر منصوب کا بھی روح مع الجسد ہے علی الخصوص جب آیت وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ اس کے ساتھ ضم کی جاوے تو یہ بھی قطعی الدلالت ہوجاتی ہے۔

دلیل چہارم۔سورہ زخرف میں ہے وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا وَاتَّبِعُوْنِ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ [3] یہ آیت بھی فی نفسہا اگرچہ قطعی الدلالۃ حیات مسیح پر نہیں ہے مگر ظاہر یہی ہے کیونکہ ارجاع ضمیر **انہ** کا طرف قرآن مجید کے بالکل خلاف سیاق وسباق ہے پس ضرور مرجع عیسٰی علیہ السلام ہوئے اب یہاں تین احتمال ہیں یا حدوث مقدر مانا جاوے یا ارادہ معجزات یا نزول اول باطل ہے اس لئے کہ ہمارے آنحضرت صلعم کا حدوث علامت قریبہ قیامت کے ہے جیسا کہ حدیث صحیح میں وارد ہے **بعثت انا والساعۃ کھاتین** پس حضرت عیسٰی علیہ السلام کی تخصیص کی کوئی وجہ نہیں اور ایسا ہی احتمال دوم بھی باطل ہے کیونکہ معجزات سب دلالت علیٰ قدرۃ اللہ تعالیٰ میں برابر ہیں۔ تخصیص معجزات عیسویہ کی کیا ہے پس متعین ہوا کہ مراد نزول ہے خاص کر جب کہ آیت وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ جو قطعی الدلالۃ ہے اور احادیث صحیحہ بخاری ومسلم اس کی تفسیر واقع ہوگئی ہیں تو اس حیثیت سے یہ آیت بھی قطعی الدلالت حیات مسیح پر ہوگئی **دلیل پنجم** آیت وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا [4]

[1] النساء :۱۶۰ [2] النساء : ۱۵۸،۱۵۹ [3] الزخرف: ۶۲ [4] الحشر:۸

﴿۴۸﴾ ہے موافق اس آیت کے جو احادیث صحیحہ کی طرف رجوع کی گئی تو بکثرت اس باب میں احادیث صحیحہ موجود ہیں جن کا تواتر جناب مرزا صاحب نے ازالۃ الاوہام کے صفحہ ۵۵۷ میں تسلیم فرمایا ہے ان میں سے حدیث متفق علیہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی ہے قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والذی نفسی بیدہ لیوشکن ان ینزل فیکم ابن مریم حکما عدلا فیکسر الصلیب ویقتل الخنزیر ویضع الجزیۃ ویفیض المال حتی لایقبلہ احد حتی تکون السجدۃ الواحدۃ خیرا من الدنیا وما فیھا ثم یقول ابوھریرۃ فاقرءُ وا ان شئتم وان من اھل الکتاب الا لیؤمنن بہ قبل موتہ الآیۃ معنے حقیقی ابن مریم کے عیسیٰ بن مریم ہیں اور صارف یہاں کوئی موجود نہیں بلکہ آیت وَاِنْ مِّنْ اَھْلِ الْکِتٰبِ اس معنی کی تعیین کر رہی ہے پس نزول عیسیٰ علیہ السلام متعین ہوگیا۔ اس سے ظاہر یہی ہے کہ وہ زندہ ہیں ابن کثیر میں ہے۔ وقال ابن ابی حاتم حدثنا ابی حدثنا احمد بن عبدالرحمن حدثنا عبداللہ بن جعفر عن ابیہ حدثنا الربیع بن انس عن الحسن انہ قال فی قولہ تعالٰی انی متوفیک یعنی وفاۃ المنام رفعہ اللّٰہ فی منامہ قال الحسن قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم للیھود ان عیسٰی لم یمت وانہ راجع الیکم قبل یوم القیٰمۃ ۔ یہ حدیث اگرچہ مرسل ہے لیکن آیت وَاِنْ مِّنْ اَھْلِ الْکِتٰبِ اس کی صحت کی عاضد ہے یہ اخیر چار آیات اگرچہ ہر واحد ان میں سے بنفسہا دلیل قطعی حیاتِ مسیح علیہ السلام پر نہیں ہے مگر تاہم بہ نسبت ان تیس آیات کے جو جناب مرزا صاحب نے ازالۃ الاوہام میں واسطے اثبات وفات مسیح علیہ السلام کے لکھی ہیں۔ یہ آیات قوی الدلالت حیاتِ مسیح پر ہیں۔ باقی رہا یہ امر کہ جناب مرزا صاحب نے تیس آیات واسطے اثباتِ وفات مسیح علیہ السلام کے لکھی ہیں سو ان کا جواب اجمالی یہ ہے کہ یہ آیات تین قسم کی ہیں اول وہ جن میں لفظ توفی بالتخصیص حضرت مسیح کی نسبت واقع ہوا ہے۔ دوم وہ آیات جو عموماً سب انبیاء گزشتہ کی وفات پر دلالت کرتی ہیں سوم وہ آیات کہ نہ ان میں حضرت مسیح کی وفات کا خصوصاً ذکر ہے نہ عموماً صرف جناب مرزا صاحب نے ان سے محض اجتہاداً استنباط وفات کیا ہے قسم اول کا جواب یہ ہے کہ بعض فرض وتسلیم اس کے لفظ تــوفّــی کے معنے حقیقی موت وقبض روح کے ہیں اور دوسرے معنے مجازی ہیں ہم کہتے ہیں کہ آیۃ وَاِنْ مِّنْ اَھْلِ الْکِتٰبِ اِلَّا لَیُؤْمِنَنَّ بِہٖ قَبْلَ مَوْتِہٖ [1] سے جو قطعی الثبوت و قطعی الدلالۃ ہے حیات حضرت مسیح علیہ السلام کی ثابت ہوگئی تو اب یہ آیت صارف ہوگئی آیات مذکورہ کی معنی حقیقی سے اس لئے آیات تــو فّــی معنی مجازی پر محمول کی جاویں گی اور وہ معنی مجازی جو یہاں مراد ہو سکتے ہیں وہ اخذ تام و قبض ہے جس کو اردو

[1] النساء: ۱۶۰

﴿۲۹﴾

میں پورا لینا کہتے ہیں اور توفّی کا استعمال اخذ تام وقبض لغت سے ثابت ہے قاموس میں ہے واوفی علیه اشرف وفلانا حقه اعطاه وافیا توفاه واوفاه فاستوفاه و توفاه اور صحاح میں ہے اوفاه حقه ووفاه بمعنی ای اعطاه حقه وافیا و استوفی حقه و توفّاه بمعنیً ۔ مصباح المنیر میں ہے وتوفیته واستوفیته بمعنیً ۔ مجمع البحار میں ہے واستوفیت حقّی ای اخذته تاما ۔ صراح میں ہے ۔ ایفاء گزاردن حق کسے بتمام ویقال منه اوفاه حقه ووفاه استیفاء ۔ توفی تمام گرفتن حق ۔ اور قسطلانی میں ہے التوفی اخذ الشیء وافیا والموت نوع منه انتہٰی ۔ اور دوسرے معنے مجازی انامت ہیں جن کو اردو میں سلانا کہتے ہیں اور توفی بمعنی انامت قرآن مجید سے ثابت ہے فرمایا اللہ تعالیٰ نے سورہ زمر میں اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا فَيُمْسِكُ الَّتِيْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْاُخْرٰى[1] اور فرمایا سورہ انعام میں هُوَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِيْهِ لِيُقْضٰى اَجَلٌ مُّسَمًّى[2] اور قسم دوم کا جواب بعد تسلیم عمومات کے یہ ہے کہ آیت وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ جو قطعی الثبوت و قطعی الدلالة ہے ان آیات کی مخصص واقع ہوئی ہے اور قسم سوم کا جواب یہ ہے کہ اگر بالفرض تسلیم کیا جاوے کہ الفاظ فی نفسہا ان معانی کے بھی متحمل ہیں جو جناب مرزا صاحب نے بیان کئے ہیں لیکن آیت وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ جو قطعی الثبوت و قطعی الدلالۃ ہے ان احتمالات کو رد کرتی ہے لہٰذا وہ معانی باطل ہوئے صحیح معانی ان آیات کے وہ ہیں جو تفاسیر معتبرہ میں مذکور ہیں اور وہ موافق ہیں آیت وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ کے اور جواب تفصیلی ان آیات کا جن کو مرزا صاحب نے واسطے ثبوت وفات پیش کیا ہے ازالۃ الاوہام کے جواب میں انشاء اللہ

بہ بسط بسیط لکھا جاوے گا ۔ واخر دعوانا ان الحمدلله رب العلمین
والصلوٰة والسلام علی خیر خلقه محمد وآله وصحبه وسلم ۔

۱۹ ربیع الاول ۱۳۰۹ ہجری روز جمعہ

محمد بشیر عفی عنہ

---

[1] الزمر:۴۳ [2] الانعام: ۶۱

﴿۳۰﴾

حضرت اقدس مرزا صاحب

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡم

رَبَّنَا افۡتَحۡ بَیۡنَنَا وَبَیۡنَ قَوۡمِنَا بِالۡحَقِّ وَاَنۡتَ خَیۡرُ الۡفٰتِحِیۡنَ [1]۔ **اما بعد** چونکہ مولوی محمد بشیر صاحب نے اس عاجز سے سلسلہ بحث کا جاری کر کے باراده اثبات حیات حضرت مسیح ابن مریمؑ ایک طولانی تقریر لکھی ہے اس لئے میرے پر بھی واجب ہوا کہ اظہار حق کی غرض سے اس کا جواب لکھوں۔

سو پہلے میں صفائی بیان کیلئے اس قدر لکھنا مناسب سمجھتا ہوں کہ جیسا کہ حضرت مولوی صاحب موصوف کا خیال ہے یہ بات ہرگز صحیح نہیں ہے کہ مسئلہ وفات حیات مسیح میں بار ثبوت اس عاجز کے ذمہ ہو یہ طے شدہ بات ہے کہ دعویٰ کا ثبوت مدعی کے ذمہ ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ جب کسی کی وفات یا حیات کی نسبت جھگڑا ہو تو مدعی اس کو قرار دیا جائے گا جو امور مسلّمہ فریقین کو چھوڑ کر ایک نئی بات کا دعویٰ کرے مثلاً یہ بات فریقین میں مسلم ہے کہ عام قانون قدرت خدا تعالیٰ کا یہی جاری ہے کہ اس عمر طبعی کے اندر اندر جو انسانوں کیلئے مقرر ہے ہر یک انسان مر جاتا ہے اور خدا تعالیٰ نے بھی قرآن کریم کے کئی مواضع میں اس بات کو بتصریح بیان کیا ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے وَمِنۡکُمۡ مَّنۡ یُّتَوَفّٰی وَمِنۡکُمۡ مَّنۡ یُّرَدُّ اِلٰۤی اَرۡذَلِ الۡعُمُرِ لِکَیۡلَا یَعۡلَمَ مِنۡۢ بَعۡدِ عِلۡمٍ شَیۡئًا [2] یعنی تم پر دو ہی حالتیں وارد ہوتی ہیں ایک یہ کہ بعض تم میں سے قبل از پیرانہ سالی فوت ہو جاتے ہیں اور بعض ارذل عمر تک پہنچتے ہیں یہاں تک کہ صاحب علم ہونے کے بعد محض نادان ہو جاتے ہیں۔ اب اگر خلاف اس نص صریح کے کسی کی نسبت یہ دعویٰ کیا جائے کہ باوجود اس کے کہ عمر طبعی سے صدہا حصے زیادہ اس پر زمانہ گذر گیا مگر وہ نہ مرا اور نہ ارذل عمر تک پہنچا اور نہ ایک ذرہ امتداد زمانہ نے اس پر اثر کیا تو ظاہر ہے کہ ان تمام امور کا اس شخص کے ذمہ ثبوت ہوگا جو ایسا دعویٰ کرتا ہے یا ایسا عقیدہ رکھتا ہے کیونکہ قرآن کریم نے تو کسی جگہ انسانوں کیلئے یہ ظاہر نہیں فرمایا کہ بعض انسان ایسے بھی ہیں جو معمولی انسانی عمر سے صدہا درجہ زیادہ زندگی بسر کرتے ہیں اور زمانہ ان پر اثر کر کے ان کو ارذل عمر تک نہیں پہنچاتا اور ننکسہ فی الخلق کا مصداق نہیں ٹھہراتا پس جب کہ یہ عقیدہ ہمارے آقا و مولیٰ کی عام تعلیم سے صریح مخالف ہے تو صاف ظاہر ہے کہ جو شخص اس کا مدعی ہو ثبوت اسی کے ذمہ ہے۔ غرض حسب تعلیم قرآنی عمر طبعی کے اندر اندر مر جانا اور زمانہ کے اثر سے عمر کے مختلف حصوں میں گونا گوں تغیرات کا لحاظ ہونا یہاں تک کہ

[1] الاعراف:۹۰ [2] الحج: ٦

﴿۳۱﴾

بشرط زندگی ارذل عمر تک پہنچنا یہ ایک فطرتی اور اصلی امر ہے جو انسان کی فطرت کو لگا ہوا ہے جس کے بیان میں قرآن کریم بھرا ہوا ہے۔ سو جو شخص اس اصلی امر کے مخالف کسی کی نسبت دعویٰ کرتا ہے اثبات دعویٰ اس کے ذمہ ہے مثلاً زید جو تین سو برس سے مفقود الخبر ہے اس کی نسبت دو شخصوں کی کسی قاضی کی عدالت میں یہ بحث ہو کہ ایک اس کی نسبت یہ بیان کرتا ہے کہ وہ فوت ہو گیا اور دوسرا یہ بیان کرتا ہے کہ اب تک زندہ ہے۔ اب ظاہر ہے کہ قاضی ثبوت اس سے طلب کرے گا جو خوارق عادت زندگی کا قائل ہے اور اگر ایسا نہ ہو تو شرعی عدالتوں کا سلسلہ درہم برہم ہو جائے اب ہمارے اس تمام بیان سے ظاہر ہے کہ دراصل ہمارے ذمہ اس بات کا ثبوت نہیں کہ وفات جو ہر یک انسان کیلئے حد مقررہ فطرت تک ایک طبعی امر ہے اس کا ثبوت دیں بلکہ ہمارے فریق مخالف کے ذمہ یہ بار ثبوت ہے کہ ایک شخص حد مقررہ فطرت اللہ تک فوت نہیں ہوا بلکہ دراصل اب تک زندہ ہے اور صدہا برس کے مرور زمانہ نے اس پر ذرہ اثر نہیں کیا۔ ظاہر ہے کہ قرآن کریم میں کئی انبیاء وغیرہ کا ذکر کر کے ان کی موت کا کچھ بیان نہیں کیا تو کیا اس سے یہ ثابت ہو جائے گا کہ وہ ابتک زندہ ہیں بلکہ زندگی کسی کی جب ہی ثابت ہو گی کہ جب زندگی کا ثبوت دیا جائے گا ورنہ موت وحیات کے ترک ذکر سے موت ہی سمجھی جائے گی۔

اب جب کہ یہ بات فیصلہ پا چکی ہے کہ ہمارے ذمہ یہ بار ثبوت نہیں کہ مسیح ابن مریم جو اوروں کی طرح انسان تھا وہ کیوں اور انسانوں کی طرح عمر طبعی کے دائرے کے اندر اندر فوت ہو گیا بلکہ حضرت مولوی صاحب کے ذمہ یہ بارِ ثبوت ہے کہ مسیح ابن مریم انسان ہو کر اور تمام انسانوں کے خواص اپنے اندر رکھ کر ابتک برخلاف نصوص عامہ قرآنیہ وحدیثیہ وبرخلاف قانون فطرت مرنے سے بچا ہوا ہے اور زمانہ نے اس پر اثر کر کے ارذل عمر تک بھی نہیں پہنچایا۔ تو اب دیکھنا چاہیئے کہ مولوی صاحب نے اس بارہ میں کیا ثبوت دیا ہے۔ اور کن آیات **قطعیة الدلالة** اور احادیث صحیحہ متصلہ مرفوعہ کے کھلے کھلے منطوق سے اس عظیم الشان دعویٰ کو بپایہ ثبوت پہنچایا ہے۔ سو واضح ہو کہ مولوی صاحب نے سب سے پہلے یہ دلیل پیش کی ہے کہ سورۃ النساء کی یہ آیت کہ وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا [1] حضرت مسیح ابن مریم کی حیات جسمانی پر شاہد ناطق ہے اور چونکہ حضرت مولوی صاحب موصوف کے دل میں یہ دھڑکا تھا کہ یہ آیت تو ذوالوجوہ ہے اور تمام مفسر کئی کئی معنی اسکے کر گئے ہیں اور کسی مبسوط تفسیر میں اس کو ایک ہی معنے میں محدود نہیں رکھا گیا لہٰذا حضرت مولوی صاحب نے اس کو **قطعیة الدلالة** بنانے کیلئے

[1] النساء: ۱۶۰

﴿۳۲﴾ بہت سی کوشش کی ہے اور پوری جانفشانی سے ناخنوں تک زور لگایا ہے لیکن افسوس کہ وہ اس قصد میں ناکام رہے اور **قطعیۃ الدلالۃ** نہ بنا سکے بلکہ اور بھی شبہات ڈال دیئے۔

مولوی صاحب نے اس کامیابی کی امید پر کہ کسی طرح آیت موصوفہ بالا **قطعیۃ الدلالۃ** ہو جائے یہ ایک جدید قاعدہ بیان فرمایا ہے کہ آیت کے لفظ **لیؤمنن** میں نون تاکید ہے اور نون تاکید مضارع کو خالص استقبال کیلئے کر دیتا ہے۔ چنانچہ انہوں نے اپنے خیال میں اس مدعا کے اثبات کیلئے قرآن کریم سے نظیر کے طور پر کئی ایسے الفاظ نقل کئے ہیں جن کی وجہ سے ان کے زعم میں مضارع استقبال ہو گیا ہے۔ لیکن مجھے افسوس ہے کہ مولوی صاحب نے اس تفتیش میں ناحق وقت ضائع کیا کیونکہ اگر فرض کے طور پر یہ مان لیا جائے کہ آیت موصوفہ میں لفظ **لیؤمنن** استقبال کے ہی معنی رکھتا ہے پھر بھی کیونکر یہ آیت مسیح کی زندگی پر **قطعیۃ الدلالۃ** ہو سکتی ہے کیا استقبالی طور پر یہ دوسرے معنے بھی نہیں ہو سکتے کہ کوئی اہل کتاب میں سے ایسا نہیں جو اپنی موت سے پہلے مسیح پر ایمان نہیں لائے گا دیکھو یہ بھی تو خالص استقبال ہی ہے کیونکہ آیت اپنے نزول کے بعد کے زمانہ کی خبر دیتی ہے بلکہ ان معنوں پر آیت کی دلالت صریحہ ہے اس واسطے کہ دوسری قراءت میں یوں آیا ہے جو بیضاوی وغیرہ میں لکھی ہے **الا لیؤمنن به قبل موتهم** جس کا ترجمہ یہ ہے کہ اہل کتاب اپنی موت سے پہلے مسیح ابن مریم پر ایمان لے آویں گے۔ اب دیکھئے کہ **قبل موته** کی ضمیر جو آپ حضرت مسیح کی طرف پھیرتے تھے دوسری قراءت سے یہ معلوم ہوا کہ وہ حضرت مسیح کی طرف نہیں بلکہ اہل کتاب فرقہ کی طرف پھرتی ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ قراءت غیر متواترہ بھی حکم حدیث احاد کا رکھتی ہے اور آیات کے معنوں کے وقت ایسے معنے زیادہ تر قبول کے لائق ہیں جو دوسری قراءت کے مخالف نہ ہوں۔ اب آپ ہی انصاف فرمائیے کہ یہ آیت جس کی دوسری قراءت آپ کے خیال کو بکلی باطل ٹھہرا رہی ہے کیونکر **قطعیۃ الدلالۃ** ٹھہر سکتی ہے۔

ماسوا اس کے آپ نے جو نون ثقیلہ کا قاعدہ پیش کیا ہے وہ سراسر مخدوش اور باطل ہے۔ حضرت ہر ایک جگہ اور ہر ایک مقام میں نون ثقیلہ کے ملانے سے مضارع استقبال نہیں بن سکتا۔ قرآن کریم کیلئے قرآن کریم کی نظیریں کافی ہیں اگرچہ یہ سچ ہے کہ بعض جگہ قرآن کریم کے مضارعات پر جب نون ثقیلہ ملا ہے تو وہ استقبال کے معنوں پر مستعمل ہوئے ہیں۔ لیکن بعض جگہ ایسی بھی ہیں کہ حال کے معنے قائم رہے ہیں یا حال اور استقبال بلکہ ماضی بھی اشترا کی طور پر ایک سلسلہ متصلہ ممتدہ کی طرح مراد لئے گئے ہیں۔ یعنی ایسا سلسلہ جو حال یا ماضی سے شروع ہوا اور استقبال کی انتہا تک بلا انقطاع برابر چلا گیا۔

﴿۳۳﴾

پہلی آیات کی نظیر یہ ہے کہ اللہ جلّ شانہٗ فرماتا ہے فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ [۱] اب ظاہر ہے کہ اس جگہ حال ہی مراد ہے کیونکہ بمجرد نزول آیت کے بغیر توقف اور تراخی کے خانہ کعبہ کی طرف منہ پھیرنے کا حکم ہوگیا یہاں تک کہ نماز میں ہی منہ پھیر دیا گیا۔ اگر یہ حال نہیں تو پھر حال کس کو کہتے ہیں۔ استقبال تو اس صورت میں ہوتا کہ خبر اور ظہور خبر میں کچھ فاصلہ بھی ہوتا سو آیت کے یہ معنے ہیں کہ ہم تجھ کو اس قبلہ کی طرف پھیرتے ہیں جس پر تو راضی ہے سو تو مسجد حرام کی طرف منہ کر اور ایسا ہی یہ آیت وَانْظُرْ اِلٰٓى اِلٰهِكَ الَّذِيْ ظَلْتَ عَلَيْهِ عَاكِفًا ؕ لَنُحَرِّقَنَّهٗ [۲] الخ یعنی اپنے معبود کی طرف دیکھ جس پر تو معتکف تھا کہ اب ہم اس کو جلاتے ہیں۔ اس جگہ بھی استقبال مراد نہیں۔ کیونکہ استقبال اور حال میں کسی قدر بُعد زمان کا ہونا شرط ہے۔ مثلاً اگر کوئی کسی کو یہ کہے کہ میں تجھے دس روپیہ دیتا ہوں سو لے مجھ سے دس روپیہ تو اس سے یہ ثابت نہیں ہوگا کہ اس نے استقبال کا وعدہ کیا ہے بلکہ یہ کہا جائے گا کہ یہ سب کارروائی حال میں ہی ہوئی۔

اور دوسری آیات جو حال اور استقبال کے سلسلہ متصلہ ممتدہ پر اشتراکی طور پر مشتمل ہیں ان کی نظیر ذیل میں پیش کرتا ہوں۔ (۱) پہلی یہ آیت وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا [۳] یعنی جو لوگ ہماری راہ میں مجاہدہ کرتے ہیں اور کریں گے ہم ان کو اپنی راہیں دکھلا رہے ہیں اور دکھلائیں گے۔ صاف ظاہر ہے کہ اگر اس جگہ مجرد استقبال مراد لیا جائے تو اس سے معنے فاسد ہو جائیں گے اور یہ کہنا پڑے گا کہ یہ وعدہ صرف آئندہ کیلئے ہے اور حال میں جو لوگ مجاہدہ میں مشغول ہیں یا پہلے مجاہدات بجا لا چکے ہیں وہ خدا تعالیٰ کی راہوں سے بے نصیب ہیں۔ بلکہ اس آیت میں عادت مستمرہ جاریہ دائرہ میں الازمنة الثلثه کا بیان ہے جس کا حاصل مطلب یہ ہے کہ ہماری یہی عادت ہے کہ مجاہدہ کرنے والوں کو اپنی راہیں دکھلا دیا کرتے ہیں۔ کسی زمانہ کی خصوصیت نہیں بلکہ سنت مستمرہ دائرہ سائرہ کا بیان ہے جس کے اثر سے کوئی زمانہ باہر نہیں۔

(۲) دوسری یہ آیت كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ [۴] یعنی خدا مقرر کر چکا ہے کہ میں اور میرے رسول ہی غالب ہوتے رہیں گے۔ یہ آیت بھی ہر ایک زمانہ میں دائر اور عادت مستمرہ الٰہیہ کا بیان کر رہی ہے۔ یہ نہیں کہ آئندہ رسول پیدا ہوں گے اور خدا انہیں غالب کرے گا۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ کوئی زمانہ ہو حال یا استقبال یا گزشتہ سنت اللہ یہی ہے کہ رسول آخر کار غالب ہی ہو جاتے ہیں۔

(۳) تیسری آیت یہ ہے۔ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً

[۱] البقرة:۱۴۵ [۲] طٰہٰ : ۹۸ [۳] العنکبوت:۷۰ [۴] المجادلة : ۲۲

﴿۳۴﴾ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ [1] یعنی ہماری یہی عادت اور یہی سنت ہے کہ جو شخص عمل صالح بجا لاوے مرد ہو یا عورت ہو اور وہ مومن ہو ہم اس کو ایک پاک زندگی کے ساتھ زندہ رکھا کرتے ہیں اور اس سے بہتر جزا دیا کرتے ہیں جو وہ عمل کرتے ہیں۔ اب اگر اس آیت کو صرف زمانہ مستقبلہ سے وابستہ کر دیا جائے تو گویا اس کے یہ معنے ہوں گے کہ گزشتہ اور حال میں تو نہیں مگر آئندہ اگر کوئی نیک عمل کرے تو اس کو یہ جزا دی جائے گی۔ اس طور کے معنوں سے یہ ماننا پڑتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے آیت کے نزول کے وقت تک کسی کو حیاۃ طیبہ عنایت نہیں کی تھی فقط یہ آئندہ کیلئے وعدہ تھا۔ لیکن جس قدر ان معنوں میں فساد ہے وہ کسی عقل مند پر مخفی نہیں۔ (۴) چوتھی آیت یہ ہے وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ [2] یعنی وہ جو خدا تعالیٰ کی مدد کرتا ہے خدا تعالیٰ اس کی مدد کرتا ہے۔ اب حضرت دیکھئے اس آیت کے لفظ **لینصرنّ** کے آخر میں بھی نون ثقیلہ ہے۔ لیکن اگر اس آیت کے یہ معنی کریں کہ آئندہ کسی زمانہ میں اگر کوئی ہماری مدد کرے گا تو ہم اس کی مدد کریں گے تو یہ معنے بالکل فاسد اور خلاف سنت مستمرہ الٰہیہ ٹھہریں گے کیونکہ اللہ **جلّ شانہٗ** کی تو قدیم سے اور اسی زمانہ سے کہ جب بنی آدم پیدا ہوئے یہی سنت مستمرہ ہے کہ وہ مدد کرنے والوں کی مدد کرتا ہے۔ یوں کیونکر کہا جائے کہ پہلے تو نہیں مگر آئندہ کسی نامعلوم زمانہ میں اس قاعدہ کا پابند ہو جائے گا اور اب تک تو صرف وعدہ ہی ہے عمل درآمد نہیں۔ **سُبحانہٗ ھٰذا بھتان عظیم۔**

(۵) پانچویں آیت یہ ہے وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُدْخِلَنَّهُمْ فِي الصّٰلِحِيْنَ [3] یعنی ہماری یہی سنت مستمرہ قدیمہ ہے کہ جو جو لوگ ایمان لاویں اور عمل صالح کریں ہم ان کو صالحین میں داخل کر لیا کرتے ہیں۔ اب حضرت مولوی صاحب دیکھئے کہ **لندخلنّھم** میں بھی نون ثقیلہ ہے لیکن اگر اس جگہ آپ کی طرز پر معنی کئے جائیں تو اس قدر فساد لازم آتا ہے جو کسی پر پوشیدہ نہیں کیونکہ اس صورت میں ماننا پڑتا ہے کہ یہ قاعدہ آئندہ کیلئے باندھا گیا ہے اور اب تک کوئی نیک اعمال بجا لا کر صلحاء میں داخل نہیں کیا گیا۔ گویا آئندہ کیلئے گنہگار لوگوں کی توبہ منظور ہے اور پہلے اس سے دروازہ بند رہا ہے۔ سو آپ سوچیں کہ ایسے معنے کرنا کس قدر مفاسد کو مستلزم ہے۔ حضرت قرآن کریم میں اس کے بہت نمونے ہیں کہ نون ثقیلہ کے ساتھ مضارع کو بیان کر کے ازمنہ ثلاثہ اس سے مراد لئے گئے ہیں مجھے امید ہے کہ آپ اس سے انکار کر کے بحث کو طول نہیں دیں گے کیونکہ یہ تو اجلٰی بدیہات میں سے ہے انکار کی کوئی جگہ نہیں۔

اب میں آپ کے اس قاعدہ کو توڑ چکا کہ نون ثقیلہ کے داخل ہونے سے خواہ نخواہ اور ہر ایک

[1] النحل:۹۸ [2] الحج: ۴۱ [3] العنکبوت:۱۰

﴿۳۵﴾

جگہ خالص طور پر استقبال کے معنے ہی ہوا کرتے ہیں۔ اور آپ کو معلوم ہے کہ تمام مفسر قدیم وجدید جن میں عرب کے رہنے والے بھی داخل ہیں لیؤمننّ کے لفظ میں حال کے معنے بھی کرتے ہیں۔ معالم وغیرہ تفسیریں آپ کو معلوم ہیں حاجت بیان نہیں وہ لوگ بھی تو آخر قواعد دان اور علم ادب اور محاورہ عرب سے واقف تھے۔ کیا وہ آپ کے اس جدید قاعدہ سے بے خبر رہے۔ اور آپ نے تفسیر ابن کثیر کے حوالہ سے جو لکھا ہے کہ نزول عیسیٰ ہوگا اور کوئی اہل کتاب میں سے نہیں ہوگا جو اس کے نزول کے بعد اس پر ایمان نہیں لاوے گا یہ بیان آپ کیلئے کچھ مفید نہیں۔ اول تو آپ سے آیات **قطعیة الدلالة** اور احادیث صحیحہ متصلہ مرفوعہ کا مطالبہ ہے اور پھر اس قول کو **مانحن فیه** سے تعلق کیا ہے نزول سے کہاں سمجھا جاتا ہے جو آسمان سے نزول ہو خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ اَنۡزَلۡنَا الۡحَدِیۡدَ [۱] کہ ہم نے لوہا اتارا ہم نے لباس [۲] اتارا ہم نے یہ نبی [۳] اتارا ہم نے چارپائے [۴] گھوڑے گدھے وغیرہ اتارے۔ کیا کوئی ثابت کر سکتا ہے کہ یہ سب آسمان سے ہی اترے تھے۔ کیا کوئی حدیث صحیح مرفوع متصل مل سکتی ہے جس سے یہ ثابت ہو کہ یہ سب درحقیقت آسمان سے ہی اترے ہیں۔ پھر ہم نے تسلیم کیا کہ بخاری و مسلم وغیرہ میں نزول کا لفظ آیا ہے۔ مگر حضرت میں نہیں سمجھ سکتا کہ آپ اس لفظ سے کیا فائدہ اٹھا سکتے ہیں مسافر کے طور پر جو ایک شخص دوسری جگہ جاتا ہے اس کو بھی نزیل ہی کہتے ہیں۔ اور یہ بھی واضح رہے کہ آپ اس عاجز کے اعتراضات کو جو ازالہ اوہام میں آیا تھا موصوفہ بالا کے ان معنوں پر وارد ہوتے ہیں جو آپ کرتے ہیں اٹھا نہیں سکے بلکہ رکیک عذرات سے میرے اعتراضات کو اور بھی ثابت کیا۔ آپ کے نون ثقیلہ کا حال تو معلوم ہو چکا اور لیؤمننّ کے لفظ کی تعمیم بدستور قائم رہی اب فرض کے طور پر اگر آیت کے یہ معنی کئے جائیں کہ حضرت عیسیٰ کے نزول کے وقت جس قدر اہل کتاب ہوں گے سب مسلمان ہو جائیں گے جیسا کہ ابو مالک سے آپ نے روایت کیا ہے تو مجھے مہربانی فرما کر سمجھا دیں کہ یہ معنے کیونکر درست ٹھہر سکتے ہیں۔ آپ تسلیم کر چکے ہیں کہ مسیح کے دَم سے اس کے نزول کے بعد ہزارہا لوگ کفر کی حالت میں مریں گے۔ اب اگر آپ ان کفار کو جو کفر پر مر گئے مومن ٹھہراتے ہیں یا اس جگہ ایمان سے مراد یقین رکھتے ہیں تو اس دعوے پر آپ کے پاس دلیل کیا ہے۔ حدیث میں تو صرف کفر پر مرنا ان کا لکھا ہے یہ آپ نے کہاں سے اور کس جگہ سے نکال لیا ہے کہ کفر پر تو مریں گے مگر ان کو حضرت عیسیٰ کی رسالت پر یقین ہوگا اور کس نص قرآن یا حدیث سے آپ کو معلوم ہوا کہ اس جگہ ایمان

---

[۲] قَدۡ اَنۡزَلۡنَا عَلَیۡکُمۡ لِبَاسًا [۳] قَدۡ اَنۡزَلَ اللّٰہُ اِلَیۡکُمۡ ذِکۡرًا رَّسُوۡلًا۔

[۴] وَاَنۡزَلَ لَکُمۡ مِّنَ الۡاَنۡعَامِ ثَمٰنِیَۃَ اَزۡوَاجٍ۔

[۱] الحدید:۲۶ [۲] الاعراف:۲۷ [۳] الطلاق:۱۱-۱۲ [۴] الزمر:۷

﴿۳۶﴾ سے مراد حقیقی ایمان نہیں بلکہ یقین مراد ہے ظاہر لفظ ایمان کا حقیقی ایمان پر دلالت کرتا ہے اور صرف عن الظاہر کیلئے کوئی قرینہ آپ کے پاس چاہئے۔ جب کہ لفظ لفظ آیت میں یہ شبہات ہیں تو پھر آیت قطعیۃ الدلالت کیونکر ہوئی اگر آپ لیؤمننّ سے بغیر کسی قرینہ کے مجازی ایمان مراد لیں گے تو آپ کے مخالف کا حق ہوگا کہ وہ حقیقی معنی مراد لیوے آپ کو سوچنا چاہئے کہ ایسے ایمان سے فائدہ ہی کیا ہے اور مسیح کی خصوصیت کیا ٹھہری ایسا تو ہر ایک نبی کے زمانہ میں ہوا کرتا ہے کہ بد بخت لوگ زبان سے اس کے منکر ہوتے ہیں اور دل سے یقین کر جاتے ہیں۔ حضرت موسیٰ کی نسبت اللّٰہ جلّ شانہٗ فرماتا ہے وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ [1] یعنی انہوں نے موسیٰ کے نشانوں کا انکار کیا۔ لیکن ان کے دل یقین کر گئے اور ہمارے سید و مولےٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت فرماتا ہے يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ [2] یعنی کافر لوگ جو اہل کتاب ہیں ایسے یقینی طور پر اس کو شناخت کرتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو پس اگر ایمان سے مراد ایسا ہی ایمان ہے جو جَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ کا مصداق ہے تو پھر ہمارے علماء نے کیوں شور مچا رکھا ہے کہ اس وقت اسلام ہی اسلام ہو جائے گا بلا شبہ قرآن شریف کا یہ منشاء نہیں۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اس تاویل کو خود رکیک سمجھ کر اسی وجہ سے یہ دوسرا جواب دیا ہے کہ آیت کے یہ معنی ہیں کہ مسیح کی موت سے پہلے ایک زمانہ ایسا آوے گا کہ اس زمانہ کے اہل کتاب ان پر ایمان لے آویں گے اور اس زمانہ سے پہلے کفر پر مرنے والے کفر پر مریں گے۔ اب حضرت آپ انصافاً فرماویں کہ ان معنوں کو آپ کے ان معنوں سے جو آیت لیؤمنن کی نسبت آپ بیان فرماتے ہیں موافقت ہے یا مخالفت ابھی آپ قبول کر چکے ہیں کہ مسیح کے نزول کے بعد تمام اہل کتاب ان پر ایمان لے آویں گے اور اب آپ نے اس قبول کردہ بات سے رجوع کر کے یہ نئے معنے نکالے کہ نزول کے بعد ضروری نہیں کہ تمام کفار ایمان لے آویں بلکہ بہتیرے کفر پر بھی مریں گے حضرت آپ اس جگہ خود سوچیں کہ اِنْ کا حرف کل اہل کتاب کو ایمانداروں میں شامل کرتا ہے یا کسی کو باہر رکھتا ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ اِنْ کا لفظ تو ایسا کامل حصر کے لئے استعمال کیا جاتا ہے کہ اگر ایک فرد بھی باہر رہ جائے تو یہ لفظ بیکار اور غیر مؤثر ٹھہرتا ہے۔ اوّل تو آپ نے اِنْ کے لفظ سے زمانہ قبل از نزول کو باہر رکھا پھر آپ نے زمانہ بعد از نزول میں بھی اس کا پورا پورا اثر ہونے سے انکار کیا۔ تو پھر اس لفظ لانے کا فائدہ کیا تھا اور یہ تاویلیں آپ کو کسی حدیث یا آیت سے ملیں یا حضرت کا اپنا ہی ایجاد ہے۔

یا حضرت آپ ان آیتوں پر متوجہ ہوں شاید خدا تعالیٰ انہیں کا اثر آپکے دل پر ڈالے۔ اللّٰہ جلّشانہٗ

[1] النمل:۱۵ [2] الانعام: ۲۱

﴿۳۷﴾

فرماتا ہے۔ يٰعِيْسٰۤى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَىَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ[1] اب دیکھئے کہ قرآن کریم میں اللّٰہ جلّ شانہٗ کا صاف وعدہ ہے کہ قیامت کے دن تک دونوں فرقے متبعین اور کفار کے باقی رہیں گے۔ پھر کیونکر ممکن ہے کہ درمیان میں کوئی ایسا زمانہ بھی آوے کہ کفار بالکل زمین پر سے نابود ہوجائیں۔ پھر اللہ جلّ شانہٗ فرماتا ہے۔ فَاَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ[2] یعنی قیامت کے دن تک ہم نے یہود اور نصاریٰ میں عداوت ڈال دی ہے اب ظاہر ہے کہ اگر قیامت سے پہلے بھی ایک فرقہ ان دونوں میں سے نابود ہوجائے تو پھر عداوت کیونکر قائم رہے گی۔ حضرت ان نصوص صریحہ بیّنہ سے تو صاف طور پر ثابت ہوتا ہے کہ کفر کو اختیار کرنے والے قیامت کے دن تک رہیں گے۔ پھر اس کے یہ معنی کیونکر درست ٹھہر سکتے ہیں۔ کچھ سوچ کر جواب دیں۔

دوسری دلیل آپ نے یہ پیش کی ہے کہ يُكَلِّمُ النَّاسَ فِى الْمَهْدِ وَكَهْلًا[3] اور آپ کھل کے لفظ سے درمیانی عمر کا آدمی مراد لیتے ہیں۔ مگر یہ صحیح نہیں ہے۔ صحیح بخاری میں دیکھئے جو بعد کتاب اللہ اصح الکتب ہے اس میں کھل کے معنے جوان مضبوط کے لکھے ہیں اور یہی معنے قاموس اور تفسیر کشاف وغیرہ میں موجود ہیں اور سیاق سباق آیات کا بھی انہیں معنوں کو چاہتا ہے۔ کیونکہ اللہ جلّ شانہٗ کا اس کلام سے مطلب یہ ہے کہ حضرت مسیح ابن مریم نے خوردسالی کے زمانہ میں کلام کر کے اپنے نبی ہونے کا اظہار کیا پھر ایسا ہی جوانی میں بھر کر اور مبعوث ہو کر اپنی نبوت کا اظہار کرے گا سو کلام سے مراد وہ خاص کلام ہے جو حضرت مسیح نے ان یہودیوں سے کیا تھا جو یہ الزام ان کی والدہ پر لگاتے تھے اور جمع ہو کر آئے تھے کہ اے مریم تو نے یہ کیا کام کیا۔ پس یہی معنے منشاء کلام الٰہی کے مطابق ہیں اگر ادھیڑ عمر کے زمانہ کا کلام مراد ہوتا تو اس صورت میں یہ آیت نعوذ باللہ لغو ٹھہرتی گویا اس کے یہ معنے ہوتے کہ مسیح نے خوردسالی میں کلام کی اور پھر پیرانہ سالی کے قریب پہنچ کر کلام کرے گا اور درمیان کی عمر میں بے زبان رہے گا مطلب تو صرف اتنا تھا کہ دو مرتبہ اپنی نبوت پر گواہی دے گا منصف کیلئے صرف ایک بخاری کا دیکھنا ہی کافی ہے۔ پھر جس حالت میں آپ خود مانتے ہیں کہ یہ آیت قطعیۃ الدلالت نہیں اور جس آیت کا سہارا اس کو دیا گیا تھا وہ آپ کی مخالف ثابت ہوگئی تو پھر یہ آیت جو خود آپ کے اقرار سے قطعیۃ الدلالت نہیں کیا فائدہ آپ کو پہنچا سکتی ہے۔

تیسری دلیل آپ نے یہ پیش کی ہے کہ سورت نساء میں ہے وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا[4] آپ اس میں بھی قبول کرتے ہیں کہ یہ آیت قطعیۃ الدلات نہیں مگر باوجود

[1] اٰل عمران:۵۶ [2] المآئدۃ : ۱۵ [3] اٰل عمران :۴۷ [4] النّساء :۱۵۸، ۱۵۹

﴿۳۸﴾ اس کے آپ کے دل میں یہ خیال ہے کہ اس رفع سے رفع مع الجسد مراد ہے کیونکہ مَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ [1] کے ضمیر کا مرجع بھی روح مع الجسد ہے۔لیکن حضرت آپ کی یہ سخت غلطی ہے۔نفی قتل اور نفی مصلوبیت سے تو صرف یہ مدعا اللّٰہ جلّ شانہٗ کا ہے کہ مسیح کو اللّٰہ جلّ شانہٗ نے مصلوب ہونے سے بچالیا اور آیت بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ [2] اس وعدہ کے ایفا کی طرف اشارہ ہے جو دوسری آیت میں ہو چکا ہے اور اس آیت کے ٹھیک ٹھیک معنے سمجھنے کیلئے اس آیت کو بغور پڑھنا چاہئے۔جس میں رفع کا وعدہ ہوا تھا اور وہ آیت یہ ہے يٰعِيْسٰٓى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَىَّ [3] حضرت اس رافعک الیّ میں جو رفع کا وعدہ دیا گیا تھا یہ وہی وعدہ ہے جو آیت بل رفعہ اللّٰہ الیہ میں پورا کیا گیا اب آپ وعدہ کی آیت پر نظر ڈال کر دیکھئے کہ اس کے پہلے کون لفظ موجود ہیں تو فی الفور آپ کو نظر آ جائے گا کہ اس سے پہلے اِنّی متوفّیک ہے اب ان دونوں آیتوں کے ملانے سے جن میں سے ایک وعدہ کی آیت اور ایک ایفاء وعدہ کی آیت ہے آپ پر کھل جائے گا کہ جس طرز سے وعدہ تھا اسی طرز سے وہ پورا ہونا چاہئے تھا یعنی وعدہ یہ تھا کہ اے عیسیٰ میں تجھے مارنے والا ہوں اور اپنی طرف اٹھانے والا ہوں اس سے صاف کھل گیا کہ ان کی روح اٹھائی گئی ہے کیونکہ موت کے بعد روح ہی اٹھائی جاتی ہے نہ کہ جسم۔خدا تعالیٰ نے اس آیت میں یہ نہیں کہا کہ میں تجھے آسمان کی طرف اٹھانے والا ہوں بلکہ یہ کہا کہ اپنی طرف اٹھانے والا ہوں اور جو لوگ موت کے ذریعہ سے اس کی طرف اٹھائے جاتے ہیں اسی قسم کے لفظ ان کے حق میں بولے جاتے ہیں کہ وہ خدا تعالیٰ کی طرف اٹھائے گئے یا خدا تعالیٰ کی طرف رجوع کر گئے جیسا کہ اس آیت میں بھی ہے يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِىْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً فَادْخُلِىْ فِىْ عِبٰدِىْ وَادْخُلِىْ جَنَّتِىْ [4] اور جیسا کہ اس آیت میں اشارہ ہے اِنّا للّٰہ و اِنّا اِلیہ راجعون۔

چوتھی دلیل آپ نے یہ پیش کی ہے کہ اللّٰہ جلّ شانہٗ فرماتا ہے وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا [5] اس جگہ بھی آپ مان گئے ہیں کہ یہ آیت آپ کے مطلب پر **قطعیۃ الدلالت** نہیں ہے۔لیکن میں آپ کو محض للہ یاد دلاتا ہوں کہ اس آیت کو حضرت مسیح کے دوبارہ نزول سے شکی طور پر بھی کچھ تعلق نہیں بات یہ ہے کہ حضرت مسیح کے وقت میں یہودیوں میں ایک فرقہ صدوقی نام تھا جو قیامت سے منکر تھے پہلی کتابوں میں بطور پیشین گوئی کے لکھا گیا تھا کہ ان کو سمجھانے کے لئے مسیح کی ولادت بغیر باپ کے ہوگی اور یہ ان کے لئے ایک نشان قرار دیا گیا تھا جیسا کہ اللّٰہ جلّ شانہٗ دوسری آیت میں فرماتا ہے وَلِنَجْعَلَهٗٓ اٰيَةً لِّلنَّاسِ [6]

[1-2] النّساء:۱۵۸ [3] اٰل عمران : ۵۶ [4] الفجر:۲۸تا۳۱ [5] الزّخرف :۶۲ [6] مریم: ۲۲

﴿۳۹﴾

اسؔ جگہ الناس سے مراد وہی صدوقی فرقہ ہے جو اس زمانہ میں بکثرت موجود تھا چونکہ توریت میں قیامت کا ذکر بظاہر کسی جگہ معلوم نہیں ہوتا اس لئے یہ فرقہ مردوں کے جی اٹھنے سے بکلی منکر ہوگیا تھا۔ اب تک بائیبل کے بعض صحیفوں میں موجود ہے کہ مسیح اپنی ولادت کے رو سے بطور علم الساعة کے ان کیلئے آیا تھا۔ اب دیکھئے اس آیت کو نزول مسیح سے تعلق کیا ہے اور آپ کو معلوم ہے کہ مفسرین نے کس قدر جدا جدا طور پر اس کے معنے لکھے ہیں ایک جماعت نے قرآن کریم کی طرف ضمیر اِنَّهٗ کی پھیر دی ہے کیونکہ قرآن کریم سے روحانی طور پر مردے زندہ ہوتے ہیں اور اگر خواہ نخواہ تحکم کے طور پر اس جگہ نزول مسیح مراد لیا جائے اور وہی نزول ان لوگوں کیلئے جو آنحضرت صلعم کے عہد میں تھے نشان قیامت ٹھہرایا جائے تو یہ استدلال وجود قیامت تک ہنسی کے لائق ہوگا اور جن کو یہ خطاب کیا گیا کہ مسیح آخری زمانہ میں نزول کر کے قیامت کا نشان ٹھہرے گا۔ اب تم باوجود اتنے بڑے نشان کے قیامت سے کیوں انکاری ہوئے۔ وہ عذر پیش کر سکتے ہیں کہ دلیل تو ابھی موجود نہیں پھر یہ کہنا کس قدر عبث ہے کہ اب قیامت کے وجود پر ایمان لے آؤ شک مت کرو۔ ہم نے دلیل قیامت کے آنے کی بیان کر دی۔ دلیل پنجم آپ نے بیان فرمائی ہے کہ حدیث بخاری اور مسلم میں مسیح کے نزول کے بارے میں لکھا ہے اور ابوہریرہ نے اس تقریب پر فرمایا ہے **فاقرء وا ان شئتم وان من اھل الکتب الخ.** حضرت یہ کچھ دلیل نہیں نزول مسیح موعود سے کس کو انکار ہے اور فہم ابوہریرہ حجت کے لائق نہیں اور ابوہریرہ نے **فاقرء وا ان شئتم** میں شک کا لفظ استعمال کیا ہے۔ حضرت ابوہریرہ وہی صحابی ہیں جو حدیث **دخول فی النار** کو سن کر اس دھوکہ میں پڑے رہے جو ہم میں سے سب سے آخر مرنے والا دوزخ میں پڑے گا۔ پیش گوئی کو اجتہادی طور پر سمجھنے میں انبیاء نے بھی غلطی کھائی **فذھب وھلی** کی حدیث آپ کو یاد ہوگی پھر ابوہریرہ نے اگر غلطی سے پیشگوئی کے الٹے معنے سمجھ لئے تو کیا حجت ہو سکتی ہے۔

پھر آپ ابن کثیر سے یہ نقل کرتے ہیں کہ حسن سے روایت ہے کہ **ان عیسی لم یمت وانه راجع الیکم** یہ حدیث مرسل ہے پھر کیونکر **قطعیة الدلالت** ہوگی ماسوا اس کے یہ بخاری کی حدیث صحیح مرفوع متصل سے جو حضرت عیسیٰ کی وفات پر دلالت کرتی ہے اور نیز قرآن کی تعلیم سے مخالف ہے۔ پھر کیونکر سند کے لائق ہے۔

بعد اس کے آپ نے میرے دلائل وفات مسیح پر جرح کیا ہے۔ یہ جرح سراسر آپ کی عدم توجہ پر دلالت کرتی ہے میں اس وقت ایسے دلائل پیش کرنا نہیں چاہتا۔ آپ کے دلائل حیات مسیح کا فیصلہ کر کے پھر پیش کروں گا۔ **والحمد للّٰه اولا واٰخرًا وظاھرًا وباطنًا کل شیء فان ویبقی وجه ربک ذوالجلال والاکرام.**

﴿۴۰﴾

پرچہ نمبر۲ مولوی محمد بشیر صاحب

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

حامدًا و مصلّیًا مسلمًا. اللھم انصر من نصر الحق و خذل الباطل و اجعلنا منھم و اخذل من خذل الحق و نصر الباطل و لاتجعلنا منھم. امابعد واضح ہو کہ جناب مرزا صاحب نے بہت امور کا جواب اپنی تحریر میں نہیں دیا ہے۔ ناظرین کو مطالعہ سے معلوم ہو جائے گا اور اصل اور عمدہ بحث خاکسار کی تحریر میں نون تاکید کی ہے۔ جناب مرزا صاحب نے اس کے جواب میں نہ کوئی عبارت کسی کتاب نحو کی نقل کی اور نہ ان عبارات میں جو خاکسار نے نقل کی تھیں کچھ جرح کی فقط۔ اور یہ امر بھی مخفی نہ رہے کہ میری اصل دلیل حیات مسیح علیہ السلام پر آیت اُولیٰ ہے میرے نزدیک یہ آیت اس مطلوب پر دلالت کرنے میں قطعی ہے۔ دوسری آیات محض تائید کے لئے لکھی گئی ہیں۔ جناب مرزا صاحب کو چاہئے کہ اصل بحث آیت اُولیٰ کی رکھیں دوسری ابحاث کو تبعی و استطرادی تصور فرماویں فقط۔

قولہ۔ یہ بات ہرگز صحیح نہیں ہے کہ مسئلہ وفات حیات مسیح میں بارِ ثبوت اس عاجز کے ذمہ ہو۔

اقول۔ اس میں کلام ہے بچند وجوہ۔ اوّل یہ کہ جب حسب ارشاد آپ کے بار ثبوت حیات خود خاکسار نے اپنے ذمہ لے لیا ہے۔ تو اب یہ بحث بے فائدہ ہے۔ دوم بار ثبوت وفات کا آپ کے ذمہ نہ ہونا خاکسار کی سمجھ میں نہیں آتا ہے کیونکہ آپ نے توضیح مرام میں دعویٰ کیا ہے کہ حضرت مسیح دنیا میں نہ آویں گے اور جو دلیل اس پر پیش کی ہے حاصل اس کا یہ ہے کہ مسیح وفات پا چکے اور جو کوئی وفات پا چکتا ہے وہ جنت میں داخل ہو جاتا ہے اور جو جنت میں داخل ہو جاتا ہے وہ جنت سے نکالا نہیں جاتا۔ پس یہ دلیل متضمن تین مقدموں کو ہے اور دلیل کے ہر مقدمہ کا بار ثبوت مدعی کے ذمہ ہوتا ہے۔ سوم آپ نے اپنے خط موسومہ مولوی محمد حسین صاحب نمبر ۱۲ میں لکھا ہے۔ جناب آپ خوب جانتے ہیں کہ اصل امر اس بحث میں جناب مسیح ابن مریم کی وفات یا حیات ہے اور میرے الہام میں بھی یہی اصل قرار دیا گیا ہے کیونکہ الہام یہ ہے کہ مسیح ابن مریم رسول اللہ فوت ہو چکا ہے اور اس کے رنگ میں ہو کر وعدہ کے موافق تو آیا ہے سو پہلا اور اصل امر الہام میں بھی یہی ٹھہرایا گیا ہے کہ مسیح ابن مریم فوت ہو چکا ہے۔ پس وفات مسیح ابن مریم آپ کا مستقل دعویٰ ہے اس لئے بار ثبوت وفات آپ کے ذمہ ہے۔ بالجملہ بار ثبوت وفات دو حیثیت سے آپ کے ذمہ ہے۔ ایک اس حیثیت سے کہ یہ اصل دعویٰ آپ کا ہے۔ دوسرے اس حیثیت سے کہ مسیح موعود ہونے کے دعویٰ کی

﴿۴۱﴾

دلیل کا یہ ایک مقدمہ ہے۔ چہارم اگر بار ثبوت آپ کے ذمہ نہیں ہے تو یہ کام عبث آپ نے کیوں کیا کہ آپ نے ادلّہ وفات مسیح توضیح مرام وازالۃ الاوہام میں بہ بسط تمام بیان کئے۔

قولہ۔مولوی صاحب نے اس کامیابی کی امید پر کہ کسی طرح آیت موصوفہ بالا **قطعیۃ الدلالت** ہو جاوے یہ ایک جدید قاعدہ بیان فرمایا ہے کہ آیت کے لفظ لیومنن میں نون تاکید ہے۔ اور نون تاکید مضارع کو خالص استقبال کیلئے کر دیتا ہے۔ **اقول** اس قاعدہ کو جدید قاعدہ کہنا نہایت محل استبعاد ہے۔ اگر مرزا صاحب میری ہی تحریر کو غور سے پڑھ لیتے تو معلوم ہو جاتا کہ ازہری اور ملا جامی اور عبدالحکیم اور صاحب مغنی اور شیخ زادہ نے اس قاعدہ کی تصریح کی ہے اور سب کتب نحو میں یہ قاعدہ مرقوم ہے کسی نے اس میں خلاف نہیں کیا یہاں تک کہ میزان خوان اطفال بھی جانتے ہیں کہ نون تاکید مضارع کو بمعنی استقبال کر دیتا ہے۔ **قولہ**۔چنانچہ انہوں نے اپنے خیال میں اس مدعا کے اثبات کیلئے قرآن کریم سے نظیر کے طور پر ایسے الفاظ نقل کئے ہیں جن کی وجہ سے ان کے زعم میں مضارع استقبال ہو گیا ہے۔ **اقول**۔خاکسار کی اصل دلیل اتفاق ائمہ نحات کا ہے اس قاعدہ پر۔ اس کا جواب مرزا صاحب نے مطلق نہیں دیا۔ ہاں آیات اس قاعدہ کی تائید کیلئے البتہ لکھی گئی ہیں۔ مرزا صاحب پر واجب ہے کہ اس قاعدہ کے توڑنے کیلئے کوئی عبارت کسی کتاب معتبر نحو کی پیش کریں۔

قولہ ۔کیا استقبال کے طور پر یہ دوسرے معنے بھی نہیں ہو سکتے کہ کوئی اہل کتاب میں سے ایسا نہیں جو اپنی موت سے پہلے مسیح پر ایمان نہیں لائے گا۔ **اقول**۔ مخفی نہ رہے کہ اس معنے کا مناط اس پر ہے کہ احتضار کے وقت ہر شخص پر وہ حق کھل جاتا ہے جس کو وہ نہ جانتا تھا جیسا کہ تفسیر ابن کثیر وغیرہ میں لکھا ہے اور یہ امر نفس الامر میں تینوں زمانوں کو شامل ہے یعنی نزول آیت کے قبل کے زمانہ اور وقت نزول کا زمانہ اور بعد کا زمانہ اب آیت اگر خالص استقبال کیلئے کیجئے گا تو یہ شبہ ہوگا کہ یہ امر زمانہ ماضی و حال کو شامل نہیں ہے اور یہ خلاف نفس الامر ہے پس اس کلام میں یہ عیب ہوا کہ خلاف نفس الامر کا موہم ہے اور فائدہ کوئی نہیں ہے کہ اگر کہا جاوے کہ اس آیت میں وعید ہے اہل کتاب کے لئے اور تحریض ہے ان کو ایمان لانے پر قبل اس کے کہ مضطر ہوں اس کی طرف جیسا کہ بیضاوی وغیرہ میں لکھا ہے اور اس وعید و تحریض سے وہی اہل کتاب متنفع ہو سکتے ہیں جو بعد نزول آیت کے مرنے والے ہیں نہ وہ جو پہلے مر چکے اور نہ وہ جو وقت نزول کے زہوق روح کی حالت میں تھے اس فائدہ کیلئے تخصیص استقبال کی گئی تو جواب یہ ہے کہ اگر ایسا لفظ اختیار کیا جاتا جو تینوں زمانوں کو شامل ہوتا تو یہی وعید و تحریض ان اہل کتاب کی حاصل ہوتی جو بعد نزول آیت کے مرنے والے ہیں۔

﴿۴۲﴾ اور خلاف نفس الامر کا بھی موہم نہ ہوتا۔ یعنی بجائے لیؤمننّ کے لفظ یؤمن اختیار کیا جاتا۔ یعنی یوں کہا جاتا وَاِنْ مِّنْ اَھْلِ الْکِتَابِ اِلَّا یؤمن بِہٖ قَبْلَ مَوْتِہٖ یہ عبارت ایسی عمدہ ہے کہ اس میں وعید وتحریض جو مطلوب ہے وہ بھی حاصل ہے اور موہم خلاف نفس الامر بھی نہیں ہے اور اختصار بھی حاصل ہے یعنی لام ونون نہیں ہے پس قرآن مجید کی بلاغت کی جو حد اعجاز کو پہنچ گئی ہے خلاف ہے کہ ایسی عمدہ عبارت چھوڑ کر بجائے اس کے لیومنن اختیار کیا جاوے کہ جس میں ایہام خلاف نفس الامر ہے اور اطناب بلا فائدہ اور یہ سب محذور خالص معنے استقبال پر حمل کرنے سے پیدا ہوتا ہے۔ محصل کلام اس مقام پر یہ ہے کہ معنے دوم آیت کے بہر تقدیر باطل ہیں اگر خالص استقبال پر محمول کیجئے تو کلام حق تعالیٰ جو بلاغت میں حد اعجاز کو پہنچ چکا ہے بلاغت سے گرا جاتا ہے اور اگر خالص استقبال پر محمول نہ کیجئے تو مخالف ہوتا ہے قاعدہ مجمع علیہا نحاۃ کے۔

قولہ۔ بلکہ ان معنوں پر آیت کی دلالت صریحہ ہے اس واسطے کہ دوسری قراءت میں یوں آیا ہے جو بیضاوی وغیرہ میں لکھا ہے۔ اِلَّا لَیُؤْمِنُنَّ بِہٖ قَبْلَ مَوْتِھِمْ ۔**اقول**۔ اس میں کلام ہے بچند وجوہ۔ **اول** یہ کہ اس قراءت کی بناء پر بھی معنی دوم صحیح نہیں ہوتے ہیں کیونکہ لیؤمننّ کو یا تو خالص استقبال پر محمول کیا جائے گا تو کلام حق تعالیٰ جو بلاغت میں حد اعجاز کو پہنچ گیا ہے۔ بلاغت سے نازل ہوا جاتا ہے اور اگر خالص استقبال پر محمول نہ کیجئے تو مخالف ہوتا ہے قاعدہ مجمع علیہا نحاۃ کے۔ **دوم** یہ کہ یہ قراءت ہمارے معنے کے مخالف نہیں ہے کیونکہ اس قراءت پر یہ معنی ہیں کہ ہر اہل کتاب اپنے مرنے سے پہلے زمانہ آئندہ میں مسیح پر ایمان لاوے گا اور یہ معنے معنے اول کے ساتھ جمع ہو سکتے ہیں اس طرح پر کہ زمانہ آئندہ سے زمانہ نزول حضرت عیسٰی علیہ السلام مراد لیا جاوے۔ **سوم** یہ کہ یہ قراءت غیر متواترہ ہے اور قراءت غیر متواترہ عموماً قابل احتجاج نہیں ہے بلکہ جب بسند صحیح متصل منقول ہو اور یہاں سند متصل صحیح اسکی مرزا صاحب نے تحریر نہیں فرمائی۔ مرزا صاحب پر واجب ہے کہ اسکی سند بیان فرماویں اور اس کے سب رجال کی توثیق کریں۔ ودونہ خرط القتاد۔ **چہارم** یہ کہ مرزا صاحب نے قبل موتہٖ کی ضمیر توضیح المرام اور ازالۃ الاوہام میں جو الہامی ہیں حضرت عیسٰی علیہ السلام کی طرف راجع کی ہے اور یہ قراءت اس خیال کو بکلی باطل ٹھہرا رہی ہے۔ مرزا صاحب یہ تو خیال فرماویں کہ وہ معنے کہ جس کی تصحیح وتقویت کے وہ آپ درپے ہیں اور یہ محض بغرض توڑنے دعویٰ اس خاکسار کے ہے وہ خود نفس الامر میں ان کے نزدیک غیر صحیح ہیں کیونکہ اس تقدیر پر استدلال ان کا موت مسیح پر آیت وَاِنْ مِّنْ اَھْلِ الْکِتٰبِ سے مطلق غیر صحیح ٹھہرتا ہے پس کیا یہی مقتضائے دیانت وانصاف ہے کہ جس چیز کو وہ خود نفس الامر

﴿۴۳﴾

میں غیر صحیح جانتے ہیں اس کو بمقابلہ خصم صحیح بناویں یہ تو مناظرہ نہ ہوا محض مجادلہ ٹھہرا۔

قولہ۔ پہلی آیات کی نظیر یہ ہے کہ اللہ جلّ شانہٗ فرماتا ہے۔ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰهَا ۠ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ [۱] اب ظاہر ہے کہ اس جگہ حال مراد ہے۔ **اقول** قرآن مجید میں **فلنولینک** ہے نہ **ولنولینّک** جیسا کہ مرزا صاحب لکھتے ہیں یہاں ارادہ حال غلط محض ہے بلکہ یہاں خالص مستقبل مراد ہے بچند وجوہ۔ **اول** یہ کہ بیضاوی میں مرقوم ہے **فـــول وجھک اصـرف وجھک شطر المسجد الحرام نحوہ** ۔عبدالحکیم **اصرف وجھک** کے تحت میں لکھتے ہیں **ولـم یـجـعـلہ من المتعدی الی المفعولین بان یکون شطر مفعولہ الثانی لان تـرتبـہ بـالفاء و کونہ انجازا للوعد بان اللہ تعالٰی یجعل النبی مستقبلا القبلۃ او قریبا من سمتھا بان یامر بالصلٰوۃ الیھا یناسبہ ان یکون النبی مامورا بصرف الوجہ الیھا لا بان یجعل نفسہ مستقبلا ایاھا اوقریبا من جھتھا** ۔ انتھٰی۔ اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ نے اپنے **قـول فلنولّینّک** میں وعدہ فرمایا۔ اور **فول وجھک** کے ساتھ اس کا انجاز کیا۔ **دوم** یہ کہ اگر یہاں حال مراد لیا جائے تو **فـلـنـولینّک** کے یہ معنے ہوں گے پس البتہ پھیرتے ہیں ہم تجھ کو اور پھیرنے سے یہ تو مراد ہی نہیں کہ ہم تجھ کو ہاتھ پکڑ کے قبلہ کی طرف پھیرتے ہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ ہم تجھ کو قبلہ کی طرف پھیرنے کا حکم کرتے ہیں۔ اس تقدیر پر قول اللہ تعالیٰ کا **فول وجھک** زاید ولا طایل ہوگا۔ **سوم** یہ کہ شاہ ولی اللہ صاحب و شاہ رفیع الدین صاحب و شاہ عبدالقادر صاحب نے ترجمہ اس لفظ کا بمعنے مستقبل کیا ہے۔ عبارت شاہ ولی اللہ صاحب کی یہ ہے۔ پس البتہ متوجہ گردانیم ترا بآں قبلہ کہ خوشنود شوی۔ لفظ شاہ رفیع الدین صاحب کا یہ ہے۔ پس البتہ پھیریں گے ہم تجھ کو اس قبلہ کو کہ پسند کرے اس کو۔ لفظ شاہ عبدالقادر کا یہ ہے۔ سو البتہ پھیریں گے تجھ کو جس قبلہ کی طرف تو راضی ہے۔ **قولہ** اور ایسا ہی یہ آیت وَانْظُرْ اِلٰۤى اِلٰهِكَ الَّذِیْ ظَلْتَ عَلَیْهِ عَاكِفًا ؕ لَنُحَرِّقَنَّهٗ [۲] **اقـول** ارادہ حال اس آیت میں غلط ہے بدو وجہ **اوّل** یہ کہ آیت میں وعید ہے اور جس چیز کی وعید کی جاتی ہے وہ اس کے بعد متحقق ہوتی ہے۔ پس استقبال یہاں متعین ہوا۔ **دوم** یہ کہ تراجم ثلاثہ سے معنے استقبال واضح ہیں۔ عبارت شاہ ولی اللہ صاحب کی یہ ہے۔ البتہ بسوزانیم آنرا پس پراگندہ سازیم آنرا۔ لفظ شاہ رفیع الدین صاحب کا یہ ہے۔ ابھی جلاویں گے ہم اس کو پھر اڑاویں گے ہم اس کو۔ لفظ شاہ عبدالقادر صاحب کا یہ ہے ہم اس کو جلاویں گے پھر بکھیر دیں گے۔ ان دونوں آیتوں میں جو مرزا صاحب نے حال کے معنی سمجھے تو منشاء غلط یہ معلوم ہوتا ہے کہ استقبال دو طرح کا ہوتا ہے ایک استقبال قریب دوسرا استقبال بعید مرزا صاحب استقبال قریب کو قرب کی وجہ سے حال سمجھ گئے ہیں **وھٰذا بـعـیـد مـن**

[۱] البقرۃ:۱۴۵ [۲] طٰہٰ:۹۸

﴿۴۴﴾

شان المحصلین ۔واضح ہو کہ آپ نے جو آیات مذکورہ میں سے بعض کو حال پر اور بعض کو استمرار پر محمول کیا ہے اس میں آپ متفرد ہیں اور محض اپنی رائے سے فرماتے ہیں یا سلف وخلف امت میں سے کسی نے یہ معنے کئے ہیں۔ **بیّنوا توجروا** ۔**قولہ** اور دوسری آیات جو حال اور استقبال کے سلسلہ متصلہ ممتدہ پر استمرار کے طور پر مشتمل ہیں۔ان کی نظیر ذیل میں پیش کرتا ہوں پہلی یہ آیت وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا[1] ۔**اقول** اس میں کلام ہے بدو وجہ **اوّل** یہ کہ یہ امر مسلم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی یہ عادت مستمرہ ہے کہ مجاہدہ کرنے والوں کو اپنی راہیں دکھلایا کرتا ہے لیکن یہاں اس عادت کا بیان مقصود نہیں۔مقصود بالذّات صرف وعدہ ہے اور امر موعود وعدہ کے بعد متحقق ہوتا ہے جیسا کہ خود مرزا صاحب نے آیت وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ کے معنے دوم کی تائید میں تصحیح خالص استقبال کی کی ہے حالانکہ اہل کتاب کا زہوق روح کے وقت ایمان لانا امر مستمر ہے خصوصیت کسی زمانہ کی اس میں نہیں ہے۔ **دوم** یہ کہ تراجم ثلاثہ تعین استقبال کرتے ہیں لفظ شاہ ولی اللہ صاحب کا یہ ہے۔ وآنانکہ جہاد کردند در راہ ما البتہ دلالت کنیم ایشاں را براہہائے خود۔عبارت شاہ رفیع الدین کی یہ ہے اور جن لوگوں نے کہ محنت کی بیچ راہ ہمارے کے البتہ دکھاویں گے ہم ان کو راہیں اپنی۔عبارت شاہ عبدالقادر صاحب کی یہ ہے اور جنہوں نے محنت کی ہمارے واسطے ہم سمجھا دیں گے ان کو اپنی راہیں۔ **قولہ** دوسری یہ آیت كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِىْ[2] **اقول** یہاں ارادہ استمرار قطعاً باطل ہے اور ارادہ استقبال متعین بدو وجہ۔اول یہ کہ بیضاوی میں لکھا ہے **كَتَبَ اللّٰهُ فِى اللَّوْحِ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِىْ ۔بالحجة** ظاہر ہے کہ لوح محفوظ میں جب لکھا ہے اس وقت اور اس سے پہلے غلبہ متصور نہیں ہے کیونکہ غلبہ کیلئے غالب ومغلوب ضروری ہے اس وقت نہ رسل تھے نہ ان کی امت تھی یہ سب بعد ان کے ہوئے ہیں۔دوم تراجم ثلاثہ استقبال پر دلالت کرتے ہیں۔لفظ شاہ ولی اللہ صاحب کا یہ ہے حکم کرد خدا البتہ غالب شوم من وغالب شوند پیغمبران من۔لفظ شاہ رفیع الدین صاحب کا یہ ہے لکھ رکھا ہے خدا نے البتہ غالب آوں گا میں اور پیغمبر میرے۔لفظ شاہ عبدالقادر صاحب کا یہ ہے۔اللہ لکھ چکا کہ میں زبر ہوں گا اور میرے رسول۔**قولہ** تیسری آیت یہ ہے مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ[3] ۔ **اقول** اس آیت میں بھی استقبال مراد ہے بچند وجوہ اول یہ کہ یہ وعدہ ہے۔تفسیر ابن کثیر میں مرقوم ہے **هذا وعد من اللّٰهِ تعالى فمن عمل صالحا وهو العمل المتابع لكتاب الله و سنة نبيه صلى الله عليه وسلم**

[1] العنکبوت:۷۰ [2] المجادلة:۲۲ [3] النحل:۹۸

﴿۴۵﴾

من ذکر او انثی من بنی آدم و قلبه مومن بالله ورسوله و ان هذا العمل المامور به مشروع من عند الله بان یحي الله حیوة طیبة فی الدنیا و ان یجزیه باحسن ماعمله فی الدار الاخرة. انتهی ۔اور جس کا وعدہ ہوتا ہے وہ چیز وعدہ کے بعد پائی جاتی ہے۔ **دوم** تراجم ثلاثہ سے استقبال معلوم ہوتا ہے۔ لفظ شاہ ولی اللہ صاحب کا یہ ہے ہر کہ عمل نیک کرد مرد باشد یا زن واُو مسلمان است ہرانیہ زندہ کنمش بزندگانی پاک۔ لفظ شاہ رفیع الدین صاحب کا یہ ہے جو کوئی کرے اچھا مردوں سے یا عورتوں سے اور وہ ہو ایمان والا پس البتہ زندہ کریں گے ہم اس کو زندگی پاکیزہ۔ عبارت شاہ عبدالقادر صاحب کی یہ ہے جس نے کیا نیک کام مرد ہو یا عورت ہو اور وہ یقین پر ہے تو اس کو ہم جلا دیں گے ایک اچھی زندگی۔ **قولہ**۔ چوتھی آیت یہ ہے وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ [۱] **اقول** یہاں استقبال مراد ہے بچند وجوہ۔ اول یہ کہ یہ وعدہ مہاجرین و انصار سے ہے قال البیضاوی وقد انجز وعده بان سلط المهاجرین و الانصار علی صنادید العرب و اکاسرة العجم و قیاصرتهم و اورثهم ارضهم و دیارهم انتهی ۔ اور جس کا وعدہ کیا جاتا ہے وہ چیز بعد زمانہ وعدہ کے پائی جاتی ہے۔ **دوم** یہ کہ تراجم ثلاثہ میں استقبال مصرح ہے۔ عبارت شاہ ولی اللہ صاحب کی یہ ہے۔ والبتہ نصرت خواہد داد خدا کسے را کہ قصد نصرت دین وے کند۔ لفظ شاہ رفیع الدین صاحب کا یہ ہے۔ اور البتہ مدد دیوے گا اللہ اس کو کہ مدد دیتا ہے اس کو۔ لفظ شاہ عبدالقادر صاحب کا یہ ہے۔ اور اللہ مقرر مدد کرے گا اس کی جو مدد کرے گا اس کی۔ **قولہ**۔ پانچویں آیت یہ ہے وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُدْخِلَنَّهُمْ فِي الصّٰلِحِيْنَ [۲] **اقول**۔ یہاں بھی مستقبل مراد ہے بدو وجہ اول یہ کہ یہ وعدہ ہے اور جس چیز کا وعدہ کیا جاتا ہے وہ وقت وعدہ کی متحقق نہیں ہوتی ہے بعد کو پائی جاتی ہے۔ **دوم**۔ تراجم ثلاثہ اس پر دال ہیں۔ عبارت شاہ ولی اللہ صاحب کی یہ ہے وآنانکہ ایمان آوردند و کارہائے شائستہ کردند۔ البتہ درآریم ایشاں را در زمرۂ شائستگان۔ لفظ شاہ رفیع الدین صاحب کا یہ ہے۔ اور وہ لوگ کہ ایمان لائے اور کام کئے اچھے البتہ داخل کریں گے ہم ان کو بیچ صالحوں کے۔ لفظ شاہ عبدالقادر صاحب کا یہ ہے۔ اور جو لوگ ایمان لائے اور بھلے کام کئے ہم ان کو داخل کریں گے نیک لوگوں میں۔ آپ کا محذور جب لازم آوے کہ یہ بیان ہو عادت کا بلکہ یہ تو وعدہ ہے۔ **قولہ**۔ اب میں آپکے اس قاعدہ کو توڑ چکا کہ نون ثقیلہ کے داخل ہونے سے خواہ نخواہ اور ہر ایک جگہ خاص طور پر استقبال کے معنے ہی ہوا کرتے ہیں۔ **اقول** بالا معلوم ہوا کہ آپ نے جتنی آیتیں ذکر کی ہیں

[۱] الحج :۴۱ [۲] العنکبوت:۱۰

﴿۴۶﴾

سبؔ میں مراد صرف معنے مستقبل ہیں نہ حال اور نہ استمرار۔ **قولہ** اور آپ کو معلوم ہے کہ تمام مفسرین قدیم وجدید جن میں عرب کے رہنے والے بھی داخل ہیں لیؤمنن کے لفظ کے حال کے معنے بھی کرتے ہیں۔ **اقول**۔ان لوگوں کے کلام میں کہیں تصریح حال کی نہیں ہے محتمل ہے کہ ان کی مراد استقبال ہو جیسا کہ آپ خود اوپر لکھ چکے ہیں۔ کیا استقبال کے طور پر دوسرے معنے بھی نہیں ہو سکتے کہ کوئی اہل کتاب میں سے ایسا نہیں جو اپنی موت سے پہلے مسیح پر ایمان نہیں لائے گا دیکھو یہ بھی تو خالص استقبال ہی ہے۔ اگر کوئی شبہ کرے کہ پھر اس دوسرے معنے کا رد قاعدہ مقررہ نحاۃ کے موافق کیسے ہوگا۔ تو جواب یہ ہے کہ بے شک اس صورت میں قاعدہ مقررہ کی بنا پر البتہ رد نہ ہو سکے گا بلکہ اس کا رد منوط ہوگا امر آخر پر جس کا ذکر اوپر ہو چکا یعنی یہ کہ اس صورت میں کلام الٰہی اعلیٰ درجہ بلاغت سے نازل ہوا جاتا ہے۔**فلیتأمل فانه احریٰ بالتأمل** ۔ **قولہ** اور آپ نے تفسیر ابن کثیر کے حوالہ سے جو لکھا ہے کہ نزول عیسیٰ ہوگا اور کوئی اہل کتاب میں سے نہیں ہوگا جو اس کے نزول کے بعد اس پر ایمان نہیں لائے گا۔ یہ بیان آپ کیلئے کچھ مفید نہیں الی قوله اور پھر اس قول کو مانحن فيه سے تعلق کیا ہے۔ **اقول** اس مقام پر آپ نے میرے کلام کو غور سے ملاحظہ نہیں فرمایا۔ میرا مطلب وہ نہیں ہے جو آپ سمجھے ہیں میرا مطلب تو عبارت ابن کثیر کی نقل سے صرف اس قدر ہے کہ یہ معنے جو میں نے اختیار کئے ہیں اس طرف ایک جماعت سلف میں سے گئی ہے اور یہ امر میری تحریر میں مصرح ہے۔ چنداں غور کا بھی محتاج نہیں ہے۔ **قولہ** واضح رہے کہ آپ اس عاجز کے اعتراضات کو جو ازالہ اوہام میں آیت موصوفہ بالا کے ان معنوں پر وارد ہوتے ہیں جو آپ کرتے ہیں اٹھا نہیں سکے بلکہ رکیک عذرات سے میرے اعتراضات کو اور بھی ثابت کر دیا۔ اقول میرے ادلّہ کا قوی ہونا ابھی ثابت ہو چکا۔ پس یہ آپ کا فرمانا بجائے خود نہیں ہے۔ **قولہ** آپکے نون ثقیلہ کا حال تو معلوم ہو چکا۔**اقول** آپ نے نون ثقیلہ کے بارہ میں جو کچھ تحریر فرمایا وہ سب هَبَآءً مُّنۢبَثًّا ہو گیا۔ **قولہ** اور لیؤمننّ کے لفظ کی تعمیم بدستور قائم رہی۔ **اقول** جب یہ امر ثابت ہو گیا کہ نون مضارع کو خالص استقبال کیلئے کر دیتا ہے تو اب تعمیم کہاں قائم رہی۔ **قولہ** اب فرض کے طور پر اگر آیت کے یہ معنے لئے جاویں کہ حضرت عیسیٰ کے نزول کے وقت جس قدر اہل کتاب ہوں گے سب مسلمان ہو جائیں گے جیسا کہ ابو مالک سے آپ نے روایت کیا ہے تو مجھے مہربانی فرما کر سمجھا دیں کہ یہ معنے کیونکر درست ٹھہر سکتے ہیں۔ **اقول** آپ نے اس معنے کی تقریر میں جو میرے نزدیک متعین ہیں تھوڑی سی خطا کی ہے۔ آیت کا مطلب یہ نہیں ہے کہ حضرت عیسیٰ کے

﴿۴۷﴾

نزول کے وقت جس قدر اہل کتاب ہوں گے سب مسلمان ہو جائیں گے۔ مطلب یہ ہے کہ حضرت عیسٰی کے نزول کے بعد اور ان کی موت سے پہلے ایک زمانہ ایسا ضرور ہوگا کہ اس وقت کے اہل کتاب سب مسلمان ہو جائیں گے اور ابو مالک کے کلام کا بھی یہی مطلب ہے ذرا غور سے ملاحظہ فرمایئے۔ **قولہ** آپ تسلیم کر چکے ہیں **الی قولہ** تو پھر اس لفظ کے لانے سے فائدہ کیا ہے۔ **اقول** حضرت من اس مقام پر بھی آپ نے میرے مطلب پر مطلق غور نہیں کیا اسلئے میں پھر اس کی تقریر کا اعادہ کرتا ہوں امید ہے کہ اگر آپ توجہ فرمائیں گے تو سمجھ میں آ جائے گا اور تسلیم بھی کر لیجئے گا۔ حاصل میری کلام کا یہ ہے کہ آپ کے اعتراض کا جواب بدوطور ہے اول یہ کہ آیت سے یہ نہیں ثابت ہوتا ہے کہ مسیح کے نزول کے بعد فوراً سب اہل کتاب ایمان لے آویں گے بلکہ یہ کہ بعد نزول مسیحؑ اور قبل موت مسیح ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ اس زمانہ میں سب اہل کتاب ایمان لے آویں گے۔ پس احادیث صحیحہ اس کی منافی نہ ہوئیں کیونکہ جو کفار مسیح کے دم سے مرنے والے ہوں گے وہ پہلے مریں گے باقی ماندہ سب ایمان لے آویں گے۔ دوم یہ کہ مراد ایمان سے یقین ہو نہ ایمان شرعی۔ اس تقدیر پر بھی احادیث صحیحہ آیت کے اس معنی کی معارض نہیں ٹھہرتی ہیں الحاصل مقصود دفع تعارض ہے جو آپ نے آیت کے معنے اور احادیث صحیحہ میں بیان فرمایا ہے آپ معلوم نہیں کہ کہاں سے کہاں چلے گئے غور کر کے جواب لکھا کیجئے۔ اب یہ انصاف سے غور کر کے فرمایئے کہ آپ کا یہ فرمانا کہ انُ کا لفظ تو ایسا کامل حصر کیلئے استعمال کیا جاتا ہے کہ اگر ایک فرد بھی باہر رہ جاوے تو یہ لفظ بے کار اور غیر مؤثر ٹھہرتا ہے کیسا بے محل ہے۔ کیونکہ جس زمانہ کے لئے یہ حصر کیا گیا ہے اس کی نسبت پورا حصر ہے اور ایسا ہی یہ فرمانا کہ اول تو آپ نے اِنُ کے لفظ سے زمانہ قبل از نزول کو باہر کیا۔ پھر اب زمانہ بعد از نزول میں بھی اس کا پورا پورا اثر ہونے سے انکار کیا تو پھر اس لفظ کے لانے سے فائدہ ہی کیا تھا محض بے موقع ہے کیونکہ خاکسار نے از خود زمانہ قبل از نزول کو باہر نہیں رکھا اور نہ زمانہ بعد از نزول میں پورا پورا اثر ہونے سے انکار کیا بلکہ یہ تو مقتضٰی نون ثقیلہ ولفظ **بعد موتہٖ** کا ہے جو کلام الٰہی میں واقع ہوا ہے اور ایسا ہی آپ کا یہ فرمانا کہ اب اگر ان کفار کو جو کفر پر مر گئے مومن ٹھہراتے ہیں یا اس جگہ ایمان سے مراد یقین رکھتے ہیں تو اس دعوے پر آپ کے پاس دلیل کیا ہے۔ محض بے ربط ہے۔ کیونکہ خاکسار اس مقام پر نہ مدعی ان کے ایمان کا ہے اور نہ مدعی اس امر کا ہے کہ مراد ایمان سے یقین ہے۔ مقصود اس مقام پر صرف رفع تناقض ہے جو آپ نے درمیان آیت و احادیث کے سمجھا ہے اس امر

﴿۴۸﴾ کے فیصلہ کیلئے خاکسار آپ کے دو معتقد خاص حکیم نورالدین صاحب اور مولوی سید محمد احسن صاحب امروہی کو حکم تسلیم کرتا ہے کہ آپ میری اس کلام کا مطلب بالکل نہیں سمجھے۔ **قولہ** یا حضرت آپ ان آیتوں پر متوجہ ہوں الی قولہ اب دیکھئے کہ قرآن مجید میں اللہ جلّ شانہٗ کا صاف وعدہ ہے کہ قیامت کے دن تک دونوں فرقے متبعین اور کفار باقی رہیں گے۔ **اقول** اس میں کلام ہے بدو وجہ اوّل یہ کہ آیت وَاِنۡ مِّنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ[۱] میں صاف وعدہ ہے کہ قبل موت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سب اہل کتاب مومن ہو جائیں گے پس یہ آیت مخصص ہے آیت وَجَاعِلُ الَّذِيۡنَ اتَّبَعُوۡكَ فَوۡقَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡۤا اِلٰى يَوۡمِ الۡقِيٰمَةِ[۲] کے۔ دوم احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ قبل قیامت سب شریر رہ جائیں گے جن پر قیامت قائم ہوگی۔ پس معلوم ہوا کہ آیت عام مخصوص البعض ہے۔ **قولہ** پھر اللہ جلّ شانہٗ فرماتا ہے۔ فَاَغۡرَيۡنَا بَيۡنَهُمُ الۡعَدَاوَةَ وَالۡبَغۡضَآءَ اِلٰى يَوۡمِ الۡقِيٰمَةِ[۳] اب ظاہر ہے کہ اگر قیامت کے پہلے ہی ایک فرقہ ان دونوں میں سے نابود ہو جاوے تو پھر عداوت کیونکر قائم رہے گی۔ **اقول** یہ آیت بھی عام مخصوص البعض ہے۔ مخصص اس کی آیت وَاِنۡ مِّنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ ہے۔ **قولہ**۔ دوسری آیت آپ نے پیش کی ہے۔ کہ يُكَلِّمُ النَّاسَ فِى الۡمَهۡدِ وَكَهۡلًا[۴] **اقول** کھل کے معنے میں فی الواقع اہل لغت نے اختلاف کیا ہے۔ اسی واسطے اس آیت کو قطعیۃ الدلالۃ لذاتھا نہیں کہا گیا بلکہ قطعیۃ الدلالۃ لغیرھا کہا گیا یعنی بانضمام آیت وَاِنۡ مِّنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ جو قطعیۃ الدلالت ہے یہ بھی قطعی ہو جاتی ہے اور آپ نے جو شبہ وَاِنۡ مِّنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ کے قطعیۃ الدلالت ہونے میں کیا ہے وہ بالکلیہ مرتفع ہو گیا۔ **قولہ** صحیح بخاری میں دیکھئے جو بعد کتاب اللہ اصح الکتب ہے اس میں کھل کے معنے جوان مضبوط کے ہیں۔ **اقول** عبارت بخاری یہ ہے وقال مجاھد الکھل الحلیم انتھی. آپ پر واجب ہے کہ یہ امر ثابت کیجئے کہ اس سے جوان مضبوط کس طرح سمجھا جاتا ہے۔ **قولہ** حضرت اس رَافِعُکَ اِلَیَّ میں جو رفع کا وعدہ دیا گیا ہے یہ وہی وعدہ تھا جو آیت بَلۡ رَفَعَهُ اللّٰهُ میں پورا کیا گیا۔ **اقول** مسلم ہے کہ آیت اِنِّیۡ مُتَوَفِّیۡکَ وَ رَافِعُکَ میں جو وعدہ تھا وہ آیت بل رفعہ اللہ میں پورا کیا گیا۔ لیکن انی متوفیک میں موت مراد ہونا غیر مسلم ہے جیسا کہ اس کی تقریر تحریر اول میں لکھ چکا ہوں اور آپ نے اس کا کچھ جواب نہیں دیا۔ **قولہ** نزول مسیح موعود سے کس کو انکار ہے۔ **اقول** آپ کو نزول عین عیسیٰ ابن مریم سے انکار ہے اور حالانکہ تحریر اول میں لکھا گیا ہے کہ حدیث میں لفظ ابن مریم جس کے معنے حقیقی عین ابن مریم ہے موجود ہے

[۱] النساء: ۱۶۰ [۲] اٰل عمران: ۵۶ [۳] المائدۃ: ۱۵ [۴] اٰل عمران: ۴۷

﴿۴۹﴾

اور صارف یہاں کوئی پایا نہیں جاتا ہے۔ آپ نے اس کا کچھ جواب نہ دیا۔ **قولہ** اور فہم ابو ہریرہ حجت کے لائق نہیں۔ **اقول** فہم ابو ہریرہ کو میں حجت نہیں کہتا ہوں استدلال تو لفظ ابن مریم سے ہے جو حدیث میں واقع ہے۔ **قولہ** یہ حدیث مرسل ہے۔ پھر کیونکر **قطعیة الدلالت** ہوگی۔ **اقول** اس حدیث کو **قطعیة الدلالت** نہیں کہا گیا ہے صرف تائید کیلئے لائی گئی ہے۔ **قولہ** یہ بخاری کی حدیث صحیح مرفوع متصل سے جو حضرت مسیح کی وفات پر دلالت کرتی ہے اور نیز قرآن کی تعلیم سے مخالف ہے۔
اقول ۔ آپ وہ حدیث صحیح مرفوع متصل بیان فرمائیے تا کہ اس میں نظر کی جاوے اور مخالفت تعلیم قرآن غیر مسلم ہے **ومن یدعی فعلیه البیان واخر دعوٰنا ان الحمد لله رب العلمین والصلٰوة والسلام علی خیر خلقه محمد واله واصحابه اجمعین**۔

محمد بشیر عفی عنہ تاریخ ۲۵/ اکتوبر ۱۸۹۱ء

نمبر۲

حضرت اقدس مرزا صاحب

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ۔ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۔ مٰلِکِ یَوۡمِ الدِّیۡنِ ۔ اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ ۔ اِہۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ ۔ صِرَاطَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡہِمۡ غَیۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَیۡہِمۡ وَ لَا الضَّآلِّیۡنَ ۔ آمین۔

امابعد واضح ہو کہ حضرت مولوی محمد بشیر صاحب نے اپنے جواب الجواب میں باوجود اس کے کہ اپنے ذمہ بار ثبوت حیات مسیح علیہ السلام قبول فرما چکے تھے۔ پھر اس عاجز کو مخاطب کر کے فرمایا ہے کہ وفات ابن مریم علیہ السلام کا بار ثبوت آپ کے ذمہ ہے۔ کیونکہ آپ کی طرف سے یہ مستقل دعویٰ ہے کہ حضرت مسیح وفات پا چکے اور اصل امر آپ کے الہام میں یہی ٹھہرایا گیا ہے کہ مسیح ابن مریم فوت ہو چکا ہے۔ اور اگر آپ کے ذمہ بار ثبوت نہیں تھا تو یہ عبث کام آپ نے کیوں کیا کہ توضیح مرام و ازالہ اوہام میں دلائل وفات مسیح بہ بسط تمام بیان کئے۔

میں کہتا ہوں کہ اس بات کو ادنیٰ استعداد کا آدمی بھی سمجھ سکتا ہے کہ بار ثبوت کسی امر متنازعہ فیہ کی نسبت اس فریق پر ہوا کرتا ہے کہ جو ایک امر کا کسی طور سے ایک مقام میں اقرار

﴿۵۰﴾ کر کے پھر کسی دوسری صورت اور دوسرے مقام میں اسی امر قبول کردہ کا انکار کر دیتا ہے سو وہ اپنے پہلے اقرار سے ہی پکڑا جاتا ہے اور اس مواخذہ کے لائق ٹھہر جاتا ہے کہ جس امر کو وہ کسی دوسری صورت یا دوسرے وقت اور مقام میں آپ ہی مانتا اور قبول کرتا تھا اب اس سے کیوں انکار کر کے ایک مستحدث اور نئے دعوے کی طرف رجوع کر گیا ہے سو واقعی اور حقیقی طور پر مدعی کا لفظ اس شخص پر بولا جاتا ہے جو اپنے پہلے اقرار سے منحرف ہو کر ایک نئے اور جدید امر کا دعویٰ کرتا ہے اور اسی وجہ سے بار ثبوت اس پر ہوتا ہے کیونکہ وہ اپنے منہ کے اقرار سے ہی اپنی جدت دعویٰ کا قائل ہوتا ہے۔ یعنی اس نے اس بات کو تسلیم کر لیا ہوا ہوتا ہے کہ یہ دعویٰ اس کا نیا ہے اور اس کے اس قدیم اقرار سے قطعاً مخالف ہے جس سے اب بھی اس کو انکار نہیں۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے کوئی کسی عدالت میں دعویٰ کرتا ہے کہ میں نے فلاں شخص سے ہزار روپیہ قرضہ لینا ہے اور خود اس بات کا اقرار کر دیتا ہے کہ فلاں تاریخ میں نے اس کو بطور قرضہ روپیہ دیا تھا اور اس تاریخ سے پہلے میرا اس سے کچھ واسطہ نہیں تھا اور یہ میرا دعویٰ نیا ہے جو فلاں تاریخ سے پیدا ہوا سو اسی وجہ سے وہ مدعی کہلاتا ہے اور ثبوت اس کے ذمہ ہوتا ہے کہ وہ بعد اس اقرار کے کہ فلاں تاریخ سے پہلے فلاں شخص میرا قرض دار نہیں تھا پھر مخالف اپنے اس پہلے بیان کے یہ دعویٰ کرتا ہے کہ فلاں تاریخ سے وہ میرا قرض دار ہے پس اس سے عدالت اسی وجہ سے ثبوت مانگتی ہے کہ وہ اپنے پہلے بیان کے مخالف دوسرا بیان کرتا ہے اور اس کے دعوے میں ایک جدت ہے جس کا وہ آپ ہی قائل ہے کیونکہ وہ خود قبول کر چکا ہے کہ ایک زمانہ ایسا بھی گذرا ہے جب کہ وہ شخص جس کو اب مقروض ٹھہرایا گیا ہے مقروض نہیں تھا۔ سو اس اقرار کے بعد انکار کر کے وہ اپنی گردن پر آپ بار ثبوت لے لیتا ہے۔ غرض واقعی اور حقیقی طور پر اسی شخص کو مدعی کہتے ہیں جو ایک صورت میں ایک بات کا اقرار کر کے پھر اسی بات کا انکار کرتا ہے اور بار ثبوت اس پر اسی وجہ سے ہوتا ہے کہ وہ اپنے پہلے اقرار کی وجہ سے پکڑا جاتا ہے تمام عدالتیں اسی اصول محکم کو پکڑ کر مدعی اور مدعا علیہ میں تمیز کرتی ہیں اگر یہ اصول مدنظر نہ ہو تو ایسا حاکم اندھے کی طرح ہوگا اور اس کو معلوم نہیں ہوگا کہ واقعی طور پر مدعی کون ہے اور مدعا علیہ کون۔ خلاصہ کلام یہ کہ مدعی ہونے کی فلاسفی یہی ہے جو ہم نے اس جگہ بیان کر دی ہے اور ظاہر ہے کہ بار ثبوت اسی پر ہوگا جو واقعی اور حقیقی طور پر مدعی ہو یعنی ایسی حالت رکھتا ہو کہ ایک صورت میں ایک بات کا اقرار کر کے پھر دوسری صورت میں برخلاف اس اقرار کے بیان کرے۔

﴿۵۱﴾

اب اس معیار کو نظر کے سامنے رکھ کر ہر یک منصف دیکھ لے کہ کیا واقعی طور پر حضرت مسیح ابن مریم کی وفات کے بارے میں اس عاجز کا نام مدعی رکھنا چاہیئے یا حضرت مولوی محمد بشیر صاحب اور ان کے ہم خیال مولوی سید محمد نذیر حسین صاحب وغیرہ حیات جسمانی مسیح ابن مریم کے بارے میں مدعی ٹھہرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ جو ہم مدعی کی تعریف ابھی بیان کر چکے ہیں یعنی یہ کہ حقیقی اور واقعی مدعی کیلئے ایسی حالت کا پایا جانا ضروری ہے کہ ایک صورت میں ایک بات کا علیٰ وجہ بصیرت ہمیشہ کیلئے اقرار کر کے پھر دوسری صورت میں اسی بات کا انکار کرے۔ یہ تعریف میرے پر صادق نہیں آ سکتی کیونکہ میرا بیان تو اس طرز پر نہیں کہ پہلے میں حضرت مسیح ابن مریم کی یہ غیر طبعی حیات قبول کر کے پھر اس سے انکار کر گیا ہوں تا بوجہ جدت دعویٰ اور مخالفت پہلے اقرار کے بار ثبوت میرے پر ہو لیکن مدعی ہونے کی یہ تعریف حضرت مولوی محمد بشیر صاحب اور ان کے گروہ پر صادق آتی ہے۔ کیونکہ پہلے ان کو اب تک اس بات کا اقرار ہے کہ یہ حیات مسیح کی جس کی نسبت دعویٰ ہے ایک غیر طبعی حیات ہے جو اللہ تعالیٰ کے عام قانون قدرت اور دائمی سنت اللہ سے مغائر و مخالف پڑی ہوئی ہے اور نہ صرف سنت اللہ کے مخالف بلکہ نصوص صریحہ بینہ قطعیہ قرآن کے بھی مخالف ہے کیونکہ قرآن کریم نے جو عام طور پر انسان کی بے ثباتِ ہستی کے بارے میں ہدایت فرمائی ہے وہ یہی ہے جو انسان اپنی عمر طبعی کی حد کے اندر مر جاتا ہے اور اگر جوانی اور درمیانی حالت میں نہیں تو ارذل عمر تک پہنچ کر اس کا خاتمہ ہوتا ہے اور زمانہ اس پر اثر کر کے اور انواع اقسام کے تغیرات اس پر وارد کر کے ارذل عمر تک اس کو پہنچاتا ہے یا وہ شخص پہلے ہی مر جاتا ہے۔ اس اقرار کے بعد مولوی صاحب موصوف اور ان کے گروہ کا یہ بیان ہے کہ مسیح ابن مریم جو انسان تھا اور انسانوں میں بلا کم و بیش داخل تھا اب تک نہیں مرا بلکہ صدہا برس سے زندہ چلا آتا ہے بڈھا بھی نہیں ہوا اور نہ ارذل عمر تک پہنچا اور نہ زمانہ نے کچھ بھی اس پر اثر کیا سو مولوی صاحب موصوف نے پہلے جس بات کا اقرار کیا تھا اسی بات کا پھر انکار کر دیا۔ اس لئے حسب قاعدہ متذکرہ بالا حقیقی اور واقعی طور پر وہ مدعی ٹھہر گئے۔ کیونکہ میں بیان کر چکا ہوں کہ حقیقی اور واقعی طور پر مدعی اس شخص کو کہا جاتا ہے کہ کسی امر کی نسبت ایک صورت میں اقرار کر کے پھر دوسری صورت میں اسی امر کا انکار کر دیوے۔ کیا مولوی صاحب فقہ کے قوانین پر نظر ڈال کر یا دنیوی عدالتوں کے مقدمات پر نگاہ کر کے کوئی نظیر پیش کر سکتے ہیں کہ کسی شخص کو حقیقی طور پر مدعی تو کہا جائے مگر وہ اس تعریف سے باہر ہو۔ اور اگر اس عاجز نے مسیح ابن

﴿۵۲﴾ مریمؑ کی وفات پر دلائل لکھے ہیں یا اس کی وفات کی نسبت اپنا الہام بیان کیا ہے تو اس کو حقیقی طور پر مدعی ہونے سے کیا تعلق ہے۔ وہ تمام دلائل تو محض بطریق تنزل لکھے گئے جیسے ایک مدعا علیہ کسی مدعی کا افترا ظاہر کرنے کیلئے کسی عدالت میں ایسی سند پیش کر دیوے جس سے اور بھی اس مدعی کی پردہ دری ہو تو کیا اس سے یہ سمجھا جائے گا کہ درحقیقت اس پر وہ تمام ثبوت پیش کرنا واجب ہو گیا جو ایک واقعی اور حقیقی مدعی پر واجب ہوتا ہے۔ افسوس ہے کہ مولوی صاحب نے اس مسئلہ شناخت مدعی و مدعا علیہ پر نظر غور نہیں کی۔ حالانکہ یہ ایک اہم مسئلہ ہے جو قاضیوں اور حکام اور علماؤں کو دھوکوں اور لغزشوں سے بچاتا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ مولوی صاحب نے یہ دعویٰ تو کر دیا کہ ہم حیات جسمانی مسیح ابن مریم آیات **قطعیة الدلالت** سے پیش کریں گے۔ لیکن بحث کے وقت اس دعوے سے نومیدی پیدا ہو گئی اس لئے اب اس طرف رخ کرنا چاہتے ہیں کہ دراصل مسیح ابن مریم کی حیات جسمانی ثابت کرنا ہمارے ذمہ نہیں۔ لہٰذا مولوی صاحب کو یاد رہے کہ جیسا کہ میں ابھی بیان کر چکا ہوں۔ حقیقی اور واقعی طریق عدالت یہی ہے کہ جو شخص حیات غیر طبعی مسیح ابن مریم کا مدعی ہے اسی پر واجب ہے کہ وہ آیات **قطعیة الدلالت** اور احادیث صحیحہ مرفوعہ سے حضرت مسیح کی حیات جسمانی ثابت کرے اور اگر ثابت نہ کر سکے تو یہ اول دلیل ہوگی کہ مسیح فوت ہو گیا بلاشبہ قوانین عدالت کے رو سے حقیقی اور واقعی طور پر آپ مدعی ہیں کیونکہ طبعی اور مسلّم امر کو چھوڑ کر ایک ایسا عقیدہ آپ نے اختیار کیا ہے جس کا ماننا اور قبول کرنا محتاج دلیل ہے۔ لیکن کسی انسان کا اپنی عمر طبعی تک مر جانا اور صدہا برس تک زندہ نہ رہنا محتاج دلیل نہیں بلکہ اس کے مرنے پر قانون قدرت اور سنت اللہ خود محکم دلیل ہے۔ غور فرماویں کہ اگر مثلاً کسی مفقود الخبر کی اٹھارہ سو برس تک خبر نہ ملے کہ وہ مرا ہے یا نہیں تو کیا اس سے یہ سمجھا جائے گا کہ وہ اب تک زندہ ہے اور کیا شریعت غرّا محمدیہ کسی تنازع کے وقت اس کی نسبت وہی احکام صادر کرے گی جو ایک زندہ کی نسبت صادر کرنے چاہئے۔ بیّنوا تُوجروا۔

پھر اس کے بعد آپ نے نصوص صریحہ بیّنہ قرآن اور حدیث سے نومید ہو کر دوبارہ آیت **لیؤمننّ** کے نون ثقیلہ پر زور مارا ہے اور جمہور مفسرین اور صحابہ اور تابعین سے تفرد اختیار کر کے محض اپنے خیال خام کی وجہ سے اس بات پر زور دیا ہے کہ یہ آیت بوجہ نون ثقیلہ کے خالص استقبال کیلئے ہو گئی ہے جس کے فقط یہی ایک معنے ہو سکتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ کے نزول کے بعد کسی خاص زمانہ کے لوگ سب کے

﴿۵۳﴾ سب ان پر ایمان لے آئیں گے اور ان معنوں پر زور دینے کے وقت آپ نے اپنی اس شرط کا کچھ خیال نہیں رکھا جو پہلے ہم دونوں کے درمیان قرار پا چکی تھی جو قال اللّٰہ اور قال الرّسول سے باہر نہیں جائیں گے اور نہ ان بزرگوں کی عزت اور مرتبت کا کچھ پاس کیا جو اہل زبان اور صرف اور نحو کو آپ سے بہتر جاننے والے تھے۔ صرف اور نحو ایک ایسا علم ہے جس کو ہمیشہ اہل زبان کے محاورات اور بول چال کے تابع کرنا چاہئے اور اہل زبان کی مخالفانہ شہادت ایک دم میں نحو وصرف کے بناوٹی قاعدہ کو رد کر دیتی ہے۔ ہمارے پر اللہ اور رسول نے یہ فرض نہیں کیا کہ ہم انسانوں کے خود تراشیدہ قواعد صرف ونحو کو اپنے لئے ایسا رہبر قرار دیدیں کہ باوجودیکہ ہم پر کافی اور کامل طور پر کسی آیت کے معنے کھل جائیں اور اس پر اکابر مومنین اہل زبان کی شہادت بھی مل جائے تو پھر بھی ہم اس قاعدہ صرف یا نحو کو ترک نہ کریں اس بدعت کے الزام کی ہمیں حاجت کیا ہے۔ کیا ہمارے لئے کافی نہیں کہ اللہ اور رسول اور صحابہ کرام ایک صحیح معنے ہم کو بتلاویں۔ نحو اور صرف کے قواعد **اطراد بعد الوقوع** ہے اور یہ ہمارا مذہب نہیں کہ یہ لوگ اپنے قواعد تراشی میں بکلی غلطی سے معصوم ہیں اور ان کی نظریں ان گہرے محاورات کلام الٰہی پر پہنچ گئی ہیں جس سے آگے تلاش اور تتبع کا دروازہ بند ہے میں جانتا ہوں کہ آپ بھی ان کو معصوم نہیں سمجھتے ہوں گے۔ آپ جانتے ہیں کہ قرآن کریم میں اِنْ ھٰذٰنِ لَسٰحِرٰنِ [1] بھی آیت موجود ہے۔ لیکن کیا آپ نظیر کے طور پر کوئی قول عرب قدیم کا پیش کر سکتے ہیں جس میں بجائے **ان ھذین** کے **ان ھذان** لکھا ہو۔ کسی نحوی نے آج تک یہ دعویٰ بھی نہیں کیا کہ ہم قواعد صرف ونحو کو ایسے کمال تک پہنچا چکے ہیں کہ اب کوئی نیا امر پیش آنا یا ہماری تحقیق میں کسی قسم کا نقص نکلنا غیر ممکن ہے۔ غرض التزام قواعد مخترعہ صرف ونحو کا حُجج شرعیہ میں سے نہیں۔ یہ علم محض از قبیل اطراد بعد الوقوع ہے اور ان لوگوں کی معصومیت پر کوئی دلیل شرعی نہیں مل سکتی۔ خواص علم لغت ایک دریا ناپیدا کنار ہے۔ افسوس کہ ہماری صرف ونحو کے قواعد مرتب کرنے والوں نے بہت جلد ہمت ہار دی اور جیسا کہ حق تفتیش کا تھا بجا نہیں لائے۔ اور کبھی انہوں نے ارادہ نہیں کیا اور نہ کر سکے کہ ایک گہری اور عمیق نظر سے قرآنی وسیع المفہوم الفاظ کو پیش نظر رکھ کر قواعد تامہ کاملہ مرتب کریں اور یوں ہی ناتمام اپنے کام کو چھوڑ گئے ہمارے ایمان کا تقاضا یہ ہونا چاہئے کہ ہم کسی طرح قرآن کریم کو ان کا تابع نہ ٹھہراویں بلکہ جیسے جیسے خواص وسیع المفہوم قرآن کریم کے الفاظ کے کھلنے چاہئیں اسی کے مطابق اپنی پرانی اور ناتمام نحو کو بھی درست کر لیں۔ یہ بھی یاد رکھنے کے لائق ہے کہ ہر یک زبان ہمیشہ گردش میں رہتی ہے اور گردش میں رہے گی۔ جو شخص اب

[1] طٰہٰ: ۶۴

﴿۵۴﴾ ملکِ عرب میں جا کر مشاہدہ کرے تو اسے معلوم ہوگا کہ کس قدر پہلی زبانوں سے اب عربی زبان میں فرق آ گیا ہے یہاں تک کہ **اقعد** کی جگہ **اگد** بولا جاتا ہے ایسا ہی کئی محاورات بدل گئے ہیں۔ اب معلوم نہیں کہ جس زمانہ میں صرف ونحو کے قواعد مرتب کرنے کیلئے توجہ کی گئی وہ زمانہ کس قدر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے فرق کر گیا تھا اور کیا کچھ محاورات میں تبدل واقعہ ہوگیا تھا۔ نحوی اور صرفی اس بات کے بھی تو قائل ہیں کہ باوجود ترتیب قواعد کے ایک حصہ کثیرہ خلاف قیاس الفاظ اور خلاف قیاس ترتیب الفاظ کا بھی ہے۔ جس کی حد ابھی غیر معلوم ہے جو ابھی تک کسی قاعدہ کے نیچے نہیں آ سکا۔ غرض یہ صرف اور نحو جو ہمارے ہاتھ میں ہے صرف بچوں کو ایک موٹی قواعد سکھلانے کیلئے ہے اس کو ایک رہبر معصوم تصور کر لینا اور خطا اور غلطی سے پاک سمجھنا انہیں لوگوں کا کام ہے جو بجز اللہ اور رسول کے کسی اور کو بھی معصوم قرار دیتے ہیں۔ اللہ جلّ شانہٗ نے ہمیں یہ فرمایا ہے فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ [1] یعنی اگر تم کسی بات میں تنازع کرو تو اس امر کا فیصلہ اللہ اور رسول کی طرف رد کرو۔ اور صرف اللہ اور رسول کو **حَکم** بناؤ نہ کسی اور کو۔ اب یہ کیونکر ہو سکے کہ ناقص العلم صرفیوں اور نحویوں کو اللہ اور رسول کو چھوڑ کر اپنا **حَکم** بنایا جائے۔ کیا اس پر کوئی دلیل ہے۔ تعجب کہ متبع سنت کہلا کر کسی اور کی طرف بجز سرچشمہ طیبہ مطہرہ اللہ رسول کے رجوع کریں۔ آپ کو یاد رہے کہ میرا یہ مذہب نہیں ہے کہ قواعد موجودہ صرف ونحو غلطی سے پاک ہیں یا بہمہ وجوہ متمم ومکمل ہیں۔ اگر آپ کا یہ مذہب ہے تو اس مذہب کی تائید میں تو کوئی آیت قرآن کریم پیش کیجئے یا کوئی حدیث صحیح دکھلایئے ورنہ آپ کی یہ بحث بے مصرف فضول خیال ہے حجت شرعی نہیں میں ثابت کرتا ہوں کہ اگر فی الحقیقت نحویوں کا یہی مذہب ہے کہ نون ثقیلہ سے مضارع خالص مستقبل کے معنوں میں آجاتا ہے اور کبھی اور کسی مقام اور کسی صورت میں اس کے برخلاف نہیں ہوتا تو انہوں نے سخت غلطی کی ہے۔ قرآن کریم ان کی غلطی ظاہر کر رہا ہے اور اکابر صحابہ اس پر شہادت دے رہے ہیں۔ حضرت انسانوں کی اور کوششوں کی طرح نحویوں کی کوششیں بھی خطا سے خالی نہیں آپ حدیث اور قرآن کو چھوڑ کر کس جھگڑے میں پڑ گئے۔ اور اس خیال خام کی نحوست سے آپ کو تمام اکابر کی نسبت بدظنی کرنی پڑی کہ وہ سب تفسیر آیت **لیؤمننّ بہٖ** میں غلطی کرتے رہے ابھی میں انشاء اللہ القدیر آپ پر ثابت کروں گا کہ آیت لَیُؤمننّ بہٖ آپ کے معنوں پر اس صورت میں **قطعیۃ الدلالت** ٹھہر سکتی ہے کہ ان سب بزرگوں کے **قطعیۃ الجہالت** ہونے پر فتویٰ لکھا جائے اور نعوذ باللہ نبی معصوم

[1] النساء: ۶۰

کو بھی ان میں داخل کر دیا جائے ورنہ آپ کبھی اور کسی صورت میں **قطعیت** کا فائدہ حاصل نہیں کر سکتے اور کوئی تقویٰ شعار علماء میں سے اس **قطعیت** کے دعوے میں آپ کے ساتھ شریک نہیں ہوگا اور کیونکر شریک ہو۔ شریک تو تب ہو کہ بہت سے بزرگوں اور صحابہ کو جاہل قرار دیوے اور نبی صلعم پر بھی اعتراض کرے۔ **سُبحانہٗ ھٰذا بُھتان عظیم۔** ﴿۵۵﴾

اب میں آپ پر واضح کرنا چاہتا ہوں کہ کیا اکابر مفسرین نے اس آیت☆ کو حضرت عیسیٰ کے نزول کیلئے **قطعیة الدلالت** قرار دیا ہے یا کچھ اور ہی معنے لکھے ہیں۔ سو واضح ہو کہ **کشّاف** صفحہ ۱۹۹ میں لیؤمننّ بہٖ کی آیت کے نیچے یہ تفسیر ہے **جملة قسمية واقعة صفة لموصوف محذوف تقديره وان من اهل الكتٰب ...... احد الّا ليؤمننّ قبل موته بعيسٰى وبانه عبدالله و رسوله يعنى اذا عاين قبل ان تزهق روحه حين لاينفعه ايمانه لانقطاع وقت التكليف وعن شهر بن حوشب قال لى الحجاج اٰية ما قرأ تها الا تخالج فى نفسى شىء منها يعنى هٰذه الآية ...... انى أوتى بالاسير من اليهود والنصارٰى فأضرب عنقهٗ فلا اسمع منه ذالک فقلت ان اليهودى اذا حضره الموت ضربت الملا ئكة دبره ووجهه وقالوا ياعدوالله اتاک عيسٰى نبيا فكذبت به فيقول آمنت انه عبد نبى و تقول للنصرانى اتاک عيسىٰ نبيا فزعمت أنه اللّٰه أو ابن اللّٰه فيؤمن أنه عبدالله و رسوله .... و عن ابن عباس انه فسره كذٰلک فقال له عكرمة فان أتاه رجل فضرب عنقه. قال لا تخرج نفسه حتى يحرک بها شفتيه قال وان خرمن فوق بيت أواحترق أوأكله سبع قال يتكلم بها فى الهواء ولا تخرج روحه حتى يؤمن به و تدل عليه قراءة اُبَىّ الا ليومننّ قبل موتهم بضمّ النون على معنى وان منهم احد اِلّا سيؤمنون به قبل موتهم ...... وقيل الضميران لعيسٰى بمعنى وان منهم احد اِلّاليومننّ بعيسٰى قبل موت عيسٰى و هم اهل الكتٰب الذين يكونون فى زمان نزوله ـ روى أنه ينزل ...... فى اٰخر الزمان فلا يبقٰى أحد من اهل الكتٰب اِلّايومن به حتى تكون الملّة واحدة وهى ملّة الاسلام ...... و قيل الضمير فى به يرجع الى اللّٰه تعالٰى وقيل الٰى محمدصلى اللّٰه عليه و سلم**۞۔

ترجمہ۔ یعنی **ليؤمنن به** جملہ قسمیہ ہے اور آیت موصوف محذوف کے لئے صفت ہے اور محذوف کو ملانے کے ساتھ اصل عبارت یوں ہے کہ کوئی اہل کتاب میں سے ایسا نہیں جو اپنی موت سے پہلے عیسیٰ پر ایمان نہ لاوے اور نیز اس بات پر ایمان لاوے کہ وہ اللہ کا رسول اور اس کا بندہ ہے یعنی جس وقت جان کندن

☆ النساء:۱۶۰ ۞ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تفسیر الکشّاف کی عبارت تلخیصاً یہاں درج فرمائی ہے۔(ناشر)

﴿۵۶﴾ کاؔ وقت ہو جب کہ ایمان بوجہ انقطاع وقت تکلیف کے کچھ نفع نہیں دیتا۔ اور شہر بن حوشب سے روایت ہے کہ مجھے حجاج نے کہا کہ ایک آیت ہے کہ جب کبھی میں نے اس کو پڑھا تو اس کی نسبت میرے دل میں ایک خلجان گذرا یعنی یہی آیت اور خلجان یہ ہے کہ مجھے کتابی اسیر قتل کرنے کیلئے دیا جاتا ہے اور میں یہود یا نصاریٰ کی گردن مارتا ہوں اور میں اس کے مرنے کے وقت یہ نہیں سنتا کہ میں عیسٰی پر ایمان لایا۔ ابن حوشب کہتا ہے کہ میں نے اس کو کہا کہ اصل بات یہ ہے کہ جب یہودیوں پر جان کندن کا وقت آتا ہے تو فرشتے اس کے منہ پر اور پیچھے مارتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے دشمن خدا تیرے پاس عیسٰی نبی آیا اور تو نے اس کی تکذیب کی پس وہ کہتا ہے کہ اب میں عیسٰی پر ایمان لایا کہ وہ بندہ اور پیغمبر ہے اور نصرانی کو فرشتے کہتے ہیں کہ تیرے پاس عیسٰی نبی آیا اور تو نے اس کو خدا اور خدا کا بیٹا کہا تب وہ کہتا ہے کہ اب میں نے قبول کیا کہ وہ خدا کا بندہ اور رسول ہے۔ اور ابن عباس سے روایت ہے کہ اس نے ایک موقعہ پر یہی تفسیر کی تب عکرمہ نے اس کو کہا کہ اگر ناگاہ کسی شخص کی گردن کاٹ دی جائے تو کس وقت اور کیونکر وہ عیسٰی کی نبوت کا اقرار کرے گا۔ تب ابن عباس نے کہا کہ اس کی اس وقت تک جان نہیں نکلے گی جب تک اس کے لبوں پر کلمہ اقرار نبوت مسیح کا جاری نہ ہولے پھر عکرمہ نے کہا کہ اگر وہ گھر کی چھت پر سے گرے یا جل جائے یا کوئی درندہ اس کو کھا لیوے تو کیا پھر بھی اقرار نبوت عیسٰی کا اس کو موقعہ ملے گا تب ابن عباس نے جواب دیا کہ وہ گرتے گرتے ہوا میں یہ اقرار کر دے گا۔ اور جب تک یہ اقرار نہ کر لے تب تک اس کی جان نہیں نکلے گی اور اسی پر دلالت کرتی ہے قراءت اُبی بن کعب کی۔ الّا لَیُؤْمِنُنَّ بہٖ قبل موتھم بِضَمِّ النُّون یعنی دوسری قراءت میں بجائے قبل موتہ کے قبل موتھم لکھا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ درحقیقت موتہٖ کی ضمیر اہل کتاب کی طرف پھرتی ہے نہ حضرت عیسٰی کی طرف۔ اور ایک قول ضعیف یہ بھی ہے کہ دونوں ضمیریں بہٖ اور موتہٖ کی حضرت عیسٰی کی طرف پھرتی ہیں جس کا مطلب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ عیسٰی کے نزول کے بعد تمام اہل کتاب ان کی نبوت پر ایمان لے آویں گے اور ایک قول یہ بھی ہے کہ ضمیر بہٖ کی اللہ تعالیٰ کی طرف پھرتی ہے اور ایک قول یہ بھی ہے کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ضمیر بہٖ کی پھرتی ہے۔

پھر نووی میں یہ عبارت لکھی ہے ذھب کثیرون بل اکثرون الی ان الضمیر فی اٰیۃ الا لیؤمننّ بہٖ یعود الی اھل الکتب ویؤیّد ھٰذا ایضًا قراءۃ من قرأ قبل موتھم ۔ یعنی بہت سے

﴿۵۷﴾

لوگ بلکہ نہایت کثرت سے لوگ اسی طرف گئے ہیں کہ آیت اِلّا لیؤمننّ بہٖ میں موتہٖ کی ضمیر اہل کتاب کی طرف پھرتی ہے اور اسی کی مؤید قراءت قبل موتھم ہے۔

پھر تفسیر مدارک میں اسی آیت کی تفسیر میں لکھا ہے والمعنی مامن الیھود و النصارٰی احد الا لیؤمننّ قبل موته بعیسٰی و بانه عبدالله و رسوله و روی ان الضمیر فی به یرجع الی اللّٰه او الی محمد صلی الله علیه و سلم و الضمیر الثانی الی الکتابی یعنی اس آیت کے یہ معنے ہیں کہ یہود اور نصارٰی میں سے ایسا کوئی نہیں کہ جو اپنی موت سے پہلے عیسٰی پر ایمان نہ لاوے اور اس کی رسالت اور عبدیت کو قبول نہ کرے اور یہ بھی روایت ہے کہ ضمیر بہٖ کی اللہ کی طرف پھرتی ہے اور یہ بھی روایت ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پھرتی ہے۔ ایسا ہی بیضاوی میں زیر آیت لیؤمننّ بہٖ یہ تفسیر کی ہے۔ والمعنٰی مامن الیھود و النصارٰی احد الا لیؤمننّ بان عیسٰی عبد الله و رسوله قبل ان یموت .... و یؤیّد ذالک انه قرئ الا لیؤمنن به قبل موتھم ...... وقیل الضمیران لعیسٰی یعنی اس آیت کے یہ معنے ہیں کہ یہود اور نصارٰی میں سے ایسا کوئی نہیں جو اپنی موت سے پہلے عیسٰی پر ایمان نہ لاوے اور قبل موتھم کی قراءت انہیں معنوں کی مؤید ہے اور ایک قول ضعیف یہ بھی ہے کہ دونوں ضمیریں عیسٰی کی طرف پھرتی ہیں۔

اور تفسیر مظہری کے صفحہ ۳۱۷ اور ۳۲۷ میں زیر آیت موصوفہ یعنی لیومنن به کے لکھا ہے۔ روی عن عکرمة ان الضمیر فی به یرجع الی محمد صلی الله علیه وسلم وقیل راجعة الی اللّٰه عزّوجل والمآل واحد فان الایمان باللّٰه لا یعتد مالم یؤمن بجمیع رسله والایمان بمحمد صلی اللّٰه علیه و سلم یستلزم الایمان بعیسٰی علیه السلام ... قبل موتهٖ ای قبل موت ذالک الاحد من اهل الکتٰب عند معائنة ملائکة العذاب عند الموت حین لاینفعه ایمانه۔ هذا روایة علی بن طلحة عن ابن عباس رضی الله عنهما قال فقیل لابن عباس أَرَأَیۡتَ ان خرمن فوق بیت قال یتکلم (به) فی الهواء فقیل أَرَأَیۡتَ ان ضرب عنقه قال تلجلج لسانه والحاصل انه لایموت کتابی حتی یومن باللّٰه عزّوجل وحده لاشریک له وان محمدا صلی الله علیه و سلم عبده و رسوله وان عیسی عبدالله و رسوله قیل یومن الکتابی فی حین من الاحیان ولو عند معاینة العذاب .... وقال الضمیران لعیسٰی والمعنی انه اذا نزل ... امن به اهل الملل اجمعون ولایبقٰی احد الا لیومننّ بهٖ وهٰذا التاویل مروی عن ابی هریرة

﴿۵۸﴾ لٰکن کونہ مستفادًا من ہذہ الاٰیۃ و تأویل الاٰیۃ بارجاع الضمیر الثانی الی عیسٰی ممنوع انماھوزعم من ابی ھریرۃ لیس ذٰلک فی شیءٍ من الاحادیث المرفوعۃ و کیف یصح ھذا التاویل مع ان کلمۃ ان من اھل الکتاب شامل للموجودین فی زمن النبی صلی اللہ علیہ و سلم البتۃ سواء کان ھٰذا الحکم خاصًا بھم اولا فان حقیقۃ الکلام للحال ولا وجہ لان یراد بہٖ فریق من اھل الکتاب یوجدون حین نزول عیسٰی علیہ السلام فالتأویل الصحیح ھوالاول و یؤیدہ قراء ۃ اُبَی بن کعب اخرج ابن المنذرعن ابی ھاشم و عروۃ قالا فی مصحف ابی بن کعب و ان من اھل الکتاب الا لیومنن بہ قبل موتھم۔

ترجمہ۔عکرمہ سے روایت ہے آیت لیؤمننّ بہٖ میں ۔بہٖ کی ضمیر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پھرتی ہے اور بعض کہتے ہیں کہ اللہ جلّ شانہ ‘ کی طرف راجع ہے اور مآل واحد ہے کیونکہ ایمان باللہ معتبر نہیں جب تک تمام رسولوں پر ایمان نہ لایا جائے اور محمد مصطفیٰ صلعم پر ایمان لانا عیسٰی پر ایمان لانے کو مستلزم ہے۔اور قبل موتہٖ کی یہ تفسیر ہے کہ ہر ایک کتابی اپنی موت سے پہلے عذاب کے فرشتوں کے دیکھنے کے بعد رسول اللہ صلعم پر ایمان لائے گا جب کہ اس کو ایمان کچھ فائدہ نہیں دے گا۔ یہ علی بن طلحہ کی روایت ابن عباس سے ہے رضی اللہ عنہما۔علی بن طلحہ کہتا ہے کہ ابن عباس کو کہا گیا کہ اگر کوئی چھت پر سے گر پڑے تو پھر وہ کیونکر ایمان لائے گا۔ابن عباس نے جواب دیا کہ وہ ہوا میں اس اقرار کوادا کرے گا پھر پوچھا گیا کہ اگر کسی کی گردن ماری جاوے تو وہ کیونکر ایمان لاوے گا تو ابن عباس نے کہا کہ اس وقت بھی اس کی زبان میں اقرار کے الفاظ جاری ہوجائیں گے۔حاصل کلام یہ کہ کتابی نہیں مرے گا جب تک اللّٰہ جلّ شانہٗ اور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور عیسٰی پر ایمان نہ لاوے بعض کہتے ہیں کہ کتابی فی حین من الاحیان ایمان لائے گا اگرچہ عذاب کے معائنہ کے وقت ہو اور بعض کہتے ہیں کہ دونوں ضمیریں عیسٰی کی طرف پھرتی ہیں۔اور یہ معنے لیتے ہیں کہ جب عیسٰی نازل ہوگا تو تمام اہلِ مِلل اس پر ایمان لے آئیں گے اور کوئی منکر باقی نہیں رہے گا اور یہ تاویل ابو ہریرہ سے مروی ہے لیکن آیت لیومننّ بہٖ سے یہ معنے جو ابو ہریرہ نے خیال کئے ہیں ہرگز نہیں نکلتے اور قبل موتہٖ کی ضمیر عیسٰی کی طرف کسی طرح پھر نہیں سکتی یہ صرف ابو ہریرہ کا گمان ہے۔احادیث مرفوعہ میں اس کا کوئی اصل صحیح نہیں پایا جاتا اور کیونکر یہ تاویل صحیح ہوسکتی ہے باوجودیکہ کلمہ اِنْ موجودین کو بھی تو شامل ہے یعنی ان

﴾۵۹﴿ اہل کتاب کو جو آنحضرت صلعم کے زمانہ میں موجود تھے۔ خواہ یہ کلمہ انہیں سے خاص ہو یا خاص نہ ہو لیکن حقیقت کلام کا مصداق ٹھہرانے کیلئے حال سب زمانوں سے زیادہ استحقاق رکھتا ہے اور کوئی وجہ اس بات کی نہیں پائی جاتی کہ کیوں وہی اہل کتاب خاص کئے جائیں جو حضرت عیسیٰ کے نزول کے وقت موجود ہوں گے پھر صحیح تاویل وہی ہے جو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں یعنی ضمیر بـــہٖ کی عیسیٰ کی طرف نہیں پھرتی بلکہ کتابی کی طرف پھرتی ہے اور اسی کے قراءت ابی بن کعب مؤید ہے جس کو ابن المنذر نے ابی ہاشم سے لیا ہے اور نیز عُروہ سے بھی۔ اور وہ قراءت یہ ہے۔ **وان من اهل الكتب الا ليؤمننّ بهٖ قبل موتهم**۔ یعنی اہل کتاب اپنی موت سے پہلے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور عیسیٰ پر ایمان لاویں گے۔ اسی کے قریب قریب ابن کثیر اور تفسیر کبیر اور فتح البیان و معالم التنزیل وغیرہ تفاسیر میں لکھا ہے۔ اب دیکھئے کہ حضرت عکرمہ اور حضرت ابن عباس اور علی بن طلحہ رضی اللہ عنہم یہی تأویل **ليؤمننّ بهٖ** کی کرتے ہیں کہ پہلی ضمیر محمد مصطفیٰ صلعم اور عیسیٰ کی طرف پھرتی ہے اور دوسری ضمیر **قبل موتهٖ** اہل کتاب کی طرف پھرتی ہے اور قراءت **قبل موتهم** کس قدر وثوق سے ثابت ہوتی ہے پھر باوجودیکہ یہ تاویل صحابہ کرام کی طرف سے ہے اور بلاشبہ قراءت شاذہ حدیث صحیح کا حکم رکھتی ہے مگر آپ اس کو نظرانداز کر کے اور نحوی قواعد کو اپنے زعم میں اس کے مخالف سمجھ کر تمام بزرگ اور اکابر قوم اور صحابہ کرام کی صریح ہجو اور توہین کر رہے ہیں گویا آپ کے نحوی قواعد کی صحابہ کو بھی خبر نہیں تھی اور ابن عباس جیسا صحابی جس کیلئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے فہم قرآن کی دعا بھی ہے وہ بھی آپ کے ان عجیب معنوں سے بے خبر رہا۔ آپ پر قراءت **قبل موتهم** کا بھی وثوق کھل گیا ہے اب فرض کے طور پر اگر قبول کر لیں کہ ابن عباس اور علی بن طلحہ اور عکرمہ وغیرہ صحابہ ان معنوں کے سمجھنے میں خطا پر تھے اور قراءت اُبیّ بن کعب بھی یعنی **قبل موتهم** کامل درجہ پر ثابت نہیں تو کیا آپ کے دعویٰ **قطعية الدلالت** ہونے آیت **ليؤمننّ بهٖ** پر اس کا کچھ بھی اثر نہ پڑا۔ کیا وہ دعوے جس کے مخالف صحابہ کرام بلند آواز سے شہادت دے رہے ہیں اور دنیا کی تمام مبسوط تفسیریں باتفاق اس پر شہادت دے رہی ہیں اب تک قطعیۃ الدلالت ہے۔ **يـا أخـي اتّـق الـلّـه**۔ وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۭ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْـُٔوْلًا[1] اور جب ان روایتوں کے ساتھ وہ روایتیں بھی ملا دیں جن میں **انّــي متوفّيك** کے معنے **مــميتك** لکھے ہیں جیسے ابن عباس کی روایت اور وہب اور محمد بن اسحاق کی روایت کے کوئی ان میں سے عام طور پر حضرت مسیح کی موت کا قائل ہے اور کوئی کہتا ہے کہ تین گھنٹہ تک مر گئے تھے

[1] بنی اسرائیل : ۳۷

﴿۶۰﴾ اور کوئی سات گھنٹہ تک ان کی موت کا قائل ہے اور کوئی تین دن تک جیسا کہ فتح البیان اور معالم التنزیل اور تفسیر کبیر وغیرہ تفاسیر سے ظاہر ہے تو پھر اس صورت میں اس وہم کی اور بھی بیخ کنی ہوتی ہے کہ مسیح کی موت سے پہلے سب اہل کتاب ایمان لے آویں گے۔ غرض آپ کا نور قلب شہادت دے سکتا ہے کہ جس قدر میں نے لکھا ہے آپ کے دعوے **قطعیة الدلالت** کے توڑنے کیلئے کافی ہے **قطعیة الدلالت** اس کو کہتے ہیں جس میں کوئی دوسرا احتمال پیدا نہ ہو سکے مگر آپ جانتے ہیں کہ اکابر صحابہ اور تابعین کے گروہ نے آپ کے معنے قبول نہیں کئے اور مفسرین نے جا بجا اس آپ کی تاویل کو **قِیۡلَ** کے لفظ سے بیان کیا ہے جو ضُعف روایت پر دلالت کرتا ہے۔ عام رائے تفسیروں کی یہی پائی جاتی ہے کہ قراءت **قبل موتهم** کے موافق معنے کرنے چاہیے اور ضمیر **بہٖ** کا نہ صرف حضرت عیسٰیؑ کی طرف بلکہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور اللہ **جلّ شانہٗ** کی طرف پھیرتے ہیں۔ اب آپ کی رائے کی قطعیت کیونکر باقی رہ سکتی ہے۔ برائے خدا خوف الٰہی کو ہاتھ سے نہ دیں آپ کے منہ کی طرف صدہا آدمی دیکھ رہے ہیں اس زمانہ میں تمام لوگ اندھے نہیں فریقین کے بیانات شائع ہونے کے بعد پبلک خود فیصلہ کر لے گی لیکن جن لوگوں کے دلوں پر آپ کی رائے کا اثر پڑے گا اس کے ذمہ دار اور اس کے مؤاخذہ کے جوابدہ آپ ٹھہریں گے۔ اور میں نے جو آپ کے قاعدہ نون ثقیلہ کا نام جدید رکھا تو اس کی یہی وجہ ہے کہ اگر آپ کا یہ قاعدہ تسلیم کر لیا جائے تو نعوذ باللہ بقول آپ کے ابن عباس جیسے صحابی کو جاہل و نادان قرار دینا پڑتا ہے اور قراءت **قبل موتهم** کو خواہ نخواہ افترا اقرار دینا پڑے گا اور آپ کے نحویوں کو معصوم عن الخطا ماننا پڑے گا آپ تو اللہ رسول کے متبع تھے۔ سیبویہ اور خلیل کے کب سے متبع ہو گئے اب میں آپ کے اقوال باقی ماندہ کو بطرز قولہ اقول کے رد کرتا ہوں۔

قولہ ایسے معنے کرنا فاسد ہے کہ یہ کہا جائے کہ کوئی اہل کتاب میں سے ایسا نہیں جو اپنی موت سے پہلے مسیح پر ایمان نہیں لائے گا کیونکہ یہ معنے نفس الامر میں تینوں زمانوں پر شامل ہیں۔

اقول جب کہ یہ معنی ابن عباس اور عکرمہ اور علی بن طلحہ وغیرہ صحابہ و تابعین کرتے ہیں اور قرآن ابی بن کعب انہی معنوں کے مطابق ہے تو کیا آپ کا یہ نحوی قاعدہ ان اکابر کو جاہل قرار دے سکتا ہے اور کیا صدہا مفسرین بلکہ ہزارہا جو اب تک یہ معنے کرتے آئے وہ جاہل مطلق اور آپ کی نحو سے غافل تھے۔ جب تک ان ہزاروں اکابر کا نام آپ قطعی طور پر جاہل نہ قرار دے دیں

﴿۶۱﴾ تبؔ تک آپ کے یہ معنے جس میں آپ منفرد ہیں کیونکر قطعی بن سکتے ہیں کوئی مبسوط تفسیر تو پیش کرو جو ان معنوں سے خالی ہے یا جس نے ان معنوں کو سب سے مقدم رکھا۔ تیرہ سو برس کی تفسیریں اکٹھی کرو اوران پر نظر ڈال کر دیکھو کیا کوئی بھی آپکی طرح ان معنوں کو ناجائز ٹھہراتا ہے بلکہ سب کے سب آپ ہی کے معنوں کو خفیف ٹھہراتے ہیں۔ **قولہ** قبل موتھم کی قراءت پر بھی معنے دوم صحیح نہیں ہوتے اور یہ قراءت ہمارے معنے کے مخالف بھی نہیں ہے کیونکہ اس قراءت پر یہ معنے ہونگے کہ ہر یک اہل کتاب اپنے مرنے سے پہلے زمانہ آئندہ میں مسیح پر ایمان لائے گا اور یہ معنے معنے اوّل کے ساتھ جمع ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ زمانہ آئندہ سے زمانہ نزول مسیح مراد لیا جاوے گا۔ **اقول** حضرت اس قراءت سے مسیح ابن مریم کی زندگی کیونکر اور کہاں ثابت ہوئی آپ تو قبل موتہٖ کی ضمیر سے مسیح کی زندگی ثابت کرتے تھے اور یہ کہتے تھے کہ مسیح کی موت سے پہلے لوگ اس پر ایمان لے آئیں گے اب جب کہ قبل موتہٖ کی ضمیر اہل کتاب کی طرف پھیری گئی تو مسیح کی زندگی جس کا ثابت کرنا آپکا مدعا تھا کہاں اور کن الفاظ سے ثابت ہوئی مجرد ایمان لانے میں تو بحث نہیں بحث تو اس امر میں ہے کہ مسیح ابن مریم زندہ ہے یا نہیں۔

قولہ قراءت قبل موتھم غیر متواترہ ہے۔ **اقول** ہم نے تفاسیر معتبرہ کے ذریعہ سے اس کی سند پیش کردی ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ بھی اسی کے موافق کہتے ہیں جمہور علماء کا اسی کو مقدم رکھتا آیا ہے یعنے اسی کے مطابق معنے کرتا چلا آیا ہے۔ پس اسی قدر ثبوت آپکے دعوے **قطعیۃ الدلالت** توڑنے کیلئے کافی ہے بھلا اگر آپ حق پر ہیں تو تیرہ سو برس کی تفسیروں میں سے کوئی ایسی تفسیر تو پیش کیجئے جو ان معنوں کی صحت پر معترض ہو تفسیر مظہری کا بیان آپ سن چکے ہیں۔ الہامی معنے جو میں نے کئے ہیں وہ درحقیقت ان معنوں کے معارض نہیں اگرچہ وہ بجائے خود ایک معنے ہیں چونکہ آیت ذوالوجوہ ہے اس لئے جب تک سخت تعارض نہ ہو ہر یک معنی قبول کے لائق ہیں۔

قولہ آیت فلنولینک میں☆ پڑھنے سے یہ مراد نہیں کہ ہم تجھ کو ہاتھ پکڑ کر قبلہ کی طرف پھیرتے ہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ ہم تجھ کو قبلہ کی طرف پھیرنے کا حکم کرتے ہیں اور شاہ ولی اللہ صاحب وشاہ رفیع الدین صاحب وشاہ عبدالقادر صاحب نے ترجمہ اس لفظ کا بمعنی مستقبل کیا ہے۔ مگر مستقبل قریب ہے۔

اقول ۔آپ اس بات کے تو قائل ہوگئے کہ یہ مستقبل بعید نہیں ہے بلکہ قریب ہے اور ایسا قریب کہ ایک طرف حکم ہوا اور ساتھ ہی اس کے عمل بھی ہوگیا تو گویا آپ ایک صورت سے ہمارے بیان کو مان گئے کیونکہ ہمارے نزدیک حال کسی ٹھہرنے والے زمانہ کا نام نہیں اور نہ زمانہ میں یہ خاصیت ہے کہ وہ ٹھہر سکے بلکہ وقت

☆ سہو کتابت معلوم ہوتا ہے ’’ میں ‘‘ زائد ہے۔ (ناشر)

﴿۶۲﴾ مقدار غیر قار کا نام ہے۔ پھر حال اپنے حقیقی معنوں کے رو سے کیونکر متحقق ہو کیونکہ جب زمانہ غیر قار ہے تو ماضی کے بعد ہر دم استقبال ہی استقبال ہے لیکن جب حال بولا جاتا ہے تو اس کے معنے ہرگز حقیقی نہیں لئے جاتے۔ کیونکہ حقیقی معنوں کا مراد رکھنا محال ہے اس وقت تک کہ ہم حال کا لفظ زبان پر جاری کریں کئی باریک حصے زمانہ کے گذر جاتے ہیں پھر حال کا وجود کہاں اور کیونکر متحقق ہے بلکہ حال سے مراد مجازی طور پر وہ زمانہ لیا جاتا ہے جو ہماری نظر کے سامنے واقع ہے جو کسی دوسرے حصہ زمانہ میں تصور نہیں کیا گیا۔ اس صورت میں تو ہماری اور آپ کی نزاع لفظی ہی نکلی اور جس زمانہ کا نام ہم حال رکھتے ہیں اسی کا نام آپ نے مستقبل قریب رکھ لیا۔ اور اس اتفاق رائے سے ہمارا مدعا ثابت ہو گیا۔ ہاں اگر آپ کے نزدیک کوئی زمانہ حقیقی معنوں کے رو سے بھی حال ہے۔ تو پہلے مہربانی فرما کر وقت کی تعریف فرمائیے میں تو ابتدا سے یہ سنتا آیا ہوں کہ وقت کی تعریف یہی ہے کہ **الوقت مقدار غیر قار**۔ یعنے وقت اسی مقدار کا نام ہے جس کو ذرہ قرار نہیں اب جب کہ وقت کو قرار نہیں تو حقیقی طور پر حال کیونکر پیدا ہوا۔ آپ سوچ کر جواب دیں اور شاہ ولی اللہ وغیرہ صاحبوں کا ترجمہ جو آپ نے پیش کیا ہے یہ ہمارے کچھ مضر نہیں۔ جب آپ خود مستقبل قریب کے قائل ہو گئے اسی طرح وہ بھی قائل ہیں اور آیت وَانْظُرْ اِلٰٓى اِلٰهِكَ [1] میں وہی ہماری طرف سے جواب ہے جو اس میں جواب ہے۔ **قولہ** آیت وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا [2] استمراری معنے پر دلالت نہیں کرتی کیونکہ اس جگہ عادت مستمرہ کا بیان کرنا مقصود نہیں یہ تو صرف وعدہ ہے اور امر موعود وعدہ کے بعد متحقق ہوتا ہے۔ **اقول**۔ یہ تو ہم نے تسلیم کیا کہ وعدہ ہے بلکہ یہ کہاں سے ثابت ہے کہ یہ وعدہ آنے والے لوگوں کیلئے ہی خاص ہے اور اس نعمت سے وہ لوگ بے نصیب ہیں جو پہلے گذر چکے ہیں یا حال میں مجاہدہ میں لگے ہوئے ہیں حضرت یہ وعدہ بھی استمراری ہے جو ازمنہ ثلاثہ پر مشتمل ہے۔ اس میں آپ ضد نہ کیجئے اور خدا تعالیٰ کے بندوں کو اس کے اس قانون قدرت سے جو مجاہدہ کرنے پر ضرور ہدایت مترتب ہوتی ہے محروم تصور نہ فرمائیے ورنہ مطابق آپ کے معنوں کے ہر یک زمانہ جو حال کے نام پر موسوم ہوگا اس نعمت سے بکلی محروم قرار دینا پڑے گا مثلاً ذرا غور کر کے دیکھئے کہ اس آیت کو نازل ہوئے تیرہ سو برس گذر گیا ہے اور کچھ شک نہیں کہ بر طبق مضمون اس آیت کے ہر یک جو اس عرصہ میں مجاہدہ کرتا رہا ہے وہ وعدہ **لنھدینّھم** سے حصہ مقسومہ لیتا رہا ہے اور اب بھی لیتا ہے اور آئندہ بھی لے گا پھر آپ اس آیت کے استمراری معنوں سے جو ازمنہ ثلاثہ پر اپنا اثر ڈالتی چلی آئی ہے

[1] طٰہٰ : ۹۸ [2] العنکبوت: ۷۰

﴿۶۳﴾

کیونکر منکر ہوتے ہیں یہی میرا بیان باقی آیات پیش کردہ میری کے متعلق ہے۔ علیحدہ لکھنے کی حاجت نہیں پبلک خود فیصلہ کر لے گی اور یاد رکھنا چاہئے یہ ترجمے کوئی توقیفی نہیں ہیں☆ آپ کے نون ثقیلے ہرگز آپ کو وہ فائدہ نہیں پہنچا سکتے جس کی آپ کو خواہش ہے۔ **قولہ** حضرت عیسیٰ کے نزول کے بعد اور ان کی موت سے پہلے ایک زمانہ ایسا ضرور ہوگا کہ اس وقت اہل کتاب سب مسلمان ہو جائیں گے۔ **اقول** حضرت آپ کیوں تکلفات رکیکہ کر رہے ہیں آپ کے ان تکلفات کو کون تسلیم کرے گا قرآن کریم اس بات کا گواہ ہے کہ سلسلہ کفر کا بلافصل قیامت کے دن تک قائم رہے گا اور یہ کبھی نہیں ہوگا کہ سب لوگ ایک ہی مذہب پر ہو جائیں اور اختلاف کفر اور ایمان اور بدعت اور توحید کا درمیان سے اُٹھ جائے چنانچہ اس اختلاف کو اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں ضروری الوجود انسانوں کی فطرت کیلئے قرار دیتا ہے اور کفر کا تخم قیامت تک قائم رہنے کیلئے یہ آیات **صریحۃ الدلالت** ہیں جو پہلے پرچہ میں لکھ چکا ہوں یعنے وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ[1] اور آیت فَاَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ[2] اب دیکھئے کہ ان آیات سے ہی آپ کا دعویٰ **قطعیۃ الدلالت** ہونا آیت **لیؤمننّ بہٖ** کا کس قدر باطل ثابت ہوتا ہے ہر یک طرف سے آیات قرآنیہ اور احادیث صحیحہ کی آپ پر زَد ہے پھر بھی آپ اس خیال کو نہیں چھوڑتے۔ آپ نے جب دیکھا کہ مسیح کے دم سے بہت لوگ کفر پر مریں گے تو آپ پہلے دعوے سے کھسک گئے لیکن آیات موصوفہ بالا سے آپ کسی طرح پیچھا چھڑا نہیں سکتے۔ آپ نے جو اس بارے میں جواب دیا ہے خود منصف لوگ دیکھیں گے حاجت اعادہ کی نہیں۔ **قولہ** آپ پر واجب ہے کہ آپ ثابت کریں کہ حلیم کے لفظ سے جوان مضبوط کیونکر سمجھا جاتا ہے۔ **اقول** حضرت حلیم وہ ہے جو **یبلغ الحلم** کا مصداق ہو اور جو حلم کے زمانہ تک پہنچے وہ جوان مضبوط ہی ہوتا ہے۔ کیونکہ خورد سال کے کچے اعضا شدت اور صلابت کے ساتھ بدل جاتے ہیں قاموس بھی ملاحظہ ہو اور **کشّاف** وغیرہ بھی اور بالغ عاقل کیلئے بھی یہی لفظ آیا ہے۔ **قولہ انی متوفیک** میں موت مراد ہونا غیر مسلّم ہے۔ **اقول** غیر مسلّم ہے تو میرے اشتہار ہزار روپیہ کا جواب دیجئے جو ازالہ اوہام کے آخر میں ہے۔ کیونکہ اس اشتہار میں غیر مسلّم ثابت کرنے والے کیلئے ہزار روپیہ انعام کا وعدہ ہے۔ **قولہ** نزول عیسیٰ ابن مریم سے آپ کو انکار ہے۔ **اقول** جب کہ عیسیٰ ابن مریم کی حیات ثابت نہیں ہوتی اور موت ثابت ہو رہی ہے۔ تو عیسیٰ کے حقیقی معنے کیونکر مراد ہو سکتے ہیں۔ **واطلاق اسم الشیء علٰی ما**

☆ یہاں کسی قدر عبارت نقل کے وقت چھوٹ گئی ہے۔ مطابق ایڈیشن اوّل شائع کردہ حضرت مولوی عبدالکریم صاحبؓ۔ (ناشر)

[1] اٰل عمران : ۵۶ [2] المائدۃ: ۱۵

﴿۶۴﴾ یشابهه فی اکثر خواصه و صفاته جائز حسن تفسیر کبیر صفحہ ۶۸۹ جب آپ حیات مسیح کو ثابت کر دکھائیں گے تو پھر ان کا نزول بھی مانا جائے گا ورنہ بخاری میں وہ حدیثیں بھی ہیں جن میں ابن مریم کا ذکر کر کے اس سے مراد اس کا کوئی مثیل لیا گیا ہے۔ **قولہ** آپ بخاری کی وہ حدیث مرفوع متصل بیان فرمائیے جس سے مسیح ابن مریم کی وفات ثابت ہوتی ہے۔ **اقول** میں تو وہ حدیث ازالہ اوہام میں لکھ چکا اور آخری پرچہ میں تنزلاً ثبوت وفات کے وقت وہ حدیث بھی لکھوں گا ابھی تو دیکھ رہا ہوں کہ آپ مسیح کی حیات کے بارے میں کون سی آیت **قطعیة الدلالت** پیش کرتے ہیں افسوس کہ اب تک آپ کچھ پیش نہ کر سکے۔

فقط مرزا غلام احمد

پرچہ نمبر (۳)

مولوی محمد بشیر صاحب

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ حامدًا مصلّیًا مسلمًا

رَبَّنَا لَا تُزِغۡ قُلُوۡبَنَا بَعۡدَ اِذۡ ہَدَیۡتَنَا وَ ہَبۡ لَنَا مِنۡ لَّدُنۡکَ رَحۡمَۃً ۚ اِنَّکَ اَنۡتَ الۡوَہَّابُ [1]

قولہ ۔ میں کہتا ہوں کہ اس بات کو ادنیٰ استعداد کا آدمی بھی سمجھ سکتا ہے کہ بار ثبوت کسی امر متنازع فیہ کی نسبت اس فریق پر ہوا کرتا ہے کہ جو ایک امر کا کسی طور سے ایک مقام میں اقرار کر کے پھر کسی دوسری صورت اور دوسرے مقام میں اسی امر قبول کردہ کا انکار کر دیتا ہے۔

اقول ۔ یہاں کلام ہے بچند وجوہ اول یہ کہ آپ قبل ادعاء مسیحیت براہین احمدیہ میں اقرار حیات مسیح کا کر چکے ہیں اور اب آپ حیات کا انکار کرتے ہیں تو موافق اپنی تعریف کے آپ مدعی ٹھہرے دوم خاکسار آپ سے ایک سوال کرتا ہے ایماناً اس کا جواب دیجئے وہ یہ ہے کہ آپ کا یہ خیال کہ مسیح علیہ السلام وفات پا چکے بعد آپ کے اس الہام کے پیدا ہوا ہے کہ مسیح فوت ہو گیا یا قبل اسکے اگر بعد پیدا ہوا ہے تو گویا یہ کہنا ہوا کہ الہام سے پہلے میرا اس خیال سے کچھ واسطہ نہ تھا اور یہ میرا دعویٰ نیا ہے جو وقت الہام کے پیدا ہوا سو اس وجہ سے آپ مدعی ہوئے اور ثبوت آپ کے ذمہ ہوا کہ آپ بعد اس اقرار کے کہ الہام سے پہلے مجھ کو اس خیال سے کچھ واسطہ نہ تھا پھر مخالف اپنے اس پہلے بیان

[1] ال عمران : ۹

﴿۶۵﴾

کے یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وقت الہام سے مجھ کو یہ خیال ہے کہ مسیح فوت ہو گیا پس اسی وجہ سے آپ سے ثبوت مانگا جاتا ہے کہ آپ اپنے پہلے بیان کے مخالف دوسرا بیان کرتے ہیں اور اس دعوے میں ایک جدّت ہے جسکے آپ خود قائل ہیں اور اگر قبل سے یہ خیال تھا تو اس خیال کا یقین قانون قدرت یعنی سنت اللہ و آیات قرآن کریم سے آپ کو حاصل ہو گیا تھا یا نہیں۔ بر تقدیر اوّل آپ نے قبل الہام مذکور براہین وغیرہ میں اسکو کیوں نہیں ظاہر فرمایا اور اپنے پرانے باطل خیال پر باوجود یقین بطلان کے کیوں اڑے رہے اور بر تقدیر ثانی بعد الہام کے اس خیال کا یقین آپ کو حاصل ہوا یا نہیں اگر نہیں ہوا تو صرف ایک ظنی یا شکی یا وہمی بات پر اصرار خلاف دیانت ہے اور اگر بعد الہام کے یقین اس خیالی وفات کا آپکو حاصل ہوا تو ظاہر ہے کہ مفید یقین اس وقت آپکا الہام ہوا نہ سنت اللہ و آیات قرآن کریم اور آپکا ملہم ہونا ابھی تک پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچا اس تقدیر پر آپ پر واجب ہے کہ پہلے اپنا ملہم ہونا ثابت کیجئے پھر ہر الہام کا حجت ہونا ملہم و غیر ملہم پر ثابت کیجئے بعد اثبات ان دونوں امر کے دعویٰ وفات مسیح اور اپنے مسیح موعود ہونے کا پیش کیجئے بغیر اسکے آپکا دعویٰ وفات مسیح و مسیح موعود ہونے کا عندالعقلاء ہرگز لائق سماعت نہیں ہے۔ سیوم اس مقام پر نصوص قرآنیہ قطعی طور پر وفات مسیح پر دلالت کرتی ہیں یا نہیں بر تقدیر ثانی آپکا انکو صریحہ بینہ قطعیہ کہنا باطل ہے اور بر تقدیر اول لازم آتا ہے کہ آپکے نزدیک وہ سب صحابہ و تابعین و تبع تابعین اور تمام مسلمین **الٰی یومنا** جو حیات مسیح کے قائل ہیں **اعاذنا اللّٰہ منہ** کافر ہوں اور آپ خود بھی جس زمانہ میں اعتقاد حیات مسیح کا رکھتے تھے کافر ہوں۔ کیونکہ منکر نصوص صریحہ بینہ قطعیہ کا کافر ہوتا ہے۔ چہارم آپ نے جو تعریف مدعی کی بیان کی ہے یہ محض اپنی رائے سے بیان کی ہے یا کوئی دلیل کتاب اللہ وسنت رسول اللہ اس کیلئے ہے یہ نہ سہی کوئی قول کسی صحابی یا تابعی یا کسی مجتہد یا کسی محدث یا فقیہ کا اسکے ثبوت کیلئے پیش کیجئے۔ پنجم یہ تعریف مدعی کی مخالف ہے اسکے جسکو علماء مناظرہ نے لکھا ہے۔ رشیدیہ میں ہے **والمدعی من نصب نفسہ لاثبات الحکم ای تصدی لان یثبت الحکم الجزی الذی تکلم بہ من حیث انہ اثبات بالدلیل او التنبیہ** مولانا عصام الملۃ والدین نے شرح رسالہ عضدیہ میں لکھا ہے **المدعی من یفید مطابقۃ النسبۃ للواقع** اور یہ دونوں تعریفیں آپ پر صادق آتی ہیں اور آپکی تعریف مخالف ہے ان دونوں تعریفوں کے۔ (**قولہ**) معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ مولوی صاحب نے یہ دعویٰ تو کر دیا کہ ہم حیات جسمانی مسیح ابن مریم آیات **قطعیۃ الدلالت** سے پیش کریں گے لیکن بحث کے وقت اس دعویٰ سے ناامیدی پیدا ہو گئی اسلئے اب اس طرف رخ کرنا چاہتے ہیں کہ دراصل مسیح ابن مریم کی حیات جسمانی ثابت کرنا ہمارے ذمہ نہیں۔

﴿۶۶﴾ (اقول) یہ آپ کا سوءظن ہے اور ہر مسلم مامور ہے اپنے بھائی کے ساتھ حسن ظن کرنے کیلئے چہ جائیکہ آپ سا شخص مدعی الہام و مجددیت و مسیحیت آپ کو بالا ولیٰ حسن ظن چاہئے میں نے صرف ایک امر نفس الامری کا اظہار کر دیا ورنہ میں تو بار ثبوت حیات اپنے ذمہ لے چکا ہوں اور اس کا ثبوت ایک قاعدہ نحویہ اجماعیہ کی بناء پر آپ کے روبرو پیش کیا گیا مگر افسوس کہ آپ نے اس قاعدہ اجماعیہ کے انکار میں کچھ حیاء کو کام نہ فرمایا اب میں اس قاعدہ سے قطع نظر کر کے عرض کرتا ہوں۔ بفضلہٖ تعالیٰ میرا دعویٰ حیات مسیح آپ کے اقرار سے قطعی طور پر ثابت ہے۔ بیان اس کا یہ ہے کہ آپ نے توضیح المرام و ازالۃ الاوہام میں اس امر کا اقرار کیا ہے کہ ضمیر موتہٖ کی طرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے راجع ہے اب آپ کو چاہئے قاعدہ نحویہ اجماعیہ کو مانئے یا نہ مانئے ہر طرح میرا مدعا ثابت ہے کیونکہ یا تو آپ لیؤمننّ کو بمعنے استقبال لیجئے گا یا بمعنے حال یا بمعنی استمرار یا بمعنی ماضی۔ شق اول میں تو میرے مطلوب کا حاصل ہونا محتاج بیان نہیں ہے۔ شق ثانی اول تو بدیہی البطلان ہے سوا اس کے مطلوب میرا اس سے بھی حاصل ہے کیونکہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ نزول آیت میں سب اہل کتاب حضرت عیسیٰ عم پر قبل ان کی موت کے ایمان لاتے تھے پس معلوم ہوا کہ زمان نزول آیت تک زندہ تھے اور رفع یقیناً اس سے پہلے ہوا تو معلوم ہوا کہ زندہ اٹھائے گئے وھو المطلوب۔ شق ثالث اول تو بدیہی البطلان ہے سوا اس کے اس شق مدعا کا ثبوت پر شق اول سے بھی زیادہ ظاہر ہے کیونکہ اس تقدیر پر یہ معنے ہوں گے کہ سب اہل کتاب زمانہ گزشتہ و حال و استقبال میں حضرت عیسیٰ پر ان کے مرنے سے پہلے ایمان لاتے ہیں پس اس سے صاف ظاہر ہے کہ زمانہ ماضی و حال میں زندہ تھے اور استقبال میں بھی ایک زمانہ تک زندہ رہیں گے رفع کے وقت زندہ تھے رابع باطل ہے اسلئے کہ ایسا مضارع کہ اس کے اول میں لام تاکید اور آخر میں نون تاکید ہو بمعنی ماضی کہیں نہیں آیا۔ آپ قواعد نحو کو مانتے ہی نہیں ہیں ایسے مضارع کا بمعنی ماضی آنا قرآن یا حدیث صحیح سے ثابت کیجئے ودونہٗ خرط القتاد افسوس کہ آپکو جب الزام موافق قواعد نحویہ اجماعیہ کے دیا جاتا ہے تو اسکو آپ تسلیم نہیں کرتے اور اگر آپکے مسلمات سے آپکو الزام دیا جاتا ہے تو بھی آپ قبول نہیں کرتے یہ امر اول دلیل ہے اس بات پر کہ آپکو احقاق حق اور اظہار صواب ملحوظ نظر نہیں ہے۔ **قولہ** پھر اس کے بعد آپ نے نصوص صریحہ بینہ قرآن و حدیث سے نو امید ہو کر دوبارہ آیت لیؤمننّ کے نون ثقیلہ پر زور دیا ہے۔ **اقول** خود آیت وان من اھل الکتاب صریح و بین ہے۔ اور نون ثقیلہ کا بمعنی استقبال کر دینا اس کے قطعیت میں مخل نہیں ہے۔ **قولہ** اور جمہور مفسرین صحابہ اور تابعین سے تفرد اختیار کر کے محض اپنے خیال خام کی وجہ سے اس بات پر زور دیا ہے

﴿۶۷﴾

کہ آیت بوجہ نون ثقیلہ کے خالص استقبال کیلئے ہوگئی ہے۔ **اقول** یہ قول غلط محض ہے جمہور مفسرین صحابہ اور تابعین نے اس آیت کو ہرگز بمعنی حال یا استمرار نہیں لیا ہے اگر سچے ہو تو ثابت کرو رہی یہ بات کہ بعض مفسرین نے ضمیر کتابی کی طرف راجع کی ہے اس سے معنی حال یا استمرار لینا کسی طرح لازم نہیں آتا ہے سوائے آپ کے کوئی اہل علم ایسی بات منہ سے نہیں نکال سکتا علاوہ ازیں اس تقدیر پر بھی استقبال ہوسکتا ہے جیسا کہ آپ پہلی تحریر میں اقرار کر چکے ہیں۔ **قولہ** ان معنوں پر زور دینے کے وقت آپ نے اس شرط کا کچھ خیال نہیں رکھا جو پہلے ہم دونوں کے درمیان قرار پا چکی تھی کہ **قال اللّٰہ و قال الرسول** سے باہر نہیں جائیں گے۔ **اقول** ایک قاعدہ نحو یہ اجماعیہ کو **قال اللّٰہ** میں جاری کرنا **قال اللّٰہ** سے کسی کے نزدیک خارج ہونا نہیں یہ صرف آپ کا اجتہاد ہے جس کا کوئی ثبوت آپ نہیں دے سکتے بلکہ یہ خروج بقول آپ کے آپ پر لازم آ گیا کیونکہ آپ خود ازالہ اوہام کے صفحہ ۶۰۲ میں اسکے مرتکب ہوئے ہیں عبارت آپ کی یہ ہے۔ وہ نہیں سوچتے کہ آیت **فلما توفیتنی** سے پہلے یہ آیت ہے وَاِذْ قَالَ اللّٰہُ یٰعِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ[1] الخ ظاہر ہے کہ **قال** کا صیغہ ماضی کا ہے اور اسکے اوّل **اذ** موجود ہے جو خاص واسطے ماضی کے آتا ہے انتہٰی۔ اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَ تَنْسَوْنَ اَنْفُسَکُمْ وَ اَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْکِتٰبَ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ[2]۔ **قولہ** اور نہ ان بزرگوں کی عزت و مرتبت کا کچھ پاس کیا جو اہل زبان اور صرف اور نحو کو آپ سے بہتر جاننے والے تھے۔ **اقول** آپ ایسی باتیں کرنے سے لوگوں کو مغالطہ دینا چاہتے ہیں بھلا صاحب اس قاعدہ کے جاری کرنے سے ان بزرگوں کی عزت و مرتبت میں معاذ اللہ کس طرح نقصان آ سکتا ہے ان کے کلام میں تصریح حال یا استمرار کی کہاں ہے یہ تو صرف آپ کا اجتہاد ہے۔ آپ اپنے ساتھ ان بزرگوں کو ناحق شریک کرتے ہیں۔ **قولہ** ہمارے اوپر اللہ و رسول نے یہ فرض نہیں کیا کہ ہم انسانوں کے خود تراشیدہ قواعد صرف و نحو کو اپنے لئے ایسا رہبر قرار دیں کہ باوجودیکہ اس پر کافی و کامل طور پر کسی آیت کے معنی کھل جائیں اور اس پر اکابر مومنین اہل زبان کی شہادت بھی مل جائے تو پھر بھی ہم اس قاعدہ صرف و نحو کو ترک نہ کریں۔ **اقول** یہ بات بھی آپ کی سراسر مغالطہ دہی پر مبنی ہے۔ کافی و کامل طور پر آیت کے معنے کا کھل جانا اور اس پر اکابر مومنین اہل زبان کی شہادت کا ملنا غیر مسلم ہے و وجہہ مر انفًا فتذکر علاوہ اسکے آپ نے جو باوجود نہ کھلنے معنے آیت کے اور عدم شہادت اکابر مومنین اہل زبان کے ایک قاعدہ نحو یہ اجماعیہ کا محض اپنی بات بنانے کی غرض سے انکار کیا ہے اس سے یہ احتمال قوی پیدا ہوتا ہے کہ جب آپ کو الزام علوم لغت و صرف و نحو و معانی اصول فقہ و اصول حدیث سے جو کہ خادم کتاب سنت ہیں دیا جاوے گا

[1] المائدۃ : ۱۱۷ [2] البقرۃ: ۴۵

﴿۶۸﴾ تو آپ فوراً اس قاعدہ کا انکار کر جائیں گے اور یہ بات آپ کی علم و دیانت سے خلاف ہے کیونکہ اہل علم کو ان علوم سے چارہ نہیں ہے اور ہم کو الفاظ قرآن و حدیث کے معانی موافق لغت و محاورہ عرب کے سمجھنا ضروری امر ہے ورنہ کسی مسئلہ پر استدلال نہیں ہوسکتا ہے اور یہ امر فی زمانناغیر ممکن ہے کہ خود عرب میں جا کر ہر لغت و محاورہ اور جمیع قواعد صرف و نحو و معانی وغیرہ کی تحقیق کی جاوے پس اگر آپ کو کسی اہل اسلام سے مباحثہ کرنا منظور ہے تو پہلے ان دو کاموں سے ایک کام کیجئے اور اگر ایک بھی آپ قبول نہ کریں گے تو یہ امر آپ کی گریز پر محمول ہوگا یا تو لغت صرف و نحو و معانی و اصول فقہ و اصول حدیث کی اجماعی باتوں کی تسلیم کرنے کا اقرار کیجئے یا بالفعل مناظرہ سب اہل اسلام سے موقوف کر کے ایک الگ کتاب علوم مذکورہ میں تصنیف فرمائیے اور جو کچھ اول علموں میں آپ کو ترمیم کرنا ہو وہ کر لیجئے اس کے بعد مباحثہ کیجئے تا کہ آپ کی مسلّمات سے آپ کو الزام دیا جاوے ورنہ موافق اس طریقہ کے جو آپ نے اختیار کیا ہے کوئی عاقل کسی عاقل کو الزام نہیں دے سکتا ہے۔ **قولہ** آپ جانتے ہیں کہ قرآن کریم میں اِنْ هٰذٰنِ لَسٰحِرٰنِ [1] آیت موجود ہے۔ **اقول** اس کا جواب عامہ تفاسیر میں مذکور ہے۔ عبارت بیضاوی کی اس مقام پر نقل کی جاتی ہے و ھٰذان اسم ان علی لغة بلحارث ابن کعب فانهم جعلوا الالف للتثنية واعربوا المثنى تقديرا وقيل اسمها ضمير الشان المحذوف و ھٰذان لساحران خبرها وقيل ان بمعنى نعم وما بعدها مبتداء و خبر فيهما ان اللام لا يدخل خبر المبتداء و قيل اصله انه ھٰذان لهما ساحران فحذف الضمير و فيه ان المؤكد باللام لا يليق به الحذف انتهٰى۔ قولہ جس میں بجائے ان ھٰذان کے ان ھٰذین لکھا ہو۔ **اقول** یہ خطائے فاحش ہے صواب یہ ہے کہ جس میں بجائے ان ھٰذین کے ان ھٰذان لکھا ہو **قولہ** آپ کو یاد ہے کہ میرا یہ مذہب نہیں ہے کہ قواعد موجودہ صرف و نحو غلطی سے پاک ہیں یا بہمہ وجوہ متمم و مکمل ہیں۔ **اقول** یہ بات اگر قواعد اختلافیہ کی نسبت کہی جاوے تو مسلّم ہے لیکن قواعد اجماعیہ کی نسبت ایسا کہنا گویا دروازہ الحاد کا کھولنا اور سب احکام شرعیہ کا باطل کرنا ہے کیونکہ قواعد جب غلط ٹھہرے خود عرب میں جا کر فی زماننا تحقیق لغت و قواعد صرف و نحو غیر ممکن۔ پس پابندی قواعد کی باقی نہ رہے گی ہر شخص اپنی ہوا کے موافق قرآن و حدیث کے معنے کرے گا آپ کو چاہئے کہ قواعد اجماعیہ کے تسلیم کا جلد اشتہار دے دیجئے یا کوئی کتاب لغت و قواعد صرف و نحو موافق قرآن و حدیث کے اپنے اجتہاد سے بنا کر جلد شائع کیجئے تا کہ انہی قواعد کی بنا پر آپ سے بحث کی جاوے۔ **قولہ** قرآن کریم ان کی غلطی ظاہر کرتا ہے اور اکابر صحابہ اس پر شہادت دے رہے

[1] طٰهٰ : ۶۴

﴿۶۹﴾

ہیں۔ **اقول** سُبۡحٰنَكَ هٰذَا بُهۡتَانٌ عَظِيۡمٌ [1] **قولہ** اوراس خیال خام کی نحوست سے آپ کو تمام اکابر کی نسبت بدظنی کرنی پڑی۔ **اقول**۔ آپ ان اکابر کا مطلب نہیں سمجھے ہیں فافھم۔ **قولہ** ابھی میں انشاءاللہ تعالیٰ یہ آپ پر ثابت کردوں گا کہ آیت لیؤمننّ بہٖ آپ کے معنوں پر اس صورت میں قطعیۃ الدلالۃ ٹھہر سکتی ہے جب ان سب بزرگوں کے قطعی الجہالت ہونے پر فتویٰ لکھا جاوے اور نعوذ باللہ نبی معصوم کو بھی اس میں داخل کردیا جاوے۔ **اقول** توضیح المرام سے معلوم ہوتا ہے کہ آیت وَاِنۡ مِّنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤۡمِنَنَّ بِهٖ قَبۡلَ مَوۡتِهٖ [2] بتصریح وفات مسیح پر دلالت کرتی ہے صفحہ ۸ میں مرقوم ہے اور قرآن شریف میں اگرچہ حضرت مسیح کے بہشت میں داخل ہونے کا بتصریح کہیں ذکر نہیں لیکن ان کے وفات پا جانے کا تین جگہ ذکر ہے حاشیہ میں وہ تین آئتیں آپ نے لکھی ہیں ان میں سے آیت وَاِنۡ مِّنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ بھی ہے ازالۃ الاوہام کے صفحہ ۳۸۵ میں ہے۔ غرض قرآن شریف میں تین جگہ مسیح کا فوت ہوجانا بیان کیا گیا ہے۔ ازالۃ الاوہام صفحہ ۳۰۶☆ میں ہے۔ چوتھی آیت جو مسیح کی موت پر دلالت کرتی ہے وہ یہ آیت ہے کہ ’’وَاِنۡ مِّنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤۡمِنَنَّ بِهٖ قَبۡلَ مَوۡتِهٖ ‘‘ انتھی۔ جاننا چاہئے کہ آپ کی یہ تقریر بادنیٰ تغیر آپ پر منعکس ہو جاتی ہے۔ تقریر اس کی یہ ہے کہ آیت لیؤمننّ کی وفات مسیح پر اس وقت صریحۃ الدلالۃ ٹھہر سکتی ہے کہ ان سب بزرگوں کی جہالت پر فتویٰ لکھا جاوے نعوذ باللہ نبی معصوم کو بھی ان میں داخل کیا جاوے۔ ورنہ آپ کبھی اور کسی صورت میں دلالت کا فائدہ حاصل نہیں کرسکتے۔ **قولہ** اب میں آپ پر واضح کرتا ہوں کہ کیا اکابر مفسرین نے اس آیت کو حضرت عیسیٰ کے نزول کیلئے قطعیۃ الدلالۃ قرار دیا ہے یا کچھ اور بھی معنے لکھے ہیں۔ **اقول** یہ طعن بادنیٰ تغیر آپ پر بھی وارد ہوتے ہیں بلکہ جو آپ نے طعن کی ہے اس سے اشد ہے یعنے آپ نے فرمایا ہے کہ آیت وَاِنۡ مِّنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ موت مسیح پر دلالت کرتی ہے اور آپ کی بعض عبارات سے مستنبط ہوتا ہے کہ یہ دلالت صریحی ہے۔ پس کیا اکابر مفسرین نے اس آیت کو حضرت عیسیٰ کی وفات پر دلیل ٹھہرایا ہے۔ ایک نے بھی نہیں۔ **قولہ** کشاف صفحہ ۱۹۹ میں لیومنن بہ کی آیت کے نیچے یہ تفسیر ہے آہ۔ **اقول** اس عبارت سے صرف اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ مفسرین نے قطعیۃ الدلالۃ ہونے کی تصریح نہیں کی اسکے معنے لکھے ہیں لیکن مفسرین کا قطعیۃ الدلالۃ تصریح نہ کرنا قطعیت کو باطل نہیں کرتا ہے آپ کے نزدیک انی متوفیک اور فلمّا توفّیتنی قطعیۃ الدلالۃ ہے موت حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر حالانکہ مفسرین نے اس آیت کو حضرت عیسیٰ کی موت

[1] النور: ۱۷ [2] النساء: ۱۶۰ ☆ سہو کتابت معلوم ہوتا ہے’’ ۶۰۳ ‘‘ہونا چاہیے۔ (ناشر)

﴿۷۰﴾

تے کے لئے قطعیة الدلالة نہیں قرار دیا ہے کچھ اور ہی معنی لکھے ہیں۔ **قولہ** پھر نووی میں یہ عبارت لکھی ہے۔ **اقول** نووی کی عبارت سے صرف اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ اکثروں نے ضمیر موتہٖ کی کتابی کی طرف راجع کی ہے اس سے آپ کے نزدیک بھی قطعیة الدلالة میں فرق نہیں ہوتا ہے کیونکہ آپ کے نزدیک آیت وانی متوفیک وآیت فلمّا توفّیتنی‘ قطعیة الدلالة ہے وفات مسیح پر۔ حالانکہ تفسیر ابن کثیر میں لکھا ہے وقال الاکثرون المراد بالوفاة ھنا النوم انتھٰی۔ اور ایسا ہی آپ کے نزدیک آیت وان من اھل الکتاب دلیل صریح ہے وفات مسیح علیہ السلام پر اور حالانکہ وفات مسیح کا اس میں رایحہ بھی نہیں ہے نہ بر تقدیر اس قول کے جس کو نووی نے اکثرین کا قول قرار دیا ہے اور نہ بر تقدیر قول آخر کے جو اس کا مقابل ہے اس کے بعد آپ نے عبارت مدارک اور بیضاوی و تفسیر مظہری کی نقل کی ہے اور ہر ایک کا ترجمہ کر کے اوراق کو بڑھایا ہے اور حالانکہ ان سب سے اور کسی امر جدید کا فائدہ نہیں ہے سوائے اسکے ضمیر موتہٖ میں اختلاف ہے اور اوپر ثابت ہوا کہ مجرد اختلاف معانی قطعیت و دلالت صریحہ کے مخالف نہیں ہے ورنہ چاہئے کہ آپ سے ادلہ وفات آیت انّی متوفّیک اور آیت فلمّا توفّیتنی اور آیت وان من اھل الکتاب ادلہ قطعیہ اور دلیل صریح نہ ہوں وھو خلاف ما ادعیتم اور تفسیر مظہری والے کا یہ قول و کیف یصح ھذا التاویل ما ان کلمة ان من اھل الکتاب شامل للموجودین فی زمن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم۔ البتہ سواء کان ھذا الحکم خاصًا بھم اولا فان حقیقة الکلام للحال ولاوجہ لان یراد بہ فریق من اھل الکتاب یوجدون حین نزول عیسٰی علیہ السلام مخدوش ہے اور مخالف ہے عامہ تفاسیر کے کیونکہ کلام کا حال کیلئے حقیقت ہونا اس تقدیر پر ہے کہ کوئی صارف نہ پایا جاوے اور یہاں نون تاکید صارف موجود ہے اور یہی وجہ ہے اس امر کی اہل کتاب سے ایک فریق خاص مراد لیا جاوے پس صاحب تفسیر مظہری کا یہ قول لاوجہ کوئی وجہ نہیں رکھتا اور یہ جو تفسیر مظہری میں ہے اخرج ابن المنذر عن ابی ھاشم و عروة قال فی مصحف ابی بن کعب وان من اھل الکتاب الا لیومننّ بہ قبل موتھم مخدوش ہے کہ تفسیر مظہری میں اس قراءت کی پوری سند مذکور نہیں ابن کثیر نے اس قراءت کو اس طرح پر روایت کیا ہے حدثنی اسحاق بن ابراھیم ابن حبیب الشھید حدثنا عتاب بن بشیر عن خصیف عن سعید بن جبیر عن ابن عباس وان من اھل الکتاب الا لیؤمننّ بہ قبل موتہ قال ھی فی قراءت ابی قبل موتھم اس میں دو راوی مجروح ہیں اول خصیف دوم عتاب ابن بشیر۔ خصیف کے ترجمہ میں تقریب میں لکھا

﴿۷۱﴾

ہے صدوق سیّیء الحفظ خلط بآخرہ رمی بالارجاء۔ میزان میں ہے ضعفه احمد وقال ابوحاتم تکلم فی سوء حفظه وقال احمد ایضاتکلم فی الارجاء وقال عثمان بن عبدالرحمٰن رأیت علی خصیف ثیابا سودا کان علی بیت المال انتهی ملخصًا ۔ عتاب کے ترجمہ میں میزان میں مرقوم ہے قال احمد أتی عن خصیف بمناکیر اراها من قبل خصیف قال النسائی لیس بذاک فی الحدیث وقال ابن المدینی کان اصحابنا یضعفونه وقال علی ضربنا علی حدیثه انتهی ملخصًا ۔ **قوله** اور بلاشبہ قراءت شاذہ حکم صحیح حدیث کا رکھتی ہے۔ **اقول** عموماً یہ بات غلط ہے۔ ہاں قراءت شاذہ جو بسند صحیح متصل کہ شذوذ و دیگر علل خفیہ غامضہ قادحہ سے خالی ہو البتہ حکم حدیث صحیح کا رکھتی ہے اور ابھی واضح ہوا کہ اس کی سند میں دو رجال مجروح ہیں۔ **قوله** اب فرض کے طور پر اگر قبول کر لیں کہ اگر ابن عباس اور علی ابن طلحہ اور عکرمہ وغیرہ صحابہؓ ان معانوں کی سمجھ میں خطا پر تھے اور قراءت ابی ابن کعب بھی یعنے قبل موتهم کامل درجہ پر ثابت نہیں۔ تو کیا آپ کے دعوی قطعیۃ الدلالت ہونے آیت لیؤمننّ به پر اس کا کچھ بھی اثر ٹھہرا کیا وہ دعویٰ جس کے مخالف صحابہؓ کرام بلند آواز سے شہادت دے رہے ہیں اور دنیا کی تمام مبسوط تفسیریں باتفاق اس پر شہادت دے رہی ہیں اب تک قطعیة الدلالة ہے۔ **اقول** نہ صحابہ کا اتفاق خلاف پر ہے اور نہ تمام تفسیروں کا ہاں دو قول مرجع ضمیر قبل موته میں البتہ منقول ہیں اس سے قطعیة الدلالة اور صریح الدلالة ہونے میں فرق نہیں آتا ہے اس کے نظائر کتاب وسنت میں بکثرت موجود ہیں من شاء فلیرجع الیهما علاوہ اس کے اس بنا پر آپ کے ادلہ وفات میں سے آیت انّی متوفّیک آیت فلمّا توفّیتنی و آیت وان من اهل الکتاب بھی نہ قطعیة الدلالت ٹھہرتی ہے نہ صریحة الدلالة کیونکہ ان آیات میں چند اقوال منقول ہیں فماھوجوابکم فھو جوابنا ۔ **قوله** مگر آپ جانتے ہیں کہ اکابر صحابہ اور تابعین سے کسی گروہ نے آپ کے معنے قبول نہیں کئے ہیں۔ **اقول** یہ کذب صریح ہے تحریر اول میں عبارت ابن کثیر نقل کی گئی ہے اس سے ابن عباس و ابو مالک وحسن بصری وقتادہ وعبدالرحمان بن زید بن اسلم وغیر واحد کا اس معنی کو قبول کرنا ثابت ہے اور ابو ہریرہؓ کا اس معنے کو قبول کرنا صحیحین میں مصرح ہے۔ ابن کثیر نے کہا ہے کہ یہ معنے بدلیل قاطع ثابت ہیں اور بھی ابن کثیر میں ہے واولٰی هذه الاقوال بالصحة القول الاول وهو انه لایبقٰی احد من اهل الکتاب بعد نزول عیسٰی علیه السلام الاآمن به قبل موته ای قبل موت عیسٰی علیه السلام و لاشک

﴿۷۲﴾ ان ھذا الذی قالہ ابن جریرؒ ھو الصحیح المقصود من سیاق الآی فی تقریر بطلان ما ادعتہ الیھود من قتل عیسٰی و صلبہ و تسلیم من سلم لھم من النصارٰی الجھلۃ ذالک۔ انتھٰی۔**قولہ** اور میں نے جو آپ کے قاعدہ نون ثقیلہ کا نام جدید رکھا تو اس کی یہ وجہ ہے کہ اگر آپ کا یہ قاعدہ تسلیم کرلیا جاوے نعوذ باللہ بقول آپ کے ابن عباس جیسے صحابی کو جاہل نادان قرار دینا پڑتا ہے۔**اقول** میں نے تو وہی معنے جو تمام صحابہ و تابعین وغیرھم سے منقول ہیں اور وہی قاعدہ جو عامہ مسلمین کا معمول رہا ہے لکھے ہیں البتہ آپ کے مسائل مخترعہ کی بنا پر سارے صحابہ کو جاہل ماننا پڑتا ہے فما ھو جو ابکم فھو جو ابی علاوہ اس کے اول صحابہ کے کلام میں کہیں تصریح معنے حال کی نہیں ہے ان کا کلام معنے مستقبل پر بھی محمول ہوسکتا ہے جیسا کہ آپ تحریر اول میں اس کا اعتراف کر چکے ہیں باقی رہا یہ امر کہ جن لوگوں نے ضمیر کتابی کی طرف پھیری ہے وہ اس امر میں خطا پر ہیں یہ کوئی مقام استبعاد نہیں۔ آپ بہت سے صحابہ کو اکثر مسائل میں خطا پر جانتے ہیں۔**قولہ** اور قراءت قبل موتھم کو خواہ نخواہ افترا قرار دینا پڑے گا۔**اقول** خواہ نخواہ چہ معنے دارد۔قراءت مذکورہ فی الواقع ضعیف ہے لائق احتجاج نہیں۔ کما مر بیانہ انفا۔**قولہ** کیا آپ کا یہ نحوی قاعدہ ان اکابر کو جاہل قرار دے سکتا ہے اور کیا صدہا مفسرین کو بلکہ ہزارہا جواب تک یہ معنے کرتے آئے وہ جاہل مطلق اور آپ کے نحو سے غافل تھے۔**اقول** سراسر مبنی سوء فہم پر ہے معنے مذکور کا فساد اس وجہ سے نہیں کہ وہ مخالف ہے قاعدہ نحو کے بلکہ یہ معنے تو سراسر موافق ہیں قاعدہ نحو کے کیونکہ اس معنے پر تو مضارع صریح بمعنے استقبال کیا گیا ہے ذرا سوچ کر جواب دیجئے۔**قولہ** کوئی مبسوط تفسیر تو پیش کرو جو ان معنوں سے خالی ہے یا جس نے ان معنوں کو سب سے مقدم نہ رکھا الٰی قولہٖ بلکہ سب کے سب آپ ہی کے معنوں کو ضعیف ٹھہراتے ہیں۔**اقول** دو بڑی تفسیریں معتبر پرانی پیش کرتا ہوں ایک تفسیر ابن کثیر دوسری تفسیر ابن جریر کہ ان دونوں نے معنے مذکور کو مقدم نہیں رکھا اور نہ میرے معنے کو ضعیف کہا بلکہ صحت کی تصریح کی ہے۔پس اس مقام پر کذب اس قول کا کالشّمس فی نصف النھار ظاہر ہوگیا۔**قولہ** حضرت اس قراءت سے حضرت مسیح ابن مریم کی زندگی کیونکر اور کہاں ثابت ہوئی اب تو قبل موتہٖ کے ضمیر سے مسیح کی زندگی ثابت کرنی تھی۔ **اقول** یہ قول بھی سوء فہم پر مبنی ہے میں نے یہ نہیں کہا ہے کہ قراءت مذکورہ سے مسیح بن مریم کی زندگی ثابت ہے میں نے تو صرف یہ کہا ہے کہ قراءت مذکورہ مخالف ہمارے معنے کے نہیں بالجملہ مقصود رفع مخالفت ہے نہ اثبات دعوٰی وبینھما فرق ہے۔

﴿۷۳﴾

قولہ ہم نے تفاسیر معتبرہ کے ذریعہ سے اس کی اسناد پیش کر دی ہیں۔**اقول** سند میں جو جرح ہے وہ میں نے اوپر بیان کر دی فتذکر۔**قولہ** بھلا اگر آپ حق پر ہیں تو تیرہ سو برس کی تفسیروں میں سے کوئی ایسی تفسیر تو پیش کیجئے جو ان معنوں کی صحت پر معترض ہو۔**اقول** تفسیر ابن جریر اور تفسیر ابن کثیر اس معنی کی صحت پر معترض ہیں۔**قولہ** الہامی معنے جو میں نے کئے ہیں وہ درحقیقت ان معنوں کے معارض نہیں۔**اقول** یہ محض غلط ہے کیونکہ الہامی معنے کا مدار اس پر ہے کہ ضمیر موتہٖ کی راجع طرف عیسیٰ عم کے ہے اور معنی مذکور کا مدار اس پر ہے کہ ضمیر موتہٖ کی راجع طرف کتابی کے ہے پس سخت تعارض و بین تخالف موجود ہے۔ مجھ کو سخت تعجب ہے آپ کی دیانت سے کہ آپ باوجودیکہ ضمیر موتہٖ کا مرجع عیسیٰؑ ہونا اپنی کتب میں تسلیم کر چکے ہیں اور آیت و ان من اھل الکتاب کو صریحۃ الدلالۃ وفات عیسیٰؑ پر کہتے ہیں پھر اس اقراری حق سے کیوں اعراض کرتے ہیں اور جَحَدُوْا بِهَا وَ اسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ [۱] کے وعید سے نہیں ڈرتے۔**قولہ** کیونکہ ہمارے نزدیک حال کسی ٹھہرنے والے زمانہ کا نام نہیں ہے۔**اقول** یہ امر مسلم ہے بے شک زمانہ نام مقدار غیر قار کا ہے اور حال ایک فرد ہے زمانہ کا اور حد حقیقی حال کے باعتبار عرف کے یہی ہے کہ تکلم فعل کے پہلے کا زمانہ تو ماضی ہے اور تکلم فعل کے بعد کا زمانہ مستقبل ہے اور تکلم فعل کے مبدا سے منتہیٰ تک زمانہ حال ہے اس بنا پر ظاہر ہے کہ استقبال قریب ہرگز حال نہیں ہوسکتا ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ فَوَلِّ کے تکلم کا زمانہ بعد ہے زمانہ تکلم فَلَنُوَلِّيَنَّكَ سے پس اس کے استقبال ہونے میں کیا شک ہے۔**قولہ** جب آپ خود مستقبل قریب کے قائل ہو گئے اسی طرح وہ بھی قائل ہیں۔**اقول** فرق نہ کرنا درمیان مستقبل قریب وحال کے محصلین سے بعید ہے جیسا کہ ماہر علم نحو پر بلکہ قاصر پر بھی مخفی نہیں ہے۔**قولہ** یہ تو ہم نے تسلیم کیا کہ وعدہ ہے مگر یہ کہاں سے ثابت ہے کہ وعدہ آنے والے لوگوں کیلئے خاص ہے۔**اقول** یہ کس نے کہا کہ یہ وعدہ آنے والے لوگوں کیلئے ہی خاص ہے بلکہ یہ کہا گیا ہے کہ اس کا ایفاء زمانہ آئندہ ہی میں ہوسکتا ہے نہ حال میں اور اس بات میں جو آپ نے طول کیا ہے اس کو اصل مطلب سے کچھ علاقہ نہیں اور ہم کو اس سنت اللہ سے ہرگز انکار نہیں کہ مجاہدہ کرنے پر ضرور ہدایت مرتب ہوتی ہے صرف بحث اس میں ہے کہ یہ سنت اللہ ان آیات وعدو وعید سے ثابت نہیں ہے بلکہ اس کیلئے دوسری آیات دلیل ہیں۔**قولہ** اب دیکھئے کہ ان آیات سے بھی آپ کا دعویٰ قطعیۃ الدلالت ہونا آیت لیؤمننّ بہٖ کا کس قدر باطل ثابت ہوتا ہے۔**اقول** آیات منافی قطعیۃ الدلالت ہونے آیت لیؤمننّ کے نہیں بلکہ آیت لیؤمننّ آیات مذکورہ کے مخصص واقع ہوئی ہے۔**قولہ** حلیم وہ ہے جو یبلغ الحلم کا مصداق ہو۔**اقول** یہ حصر غیر مسلم ہے کیونکہ حلیم قرآن مجید میں صفت غلام کی آئی ہے فرمایا اللہ تعالیٰ نے فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ [۲] اور غلام کے معنے کودک صغیر کے ہیں کما فی الصراح پس محتمل ہے کہ حلیم اس مقام پر ماخوذ حلم سے

[۱] النمل:۱۵ [۲] الصّٰفّٰت: ۱۰۲

﴿۷۴﴾

ہو جو آہستگی و بردباری کے معنے میں ہے کما فی الصراح ۔قاموس میں ہے والحلم بالکسر الاناءۃ والعقل جمعہ احلام و حلوم و منہ ام تامرھم احلامھم وھو حلیم جمع حلماء و احلامًا ۔**قولہ** جب کہ عیسےٰ بن مریم کی حیات ہی ثابت نہیں ہوتی اور موت ثابت ہو رہی ہے تو عیسیٰ کے حقیقی معنے کیونکر مراد ہو سکتے ہیں ۔**اقول** اس کلام میں بد و وجہ شک ہے ۔اوّل یہ کہ آیت وَاِنْ مِّنْ اَھْلِ الْکِتَابِ سے آپ کے اقرار سے صراحتاً موت ثابت ہے کیونکہ آپ نے توضیح المرام و ازالۃ الاوہام میں اقرار کیا ہے کہ ضمیر موتہٖ کا عیسیٰ کی طرف راجع ہے اور بعد اقرار اس امر کے حیات کا اقرار لازم آتا ہے کما مرّ تقریرہ بحیث لا یحوم حولہ شک ۔دوم بر تقدیر موت بھی نزول خود حضرت عیسیٰ کا نہ محال عقلی ہے اور نہ محال عادی اور جو چیز محال عادی و عقلی نہ ہو اور مخبر صادق اس کی خبر دے تو اس سے انحراف جائز نہیں اور احادیث صحیحہ میں نزول عیسیٰؑ کی خبر متواتر موجود ہے ۔**قولہ** جب آپ حیات مسیح کو ثابت کر دکھائیں گے تو پھر ان کا نزول بھی مانا جائے گا ۔**اقول** اس میں کچھ ملازمۃ نہیں بر تقدیر وفات بھی نزول کے نہ ماننے کی کوئی وجہ معقول نہیں ہے ۔**قولہ** ورنہ بخاری میں وہ حدیثیں بھی ہیں جن میں ابن مریم کا ذکر کر کے ان سے مراد کوئی مثیل لیا گیا ہے ۔**اقول** ظاہر اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سوائے احادیث نزول کے دیگر احادیث بھی بخاری میں ایسی ہیں جن میں ابن مریم کا ذکر کر کے اس سے مراد اس کا کوئی مثیل لیا گیا ہے پس آپ کو چاہئے کہ براہِ عنایت ان احادیث کو نقل فرمایئے تاکہ اس میں نظر کی جاوے کہ وہاں مثیل مراد لیا گیا ہے یا نہیں ۔**قولہ** افسوس کہ اب تک آپ کچھ پیش نہ کر سکے ۔ **اقول** ۔افسوس کہ باوجود اسکے کہ آپ کے اقرار سے حیات مسیح آیت وَاِنْ مِّنْ اَھْلِ الْکِتَابِ کے صراحۃً ثابت ہوگئی پھر بھی آپ ایسا فرماتے ہیں ۔ انّا للّٰہ و انّا الیہ راجعون والی اللّٰہ المشتکیٰ اب سنئے یہ تو آپ کی تحریر کا جواب ترکی بترکی ہوا اب ایک نہایت منصفانہ اور فیصلہ کرنے والا جواب دیا جاتا ہے آپ اگر انصاف کے مدعی اور حق کے طالب ہیں تو اسی جواب کا جواب دیں اور جواب ترکی بترکی سے تعارض نہ کریں ایسا کریں گے تو یقیناً سمجھا جائے گا کہ آپ فیصلہ کرنا نہیں چاہتے اور اِحقاقِ حق سے آپ کو غرض نہیں ہے وہ جواب یہ ہے کہ مرزا صاحب! میں نے کمال نیک نیتی سے اِحقاقِ حق کی غرض سے اپنے ان جملہ دلائل کو جن کو میں اس وقت پیش کرنا چاہتا تھا یکبارگی قلم بند کر کے آپ کی خدمت میں پیش کر دیا اور اس کے ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیا تھا کہ میرا اصل متمسک اور مستقل دلیل پہلی آیت ہے اور اس کے قطعیۃ الدلالت کے ثبوت میں قواعد نحویہ اجماعیہ کو پیش کیا آپ بھی نیک نیت اور طالب حق ہوتے تو اس کے جواب میں دو صورتوں میں سے ایک صورت اختیار کرتے یا تو میرے جملہ دلائل و جوابات سے تعرض کرتے اور ان میں سے ایک بات کا جواب بھی باقی نہ چھوڑتے یا صرف میری اصل دلیل سے تعرض فرماتے

﴿۷۵﴾ اسکے سوا کسی بات کے جواب سے معترض نہ ہوتے آپ نے نہ پہلی صورت اختیار کی نہ دوسری بلکہ میری اصلی دلیل کے علاوہ اور باتوں سے بھی تعرض کیا مگران کو بھی ادھورا چھوڑا اور بہت سی باتوں کا حوالہ آئندہ پرچھوڑا اوران کے مقابلہ میں اپنے دلائل احادیث بخاری وغیرہ کے بیان کو بھی آپ نے آئندہ پرچہ پر ملتوی کیا اور جو کچھ بیان کیا ایسے انداز سے بیان کیا کہ اصل دلیل سے بہت دور چلے گئے اور اپنے بیان کو ایسے پیرایہ میں ادا کیا کہ اس سے عوام دھوکہ کھائیں اور خواص ناخوش ہوں اس کی ایک مثال آپ کی یہ بحث ہے کہ آپ مدعی نہیں ہیں۔ صاحب من جس حالت میں مَیں خود مدعی ہوکر دلائل پیش کر چکا تھا تو آپ کو اس بحث کی کیا ضرورت تھی۔ دوسری مثال یہ ہے کہ حضرت شیخنا و شیخ الکل کی رائے کا ذکر بے موقع کر کے لوگوں کو پھر جتانا چاہا کہ حضرت شیخ الکل بھی اس بحث میں آپ کے مخاطب ہیں حالانکہ شیخ الکل کی بحث سے فرار اختیار کر کے آپ نے مجھے مخاطب بحث بنایا تھا لہٰذا شیخ الکل کا ذکر میرے خطاب میں محض اجنبی و نامناسب تھا۔

تیسری مثال یہ ہے کہ آپ نے چند تفاسیر کی عبارات و اقوال بعض صحابہ رضوان اللہ علیہم نقل کر کے عوام الناس کو یہ جتانا چاہا ہے کہ تمام مفسرین اور عامہ صحابہ و تابعین مسئلہ حیات وفات مسیح میں آپ کے موافق اور ہمارے مخالف ہیں اور یہ محض مغالطہ ہے کوئی صحابی کوئی تابعی کوئی مفسر اس بات کا قائل نہیں ہے کہ حضرت مسیح ابن مریم علیہ السلام اس وقت زندہ نہیں ہیں۔

چوتھی مثال آپ کا عوام الناس کو یہ جتانا ہے کہ نون لیؤمننّ کو استقبال کے لئے ٹھہرانا تمام صحابہ و مفسرین کو جاہل قرار دینا ہے جو سراسر آپ کا دھوکا و مغالطہ ہے آپ کی اس قسم کی باتوں کا میں تین دفعہ تو جواب ترکی بترکی دے چکا آئندہ بھی یہ ہی طریق جاری رہا تو اس سے آپ کو یہ فائدہ ہوگا کہ اصل بات ٹل جائے گی اور آپ کے اتباع میں آپ کی جواب نویسی ثابت ہو جائے گی مگر اس میں مسلمانوں کا یہ حرج ہوگا کہ ان پر نتیجہ بحث ظاہر نہ ہوگا اور آپ کا اصل حال نہ کھلے گا کہ آپ لاجواب ہو چکے ہیں اور اعتقاد وفات مسیح میں خطا پر ہیں اور بات کو ادھر ادھر لیجا کر ٹلا رہے ہیں لہٰذا آئندہ آپ کو اس پر مجبور کیا جاتا ہے کہ اگر آپ کو بحث منظور اور الزام فرار سے احتراز مدنظر ہے تو زائد باتوں کو چھوڑ کر میری اصل دلیل پر کلام و بحث کو محدود و محصور کریں اور جو میں نے بہ شہادت قواعد نحویہ اجماعیہ مضمون آیت کا زمانہ استقبال سے مخصوص ہونا اور بصورت صحت تخصیص اس مضمون کا وقت نزول مسیح سے مخصوص ہونا ثابت کیا ہے اس کا جواب درصورت عدم تسلیم قواعد نحویہ اجماعیہ دو حرفی یہ دیں کہ تمام قواعد نحوی بیکار و بے اعتبار ہیں یا خاص کر یہ قاعدہ غلط ہے اور اس کو فلاں شخص نے غلط قرار دیا ہے اور اس کی غلطی پر قرآن یا حدیث صحیح یا اقوال

﴿۷۰﴾

عرب عرباء سے یہ دلیل ہے اور بجائے اسکے قاعدہ صحیحہ فلاں ہے یا یہ کہ فہم معنی قرآن کیلئے کوئی قاعدہ مقرر نہیں ہے جس طرح کوئی چاہے قرآن کے معنے گھڑ سکتا ہے اور درصورت تسلیم قاعدہ اور تسلیم تخصیص مضمون آیت بزمانہ استقبال اس مضمون کے تخصیص زمانہ نزول مسیح سے فلاں دلیل کی شہادت سے باطل ہے یا اس تخصیص سے جو فائدہ بیان کیا گیا ہے وہ اور صورتوں اور معنی سے بھی جو بیان کئے گئے ہیں حاصل ہوسکتا ہے اور اگر مجرد اختلاف مفسرین تفسیر آیت میں اس تخصیص کا مبطل ہوسکتا ہے اور مجرد اقوال مفسرین آپ کے نزدیک لائق استدلال واستناد ہیں تو آپ مفسرین صحابہ وتابعین کے ان اقوال کو جو درباب حیات مسیح وارد ہیں قبول کریں یا ان کے ایسے معنے بتاویں جن سے وفات مسیح ثابت ہو۔ ہم دعویٰ سے کہتے ہیں کہ جہان کے مفسرین اور جملہ صحابہ وتابعین ہمارے ساتھ ہیں ان میں کوئی اس کا قائل نہیں مسیح ابن مریم اب زندہ نہیں ہیں آپ ایک صحابی یا ایک تابعی یا ایک امام مفسر سے بہ سند صحیح اگر یہ ثابت کردیں کہ حضرت مسیح اب زندہ نہیں ہیں تو ہم دعویٰ حیات مسیح سے دست بردار ہو جائیں گے۔ لیجئے ایک ہی بات میں بات طے ہوتی ہے اور فتح ہاتھ آتی ہے اب اگر آپ یہ ثابت نہ کرسکے تو ہم سے جملہ مفسرین وصحابہ وتابعین کے اقوال سنیں جن کو ہم آئندہ پرچہ میں نقل کریں گے آپ مانیں یا نہ مانیں عام ناظرین تو اس سے فائدہ اٹھائیں گے اور اس سے نتیجہ بحث نکالیں گے آپ سے ہم کو امید نہیں رہی کہ آپ اصل مدعا کی طرف آئیں اور زائد باتوں کو چھوڑ کر صرف وہ دوحرفی جواب دیں جو اس منصفانہ جواب میں آپ سے طلب کیا گیا ہے۔ **واخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العلمین والصلٰوۃ والسلام علی خیر خلقہ محمد وآلہ وصحبہ اجمعین۔**

دستخط محمد بشیر عفی عنہ ۲۷؍اکتوبر ۱۸۹۱ء

نمبر۳

حضرت اقدس علیہ السلام مرزا صاحب

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمَدُہٗ وَ نُصَلِّی عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡم

سبحانک مااعظم شانک تھدی من تشاء و تضل من تشاء و تعلم من تشاء من لّدنک عِلۡمًا ۔ امابعد اے ناظرین آپ صاحبوں پر واضح ہے کہ حضرت مولوی محمد بشیر صاحب نے مجھ سے

﴿۷۷﴾

تحریری مباحثہ شروع کر کے اس بات کا ثابت کرنا اپنے ذمہ لیا تھا کہ حضرت عیسیٰ بن مریم زندہ اپنے خاکی جسم کے ساتھ آسمان پر اٹھائے گئے ہیں اور آسمان پر اسی خاکی جسم کے ساتھ زندہ موجود ہیں۔ اب اے ناظرین یہ عاجز آپ صاحبوں کی خدمت میں صاف اور سہل اور مختصر طور پر اس بات کو بیان کرنا چاہتا ہے کہ مولوی صاحب موصوف نے اپنے اس دعویٰ کا اپنے تین پرچوں میں کیا ثبوت دیا اور میری طرف سے اس ثبوت کے باطل اور ہیچ اور لغو محض ہونے پر اپنے اس تیسرے پرچہ تک کیا کیا ثبوت پیش ہوا ہے تا آپ لوگ خود منصف بن کر دیکھ لیں کہ کیا درحقیقت مولوی صاحب نے کسی قطعیة الدلالت آیت سے جیسا کہ ان کا دعویٰ تھا حضرت مسیح ابن مریم کا خاکی جسم کے ساتھ زندہ ہونا ثابت کر دکھایا ہے یا وہ ایسے قطعی ثبوت پیش کرنے سے ناکام رہے اور کوئی ایسی آیت پیش نہ کر سکے کہ جو یقینی اور قطعی طور پر حضرت مسیح کی جسمانی زندگی پر دلالت کرتی ہو اور بنظر تحقیق کوئی دوسرے معنی مخالف ان معنوں کے اس سے نکل نہ سکتے ہوں۔

سو میں آپ صاحبوں کو سناتا ہوں کہ اول حضرت مولوی صاحب نے اپنے اس دعوے کی تائید میں کہ حضرت مسیح جسم خاکی کے ساتھ زندہ ہیں پانچ آیتیں اپنی طرف سے پیش کی تھیں پھر چار آیتوں کو تو خود اس اقرار کے ساتھ چھوڑ دیا کہ ان سے حضرت مسیح کا جسم خاکی کے ساتھ زندہ ہونا قطعی طور پر ثابت نہیں ہوتا یعنی یہ کئی احتمال رکھتی ہیں اور قطعیة الدلالت نہیں ہیں اور تمام مدار اپنے دعوے کا اس آیت پر رکھا کہ جو سورت النساء میں موجود ہے اور وہ یہ ہے وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ[۱] پ۶ مولوی صاحب اس آیت کو حضرت عیسیٰ کی جسمانی زندگی پر قطعیة الدلالت قرار دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اس آیت کے قطعی طور پر یہی معنے ہیں کہ کوئی اہل کتاب میں سے ایسا نہیں کہ جو عیسیٰ پر اس کی موت سے پہلے ایمان نہیں لائے گا۔ اور چونکہ اب تک تمام اہل کتاب کیا عیسائی اور کیا یہودی حضرت عیسیٰ پر سچا اور حقیقی ایمان نہیں لائے بلکہ کوئی ان کو خدا قرار دیتا ہے اور کوئی ان کی نبوت کا منکر ہے اسلئے ضروری ہے کہ حسب منشاء اس آیت کے حضرت عیسیٰ کو اس زمانہ تک زندہ تسلیم کر لیا جائے جب تک کہ سب اہل کتاب اس پر ایمان لے آویں۔ مولوی صاحب اس بات پر حد سے زیادہ ضد کر رہے ہیں کہ ضرور یہ آیت موصوفہ بالا حضرت مسیح کی جسمانی زندگی پر قطعی طور پر دلالت کرتی ہے اور یہی صحیح معنے اسکے ہیں کسی دوسرے معنے کا احتمال اس میں ہرگز نہیں اور اس بات کو قبول کرتے ہیں کہ گو بعض صحابہ اور تابعین اور مفسرین نے اور بھی کتنے معنے اس آیت کے کئے ہیں مگر وہ معنے صحیح نہیں ہیں۔ کیوں صحیح نہیں ہیں؟ اس کا سبب یہ بتلاتے ہیں کہ اس جگہ لیؤمنّ کا صیغہ نون ثقیلہ

[۱] النساء : ۱۶۰

﴿۷۸﴾ نے کے لگنے کی وجہ سے خالص استقبال کے معنوں میں ہوگیا ہے اور خالص استقبال کے معنے صرف اسی طریق بیان سے محفوظ رہ سکتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ کا کسی آئندہ زمانہ میں نازل ہونا قبول کر کے پھر اس زمانہ کے اہل کتاب کی نسبت یہ اعتقاد رکھا جائے کہ وہ سب کے سب حضرت عیسیٰ پر ایمان لے آویں گے اور فرماتے ہیں کہ جو حضرت ابن عباس وغیرہ صحابہ نے اسکے مخالف معنے کئے ہیں اور قبل موتہٖ کی ضمیر کتابی کی طرف پھیر دی ہے یہ معنے ان کی نحو کے اجماعی قاعدہ کے مخالف ہیں۔ کیوں مخالف ہیں؟ اس وجہ سے کہ ایسے معنوں کے کرنے سے لفظ لیؤمننّ کا خالص استقبال کیلئے مخصوص نہیں رہتا۔ سو مولوی صاحب کی اس تقریر کا حاصل کلام یہ معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ ابن عباس اور عکرمہ اور ابی ابن کعب وغیرہ صحابہ نحو نہیں پڑھے ہوئے تھے اور نحو کے وہ اجماعی قواعد جو مولوی صاحب کو معلوم ہیں انہیں معلوم نہیں تھے اسلئے وہ ایسی صریح غلطی میں ڈوب گئے جو انہیں وہ قاعدہ یاد نہ رہا جس پر تمام نحویوں کا اجماع اور اتفاق ہو چکا تھا بلکہ انہوں نے اپنی زبان کا قدیمی محاورہ بھی چھوڑ دیا جس کی پابندی طبعاً ان کی فطرت کے لئے لازم تھی۔ ناظرین برائے خدا غور فرماویں کہ کیا مولوی صاحب اس بات کے مجاز ٹھہر سکتے ہیں کہ ابن عباس جیسے جلیل الشان صحابی کو نحوی غلطی کا الزام دیویں۔ اور اگر مولوی صاحب نحوی غلطی کا ابن عباس پر الزام قائم نہیں کرتے تو پھر کیا کوئی اور بھی وجہ ہے جس کے رو سے مولوی صاحب کے خیال میں ابن عباس کے وہ معنے اس آیت متنازع فیہ میں رد کے لائق ہیں جن کی تائید میں ایک قراءت شاذہ بھی موجود ہے یعنی قبل موتھم۔ فرض کرو کہ وہ قراءت بقول حضرت مولوی صاحب ایک ضعیف حدیث ہے مگر آخر حدیث تو ہے۔ یہ تو ثابت نہیں ہوا کہ وہ کسی مفتری کا افترا ہے پس وہ کیا ابن عباس کے معنوں کو ترجیح دینے کیلئے کچھ بھی اثر نہیں ڈالتی یہ کس قسم کا تحکم ہے کہ ایسا خیال کیا جائے کہ ابن عباس کے یہ معنے نحوی قاعدہ کے مخالف ہیں اور قراءت قبل موتھم کسی راوی کا افترا ہے۔ ابن عباس اور عکرمہ پر یہ الزام دینا کہ وہ نحوی قاعدہ سے بے خبر تھے میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا مولوی صاحب یا کسی اور کا حق ہے کہ ان بزرگوں پر ایسا الزام رکھ سکے جن کے گھر سے ہی نحو نکلی ہے۔ ظاہر ہے کہ نحو کو ان کے محاورات اور ان کے فہم کی تابع ٹھہرانا چاہئے نہ کہ ان کی بول چال اور ان کے فہم کا محک اپنی خود تراشیدہ نحو کو قرار دیا جائے۔

اب اگر مولوی صاحب اپنی ضد کو کسی حالت میں چھوڑنا نہیں چاہتے اور ابن عباس اور عکرمہ کو

نحو کے اجماعی قاعدہ سے بے خبر ٹھہراتے ہیں اور قراءت ابیّ بن کعب کو بھی جو **قبل موتھم** ہے بکلی مردود اور متحقق الافترا خیال کرتے ہیں تو ظاہر ہے کہ صرف ان کے دعوے سے ہی یہ ان کا بہتان قابل تسلیم نہیں ٹھہر سکتا بلکہ اگر وہ اپنے معنوں کو قطعیۃ الدلالت بنانا چاہتے ہیں تو ان پر فرض ہے کہ ان دونوں باتوں کا قطعی طور پر پہلے فیصلہ کر لیں۔ کیونکہ جب تک ابن عباس اور عکرمہ کے مخالفانہ معنوں میں احتمال صحت باقی ہے اور ایسا ہی گو حدیث قراءت شاذہ بقول مولوی صاحب ضعیف ہے مگر احتمال صحت رکھتی ہے تب تک مولوی صاحب کے معنے باوجود قائم ہونے ان تمام احتمالات کے کیونکر قطعی ٹھہر سکتے ہیں۔ ناظرین آپ لوگ خود سوچ لیں کہ قطعی معنے تو انہی معنوں کو کہا جاتا ہے جن کی دوسری وجوہ سرے سے پیدا نہ ہوں یا پیدا تو ہوں۔ لیکن قطعیت کا مدعی دلائل شافیہ سے ان تمام مخالف معنے کو توڑ دے۔ لیکن مولوی صاحب نے اب تک ابن عباس اور عکرمہ کے معنوں اور **قبل موتھم** کی قراءت کو توڑ کر نہیں دکھلایا ان کا توڑنا تو صرف ان دو باتوں میں محدود تھا اول یہ کہ مولوی صاحب صاف بیان سے اس بات کو ثابت کر دیتے کہ ابن عباس اور عکرمہ ان کے اجماعی قاعدہ نحو سے بکلّی بے خبر اور غافل تھے اور انہوں نے سخت غلطی کی کہ اپنے بیان کے وقت نحو کے قواعد کو نظر انداز کر دیا۔ دوسرے مولوی صاحب پر یہ بھی فرض تھا کہ قراءت شاذہ **قبل موتھم** کے راوی کا صریح افترا ثابت کرتے اور یہ ثابت کر کے دکھلاتے کہ یہ حدیث موضوعات میں سے ہے۔ مجرد ضعف حدیث کا بیان کرنا اس کو بکلی اثر سے روک نہیں سکتا۔ امام بزرگ حضرت ابوحنیفہ فخر الائمہ سے مروی ہے کہ میں ایک ضعیف حدیث کے ساتھ بھی قیاس کو چھوڑ دیتا ہوں۔ اب کیا جس قدر حدیثیں صحاح ستہ میں بباعث بعض راویوں کے قابل جرح یا مرسل اور منقطع الاسناد ہیں وہ بالکل پایۂ اعتبار سے خالی اور بے اعتبار محض ہیں؟ اور کیا وہ محدثین کے نزدیک موضوعات کے برابر سمجھی گئی ہیں؟

ناظرین متوجہ ہو کر سنو اب میں اس بات کا بھی فیصلہ کرتا ہوں کہ اگر فرض کے طور پر ابن عباس اور عکرمہ اور مجاہد اور ضحاک وغیرہ کے معنے جو مخالف مولوی صاحب کے معنوں کے ہیں غلط ٹھہرائے جاویں اور قبول کیا جائے کہ یہ تمام اکابر اور بزرگ مولوی صاحب کے اجماعی قاعدہ نحو سے عمداً یا سہواً باہر چلے گئے تو پھر بھی مولوی صاحب کے معنے **قطعیۃ الدلالت** نہیں ٹھہر سکتے۔ کیوں نہیں ٹھہر سکتے؟ اس کی وجوہ ذیل میں لکھتا ہوں۔

(۱) اول یہ کہ مولوی صاحب کے ان معنوں میں کئی امور ہنوز قابل بحث ہیں جن کا وہ یقینی

طور پر فیصلہ نہیں کر سکے اور نہ ان کا ایک ہی معنوں پر قطعیۃ الدلالت ہونا بپایہ ثبوت پہنچا چکے ہیں۔ ﴿۸۰﴾
ازانجملہ ایک یہ کہ اہل الکتاب کا لفظ اکثر قرآن کریم میں موجودہ اہل کتاب کیلئے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں موجود تھے بیان فرمایا گیا ہے اور ہر یک ایسی آیت کا جس میں اہل کتاب کا ذکر ہے وہی مصداق اور شان نزول قرار دیئے گئے ہیں۔ پھر مولوی صاحب کے پاس باوجود اس دوسرے معنے ابن عباس اور عکرمہ کے کونسی قطعی دلیل اس بات پر ہے کہ اس ذکر اہل کتاب سے وہ لوگ قطعاً باہر رکھے گئے ہیں اور کون سی حجت شرعی یقینی قطعیۃ الدلالت اس بات پر ہے کہ اہل کتاب سے مراد اس زمانہ نامعلوم کے اہل کتاب ہیں جس میں تمام وہ لوگ حضرت عیسیٰ پر ایمان لے آئیں گے۔

ازانجملہ ایک یہ کہ مولوی صاحب نے تعیین مرجع لیؤمننّ بہٖ میں کوئی قطعی ثبوت پیش نہیں کیا۔ کیونکہ تفسیر معالم التنزیل وغیرہ تفاسیر معتبرہ میں حضرت عکرمہ وغیرہ صحابہ رضی اللہ عنہم سے یہ بھی روایت ہے کہ ضمیر بہٖ کی جناب خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پھرتی ہے اور یہ روایت قوی ہے کیونکہ مجرد مسیح ابن مریم پر ایمان لانا موجب نجات نہیں ٹھہر سکتا۔ ہاں خاتم الانبیاء پر ایمان لانا بلاشبہ موجب نجات ہے کیونکہ وہ ایمان تمام نبیوں پر ایمان لانے کو مستلزم ہے۔ پس اگر حضرت عیسیٰ کو بہٖ کے ضمیر کا مرجع ٹھہرایا جائے تو اس کا فساد ظاہر ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ اگر کوئی اہل کتاب شرک سے توبہ کر کے صرف حضرت عیسیٰ کی رسالت اور عبدیت کا قائل ہو لیکن ساتھ اس کے ہمارے سید و مولیٰ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت سے قطعاً منکر ہو تو کیا وہ اسی ایمان سے نجات پا سکتا ہے ہرگز نہیں۔ پھر یہ ضمیر بہٖ کی حضرت عیسیٰ کی طرف آپ کے معنوں کے رو سے کیونکر پھر سکتی ہے۔ اگر یہ تثنیہ کی ضمیر ہوتی تو ہم یہ خیال کر لیتے کہ اس میں حضرت عیسیٰؑ بھی داخل ہیں لیکن ضمیر تو واحد کی ہے صرف ایک کی طرف پھرے گی اور اگر وہ ایک بجز ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کوئی دوسرا ٹھہرایا جائے تو معنے فاسد ہوتے ہیں۔ لہٰذا بالضرورت ماننا پڑا کہ اس ضمیر کا مرجع ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اس صورت میں مَوتہٖ کی ضمیر کتابی کی طرف پھیری جائے گی۔

اگر آپ اس جگہ یہ اعتراض کریں کہ ایسے معنوں سے لیؤمننّ کا لفظ استقبال کے خالص معنوں میں کیونکر رہے گا تو میں اس کا یہ جواب دیتا ہوں کہ جیسے آپ کے معنوں میں رہا ہوا ہے۔ اس وقت ذرہ آپ متوجہ ہو کر بیٹھ جائیں اور اس قادر سے مدد چاہیں جو سینوں کو کھولتا اور دلوں میں سچائی کا نور

﴿۸۱﴾

نازل کرتا ہے۔ حضرت سنیئے آپ اس آیت کے یہ معنے کرتے ہیں کہ ایک زمانہ قبل موت عیسیٰؑ کے ایسا آئے گا کہ اس زمانہ کے موجودہ اہل کتاب سب کے سب حضرت عیسیٰؑ پر ایمان لے آئیں گے۔ اور بموجب روایت عکرمہ برعایت آپ کے نحوی قاعدہ کے یہ معنے ٹھہریں گے کہ ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ اس زمانہ کے موجودہ اہل کتاب سب کے سب نبی خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنی موت سے پہلے ایمان لے آئیں گے جس ایمان کے طفیل مسیح ابن مریم پر بھی ایمان لانا انہیں نصیب ہو جائے گا۔ اب حضرت اللہ جلّشانہٗ سے ڈر کر فرمائیے کہ کیا آپ کے **قطعیۃ الدلالت** ہونے کا دعویٰ بکلی نابود ہو گیا۔ یا ابھی کچھ کسر باقی ہے۔ آپ خوب سوچ کر اور دل کو تھام کر بیان فرماویں۔ کہ آپ کی طرز تاویل میں کونسی خالص استقبال کی علامت خاص طور پر پائی جاتی ہے جو اس تاویل میں وہ نہیں پائی جاتی۔ ناظرین برائے خدا آپ بھی ذرا سوچیں۔ بہت صاف بات ہے ذرہ توجہ فرماویں۔ اے ناظرین آپ لوگ جانتے ہیں کہ کئی دن سے مولوی صاحب کی یہی بحث لگی ہوئی تھی اور فقط اسی بات پر ان کی ضد تھی کہ لفظ لیؤمننّ لام اور نون ثقیلہ کی وجہ سے خالص استقبال کے معنوں میں ہو گیا ہے۔ اور مولوی صاحب اپنے گمان میں یہ سمجھ رہے تھے کہ خالص استقبال صرف اس طور کے معنے کرنے سے متحقق ہوتا ہے کہ **قبل موتہٖ** کی ضمیر مسیح ابن مریم کی طرف پھیریں اور اس کی حیات کے قائل ہو جائیں۔ اور اب اے بھائیو میں نے ثابت کر کے دکھلا دیا کہ خالص استقبال کیلئے یہ ضروری نہیں کہ **قبل موتہٖ** کی ضمیر حضرت عیسیٰ کی طرف پھیری جائے بلکہ اس جگہ حضرت عیسیٰؑ کی طرف ضمیر بہٖ اور ضمیر **قبل موتہٖ** پھیرنے سے معنے ہی فاسد ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ فقط عیسیٰؑ پر ایمان لانا نجات کے لئے کافی نہیں۔ بلکہ سچے اور واقعی معنے اس طرز پر یہی ہیں کہ ضمیر بہٖ کی ہمارے سید و مولیٰ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پھیری جائے اور ضمیر **قبل موتہٖ** کی کتابی کی طرف اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ضمن میں خود حضرت عیسیٰؑ وغیرہ انبیاء سب ہی آ جائیں گے ؎ نام احمد نام جملہ انبیا است + چونکہ صد آمد نود ہم نزد ماست۔[۹۰] بھائیو برائے خدا خود سوچ لو کہ ان معنوں میں اور حضرت مولوی صاحب کے معنوں میں خالص مستقبل ہونے میں برابری کا درجہ ہے یا ابھی کچھ کسر باقی ہے۔ بھائیو میں محض لِلّٰہ آپ لوگوں کے سمجھانے کیلئے پھر دوہرا کر کہتا ہوں کہ مولوی صاحب آیت لیؤمننّ بہٖ کے معنے یوں کرتے ہیں کہ ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ اس زمانہ کے موجودہ اہل کتاب حضرت عیسیٰؑ کی موت سے پہلے سب کے سب ان پر ایمان لے آئیں گے۔ اور میں حسب روایت حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ جیسا کہ معالم وغیرہ میں لکھا ہے۔ مولوی صاحب

﴿۸۲﴾ کی ہی طرز پر یہ معنے کرتا ہوں کہ ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ اس زمانہ کے سب موجودہ اہل کتاب اپنی موت سے پہلے ہمارے نبی کریم صلعم پر ایمان لے آئیں گے۔ بھائیو برائے خدا ذرہ نظر ڈال کر دیکھو کہ کیا خالص استقبال میری تاویل اور مولوی صاحب کی تاویل میں برابر درجہ کا ہے یا ابھی فرق رہا ہوا ہے۔ اب بھائیو انصافاً دیکھو کہ ان معنوں میں بہ نسبت مولوی صاحب کے معنوں کے کس قدر خوبیاں جمع ہیں۔ وہ اعتراض جو مولوی صاحب کی طرز پر ضمیر بِہٖ کے تعین مرجع میں ہوتا تھا۔ وہ اس جگہ نہیں ہوسکتا۔ قراءت شاذہ اس تاویل کی مؤیّد ہے۔ اور بایں ہمہ خالص استقبال موجود ہے۔ اب اے حاضرین مبارک۔ مولوی صاحب کے دعویٰ قطعیّت کا بھانڈا پھوٹ گیا مگر تعصب اور طرف داری سے خالی ہو کر غور کرنا۔ مولوی صاحب نے اس بحث حیات مسیح کا حصر پانچ دلیلوں پر کیا تھا۔ چار دلیلوں کو تو انہوں نے خود چھوڑ دیا اور پانچویں کو خدا تعالیٰ نے حق کی تائید کر کے نیست و نابود کیا۔ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا [1] ۹/۱۵ اب اے حاضرین۔ اے خدا تعالیٰ کے نیک دل بندو۔ سوچ کر دیکھو اور ذرہ اپنے فکر کو خرچ کر کے نگاہ کرو کہ حضرت مولوی محمد بشیر صاحب کا کیا دعویٰ تھا۔ یہی تو تھا کہ آیت لیؤمنن بہٖ کے وہ سچے اور صحیح معنے ٹھہر سکتے ہیں جن میں لفظ لیؤمننّ کو خالص مستقبل ٹھہرایا جائے اور مولوی صاحب نے اپنے مضمون کے صفحوں کے صفحے اسی بات کے ثابت کرنے کیلئے لکھ مارے کہ نون ثقیلہ مضارع کے آخر مل کر خالص مستقبل کے معنوں میں لے آتا ہے۔ اسی دھن میں مولوی صاحب نے حضرت ابن عباس کے معنوں کو قبول نہیں کیا اور یہ عذر پیش کیا کہ وہ معنے بھی نحویوں کے اجماعی عقیدہ کے برخلاف ہیں۔ سو ہم نے مولوی صاحب کی خاطر سے ابن عباس کے معنوں کو پیش کرنے سے موقوف رکھا اور روایت عکرمہ کی بنا پر وہ معنے پیش کئے جو خالص مستقبل ہونے میں بکلی مولوی صاحب کے معنوں سے ہمرنگ اور ان نقصوں سے مبرا ہیں جو مولوی صاحب کے معنوں میں پائے جاتے ہیں۔ یہ بات ظاہر ہے کہ مسیح پر ایمان لانے کے وقت ہمارے سید و مولا خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا ضروری ہے اور اس کے ضمن میں ہر یک نبی پر ایمان لانا داخل ہے۔ پھر کیا ضرورت ہے کہ اس ایمان کے لئے حضرت مسیح کو آسمانوں کے دارالسرور سے اس دارالابتلا میں دوبارہ لایا جائے۔ مثلاً دیکھئے کہ جو لوگ بقول آپ کے آخری زمانہ میں آنحضرت صلعم پر ایمان لائیں گے یا اب ایمان لاتے ہیں۔ کیا ان کے

[1] بنی اسرائیل: ۸۲

﴿۸۳﴾

ایمان کیلئے یہ بھی ضروری ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود تشریف لے آویں۔ پس ایسا ہی یقین کیجئے کہ حضرت مسیح پر ایمان لانے کیلئے بھی دوبارہ ان کا دنیا میں آنا ضروری نہیں اور ایمان لانے اور دوبارہ آنے میں کچھ تلازم نہیں پایا جاتا اور اگر آپ اپنی ضد نہ چھوڑیں اور ضمیر لیؤمننّ بہٖ کو خواہ نخواہ حضرت عیسیٰؑ کی طرف ہی پھیرنا چاہیں باوجود اس فساد معنے کے جس کا نقصان آپ کی طرف عائد ہے۔ ہماری طرز بیان کا کچھ بھی حرج نہیں کیونکہ ہمارے طور پر برعایت خالص استقبال کے پھر اس کے یہ معنے ہوں گے کہ ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ اس زمانہ کے سب اہل کتاب اپنی موت سے پہلے حضرت عیسیٰؑ پر ایمان لے آویں گے۔ سو یہ معنے بھی خالص استقبال ہونے میں آپ کے معنے کے ہم رنگ ہیں کیونکہ اس میں کچھ شک نہیں کہ ابھی تک وہ زمانہ نہیں آیا جو سب کے سب موجودہ اہل کتاب حضرت عیسیٰؑ پر یا ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے ہوں۔ لہٰذا خالص استقبال کے رنگ میں اب تک یہ پیشگوئی موافق ان معنوں کے چلی آتی ہے۔ اب اگر ہماری اس تاویل میں آپ کوئی جرح کریں گے تو وہی جرح آپ کی تاویل میں ہوگی۔ یہاں تک کہ آپ پیچھا چھڑا نہیں سکیں گے۔ جن باتوں کو آپ اپنے پرچوں میں قبول کر بیٹھے ہیں انہیں کی بنا پر میں نے یہ تطبیق کی ہے۔ اور جس طرز سے آپ نے آخری زمانہ میں اہل کتاب کا ایمان لانا قرار دیا ہے اسی طرز کے موافق میں نے آپ کو ملزم کیا ہے اور اسی خالص استقبال کے موافق خالص استقبال پیش کر دیا ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ صحابہ کے وقت سے اس آیت کو ذوالوجوہ قرار دیتے چلے آئے ہیں۔ ابن کثیر نے زیر ترجمہ اس آیت کے یہ لکھا ہے قال ابن جریر اختلف اھل التاویل فی معنی ذٰلک فقال بعضھم معنی ذٰلک وان من اھل الکتاب الا لیؤمننّ بِہٖ قبل موتہٖ ؕ یعنی قبل موت عیسٰی وقال اخرون یعنی بذلک وان من اھل الکتاب الّا لیؤمنن بعیسی قبل موت الکتابی ذکر من کان یوجہ ذٰلک الی انہ اذا عاین علم الحق من الباطل. قال علی بن ابی طلحۃ عن ابن عباس فی الاٰیۃ قال لایموت یھودی حتی یومن بعیسٰی و کذاروی ابوداؤد الطیالسی عن شعبۃ عن ابی ھارون الغنوی عن عکرمۃ عن ابن عباس فھٰذہ کلھا اسانید صحیحۃ الی ابن عباس وقال اٰخرون معنی ذٰلک وان من اھل الکتاب الّا لیؤمننّ

﴿۸۴﴾ بـہٖ محمدؐ قبل موت الکتابی یعنی اس آیت کے معنے میں اہل تاویل کا اختلاف چلا آیا ہے۔ کوئی ضمیر قبل موتہ کی عیسٰیؑ کی طرف پھیرتا ہے اور کوئی کتابی کی طرف اور کوئی بہٖ کی ضمیر حضرت عیسٰیؑ کی طرف پھیرتا ہے اور کوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف۔ پس گو ابن جریر یا ابن کثیر کا اپنا مذہب کچھ ہو یہ شہادت تو انہوں نے بڑی بسط سے بیان کر دی ہے کہ اس آیت کے معنے اہل تاویل میں مختلف فیہ ہیں اور ہم اوپر ثابت کر آئے ہیں کہ مسیح ابن مریم کے نزول اور حیات پر قطعی دلالت اس آیت کی ہرگز نہیں اور یہی ثابت کرنا تھا۔

اب بعد اس کے کسی قدر بطور نمونہ مسیح ابن مریم کی وفات پر دلائل لکھے جاتے ہیں واضح ہو کہ قرآن کریم میں یٰعِیْسٰٓی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ وَرَافِعُکَ اِلَیَّ [۱] موجود ہے۔ قرآن کریم کے عموم محاورہ پر نظر ڈالنے سے قطعی اور یقینی طور پر ثابت ہوتا ہے کہ تمام قرآن میں توفّی کا لفظ قبض روح کے معنوں میں مستعمل ہوا ہے۔ یعنی اس قبض روح میں جو موت کے وقت ہوتا ہے دو جگہ قرآن کریم میں وہ قبض روح بھی مراد لیا ہے جو نیند کی حالت میں ہوتا ہے۔ لیکن اس جگہ قرینہ قائم کر دیا ہے جس سے سمجھا گیا ہے کہ حقیقی معنے توفّی کے موت لئے ہیں۔ اور جو نیند کی حالت میں قبض روح ہوتا ہے وہ بھی ہمارے مطلب کے مخالف نہیں۔ کیونکہ اسکے تو یہی معنے ہیں کہ کسی وقت تک انسان سوتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کی روح کو اپنے تصرف میں لے لیتا ہے اور پھر انسان جاگ اٹھتا ہے سو یہ وقوعہ ہی الگ ہے اس سے ہمارے مخالف کچھ فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔ بہر حال جب کہ قرآن میں لفظ توفّی کا قبض روح کے معنوں میں ہی آیا ہے اور احادیث میں ان تمام مواضع میں جو خدا تعالیٰ کو فاعل ٹھہرا کر اس لفظ کو انسان کی نسبت استعمال کیا ہے جا بجا موت ہی معنے لئے ہیں۔ تو بلا شبہ یہ لفظ قبض روح اور موت کیلئے قطعیۃ الدلالت ہو گیا۔ اور بخاری جو اصح الکتب ہے اس میں بھی تفسیر آیت فلمّا توفّیتنی کی تقریب میں متوفّیک کے معنے ممیتک لکھا ہے۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ موت اور رفع میں ایک ترتیب طبعی واقع ہے ہر یک مومن کی روح پہلے فوت ہوتی ہے پھر اس کا رفع ہوتا ہے۔ اسی ترتیب طبعی پر یہ ترتیب وضعی آیت کی دلالت کر رہی ہے کہ پہلے انّی متوفّیک فرمایا اور پھر بعد اسکے رافعک کہا اور اگر کوئی کہے کہ رافعک مقدم اور متوفّیک مؤخر ہے۔ یعنی رافعک آیت کے سر پر اور متوفّیک فقرہ جَاعِلُ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْکَ فَوْقَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا [۲] کے بعد اور بیچ میں یہ فقرہ محذوف ہے ثم منزّلک الی الارض سو یہ ان یہودیوں کی طرح تحریف ہے جن پر بوجہ تحریف کے لعنت ہو چکی ہے کیونکہ اس صورت میں اس

۱۔۲۔ اٰل عمران : ۵۶

﴿۸۵﴾

آیت کو اس طرح پر زیر و زبر کرنا پڑے گا۔ یاعیسی انی رافعک الی السماء و مطھرک من الذین کفروا و جاعل الّذین اتبعوک فوق الذین کفروا الی یوم القیٰمۃ ثم منزلک الی الارض و متوفّیک اب فرمایئے کیا اس تحریف پر کوئی حدیث صحیح مرفوع متصل مل سکتی ہے۔ یہودی بھی تو ایسے ہی کام کرتے تھے کہ اپنی رائے سے اپنی تفسیروں میں بعض آیات کے معنے کرنے کے وقت بعض الفاظ کو مقدم اور بعض کو مؤخر کر دیتے تھے جنکی نسبت قرآن مجید میں یہ آیت موجود ہے کہ یُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ [1] ان کی تحریف ہمیشہ لفظی نہیں تھی بلکہ معنوی بھی تھی۔ سو ایسی تحریفوں سے ہریک مسلمان کو ڈرنا چاہئے۔ اگر کسی حدیث صحیح میں ایسی تحریف کی اجازت ہے تو بسم اللہ وہ دکھلایئے۔ غرض آیت یَاعِیسٰی اِنِّی متوفیک میں اگر قرآن کریم کا عموم محاورہ ملحوظ رکھا جائے اور آیت کو تحریف سے بچایا جائے تو پھر موت کے بعد اور دوسرے معنے کیا نکل سکتے ہیں۔ یہ بات بھی یاد رکھنے کے لائق ہے کہ آیت میں رَافِعُکَ اِلَیَّ وارد ہے رافعک اِلَی السَّمَآءِ وارد نہیں۔ اس میں حکمت یہ ہے کہ روح کوئی مکانی چیز نہیں ہے بلکہ اسکے تعلقات مجھول الکنہ ہوتے ہیں۔ مرنے کے بعد ایک تعلق روح کا قبر کے ساتھ بھی ہوتا ہے اور کشف قبور کے وقت ارباب مکاشفات پر وہ تعلق ظاہر ہوتا ہے کہ صاحب قبور اپنی اپنی قبروں میں بیٹھے ہوئے نظر آتے ہیں۔ بلکہ ان سے صاحب کشف کے مخاطبات و مکالمات بھی واضح ہو جاتے ہیں۔ یہ بات احادیث صحیحہ سے بھی بخوبی ثابت ہے۔ صلٰوۃ فی القبر کی حدیث مشہور ہے اور احادیث سے ثابت ہے کہ مردے جوتی کی آواز بھی سن لیتے ہیں اور السّلام علیکم کا جواب دیتے ہیں باوجود اسکے ایک تعلق ان کا آسمان سے بھی ہوتا ہے اور اپنے نفسی نقطہ کے مکان پر ان کا تمثل مشاہدہ میں آتا ہے اور ان کا رفع مختلف درجات سے ہوتا ہے بعض پہلے آسمان تک رہ جاتے ہیں بعض دوسرے تک بعض تیسرے تک لیکن موت کے بعد رفع روح بھی ضرور ہوتا ہے۔ جیسا کہ حدیث صحیح اور آیت لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ [2] صریح اشارہ کر رہی ہے لیکن ان کا آسمان پر ہونا یا قبروں میں ہونا ایک مجھول الکنہ امر ہے۔ عنصری خاکی جسم تو ان کے ساتھ نہیں ہوتا کہ خاکی اجسام کی طرح ایک خاص اور حیز اور مکان میں ان کا پایا جانا ضروری ہو۔ اسی وجہ سے خدا تعالیٰ نے رَافِعُکَ اِلَیَّ فرمایا رَافِعُکَ اِلَی السَّمَآءِ نہیں کہا کیونکہ جو لوگ فوت ہو جاتے ہیں وہ خاص طور پر

[1] المائدۃ : ۱۴ [2] الاعراف: ۴۱

﴿۸۶﴾ کسی مکان کی طرف منسوب نہیں ہو سکتے بلکہ فِیْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِیْكٍ مُّقْتَدِرٍ [1] ہوتے ہیں۔ یعنی اگر ان کا کوئی خاص مکان ہے تو یہی مکان ہے کہ خدا تعالیٰ کے قرب کا مکان جو حسب استعداد ان کو ملتا ہے اب جب کہ قرآن کریم میں رافعک اِلَیَّ ہے جس کے یہ معنے ہیں کہ میں تجھ کو اپنی طرف اٹھانے والا ہوں۔ اگر جسمانی طور پر رفع مراد لیا جائے تو سخت اشکال پیش آتا ہے۔ کیونکہ احادیث صحیحہ بخاری سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت مسیح معہ اپنے خالہ زاد بھائی کے دوسرے آسمان پر ہیں۔ تو کیا خدا تعالیٰ دوسرے آسمان میں بیٹھا ہوا ہے تا دوسرے آسمان میں ہونا رافعک اِلَیَّ کا مصداق ہو جائے۔ بلکہ اس جگہ روحانی رفع مراد ہے جس کا حسب مراتب ایک خاص آسمان سے تعلق ہے۔ بخاری میں حدیث معراج کی پڑھو اور غور سے دیکھو۔ اب خلاصہ کلام یہ کہ ان تمام وجوہات کی رو سے قطعی اور یقینی طور پر ثابت ہے کہ حضرت عیسیٰؑ وفات پا گئے ہیں بلاشبہ آیت اِنِّی مُتَوَفِّیْکَ حضرت عیسیٰؑ کی وفات پر قطعیة الدلالت ہے۔ عموم محاورہ قرآن شریف کا اسی پر دلالت کرتا ہے۔ بخاری میں حضرت ابن عباس کی روایت سے متوفیک کے معنے ممیتک لکھے ہیں اور بخاری نے کسی صحابی کی روایت سے کوئی دوسرے متوفّیک کے معنے ہرگز اپنی صحیح میں نہیں لکھے اور نہ مسلم نے لکھے ہیں۔ بلکہ یہ بات ثابت ہو چکی ہے۔ کہ خدا تعالیٰ کے فاعل ہونے اور انسان کے مفعول ہونے کی حالت میں بجز قبض روح کے اور کوئی معنے نہیں ہو سکتے۔ اسی بنا پر میں نے ہزار روپیہ کا اشتہار بھی دیا ہے۔ اب اگر یہ آیت مسیح ابن مریم کی وفات پر قطعیة الدلالت نہیں تو دلائل مذکورہ بالا اور نیز دلائل مفصلہ مبسوطہ ازالہ اوہام کا جواب دینا چاہئے تا آپ کو ہزار روپیہ بھی مل جائے اور اپنے بھائیوں میں علمی شہرت بھی حاصل ہو جائے۔

دوسری دلیل مسیح ابن مریم کی وفات پر خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے جس کو امام بخاری اپنی کتاب التفسیر میں اسی غرض سے لایا ہے کہ تا یہ ظاہر کرے کہ لمّا توفّیتنی کے معنے لَمَّا اَمَتَّنِیْ ہے اور نیز اسی غرض سے اس موقعہ پر ابن عباس کی روایت سے متوفیک مُمِیتک کی بھی روایت لایا ہے تا ظاہر کرے کہ لمّا توفّیتنی کے وہی معنی ہیں جو انی متوفیک کے معنی ابن عباس نے ظاہر فرمائے ہیں۔ اس مقام پر بخاری کو غور سے دیکھ کر ادنیٰ درجہ کا آدمی بھی سمجھ سکتا ہے کہ توفّیتنی کے معنی امتّنی ہیں یعنی تو نے مجھے مار دیا۔ اس میں تو کچھ شبہ

[1] القمر: ۵۶

﴿۸۷﴾

نہیں کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو گئے ہیں اور مدینہ منورہ میں آپ کا مزار موجود ہے۔ پھر جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وہی لفظ **فلمّا توفّیتنی** کا حدیث بخاری میں اپنے لئے اختیار کیا ہے اور اپنے حق میں ویسا ہی استعمال کیا ہے جیسا کہ وہ حضرت عیسیٰ کے حق میں مستعمل تھا تو کیا اس بات کو سمجھنے میں کچھ کسر رہ گئی کہ جیسا کہ آنحضرت صلعم وفات پا گئے ویسا ہی حضرت مسیح ابن مریم بھی وفات پا گئے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ قرآن کریم کی آیات اور مفہوم آیات میں کسی طور سے تحریف جائز نہیں۔ اور جو کچھ اصل منشاء اور اصل مفہوم اور اصل مراد ہر یک لفظ کی ہے اس سے عمداً اس کو اور معنوں کی طرف پھیر دینا ایک الحاد ہے جس کے ارتکاب کا کوئی نبی یا غیر نبی مجاز نہیں ہے اسلئے کیونکر ہوسکتا ہے کہ نبی معصوم بجز حالت تطابق کلی کے جو فی الواقع مسیح کی وفات سے اس کی وفات کو تھی لفظ **فلمّا توفّیتنی** کو اپنے حق میں استعمال کرسکتا اور نعوذ باللہ تحریف کا مرتکب ہوتا بلکہ ہمارے سید و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم امام المعصومین وسید المحفوظین نے (**روحی فداء سبیلہ**) لفظ **فلمّا توفّیتنی** کا نہایت دیانت و امانت کے ساتھ انہیں مقررہ معیّنہ معنوں کے ساتھ اپنے حق میں استعمال کیا ہے کہ جیسا کہ وہ بعینہٖ حضرت عیسیٰؑ کے حق میں وارد ہے۔ اب بھائیو اگر حضرت سید و مولانا **بجسدہ العنصری** آسمان کی طرف اٹھائے گئے ہیں اور فوت نہیں ہوئے اور مدینہ میں ان کا مزار مطہر نہیں تو گواہ رہو کہ میں ایمان لاتا ہوں کہ ایسا ہی حضرت عیسیٰؑ بھی آسمان کی طرف **بجسدہ العنصری** اٹھائے گئے ہوں گے اور اگر ہمارے سید و مولیٰ وسید الکل ختم المرسلین افضل **الاولین و الاٰخرین اول المحبوبین والمقربین** درحقیقت فوت ہو چکے ہیں تو آؤ خدا تعالیٰ سے ڈرو اور **فلما توفیتنی** کے پیارے لفظوں پر غور کرو جو ہمارے سید و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے میں اور اس عبد صالح میں مشترک بیان کئے۔ جس کا نام مسیح ابن مریم ہے بخاری اس مقام میں سورۂ آل عمران کی یہ آیت **اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ** کیوں لایا اور کیوں ابن عباس سے روایت کی کہ **مُتَوَفِّیْکَ مُمِیْتُکَ** اس کی وجہ بخاری کے صفحہ ۶۶۵ میں شارح بخاری نے یہ لکھی ہے۔ **ھٰذہِ الاٰیة مُتَوَفِّیْکَ من سورة ال عمران ذکر ھھنا لمناسبة فلمّا توفّیتنی** یعنی یہ آیت **اِنِّی مُتَوَفِّیْکَ** سورت آل عمران میں ہے اور بخاری نے جو اس جگہ اس آیت کے ابن عباس سے یہ معنے کئے کہ **متوفّیک مُمِیْتُک** تو اس کا یہ سبب ہے کہ بخاری نے **فلمّا توفّیتنی**

﴿۸۸﴾ کے معنی کھولنے کیلئے بوجہ مناسبت یہ فقرہ لکھ دیا ورنہ آل عمران کی آیت کو اس جگہ ذکر کرنے کا کوئی محل نہ تھا۔ اب دیکھئے شارح نے بھی اس بات کو قبول کر لیا ہے کہ امام بخاری اِنّی متوفّیک مُمِیتک کے لفظ کو شہادت کے طور پر بہ تقریب تفسیر آیت **فلما توفیتنی** لایا ہے اور کتاب التفسیر میں جو بخاری نے ان دونوں متفرق آیتوں کو جمع کر کے لکھا ہے تو بجز اس کے اس کا اور کیا مدعا تھا۔ کہ وہ حضرت عیسیٰؑ کی وفات خاص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول سے ثابت کر چکا ہے۔ اب جب کہ اصح الکتاب کی حدیث مرفوع متصل سے جس کے آپ طالب تھے حضرت عیسیٰؑ کی وفات ثابت ہوئی۔ اور قرآن کی **قطعیۃ الدلالت** شہادت اس کے ساتھ متفق ہوگئی۔ اور ابن عباس جیسے صحابی نے بھی موت مسیح کا اظہار کر دیا۔ تو اس دوہرے ثبوت کے بعد اور کس ثبوت کی حاجت رہی۔ میں اس جگہ اور دلائل لکھنا نہیں چاہتا۔ میری کتاب ازالہ اوہام موجود ہے آپ اس کو ردّ کر کے دکھلاویں۔ خود حق کھل جائے گا۔ حضرت عیسیٰؑ وفات پا چکے اب آپ کسی طور سے ان کو زندہ نہیں کر سکتے۔

اب میں نے حضرت! اصل مدعا کا فیصلہ کر دیا۔ زیادہ لکھنے کی حاجت نہیں۔ جب میری اور آپ کی تحریریں شائع ہونگی۔ منصف لوگ خود دیکھ لیں گے۔ آپ نے ایک ذوالوجوہ آیت کو جس کے قطعی طور پر ایک معنے ہرگز قائم نہیں ہو سکتے **قطعیۃ الدلالۃ** ٹھہرانا چاہا تھا۔ میں نے اس طرح کہ جیسے دن چڑھ جاتا ہے آپ کو دکھلا دیا کہ وہ آیت حضرت عیسیٰؑ کی زندگی پر ہرگز ہرگز **قطعیۃ الدلالت** نہیں۔ آپ نہیں دیکھتے کہ اسکے ضمیروں میں ہی کس قدر گڈ مڈ پڑا ہوا ہے۔ کوئی کسی طرف پھیرتا ہے اور کوئی کسی طرف۔ نہ حال کے ایک معنے ٹھہر سکتے ہیں اور نہ خالص استقبال کے ایک معنے۔ پھر وہ **قطعیۃ الدلالت** کیونکر ہوگئی؟ کیا **قطعیۃ الدلالت** اسی کو کہتے ہیں کہ کوئی اسکی ضمیر خدا تعالیٰ کی طرف پھیرے اور کوئی ہمارے سید و مولا نبی عربی خاتم الانبیاءؐ کی طرف اور کوئی حضرت عیسیٰؑ کی طرف اور کوئی **قبل موتہٖ** کی ضمیر حضرت عیسیٰؑ کی طرف پھیرے اور کوئی کتابی کی طرف جب کہ تعین مرجع میں ہی ابتداء سے یہ تفرقہ چلا آیا ہے۔ اور پھر اہل کتاب کے لفظ میں بھی تفرقہ اور اختلاف ہے کہ وہ کس زمانہ کے اہل کتاب میں ہیں۔ اور پھر بقول آپ کے ایمان لانے والوں کا زمانہ بھی ایک نشاندہی کے ساتھ مقرر اور معین نہیں۔ تو پھر انصافاً فرمائیے کہ باوجود ان سب آفتوں کے یہ آیت **قطعیۃ الدلالت** کیونکر ٹھہرے گی۔ قرآن کریم کے کئی مقامات سے ثابت ہو رہا ہے

﴿۸۹﴾

کہ اس دنیا کے زوال تک کفار اہل کتاب باقی رہیں گے پھر یہ تاویل کہ کسی وقت قیامت سے پہلے پہلے کل اہل کتاب مسلمان ہو جائیں گے کس طور سے صحیح ٹھہر سکتی ہے۔ کیا کوئی اور بھی آیت اپنے کھلے کھلے اور بیّن منطوق سے اس بات کی مصدق ہے کہ ضرور ہے کہ آخری وقت میں قیامت سے پہلے تمام اہل کتاب مسلمان ہو جائیں گے۔ قرآن کریم کی نصوص بینہ قطعیة الدلالت کو محض ایک ذوالوجوہ اور متشابہ آیت پر نظر رکھ کر ردّ کر دینا دیانت کا کام نہیں ہے۔ اللہ جلّشانہ فرماتا ہے کہ متشابہات کا اتباع وہ کرتے ہیں جن کے دل میں کجی ہے اور صراط مستقیم کے پابند نہیں ہیں۔ پھر وہب اور محمد بن اسحاق اور ابن عباس واقع موت کے قائل ہیں۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم موت مسیح پر صریح شہادت دیتے ہیں اور امام بخاری خود اپنا مذہب یہی ظاہر کرتے ہیں تو پھر باوجود ان مخالفانہ ثبوتوں کے قَبل موته کی ضمیر کیونکر قطعی طور پر حضرت عیسیٰؑ کی طرف پھر سکتی ہے۔ اور میں نے آپ کے خالص مستقبل کا بھی پورا پورا فیصلہ کر دیا ہے طالب حق کیلئے کافی ہے۔

پھر آپ اپنے پرچہ کے اخیر میں فرماتے ہیں کہ ہم دعوے سے کہتے ہیں کہ جہان کے مفسرین و جملہ صحابہ و تابعین مسیح ابن مریم کی موت سے منکر اور حیات جسمانی کے قائل ہیں اس کے جواب میں عرض کیا جاتا ہے کہ اگر آپ کے ساتھ کوئی عامی اور بے خبر مفسر ہوگا۔ ہمارے ساتھ اللہ جلّ شانہٗ اور اس کا پیارا اور برگزیدہ رسول ہے۔ کیا اس حدیث کے موافق جو کتاب التفسیر میں امام بخاری نے لکھی ہے اور ابن عباس کا قول اسکی تائید میں ذکر کیا ہے۔ آپکے پاس اس پایہ کی کوئی حدیث ہے جسکے الفاظ متنازعہ فیہ کے بارے میں ابن عباس جیسے صحابی کی شرح ہی ہو تو وہ حدیث آپکو شائع کرنی چاہئے اور جیسا کہ اصح الکتب بخاری میں ابن عباس سے اِنّی متوفّیک کی شرح اِنّی مُمیتک منقول ہے۔ بھلا ایسی اصح الکتب میں سے کسی اور صحابی کے حوالہ سے متوفّیک کے کوئی اور معنے بھی تو ثابت کر کے دکھلاویں۔ آپ جانتے ہیں کہ بخاری تنقید میں اول درجہ پر ہے اور وہ حضرت عیسیٰؑ کی وفات بیان کر چکا ہے اور اسکے صفحہ ۶۶۵ میں ایک جلیل الشان صحابی ابن عم رسول اللہ متوفّیک کے معنے مُمیتک بتلا رہا ہے۔ اور جو آنکھیں رکھتا ہے وہ خوب جانتا ہے کہ امام بخاری اس آل عمران کی آیت کو برموقعہ تفسیر فلمّا توفّیتنی کیوں لایا۔ اور ابن عباس کا قول کیوں پیش کیا۔ اور آیت فلمّا توفّیتنی کو کتاب التفسیر میں کیوں درج کیا۔ میں نے تو صحابی کیا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمودہ بھی آپ کے سامنے رکھ دیا۔

﴿۹۰﴾ اور صحابی بھی پیش کر دیا۔ آپ اگر سچے ہوں تو اسی کتاب اصح الکتب سے کوئی حدیث اس پایہ کی پیش کریں جس سے حضرت مسیح کی زندگی جسمانی ثابت ہوتی ہو لیکن ایسا نہ کریں کہ آیت لیؤ منن کی طرح کوئی ذوالوجوہ اور محجوب المفہوم حدیث پیش کر دیں آپ جانتے ہیں کہ آیت **لیؤ منن** کے متعلق چند روز کسی قدر ہم دونوں کا وقت ضائع ہوا۔ اور آخر آپ کا دعویٰ **قطعیة الدلالت** صریح باطل نکلا اور آپ نے جن پانچ دلیلوں پر حصر کیا تھا وہ **هباءً منثورًا** کی طرح نابود ہو گئیں۔ حضرت آپ ناراض نہ ہوں۔ اگر پہلے سے آپ سوچ لیتے تو میرا عزیز وقت ناحق آپ کے ساتھ ضائع نہ ہوتا۔ اب جب کہ آپ کے ان اول درجہ کے دلائل کی جن کو آپ نے تمام ذخیرہ سے چن کر پیش کیا تھا۔ آخر میں یہ کیفیت نکلی تو میں کیونکر اعتبار کروں کہ آپ کے دوسرے دلائل میں کچھ جان ہوگی۔ اور آج جیسا کہ آپ کی طرف سے تین پرچے لکھے جا چکے ہیں میری طرف سے بھی تین پرچے ہو گئے۔ اب یہ چھ پرچے ہم دونوں کی طرف سے **بجنسہٖ** چھپ جانے چاہئیں پبلک خود فیصلہ کر لے گی کہ میں نے آپ کے دلائل پیش کردہ کو توڑ دیا ہے یا نہیں۔ اور آپ کی پیش کردہ آیت کیا درحقیقت **قطعیة الدلالت** ہے یا ذوالوجوہ بلکہ آپ کے طور پر معنے کرنے سے قابل اعتراض ٹھہرتی ہے یا نہیں۔ چونکہ مساوی طور پر ہم دونوں کے پرچے تحریر ہو چکے ہیں۔ تین آپ کی طرف سے اور تین میری طرف سے۔ اس لئے یہی پرچے بلاکم وبیش چھپ جائیں گے اور ہم دونوں میں سے کسی کو اختیار نہ ہوگا کہ غائبانہ طور پر کچھ اور زیادہ یا کم کرے۔ یہ پھر یاد رہے کہ تین پرچوں پر طبعی طور پر فریقین کے بیانات ختم ہو گئے ہیں اور اس مضمون کے شائع ہونے کے بعد جب پبلک کی طرف سے منصفانہ رائیں شائع ہوں گی اور ثالثوں کے ذریعہ سے صحیح رائے جو حق کی مؤیّد ہو پیدا ہو جائے گی۔ تو اس تصفیہ کیلئے آپ تحریری طور پر دوسرے امور میں بھی بحث کر سکتے ہیں۔ لیکن اس تحریری بحث کیلئے میرا اور آپ کا دہلی میں مقیم رہنا ضروری نہیں۔ جب کہ تحریری بحث ہے تو دور رہ کر بھی ہو سکتی ہے۔ میں مسافر ہوں اب مجھے زیادہ اقامت کی گنجائش نہیں۔

ملاحظہ:- اس مباحثہ سے متعلق مولوی محمد بشیر صاحب اور مولوی سید محمد احسن صاحب کے مابین جو مراسلت ہوئی اور ''الحق'' میں طبع شدہ ہے ذیل میں اس غرض سے شائع کی جاتی ہے کہ تا اس زمانہ کے مولویوں کی طرز مناظرہ اور ان کی علوم رسمیہ سے وابستگی اور علم قرآن مجید سے بیگانگی پوری طرح آشکارا ہو جائے۔ (شمس)

﴿۹۱﴾

مرؔاسلت نمبر (۱)

مابین

مولوی محمد بشیر صاحب

اور

مولوی سید محمد احسن صاحب

مولوی محمد بشیر صاحب

حامداً مصلیاً مبسملاً

مکرم معظم بندہ جناب مولوی محمد احسن صاحب دام مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ عنایت نامہ مورخہ ۲؍ ربیع الثانی پہنچا۔ مشرف فرمایا مندرجہ پر آگاہی حاصل ہوئی چونکہ بحث حیات و وفات مسیح علیہ السلام کی مبنی ادلہ شرعیہ پر ہے الہام کو اس میں کچھ دخل نہیں ہے۔ اور گو جناب مرزا صاحب کو الہام میں کیسا ہی ید طولیٰ ہو لیکن خاکسار کے زعم میں علوم رسمیہ میں آپ کو ان پر ترجیح ہے اس لئے آپ کو میں احق بالمباحثہ جانتا ہوں۔ علاوہ اس کے خاکسار کے اور آپ کے درمیان میں جو علاقہ محبت قبل اس کے کہ آپ جناب مرزا صاحب کے مسیح موعود ہونے کے معتقد ہوں مستحکم تھا وہ اظہر من الشّمس ہے۔ گویا ہم دونوں مصداق اس شعر کا تھے۔ ؎
وکنّا کندمانی جذیمۃ حقبۃ + من الدھر حتّٰی قیل لن یتصدعا ۔ اور یہ محبت محض دینی تھی نہ دنیوی اور جب سے آپ جناب مرزا صاحب کے مسیح موعود ہونے کے معتقد ہوئے ہیں۔ جب سے ہم دونوں مصداق اس شعر کا ہیں ؎ فلما تفرقنا کانی ومالکا + لطول اجتماع لم نبت لیلۃ معا

﴿۹۲﴾

اور یہ ہجران بھی محض دین کیلئے ہے نہ کسی غرض دنیوی سے اور اس مرض ہجران کا علاج میرے نزدیک کوئی نہیں ہے۔سوا اس کے کہ میرے اور آپ کے درمیان میں مباحثہ تحریری حیات و وفات مسیح علیہ السلام میں محض اظہارًا للصواب واقع ہو جاوے کیونکہ میں سچے دل سے آپ سے کہتا ہوں کہ اگر وفات میرے نزدیک ثابت ہو جاوے گی تو میں بے تامل اپنے قول سے رجوع کرلوں گا۔ واللّٰہ علی ما اقول وکیل اور آپ کے ساتھ بھی مجھ کو حسن ظن یہی ہے۔پس امید قوی ہے کہ بعد مباحثہ کے سبب مرض انشاء اللہ تعالیٰ زائل ہو جائے گا۔رہے لوازم بشریت وظہور فساد فی البر والبحر سو اگر میں اور آپ تہذیب عقلی ونقلی کا التزام کرلیں تو ان کے مفاسد وشرور سے بچنا آسان امر ہے اور طریقۂ مناظرہ مستحسن یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک ہم میں سے مدعی بنے اور دوسرا مجیب اور مدعی کی تین تحریریں ہوں نہ کم نہ زیادہ اور مجیب کی دو تحریریں ہوں نہ کم نہ زیادہ۔اس کے بعد عکس الامر ہو یعنی جو مجیب تھا وہ مدعی بنے اور مدعی مجیب اور یہاں بھی مدعی کی تین تحریریں ہوں نہ کم نہ زیادہ۔اور مجیب کی دو تحریریں ہوں نہ کم نہ زیادہ۔اس طریقہ میں فائدہ یہ ہے کہ بحث اس امر کی اٹھ جائے گی کہ دراصل کون مدعی ہے اور کون مجیب اور ہر ایک کو اپنے دعوے کی دلیل بیان کرنے اور مخالف کی دلیل کے رد کرنے کا علی سبیل المساوات خوب موقع ملے گا۔اور پرچے بھی دونوں کے مساوی العدد ہو جائیں گے۔خاکسار کی جانب سے آپ کو اختیار ہے چاہے پہلے مدعی بنئے چاہے مجیب۔امید کہ جواب رقعہ ھٰذا سے جلد اور ضرور مشرف فرمائیے والسلام خیر الختام۔مورخہ ۷؍ربیع الثانی ۱۳۰۹ھ

محمد بشیر عفی عنہ

مولوی سید محمد احسن صاحب

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مبسملًا محمدلًا مصلّیًا مسلّمًا۔مخدوم ومکرم جناب مولوی محمد بشیر صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ نامہ نامی عز ثانی نے مذاق وچاشنی قند مکرر عطا فرما کر سرفراز وممتاز فرمایا اور درخواست مکرر مباحثہ کو دیکھ کر حیران ہوا کہ مولانا صاحب تو معرکۃ العلماء میں دہلی سے بقول خود فتح عظیم حاصل کرکے تشریف لائے ہیں اور

﴿۹۳﴾ ایک ایسے نامی گرامی شخص کو جو دنیا بھر میں معروف ومشہور ہے شکست دی ہے پھر اس ہیچمدان و نالائق سے درخواست مباحثہ کیوں ہے۔ **من المثل السائر فی الورٰی و کل الصید فی جوف الفرٰی** یہ امر مجرب ہے۔ کہ اعالی پر فتح پا کر ادنیٰ کی طرف توجہ نہیں رہتی۔ یا الٰہی! یہ عالم رؤیا ہے یا **یقظہ** کیونکہ جناب کا صرف درخواست مباحثہ کرنا اس ہیچمدان سے خصوصاً کل بروز جمعہ جلسہ وعظ میں باعث نہایت عزت اور فخر کا ہے اگر چہ روبرو جناب کے ہیچمدان محض ساکت وصامت ہی ہو جاوے تو بھی باعث فخر ہے اکھاڑے میں نامی پہلوان سے بھاگے ہوئے کو بڑی عزت حاصل ہو جاتی ہے۔ کاش اگر یہ درخواست مباحثہ قبل اس فتح عظیم کے واقع ہوتی تو بھی شائد اپنے موقع اور محل پر ہوتی۔ یا الٰہی یہ ترقی معکوس کیسی ہے۔ ؎ اینکہ می بینم بہ بیداریست یارب یا بخواب۔ ہر حال اس خواب کی تعبیر جو خیال ناقص میں آئی ہے **خیرلنا و شرٌّ لِاَعدائنا** پھر عرض کروں گا۔ جواب عنایت نامہ گزارش کرتا ہوں۔

گزارش اوّل

جناب والا نے بروقت تشریف آوری کے دہلی سے جب نیاز مند خدمت مبارک میں حاضر ہوا تو زبان فیض ترجمان سے یہ مضمون ارشاد فرمایا تھا الفاظ کچھ ہوں مگر مطلب یہی تھا کہ یہ مباحثہ میرا علی الرغم مولانا سید نذیر حسین صاحب و محمد حسین وغیرہ کے واقع ہوا ہے بلکہ ان علماء نے بہ سبب نہ شریک کرنے انکے کے مباحثہ میں حتّٰی کہ جلسہ بحث میں بھی جب شریک نہ کیا تو بخدمت حضرت مرزا صاحب سلمہ ان علما نے یہ تحریر کر بھیجا کہ اس مباحثہ کی فتح وشکست کا اثر ہم پر نہ پہنچے گا اور یہ خبر سب دہلی میں بھی مشہور ہوگئی تھی اور یہ بات علاوہ ہے کہ یہ درخواست فریق ثانی کی تھی مگر آپکی رائے عالی بھی یہی تھی۔ اسی ضمن میں اور بھی چند باتیں ارشاد فرمائیں جن کو پھر عرض کروں گا۔ آخر اسی جلسہ میں یہ بھی فرمایا کہ بشرطیکہ تم ہماری تحریر میں کوئی نقص وجرح نہ کرو تو ہم اسکو سنا بھی دیویں گے۔ اس پر اٰمنّا وسلّمنا کہا گیا اور وعدہ یہ قرار داد پایا کہ غریب خانہ پر بوقت صبح آپ تشریف لا ویں گے اور خلوت میں سب سنا دیا جاوے گا۔ صبح کو ہیچمدان منتظر رہا کہ مولوی صاحب حسب الوعدہ اب تشریف لاتے ہوں گے **الکریم اذا وعد وفا** لیکن یہ امید مبدل بیاس ہوگئی ؎ اے بسا آرزو کہ خاک شدہ۔ صرف نوازش نامہ صادر ہوا جس میں چند امور تحریر فرمائے گئے تھے منجملہ ان کے خلف وعدہ کا یہ عذر تھا۔ کہ یہ ﴿۹۴﴾ مباحثہ تم کو تمہارے مکان پر سنانا وجتانا خلاف مصلحت ہے کیونکہ خدا خدا کر کر تو مجھ پر سے الزام واتہام

رفع ہوا ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ مولوی صاحب ایسے مباحثہ کا اس ہیچمدان سے اخفا کرنا جس کی نسبت سنتا ہوں کہ ہمارے مولوی صاحب کو فتح ہوئی اور حضرت مرزا صاحب کی شکست اور برملا ایک شہر کلاں دہلی میں واقع ہوا۔ ہر ایک تحریر پر فریقین کے دستخط ہوئے۔ جس میں تحریف وتبدیل کی گنجائش نہیں اور عنقریب بذریعہ طبع اس کو آپ شائع بھی کرنے والے ہیں خواہ ادھر سے شائع ہو یا نہ ہو پھر اس کے اخفا میں کیا مصلحت تھی ؎ نہاں کے ماند آں رازے کز وسازند محفلہا۔ اگر کوئی مقدمہ اس کا بطور مقاصد کے لکھا جا رہا ہے جیسا کہ سننے میں آیا ہے تو وہ بعد از جنگ یاد آید کا مصداق ہے۔ اصول مقاصد مباحثہ میں اس کو دخل ہی کیا ہے۔ جملہ مقدمات مقاصد جو مناط اور مدار استدلال ہیں سب اس میں موجود اور مرتب ہو چکے ہوں گے پھر اس کے اخفا میں کبھی تو یہ عذر فرمانا کہ وہ تحریرات ابھی پراگندہ ہیں اس لئے بالفعل بھیج نہیں سکتا ہوں اور کبھی اس کے اخفا میں کسی مصلحت کی رعایت فرمانا فہم ناقص میں نہیں آتا خصوصاً ایسی حالت میں کہ ہیچمدان آپ کو اظہار حق وصواب میں ایک شمشیر برہنہ تصور کرتا ہے۔ الحاصل جب کہ اس ہیچمدان کی نسبت زبانی یہ تاکید تھی کہ یہ مباحثہ تجھ کو جب سنایا جاوے گا کہ تو اس میں بالکل خاموش رہے اور پھر باوجود قبول کر لینے اس شرط کے وہ سنایا بھی نہ گیا کہ مصلحت کے خلاف تھا تو اب احقر کو واسطے مباحثہ کے امر فرمانا مناقض اس امر کے ہے جس کا حکم اول ہو چکا ہے امور متناقضہ کے ساتھ کسی مجھ سے عاجز ناتوان یا ہیچمدان کا مکلّف کرنا تکلیف مالا یطاق ہے لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا [1] اب اگر مباحثہ ہی مطلوب ہے تو اول وہی مباحثہ دہلی واسطے مطالعہ کے روانہ فرمایا جاوے اسی پر نظر عاجز ہو سکتی ہے۔

گزارش ثانی

مدت تخمیناً سات آٹھ ماہ کی گذری ہوگی کہ جب حضرت مرزا صاحب کے بارے میں فیمابین احقر وجناب کے تذکرہ ہوا کرتا تھا تو جناب نے اس ہیچمدان کو یہ مشورہ بدیں خلاصہ مضمون دیا کہ اس بارہ میں برملا گفتگو ہونا مناسب نہیں عوام بھڑک جاتے ہیں۔ بہتر یہ ہے کہ خلوت میں ہی گفتگو ہوا کرے احقر نے بھی اس کو مصلحت سمجھ کر قبول کیا اور یہ قرارداد ہوا کہ تمہارے ہی مکان میں یہ جلسہ ہوا کرے گا۔ چنانچہ خلوت میں تین جلسے ہوئے اور ہیچمدان نے اللہ تعالیٰ کو شاہد کر کر اول بدیں خلاصہ

[1] البقرۃ: ۲۸۷

﴿۹۵﴾

مضمون اقرار کیا کہ چونکہ یہ جلسہ خالصاً للہ ہے اس واسطے میں عہد کرتا ہوں کہ جو امر احقر کے فہم ناقص میں صواب ہو اور نفس الامر میں غلط تو اللہ کے واسطے آپ اس کو ضرور ردّ فرماویں گے اور میں اس کو قبول کروں گا۔ علیٰ ھٰذا القیاس جناب والا نے بھی احقر کے اس اقرار کے بعد خود اللہ تعالیٰ کو گواہ قرار دے کر یہ مضمون ارشاد فرمایا کہ میں بھی ایسا ہی کروں گا۔ اس میں سر مو تجاوز نہ ہوگا۔ مطلب یہی تھا الفاظ گو اور ہوں۔ بعد اس عہد و پیمان کے احقر نے مسودہ اعلام الناس حصہ اول جناب والا کو سنانا شروع کیا۔ جس جگہ جناب نے اس میں بطور تائید کے کوئی مضمون ارشاد فرمایا اس کو بھی میں نے درج کر لیا۔ اور مجھ کو خوب یاد ہے کہ کسی مضمون پر آپ نے جرح نہیں کیا بلکہ تائیداً کچھ ارشاد فرمایا۔ شائد ایک جگہ جرح کیا تھا اس کو میں نے کاٹ دیا تھا اور اس پر بڑی دلیل ایک یہ ہے کہ حصہ اول اعلام کو شائع ہوئے عرصہ تخمیناً سات آٹھ ماہ کا ہوا ہوگا اور جناب کے پاس بھی نسخہ مطبوعہ اس کا پہنچ گیا ہے جو مضمون تائیداً آپ کی طرف سے اس میں لکھا گیا ہے اس کی تکذیب آپ نے اب تک شائع نہیں فرمائی اگر آپ مقام توقف میں نہ ہوتے تو اب تک ضرور اس کی تکذیب کا اشتہار دے دیتے۔ الحاصل تین جلسے متفرق ہو چکے تھے جو عوام نے جناب پر اتہام اور الزام لگانے شروع کئے پھر جلسہ خلوت کا نہ ہوا ۔ آں قدح بشکست و آں ساقی نماند۔ پس جب کہ حصہ اول میں تخمیناً دو ایک ورق سنانے سے باقی رہ گئے ہیں یا شاذ و نادر کوئی ایک آدھ مضمون بھی رہ گیا ہو جو بروقت نظر ثانی کے درج کیا گیا ہو۔ غرض کہ حصہ اول آپ کا سنا ہوا ہے۔ **وللاکثر حکم الکل** پھر مولانا میرا کیا قصور ہے۔ مثل مشہور ہے کہ خود کردہ را علاجے نیست۔ ان سب واقعات سے مجھ کو پوری جرأت ہوگئی تب حصہ اول کو احقر نے حق سمجھ کر شائع کر دیا پھر اگر تدارک مافات کرنا ہے تو حصہ دوم بھی شائع ہو چکا ہے جس کو جناب نے ابھی شاید مطالعہ نہیں فرمایا ہوگا اور مدت ہوئی کہ حصہ اول تو حسب الطلب خدمت اقدس میں حاضر کیا گیا ہے جس جس جگہ دونوں حصوں میں جناب کو کلام ہو جواب و ردتحریر فرمائیے انشاء اللہ تعالیٰ اگر حق ہوگا تو قبول کرلوں گا اور بڑا باعث حصہ دوم کی اشاعت کا یہ بھی ہوا کہ ایک روز اثنائے راہ میں جناب نے چپکے سے یہ مضمون فرمایا کہ حیات مسیح فی الحقیقت ثابت نہیں اگر چہ خلاف مذہب جمہور ہے مگر اس کو کسی سے تم کہو مت۔ مطلب یہی تھا الفاظ گو اور ہوں۔ جب چاروں طرف سے آپ پر عوام الزام لگانے لگے تب آپ نے وعظ میں حضرت اقدس مرزا صاحب کو دجال کذاب تعریضاً یا کنایتاً فرمایا۔ جب بھوپال میں اس وعظ کی خبر مشہور ہوئی تو ایک روز میرے ایک محبّ مکرم احقر سے اثنائے راہ محلّہ نظر گنج میں فرمانے لگے کہ مولوی محمد بشیر صاحب تو حضرت مرزا صاحب کو دجال کذاب کہتے ہیں میں نے عرض کیا کہ آج کل کی روایات کا کیا اعتبار ہے مولوی صاحب سے

﴿۹۶﴾ بالمشافہ دریافت کرلیا جاوے۔ احقر اور محبّ ممدوح آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور محبّ ممدوح نے اس بارے میں بطور خود خواہ کن ہی الفاظ سے ہو جناب سے استفسار کیا۔ جناب نے احقر کے سامنے در جواب یہ مضمون ارشاد فرمایا کہ میں نے دجال کذاب نہیں کہا۔ مرزا صاحب کو اس امر میں خطا پر جانتا ہوں خواہ خطا الہامی ہو یا خطاء اجتہادی یا خطاء عمدی۔ الفاظ کچھ ہوں مطلب یہی تھا۔ ان واقعات کا افشاء احقر نے آج تک نہیں کیا تھا لیکن جب خدام جناب احقر کو بہت تاکید سے کسی مصلحت کے سبب مباحثہ پر مجبور فرماتے ہیں تب مجبور ہوکر یہ اسرار مخفیہ اظہاراً للصواب ظاہر کئے جاتے ہیں پھر مع ھذا ہیچمدان کو مباحثہ سے احقاق حق اور اظہار صواب کی امید ہوتو کیونکر ہو۔ اس کی کیا سبیل ہے وہ ارشاد ہو۔ بعد اس کے تعمیل ارشاد کے لئے حاضر ہوں۔

گزارش سوم

عنایت نامہ میں الہام کو جو جناب نے ادلّہ شرعیہ سے خارج فرمایا ہے یہ مسئلہ بھی درمیان فحول علماء کے طویل الذیل ہے اور ہیچمدان اس کی بحث سے اعلام الناس حصہ دوم میں بطور استدلال علوم رسمیہ کے اپنے زعم میں فارغ ہو چکا ہے۔ پس یہ بھی ضرور ہے کہ جناب اس پر قبولاً یا رداً نظر فرمالیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ ہیچمدان اعلام الناس میں یہ سب ابحاث درج کرکر فارغ ہو چکا ہے۔ بلکہ حضرت اقدس مرزا صاحب سلمہ ازالہ اوہام میں تمام ابحاث متعلقہ مسئلہ متنازعہ فیہا کو درج فرما چکے ہیں اور جملہ مراتب مندرجہ عنایت نامہ (کہ کبھی مدعی کو منصب مجیب کا دیدینا چاہئے اور کبھی مجیب کو منصب مدعی کا) طے فرما چکے ہیں پس جو جو امور کہ جناب کی رائے کے خلاف ہیں خواہ ازالہ اوہام میں ہوں یا اعلام الناس میں اوّلا اظهـارًا للصواب و احقاقا للحق بطور مناظرہ حقہ کے ان میں بھی نظر فرمالیجئے۔ خصوصاً ایسی حالت میں کہ جناب نے اثناء مباحثہ دہلی میں مکرر سہ کرر یہ وعدہ بھی فرمایا ہے کہ ازالہ کا رد میں خوب بسط سے کروں گا۔ پس اوّل ان سب رسائل کا جواب ہو جانا بھی ضرور ہے اس کے بعد اگر احقر نے آپ کے جوابات کو تسلیم کرلیا۔ فهـو المراد ورنہ ہیچمدان کی نظر اظهـارًا لـلـصواب بشرائط مفیدہ ہوسکتی ہے کیونکہ اس جانب سے تو اپنے زعم میں صحیح ہو یا خلاف پورا اتمام حجت کردیا گیا ہے۔

گزارش چہارم

یہ جو ارشاد فرمایا گیا کہ مرزا صاحب کو الہام میں کیسا ہی یدطولیٰ حاصل ہو لیکن جناب کے زعم

﴿۹۷﴾

میں علوم رسمیہ میں اس ہیچمدان کو ان پر ترجیح ہے۔ یہ ہیچمدان احق بالمباحثہ ہے۔جن علماء واولیا کے نفوس قدسیہ ایسے ہوتے ہیں کہ ان کو الہام میں یدطولیٰ حاصل ہوا ان کو علوم رسمیہ کی ضرورت ہی نہیں ہوتی ہے۔ یہ مسئلہ بھی فحول علما کا تسلیم کیا ہوا ہے اور اپنے محل پر ثابت ہے۔ یہاں تک کہ رسائل منطق اوران کے حواشی میں علماء متقشفہ نے بھی اس مسئلہ کو مسلّم کر کر لکھ دیا ہے کہ فنون منطق وغیرہ علوم رسمیہ کی حاجت نفوس قدسیہ کو ہرگز نہیں ہوتی اور جملہ قواعد صحیحہ اور اصول حقہ ان علوم کے ان کے اذہان میں ایسے مرکوز ہوتے ہیں کہ کوئی مسئلہ علمی متعلق ان فنون رسمیہ کے ان سے خلاف صادر نہیں ہوتا۔ پس اگر تسلیم بھی کیا جاوے کہ حضرت مرزا صاحب کو علوم رسمیہ میں مزاولت کم ہے تو ان کو باوجود حاصل ہونے یدطولیٰ کے الہام میں اس کی ضرورت ہی کیا ہے۔ اور اسی وجہ سے ایسے علماء صاحب نفوس قدسیہ ملہمین کا کوئی عالم علوم رسمیہ کا مقابل ورد یف نہیں ہوسکتا ومن المثل السائر فی الوری۔ ومن الردیف و قد رکبت غضنفرا مولوی شاہ ولی اللہ صاحب حکیم امت رحمۃ اللہ علیہ علوم حدیثیہ اسماء الرجال واصول فقہ واصول حدیث کی نسبت حجۃ اللہ میں ارشاد فرماتے ہیں۔ وھذا بمنزلۃ اللب والدر عند عامۃ العلماء و تصدی لہ المحققون من الفقھاء ھذا۔ وان ادق العلوم الحدیثیۃ باسرھا عندی واعمقھا محتدا وارفعھا منارا و اولی العلوم الشرعیۃ عن اٰخرھا فیما اری واعلاھا منزلۃ واعظمھا مقدارا ھو علم اسرار الدین الباحث عن حکم الاحکام ولمیاتھا واسرار خواص الاعمال و نکاتھا فھو واللّٰہ احق العلوم بان یصرف فیہ من اطاقہ نفائس الاوقات ویتخذہ عدۃ لمعادہ بعد مافرض علیہ من الطاعات الی ان قال ولا تبین اسرارہ الالمن تمکن فی العلوم الشرعیّۃ باسرھا واستبد فی الفنون الالٰھیۃ عن اخرھا ولا یصفوا مشربہ الا لمن شرح اللہ صدرہ لعلم لدنی وملاء قلبہ بسر وھبی وکان ما ذلک وقادالطبیعۃ سیال القریحۃ حاذقافی التقریر والتحریر بارعا فی التوجیہ و التحبیر الٰی اٰخرہ اوراس احقر کو جو جناب نے حسن ظن فرما کر ایسا بڑھا دیا کہ مرزا صاحب سے احق بالمباحثہ قرار دیا یہ حسن ظن خلاف واقعہ ہے اور عکس القضیہ ۔ چہ نسبت خاک را با عالم پاک۔ ایسا حسن ظن تو وضع الشیء فی غیر محلّہٖ ہے اور اگر جناب والا کے نزدیک یہ حسن ظن فی محلّہٖ ہے تو وہی مباحثہ

﴿۹۸﴾ دہلی واسطے مطالعہ کے روانہ فرمایا جاوے اس پر بغور وامعان نظر کرلوں گا۔

گزارش پنجم

ایک مشورہ ضروری خدمت مبارک میں عرض کرتا ہوں کہ آیت لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ[1] کو جناب نے حیات مسیح میں قطعی الدلالت بڑے زور شور سے ثابت کیا ہے۔ علماء دہلی حضرت میاں صاحب مدّ ظلّہٗ وغیرہ و نیز مولوی محمد حسین بٹالوی اس آیت کو حیات مسیح میں قطعی الدلالت نہیں سمجھتے۔ چنانچہ جناب نے بھی بروقت ملاقات اس ہیچمدان سے یہ امر بیان فرمایا تھا اور نیز بذریعہ تحریرات آمدہ از دہلی یہ امر احقر کو معلوم ہوا تھا اور نیز مولوی محمد حسین نے اشاعہ میں صرف اتنا لکھا ہے کہ یہ آیت مطلوب میں اشارہ کرتی ہے۔ اندریں صورت یہ سب علماء اس استدلال میں آپ سے مخالف ہیں اگر اولاً مباحثہ جناب ان علماء سے ہو جاوے اور پہلے باہمی آپس میں اس کا تصفیہ کرلیا جاوے تو بہتر ہے کہ اس کا ثمرہ عظیم حاصل ہوگا۔ احقر بھی اس امر خاص میں ان علماء کا موافق ہے جب تک کہ وہ حق پر رہیں بعد تصفیہ باہمی کے جو امر حق ہوگا احقر تک بھی پہنچ جائے گا اور اگر یہ مشورہ پسند خاطر عاطر نہ ہو تو وہی مباحثہ دہلی روانہ فرمادیا جاوے۔ انشاء اللہ تعالیٰ احقا قاً للحق اس پر بہت غور وامعان سے نظر کرلوں گا۔

گزارش ششم

علاقہ محبت اور ہجران کی نسبت جو جناب نے فرمایا اس کی نسبت یہ گذارش ہے کہ فی الحقیقت احقر کو تو جناب کی خدمت میں اب تک ویسی ہی محبت ہے جیسا کہ سابق میں تھی اس وجہ سے جو اشعار عربی جناب نے لکھے ہیں ان کو بار بار پڑھتا ہوں اور دل نیاز منزل پر ایک حالت رقت کی طاری ہوتی ہے اور ان کے ساتھ ان اشعار کو بھی ضم کرتا ہوں ؎

ولقد ندمت علی تفرق شملنا	ندما افاض الدمع من اجفانی
ونذرت ان عاد الزمان یلمّنا	ماعدت اذکر فرقة بلسانی
واقول للحساد موتوا حسرة	واللہ انی قد بلغت امانی
طفح السرور علیّ حتّٰی انہ	من فرط ما قد سرنی ابکانی
یاعین ما بال البکالک عادة	تبکین فی فرح وفی احزانی

اور عبارت جناب میں یہ جو منطوق بالمفہوم ہے کہ جب سے اس مسئلہ کو تم نے تسلیم کیا ہے۔ تب سے ہجران

[1] النساء: ۱۶۰

﴿۹۹﴾

اختیار کیا گیا ہے یہ امر نفس الامر کے خلاف معلوم ہوتا ہے شاید واسطے خاطر داری اور مدارات عوام کے مصلحتاً یہ جتلانا منظور ہے کہ ہم ابتدا سے اس مسئلہ میں مخالف ہیں نہ متوقف کیونکہ جس روز تک جناب والا دہلی سے واپس تشریف لائے ہیں اس روز تک تو ہجران کی ہاء ہوز بھی موجود نہ تھی حتیٰ کہ بنابر مدارات احقر کے کسی قدر علماء دہلی کی شکایت غیر مہذبی اور مرزا صاحب کی ثناء تہذیب احقر سے بیان فرمائی اور مباحثہ کے سنانے کا بھی وعدہ غریب خانہ احقر پر تشریف لا کر فرمایا گیا اور دہلی سے ایک عنایت نامہ بنام احقر درجواب عریضہ ارسال ہوا جس میں کچھ تذکرہ مجمل مباحثہ کا تھا اور اس سے پہلے وقت تشریف بری دہلی کے جناب والا نے بمعیت چند اشخاص معزز و مہذب اس احقر کے پاس قدم رنجہ فرمایا اور ارادہ جانے کا دہلی کو بغرض مباحثہ ظاہر فرمایا گیا گویا احقر سے رخصت ہو کر دہلی تشریف لے گئے اور اس سے پہلے جب مولوی محمد حسین صاحب اور جناب سے کسی مسئلہ میں کچھ مباحثہ ہوا تھا اور احقر خدمت مبارک میں حاضر ہوا تو جناب والا نے اپنی زبان فیض ترجمان سے اس کل مباحثہ کی زبانی نقل فرمائی اور یہ بھی ارشاد کیا کہ **بعد اللتیا و التی** میں نے تو مولوی محمد حسین صاحب کو دجال کذاب کہہ دیا۔ یہ سب حال سن کر احقر کو اس امر سے نہایت رنج ہوا اور بعض احباب سے اس رنج کو احقر نے ظاہر بھی کیا کہ مولوی محمد حسین صاحب کے ساتھ جو علماء مشہورین میں سے ہیں ایسا معاملہ و مکالمہ مناسب نہیں تھا یہ سب واقعات اس امر کے شواہد ہیں کہ جناب والا کو مرزا صاحب کے امر میں بسبب اس کے کہ ان کے دعاوی **حیّز** امکان میں ہیں توقف تھا اور **حیّز** امتناع میں نہ سمجھے گئے تھے۔ چنانچہ روایت ثقات سے یہ امر بھی معلوم ہوا تھا کہ جناب نے حصہ اوّل اعلام کی نسبت ارشاد فرمایا کہ اس میں جو ادلّہ مندرج ہیں وہ ادلّہ امکان کے اچھے لکھے ہیں۔ خلاصہ سب معروضات کا یہ ہے کہ سابق اس سے دعاوی مرزا صاحب آپ کے نزدیک سلسلہ ممکنات شرعیہ میں داخل تھے نہ ممتنعات شرعیہ میں۔ اسی واسطے جناب کو توقف تھا اور یہ واقعات سب کے دیکھے ہوئے اور سنے ہوئے ہیں۔ اب اس کے خلاف کے اظہار میں جناب کی کوئی مصلحت ہے تو احقر کو اس میں کچھ کلام نہیں۔ صرف اظہاراً للصواب ایک امر حق ظاہر کیا گیا اور یہ بطور مبتداء **الحقّ** کہا گیا ہے اب دیکھیئے خبر اس کی مُرٌّ واقع ہوتی ہے یا حُلوٌ۔

﴿۱۰۰﴾

گزارش ہفتم

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ [1] کے اثر سے محفوظ رہنے کی نسبت جو ارشاد ہوا۔ وہ اگرچہ آپ کی ذات محبت سمات سے متوقع ہے مگر آپ کے معتقدین اور متّعظین سے کیونکر متوقع ہو۔ جناب کو اگر اپنے دل پر پورا قابو ہے تو دوسروں پر کیا قدرت و اختیار ہے **قلب المؤمن بین اصبعین من اصابع الرحمٰن**۔ بذرائع معتبر میں نے سنا کہ ایک جلسہ میں جو حال میں منعقد ہوا تھا اس میں میرے سچے دوست **مجمع البر والخیر** اسم بامسمّٰی مولوی خیر اللہ صاحب وغیرہ نے آپ کو یہ مشورہ دیا کہ مولوی محمد احسن یا تو اس مسئلہ سے توبہ کریں یا مباحثہ کر لیں ورنہ سلام کلام جملہ حقوق اسلام ان سے ترک کئے جاویں اور زمرہ اہلحدیث سے خارج۔ اس کا تدارک جناب والا کی طرف سے کیا واقع ہوا ان کے مشورہ کے بموجب ایک عنایت نامہ واسطے طلب مباحثہ کے تحریر فرمایا گیا جس سے بسبب ایسے شرور و فساد کے نیازمند کوسوں بھاگتا ہے اور کل بروز جمعہ بھی جلسہ وعظ میں بھی یہی اعلان کیا گیا۔ پھر احقر کو اظہار صواب اور احقاق حق کی امید باوجود دخل دینے ایسے مجمع الخیروں کے کیونکر ہو اس کی کیا سبیل ہے۔

گزارش ہشتم

طرز مناظرہ جو تبدیل فرمایا گیا ہے اور یہ تجویز کیا گیا ہے کہ ایک میعاد کے بعد مدعی مجیب بن جاوے اور مجیب مدعی۔ یہ بھی رائے ناقص میں مستحسن نہیں معلوم ہوتا۔ اگرچہ جناب نے اس کو بہت غور اور فکر سے ایجاد کیا ہو کیونکہ ایسا انقلاب اور تبدیل بحث آداب مناظرہ سے رائے ناقص میں بالکل خلاف ہے۔ غصب منصب جو علماء نظار کے نزدیک مذموم ہے ایسی صورت میں اس کا ارتکاب کرنا پڑ جاوے گا۔ علاوہ بریں یہ عرض ہے کہ مباحثہ تو حیات و ممات ہی میں ہے اور جناب والا مدعی حیات کے ہیں پس جب کہ جناب مدعی حیات کے نہ رہیں گے اور اس دعوے سے دستبردار ہو جاویں گے تو بحث ختم ہو چکی۔ آپ خود بخود قائل ممات کے ہو گئے کیونکہ حیات و ممات میں کوئی واسطہ تو ہے ہی نہیں جو بحث باقی رہے۔ اجتماع الضدین تو محالات میں سے ہے حیات بھی نہ ہو اور ممات بھی نہ ہو اس کے کیا معنے۔ ہاں اہل دوزخ کے واسطے ایسا کچھ ارشاد ہوا ہے کہ لَا يَمُوتُ فِيهَا وَلَا يَحْيٰى [2] حیات و ممات میں ایسا تضاد ہے جیسا کہ وجود و عدم میں۔ پھر یہ بات فہم ناقص میں نہیں آتی کہ جناب والا ایک میعاد کے بعد دعویٰ حیات سے بھی دست بردار ہو جاویں اور پھر بھی ممات کے قائل نہ ہوں اور بحث جاری رہے اس میں جناب والا کو کیا اظہار حق وصواب مرکوز خاطر عاطر ہے

[1] الروم: ۴۲ [2] الاعلیٰ: ۱۴

﴿۱۰۱﴾

اندریں صورت فریقین کے پرچہ مساوی نہ رہیں گے۔تِلۡکَ اِذًا قِسۡمَۃٌ ضِیۡزٰی[1] جناب والا نے یہ مسئلہ علمیہ عنایت نامہ میں ایسا مندرج فرمایا ہے کہ ہیچمدان کی سمجھ میں نہیں آتا اور اغلب کہ دیگر ہمہ دانوں کی سمجھ میں بھی نہ آوے گا پس طرز جدید رائے ناقص میں مستحسن نہیں ہے۔ وہی طرز اور وہی مباحثہ محررہ جناب جس سے دہلی میں فتح ہوئی ہے کافی ہے کیونکہ مجرب بھی ہو چکا ہے اندریں صورت وہی مباحثہ دہلی ہیچمدان کے پاس روانہ فرمادیجئے۔حق ہوگا تو قبول کرلوں گا ورنہ نظر کر کر کچھ عرض کروں گا۔انشاءاللہ تعالیٰ۔

گزارش نہم

جناب والا جب دہلی سے واپس تشریف لائے تو بروقت ملاقات کے احقر سے فرمایا تھا کہ جب حضرت میاں صاحب مدّ ظلّہٗ نے بہت سا کچھ اصرار کیا کہ اگر مباحثہ کرتے ہو تو اس میں مولوی محمد حسین صاحب وغیرہ سے ضرور بالضرور مشورہ کرلو کیونکہ تلاحق افکار سے علم میں ترقی ہوجاتی ہے تب آپ نے میاں صاحب سے کہا کہ مجھ کو اپنی ادلّہ پر ایسا وثوق ہے کہ حاجت اعانت اور مشورہ کی ہرگز نہیں ہے مطلب یہی تھا گو الفاظ اور ہوں۔ یہ سب قصہ جب سے احقر نے آپ کی خاص زبان فیض ترجمان سے سنا ہے اگرچہ بذریعہ آمد خطوط بھی معلوم ہوا تھا تب سے احقر نہایت مضطرب اور بےقرار ہے کہ وہ ادلّہ قطعیہ دفعتاً کیونکر غیب الغیب سے عالم شہود میں پیدا و ظاہر ہوگئیں کہ نہ حضرت شیخ الکل مدّ ظلّہٗ کے خیال میں آئیں اور نہ مولوی محمد حسین وغیرہ کی قوت متخیلہ میں گزریں اور تعجب پر تعجب یہ ہے کہ روایت عدول وثقات سے سنا گیا کہ چندروز قبل تشریف بری دہلی کے آپ نے بھی برملا فرمایا تھا کہ حیات مسیح پر کوئی دلیل قطعی نہیں معلوم ہوتی۔شرق سے غرب تک بھی اگر کوئی تفحص کرے تو بھی ایسی دلیل نہ ملے گی پس جب کہ وہ ادلّہ قطعیہ دفعتاً غیب الغیب سے عالم شہود میں آ گئی ہیں اور مباحثہ دہلی میں پیش ہوکر صورت فتح وغلبہ بھی پیدا ہوگئی ہے تو وہ ادلّہ قطعیہ محررہ پیش شدہ بعینہا ہیچمدان کے پاس روانہ فرمادی جاویں۔ بھلا جب وہ ادلّہ قطعی الدلالت ہوں گی تو احقر ان کو کیونکر قبول نہ کرے گا اور جو مقدمہ اس کا لکھا جا رہا ہے اگر آپ چاہیں تو اس کو نہ دکھلائیے کیونکہ وہ مقدمہ غایت الامر یہ ہے کہ بطور مبادی کے ہوگا نہ بطور مقاصد اور اصول مطالب کے کیونکہ ایسے اصول و مقدمات مقاصد سب قبل ہی سے ممہد ہو چکے ہوں گے اصول مقاصد میں اس کو دخل ہی کیا ہے۔

گزارش دہم

جناب کو معلوم ہے کہ یہ احقر دس بجے سے شام تک کچہری میں کام سرکاری کرتا ہے صبح سے

[1] النجم : ۲۳

﴿۱۰۲﴾ دؔس بجے تک کچھ سبق گھر پر پڑھاتا ہے۔ کچھ تلاوت قرآن مجید کی بطور نذر کے اپنے اوپر لازم اور واجب کر لی ہے۔ بقیہ وقت حوائج خورد ونوش اور حقوق وغیرہ میں صرف ہوجاتا ہے اور دس بج جاتے ہیں۔ اور اوقات جناب کے بالکل فارغ۔ احقر کا یہ حال کہ کبھی تعطیل ہوگئی تو ایک گھنٹہ کی مجھ کو فرصت مل گئی جس میں کچھ لکھ لکھا لیا یا کسی کتاب وغیرہ کا مطالعہ کرلیا۔ چنانچہ یہ ملتمسہ جمعہ کے روز لکھنے بیٹھا تھا اس میں بعض احباب آ گئے ملتوی رکھا گیا۔ لیکن اتفاقاً آج بتاریخ یازدہم ربیع الثانی بروز ہفتہ بھی تعطیل تھی لہٰذا اس کو پورا کرلیا۔ ورنہ اگر تعطیل نہ ہوتی تو آج پورا بھی نہ ہوتا۔ یہ احوال اوقات احقر کا جناب کو معلوم ہے لیکن بمزید احتیاط اس واسطے التماس کیا گیا کہ اگر مباحثہ دہلی احقر کے پاس واسطے مطالعہ کے روانہ کیا جاوے تو اس پر نظر اوقات فرصت میں کروں گا۔ جناب والا کی طرف سے تعجیل نہ فرمائی جاوے کیونکہ تعجیل کی کچھ ضرورت بھی ایسی نہیں معلوم ہوتی۔ سب کام تأمّل اور تأنّی سے اچھا ہوتا ہے۔ ہاں البتہ جناب والا نے جو طرز مباحثہ دہلی تجویز کیا ہے احقر کو بہت مستحسن معلوم ہوتا ہے۔ دعویٰ حیات سے جس وقت دست برداری ہوگئی اس وقت ممات ثابت ہوجاوے گی اس میں تضیع اوقات بہت کم ہوگی کیونکہ پھر بحث کی کچھ حاجت ہی نہ رہے گی۔ اس تجویز کے استحسان میں احقر بالکل آپ کا موافق ہے البتہ اتنا امر اس پر مزید عرض کرتا ہوں کہ وہی مباحثہ دہلی بعینہا مرحمت ہو اسی پر نظر کرلوں گا۔ تبدیل طرز مناظرہ کی کوئی ضرورت نہیں اور غیر مقبول ہے۔ مورخہ دہم ربیع الثانی روز جمعہ وقت شام مطابق سیز دہم نومبر ۱۸۹۱ء۔

طرز استدلال مباحثہ دہلی پر نظر

حامدًا و مصلّیا و مسلّمًا اس نیاز نامہ کا جواب مولوی صاحب نے جو بھیجا تو اس میں گزارشہائے دہ گانہ مندرجہ اخلاص نامہ کو تصدیق فرمایا لیکن اس کے ساتھ یہ بھی تحریر کیا کہ **کلمة حق اريد بها الباطل** اور کچھ عذرات باردہ ایسے تحریر فرمائے کہ احقر ان کو بالفعل شائع نہیں کرتا کیونکہ عوام کو ان سے تلون طبع کا اور ثبوت مل جاوے گا اور طرز استدلال مباحثہ دہلی کا کچھ تبدیل فرما کر صرف آیت **ليؤمننّ به قبل موته** سے استدلال کیا اور آخر میں یہ بھی لکھا کہ ادلّہ حیات مسیح میرے پاس اور بھی بہت ہیں وہ پھر لکھی جاویں گی اور مطاوی تحریر میں بعض ایسے الفاظ تحریر فرمائے جو مولوی صاحب کی

شان سے بعید تھے اور طرز استدلال کی نسبت فرمایا کہ یہ وہی طرز ہے جو مباحثہ دہلی کا تھا احقر نے اس عنایت نامہ حال کو تین نوٹ بدیں خلاصہ مضمون دے کر بجنسہا واپس کر دیا۔

خلاصہ مضمون نوٹ اوّل

الفاظ خلاف تہذیب کے خطوط احقر اور جناب کی تحریر میں آنا مناسب نہیں ورنہ مباحثہ نہ ہوگا۔

خلاصہ مضمون نوٹ دوم

اس تحریر کا مقابلہ اصل مباحثہ سے کرا دیا جاوے۔

خلاصہ مضمون نوٹ سوم

کل ادلّہ حیات مسیح اس تحریر میں جمع کر دی جاویں۔ بار بار ایک دعوٰے پر وقتاً فوقتاً متفرق ادلّہ کا پیش کرنا کچھ ضرور نہیں ہے ہاں فریقین کو اختیار رہے کہ جب تک چاہیں نقض و جرح ادلّہ میں یا تائید ان کی میں وقتاً فوقتاً تحریر کریں۔ اس کا جواب آج کی تاریخ تک مولوی صاحب کی طرف سے صادر نہیں ہوا لہٰذا بعد انتظار بسیار احقر اب اس وعدہ کا ایفا کرتا ہے جو آغاز اخلاص نامہ میں نسبت تعبیر (اینکہ می بینم بہ بیداریست یارب یا بخواب) کے کیا گیا تھا۔

تعبیر

تعبیر اس کی یہ ہے کہ مولوی صاحب کو مباحثہ دہلی میں فتح اور کامیابی حاصل نہیں ہوئی جیسا کہ مشہور کر رکھا ہے بلکہ ناکامی ہوئی ہے جس کو احقر بعونہٖ تعالیٰ ناظرین کو ثابت کر دکھاوے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ ناظرین کو مباحثہ کے معائنہ سے واضح ہوا ہوگا کہ جن علوم رسمیہ کی اعانت سے علماء ظاہر ایسے مسائل میں بحث و نظر کرتے ہیں ان علوم میں سے سوائے نحو کے اور وہ بھی ادھورے طور پر مولوی صاحب نے کسی ایک علم سے بھی مدد نہیں لی مثلاً دار مدار علماء نظار کا ایک علم اصول فقہ ہے مولوی صاحب نے اس کی طرف بالکل توجہ نہیں فرمائی ورنہ تین چار سطروں میں مباحثہ ختم تھا۔ ہیچمدان بطور نمونہ کے بعض علوم رسمیہ کی اعانت سے مجملاً کچھ کچھ عرض کرتا ہے۔ اگر مولوی صاحب بھی ان علوم رسمیہ کی اعانت سے مباحثہ فرماویں گے تو پھر انشاء اللہ تعالیٰ ہیچمدان بھی تفصیل سے عرض کرے گا۔

علم اصول فقہ

مولوی صاحب نے اس علم کی طرف بالکل توجہ نہیں فرمائی۔ اگرچہ احقر کا منصب مدعی کا نہیں ہے لیکن اس غرض سے کہ مولوی صاحب اس علم کی طرف توجہ فرماویں کچھ عرض کرتا ہے کہ وفات عیسٰی بن مریم آیت اِنِّی مُتَوَفِّیکَ سے بروایت صحیح بخاری

﴿۱۰۴﴾

عن ابن عباس أعنی مُمیتک کے بطور عبارت النص کی ثابت ہے اور مولوی صاحب اگر تمام توغل اپنا جو علم اصول میں ان کو ہے صرف فرماویں گے تو اس کا نتیجہ شائد اس قدر حاصل ہو کہ حیات عیسیٰ بن مریم آیت وَاِنۡ مِّنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤۡمِنَنَّ بِهٖ قَبۡلَ مَوۡتِهٖ[1] سے بطور اشارۃ النص کے ثابت کی جاوے لیکن یہ مسئلہ تمام کتب میں مندرج ہے کہ تُرَجَّحُ الْعِبَارَۃُ عَلَی الْاِشَارَۃِ وَقْتَ التَّعَارُضِ پس وفات ثابت رہی اور حیات ساقط الاعتبار ٹھہری اور مباحثہ ختم ہوا۔

طرز دوم از روئے علم اصول فقہ

دوسرے طور پر آیت انّی متوفّیک حسب روایت صحیح بخاری کے وفات عیسیٰ ابن مریم میں محکم ہے۔ کیونکہ تعریف محکم کی کتب اصول فقہ اور نیز حضرت نواب صاحب بہادر مرحوم و مغفور نے حصول المامول وغیرہ میں یہ لکھی ہے اَلْمُحْکَمُ مَالَہٗ دَلَالَۃٌ وَاضِحَۃٌ اور بفرض تسلیم لفظ قبل موتہٖ حیات مسیح پر اگر دلالت بھی کرے تو یہ دلالت واضح نہیں ہے کیونکہ اس میں ضمائر وغیرہ ذوالوجوہ ہیں اور روایتاً و درایتاً مفسرین کا ان میں بہت سا کچھ اختلاف ہے اور اسی کو متشابہ کہتے ہیں۔ پس یہ لفظ متشابہ ہوا۔ اسی حصول المامول میں لکھا ہے وَالْمُتَشَابِہُ مَالَہٗ دَلَالَۃٌ غَیْرُ وَاضِحَۃٌ اب ظاہر ہے کہ ہوتے محکم کے متشابہ کی طرف کیونکر رجوع ہوسکتا ہے لقولہٖ سبحانہٗ تعالٰی فَاَمَّا الَّذِيۡنَ فِىۡ قُلُوۡبِهِمۡ زَيۡغٌ فَيَتَّبِعُوۡنَ مَا تَشَابَهَ مِنۡهُ ابۡتِغَآءَ الۡفِتۡنَةِ وَابۡتِغَآءَ تَاۡوِيۡلِهٖ[2] اسی طرح پر اگر دیگر قواعد علم اصول کی طرف رجوع کیا جاوے تو مباحثہ چار پانچ سطروں میں ختم ہوسکتا ہے مگر آپ احقر کو اس تقریر سے مدعی نہ قرار دے لیویں یہ تقریر تو بطور نقض یا معارضہ کے عرض کی گئی ہے اور یہی سائل کا منصب ہے۔

طرز استدلال از روئے اصول حدیث

مولوی صاحب نے اس علم کی طرف بھی توجہ نہیں فرمائی ورنہ چار پانچ سطروں میں فیصلہ ہوجاتا تقریر اس کی بطور نمونہ مجملاً یہ ہے کہ صحیحین کی حدیثوں سے جو ازالۃ الاوہام میں لکھی ہیں وفات عیسیٰ بن مریم ثابت ہوتی ہے اور اگر بعض روایات مرسل یا ضعیف وغیرہ سے حیات مسیح بن مریم ثابت کی جاوے تو اس کو علم اصول حدیث کب تسلیم کرے گا۔ وہ تو بآواز بلند پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ احادیث متفق علیہا جملہ احادیث پر مقدم ہیں۔ پس وقت تعارض کے احادیث متفق علیہا جملہ احادیث پر مقدم رہیں گی۔ وھو المطلوب۔

[1] النساء: ۱۶۰ [2] ال عمران: ۸

﴿۱۰۵﴾

استدلال از روئے علم منطق

مولوی صاحب نے اس مباحثہ میں علم منطق سے بھی کام نہیں لیا ورنہ شکل اوّل بدیہی الانتاج سے ایک دو سطر میں فیصلہ ہو جاتا مگر یاد رہے کہ میں مدعی نہیں ہوں بلکہ ناقض اور معارض ہوں۔ بطور نمونہ کے تقریر اس کی یہ ہے۔ **عیسٰی بن مریم کان نبیامن الناس ومات الناس حتّی الانبیاء** یعنی **کلھم ماتوا فعیسٰی بن مریم ایضًا مات** مقدمہ صغریٰ تو مسلّم ہی ہے اور مقدمہ کبریٰ ایسا مشہور ہے کہ اطفال مکتب لفظ حتی کی مثال میں پڑھا کرتے ہیں پس وہ بھی مسلّم ہے اور اگر مسلّم نہ ہو تو آیت قرآن مجید موجود ہے۔ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَاۡئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰۤى اَعْقَابِكُمْ [۱] پ۴ **وغیر ذٰلک من الآیات** تنبیہ جامع مسجدوں میں اثناء خطب منظومہ اردو میں ائمہ مساجد پڑھا کرتے ہیں۔

آدمؑ کہاں حوّاؑ کہاں مریمؑ کہاں عیسٰیؑ کہاں ہارونؑ اور موسٰیؑ کہاں اس بات کا ہے سب کو غم

ایضاً

حضرت آدمؑ نبی نیچے زمیں کے چل بسے نوحؑ کشتی بان عالم بھی یہاں سے چل بسے
یوسفؑ و یعقوبؑ و اسماعیلؑ و اسحاقؑ و خلیلؑ اور سلیمانؑ آسمانی مہر والے چل بسے
ہودؑ اور ادریسؑ و یونسؑ شیثؑ و ایوبؑ وشعیبؑ دعوت اسلام کر کے ٹھہرے چندے چل بسے
حضرت عیسٰیؑ نبی داؤدؑ و موسٰیؑ خاک میں لے کے توریت و زبور انجیل حق سے چل بسے
واسطے جن کے زمین و آسمان پیدا ہوا جنت الفردوس میں وہ حق کے پیارے چل بسے

الٰی آخر ما قال۔

استدلال از روئے علم بلاغت

اس علم کی طرف بھی مولوی صاحب نے رخ تک نہیں کیا ورنہ بہت آسانی سے فیصلہ ہو سکتا تھا مطول اور اس کے حواشی میں لکھا ہے **وتقدیم المسند الیہ للدلالۃ علی انّ المطلوب انما ھو اتصاف المسند الیہ بالمسند علی الاستمرار لامجرد الاخبار بصدورہ عنہ کقولک الزاھد یشرب و یعزب دلالۃ علٰی انہ یصدر الفعل عنہ حالۃ فحالۃ علی سبیل الاستمرار قال السید السند علی قول العلامۃ. انّما یدلّ علیہ الفعل**

[۱] ال عمران:۱۴۵

﴿۱۰۶﴾

المضارع. قد يقصد بالمضارع الاستمرار على سبيل التجدد و التقضّی بحسب المقامات و وجه المناسبة ان الزمان المستقبل مستمر يتجدد شيئًا فشيئًا فناسب ان يراد بالفعل الدال عليه معنًى يتجدّد على نحوه بخلاف الماضى لانقطاعه و الحال لسرعة زواله ...... الٰى آخر العبارة. حاصل مطلب اس کا یہ ہے کہ تقدیم مسند الیہ کی کبھی دلالت کرتی ہے اس بات پر کہ مسند الیہ مسند کے ساتھ بطور استمرار کے متصف ہے اور وہاں پر صرف یہی مطلوب نہیں ہوتا کہ مسند کے صادر ہونے کی مسند الیہ سے خبر دی جاوے جیسا کہ زاہد شراب پیتا ہے اور طرب وخوشی کرتا ہے۔ السید السند فرماتے ہیں کہ مضارع سے استمرار کا قصد علی سبیل التجدد اور تقضی کے بحسب مقامات کے قصد کیا جاتا ہے اور صیغہ مضارع کا جو واسطے دلالت کرنے کے اوپر استمرار کے خاص کیا گیا اور ماضی وحال کو استمرار کے واسطے مقرر نہ کیا اس کی یہ وجہ ہے کہ زمانہ مستقبل ایک ایسی شے مستمر ہے جو چیزے چیزے متجدد ہوتی رہتی ہے۔ پس جو فعل کہ اس زمانہ متجدد پر دلالت کرے اسی کو دوام تجددی کے واسطے مقرر رکھا گیا اور یہی مناسب تھا۔ بخلاف ماضی کے کہ وہ منقطع ہو چکا اور حال سریع الزوال ہے۔ السید السند دوسری جگہ ہوامش مطول میں لکھتے ہیں و قد يقصد فى المضارع الدوام التجددى وقد سبق تحقيقه ۔ دوسری جگہ مطول میں لکھا ہے۔ كما فى قوله تعالىٰ اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَ يَمُدُّهُمْ [1] بعد قوله تعالىٰ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ [2] حيث لم يقل اللّٰه مستهزئ بِهِمْ بلفظ اسم الفاعل قصداً الى حدوث الاستهزاء و تجدده وقتا بعد وقت الى قوله و هكذا كانت نكايات الله فى المنافقين و بلايا النازلة بهم يتجدد وقتا فوقتا و تحدّث حالا فحالا انتهى و ايضا قال كما ان المضارع المثبت يفيد استمرار الثبوت يجوز ان يفيد المنفى استمرار النفى وغير ذٰلك من العبارات الصريحة. پھر اس صیغہ مستقبل کے دوام تجددی کے واسطے مستعمل ہونے میں کسی کا خلاف بھی نہیں معلوم ہوتا ایک مسئلہ اتفاقیہ ہے۔ پس اگر حضرت مرزا صاحب نے حسب مقتضائے مقامات قرآن مجید میں مستقبل سے معنے دوام تجددی کی مراد لی تو کونسا محذور لازم آیا بیّنوا توجروا ! لو مباحثہ ایک صفحہ میں ختم ہو گیا۔

[1] البقرة : ۱۶ [2] البقرة: ۱۵

﴿۱۰۷﴾

علمِ اسماء الرجال

اس علم کی طرف مولوی صاحب نے صرف اس قدر توجہ فرمائی ہے کہ رجال اسناد قراءت قبل موتھم کی توثیق و تعدیل حضرت مرزا صاحب سے دریافت فرمانے لگے مگر جو روات کہ مولوی صاحب کی روایات مندرجہ مباحثہ میں قابلِ تنقید واقع ہوئی ہیں ان کا کچھ بھی احوال تحریر نہ فرمایا۔ پھر حضرت مرزا صاحب سے رواۃ اسناد اس قراءت کی توثیق جو تفاسیر معتبرہ میں بحوالہ مصحف ابی بن کعب لکھی ہے یہ بعد تسلیم کر لینے اس قراءت کے مصحف ابی میں توثیق رجال کیوں دریافت فرمائی گئی۔ تِلْكَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِيْزٰى [1] ۔ علم اسماء الرجال میں کمال تو یہ ہوتا کہ جو راوی کی زبان سے نکلتا اس کی وفیات و سنین ولادت اور اعمار اور سوانح عمری اور کنی اور القاب اور جملہ اسباب قادحہ خفیہ غیر خفیہ زبانی بیان فرما دئے جاتے ورنہ اب تو اکثر کتب حدیث کے حواشی پر اسماء الرجال چڑھا ہوا ہے۔ ادنیٰ طالب علم نقل کر سکتا ہے۔ مولوی صاحب کی اس میں کیا خصوصیت ہے۔ پس کوئی کمال علم اسماء الرجال میں مولوی صاحب نے یہاں پر ظاہر نہیں فرمایا شاید کسی اور وقت کے لئے رکھ چھوڑا ہو۔

علم قراءت

اس علم کی طرف مولوی صاحب نے بالکل توجہ نہیں فرمائی۔ ورنہ چند سطور میں فیصلہ ہو جاتا۔ بطور نمونہ کے تقریر اس کی مجملاً یہ ہے کہ اگر تسلیم کیا جاوے کہ قراءت مندرجہ مصحف ابی بن کعب بالکل قراءت شاذہ ہے تو قراءت مشہورہ کے لئے اس کے مبین و مفسر ہونے میں کیا کلام ہے۔ یہ مسئلہ بھی قرّاء وغیرہ کے نزدیک مسلم ہے۔ اتقان وغیرہ میں لکھا ہے۔ **وقال ابو عبیدة فی فضائل القرآن المقصد من القراءة الشاذة تفسیر القراءة المشهورة و تبیین معانیها الی قوله فهذه الحروف و ماشاکلها قد صارت مفسرة للقران وقد کان یروی مثل هذا عن التابعین فی التفسیر فیستحسن فکیف اذا روی عن کبار الصحابة ثم صار فی نفس القراءة فهو اکثر من التفسیر و اقوی فادنٰی ما یستنبط من هذه الحروف معرفة صحة التاویل ۔ انتهٰی۔** چونکہ متعلق علم قراءت کے مولوی صاحب نے کچھ بھی تحریر نہیں فرمایا لہٰذا زیادہ طول نہیں کیا گیا۔

[1] النجم : ۲۳

﴿۱۰۸﴾

جبؔ مولوی صاحب کچھ تحریر فرماویں گے تو انشاء اللہ تعالیٰ خاص اس قراءت کی نسبت بہ تفصیل اور بھی لکھا جاوے گا۔ واضح ہو کہ ابی بن کعب وہ صحابی جلیل القدر ہیں جن کی نسبت حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں وَاَقْرَأُ کُمْ اُبَیّ و ایضا قال قال رسول صلی الله علیه و سلم لابیّ بن کعب ان الله امرنی ان اقرأ علیک القراٰن قال أ اللّٰہ سمّانی لک قال نعم قال و قد ذکرت عند رب العٰلمین قال نعم فذرفت عیناه متفق علیه اور ان حضرت ابیؓ کا ایک مصحف بھی ہے جس کی ترتیب سور اتقان وغیرہ میں لکھی ہے۔

علم تفسیر

مولوی صاحب نے اس علم کی طرف صرف اس قدر توجہ فرمائی ہے کہ بعض تابعین کے اقوال دربارہ ترجیح اپنی معنی مختار کے تفسیر ابن کثیر سے نقل کئے ہیں اور حضرت ابوہریرہ کا فہم اور کچھ حضرت ابن عباس سے ایک آدھ قول نقل فرمایا ہے اور پرچہ ثانی میں مولوی صاحب نے یہ بھی اقرار کیا ہے کہ اس میرے معنی کی طرف ایک جماعت سلف میں سے گئی ہے یعنی اس آیت کی تفسیر مختلف فیہ اور ذوالوجوہ ہے اجماعی طور پر ایک معنے نہیں ہیں اور یہ بھی اقرار ہے کہ فہم صحابی کو میں حجت نہیں جانتا۔ باوجود اس کے مولوی صاحب نے فن تفسیر کی طرف بالکل توجہ نہیں فرمائی۔ فن تفسیر کے رو سے کسی ایسی آیت کے معنی میں جس میں تعلق کسی پیشین گوئی کا ہو واقع ہونے پیشین گوئی تک قطعی کچھ فیصلہ نہیں ہوسکتا۔ صرف ایک اجتہادی امر ہے کیونکہ حقیقت پیشین گوئی کی لاعلم لنا میں داخل ہے بخلاف دیگر مطالب ضروریہ تفسیریہ کے کہ وہ علمتنا میں داخل ہوسکتے ہیں اور قطعی فیصلہ بھی ہوسکتا ہے۔ مولوی صاحب باوجودیکہ اس آیت کو متعلق پیشین گوئی قرار دیتے ہیں پھر بھی لَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ[1] کا کچھ خوف نہ کیا اور آیت کی تفسیر میں اقوال رجال غیر معصومین سے یہ بات قطعی طور پر یقین کر لی کہ ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ بعد نزول عیسیٰؑ بن مریم کے اور قبل موت اس کی کے جس میں سب اہل کتاب حضرت عیسیٰؑ پر ایمان لے آویں گے جب کہ آیت ذوالوجوہ اور متشابہ ہے اور مولوی صاحب کے نزدیک اس کا تعلق بھی پیشین گوئی سے ہے تو معہذا قطعی اور یقینی طور پر مولوی صاحب کون سے علم سے فیصلہ کر سکتے ہیں۔ حضرت ابوہریرہ نے بھی شکی طور پر اپنے فہم کو ترجیح دی تھی وبس۔ کیا مولوی صاحب کو علم غیب ہے؟ یا اس آیت کی تفسیر میں کسی حدیث صحیح مرفوع

[1] بنی اسرائیل : ۳۷

﴿۱۰۹﴾

متصل سے یہ ثابت ہے کہ معنی آیت کے یہی ہیں جو مولوی صاحب نے کئے ہیں۔ پیشین گوئی کا تو ذکر ہی کیا ہے۔ مولانا شاہ ولی اللہ صاحب تو دیگر مطالب تفسیریہ کی نسبت یہی تحریر فرماتے ہیں۔

پیش ایں فقیر محقق شدہ است کہ صحابہ و تابعین بسیار بود کہ **نزلت الاٰیة فی کذا** و کذا مے گفتند و غرض ایشاں تصویر ماصدق آں آیت بود و ذکر بعض حوادث کہ آیت آں را بعموم خود شامل شدہ است خواہ ایں قصہ متقدم باشد یا متاخر اسرائیلی باشد یا جاہلی یا اسلامی تمام قیود آیت را گرفتہ باشد یا بعض آں را **واللّٰہ اعلم** ازیں تحقیق دانستہ شد کہ اجتہاد را دریں قسم دخلے ہست و قصص متعددہ را آنجا گنجائش ہست پس ہر کہ ایں نکتہ مستحضر دارد حل مختلفات سبب نزول بادنیٰ عنایت مے تواں نمود۔ انتہیٰ۔

ہاں مولوی صاحب کو صرف اتنا اختیار تھا کہ اپنے ان معنے مختار کو ترجیح دیتے نہ یہ کہ ان کو **قطعیة الدلالت** فرماتے اور نہ ایسا کلمہ کہتے کہ مصداق ہو۔ كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ [1] کا اس معنے کے ماعدا جتنے معنے تمام دنیا بھر کی تفسیروں میں لکھے ہیں سب غلط اور باطل ہیں اے مولوی صاحب **اتق اللّٰہ**

نام نیک رفتگان ضائع مکن تا بماند نام نیکت یادگار

یہ قضیہ بھی تو مسلمہ مفسرین ہے کہ **فمتی اختلف التابعون لم یکن بعض اقوالھم حجة علی بعض**۔ پھر مولوی صاحب کا تمام دنیا بھر کے مفسرین کو باطل اور غلطی پر قرار دینا اور اپنے معنی کو حجت قطعی گردانا کیا یہی تقویٰ اور دیانت اور اظہار حق وصواب ہے؟ **بیّنوا توجروا**.

علم زبان فارسی

مولوی صاحب نے جو ترجمہ شاہ ولی اللہ صاحب کی طرف توجہ فرمائی تو بسبب غلبہ خیال نون ثقیلہ کے جو جو صیغے کہ فارسی میں واسطے مضارع کے آتے ہیں ان کو خالص استقبال کے واسطے اپنی طرف سے خلاف قواعد فرس قرار دے لیا۔ شاہ ولی اللہ صاحب کے الفاظ ترجمہ یہ ہیں۔ پس[1] البتہ متوجہ گردانیم ترا بآں قبلہ کہ خوشنود شوی۔ والبتہ[2] بسوزانیم آں را پس[3] پراگندہ سازیم آں را۔ والبتہ[4] دلالت کنیم ایشاں را براہہائے خود۔ والبتہ[5] غالب شوم منو[6] غالب شوند پیغمبران منو[7] البتہ زندہ کنمیش بزندگانئ پاک و در[8] آریم ایشاں را در زمرہ شائستگاں۔ **ایھا الناظرین** اطفال دبستان بھی اس قاعدہ کو خوب جانتے ہیں کہ علامت خالص استقبال کی خواہد۔ خواہند۔ خواہی۔ خواہید۔ خواہم ہے اور علامت خالص حال کی لفظ مے کا مضارع پر داخل ہونا ہے۔ اور یہ الفاظ مندرجہ

[1] الکھف : ٦

﴿۱۱۰﴾ ترجمہ سب کے سب صیغے مضارع کے ہیں نہ خالص استقبال کے۔ اس پر علاوہ یہ ہوا ہے کہ اردو میں لفظ ابھی کا جو خالص حال کے واسطے آتا ہے مولوی صاحب نے اس کو ترجمہ شاہ رفیع الدین صاحب میں یعنی ابھی جلا ویں گے ہم اس کو، خالص استقبال کے واسطے مقرر فرمایا ہے۔ اب ناظرین انصاف فرماویں کہ مولوی صاحب کا اس جگہ پر حضرت مرزا صاحب کی نسبت یہ فرمانا کہ **ھٰذا بعید من شان المحصلین**۔ کیسا اپنے موقع اور محل پر واقع ہوا ہے۔ سبحان اللہ۔

علم مناظرہ

مولوی صاحب نے علم مناظرہ کی طرف صرف اس قدر توجہ فرمائی کہ حضرت مرزا صاحب نے جو تعریف مدعی کی لکھی۔ اور اس کی فلاسفی بیان فرمائی اس پر جھٹ اعتراض کر دیا کہ یہ تعریف لفظ مدعی کی مخالف ہے اس کے جس کو علماء مناظرہ نے لکھا ہے اور رشیدیہ سے یہ عبارت نقل فرمادی کہ :۔

المدعی من نصب نفسه لاثبات الحکم ای تصدی لان یثبت الحکم الخبری الذی تکلم به من حیث انه اثبات بالدلیل او التنبیه۔ مگر یہ نہ سوچا کہ حضرت مرزا صاحب نے جو سِرّ اور گُر مدعی ہونے کا بہ تفصیل وبسط کلام بتلایا ہے اور اس پر ایک دلیل عقلی قطعی بھی قائم کر دی ہے۔ وہی سر **من حیث انه اثبات بالدلیل** کی حیثیت سے بخوبی سمجھا جاتا ہے۔ چنانچہ رشیدیہ میں اسی تعریف کے آگے اس قید حیثیت کا فائدہ یہ لکھا ہے۔ **فلایرد ما قیل انه یصدق هذا التعریف علی الناقض بالنقض الاجمالی والمعارض وهما لیس بمدعیین فی عرفهم لانهمالم یتصدیا لاثبات الحکم من حیث انه اثبات بل من حیث انه نفی لاثبات حکم تصدی باثباته الخصم و من حیث انه معارضة لدلیله.**

مگر مولوی صاحب نے تو سوائے ایک نون ثقیلہ کے جس کا حال انشاء اللہ تعالیٰ بیان علم نحو میں آئے گا کسی طرف توجہ ہی نہیں فرمائی۔ نہ تو اس قید حیثیت پر نظر فرمائی جو خود تحریر نہیں فرمائی تھی اور نہ اس عبارت رشیدیہ کی طرف غور فرمایا جو لکھی گئی۔ اور حضرت مرزا صاحب نے تو جہاں جہاں اپنے رسائل میں بطور معارضہ کے وفات عیسٰیؑ بن مریم ثابت کی ہے یا نقض اجمالی یا نقض تفصیلی کیا ہے یا دلیل حیات میں کوئی فساد بیان فرمایا ہے اور یا دلیل مدعی حیات کو باطل کیا ہے تو اس بیان نقض و معارضہ سے حضرت اقدس سلمہٗ مدعی نفس الامری کیونکر ہو سکتے ہیں۔

﴿۱۱۱﴾

لانا لانسلم ان الناقض و المعارض متصدیان لاثبات الحکم من حیث انه اثبات بل من حیث انه نفی لاثبات حکم تصدی باثباته الخصم من حیث انه معارضة او نقض لدلیله۔

ناتمامی تقریب از روئے علم مناظرہ

اورعلم مناظرہ کے رو سے تقریب مولوی صاحب کی دلیل کی محض ناتمام ہے بیان اس کا چہارسطری یہ ہے۔ مدعا مولوی صاحب کا منقح ہوکر یہ رہاہے کہ بعدنزول عیسٰی بن مریم اورقبل موت ان کی کے ایسازمانہ آوے گا کہ سب اہل کتاب مومن ہوجاویں گےیعنی اسلام میں داخل ہوجاویں گے۔ اور دلیل مولوی صاحب کی مستلزم اس مدعا کونہیں ہے۔ کیونکہ مولوی صاحب کا اقرار پرچہ ثانی میں مندرج ہے کہ مراد ایمان سے یقین ہوسکتا ہے نہ ایمان شرعی۔ پس دلیل سے سب اہل کتاب کا ایمان شرعی کے ساتھ مومن ہونا اور اسلام میں داخل ہونا ثابت نہ ہوا اورتقریب محض ناتمام رہی ایھاالناظرین ذرہ انصاف کروکہ اس مشکل مسئلہ مناظرہ کوحضرت اقدس نےکس آسانی اورسہولت اور حسن اسلوب سے بیان کیاہے کہ ہرایک قاصی و دانی اس کوسمجھ سکتا ہےلیکن افسوس کہ حضرت مولوی صاحب نے اس پرذرہ بھرخیال نہ فرمایا۔اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ.

فقہ حدیث

اس مباحثہ میں فقہ حدیث مولوی صاحب کا یہ ہے کہ **مــا اٰتــاکــم الــرســول** کا مصداق حضرت ابوہریرہ کا قول اورفہم مشکوک مندرجہ **فــاقـرء وا ان شئتم** وَاِنۡ مِّنۡ اَہۡلِ الۡکِتٰبِ اِلَّا لَیُؤۡمِنَنَّ بِہٖ قَبۡلَ مَوۡتِہٖ [1] کوٹھہرادیاہے اورطرفہ اس پریہ ہے کہ یہ بھی اقرار ہے کہ فہم صحابی کو میں حجت نہیں جانتا۔مولانا صاحب جب کہ قول وفہم صحابی حجت نہیں ہےتو اقوال تابعین وغیرہ جو جناب نے اپنے معنے کی تائید میں نقل فرمائے ہیں وہ کیونکر حجت قطعی ہوگئے۔ تِلۡکَ اِذًا قِسۡمَۃٌ ضِیۡزٰی [2] اگرفقہ حدیث کی طرف مولوی صاحب توجہ فرماتے تو فیصلہ اس مباحثہ کا بہت آسان تھا۔ بیان اس کا بطورنمونہ کے مجملاً یہ ہے کہ صاحب صحیح مسلم نے روایتاً ودرایتاً اس امر کا فیصلہ کردیا ہے۔ **وامامکم منکم** جوصحیحین کی حدیث میں ایک جملہ واقع ہےاس سے کوئی دوسراامام سوا ابن مریم کے مرادنہیں ہے۔ بلکہ یہ جملہ یا تو بطورصفت کے اسی ابن مریم کا وصف واقع ہوا ہے

[1] النساء : ۱۶۰ [2] النجم : ۲۳

﴿۱۱۲﴾

یا حال ہے فاعل نَزَلَ یا یَنزِلُ سے جس کا عامل وہی نَزَلَ یا یَنزِلُ ملفوظ ہے اور اس مطلب کو امام مسلم نے چند روایت سے ثابت کیا ہے اول روایت ابن عیینہ سے چنانچہ لکھتے ہیں وفی روایة ابن عیینہ اماماً مقسطًا حکمًا عدلًا پھر بروایت حضرت ابی ہریرہ یہ الفاظ نقل کئے ہیں قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کیف انتم اذا نزل ابن مریم فیکم فامّکم ۔ناظرین غور فرماویں کہ اس روایت میں کس تنصیص اور تصریح سے موجود ہے کہ وہی ابن مریم تمہاری امامت کرے گا نہ یہ کہ کوئی دوسرا اس کے وقت میں امام ہو۔ پھر بروایت حضرت ابی ہریرہ دوسری اسناد سے لکھتے ہیں کیف انتم اذانزل فیکم ابن مریم فامکم منکم اس روایت سے تمام شبہات و شکوک شاکین دفع کر دیئے گئے ہیں۔ پھر آگے چل کر فرماتے ہیں فقلت لابن ابی ذئب ان الاوزاعی حدثنا عن الزھری عن نافع عن ابی ھریرۃ و امامکم منکم قال ابن ابی ذئب أتدری ماامّکم منکم فقلت تخبرنی قال فامکم بکتاب ربکم تبارک و تعالٰی و سنة نبیکم صلی اللہ علیہ و سلم ۔اب تو کوئی بھی شک باقی نہیں رہا جس کا دفع امام مسلم صاحب نے نہ فرمایا ہو کہ امامکم منکم حال یا صفت اسی مسیح بن مریم کی واقع ہے نہ کسی دوسرے شخص کی خواہ امام مہدی ہوں یا اور کوئی ۔اب کہاں ہیں وہ اہلحدیث جو دعویٰ کیا کرتے ہیں کہ احادیث صحیحین سب حدیثوں سے مقدم ہیں اور مع ھٰذا یہ بھی کہے چلے جاتے ہیں کہ امامکم منکم تو سواء ابن مریم کے کوئی دوسرا امام مہدی وغیرہ ہوگا۔ ایھا الناظرین یہ ہے مصداق مَآ اٰتَاکُمُ الرَّسُوْلُ کا یا وہ جو مولانا صاحب نے فہم مشکوک بلفظ اِنَّ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا لکھا؟

علم نحو

مولوی صاحب نے اس مباحثہ میں علم نحو سے بڑی اعانت لی ہے اور دار مدار کل اپنی استدلال کا اور مناط قطعیة الدلالت ہونے اپنی دلیل کا اسی مسئلہ نون ثقیلہ کو گردانا ہے مگر دانست ناقص میں یہ مسئلہ نحو یہ نون ثقیلہ کا ایک نہایت مقدمہ خفیفہ ہے جس سے بجز خفت کے اور کچھ حاصل نہیں ہوسکتا۔ بیان اس کا یہ ہے۔ اول تو مولوی صاحب نے اس مسئلہ کو ایسی کتابوں سے نقل فرمایا ہے کہ ان سے ہر ایک طالب علم نقل کرسکتا ہے۔ مولوی صاحب کو اس میں کوئی مابہ الامتیاز خصوصیت جیسا کہ ان کی شان عالی ہے۔ حاصل نہیں ہوئی۔ کاش اگر ائمہ کبار نحو میں مثل زجاج جوہری۔ سیرافی۔ ابوعلی فارسی۔ خلیل ابن احمد۔ اخافشِ ثلاثہ۔ اصمعی۔ کسائی۔ سیبویہ۔ مبرد

﴿۱۱۳﴾

زمخشری وغیرہ سے کچھ اقوال اس بارہ میں نقل فرماتے تو یہ مباحثہ نحوی مولوی صاحب کا کسی قدر مابہ الامتیاز ہو جاتا۔ اگرچہ بمقابل حضرت اقدس مرزا صاحب جیسے **مؤید من اللہ** کے ان ائمہ کبار کی نقل اقوال بھی کچھ وقعت نہیں رکھتی ملاحظہ فرماوٗ کتبِ قُـرّا اگر وہ میسر نہ ہوں تو مطالعہ کرو کتب مولانا شاہ ولی اللہ صاحب اگر وہ بھی بالفعل نہ ملیں تو دیکھو **فوز الکبیر**۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب اس میں لکھتے ہیں۔

ودر نحو قرآن خللے عجیب راہ یافتہ است وآں آنست کہ جماعتے مذہب سیبویہ را اختیار کردہ اند و ہرچہ موافق آں نیست آں را تاویل مے کنند۔ تاویل بعید باشد یا قریب و ایں نزد من صحیح نیست اتباع اقوے واوفق بسیاق وسباق باید کرد۔ مذہب سیبویہ باشد یا مذہب فراء در مثل وَالْمُقِيْمِيْنَ الصَّلٰوةَ وَ الْمُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ [1] حضرت عثمان گفتہ اند **ستقیمها العرب بالسنتها** وتحقیق این حکم نزدیک فقیر آنست کہ مخالف روزمرہ مشہورہ نیز روزمرہ است وعرب اول را در اثناء خطب محاورات بسیار رواقع مے شد کہ خلاف قاعدہ مشہورہ بر زبان گزشتے۔ اگر احیاناً بجائے واو یا آمدہ باشد یا بجائے تثنیہ مفرد یا بجائے مذکر موٗنث چہ عجب۔ پس آنچہ محقق است آنست کہ ترجمہ وَالْمُقِيْمِيْنَ الصَّلٰوةَ بمعنے مرفوع باید گفت واللہ اعلم۔

اگر مولوی صاحب قواعد نحو مندرجہ شرح ملا وحواشی اس کے، کے ایسے پابند ہیں کہ سرِ مُو تجاوز نہیں ہوسکتا تو سوال ذیل کا جواب مرحمت فرماویں۔ انہیں کتابوں میں لکھا ہے کہ **نون التاکید لا یؤکد الامطلوبا والمطلوب لا یکون ماضیا و لا حالا و لا خبرا مستقبلا** اس سے ثابت ہوا کہ **لیؤمننّ به قبل موته** جملہ خبریہ نہیں ہے بلکہ جملہ قسمیہ انشائیہ ہے چنانچہ تفسیر بیضاوی وغیرہ میں بھی واللّٰہ کو پہلے لیؤمننّ کے مقدر مانا ہے اور جملہ قسمیہ انشائیہ ہی قرار دیا ہے اور جب کہ جملہ قسمیہ انشائیہ ہوا تو پیشین گوئی یعنی خبر مستقبل کیونکر ہوسکتا ہے کجا جملہ خبریہ اور کجا جملہ انشائیہ ؎ بہ بیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا۔ اور پھر ایک فساد اس میں اور بھی پیدا ہو گیا وہ یہ ہے کہ تمام اہل کتاب سے جو ایمان لانا حضرت عیسٰیؑ پر مطلوب الٰہی ہے وہ قبل ان کی موت کے ہے کیونکہ **تقئید** بقید **قبل موته** محض بیکار تو ہے ہی نہیں۔ مطول وغیرہ کو دیکھو جملہ مقیدات میں بموجب قواعد علم بلاغت کے لحاظ قید کا ضروری ہوتا ہے ورنہ

[1] النسآء:۱۶۳

﴿۱۱۴﴾ قید محض لغو اور بے فائدہ ہو جائیگی۔ قواعد جو علم بلاغت کی رعایت سے بعید ہے اگر کاش بجائے قبل موتہ کے من قبل موتہ بھی ہوتا تو کسی قدر منافی مدعا نہ ہوتا۔ یہاں پر تو طلب ایمان کا ظرف زمان قبل موتہ واقع ہوا ہے نہ من قبل موتہ۔ قال فی المطول و مختصرہ ما حاصلہ واما تقیید الفعل و مایُشبھہ من اسم الفاعل والمفعول وغیرھما بمفعول مطلق اوبہ اوفیہ. اولہ. اومعہ. ونحوہ. من الحال والتمیز والاستثناء فلیترتب الفائدہ لان الحکم کلمازاد خصوصا زادغرابۃ وکلمازادغرابۃ زاد افادۃ. کما یظھر بالنظر الی قولنا شیء ماموجود و فلان بن فلان حفظ التوراۃ سنۃ کذافی بلدۃ کذا۔ اس حیات سے تو حضرت عیسیٰ کی وفات مثل دیگر انبیاء کے ہی اچھی ہوتی۔ اگر حالت حیات ونیز ممات ان کی میں سب اہل کتاب کو ان پر ایمان لانا مطلوب الٰہی ہوتا اور اب تو بعد ان کی موت کے ان پر ایمان لانا اس جگہ مطلوب الٰہی نہیں رہا۔ ان ھذا لشیء عجاب بل ھو عین الفساد.

بحث ترکیب نحوی

الا لیؤمننّ بہ ترکیب نحوی میں کیا واقع ہوا ہے۔ اگر اَحَدٌ مقدر کی صفت ہے اور اَحَدٌ مبتدا مقدم الخبر ہے یعنی من الکتاب اس کی خبر واقع ہوئی ہے تو یہ معنے بھی بہ بداہت فاسد ہیں۔ کیونکہ حاصل معنے یہ ہوئے کہ جو شخص ایسا ہو کہ ایمان لاوے عیسیٰؑ پر قبل ان کی موت کے وہ شخص اہل کتاب میں سے نہیں ہے حالانکہ یہ امر ثابت ہو چکا ہے کہ اس شخص مومن کا موافق جناب کی مسلک کے اہل کتاب میں سے ہونا کچھ ضرور نہیں۔ سواء اہل کتاب کے دیگر کفار بھی مسیح ابن مریم کے وقت میں اسلام میں داخل ہوں گے اور اگر الا لیومنن محل خبر میں ہے اور من اھل الکتاب صفت ہے اَحدٌ مقدر کی اور اَحَدٌ معہ اپنی صفت کے مبتدا ہے تو بھی معنے فاسد ہیں۔ کیونکہ اس صورت میں بھی تخصیص وتقیید اہل کتاب کی موہم اس کی ہے کہ سوائے اہل کتاب کے اور ملت والے حضرت عیسیٰؑ پر ایمان نہ لاویں اور اسلام میں داخل نہ ہوں وھٰذا خلاف دعواکم۔

﴿۱۱۵﴾

مرجع ضمیر قبل موتہٖ

مرجع ضمیر قبل موتہ میں از روئے نحو کے یہ بحث ہے کہ آیت مذکورہ مدعائے مولوی صاحب میں حسب فہم حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے بطور شک کے بھی تب دلالت کرے گی کہ ضمیر قبل موتہ کا مرجع صرف حضرت عیسیٰؑ کا ہونا از روئے قواعد نحو کے واجب ولازم ہو اور کتابی ما احدٌ کا مرجع ہونا از روئے نحو کے بطور قطعی کے محض باطل اور ممتنع ثابت کیا جاوے حالانکہ وہ وجوب اور یہ امتناع از روئے قواعد نحو کے ہرگز ثابت نہیں ہوسکتا بلکہ عام مفسرین نحویین نے راجح اور اولیٰ قول بموجب قواعد نحو کے یہی اختیار کیا ہے۔ کہ ضمیر قبل موتہ کی راجع ہے طرف کتابی کے جو لفظ اہل کتاب سے سمجھا گیا یا اَحَدٌ مقدر ہے جس کا مقدر ماننا بسبب استثناء کے ضروریات سے ہے۔ اور اگر جناب والا یہ وجوب اور امتناع ثابت کریں گے تو تمام مفسرین کا اجماع ایک امر ممتنع نحوی پر لازم آتا ہے واللازم باطل فالملزوم مثلہ فھذا الدعوی تقول علی اللہ و فاسد بالقطع و لایقول بہ الامن رضی بتاسیس بنائہ عَلٰی شَفَا جُرُفٍ ھَارٍ فَانْھَارَ بِہٖ۔

بحث سیاق وسباق آیہ از روئے نحو

نحو میں سیاق اور سباق کلام کی رعایت بھی بہت کیا کرتے ہیں لہٰذا اگر آیت مذکورہ سے یہ پیشینگوئی جو مدعا مولوی صاحب ہے مراد الٰہی ہو تو سباق کے بالکل خلاف ہے۔ کیونکہ اوپر ہی عنقریب اس آیہ کے یہ پیشینگوئی موجود ہے فَلَا یُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِیْلًا[1] اور اس کے جملہ خبریہ ہونے میں کوئی کلام اور بحث نحوی بھی نہیں ہے بخلاف آیت پیش کردہ مولوی صاحب کے کہ بموجب ہوامش شرح جامی وغیرہ کے اس کے جملہ خبریہ ہونے میں بموجب مسلک مولوی صاحب کے کلام گذر چکا پس ایسا اختلاف سیاق وسباق جس کو کوئی نحوی پسند نہ کرے گا کلام الٰہی میں کیونکر ہوسکتا ہے۔ صدق اللہ تعالی وَ لَوْ کَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰہِ لَوَجَدُوْا فِیْہِ اخْتِلَافًا کَثِیْرًا[2] ۵/۸

سیاق

بیان سیاق یہ ہے کہ آیت وَیَوْمَ الْقِیٰمَۃِ یَکُوْنُ عَلَیْھِمْ شَھِیْدًا[3] ۶/۲ بھی اس معنے کے مخالف پڑتی ہے مجملاً بیان اس کا یہ ہے کہ یہ مسئلہ بکتاب اللہ وسنت صحیحہ ثابت ہو چکا ہے کہ پچھلی تمام امم ماضیہ پر یہ امت مرحومہ شہید و گواہ ہوگی اور اس امت مرحومہ پر رسول مقبول صلی اللہ

[1] النساء : ۴۷ [2] النساء : ۸۳ [3] النساء :۱۶۰

﴿۱۱۶﴾ علیہ وسلم (روحی فداہ) شہید و گواہ ہوں گے۔قال اللّٰہ تعالٰی وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا[1] پ۲ واخرج احمد والبخاری والترمذی والنسائی وغیرھم عن ابی سعید الخدری قال قال رسول الله صلی الله علیه و سلم یدعی نوح یوم القیامة فیقال له هل بلغت فیقول نعم فیدعی قومه فیقال لهم هل بلغکم فیقولون ما اتانا من نذیر و ماا تانا من احد فیقال لنوح من یشهد لک فیقول محمد و امته ذٰلک قوله یعنی هٰذهِ الاٰیة فیشهدون له بالبلاغ واشهد علیکم پس اب دریافت کیا جاتا ہے کہ ضمیر علیھم کا مرجع بھی اہل کتاب جو ایمان لے آویں گے اور اسلام میں داخل ہو کر ہمارے حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں داخل ہو جاویں گے تو بالضرور ان کے شہید و گواہ بجز رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے حضرت عیسٰیؑ کیونکر ہو سکتے ہیں حضرت عیسٰیؑ کا غایت درجہ تو یہ ہے کہ اپنی امت کے شہید ہوں فرمایا اللہ تعالٰی نے كُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ[2] پ۷ اور اگر کہو کہ یہ منصب جو ہمارے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔ وہ بعد نزول حضرت عیسٰیؑ کے حضرت عیسٰیؑ کو مل جاوے گا۔ تو نعوذ باللہ لازم آتا ہے کہ ختم نبوت نہیں ہوا واللازم باطل فالملزوم مثله اور اگر کہو کہ مرجع ضمیر علیھم کا وہ اہل کتاب ہیں جن کا ذکر یہاں سے ایک کوس بھر کے فاصلہ پر ہوا ہے تو یہ استفسار ہے کہ اس قدر بعید مرجع کا ماننا کس کا مذہب ہے فرّا کا یا سیبویہ کا۔ بیّنوا توجروا۔

بحث نحوی بابت زمانہ حال

یہ جو بعض کتب نحو میں لکھا گیا ہے کہ زمانہ حال کا ایسا نہیں ہے کہ اس میں کوئی فعل واقع ہو سکے اور اسی بنا پر مولوی صاحب نے زمانہ استقبال کی دو قسمیں فرمائیں اول استقبال قریب و دوم استقبال بعید۔ اگرچہ مطلب ہمارا اسی سے حاصل ہو گیا کہ مولوی صاحب جس کو استقبال قریب کہتے ہیں ہم اس کو حال کہیں گے صرف ایک نزاع لفظی رہ گئی مگر علاوہ اس کے یہ گذارش ہے کہ یہ ایک تدقیق متکلمین کی ہے۔ ہم کو کیا ضرورت ہے کہ ایسی تدقیق جو بالکل خلاف عرف اہل عربیت کے ہے اس پر اَڑ جاویں دیکھو مطول اور اس کے ہوامش میں لکھا ہے وھٰذا یعنی الزمان الحال امر عرفی کما

[1] البقرة: ۱۴۴ [2] المائدة: ۱۱۸

﴿۱۱۷﴾

یقال زید یصلّی والحال ان بعض صلٰوته ماض وبعضها باق فجعلوا الصلٰوۃ الواقعة فی الأنات الکثیرۃ المتعاقبة واقعة فی الحال و تعیین مقدار الحال مفوض الی العرف بحسب الا فعال ولایتعین له مقدار مخصوص فانه یقال زید یاکل ویمشی ویحج ویکتب القرآن ویعد کل ذٰلک حالا ولا شک فی اختلاف مقادیر ازمنتها ۔ اورالسید السند ایسی ہی تدقیقات کی نسبت حواشی مطول میں تحریر فرماتے ہیں۔ والحق انها مناقشات واهية لان هذه التعریفات بیّنات یفهم اهل اللّغة منها ومن تلک العبارات ماهو المقصود بها ولایخطر ببالهم شیء مماذکروا أما التدقیق فیها فیستفاد من علوم اخر یلاحظ فیها جانب المعنی دون القواعد اللفظیة المبنیة علی الظواهر انتهٰی موضع الحاجة ۔

بحث بطرز دیگر بابت مرجع ضمیر قبل موتہٖ

اگر ضمیر قبل موتہٖ کی حضرت عیسیٰؑ کی طرف رجوع کر کر وہ معنے لئے جاویں جو مولوی صاحب لیتے ہیں تو ایک اور فساد لازم آتا ہے اور وہ یہ ہے کہ بالاتفاق حضرت عیسیٰؑ نبوت سے معزول و عاری اور حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں شامل ہو کر آویں گے اور سب کو یہ دعوت کریں گے کہ اسلام لا کر حضرت خاتم النبیّین صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں داخل ہو جاؤ۔ مگر یہاں پر عکس القضیہ ہوا جاتا ہے۔ حضرت خاتم النبین پر ایمان لانے کا تو کچھ ذکر نہ ہوا اور ایک شخص امتی پر ایمان لانے کا ذکر فرمایا گیا۔ لیکن کسی امتی پر ایمان لانے کے کوئی عمدہ معنے قابل التفات نہیں معلوم ہوتے۔ اور اگر کہو کہ حضرت عیسیٰؑ پر ایمان لانا مستلزم ہے۔ ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کے واسطے تو یہ گذارش ہے کہ سلمنا۔ لیکن یہ ایمان ضمن میں ایمان بعیسٰی کے بالتبع حاصل ہوا نہ بالاصل جو مقصود اصلی اللہ تعالیٰ کا ہے۔ پس مقصود اصلی کو ترک کرنا اور غیر مقصود کو اختیار کرنا جس سے طرح طرح کے توہمات ختم نبوت میں پیدا ہوتے ہیں کیا ضرورت ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تو وہ مرتبہ ہے کہ تمام انبیاء کو بہ تاکید تمام حکم ہوا ہے۔ اور ان سے اقرار و میثاق لیا گیا ہے کہ وہ سب حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان

﴿۱۱۸﴾

لاویں۔قال اللہ تعالیٰ وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَاۤ اٰتَیْتُکُمْ مِّنْ کِتٰبٍ وَّ حِکْمَۃٍ ثُمَّ جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَکُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِہٖ وَ لَتَنْصُرُنَّہٗ ؕ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰی ذٰلِکُمْ اِصْرِیْ ؕ قَالُوْۤا اَقْرَرْنَا ؕ قَالَ فَاشْہَدُوْا وَ اَنَا مَعَکُمْ مِّنَ الشّٰہِدِیْنَ ۔ فَمَنْ تَوَلّٰی بَعْدَ ذٰلِکَ فَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الْفٰسِقُوْنَ [1] ۔ مولانا صاحب یہی گُر تھا کہ حضرت میاں صاحب مدّ ظلّہٗ اور محمد حسین نے جناب والا کو بہت فہمایش کی کہ یہ آیت مطلوب میں قطعی الدلالت نہیں اس آیت کو آپ بمقابل مرزا صاحب ہرگز پیش نہ کریں کیونکہ یہ دونوں صاحب اس آیہ کے نشیب و فراز سے واقف تھے مگر جناب نے ان کی فہمایش کو قبول نہ فرمایا اور تفسیر ابن کثیر پر تکیہ کرلیا۔آپ کے شان محققی سے یہ امر نہایت بعید ہے۔

بحث لام تاکید با نون تاکید ثقیلہ

ازہری وغیرہ نے تصریح کی ہے کہ لام تاکید کا حال کے واسطے آتا ہے۔اب تسلیم کیا کہ فقط نون تاکید صرف استقبال کے واسطے ہے لیکن جب کہ کسی صیغہ میں لام تاکید بھی ہو۔جو حال کے واسطے آتا ہے اور نون تاکید بھی ہو۔چنانچہ ما نحن فیہ میں ہے تو وہاں پر خالص استقبال بالضرور ہونے کی کیا وجہ۔اس کی کوئی دلیل مولوی صاحب نے نحو سے ارشاد نہیں فرمائی۔اور تقریب دلیل محض ناتمام رہی ہے۔یہ مانا کہ صرف نون تاکید استقبال کے واسطے نحو میں لکھا ہے۔امر۔نہی۔استفہام۔تمنی۔عرض وغیرہ ان میں صرف نون تاکید ہوتا ہے۔بغیر لام تاکید کے۔پس ان صیغوں میں صرف استقبال ضرور مراد ہوسکتا ہے۔لیکن جس صیغہ میں لام تاکید بھی ہو اور نون تاکید بھی اس میں خالص ہونے استقبال کی کیا دلیل ہے۔شاید مولوی صاحب نے ازہری کی اس عبارت سے یہ بات سمجھی ہے کہ **لانھما تخلصان مدخولھما للاستقبال**۔ ہم کہتے ہیں کہ یہاں پر استقبال سے صرف صیغہ استقبال مراد ہے جس کی نسبت السنہ اطفال پر جاری ہے کہ صیغہ حال ہمچو صیغہ استقبال است اور یہ بات خود ازہری کی عبارت سے بھی معلوم ہوتی ہے کہ **ذٰلک ینافی الماضی** اگر مراد ازہری کی خالص زمانہ استقبال ہوتی تو کہتا کہ **وذٰلک ینافی الماضی والحال** اور اسی واسطے قسم کے جواب مثبت میں کوئی شرط زمانہ استقبال کی نہیں رہتی صرف صلاحیت تامہ فعلی کے واسطے دخول نون کی تمام کتب نحو میں لکھی ہے

[1] آل عمران: ۸۲۔۸۳

﴿۱۱۹﴾

اوراسی وجہ سے اکثر نحویین نے لفظ مستقبل مثبت کی جگہ لفظ مضارع مثبت کا اختیار کیا ہے اور اکثر نے صرف لفظ فعل مثبت کا کما لا یخفی علی من دارس کتب النحو ۔شرح ملا اور ہوامش اسکے میں لکھا ہے ولزمت ای نون التاکید فی مثبت القسم ای فی جوابه المثبت لان القسم محل التاکید فکرھوا ان یؤکدوا الفعل بامر منفصل عنه و هو القسم من غیر ان یؤکدوه بما اتصل به و هو النون بعد صلاحیته له ای صلاحا تاما و احترز عما لایصلح اصلا کالجملة الاسمیة و الفعل الماضی المثبت و مافیه مانع کما سیجیء و عما لا یصلح صلاحا تاما کالمستقبل المنفی الی اٰخر العبارۃ۔

تفصیل حال جواب قسم فعل مثبت

تفصیل حال جواب قسم فعل مثبت کی تفصیل مقام یہ ہے کہ جب قسم کا جواب مثبت جملہ فعلیہ واقع ہوتو باعتبار زمانہ کے اُس کی پانچ صورتیں ہوسکتی ہیں یا تو خالص ماضی مراد متکلم کی ہو۔اس صورت میں لام اورقد کے ساتھ اکثر جواب قسم آتا ہے جیسا کہ واللّٰہ لقد قام زید۔ یا جواب قسم میں مراد متکلم کی صرف حال ہوتو اندریں صورت جواب قسم میں صرف لام آویگا جیسا کہ

؎ یمینا لأ بغض کل امرأ یزخرف قولا و لا یفعل

اور یا صرف استقبال مراد متکلم کے ہو اس صورت میں لام تاکید نون تاکید کے ساتھ جواب قسم کا آنا لازم ہے جیسا کہ تَاللّٰهِ لَاَكِيْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ[1] ۵/۱۷ ان صورتوں کی تصریح تو جملہ کتب نحو صغیر وکبیر میں لکھی ہے مولانا عبدالحکیم تکملہ میں لکھتے ہیں۔ **قوله** فالام آه هذه اللام لام الابتداء المفیدۃ للتاکید لا فرق بینها و بین الا من حیث العمل و تفصیل الکلام فی هذاالمقام ان القسم الذی لغیر السوال جوابه اما جملة اسمیة مثبتة فیلزمها انّ واللام و قد یجمع بینهما و حینئذٍ یدخل اللّام علی الخبر فلا یستغنی الاسمیة عنهما من دون استطالة الا نادرًا و امّا جملة اسمیة منفیة فیلزمها ما او لا او ان النافیة و اما جملة فعلیة فان کان فعلها ماضیا غیر منصرف او منصرفًا فی معنی التعجب او المدح یلزمها اللّام و ان کان ماضیا منصرفا لا فی التعجب او المدح یلزمها مع اللّام

[1] الانبیاء : ۵۸

﴿۱۲۰﴾

قد اوماً فی معناہ مثل ربما و قد یقد ر قـد یکتفی باللام باللفظ ولا یکتفی بقد الا اذا طال القسم او کان فی ضرورۃ الشعر نحو قولہ تعالٰی قَدۡ اَفۡلَحَ مَنۡ زَكّٰٮهَا [۱] و ان کان مضارعا استقبالیا یلزمھا للام مع نون التاکید ان دخلت اللام علی نفس المضارع الا نادرا اوّلا یکتفی عن الام بالنون الا فی ضرورۃ الشعر واذا لم یدخل اللام علی نفس المضارع یکتفی باللام نحو لَئِنۡ مُّتُّمۡ اَوۡ قُتِلۡتُمۡ لَاِلَى اللّٰهِ تُحۡشَرُوۡنَ [۲] وان کان مضارعا حالیا یکون باللام من غیر النون و اما جملۃ فعلیۃ منفیۃ فیلزمھا فی الماضی ما اولا و الا یلزم تکرار لا ھٰھنا لان الماضی منقلب فی الجواب مع الاستقبال و فی المضارع استقبالیا کان او حالیا ما اولا مع النون او بدونھا. الخ ۔اب اگر قسم کے جواب مثبت فعلی میں مراد متکلم کے دوام تجددی ہو یا حال و استقبال دونوں مراد ہوں جو چوتھی اور پانچویں صورت ہے تو اس کے واسطے بھی وہی صیغہ مضارع کا مؤکد بلام تاکید و نون تاکید بولیں گے اگر مولوی صاحب اس کو ناجائز فرماویں تو بحوالہ ائمہ کبار نحو کے جو سابق مذکور ہو چکے اس مراد کے واسطے کوئی صیغہ استخراج فرماویں ورنہ یہ تو نہیں ہوسکتا کہ ایسے مافی الضمیر کے لئے کوئی صیغہ اور پتہ نشان عرب میں موجود نہ ہو۔ بیّنوا توجروا.

حاصل یہ ہے کہ قسم کے جواب کے واسطے صرف استقبال کا ہونا کچھ واجب اور لازم نہیں ہے بلکہ جواب قسم کبھی ماضی ہوتا ہے کبھی حال کبھی استقبال کبھی استمرار اور دوام تجددی اور نیز سابق ازیں علم بلاغت سے ثابت ہو چکا کہ صیغہ مستقبل کا واسطے استمرار اور دوام تجددی کے مستعمل ہوتا ہے۔ پس اگر جواب قسم کا صیغہ مستقبل مؤکد بلام تاکید و نون تاکید ہووے تو اس کی امتناع دوام تجددی کے لئے ہونے میں یا حال و استقبال دونوں مراد ہونے میں کونسی دلیل نحوی قائم کی گئی ہے باوجودیکہ لام تاکید بھی جو حال کے واسطے آتا ہے اس میں موجود ہے اگر کوئی ایسی دلیل اکابر ائمہ نحویین سے بطور اجماع کے منقول ہوئی ہو تو بیان کی جاوے اُس میں نظر کی جاوے گی بلکہ جو آیات کہ جناب نے بطور شواہد کے اپنے مدعا کے واسطے لکھی ہیں۔ ان میں اکثر آیات واسطے استمرار اور دوام تجددی کے لئے اور حال و استقبال دونوں زمانوں کے واسطے ہوسکتی ہیں کوئی محذور

---

[۱] الشمس: ۱۰ [۲] ال عمران: ۱۵۹

﴿۱۲۱﴾

نحوی لازم نہیں آتا۔ البتہ آیت اول میں چونکہ صرف نون تاکید ہے لام تاکید نہیں لہٰذا وہ صرف استقبال کے واسطے ہے۔ اور آیت دوم فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰهَا [۱] ۲/۱ میں لام تاکید معہ نون تاکید موجود ہے۔ پس اسکے حال و استقبال ہونے میں کوئی محذور نہیں ہے علیٰ ھٰذا القیاس۔ آیت سوم وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ [۲] ۲/۳ میں حال و استقبال دونوں مراد ہو سکتے ہیں اور اگر کسی تفسیر میں ان آیات کو صرف استقبال پر حمل کیا ہو تو ہم کو کچھ مضر نہیں اور آیت چہارم لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ [۳] ۲/۷ میں حال واستقبال دونوں مراد ہو سکتے ہیں اور ہم یہ کب کہتے ہیں کہ ہر جگہ حال ہی مراد ہوا کرے اور لَتَنْصُرُنَّهٗ میں صرف استقبال ہی مراد ہونا ہم کو کچھ مضر نہیں۔ آیت پنجم لَتُبْلَوُنَّ فِیْۤ اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ [۴] ۴/۱۰ میں لام تاکید معہ نون تاکید موجود ہے حال و استقبال دونوں مراد ہو سکتے ہیں اور اگر کسی تفسیر میں صرف استقبال کا مراد ہونا ان آیات میں لکھا ہو تو ہم کو کچھ مضر نہیں۔ اور آیت نمبر۴ لَتُبَیِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ [۵] اگر خبر بمعنے انشاء کے ہے اور اس واسطے صرف استقبال مراد ہے تو ہم کو کچھ مضر نہیں۔ آیت ششم لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ [۶] میں دونوں زمانہ مراد ہو سکتے ہیں کوئی محذور لازم نہیں آتا آیت ہفتم وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ [۷] میں لام تاکید مع نون تاکید موجود ہے۔ حال و استقبال دونوں مراد ہیں۔ ورنہ اس کے کیا معنے کہ وہ مہاجرین اللہ تعالیٰ کے راہ میں قتل تو کئے گئے اور اُس کی راہ میں تکلیفیں اُٹھا چکے اور ابھی تک جنت میں داخل نہیں ہوئے اور ہزاروں برس کے بعد کہیں جنت میں داخل ہونگے بلکہ ہم تو یہ کہتے ہیں کہ نزول آیت کے وقت میں بھی داخل ہوئے اور ہونگے اور داخل ہوتے چلے جاتے ہیں یاد کرو القبر روضة من ریاض الجنّة الخ۔ آیت ہشتم وَلَاُضِلَّنَّهُمْ [۸] کے بھی مضارع ہونے میں کوئی محذور نہیں۔ ابلیس کا اضلال حضرت آدم کے وقت دخول جنت سے متحقق ہے۔ آیت نہم لَتَجِدَنَّ [۹] میں بھی دونوں زمانے مراد ہو سکتے ہیں۔ کونسا محذور لازم آتا ہے بیان کیا جاوے اس میں نظر کی جاوے گی۔ آیت دہم۔ لَيَبْلُوَنَّكُمُ اللّٰهُ [۱۰] میں بھی خالص استقبال کا بطور وجوب ولزوم کے مراد ہونا کچھ ضرور نہیں و من ادعی فعلیه البیان۔ آیت یازدہم۔ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ [۱۱] میں بھی دونوں زمانہ مراد ہو سکتے ہیں کیونکہ مرتے جاتے ہیں۔

[۱] البقرة: ۱۴۵ [۲] البقرة: ۱۵۶ [۳] آل عمران: ۸۲ [۴] آل عمران: ۱۸۷ [۵] آل عمران: ۱۸۸
[۶-۷] آل عمران: ۱۹۶ [۸] النساء: ۱۲۰ [۹] المائدة: ۸۳ [۱۰] المائدة ۹۵ [۱۱] النساء: ۸۸

﴿۱۲۲﴾

اور جمع ہوتے جاتے ہیں اور یہ جمع قیامت تک رہے گا۔ قیامت اُسکی انتہا ہے کیونکہ الٰی انتہا کے واسطے آتا ہے آیت فَلَنَسْئَلَنَّ الَّذِيْنَ[1] میں صیغہ فلنسئلن مضارع ہوسکتا ہے کیونکہ لام تاکید معہ نون تاکید کے اُس میں موجود ہے اور دوام تجددی بھی مراد ہوسکتا ہے۔ شروع سوال وقت موت سے ہی برزخ میں بھی ہوتا ہے اور حشر ونشر اجساد میں بھی رہے گا تا دخول جنت یا نار۔ شاہ عبد القادر صاحب ترجمہ اسکا زمانہ حال کے ساتھ فرماتے ہیں سو ہم کو پوچھنا ہے اُن سے جن پاس رسول بھیجے تھے اور ہم کو پُوچھنا ہے رسُولوں سے۔ **آیت** لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ[2] میں حال و استقبال دونوں مراد ہو سکتے ہیں۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے ترجمہ بلفظ مضارع کیا ہے۔ البتہ ببرم دستہائے شمارا و پاہائے شمارا۔ **آیت** وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكَ لَيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ[3] میں بھی دونوں زمانے مراد ہوسکتے ہیں اور کوئی محذور لازم نہیں آتا۔ کیونکہ وقت نزول آیہ سے یعنی حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے وقت سے یہود پر عذاب نازل ہونا شروع ہوگیا اور یہ عذاب اُن پر قیامت تک نازل رہے گا۔ اسی واسطے ترجمہ اس آیہ کا حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے بلفظ مضارع کیا ہے ۔ ویاد کُن چوں آگاہ گردانید پروردگار تو کہ البتہ بفرستد بر ایشاں تا روز قیامت۔ **آیت** وَلَنَصْبِرَنَّ عَلٰى مَاۤ اٰذَيْتُمُوْنَا[4] میں حال و استقبال دونوں مراد ہیں کیونکہ اس کے کیا معنے کہ کفار پیغمبروں کو اذیت تو دے چکے یا دیتے ہیں اور اُن پیغمبروں نے ابھی تک صبر نہیں کیا کسی آئندہ زمانہ میں صبر کریں گے اور زمانہ حال میں بے صبر ہیں اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ[5] **آیت** وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِرُسُلِهِمْ لَنُخْرِجَنَّكُمْ مِّنْ اَرْضِنَاۤ[6] الاٰیۃ میں بھی حال و استقبال دونوں مراد ہو سکتے ہیں۔ کوئی محذور لازم نہیں آتا۔ خصوصاً جبکہ لحاظ کی جاوے تعریف زمانہ حال کی جو اوپر گزر چکی کہ زمانہ حال ایک امر عرفی ہے اور اُسکی مقدار بلحاظ افعال کے مختلف ہے اور وہ مفوض الی العرف ہے۔ **آیت** وَلَيُبَيِّنَنَّ لَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ[7] میں تسلیم کیا کہ صرف زمانہ استقبال مراد ہے مگر ہم کو یہ کچھ مضر نہیں۔ ہم یہ کب کہتے ہیں کہ ایسے صیغ میں زمانہ حال ضرور بالضرور مراد ہی ہوتا ہے اور آیت مذکورہ میں ایک صارف بھی موجود ہے۔

[1]-[2]-[3] الاعراف: ۷، ۱۲۵، ۱۶۸ [4] ابراھیم: ۱۳ [5] صٓ: ۶ [6] ابراھیم: ۱۴ [7] النحل: ۹۳

﴿۱۲۳﴾

کہ جسکے سبب سے زمانہ حال مراد نہیں ہوسکتا کہ وہ لفظ **یوم القیامۃ** کا ہے مگر مولانا شاہ ولی اللہ صاحب نے ترجمہ اسکا بلفظ مضارع کیا ہے۔ و البتہ بیاں کند برائے شما روز قیامت آنچہ دراں اختلاف مے نمودید۔ شاید حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے ترجمہ بلفظ مضارع اسواسطے کیا ہے کہ **من مات فقد قامت قیامتہٗ** ،حدیث صحیح ہے پس یہ بیان بطور استمرار کے ہمیشہ جاری ہے قیامت تک یعنی حشر اجساد تک۔ آیت وَلَتُسۡـَٔلُنَّ عَمَّا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ[1] میں دونوں زمانے حال و استقبال مراد ہو سکتے ہیں۔ کوئی محذور لازم نہیں آتا۔ شاہ عبدالقادر صاحب نے ترجمہ آیت کا برعایت زمانہ حال کیا ہے۔ یعنے اور تم سے پُوچھ ہونی ہے جو کام تم کرتے تھے۔ یہاں تک جس قدر آیتیں مولوی صاحب نے لکھیں وہ سب مناقض اور منافی دعوٰے مولوی صاحب کے ہیں اور مؤید حضرت اقدس مرزا صاحب کے وَلَنِعۡمَ مَا قِیۡلَ

؎ عدو شود سبب خیر گر خدا خواہد خمیر مایۂ دوکان شیشہ گر سنگ است

اس مقام پر ہیچمدان کو وہ مثل یاد آئی جس کو اللہ تبارک و تعالیٰ نے اسی آیت کے رکوع میں بیان فرمایا ہے قال اللّٰہ تعالٰی ۔ وَلَا تَكُوۡنُوۡا كَالَّتِىۡ نَقَضَتۡ غَزۡلَهَا مِنۡۢ بَعۡدِ قُوَّةٍ اَنۡكَاثًا[2] ۱۴/۱۹ آیت فَلَنُحۡيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً‌ ۚ وَلَنَجۡزِيَنَّهُمۡ اَجۡرَهُمۡ[3] میں حال و استقبال بلکہ استمرار مراد ہے کوئی محذور لازم نہیں آتا۔ اور شاہ ولی اللہ صاحب نے بھی ترجمہ اسکا بلفظ مضارع کیا ہے۔ ہر آئینہ زندہ کنیمش بزندگانی پاک و بدہیم آنجماعہ را مزد ایشاں۔ اور شاہ عبدالقادر صاحب فائدہ میں لکھتے ہیں اچھی زندگی قیامت کو جلا دینگے یا دنیا میں اللہ کی محبت اور لذت میں۔ آیت وَقَضَيۡنَاۤ اِلٰى بَنِىۡۤ اِسۡرَاۤءِيۡلَ فِى الۡـكِتٰبِ لَـتُفۡسِدُنَّ فِى الۡاَرۡضِ مَرَّتَيۡنِ وَلَتَعۡلُنَّ عُلُوًّا كَبِيۡرًا[4] ۱/۱۵ میں اگر زمانہ استقبال ہی مراد ہے تو حضرت مرزا صاحب کو کچھ مضر نہیں کیونکہ حضرت اقدس اس بات کے قائل نہیں ہیں کہ کسی جگہ ان صِیَغ میں خالص زمانہ استقبال مراد نہیں ہوسکتا بلکہ وہ تو یہ فرماتے ہیں کہ بحسب مقامات ایسے صِیَغ میں کہیں تو دوام تجددی مراد ہوتا ہے جیسا کہ حواشی مطول سے صیغہ مستقبل کا ہونا دوام تجددی کے واسطے نقل ہو چکا اور کہیں حال و استقبال مراد ہوتا ہے اور کہیں خالص استقبال چونکہ یہاں پر سیاق آیہ میں چند قرائن صارفہ عن ارادۃ الحال موجود ہیں اسواسطے حال مراد نہیں خالص استقبال مراد ہے۔ لیکن مولوی صاحب کا استقبال تو یہاں پر بھی موجود نہیں کیونکہ نزول آیت سے

[1] النحل: ۹۴ [2] النحل: ۹۳ [3] النحل: ۹۸ [4] بنی اسرائیل: ۵

﴿۱۲۴﴾ بہت پہلے دونوں مرتبہ فساد بھی اسرائیل کے زمانہ ماضی میں ہو چکے ہیں۔ اول فساد کی سزا میں جالوت غالب ہوا اور دوسرے فساد کی جزا میں بخت نصر غالب ہو چکا۔ آیت وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ[1] میں دونوں زمانہ حال واستقبال مراد ہیں اور کوئی محذور نہیں بلکہ یہاں پر مضارع ہونا ضروری ہے بلکہ دوام تجدد ہی کا مراد ہونا انسب ہے۔ کیونکہ جو شخص جس وقت سے ارادہ نصرت الٰہی کرتا ہے اُسی وقت سے نصرت الٰہی شامل حال اسکے ہونے لگتی ہے اگرچہ دوسروں کو محسوس نہ ہو۔ آیت:- لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ[2] میں دونوں زمانہ حال واستقبال مراد ہو سکتے ہیں کیونکہ لفظ استخلاف کا عام ہے شامل ہے استخلاف روحانی اور جسمانی دونوں کو۔ پھر روحانی استخلاف تو وقت بعثت سے ہی شروع ہو گیا تھا۔ سلّمنا کہ استخلاف جسمانی وظاہری ہی مراد ہے تو کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خلیفۃ اللہ نہیں تھے بلکہ ان سب وعدوں مندرجہ آیت کا ایفا تو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت سے شروع ہو گیا تھا۔ پھر اگر آیت مذکورہ میں زمانہ حال بھی مراد ہو تو کونسا محذور نحوی لازم آتا ہے۔ خصوصاً اُس حالت میں کہ مطول وغیرہ سے تصریح ہو چکی کہ زمانہ حال کا ایک امر عرفی ہے اور اس کی مقادیر مختلف ہیں جو مفوض ہیں اہلِ عرف پر۔ آیت لَاُعَذِّبَنَّهٗ عَذَابًا شَدِيْدًا[3] دونوں زمانہ حال واستقبال مراد ہو سکتے ہیں مقدار زمان الحال مفوض الی العرف ۔ اسی واسطے شاہ ولی اللہ صاحب نے ترجمہ اس آیت کا ساتھ لفظ مضارع کے کیا ہے۔ ہر آئینہ عقوبت کنم اُو را عقوبت سخت۔ اور اگر خالص استقبال ہی مراد ہو تو حضرت اقدس مرزا صاحب کو کچھ مضر نہیں ہے۔ وہ کب قائل ہیں کہ ایسے صِیَغ میں زمانہ حال التزاماً مراد ہوتا ہے۔ آیت لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا[4] میں حال واستقبال بلکہ دوام تجددی اور استمرار مراد ہے اسمیں کونسا محذور نحوی لازم آتا ہے۔ خود وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا[5] اس کی دلیل ہے جو متضمن شرط کو ہے اگر یہ شرط زمانہ ماضی میں واقع ہو چکی تو جزا اُسکی بھی زمانہ ماضی میں واقع ہو چکی اور اگر یہ شرط زمانہ حال میں متحقق ہو تو جزا اس کی زمانہ حال میں متحقق ہوتی ہے اور اگر شرط زمانہ استقبال میں واقع ہو گی تو جزا اس کی بالضرور زمانہ استقبال میں متحقق ہو گی۔ خلاصہ یہ ہے کہ یہ آیت بمنزلہ قضیہ شرطیہ فیصلہ لزومیہ کے ہے۔ مولوی صاحب اس بارہ میں جب کچھ مباحثہ منطقیہ بیان فرماویں گے تو ہیچمدان بھی انشاء اللہ تعالیٰ کلام کو بسط کر دے گا۔ آیت وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِيْ لَحْنِ الْقَوْلِ[6] میں دونوں

[1] الحج : ۴۱ [2] النور : ۵۶ [3] النمل : ۲۲ [4]-[5] العنکبوت : ۷۰ [6] محمد : ۳۱

﴿۱۲۵﴾ زمانہ حال و استقبال مراد الٰہی ہیں زمانہ استقبال کی کوئی تخصیص ضروری نہیں ہے اسی واسطے ترجمہ اسکا مولانا شاہ ولی اللہ صاحب نے بلفظ مضارع کیا ہے۔ و البتہ بشناسی ایشاں را دراسلوب سخن۔ آیت لَتُبۡعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلۡتُمۡ[1] اگر صرف زمانہ استقبال ہی مراد مان لیا جائے تو حضرت اقدس مرزا صاحب کو کچھ مضر نہیں زمانہ حال کا ارادہ اُن کے نزدیک لازم اور واجب نہیں اور اس آیہ میں جو خالص زمانہ استقبال مراد ہوا تو اس کا سبب یہ ہے کہ سیاق آیت میں قرائن صارفہ عن ارادۃ الحال موجود ہیں کیونکہ یہ آیت جواب ہے زعم کفار کا کہ بعث ہرگز نہ ہوگا لہٰذا جواب میں بھی صرف استقبال مراد ہوا۔ **قال اللّٰہ تعالٰی** ۔ زَعَمَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡۤا اَنۡ لَّنۡ يُّبۡعَثُوۡا ؕ قُلۡ بَلٰى وَرَبِّىۡ لَتُبۡعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلۡتُمۡ ؕ وَذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيۡرٌ[2] ۲۸/۱۵ ظاہر ہے کہ **لن** مضارع کو خالص استقبال کے واسطے کر دیتا ہے پس جبکہ زعم کفار صرف نفی بعث استقبال کے واسطے تھا تو جواب اور اُن کی رد میں بھی صرف استقبال ہی مراد لیا گیا۔ پس یہاں پر ایک قرینہ صارفہ عن ارادۃ زمان الحال موجود ہے۔ اور اگر آغاز بعث کا وقت موت سے لیا جاوے اور انتہا اس کا **یوم النشور** اور حشر اجساد تک ہو بلحاظ حدیث صحیح کے کہ **من مات فقد قامت قیامته** وارد ہے تو زمانہ حال بھی مراد ہوسکتا ہے۔ آیت لَتَرۡكَبُنَّ طَبَقًا عَنۡ طَبَقٍ[3] میں لام تاکید جو حال کے واسطے آتا ہے معہ نون تاکید ثقیلہ کے موجود حال و استقبال دونوں زمانہ مراد ہیں۔ نہیں معلوم مولوی صاحب نے اکثر آیات گزشتہ جن میں بحسب مقامات کہیں حال و استقبال دونوں مراد ہیں اور کہیں دوام تجددی مراد ہے۔ خصوصاً آیت ھٰذا کو خالص استقبال کے واسطے کیوں قرار دیا ہے۔ آیت ھٰذا کی تفسیر ملخصاً فتح البیان سے لکھی جاتی ہے تاکہ ناظرین کو ثابت ہو کہ خالص استقبال کا التزاماً مراد ہونا اس آیہ میں محض غلط اور باطل اور مخالف ہے تفسیر حضرت تتمہ محدثین حضرت نواب صاحب بہادر مغفور مرحوم کے۔ حضرت مرحوم نے تفسیر آیت مذکورہ میں جو لکھا ہے اس کا حاصل یہ ہے۔ **حالا بعد حالٍ قالی الشعبی و مجاهد لترکبنّ یا محمدٌ سماءً بعد سماءٍ قال الکلبی یعنی تصعد فیها و هذا علی القراءة الاولی و قیل درجة بعد درجة و رتبة بعد رتبة فی القرب من اللّٰه و رفعة المنزلة و قیل المعنی لترکبن حالا بعد حال کل حالة منها مطابقة**

[1] التغابن:۸ [2] التغابن:۸ [3] الانشقاق : ۲۰

﴿۱۲۶﴾

لاٰختها فی الشدة و قیل المعنی لترکبن ایها الانسان حالًا بعد حال من کونک نطفة ثم علقة ثم مضغة ثم حیًّا و میتًا و غنیًا و فقیرًا ۔ قال مقاتل طبقا عن طبق یعنی الموت و الحیٰوة و قال عکرمة رضیع ثم فطیم ثم غلام ثم شاب ثم شیخ و عن ابن مسعود قال یعنی السّماء تنفطر ثم تنشق ثم تحمر و قیل یعنی الشدائد و اهوال الموت ثم البعث ثم العرض و قیل لترکبن سنن من کان قبلکم کما ورد فی الحدیث الصحیح انتهٰی حاصله و ملخصه. بالآخر اب ناظرین کی خدمت میں ایک گذارش ضروری یہ ہے کہ جناب مولوی صاحب نے پرچہ نمبر دوم میں فرمایا ہے۔ ’’کہ بیضاوی میں لکھا ہے کتب اللّٰه لاغلبن انا و رسلی بالحجة ‘‘ظاہر ہے کہ لوح محفوظ میں جب لکھا تھا اس وقت اور اس سے پہلے غلبہ متصور نہ تھا کیونکہ غلبہ کے لیے غالب مغلوب ضروری ہیں اُس وقت نہ رسل تھے نہ اُن کی امت تھی یہ سب بعد اس کے ہوئے ہیں انتہٰی۔‘‘ یہ ہیچمدان مولوی صاحب کے قول کی اور تائید کرتا ہے کہ جناب نے بیضاوی کا حوالہ جس کی تفسیر کو آیت لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ میں آپ محض باطل اور غلط فرما چکے ہیں ناحق تحریر فرمایا۔ خود قرآن شریف میں موجود ہے بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ[1] ظاہر ہے کہ کتابت لوح محفوظ کی سب سے سابق ہے زمانہ ماضی وحال و استقبال جملہ ازمنہ ثلاثہ کتابت لوح محفوظ سے زمانہ استقبال میں واقع ہیں فیصلہ شد۔ مولوی صاحب نے تمام نزاع استمرار و ماضی وحال حضرت اقدس مرزا صاحب کا ختم کردیا۔ و للّٰه الحمد۔ ؎

ہوئی ماضی و یا کہ حال ہوا چلو جھگڑا ہی انفصال ہوا

چونکہ مولوی صاحب کا اقرار پرچہ ثانی میں بدیں خلاصہ مضمون مندرج ہو چکا ہے کہ اصل اور عمدہ بحث کل ابحاث مندرجہ پرچہ ہائے ثلاثہ کی بحث نون تاکید کی ہے پس جبکہ نون تاکید کا نزاع ہی سب ختم ہو چکا۔ لہٰذا کل پرچہ ہائے ثلاثہ کا جواب بھی ختم ہوگیا۔ مگر بفرمائش بعض احباب بطور **قال و اقول** کے بھی جواب دیا جاتا ہے۔ **قال** اگر جناب مرزا صاحب الی قوله تو میں اپنے اس مقدمہ کو غیر صحیح تسلیم کرلونگا۔ **اقول** حضرت اقدس مرزا صاحب تفاسیر معتبرہ اور آیات بینات سے یہ بات ثابت فرما چکے کہ فان حقیقة الکلام للحال و لا

[1] البروج: ۲۲۔۲۳

﴿۱۲۷﴾

وجہ لان یراد بہ فریق من اھل الکتٰب یوجدون حین نزول عیسٰی علیہ السلام ۔وقال الزجاج ھٰذا القول بعید لعموم قولہ تعالٰی وَاِنۡ مِّنۡ اَھۡلِ الۡکِتٰبِ[1] والذین یبقون یومئذ یعنی عند نزولہ شرذمۃ قلیلۃ منھم ۔کذا فی فتح البیان ۔ اوراس ہیچمدان کے بیان سے بحوالہ مطول و ہوامش وغیرہ اُس کے کے دوام تجددی اور حال و استقبال کا مراد ہونا بحسب مقامات مناسبہ ثابت ہو چکا۔ پس اب مولوی صاحب کو لازم ہے کہ بہ تقاضائے اتقاو **خشیۃ الٰھیہ** کے حسب اقرار خوداس اپنے مقدمہ کو غیر صحیح تسلیم فرماویں **قال** اور حاصل ترجمہ یہ ہے۔ **اقول** حضرت اقدس مرزا صاحب آیات بینات سے یہ امر بخوبی ثابت فرما چکے کہ ایسا زمانہ قیامت تک کبھی نہیں آ سکتا کہ بسیط الارض پر کوئی فرقہ کفرہ فجرہ کا باقی نہ رہے۔ ہاں البتہ غلبہ اور ظہور اہل اسلام کا کبھی جسمانی طور پر اور کبھی روحانی طور پر اور کبھی براہین احمدیہ کے رُو سے بالضرور ہوگا ۔خود آیت ھُوَالَّذِیۡۤ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَہٗ بِالۡھُدٰی وَدِیۡنِ الۡحَقِّ لِیُظۡھِرَہٗ عَلَی الدِّیۡنِ کُلِّہٖ[2] ۱۰/۱۱ جو مفسرین نے زمانہ مسیح بن مریم کے واسطے لکھی ہے یہی مضمون بآواز بلند ندا کر رہی ہے اور جمیع ما فی الارض کی ہدایت تو مشیت الٰہیہ کے محض خلاف ہے۔**قال اللّٰہ تعالٰی** وَلَوۡشِئۡنَا لَاٰتَیۡنَا کُلَّ نَفۡسٍ ھُدٰىھَا وَلٰکِنۡ حَقَّ الۡقَوۡلُ مِنِّیۡ لَاَمۡلَئَنَّ جَھَنَّمَ مِنَ الۡجِنَّۃِ وَالنَّاسِ اَجۡمَعِیۡنَ[3] ۲۱/۱۵ **ایضا قال تعالٰی** وَلَوۡ شَآءَ رَبُّکَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّۃً وَّاحِدَۃً وَّ لَا یَزَالُوۡنَ مُخۡتَلِفِیۡنَ اِلَّا مَنۡ رَّحِمَ رَبُّکَ وَ لِذٰلِکَ خَلَقَھُمۡ ؕ وَتَمَّتۡ کَلِمَۃُ رَبِّکَ لَاَمۡلَـَٔنَّ جَھَنَّمَ مِنَ الۡجِنَّۃِ وَالنَّاسِ اَجۡمَعِیۡنَ[4] ۱۲/۱۰ **و غیر ذٰلک من الاٰیات الکثیرۃ المصرحۃ بذالک۔ قولہ** تو اس معنے کے غلط ہونے کی یہ وجہ ہے کہ صاحب القول الجمیل سلمہ اس مقام پر غلط فاحش کا مصدر ہوا ہے الیٰ قولہ اس لئے یہ معنیٰ غلط ہے۔ **اقول** مولانا صرف صاحب قول الجمیل سلمہ نے ہی اس جملہ کو جملہ انشائیہ نہیں قرار دیا بلکہ جملہ نحوبین ایسے جملہ کو جو مصدر بقسم ہو خواہ وہ قسم مقدر ہو یا ملفوظ جملہ انشائیہ کہتے ہیں اور حصر جملہ انشائیہ کا صرف صیغہ امر میں یہ جناب والا کا ہی ایجاد ہے۔ جملہ انشائیہ کی اقسام تو سوا امر کے اور بہت ہیں جو ہر ایک کتاب صغیر و کبیر نحو میں مذکور ہیں ۔اس مسئلہ کو نحو میر خوان اطفال بھی جانتے ہیں ۔صاحب القول الجمیل سلّمہٗ نے لیؤمننّ کو ہرگز ہرگز صیغہ امر کا نہیں سمجھا

[1] النساء: ۱۶۰ [2] التوبۃ: ۳۳ [3] السجدۃ: ۱۴ [4] ھود: ۱۱۹۔۱۲۰

﴿۱۲۸﴾ بلکہ تحریض سمجھی ہے۔ جو بیضاوی وغیرہ میں لکھی ہے اُسی تفسیر کے موافق معنے آیت کے صاحب القول الجمیل نے لکھے ہیں۔ پس یہ اعتراض جناب کا صاحب القول الجمیل سلمہ پر اپنے موقع پر نہیں ہے۔ اور یہ بات تو ثابت ہو چکی کہ خالص استقبال کا مراد ہونا اس مقام پر کچھ ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ زمانہ حال کا مراد ہونا بھی یہاں پر ضروری ہے۔ **قولہ** اُن میں سے ہیں ابو ہریرہ الٰی قولہ. **و ھٰذا القول ھو الحق کما سنبینہ بعد بالدلیل القاطع انشاء اللّٰہ تعالٰی** ۔ **اقول** اِس قول میں جسقدر تابعین وغیرہ کا اس طرف جانا مولوی صاحب نے ذکر فرمایا کوئی قول انکا ایسا نقل نہیں کیا جس سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ جس طرح مولوی صاحب اس آیہ کو قطعی الدلالت فرماتے ہیں اسی طرح یہ جماعت بھی اس آیہ کو قطعی الدلالت کہتی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ تو خود بطور شک کے جس پر حرف اِنْ دلالت کرتا ہے یہ فہم اپنا مشکوک قرار دیتے ہیں پھر اور کسی تابعی وغیرہ کا ذکر ہی کیا ہے۔ پس تقریب مولوی صاحب کی محض نا تمام ہے۔ اور مستلزم مدعا کو نہیں اور پھر اس پر مولوی صاحب کا یہ فرمانا کہ ایک جماعت کثیر سلف میں سے اسی طرف گئی ہے کیسا اپنے محل اور موقعہ پر ہے ناظرین ذرا ملاحظہ فرماویں۔ اور صاحب تفسیر ابن کثیر جو فرماتے ہیں۔ کہ **و ھٰذا القول ھو الحقّ** الخ۔ تو اُن سے مطالبہ دلیل قاطع کا ہے۔ وہ دلیل قاطع بیان فرمائی جائے۔ نون ثقیلہ کی دلیل تو بہت ہی خفیفہ ہو گئی۔ **قولہ** اول یہ کہ آیت میں نون تاکید ثقیلہ موجود ہے **الٰی قولہ** غیر متصور ہے۔ **اقول** مقدمہ نون ثقیلہ کا بسبب لام تاکید مفتوحہ کے بالکل خفیفہ ہو گیا اور ایسی تعمیم کہ (جو اہل کتاب قبل چڑھائے جانے مسیح کے صلیب پر دنیا میں موجود تھے۔ آیت **لیؤمننّ بہ** ان کو بھی شامل ہو) کچھ ضروری نہیں۔ سباق آیہ میں اہل کتاب موجودین قبل واقع صلیب کے کب مراد ہیں جو یہاں پر بھی وہ مراد ہوں۔ دیکھو سب جملوں ماسبق آیت کو وَقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ[1] ؔ و غیر ذٰلک من الجمل۔ **قولہ** اور ایسا ہی آپ کے دوسرے معنے بھی باطل ہوئے جاتے ہیں الخ۔ **اقول** جبکہ مقدمہ نون ثقیلہ کا بسبب موجود ہونے لام تاکید مفتوحہ کے بالکل خفیفہ ہو گیا تو اب یہ معنے کیونکر باطل ہو سکتے ہیں اور اگر اَور وجوہ اُسکے ابطال کی آپ کے نزدیک موجود ہوں بیان فرمائی جاویں۔ انشاء اللہ تعالیٰ ان میں نظر کی جاوے گی۔ **قولہ** جواب اعتراض دوم بدو وجہ ہے اول یہ کہ **الٰی قولہ** بلکہ یقین مراد ہے۔ **اقول** جبکہ آیت میں کہیں تصریح اس امر کی نہیں تھی کہ مسیح کے آتے ہی سب اہل کتاب مسیح پر ایمان لے آویں گے تو جناب نے واسطے اثبات اپنے دعوے کے

[1] النساء : ۱۵۸

﴿۱۲۹﴾

یہ قول ابو مالک کا کیوں نقل فرمایا ہے قال ابو مالک فی قولہ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ[1] قال ذٰلک عند نزول عیسٰی بن مریم علیہ السلام لا یبقٰی احد من اھل الکتٰب الا اٰمن بہ اور پھر اس پر علاوہ یہ ایک لطیفہ اَور ہے کہ قول حسن کا بھی واسطے استدلال اپنے مدعا کے نقل فرمایا ہے وقال الحسن البصری یعنی النجاشی و اصحابہ ۔ بھلا کہاں نجاشی اور کہاں اس کے اصحاب اور کہاں نزول عیسیٰ بن مریم اور کجا وہ اہل کتاب جو عند نزول عیسےٰ بن مریم ایمان لاویں گے۔ ؎ ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا۔ اور پھر یہ قول بھی نقل فرمایا گیا ہے۔ وقال الضحاک عن ابن عباس و ان من اھل الکتٰب الا لیؤمنن بہٖ قبل موتہٖ یعنی الیھود خاصة ۔ یہ کیسا تناقض اور اختلاف ہے۔ صدق اللّٰہ تعالٰی وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا[2] اور پھر باب اعتقادیات میں بطور امکان کے یہ فرمانا آپ کا (پس ہوسکتا ہے کہ جن کفار کا علم الٰہی میں مسیحؑ کے دم سے کفر کی حالت میں مرنا مقدر ہو ان کے مرنے کے بعد سب اہل کتاب ایمان لے آویں) کیسا اپنے محل اور موقع پر ہے باب عقائد میں ایسے ہی ادلّہ قطعیۃ الدلالت ہونے چاہئیں اور پھر جبکہ ایمان سے مراد ایمان شرعی نہ ہوا بلکہ مراد اُس سے یقین ہوا تو کہاں گیا وہ مدعی کہ بعد نزول اور قبل موت عیسےٰ بن مریم کے ایک زمانہ ایسا آویگا کہ سب اہل کتاب اسلام میں داخل ہو جاوینگے۔ مولانا وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّتِيْ نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ اَنْكَاثًا[3] **قولہ** اعتراض سوم کا جواب بھی انہیں وجہوں سے ہے الخ۔ **اقول** ان دونوں وجہوں کا غیر موجود ہونا معلوم ہو چکا کوئی اور وجہ نون خفیفہ وغیرہ کی بیان فرمائی جاوے **قولہ** یہ اعتراض جناب مرزا صاحب کی شان سے نہایت مستبعد ہے۔ الٰی آخر العبارة ۔ **اقول** مولانا وہ کونسا زمانہ ہو چکا ہے جسمیں کوئی کافر نہ تھا۔ اگر فرماؤ حضرت آدم کے اوائل وقت میں تو گزارش یہ ہے کہ حضرت ابلیس علیہ اللعن سب سے بڑے کافر موجود تھے۔ اور بعد ہونے اولاد کے قابیلؔ و ہابیلؔ کا قصّہ خود قرآن مجید میں موجود ہے اور اگر کہو کہ قبل حضرت آدم کے۔ تو گزارش یہ ہے کہ اس زمانہ سے بحث ہی کب ہے اور اگر خواہ مخواہ آپ اس زمانہ کو ہی مصداق اس کا قرار دیویں اور فرماویں کُل ملائکہ مومنین ہی تھے۔ تو ہم کہیں گے کہ جنات کفار بھی موجود تھے پھر وہ کونسا زمانہ تھا جس میں کوئی کافر موجود نہ تھا۔ قال اللّٰہ تعالٰی حکایتًا

[1] النساء :۱۶۰ [2] النساء :۸۳ [3] النحل :۹۳

﴿۱۳۰﴾ عن ابلیس قَالَ رَبِّ فَاَنْظِرْنِیْٓ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ۔ قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِیْنَ اِلٰی یَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ ﴿۸۲﴾ قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَاُغْوِیَنَّهُمْ اَجْمَعِیْنَ ﴿۸۳﴾ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِیْنَ ﴿۸۴﴾ قَالَ فَالْحَقُّ وَالْحَقَّ اَقُوْلُ ﴿۸۵﴾ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَمِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ اَجْمَعِیْنَ ﴿۸۶﴾[1] مولانا صاحب صیغہ **لاغوینّھم اجمعین** میں آپ کا نون ثقیلہ بھی موجود ہے اور قرائن **الٰی یوم یبعثون** اور **الٰی یوم الوقت المعلوم** وغیرہ بھی موجود ہیں جن کی وجہ سے یہاں پر خالص زمانہ استقبال مراد ہے۔ الحاصل خلاف مشیت الٰہیہ ایسا زمانہ کیونکر ہوسکتا ہے کہ جس میں سب لوگ ہدایت پر ہو جاویں اور کوئی گمراہ و کافر بسیط الارض پر موجود نہ رہے پس میری دانست ناقص میں ایسا کچھ فرمانا آپ کے شان سے نہایت مستبعد ہے نہ حضرت مرزا صاحب کا فرمانا۔ انصاف کو ہاتھ سے نہ دیجئے۔ مثل مشہور ہے **الانصاف احسن الاوصاف** **قولہ** دلیل دوسری الخ۔

اقول مولانا اوّل تو یہ گذارش ہے کہ **کھلؔ** کے معنے میں کسی لغت کی کتاب میں دو ہزار برس کا یا زیادہ کا زمانہ بھی لکھا ہے یا نہیں اگر کسی کتاب میں لکھا ہو تو نقل فرمایا جاوے اور اگر کہیں نہیں لکھا تو پھر دو ہزار برس یا زیادہ کا زمانہ اس کے مفہوم میں کیونکر معتبر ہوسکتا ہے۔ ثانیاً جس قدر کتب تفاسیر کی عبارات سے جناب نے استدلال کیا ہے کسی تفسیر میں **رفع قبل التکھل بجسدہ العنصری علی السماء** کا ثبوت کسی آیت یا حدیث صحیح مرفوع متصل سے نہیں دیا پھر جب تک کہ **رفع کذائی قبل التکھل** دلیل قطعی سے ثابت نہ ہولے تو دلیل آپکی مستلزم مدعیٰ کو کیونکر ہوسکتی ہے۔ فتح البیان میں لکھا ہے۔ **واورد علیٰ ھٰذا عبارۃ المواھب مع شرحھا للزرقانی وانما یکون الوصف بالنبوۃ بعد بلوغ الموصوف بھا اربعین سنۃ اذھو سن الکمال ولھا تبعث الرسل ومفاد ھٰذا الحصر الشامل لجمیع الانبیاء حتّٰی یحیٰ وعیسٰی ھو الصحیح ففی زاد المعاد للحافظ ابن القیم ...... ما یذکر ان عیسٰی رفع وھو ابن ثلٰث وثلٰثین سنۃ لا یعرف بہ اثر متصل یجب المصیر الیہ. قال الشّامی وھو کما قال فان ذٰلک انمایروی عن النصاریٰ و المصرح بہٖ فی الاحادیث النبویّۃ انہ انما رفع وھو ابن مائۃ وعشرین سنۃ ثم قال الزّرقانی وقع للحافظ الجلال السیوطی فی تکملۃ تفسیر المحلّٰی وشرح النقایۃ وغیرھما من کتبہ الجزم بان عیسٰی رفع وھو ابن ثلٰث و ثلٰثین سنۃ و یمکث**

[1] صٓ : ۸۰ تا ۸۶

﴿۱۳۱﴾

بعد نزوله سبع سنين ومازلت أتعجب منه مع مزيد حفظه واتقانه وجمعه للمعقول والمنقول حتّٰی رأيته فی مرقاة الصعود رجع عن ذٰلک انتهٰی ۔ اور حسین ابن الفضل سے جو یہ قول نقل کیا گیا ہے کہ وفی هٰذه الأية نص فی انه عليه الصلٰوة والسلام سينزل الى الارض ۔ اگر نص سے مراد وہی نص ہے جو مصطلح اہلِ اصول ہے تو آپ ہی فرماویں کہ کلام فی الکہولت واسطے نزول من السماء بجسده العنصری کے کیونکر نص ہوگیا۔ اور اگر نص سے کچھ اور مراد ہے تو بیان ہو اس میں نظر کی جاوے گی۔ اور پھر یہ گذارش ہے کہ جناب والا نے آغاز پرچہ اوّل میں یہ اقرار وعہد کیا ہے کہ اس مباحثہ میں بحث صعود ونزول وغیرہ کا خلط نہ کیا جاویگا۔ پھر یہاں پر اس اقرار وعہد کا نقض آپکی جانب سے کیوں ہوا۔ اِنَّ الۡعَهۡدَ كَانَ مَسۡـُٔوۡلًا [1] ثالثاً کیا ایسی پیشین گوئیوں کی حقیقت کما ینبغی ایسے ہی اجتہادات اور اقوال علماء سے قبل از وقوع محقق طور پر اور قطعی ویقینی معلوم ہوسکتی ہے۔ جیسے اقوال کہ جناب نے اس دلیل دوم میں بیان فرمائے ہیں۔ نہیں نہیں مجھ کو خوب یاد آیا مولانا صاحب تو خود اس دلیل دوم کی نسبت فرماچکے ہیں کہ یہ دلیل فی نفسہٖ قطعية الدلالت حیات مسیح پر نہیں ہے۔ ہاں البتہ یہاں پر ایک استفسار باقی رہا وہ یہ ہے کہ جناب والا یہ بھی فرماتے ہیں کہ (مگر بانضمام آیہ وَاِنۡ مِّنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤۡمِنَنَّ بِهٖ قَبۡلَ مَوۡتِهٖ [2] کے قطعية الدلالت ہوجاتی ہے) اب استفسار یہ ہے کہ اصول حدیث کے رُو سے صحيح لذاته و صحيح لغيره یاحسن لذاته و حسن لغيره ۔ تو بالضرور ایک اصطلاح مقررہ اصول حدیث کی ہے۔ شائد اسی بناء پر جناب نے قطعی الدلالت کی دو قسمیں ارشاد فرمائیں اوّل قطعية الدلالت فی نفسهٖ۔ دوم قطعية الدلالت لغيرهٖ ۔ یہ اصطلاح یا علم مناظرہ کی ہوگی یا شائد علم اصول فقہ کی ہو۔ لہٰذا گذارش ہے کہ جس کتاب علم مناظرہ یا اصول فقہ میں دلیل کی یہ دونوں قسمیں لکھی ہوں بہ تصحیح نقل ارشاد فرمائی جاویں۔ کیونکہ ہیچمدان کو یہ اصطلاح نہیں معلوم۔ نظار نے تو تعریف دلیل کی یہ لکھی ہے۔ والدليل هو المركب من قضيتين للتأدّی الى مجهول نظری ۔ اور بعض نے یہ لکھی ہے ما يلزم من العلم به العلم بشیء اٰخر يا ما يلزم من التصديق بشیء اٰخر بطريق الا كتساب ۔ رشیدیہ میں لکھا ہے فان حمل ذٰلک التعريف على تعريف الدليل القطعی البين الانتاج

[1] بنی اسرائیل : ۳۵ [2] النساء : ۱۶۰

﴿۱۳۲﴾ ومعنی الاستلزام ظاھر وان ارید بہ التعمیم کما ھو الظاھر حمل الاستلزام علی المناسبۃ المصححۃ للانتقال لا علی امتناع الانفکاک اوراصولیین نے تعریف دلیل کی یہ لکھی ہے ھو ما یمکن التوصل لصحیح النظر فی احوالہ الیٰ مطلوب خبری کالعالم مثلًا فانہ من تامّل فی احوالہ لصحیح النظر بان یقول انہ متغیر و کل متغیر حادث وصل الی مطلوب خبری وھو قولنا العالم حادث فعند الاصولیین العالم دلیل وعند الحکماء مجموع العالم متغیر و کل متغیر حادث۔

واضح خاطر ناظرین ہو کہ مولوی صاحب نے اوّل دلیل کا نام توقطعیۃ الدلالت فی نفسہٖ رکھا ہے اور بقیہ اربعہ کا نام ظنّی رکھ کر قطعیۃ الدلالت لغیرہٖ فرمایا ہے اور غیر سے مراد وہی دلیل اوّل ہے۔ پس یہ دلائل اربعہ ظنّیہ دلیل اوّل کے انضمام سے قطعیۃ الدلالت کیونکر ہوگئیں۔ اگر دلیل اوّل ان دلائل کے واسطے بمنزلہ مقدمہ دلیل کے گردانی گئی ہے کہ المقدمۃ ما یتوقف علیہ صحۃ الدلیل اعم من ان یکون جزءا من الدلیل اولا۔ تو اس صورت میں دلیل اوّل دلیل نہ رہی بلکہ مقدمہ دلائل اربعہ ہوگئی۔ ہاں اسکا ترتیب کرنا جناب پر باقی رہا اورخواہ جناب اس کو مرتب فرماویں یا نہ فرماویں ہم تو اُس پر نقض تفصیلی کر چکے۔ اور اگر وہ خود فی نفسہٖ ایک دلیل جُدا گانہ ہے تو یہ دلائل نہ رہے بلکہ حسب اصطلاح نظار کے امارت ہوگئے۔ لانہ یقال لملزوم الظن امارۃ لا دلیل اور یہ اصطلاح جناب کی حسب اصطلاح اصول فقہ کے بھی درست نہیں معلوم ہوتی۔ اگر درست ہوتی تو مثلاً خفی کو جو ظاہر کے مقابل ہے ظاھر لغیرہٖ اور مشکل کو جو نص کے مقابل ہے نص لغیرہٖ اور مجمل کو جو مفسر کے مقابل ہے مفسر لغیرہٖ اور متشابہ کو جو محکم کے مقابل ہے محکم لغیرہٖ بھی کہہ دیا کرتے اور تمام اقسام نظم قرآن مجید کے جو اصولیین نے لکھے ہیں انکا رجوع کسی جگہ پر ایک قسم کی طرف ہو جایا کرتا۔ اگر اس قسم کا مسئلہ اصول فقہ میں مندرج ہو تو از راہ عنایت ذرہ وضاحت سے بیان فرما دیا جاوے تاکہ ہیچمدان کی سمجھ میں آجاوے اور جو حُسن کہ جناب نے اپنے معنے کے بموجب کلام فی الکھولت میں ارشاد فرمایا ہے وہ حُسن تو سب کچھ سہی مگر اُس حُسن کا ثبوت ایسے مقام پر کتاب وسنت صحیحہ سے بھی تو ہونا ضروری ہے۔ ورنہ ایک خیالی حُسن ہوگا جیسے شعراء کو اپنے خیالات اور مضامین شاعری کا حُسن معلوم ہوا کرتا ہے اور اس کلام فی الکھولت کی نسبت

﴿۱۳۳﴾

جو حسن حضرت اقدس مرزا صاحب نے بدلیل بیان فرمایا ہے وہ کیا تھوڑا حسن ہے جو اس خیالی حسن کو واقعی خیال کرلیا جاوے۔ **قولہ** دلیل سوم الی آخرہ الدلیل ۔ **اقول** مولانا صاحب مَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ [۱] کی ضمیر کا مرجع جو جناب نے روح مع الجسد کو قرار دیا۔ یہ مرجع ضمیر تو آپ ہی کے مافی الضمیر میں ہے۔ ہیچمدان نے تو ماقبل اس آیہ کے تمام رکوع میں تفحص کیا مگر کسی جگہ روح مع الجسد مذکور نہیں۔ یہ کیا معما جناب نے ارشاد فرمایا۔ البتہ مسیح عیسیٰؑ بن مریم تو مذکور ہے اور وہی مرجع مَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ کی ضمیر کا ہے اور وہی مرجع بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ [۲] کا۔ ظاہر ہے کہ اعلام و اسماء کا اطلاق جیسا کہ روح مع الجسد پر ہوتا ہے ویسا ہی صرف روح بلا جسد پر بھی ہوتا ہے بلکہ حقیقت انسانیہ کا مصداق تو وہی روح انسانی ہے۔ **ولنعم ما قال المولوی**

؎ آں توئی کہ بے بدن داری بدن   پس مترس از جسم جاں بیرون شدن

معنے آیت کے یہ ہوئے کہ اُٹھا لیا اللہ تعالیٰ نے عیسیٰؑ کو اپنی طرف یعنی اس کی روح کو اُٹھا لیا جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا تھا کہ یٰعِیْسٰۤى اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ وَرَافِعُكَ اِلَیَّ [۳] پس اس آیت کو خواہ آیت اوّل کے ساتھ انضمام کیجئے یا نہ کیجئے مدعا کو ہرگز مستلزم نہیں اور تقریب دلیل کی محض نا تمام ہے بلکہ اس آیہ سے تو عکس مُدّعا جناب کا ثابت ہوتا ہے جیسا کہ حضرت اقدس مرزا صاحب سلمہٗ نے مفصلاً بیان فرمایا ہے۔ **قولہ** دلیل چہارم الیٰ آخرالدلیل ۔ **اقول** مولانا صاحب جناب کا اقرار پرچہ اوّل میں مندرج ہے کہ اس مباحثہ میں بحث صعود و نزول عیسیٰؑ وغیرہ کا خلط نہ کیا جاویگا پھر یہاں پر مناط استدلال خود نزول کو کیوں قرار دیا گیا۔ اور یہ کیوں فرمایا گیا کہ (پس متعین ہوا کہ مراد نزول ہے) **سلمنا** کہ نزول ہی مراد ہے لیکن نزول بار ثانی مراد ہونے کی وجہ وجیہ نہیں ہے وہی نزول بار اوّل کیوں نہ مراد ہو جس کو جناب نے حدوث سے تعبیر کیا ہے اور اس احتمال حدوث کو جن وجوہ سے جناب نے باطل کیا ہے ان وجوہ کو حضرت اقدس مرزا صاحب نے بدلائل باطل کر دیا مطالعہ فرمائی جاویں تحریرات۔ ان کی حاجت اعادہ ذکر کی نہیں اور تمام قرآن مجید میں لفظ نزول سے نزول بار اوّل یعنے حدوث مراد لیا گیا ہے ملاحظہ فرماؤ۔ ازالہ اوہام اور اعلام الناس کو۔ **قولہ** معنے حقیقی ابن مریم کے عیسیٰؑ بن مریم کے ہیں اور صارف یہاں پر کوئی موجود نہیں۔ **اقول** جناب مولانا صاحب ایک صارف کا کیا ذکر ہے متعدد صارف موجود ہیں۔ یاد کرو **فامّکم منکم** و **امامکم منکم** وغیرہ جو سابق میں

[۱] النساء:۱۵۸ [۲] النساء :۱۵۹ [۳] آل عمران:۵۶

﴿۱۳۴﴾

یہ ہیچمدان شرح اس کی مفصل لکھ چکا اور حضرت اقدس مرزا صاحب نے ازالہ اوہام میں اور نیز ان پرچوں میں بکثرت مذکور فرمائے ہیں وہ ملاحظہ فرمائے جاویں پھر کوئی وجہ نہیں ہے کہ باوجود موجود ہونے صوارف کثیرہ کے حقیقی ہی معنے مراد لئے جاویں اور حدیث مرسل جو یہ لکھی گئی کہ **قال الحسن قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم للیھود ان عیسٰی لم یمت وانہ راجع الیکم قبل یوم القیامۃ**۔ اسکی نسبت یہ گذارش ہے کہ **اوّلًا** تو اس حدیث کی تخریج فرمادی جاوے کہ یہ حدیث کس کتاب حدیث میں لکھی ہے۔ **ثانیًا** تعدیل وتوثیق اسماء الرجال سب رواۃ اسناد کی کی جاوے۔ **ثالثًا** بعد طے کرنے ان مراتب کے یہ حدیث مرسل ٹھہرے گی جو بمقابل احادیث صحاح متصل مرفوع کے جو ازالہ وغیرہ میں لکھی ہیں ساقط الاعتبار رہے گی۔ **رابعًا** اگر کوئی حدیث صحیح متصل مرفوع اسکی معارض بھی نہ ہو تو بھی بعد طے کرنے ان مدارج اربعہ کے حدیث مرسل کے خود حجت ہونے میں کلام ہے۔ سب اصول کی کتابوں میں لکھا ہے **فذھب الجمھور الی ضعفہ وعدم قیام الحجۃ** یہ نہیں معلوم مولانا صاحب نے اس حدیث کو ایسے مقام میں جہاں دلیل **قطعیۃ الدلالت** مطلوب ہے اور اسی کی بحث ہو رہی ہے کیوں مذکور فرمایا ہے۔ ایسے اقوال یا احادیث ضعیفہ جو بعض تفاسیر وغیرہ میں لکھے ہیں تو اُن کو باب اعتقادیات میں کیا دخل ہے۔ ہیچمدان کے ایک محبّ مکرم اخونا المعظم جناب حکیم **نورالدین** صاحب ایک خط موسومہ احقر میں تحریر فرماتے ہیں کہ امام شعرانی نے طبقات کبریٰ جلد دوم صفحہ ۴۴ میں لکھا ہے۔ **وکان یقول ان علی بن ابی طالب رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ رفع کما رفع عیسیٰ علیہ السلام وسینزل کما ینزل عیسٰی علیہ السلام ثم قال الشعرانی ھٰکذا کان یقول سیّدی علی الخواص**ؓ پس جو معنے نزول علی بن ابی طالب کے ہیں وہی معنے نزول عیسیٰؑ بن مریم کے ہیں **وعلٰی ھٰذا القیاس** رفع کو سمجھنا چاہیے۔ **قولہ** تو اب یہ آیت صارف ہوگئی آیات مذکورہ کے معنے حقیقی سے۔ **اقول** یہ امر ثابت ہو چکا کہ آیات **اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ** اور **فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ** وغیرہ وفات مسیح بن مریم میں نص صریح اور محکم ہیں اور آیت **لَیُؤْمِنَنَّ بِہٖ قَبْلَ مَوْتِہٖ** بسبب چند در چند ذوالوجوہ ہونے کے متشابہ ہے اور متشابہ کسی طرح پر محکم کے صارف عن الاحکام نہیں ہو سکتے اور اشارۃ النص بھی بمقابل عبارۃ النص کے وقت تعارض کے ساقط ہو جاتی ہے اور کتب لغت سے **تَوَفّی** کے

﴿۱۳۵﴾

معنے جو لکھے گئے جن کا خلاصہ یہ ہے کہ اصل معنے توفی کے پُورا حق لے لینے کے ہیں۔ تو اس سے مدعا جناب کا کب ثابت ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کونسا حق اپنا حضرت عیسیٰؑ سے پورا لیا تھا۔ جس کی نسبت فرمایا گیا کہ یا عیسٰی انّی متوفّیک یعنے اے عیسیٰؑ مَیں تجھ سے اپنا حق پورا لینے والا ہوں۔ یا حضرت عیسیٰؑ نے جو یہ فرمایا کہ فلمّا توفّیتنی یعنی جبکہ تو نے اپنا حق پُورا لے لیا۔ یہ معنے ہیچمدان کی سمجھ میں بالکل نہیں آتے اور ایک تحریف سی معلوم ہوتی ہے اور اگر کہا جاوے کہ توفی کے معنے میں جو لفظ حق کا لکھا ہے اُس سے تجرید کر لی گئی ہے اور قبض تام کے معنے بھی آتے ہیں۔ چنانچہ قسطلانی سے ہم نے نقل کیا کہ اخذ الشئ وافیًا تو یہاں پر یہ معنے ہوئے کہ حضرت عیسیٰؑ کو روح مع الجسد سے پورا لے لیا تو یہ گزارش ہے کہ نص میں اس تاویل رکیکہ کی ضرورت ہی کیا ہے علاوہ یہ کہ قسطلانی نے بھی خود اقرار کر لیا کہ والموت نوع منہ اس اقرار سے تو صاف وصریح ثابت ہو گیا کہ موت میں بھی قبض تام ہوتا ہے وھٰذا یخالف دعواکم پس قسطلانی سے بھی یہی ثابت ہوا کہ حضرت عیسیٰؑ کی وفات ہو چکی روح مع الجسد کا اُٹھایا جانا تو کسی لغت سے بھی ثابت نہ ہوا اور سلّمنا کہ توفی بمعنے اِنامت یعنے سُلا دینے کے قرآن مجید سے ثابت ہے مگر اس معنی کے اثبات سے ما نحن فیہ میں جناب کا کیا مطلب ہے بلکہ جو آیات کہ جناب نے واسطے اثبات اس اپنے مطلب کے ذکر فرمائی ہیں وہ بھی مدعا جناب کے مخالف ہیں کیونکہ بموجب ان آیات کے معنے توفّی کے اگر انامت کے ما نحن فیہ میں تسلیم بھی کئے جاویں تو پھر بھی آیات مدعا جناب کو نفی بھی کرتی ہیں کیونکہ اگر حضرت عیسیٰؑ کی توفی بطور انامت کے واقع ہوئی ہوتی تو ضرور تھا کہ پہر دو پہر میں حد درجہ ایک دو دن میں جاگ اُٹھتے اور وَيُرْسِلُ الْأُخْرَىٰ[1] کا مضمون پیدا ہو جاتا یہ کیسی اِنَامت ہوئی کہ قریب دو ہزار برس کے ہو گئے ابھی تک وَيُرْسِلُ الْأُخْرَىٰ[2] کا مضمون واقع نہیں ہوا۔ اس سے تو صریح یہی معلوم ہوا کہ فَيُمْسِكُ الَّتِي قَضَىٰ عَلَيْهَا الْمَوْتَ[3] کا ہی مضمون واقع ہو چکا ہے۔ آیت میں دو صورتیں مذکور ہیں ایک ارسال دوسری امساک درصورت انامت کے ارسال واقع ہوتا ہے اور درصورت موت کے امساک جب ہم دیکھتے ہیں کہ قریب دو ہزار برس سے امساک ہی امساک ہے اور ارسال نہیں ہے تو بالضرور ماننا پڑے گا اسی صورت کو جس میں امساک ہوتا ہے اور وہ موت ہے نہ انامت اور سورہ انعام کی آیت سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کیونکہ اُس میں

۱-۲ الزمر : ۴۳ ۳ الزمر : ۴۳

﴿۱۳۶﴾

بھی توفّی بطورانامت کے جو مذکور ہے وہ رات بھر تک ہوتی ہے نہ دو ہزار برس تک بلکہ اُسمیں تو تصریح ہے کہ اللہ تعالیٰ رات میں سُلا دیتا ہے اور دن میں اُٹھا دیتا ہے وَھُوَ الَّذِیْ یَتَوَفّٰکُمْ بِالَّیْلِ وَیَعْلَمُ مَاجَرَحْتُمْ بِالنَّھَارِ ثُمَّ یَبْعَثُکُمْ فِیْہِ لِیُقْضٰٓی اَجَلٌ مُّسَمًّی [1] پ۱۴ اور اگر بطور حکماء کے بھی اس بارہ میں نظر کی جاوے تو بھی یہی مطلب جو ہم نے تفسیر آیات مذکورہ میں لکھا ثابت ہوتا ہے چنانچہ حواشی بیضاوی میں لکھا ہے۔ **قال الزعفرانی ناقلا عن الامام النفس الانسانیة جوھر مشرق رو حانی اذا تعلق بالبدن حصل ضوء ہ فی جمیع الاعضاء وھو الحیٰوۃ ففی وقت الوفاۃ ینقطع ضوء ہٗ عن ظاھر البدن وباطنہ وذٰلک ھو الموت و اما فی وقت النوم فینقطع ضوء ہٗ عن ظاھر البدن من بعض الوجوہ ولا ینقطع عن باطنہ فثبت ان النوم والموت من جنس واحد لکن الموت انقطاع تام والنوم انقطاع ناقص انتھٰی** ۔ پس اگر انقطاع ناقص ہوتا تو ضرور بحکم وَیُرْسِلُ الْاُخْرٰی کے حضرت عیسیٰؑ جاگ اُٹھتے۔ جبکہ دو ہزار برس سے ابھی تک نہیں جاگے تو معلوم ہوا۔ کہ فَیُمْسِکُ الَّتِیْ قَضٰی عَلَیْھَا الْمَوْتَ [2] کے مصداق ہو گئے ہیں اور انقطاع تام ہو چکا ہے۔ **قولہ** اور قسم دوم کا جواب الیٰ قولہ ان آیات کی مخصص واقع ہوئی ہے۔ **اقول** اس آیت کا حال تو معلوم ہو چکا غایت الامر یہ ہے کہ حیاتِ مسیح میں متشابہ ہے پھر کیونکر مخصص ہو سکتی ہے۔ علاوہ یہ کہ جب وفات عیسیٰؑ بن مریم بطور اخبار کے ثابت ہو چکی تو اب اس آیت یا کسی اور آیت سے حیات کیونکر ثابت ہو گی یہ تو اخبار ماضیہ کا نسخ ہوا جاتا ہے اور بموجب قواعد اصول کے اخبار میں نسخ ہرگز جائز نہیں ہے کیونکہ ایسے نسخ سے کلام باری تعالیٰ میں کذب صریح لازم آتا ہے۔ **واللّازم باطل فالملزوم مثلہ۔ قولہ** صحیح معانی ان آیات کے وہ ہیں جو تفاسیر معتبرہ میں مذکور ہیں۔ الخ **اقول** جو معانی ان آیات کے حضرت اقدس مرزا صاحب نے تحریر فرمائے ہیں وہ تفاسیر معتبرہ میں لکھے ہوئے ہیں۔ معہذا علوم رسمیہ جو خادم کتاب ہیں اُن کے بھی موافق ہیں۔ جب جناب جواب تفصیلی ازالۃ الاوہام کا تحریر فرماوینگے اور اُن معانی حقہ کا ابطال کرینگے تو انشاء اللہ تعالیٰ مفصلاً و مشرحًا احقاق حق کیا جاوے گا۔ **وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔**

[1] الانعام: ۶۱ [2] الزمر: ۴۳

﴿۱۳۷﴾

مولوی محمد بشیر صاحب کے

پرچہ ثانی پر سرسری نظر

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد لولیّہ و الصّلٰوۃ علٰی نبیّہ۔ امابعد واضح خاطر عاطر ناظرین ہو کہ پرچہائے ثلاثہ محررہ مولوی صاحب کا جواب جو حضرت اقدس مرزا صاحب سلمہ نے اپنے پرچوں میں دیا ہے وہ ایسا کافی وشافی ووافی ہے کہ ہوتے اسکے اب کسی کے جواب کی حاجت نہیں رہی۔ ناظرین جب انصاف سے ملاحظہ فرماویں گے تو یہ امران پر خودبخود واضح ہوجاوے گا۔ کسی کے جتلانے اور بتلانے کی کیا حاجت ہے۔ مثل مشہور ہے مشک آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطار گوید۔ لیکن چونکہ مولوی صاحب نے بھوپال میں واپس تشریف لاکر اپنی فتح یابی کا اعلان کیا اوراس پرطرّہ یہ ہوا کہ مکررسہ کرر اس ہیچمدان سے درخواست مباحثہ فرمائی گئی اور مجالس وعظ میں **ھل من مبارز** کا ڈنکا بجایا گیا اوراس عاجز ہیچمدان کا نام لے لے کر طلب مباحثہ کیا گیا تو اس عاجز پر بھی واجب ہوگیا کہ مولانا صاحب کے امر واجب الاذعان کی اطاعت کرے اور مولوی صاحب کی فتح یابی پر کچھ نظر کرے کہ فی الحقیقت وہ فتح یابی ہے یا محض آب سرابی ہی ہے اس میں دونوں امر مذکورہ حاصل ہوتے ہیں۔ ؎ چہ خوش بود کہ برآید بیک کرشمہ دوکار۔ لہٰذا مولوی صاحب کے پرچہ ثانی پر کچھ اندکے نظر کرتا ہوں۔ **قولہ** واضح ہو کہ جناب مرزا صاحب نے بہت امور کا جواب اپنے پرچہ میں نہیں دیا الخ۔ **اقول** حضرت اقدس مرزا صاحب نے آپ کے مضمون کا جواب ایسا کافی وشافی دیا ہے کہ اس سے بڑھ کر بجز طوالت پُرملامت کے اور کچھ متصور نہیں۔ ناظرین صورت الحال کو دیکھ کر خودبخود انصاف فرمالیویں گے۔ مثل مشہور ہے کہ **اصدق المقال مانطقت بہ صورۃ الحال** اور آپ کی ابحاث ثلاثہ میں جو اصل اور عمدہ بحث تھی یعنے

﴿۱۳۸﴾ نونِ تاکید۔ اس کو تو حضرت اقدس نے ایسا توڑا ہے کہ اس سے زیادہ ہرگز متصور نہیں کیونکہ اس بات کو سب علماء وطلبہ جانتے ہیں کہ تمام اصول علوم رسمیہ کے اور جملہ قواعد اور فنون درسیہ کے جو کتب فن میں ممہد اور مشید کئے جاتے ہیں ان کے اثبات اور استحکام کے واسطے شواہد قرآن مجید سے بڑھ کر اور کوئی شاہد نہیں ہے نہ امثال واشعار جاہلیت کا وہ مرتبہ ہے اور نہ اقوال عرب عرباء کا وہ رتبہ مثل مشہور ہے کہ **اذاجاء نهر الله بطل نهر معقل** جس قاعدہ کے واسطے کوئی آیت قرآن مجید کی شاہد مل جاوے تو پھر اس میں نہ سیبویہ کی حاجت ہے نہ اخفش کی نہ فرّا کی ضرورت ہے نہ زجّاج کی اس جگہ سب **فَرَّ یَفِرُّ** ہوجاتے ہیں اور اسکے مقابل میں زجاجِ زجاّج بھی ٹوٹ پھوٹ جاتا ہے اور قول مبرد بھی محض بارد ہوجاتا ہے **الصباح یغنی عن المصباح** کا مضمون صادق آتا ہے۔ قرآن مجید میں جب کہ بقراءت متواترہ وَالْمُقِيْمِيْنَ الصَّلٰوةَ [1] بجائے **والمقیمون الصلٰوة** وارد ہوگیا اور اِنْ هٰذٰنِ لَسٰحِرٰنِ [2] بجائے **ان ھذین لساحرین** اور وَالصّٰبِـُٔوْنَ [3] بجائے **والصابئین** قراءت متواترہ میں آگیا۔ تو نہ فرّا کی چلی نہ اخفش کی۔ سب کے سب تاویلات رکیکہ بنارہے ہیں اور کچھ نہیں ہوسکتا اور اصل وہی ہے جو حکیم امت حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے فرمایا کہ مخالف روزمرہ مشہورہ ہم روز مرہ است الحاصل یہ جناب والا کا بھی اقرار ہے جو پرچہ ثالث میں مندرج ہے کہ اصول فقہ اور اصول حدیث جملہ علوم خادم کتاب وسنت کے ہیں اور کتاب اللہ سب کی مخدوم ہے۔ اب یہ گذارش ہے کہ باوجودیکہ حضرت اقدس مرزا صاحب نے متعدد آیات قرآن مجید اور عبارت تفاسیر معتبرہ سے واسطے جرح کرنے آپ کے نون تاکید کے تحریر فرمائی ہیں۔ پھر آپ یہ کیا معمے فرماتے ہیں کہ جناب مرزا صاحب نے نہ تو کوئی عبارت کسی کتاب نحو کی نقل کی اور نہ ان عبارات میں جو خاکسار نے نقل کی تھیں کچھ جرح کی۔ اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ [4] **قولہ** اور یہ امر بھی مخفی نہ رہے کہ میری اصل دلیل الٰی **قولہ** دوسری آیات محض تائید کیلئے لکھی گئی ہیں الخ۔ **اقول** جب کہ آیت لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ [5] جناب کے نزدیک قطعی الدلالت ہے تو دیگر مؤیدات کے پیش کرنے کی کیا ضرورت ہے اسی سے ثابت ہوا کہ آیت مذکور جناب کے نزدیک قطعی الدلالت نہیں ہے ورنہ تائید کی کیا ضرورت ہوتی ہذا خلف۔ خلاصہ یہ کہ اگر آیت مذکورہ کو **قطعیة الدلالت** کہتے ہو تو دیگر مؤیدات کی ضرورت نہیں اور اگر تائید اس کی دوسری آیات سے کرتے ہو تو خود وہ آیت

[1] النساء: ۱۶۳ [2] طٰہٰ: ۶۴ [3] المائدة: ۷۰ [4] صٓ: ۶ [5] النساء: ۱۶۰

﴿۱۳۹﴾

قطعیۃ الدلالت فی نفسہ نہیں رہتی لیکن اب گذارش یہ ہے کہ ہر چہار آیات کو تو چارونا چار خود جناب نے ادلّہ ہونے سے خارج کیا اور آیت اولیٰ کو دنیا بھر کے مفسرین متشابہ اور ذوالوجوہ کہہ رہے ہیں وہ تو کسی طرح پر بھی حیات مسیح میں **قطعیۃ الدلالت** ہو ہی نہیں سکتی **کما مرشرحہ**۔ پس اب جناب کے پاس حیات مسیح پر کونسی دلیل باقی رہی۔ اگر موجود ہو تو پیش کیجئے۔ ورنہ چونکہ حیات وممات میں کوئی واسطہ نہیں ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ سے خوف کر کر اب تو حیات مسیح کے دعوے سے رجوع فرمائیے۔ **قولہ** اس میں کلام ہے بچند وجوہ الی **قولہٖ** تو یہ کام عبث آپ نے کیوں کیا۔ **اقول انا للہ و انا الیہ راجعون**۔ جب کہ مولانا جیسے فاضل اجل قواعد علم مناظرہ کو قلم انداز فرماویں گے اور ملحوظ نظر نہ رکھیں گے تو اب اس ہیچمدان کو کس سے امید ہے کہ اس مباحثہ میں حسب اصول مناظرہ گفتگو کرے ؎ **چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی**۔ **ایھا الناظرین** ظاہر ہے کہ حضرت اقدس مرزا صاحب اس مباحثہ میں سائل اور مانع کا منصب رکھتے ہیں خصوصاً مولوی صاحب جیسے مدعی کے مقابلہ میں کہ دعویٰ بھی ان کا خلاف سنت اللہ اور فطرت اللہ کے واقع ہوا ہے پس اگر حضرت اقدس نے توضیح مرام وغیرہ میں یہ لکھا ہے کہ حضرت مسیح بسبب فوت ہو جانے کے دنیا میں نہ آویں گے اور اس منع پر کچھ سند وغیرہ بیان کی ہے تو کیا اس منع وغیرہ سے حضرت اقدس بموجب اصول مناظرہ کے مدعی حقیقی بن گئے۔ سائل اور مانع کا تو کام ہی یہی ہے کہ منع وغیرہ کا ایراد ادلہ مدعی پر کرے خواہ مناقضہ اور نقض تفصیلی کے طور پر ہو بلا سند یا مع السند کے یا معارضہ کے طور پر ہو یا نقض اجمالی کی طرز پر وغیرہ وغیرہ جس کی تفصیل رسائل صغیر و کبیر علم مناظرہ میں لکھی ہے پس اگر سائل ان طرق مناظرہ اور آداب مباحثہ سے بحث کرے تو کیا وہ فی الحقیقت مدعی ہو جاوے گا ہرگز نہیں ہرگز نہیں۔ رشیدیہ وغیرہ میں لکھا ہے جس کا ماحصل یہ ہے۔ **السائل من نصب نفسہ لنفی الحکم الذی ادعاہ المدعی بلانصب دلیل علیہ وقد یطلق علی ماھو اعم وھو کل من تکلم علی ماتکلم بہ المدعی اعم من ان یکون مانعا اوناقضا اومعارضا**۔ اور اسی میں لکھا ہے **المنع طلب الدلیل علی مقدمۃ معینۃ ویسمی ذلک مناقضۃ و نقضا تفصیلیا. والسند مایذکر لتقویۃ المنع ویسمی مستندا**۔ اور اسی میں لکھا ہے۔ **النقض ابطال الدلیل بعد تمامہ**

﴿۱۴۰﴾

متمسکا بشاھدیدل علی عدم استحقاقه لاستدلال به وھو استلزامه فسادا اما اعم من ان یکون تخلف المدلول عن الدلیل اوفسادًا اٰخر مثل لزوم المحال وغیرہ ...... الٰی آخرہ پس اگر حضرت اقدس مرزا صاحب نے جو منصب سائل کا رکھتے ہیں یہ ابحاث اپنے رسائل میں درج فرمائی ہیں تو ان کے درج کرنے سے وہ مدعی کیونکر ہو گئے اور جو فرض منصب سائل کا ہے اگر اس کو حضرت اقدس بموجب آداب مناظرہ کے بجالائیں تو یہ سب کام ان کا عبث کس اصل مناظرہ کے رو سے ہو گیا۔ اور اگر کہو کہ حضرت اقدس مرزا صاحب کے مقابل ان رسائل میں مدعی کون ہے جو مرزا صاحب سائل اور مانع ہو گئے تو جواب اس کا یہ ہے کہ وہ تمام مخالفین حضرت اقدس کے جو دعویٰ حیات مسیح کا کرتے ہیں وہی مدعی ہیں جن کے خلاف میں حضرت اقدس نے ان رسائل میں کلام کیا ہے اور یہی تعریف ہے سائل کی کہ السائل من تکلم علی ماتکلم به المدعی اعم من ان یکون مانعا اوناقضا اومعارضا ۔ اور یہ جو آپ نے فرمایا کہ بالجملہ بار ثبوت وفات مسیح دو حیثیت سے آپ کے ذمہ ہے الخ یہ ایک التباس حق کا ساتھ غیر حق کے یا تو قصداً کیا گیا ہے یا بسبب عدم امعان نظر کے اصول مناظرہ میں پیدا ہوا ہے اگر اصول مناظرہ میں امعان نظر فرمایا جاوے تو یہ التباس رفع ہو جاوے گا۔ مولانا صاحب گذارش یہ ہے کہ جب مانع اور سائل کسی مدعی کی دلیل کا نقض و منع کرے گا۔ اگر وہ منع بلا سند ہے تو صرف لا نسلم کہے گا اور اگر اس منع اور نقض کے ساتھ کوئی سند یا شاہد مذکور ہو تو وہ سند وغیرہ بالضرور مشتمل مقدمات پر بھی ہوگی لیکن وہ مانع یا ناقص و معارض اس اشتمال مقدمات سے حقیقتاً مدعی اس بحث متنازعہ فیہ میں نہیں ہو سکتا۔ خصوصاً ایسی حالت میں کہ دعویٰ مدعی اول کا مخالف سنت اللہ کے ہو اور منع خصم کے موافق سنت اللہ کے جیسا کہ مانحن فیہ میں ہے پس وفات مسیح کو جو آپ اصل دعویٰ حضرت اقدس کا فرماتے ہیں بموجب آداب مناظرہ کے یہ بات درست نہیں ہے۔ یہ اصل دعویٰ نہیں یہ تو اصل فطرۃ اللہ ہے جس کے قائل اور تمام جگہ آپ بھی ہیں اور نہ وفات مسیح کی حضرت اقدس کی دلیل کا کوئی ایسا مقدمہ ہے جس کے اثبات کی ان کو ضرورت ہو کیونکہ جو امر فطرت اللہ اور سنت اللہ کے موافق ہوتا ہے وہ ظاہر بمنزلہ بدیہی کے ہوتا ہے اس کے اثبات کی کوئی ضرورت ہی نہیں ہوتی لیکن جب کہ آپ اس سنت اللہ کے ایک خاص مقام میں منکر ہو گئے ہیں تو بحیثیت انکار جناب کے وہ وفات مسیح ایک مقدمہ اعتباری

ہوگیا ہے۔ پس صرف اس لحاظ سے حضرت اقدس نے **بحکم آنکہ خصم را تا بخانہ بائد رسانید**۔ دلائل وفات مسیح کے اپنے رسائل میں مذکور فرما دیئے ہیں اور وہ بھی بطور نقض و معارضہ وتخلف وغیرہ کے جو سائل کا ہی فرض منصب ہے آپ اصول مناظرہ میں غور فرمائیے اور خلط مبحث نہ کیجئے۔ غرض کہ حسب آداب مناظرہ حضرت اقدس کسی طرح پر مدعی حقیقی اس مسئلہ متنازعہ فیہ میں نہیں ہوسکتے ہاں البتہ مسیح موعود ہونے کا دعویٰ ان کا ہے اور وہ اسکے مدعی ہیں اور بار ثبوت اس دعوے کا ان کے ذمہ ضرور ہے۔ جس کو ازالۃ الاوہام وغیرہ میں مفصلاً اور مشرحاً بہ براہین بیان فرمایا ہے۔ مگر جب بحث حیات وممات مسیح ختم ہو چکے گی تب آپ ثبوت اس دعوے کا ان سے طلب فرما سکتے ہیں مگر اس وقت اس بحث کا چھیڑنا خلط مبحث کرنا ہے وہ بعد اس بحث حیات وفات مسیح کے ان سے ہوسکتی ہے وبس۔ **قولہ** اس قاعدہ کو جدید قاعدہ کہنا نہایت محل استبعاد ہے۔ الخ۔ **اقول** مولانا حضرت اقدس مرزا صاحب نے تو آپ کے اس قاعدہ کو جدید ہی فرمایا تھا مگر ہیچمدان نے اس کا اجدّ ہونا ثابت کر دیا اور کوئی محل استبعاد کا بھی نہیں رہا۔ میزان خوان اطفال بھی جانتے ہیں کہ صرف نون تاکید البتہ مضارع کو خالص مستقبل کر دیتا ہے لیکن جب لام تاکید بھی موجود ہو جو واسطے حال کے آتا ہے اور نون تاکید بھی تو ایسے صیغے میں نہ کوئی شیخ زادہ اس بات کا قائل ہے کہ خالص استقبال کا ہونا ضروری ہے اور نہ کوئی سید زادہ یہ کہتا ہے۔ ازہری جو لکھتا ہے کہ **لانھما تخلصان مدخولھما للاستقبال** تو یہاں پر استقبال سے مراد صیغہ استقبال ہے نہ زمانہ استقبال۔ اور یہ بات تو زبان اطفال میزان خوان پر بھی جاری ہے کہ صیغہ حال ہمچو صیغہ استقبال است۔ اور ازہری نے جو اس مسئلہ کی دلیل بیان کی ہے اس سے بھی مطلب ثابت ہوتا ہے کیونکہ اگر مراد اس کی زمانہ استقبال ہوتی تو کہتا کہ **ذلک ینافی المضی والحال** آگے ازہری نے جو یہ لکھا کہ **ولایجوز تاکیدہ بھما اذاکان منفیا اوکان المضارع حالا** ۔ الخ۔ تو اس کا صریح مطلب یہ ہے کہ اگر مضارع سے خالص حال مراد ہو اور استقبال مراد نہ ہو تو اس صورت میں صرف لام تاکید بغیر نون کے مضارع پر آوے گا اس سے یہ کہاں ثابت ہوا کہ اگر حال واستقبال دونوں مراد ہوں تو بھی لام تاکید اور نون تاکید سے اس مضارع کو موکد نہ کریں گے۔ خود فوائد ضیائیہ کے حواشی تکملہ عبدالحکیم وغیرہ میں اس بات کی تصریح کر دی گئی ہے کہ مراد فعل مستقبل

﴿۱۴۱﴾

﴿۱۴۲﴾

سے یہاں پر فعل مستقبل اصطلاحی ہے ملاحظہ فرماؤ ہوامش شرح جامی کی۔ علیٰ ھذا التباس☆ جس قدر عبارات کتب نحو کی جناب نے نقل فرمائی ہیں ان سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ جس صیغہ میں لام تاکید معہ نون تاکید کے ہو تو وہ بالضرور خالص استقبال کے واسطے ہی آئے گا۔ ہاں البتہ اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ صرف نون تاکید کے داخل ہونے سے صیغہ مضارع کا خالص استقبال کے لئے اکثر جگہ ہو جاتا ہے پس جب تک کہ اجماع اکابر ائمہ نحویین کا درصورت اجتماع لام تاکید معہ نون تاکید کے اس بات پر آپ ثابت نہ کریں گے کہ سوائے زمانہ استقبال کے زمانہ حال کا مراد ہونا ممتنع ہے تب تک تقریب دلیل جناب کی محض ناتمام رہے گی **و این ھذا یثبت من تلک العبارات المنقولة** اور بعد اس اثبات کے بھی یہ گذارش کیا جاوے گا کہ صیغہ مستقبل کا مستعمل ہونا واسطے دوام تجددی یا استمرار کے علم بلاغت سے ثابت ہو چکا ہے **و ھذا یناقض دعواکم** پھر یہ قاعدہ جناب کا اجد نہیں تو کیا قدیم ہے۔ **قولہ** خاکسار کی اصل دلیل اتفاق ائمہ نحاۃ کا ہے اس قاعدہ پر الخ **اقول** اتفاق اور اجماع کا تو ذکر ہی کیا ہے کسی ایک امام نحو کا قول بھی آپ نے ایسا نقل نہیں فرمایا جس سے تقریب دلیل جناب کی تمام ہوتی۔ **کما مر شرحہ**. اور حضرت اقدس مرزا صاحب نے آیات قرآن مجید کی جو ماخذ تمام علوم کا ہے اس بارہ میں تحریر فرما دیں اور تفاسیر معتبرہ مثل مظہری وغیرہ سے ثابت کر دیا کہ **فان حقیقۃ الکلام للحال**۔ **قولہ**۔ ہاں آیات اس قاعدہ کی تائید کیلئے لکھی ہیں۔ الخ۔ **اقول**۔ **ایھا الناظرین** آیات سے بڑھ کر اور کس کا قول ہوگا **اذا جاء نھر اللہ بطل نھر معقل**۔ **قولہ**۔ مخفی نہ رہے الخ۔ **اقول** مولانا یہ ایک اور دوسرا قاعدہ علم نحو میں اس پہلے قاعدہ سے بھی زیادہ اجد آپ نے ایجاد کیا۔ بھلا کون سے قاعدہ نحو سے **الا یؤمن** صیغہ تحریض کا بغیر حرف تحضیض کے لائے ہوئے ہوسکتا ہے اور قسم کے جواب مثبت میں جو باتفاق نحویین کے نون تاکید کا آنا بطور وجوب ولزوم کے لکھا ہے اس کو بھی آپ نے توڑ دیا۔ خود فوائد ضیائیہ میں لکھا ہے۔ **ولزمت ای نون التاکید فی مثبت القسم ای فی جوابہ المثبت لان القسم محل التاکید فکرھوا ان یوکدوا الفعل بامر منفصل عنہ وھو القسم من غیر ان یوکدوہ بمایتصل بہ وھو النون بعد صلاحیۃ لہ انتھی موضع الحاجت** اور پھر باوجود توڑ دینے

☆ سہو کتابت معلوم ہوتا ہے ’’ القیاس ‘‘ ہونا چاہیے۔ (ناشر)

﴿۱۴۳﴾

اسؔ وجوب ولزوم نحوی کے آپ ارشاد فرماتے ہیں کہ یہ عبارت **اِلَّا یُؤْمِنُ** نہایت ہی عمدہ ہے ایسی عمدہ عبارت کو چھوڑ کر بجائے **اِلَّا لَیُؤْمِنَنَّ** اختیار کرنا ہرگز نہیں چاہئے تھا۔ **ان ھذا لشیءٌ عجاب** اور اگر کوئی کہے۔ کہ لیؤمنن میں بھی حرف تحضیض موجود نہیں ہے۔ پھر اس کو بیضاوی وغیرہ نے صیغہ تحضیض کا کیوں قرار دیا ہے تو جواب اس کا یہ ہے کہ اول تو بیضاوی نے **لیؤمنن** کو صیغہ تحریض کا نہیں کہا صرف کالوعید والتحریض کہا ہے۔ ثانیاً وجہ اس کی یہ ہے کہ مضارع مصدّر بحرف تحضیض میں جو تحضیض ہوتی ہے اس میں طلب ضرور ہوتی ہے۔ چنانچہ فوائد ضیائیہ میں لکھا ہے۔ **و معناھا فی المضارع الحض علی الفعل و الطلب له فھی فی المضارع بمعنی الامر** ۔ اور نون تاکید بھی امر مطلوب کی ہی تاکید کرتا ہے تکملہ وغیرہ میں لکھا ہے کہ **نون التاکید لایوکد الا مطلوبا**۔ پس اس مناسبت سے بیضاوی نے صیغہ لیومنن کو **کالوعید و التحریض** قرار دیا ہے بخلاف صرف **یؤمن** کے کہ وہ کسی طرح پر صیغہ تحریض کا نہیں ہوسکتا ہے یہ مولانا صاحب کا بڑا تحکم ہے کہ ایک قاعدہ اپنی طرف سے ایجاد فرما کر پھر اسکے بموجب قرآن مجید میں اصطلاح لگائی جاتی ہے۔ باقی اس اقول کا مقولہ آخر تک جو بیان فرمایا گیا ہے وہ محض **بناء فاسد علی الفاسد** ہے جس کا جواب **اظہارًا للصواب** مکرر سہ کرر گذر چکا ہے۔ اب ضرورت اعادہ جواب کی نہیں ہے **قولہ** اس میں کلام ہے بچند وجوہ اول یہ کہ الخ۔ **اقول** جناب والا بار بار وہی ایک بات فرمائے جاتے ہیں جس کا ابطال حضرت اقدس مرزا صاحب بدلائل بیّنہ فرما چکے ہیں۔ **قولہ** دوم یہ کہ یہ قراءت ہمارے معنے کے مخالف نہیں ہے۔ الخ۔ **اقول** اول تو زمانہ نزول کا مراد لینا آپ کے اقرار مندرجہ اول پرچہ کے خلاف ہے اقرار یہ ہے کہ اس بحث میں صعود ونزول وغیرہ کا خلط نہ کیا جاوے گا۔ ثانیاً آپ کی طرز استدلال کے بموجب صرف اسی آیت **لَیُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ** کے قطعی الدلالت ہونے کی کیا وجہ ہے۔ تمام قرآن شریف کے وہ صیغے مندرجہ آیات جن میں ایمان لانے کا ذکر یا کسی اور امر معروف کی پیشین گوئی زمانہ آئندہ میں ہے وہ سب آیات حیات مسیح پر قطعی الدلالت ہوگئیں۔ تقریر اس کی بموجب استدلال جناب کے یوں ہوسکتی ہے۔ کہ یہ معنے ہمارے معنے کے مخالف نہیں ہیں کیونکہ اس صورت میں یہ معنے ہیں کہ ہر ایک شخص اپنے مرنے سے پہلے زمانہ آئندہ میں ایمان لے آوے گا اور یہ معنے اول کے ساتھ

﴿۱۴۴﴾

جمع ہو سکتے ہیں اس طرح پر کہ زمانہ آئندہ سے زمانہ نزول حضرت عیسیٰ علیہ السلام مراد لیا جاوے سبحان اللہ کیا عمدہ استدلال ہے۔ اے مخالفین حضرت مرزا صاحب! مولوی محمد حسین وغیرہ تم کو مبارک ہو کہ ہمارے حضرت مولوی صاحب نے کیا عمدہ طرز استدلال کا بموجب اصول موضوعہ جدیدہ علم مناظرہ کے ایجاد کر دیا ہے کہ تمام قرآن مجید کے ایسے صیغے جن میں ایمان لانے کا ذکر یا کسی اور امر معروف کی پیشین گوئی زمانہ استقبال میں ہو حیات مسیح کے لئے دلائل **قطعیۃ الدلالت** ہو گئیں اب تم کو متعدد ایسے صیغے قرآن مجید میں مل جاویں گے جو مولوی صاحب کی طرز استدلال کی طرح پر وہ سب کے سب حیات مسیح پر **قطعیۃ الدلالت** ہو جاویں گے۔ اب جو مشکلات مولوی محمد حسین وغیرہ کو بمقابل حضرت اقدس کے اس بحث میں پیش آ رہی تھیں ہمارے مولانا صاحب نے وہ سب حل فرما دیں۔ سبحان اللہ استدلال ہو تو ایسا ہو۔ یہ فتح عظیم تم کو مبارک مبارک مبارک ۔ **ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند۔** اب میں دو تین آیتیں اور مولوی صاحب کی طرف سے دلیل قطعی حیات مسیح پر لکھے دیتا ہوں جو بموجب طرز استدلال مولوی صاحب کے قطعی الدلالت ہیں مثلاً آیت فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ [1] پ۱۴ ع۱۹ جو مولوی صاحب نے خالص استقبال کے واسطے اول پرچہ میں لکھی ہے وہ حیات مسیح میں قطعی الدلالت ہے۔ کیوں **قطعیۃ الدلالت** ہے۔ یوں ہے کہ جو شخص مرد ہو یا عورت نیک عمل کرے در حالیکہ وہ مومن بھی ہو تو ہم زمانہ آئندہ میں البتہ زندہ رکھیں گے اس کو ساتھ زندگی پاکیزہ کے اور البتہ بدلا دیں گے ہم ان کو ثواب ان کا یہ معنے مولوی صاحب کے معنوں کے کچھ مخالف نہیں اور مولوی صاحب کے معنوں کے ساتھ جمع ہو سکتے ہیں اس طرح پر کہ زمانہ آئندہ سے زمانہ نزول عیسیٰ علیہ السلام مراد لیا جاوے۔ پس یہاں تک دلیل قطعی الدلالت کی تقریب تمام ہو چکی اور مثلاً آیت وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ [2] پ۱۷ ع۱۳ بھی حیات مسیح پر قطعی الدلالت ہے۔ کیوں قطعی الدلالت ہے۔ یوں ہے کہ نون ثقیلہ تو اس میں موجود ہی ہے جو خالص زمانہ استقبال کے واسطے آتا ہے۔ پس یہ نصرت الٰہیہ مومنین صالحین اور مومنات صالحات کو زمانہ آئندہ میں ہو گی اور یہ معنے مولوی صاحب کے معنوں کے ساتھ جمع ہو سکتے ہیں اس طرح پر کہ زمانہ آئندہ سے زمانہ نزول حضرت عیسیٰ علیہ السلام مراد لیا جاوے۔ وہ تقریب دلیل کی تمام ہو گئی علیٰ ھٰذا القیاس۔ آیت وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا [3] جس کو مولوی صاحب نے واسطے اثبات قاعدہ نون ثقیلہ کے پرچہ اول میں لکھی ہے وہ بھی حیات مسیح پر بموجب طرز استدلال مولوی صاحب کے قطعی الدلالت ہو سکتی ہے۔

[1] النحل : ۹۸ [2] الحج : ۴۱ [3] العنکبوت : ۷۰

﴿۱۴۵﴾ ہیچمدان نے یہ دوتین آیتیں واسطے توضیح قاعدہ استدلال مولوی صاحب کے بطور مثال کے لکھ دیں تا کہ ہر ایک ادنیٰ طالب علم جو ترجمہ خوان قرآن مجید ہو حیات مسیح پر قرآن شریف سے بہت سی آیات قطعی الدلالت استخراج کر سکے۔**قولہ** سوم یہ کہ یہ قراءت غیر متواترہ ہے الخ **اقول** قراءت غیر متواترہ سے احتجاج نہیں کیا گیا بلکہ قراءت غیر متواترہ صرف واسطے تائید معنے قراءت متواترہ کے حسب اصول مفسرین لائی گئی ہے چنانچہ تمام مفسرین محققین اس قراءت غیر متواترہ کو واسطے تائید معنے قراءت متواترہ کے اپنی تفاسیر میں لائے ہیں اسی طرح پر حضرت اقدس مرزا صاحب اس قراءت غیر متواترہ کو واسطے تائید معنے قراءت متواترہ کے لائے ہیں اور جناب والا نے جو روایات اس کل اپنے مباحثہ میں بیان و نقل فرمائی ہیں ان کی رجال اسانید کی کچھ بھی توثیق و تعدیل بیان نہیں فرمائی۔ کیا یہ وجوب حضرت مرزا صاحب پر ہی ہے آپ پر واجب نہیں کہ اس مقام تحقیق میں ان رجال اسانید کی توثیق و تعدیل حسب اصول علم اسماء الرجال بیان فرماتے و دونہ خرط القتاد۔ اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَ تَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ [۱] **قولہ**۔ چہارم یہ کہ مرزا صاحب الخ **اقول** آیت مذکورہ چونکہ ذوالوجوہ ہے اس واسطے حضرت اقدس نے اس کو دوسری وجہ سے بھی تفسیر فرمایا ہے یعنی **قبل موتہ** کی ضمیر کو حضرت عیسٰی علیہ السلام کی طرف بھی راجع کر کر وہ تفسیر کی ہے اور وہ معنے بیان کئے ہیں کہ جن پر کسی طرح کا اعتراض وارد نہیں ہوتا ایسی آیات ذوالوجوہ کی تفسیر مختلف وجوہ سے کرنا ایک فقہ محمود ہے **قال ابوالدرداء لایفقہ الرجل حتّٰی یجعل للقراٰن وجوھا**۔ اور جناب کی طرح حضرت اقدس نے ایسی آیت ذوالوجوہ کو ایک وجہ میں محصور کر کر قطعی الدلالت ایک وجہ پر نہیں فرمایا۔ اور درصورت ارجاع ضمیر کی طرف حضرت عیسٰی علیہ السلام کے جو معنے آیت کے آپ کرتے ہیں اس پر طرح طرح کے اعتراضات وارد ہوتے ہیں۔ پس کیا یہی مقتضائے دیانت و انصاف ہے کہ جو معنے انواع انواع اعتراضات کے مورد ہوں ان پر تو اصرار کیا جاوے اور جو معنے خالی از فساد ہوں ان کو تسلیم نہ کیا جاوے۔ الحاصل درصورت ارجاع ضمیر کی طرف حضرت عیسٰی کے اگر آپ وہ معنے جو حضرت اقدس نے ازالہ میں تحریر فرمائے ہیں تسلیم و قبول فرماتے ہیں تو **فنعم الوفاق** سب نزاع طے ہو گیا اور اگر ان معنے خالی از فساد کو آپ تسلیم نہیں فرماتے تو اس وجہ سے کہ آپ کے معنے مورد اعتراضات کثیرہ ہیں ارجاع ضمیر حضرت عیسٰیؑ کی طرف بسبب ان فسادات کے نہیں ہوسکتا **کتابی یا احدٌ** مقدر کی طرف ضمیر رجوع ہووے گی

[۱] البقرۃ : ۴۵

﴿۱۴۶﴾ جس کی تائید قراءت غیر متواترہ کرتی ہے۔ **بعد اللتیا و التی** حضرت اقدس نے ارجاع ضمیر کو طرف کتابی یا احد مقدر کی کسی جگہ اپنی تحریر میں غیر صحیح نہیں فرمایا اگر آپ نے کسی تحریر میں دیکھا ہو تو بہ تصحیح نقل بیان فرمایا جاوے۔ آگے رہی یہ بات کہ موت مسیح پر استدلال حضرت اقدس نے اس آیہ سے کیا ہے اس کی نسبت یہ گذارش ہے کہ کسی جگہ اس استدلال کو قطعی الدلالت نہیں فرمایا۔ جب کہ آیت ذوالوجوہ ہے تو نہ حیات مسیح پر قطعی الدلالت ہو سکتی ہے اور نہ وفات مسیح پر۔ ادلہ وفات مسیح بطور تعین وقطع کے اور بہت ہیں جو اوپر سابق میں گذر چکیں اور ازالہ میں بہ تفصیل مذکور ہیں۔ مگر ایسی آیت ذوالوجوہ کو حیات مسیح پر قطعی الدلالت ٹھہرانا یہی تو مجادلہ ہے کہ جس میں مناظرہ کا رائحہ بھی موجود نہیں ہے۔ **قولہ** یہاں ارادہ حال غلط محض ہے بلکہ خالص مستقبل مراد ہے بچند وجوہ **اقول** یہاں پر تو مولانا صاحب نے کمال ہی کیا ہے کہ نون ثقیلہ کے غلبہ و ثقل خیال میں ترتیب آیات جو درایتاً و روایتاً مراد الٰہی ہے اس کو بھی غلط محض فرما دیا۔ درایتاً بیان اس کا یہ ہے کہ آیت قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ[۱] میں مولوی صاحب کا نون ثقیلہ تو موجود ہے ہی نہیں جو خالص استقبال ہی مراد ہو اور حال مراد نہ ہو سکے۔ پس ہم کہتے ہیں کہ قد نرٰی میں زمانہ حال مراد ہے اور فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا[۲] میں حرف فا داخل ہے جس کا فائدہ یہ ہے کہ قدنرٰی پر مترتب بلا مہلت ہووے۔ مسئلہ نحو مجمع علیہ ہے کہ الفاء للترتیب ای للجمع مع الترتیب بلامهلة پس فَلَنُوَلِّيَنَّكَ کا بھی حال ہی ہوا۔ اور فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ[۳] میں بھی وہی حرف فا موجود ہے جو باتفاق نحاۃ ترتیب بلامہلت کے واسطے آتی ہے پس نظم و نسق آیات سے معلوم ہوا کہ قَدْ نَرٰی الآیہ پر فَلَنُوَلِّيَنَّكَ الآیہ بلامہلت مترتب ہوا اور فَلَنُوَلِّيَنَّكَ الآیہ پر فول وجهک الآیہ بلامہلۃ مترتب اور متسبب ہوا کوئی فاصلہ زمانہ دراز یا کوتاہ کا درمیان ان آیات کے واقع نہیں ہے جو فَلَنُوَلِّيَنَّكَ کو خالص زمانہ استقبال دراز یا کوتاہ کیلئے ہی قرار دیا جاوے۔ پس درایتاً ثابت ہوا کہ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ میں زمانہ حال مراد ہے جس کی مقدار مختلف اور مفوض الی العرف ہے اور روایتاً بیان اس کا یہ ہے حواشی بخاری شریف میں لکھا ہے۔ **ثم اعلم ان الروایات اختلفت فی ان التحویل هل کان خارج الصلٰوة بین الظهر والعصر او فی اثناء صلٰوة العصر فالظاهر من حدیث البراء الذی سبق فی کتاب الایمان فی صفحه ۱۰ انه کان خارج الصلٰوة حیث قال انه صلی الله علیه وسلم صلی اوّل صلٰوة صلاها الی الکعبة صلٰوة العصر الحدیث قال مجاهد وغیره نزلت**

[۱] تا [۳] البقرة : ۱۴۵

ھٰذہ الایة و رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فی مسجد بنی سلمة و قدصلی باصحابہ رکعتین من صلٰوة الظھر فتحول فی الصلٰوة واستقبل المیزاب وحوّل الرجال مکان النساء والنساء مکان الرجال فسمّی ذٰلک المسجد مسجد القبلتین کذاذکرہ البغوی ثم قال وقیل کان التحویل خارج الصلٰوة بین الصلٰوتین ورجح الواقدی الاول وقال ھٰذا عندنا اثبت ذکرہ فی المظھری وقال فیہ ایضا فحدیث البراء محمول علی ان البراء لم یعلم صلٰوتہ صلی اللہ علیہ وسلم فی مسجد بنی سلمة الظھر'او المراد انہ اول صلٰوة صلاھا کاملا الی الکعبة انتھٰی ۔واللّٰہ اعلم ۔اور اگر مولوی صاحب اسی بیضاوی کی طرف جس سے یہاں پر کچھ تھوڑا سا نقل عبارت کیا آخر عبارت تفسیر آیت تک رجوع فرماتے تو یہ مطلب اسی سے واضح ہو جاتا۔ قال البیضاوی روی انہ علیہ السلام قدم المدینة فصلی نحو البیت المقدس ستة عشر شھرا ثم وجھہ الی الکعبة فی رجب بعد الزوال قبل قتال بدر بشھرین و قد صلی باصحابہ فی مسجد بنی سلمة رکعتین من الظھر فتحول فی الصلٰوة واستقبل المیزاب و تبادل الرجال والنساء صفو فھم فسمی المسجد مسجد القبلتین ۔اور ایسا ہی فتح البیان وغیرہ میں لکھا ہے۔اور محشی عبدالحکیم نے جو فولّ وجھک کو انجاز وعد لکھا تو اس نے یہ کب کہا ہے کہ اس انجاز وعد میں فاصلہ قصیر یا طویل زمانہ کا واقع ہوا ہے ایفائے وعد کو زمانہ حال جس کی مقدار مفوض الی العرف ہے کچھ منافی نہیں اور یہ جو آپ فرماتے ہیں کہ اس تقدیر پر فَوَلِّ وَجْھَکَ زاید ولا طائل ہو جاوے گا تو گذارش یہ ہے کہ آیت فَوَلِّ وَجْھَکَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ متعدد جگہ موجود ہے آپ کے مسلک پر وہ بھی زاید ولا طائل ہوئی جاتی ہے۔فماھو جوابکم فھو اوفکذاجوابنا اور شاہ ولی اللہ صاحب کے ترجمہ میں جو متوجہ گردانیم لفظ مضارع کیا گیا ہے وہ زمانہ حال واستقبال دونوں کو شامل ہے یہ جناب والا کا کمال فہم ہے کہ لفظ مضارع کو خالص استقبال کے واسطے فرماتے ہیں اور تراجم اردو میں جو ترجمہ بلفظ استقبال کیا گیا اس سے استقبال قریب مراد ہے جس کے آپ بھی قائل ہیں ہم اسی کو حال کہتے ہیں ۔کتب علم بلاغت سے ثابت ہو چکا کہ مقدار زمان الحال مختلف

﴿۱۴۸﴾ **بحسب الافعال و مفوض الی العرف۔ قولہ** ارادہ حال اس آیہ میں بھی غلط ہے الخ **اقول** درحالیکہ استقبال قریب کے آپ بھی قائل ہیں اور کتب علم بلاغت مطول وغیرہ سے ثابت ہو چکا کہ زمانہ حال ایک امر عرفی ہے اور اس کی مقدار باعتبار افعال کے مختلف ہے اور اسی وجہ سے مفوض الی العرف ہے تو یہ بحث جناب کی ایک نزاع لفظی ہوگئی ہے جس کا بار بار تکرار کیا جاتا ہے جو آپ کی شان سے نہایت بعید ہے اور میں حیران ہوں کہ ترجمہ شاہ ولی اللہ صاحب کو جو بلفظ مضارع ہے آپ کیوں اس کو خالص استقبال قرار دیتے ہیں اور ذرہ متنبہ نہیں ہوتے اور اس پر طُرّہ یہ ہے کہ لفظ شاہ رفیع الدین صاحب کو جو ابھی جلاویں گے ہم اس کو ہے خالص استقبال کس طرح فرماتے ہیں۔ لفظ ابھی تو خالص حال کے واسطے آتا ہے۔ اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ[1] **لان ھذا الفھم بعید عن الصبی فضلا عن الفاضل الذی ھو نائب النبی قولہ** واضح ہو الخ **اقول** حضرت اقدس مرزا صاحب ان معنوں کے لینے میں ہرگز منفرد نہیں تمام سلف وخلف امت بعض ان آیات کو حال پر اور بعض کو استمرار پر محمول کرتے چلے آتے ہیں **کما مرّ تفصیلہ قولہ** اول یہ کہ الخ **اقول جزاکم اللّٰہ فی الدّارین خیرا**۔ کہ جناب نے اس امر کو تو تسلیم فرما لیا کہ اللہ تعالیٰ کی یہ عادت مستمرہ ہے کہ مجاہدہ کرنے والوں کو اپنی راہیں مدام دکھلایا کرتا ہے فقط۔ اور یہ مسئلہ کتب علم بلاغت سے ثابت ہو چکا ہے کہ صیغہ مستقبل کا بحسب مقامات مناسبہ کے دوام تجددی اور استمرار کے واسطے مستعمل ہوا کرتا ہے۔ پس اب گذارش یہ ہے کہ کیا وجہ کہ اس آیت کے ایسے ناقص اور ادھورے معنے کئے جاویں جو اس عادت مستمرہ کو شامل نہ ہوویں حالانکہ کتاب اللہ بلاغت میں طرف اعلیٰ حد اعجاز کو پہنچی ہوئی ہے اور حضرت نبی علیہ السلام فرماتے ہیں **اوتیت جوامع الکلم** اور **سلّمنا** کہ آیت وعدہ ہے لیکن وعدہ کو زمانہ حال یا استمرار سے کچھ منافات نہیں ہے کیونکہ وعدہ زمانہ حال کے واسطے بھی کیا جاتا ہے اور بطور استمرار کے بھی وعدہ ہوسکتا ہے جیسا کہ حضرت اقدس نے مشرحاً بیان فرمایا ہے۔ اور حضرت اقدس نے جو معنے دوم کی تائید میں تصحیح خالص استقبال کی کی ہے وہ صرف جناب کی خاطر سے کی ہے۔ بقول شخصے کہ خصم را تا بخانہ باید رسانید۔ چنانچہ الفاظ حضرت اقدس کے اس پر دال ہیں جو جناب نے بھی نقل فرمائے ہیں اور وہ یہ ہیں کہ کیا استقبال کے طور پر یہ دوسرے معنے بھی نہیں ہوسکتے کہ کوئی اہل کتاب میں سے ایسا نہیں جو اپنی موت سے پہلے مسیح پر ایمان نہیں لائے گا۔ **قولہ**۔ دوم یہ کہ الخ۔ **اقول** مولانا شاہ ولی اللہ صاحب کے الفاظ مضارع

[1] صٓ : ۶

﴿۱۴۹﴾

کو خالص استقبال کے واسطے ٹھہرانا زبان فرس میں ایک جدید قاعدہ کی تجدید کرنی ہے۔ باقی الفاظ ترجمتین کے جو بصیغہ مستقبل ہیں ان کی نسبت وہی گذارش ہے کہ صیغہ مستقبل کا دوام تجددی کے واسطے مستعمل ہونا کتب علم بلاغت سے ثابت ہو چکا ہے۔ **قولہ** یہاں ارادہ حال واستمرار قطعاً باطل ہے الخ۔

اقول مولانا صاحب صرف آیت لَاَغۡلِبَنَّ اَنَا وَ رُسُلِیۡ [1] کا لوح محفوظ میں مکتوب ہونا جو جناب نے بحوالہ بیضاوی تحریر فرمایا اس کی کچھ ضرورت نہیں تھی کیونکہ بیضاوی وغیرہ کی تفسیر کو تو آپ آیت لیؤمنن بہ قبل موتہ میں محض غلط اور باطل فرما چکے ہیں یہ ہیچمدان جناب کی تائید کے واسطے یہ عرض کرتا ہے کہ کل قرآن مجید لوح محفوظ میں مکتوب ہے۔ قال اللّٰہ تعالٰی بَلۡ هُوَ قُرۡاٰنٌ مَّجِيۡدٌ فِىۡ لَوۡحٍ مَّحۡفُوۡظٍ [2] مگر گذارش یہ ہے کہ قرآن مجید میں جو ازمنہ ثلاثہ کا اعتبار کیا گیا ہے وہ وقت نزول سے کیا گیا ہے ورنہ اگر وقت کتابت لوح محفوظ کا لحاظ کیا جاوے تو تمام ازمنہ ثلاثہ ماضی وحال واستقبال بلکہ استمرار سب استقبال ہی میں داخل ہیں پھر جناب والا کی تمام بحث عمدہ اور اصل جو نون ثقیلہ کی نسبت ہے محض بیکار ہوئی جاتی ہے۔ پس اندریں صورت جو آیات کہ حضرت اقدس نے تحریر فرمائی ہیں ان کا تو ذکر ہی کیا ہے اس بنا پر تو تمام صیغے ماضی وحال واستمرار مندرجہ قرآن مجید سب استقبال میں داخل ہیں اور یہ نزاع حال واستمرار کا محض بے سود۔ اگر آیت لیؤمننّ بہ قبل موتہ میں حضرت اقدس نے استمرار مراد لیا تو کتابت لوح محفوظ سے وہ بھی استقبال میں داخل رہا اور اس آیت لَاَغۡلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِیۡ [3] میں بھی اگر حال یا استمرار مراد لیا تو وہ بھی کتابت لوح محفوظ سے استقبال میں ہی ہوا پھر یہ جو آپ ارشاد فرماتے ہیں کہ ارادہ استمرار قطعاً باطل ہے اسکے کیا معنے ہیں۔ استمرار بھی تو اس بنا پر استقبال ہی میں داخل ہے یہ تو ایسا استقبال ہے کہ کوئی زمانہ اس سے باہر رہ ہی نہیں سکتا اور ترجمہ مولانا شاہ ولی اللہ صاحب کو جو بلفظ مضارع ہے خالص استقبال کہنا جناب کا ہی کام ہے یہ ہیچمدان تو اس مسئلہ کو کہتے کہتے تھک گیا ؎

گفتہ گفتہ من شدم بسیار گو از شما یک تن نہ شد اسرار جو

ناظرین کو اب بخوبی معلوم ہو گیا ہوگا کہ حضرت اقدس مرزا صاحب کا بعد تین پرچوں کے بحث کا ختم کر دینا نہایت ہی ضروری تھا ورنہ اپنی اوقات کو مکرر سہ کرر صرف کرنا محض تضیع اوقات تھی کیونکہ مولوی صاحب کی اس بحث میں سواء اعادہ ان امور کے جن کا جواب شافی وکافی اول ہی پرچہ میں ہو چکا اور رہا سہا بلکہ مکرر دوسرے پرچہ میں بھی اتمام حجت کیا گیا اور پھر پرچہ ثالث میں بھی بپاس خاطر مولانا صاحب کے سہ کرر جوابہائے شافی وکافی دیئے گئے معہذا اگر اب بھی بحث ختم نہ کی جاتی تو اس ہیچمدان کو یہ بتلایا جاوے کہ وہ کون سا امر جدید جواب طلب پیش کیا گیا ہے جس کا جواب مکرر سہ کرر نہ ہو چکا ہو

[1] ، [3] المجادلۃ:۲۲ [2] البروج:۲۲۔۲۳

﴿۱۵۰﴾ من حسن اسلام المرء ترکه مالا یعنیه کا مضمون بھی تو پیش نظر حضرت اقدس کے رہتا ہے اور اس پر بھی آخر پرچہ سوم میں یہ بھی تحریر فرما دیا گیا کہ اس مضمون کے شائع ہونے کے بعد جب پبلک کی طرف سے منصفانہ رائیں شائع ہوں گی اور ثالثوں کے ذریعہ سے صحیح رائے جو حق کی موید ہو پیدا ہو جائے گی تو اس تصفیہ کے بعد آپ تحریری طور پر دوسرے امور میں بھی بحث کر سکتے ہیں لیکن اس تحریری بحث کیلئے میرا اور آپ کا دہلی میں مقیم رہنا ضروری نہیں جب کہ تحریری بحث ہے تو دور رہ کر بھی ہوسکتی ہے میں مسافر ہوں اب مجھے زیادہ اقامت کی گنجائش نہیں فقط۔ ایہا الناظرین باوجود اس کے مولوی صاحب کا بھوپال میں واپس تشریف لاکر برملا مجالس وعظ وغیرہ میں ہر کہ ومہ کے سامنے یہ اشتہار دینا کہ حضرت اقدس مرزا صاحب مقام دہلی سے میرے مقابل نہ ٹھہر سکے اور گریز کر گئے کیسا اپنے موقع اور محل پر ہے فاعتبروا یا اولی الابصار باقی ترجمتین کے الفاظ جو بلفظ استقبال ترجمہ کئے گئے ہیں ان سے مراد دوام تجدّدی ہوسکتا ہے کما مر غیر مرة **قولہ** اول یہ کہ الخ۔ **اقول** آیت میں حرف فاء جو واسطے ترتیب بلامہلت کے آتا ہے موجود ہے۔ پس جس وقت کوئی شخص مرد ہو یا عورت عمل نیک کرے درحالیکہ وہ مومن ہو تو اسکے واسطے بلامہلت حیٰوۃ طیّبۃ متحقق ہو جاتی ہے ورنہ حرف فاء لغو ہو جاوے گا۔ تفسیر ابن کثیر سے جو آپ نے معنے نقل فرمائے وہ بھی اسی مطلب کو ثابت کر رہے ہیں دیکھو اس میں صاف لکھا ہے کہ بان یحیی اللّٰه حیٰوۃ طیبة فی الدنیا ہاں البتہ لَنَجْزِ يَنَّهُمْ کو صاحب تفسیر ابن کثیر نے واسطے حاصل ہونے تاسیس کے آخرۃ کے واسطے لکھا کیونکہ یہ ایک مسئلہ علم بلاغت کا ہے کہ التّاسیس خیر من التاکید ہم بھی یہاں استقبال ہی تسلیم کرتے ہیں مگر یہ حضرت مرزا صاحب کو کچھ مضر نہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ آپ کے قاعدہ نون ثقیلہ کے نقض کے واسطے تو صرف ایک صیغہ قرآن مجید کا جو واسطے حال یا استقبال یا استمرار کے آیا ہو کافی ہے کیونکہ آپ التزاماً ہر جگہ ایسے صیغے میں استقبال مراد لیتے ہیں پس موجبہ کلیہ کا نقیض سالبہ جزئیہ ہی آتا ہے جو یہاں صادق ہے پس موجبہ کلیہ غیر صادق ہوگا۔ اور حضرت مرزا صاحب ایسے صیغے میں صرف زمانہ حال یا خالص استقبال یا فقط استمرار التزاماً ہر جگہ مراد نہیں لیتے بلکہ بحسب مقتضائے مقامات مناسبہ کہیں حال مراد ہوتا ہے اور کہیں استقبال اور کسی جگہ دوام تجدّدی مراد ہوتا ہے پس اس مسلک کے نقض کے واسطے کتنے ہی صیغے آپ ایسے نقل فرمائیں جن میں خالص استقبال مراد ہو تو حضرت اقدس کے صراط مستقیم کو کچھ مضر نہیں کیونکہ وہ التزاماً کوئی خاص ایک زمانہ ایسے صیغے میں ہر جگہ مراد نہیں لیتے۔ **قولہ** یہاں استقبال مراد ہے بچند وجوہ اول یہ کہ الخ۔ **اقول** لا نسلم اما اولاً آنکہ العبرۃ

﴿۱۵۱﴾ لعموم اللفظ لالخصوص السبب۔ قاعدہ مسلّمہ اہل اصول کا ہے پس کیا ضرورت ہے کہ اس آیت سے سوائے مہاجرین وانصار کے اور کوئی ناصر مراد نہ ہو سکے۔ ثانیاً آنکہ سلّمنا کہ مہاجرین و انصار ہی مراد ہیں لیکن جس وقت سے کہ مہاجرین وانصار نے اللہ اور اسکے رسول کی نصرت کرنی شروع کی اسی وقت سے نصرت الٰہیہ شامل حال ان کے ہوگئی تھی اگرچہ نصرت تامہ وکاملہ الٰہیہ کا ظہور تامہ کسی قدر زمانہ کے بعد عوام پر ظاہر ہوا ہو۔ ثانیاً آنکہ یہ جو جناب فرماتے ہیں کہ جس چیز کا وعدہ کیا جاتا ہے وہ چیز بعد زمانہ وعدہ کے پائی جاتی ہے۔ سلّمنا لیکن یہ کیا ضرور ہے کہ بعدیّت منفصلہ ہی ہو۔ ہوسکتا ہے کہ بعدیّت متصلہ ہو۔ تقدم ذاتی اور تاخر ذاتی کا مسئلہ جو بین المنطقیین مشہور ومعروف ہے۔ بنظر و لحاظ فضل ورحم ارحم الراحمین کے یہاں پر کیوں نہیں مراد ہوسکتا۔ حرکتِ مفتاح اگرچہ حرکتِ یَد کے بعد متحقق ہوتی ہے لیکن ان دونوں حرکتوں میں کوئی فاصلہ زمانہ دراز کا نہیں ہوتا مع ہٰذا کہتے ہیں کہ حرکت ید مقدم ہے اور حرکت مفتاح متاخر اگر ایسی ہی قبلیة و بعدیة آپ کی مراد ہے تو پھر یہ سب ایک نزاع لفظی ہوا جو حضرت اقدس مرزا صاحب کو کچھ بھی مضر نہیں ہے اور تراجم ثلاثہ کی کیفیت ناظرین کو پہلے معلوم ہو چکی۔

قولہ یہاں بھی مستقبل مراد ہے الخ۔ **اقول** وعد اور موعود میں جو قبلیة اور بعدیة ہے اس کا حال معلوم ہو چکا اور تراجم ثلاثہ کا حال بھی مکرر سہ کرر لکھا جا چکا حاجت اعادہ کی نہیں ہے اور یہاں عادت مستمرہ ہونے میں کون سا محذور لازم آتا ہے بیان فرمایا جاوے۔ **قولہ** بالا معلوم ہو چکا۔ **اقول** نہ کچھ بالا معلوم ہوا اور نہ کچھ **زیر** معلوم ہوا بلکہ قاعدہ نون ثقیلہ کا بالکل تہ و بالا ہو چکا۔ **قولہ** ان لوگوں کی کلام میں کہیں تصریح حال کی نہیں الخ **اقول** آپ تمام قرآن مجید میں سے ایک ہی صیغہ ایسا بتلاویں جس میں اللہ تعالیٰ نے یا رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے تصریح کر دی ہو کہ اس صیغہ میں سوائے استقبال کے اور کوئی زمانہ مراد نہیں تو پھر ہم بھی ایسی تصریح کہیں تلاش کریں گے مولانا صاحب اہل لسان جو صیغے مضارع وغیرہ کو اپنی کلام میں استعمال کرتے ہیں اس کلام میں کہیں یہ تصریح نہیں ہوتی ہے کہ یہاں پر ہماری مراد حال ہے یا استقبال یہ فہم تو اہل لِسان اپنے اپنے محاورات کے بموجب سمجھ لیتے ہیں اور غیر اہل لسان حسب قواعد صرف ونحو وعلم بلاغت وغیرہ سمجھتے ہیں اور ہم نے اوپر ان سب علوم سے ثابت کر دیا کہ ان صیغوں میں حال بھی مراد ہوسکتا ہے اور استمرار بھی مظہری وغیرہ سے مصرحاً گذر چکا کہ فان حقیقة الکلام للحال اور حضرت اقدس نے جو اس آیہ میں معنی استقبال بطور امکان کے تجویز فرمائے ہیں تو صرف الزاماً افحام مخالفین کیلئے تجویز کئے ہیں **قولہ** تو جواب یہ ہے کہ بے شک اس صورت میں قاعدہ مقرر کی بنا پر الخ **اقول** یہاں پر یہ تو جناب نے اقرار فرما لیا کہ بے شک اس صورت میں قاعدہ مقرر کی بنا پر البتہ ردّ نہ ہو سکے گا

﴿۱۵۲﴾ مکرّر ثانیاً آپ جو فرماتے ہیں کہ اس کا ردّ منوط ہوگا۔ **قولہ** امر آخر پر جس کا ذکر اوپر ہو چکا الخ۔ **اقول** اس رد کا جواب ہیچمدان کی تقریر سے اوپر ہو چکا پس فیصلہ شد۔ **قولہ** میرا مطلب وہ نہیں ہے جو آپ سمجھے ہیں الخ۔ **اقول** آپ کی خاطر سے ہم نے یہ بھی تسلیم کیا کہ آپ کا مطلب صرف اس قدر ہی ہے کہ یہ معنی جو میں نے اختیار کئے ہیں اس طرف ایک جماعت سلف میں سے گئی ہے مگر یہ تو ارشاد ہو کہ جب آپ کے معنے کی طرف صرف ایک ہی جماعت گئی ہے اور دیگر جماعات صحابہ وتابعین اور ہزار ہا مفسرین محققین دوسرے معنوں کی طرف گئے ہیں اور ان معنوں کو بہ براہین مبرہن کیا ہے اور آپ کے معنوں کو مرجوح طور پر بیان کرتے ہیں تو کیا آپ کے اختیار کر لینے سے ایک معنے مرجوح کو وہ معنے قطعی الدلالت ہو سکتے ہیں جو آپ کے غیر پر حجت قطعی ہو سکیں ایسے معنی مرجوح کو اختیار کر کر اپنے غیر پر حجت قطعی گردانا یہ تو صریح ایک تحکم ہے۔ **قولہ**۔ میری ادلہ کا قوی ہونا الخ۔ **اقول** ان ادلّہ کا اَوْهَنُ مِنْ بَيْتِ الْعَنْكَبُوْت ہونا ثابت ہو چکا۔ پس یہ آپ کا فرمانا بجائے خود نہیں ہے۔ **قولہ** آپ نے نون ثقیلہ کے بارہ الخ۔ **اقول** آیات محکمات جو نون ثقیلہ کے بارہ میں لکھی گئی ہیں معہ حوالہ تفاسیر کے وہ قیامت تک قائم رہیں گی اور جو کوئی ان کا مقابلہ کرے گا وہ هَبَاءً مَّنْثُوْرًا ہو جاوے گا۔ **قال اللّٰہ تعالیٰ** اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ [1] **قولہ** جب یہ امر ثابت ہو گیا الخ **اقول** یہ امر ثابت نہیں ہوا کہ نون تاکید جو معہ لام تاکید کے مضارع میں داخل ہوا التزاماً وہ خالص زمانہ استقبال کیلئے کر دیتا ہے تو پھر تعمیم کیونکر قائم نہ رہے گی۔ **قولہ** آپ نے ان معنے کی تقریر میں جو میرے نزدیک متعین ہیں تھوڑی سی خطا کی ہے الخ **اقول** یہ معنی غیر صحیح ہیں کیونکہ اس صورت میں ایک ایسے لفظ کی تخصیص جس میں عموم در عموم ہے بلا وجود مخصص کے کرنی پڑتی ہے اوّل تو لفظ اہل کتاب کا ایک ایسا عام لفظ ہے جو ہر زمانہ کے اہل کتاب کو شامل ہے جو اہل کتاب کہ اس بات کے قائل تھے کہ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ [2] اور جو مصداق ہیں اِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ [3] ان سے لے کر آنحضرت صلعم کے وقت کے اہل کتاب اور جو قیامت تک موجود ہوں گے سب کو شامل ہے ایک عموم تو یہ ہوا اور دوسرا عموم یہ ہے کہ **من اهل الكتاب** ترکیب نحوی میں صفت واقع ہوا ہے اَحَدٌ مقرر کی پھر اَحَدٌ جو نکرہ محضہ ہے خبر نفی میں واقع ہوا ہے جو مفید استغراق ہے ارشاد الفحول میں لکھا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے۔ **النكرة فى النفى تعم سواء دخل حرف النفى على فعل نحو ما رأيت رجلا او على الاسم نحو لا رجل فى الدار ولو لم يكن لنفى العموم لما كان قولنا لا الٰه الّا اللّٰه نفيا لجميع الآلهة سوى اللّٰه سبحنه فتقرر ان المنفية**

[1] الحجر: ۱۰ [2]،[3] النساء: ۱۵۸

﴿۱۵۳﴾

بما اولن اولم اولیس اولا مفیدة للعموم ۔ والنکرة المنفیة ادلّ علی العموم منھا اذا کانت فی سباق النفی ۔ والصفی الھندی قدم النکرة علی الکل یعنی **علی کل صیغة العام** اورطرق قصر سے طریق نفی واستثناء بھی اس میں موجود ہے جوایک مسئلہ علم بلاغت کا ہے۔پس ایسے لفظ عام کوجس میں اس قدر عموم درعموم مراد الٰہی ہے ایک شرذمہ قلیلہ اہل کتاب کے ساتھ بلاوجود مخصص کے مخصوص کرنا کوئی وجہ نہیں رکھتا اگر یہ عموم مراد الٰہی نہ ہوتا تو کلام مجید جو بلاغت میں حد اعلیٰ اعجاز کو پہنچ گیا ہے ایسے خاص معنے ومراد کوایسے الفاظ عامہ سے بیان نہ فرماتا اور ابومالک کے قول کی توجیہ جو جناب فرماتے ہیں وہ مصداق ہے **توجیہ القول بمالا یرضی بہ قائلہ** کے۔کیونکہ الفاظ قول ابومالک کے یہ ہیں **ذلک عند نزول عیسٰی بن مریم علیہ السلام لایبقی احد من اھل الکتب الا امن بہ** ۔ اس قول میں تو تصریح ہے۔عندنزول کی یعنے نزدیک وقت نزول کے جملہ اہل کتاب ایمان لے آویں گے۔ جناب ذرہ غور سے ملاحظہ فرماویں۔**قولہ** حاصل میری کلام کا یہ ہے الخ **اقول** جب کہ آیت سے جناب کے نزدیک یہ نہیں ثابت ہوتا کہ مسیح کے نزول کے بعد فوراً سب اہل کتاب ایمان لے آویں گے تو پھر یہ قول ابومالک کا آپ نے واسطے احتجاج اپنے مدعا کے کیوں نقل فرمایا ہے۔کہ **ذٰلک عند نزول عیسی بن مریم علیہ السلام** اور ایسے زمانہ کا آنا جس میں بسیط الارض پر کوئی کافر نہ رہے آیات بیّنات قرآن مجید کی جوسابق مذکور ہوئیں اس کو رد کررہی ہیں **قولہ** دوم یہ کہ الخ **اقول** جب کہ ایمان سے مراد ایمان شرعی نہیں بلکہ یقین مراد ہے تو پھر کہاں گیا وہ دعویٰ کہ جملہ اہل ملل ونحل عیسیٰ بن مریم کے وقت میں اسلام میں داخل ہوجاویں گے اور دفع تعارض جو کیا کرتے ہیں تو ایسی وجوہ سے کہ مناقض مدعا نہ ہوں وہ کیا دفع تعارض ہوا کہ جس سے اور مفاسد دیگر پیدا ہوجاویں دفع تعارض کے واسطے آپ کہاں سے کہاں چلے جاتے ہیں ذرہ غور کرکر دفع تعارض فرمایا کیجئے **قولہ** جس زمانہ کے لئے یہ حصر کیا گیا ہے الخ۔ **اقول** مولانا بحث تو اس میں ہے کہ جو لفظ ایسا عام ہو کہ جس کا عموم کئی وجوہ سے بیان کیا گیا ہو۔ **کما مر بیانہ** وہ عام تمام اپنے افراد کو شامل ہوتا ہے جب تک کہ کوئی مخصص اس کا پیدا نہ ہو یہاں پر صرف ایک نون ثقیلہ پیدا ہوا تھا اگر وہ خفیفہ نہ ہوجاتا تو شاید کسی وجہ سے کسی قدر تخصیص حاصل ہوسکتی مگر اس نون ثقیلہ کی کیفیت خفت معلوم ہوچکی تو اب کوئی بھی مخصص باقی نہ رہا۔پس اندریں صورت تخصیص کی کیا وجہ ہے کہ مراد تو ہوں ایک زمانہ نامعلوم کے اہل کتاب اور ان کو ایسے صیغہ عام درعام سے بیان فرمایا جاوے۔حصول المامول میں لکھا ہے **ولاشک ان الاصل عدم التخصیص** پس ایسی تخصیص کی کیا وجہ ہے کہ مخاطب تخصیص کرتے کرتے بھی

﴿۱۵۴﴾

تھک جاوے اور پھر مع ھٰذا اس تخصیص در تخصیص کا نام پورا حصر رکھا جاوے پورے حصر کے معنے تو استغراق جمیع افراد سے حاصل ہوتے ہیں نہ تخصیص در تخصیص سے یہ بھی ایک اصطلاح جدید علم اصول فقہ کی جناب نے پیدا کی ہے اِنَّ ھٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ [1] **قولہ** بلکہ یہ تو مقتضی نون ثقیلہ و لفظ **بعد موتہ** کا ہے جو کلام الٰہی میں واقع ہوا ہے الخ۔ **اقول** مولانا اب تو سرے سے مقتضی ہی نہ رہا۔ پھر مقتضی کہاں ہوسکتا ہے اور پھر یہ کیونکر ہوسکے گا کہ اِدھر تو الفاظ عموم در عموم کے بیان کئے جاویں اور اُدھر خصوص در خصوص مراد ہو یہ تو تناقض ہوا جاتا ہے **وتعالٰی کلام اللّٰہ عن ذٰلک علوًّا کبیرًا**۔ واضح ہو کہ مولوی صاحب کی عبارت میں لفظ **بعد موتہٖ** غلط لکھا گیا ہے قرآن مجید میں **قبل موتہٖ** ہے اور چونکہ لفظ **احد** کامل درجہ کا نکرہ ہے لہٰذا اس کی نفی حسب قواعد نحو و علم بلاغت کے بحرف اِنْ کامل استغراق کو ہوگی جو جناب کے مدعا کے مخالف ہے **قولہ** اور ایسا ہی ان کا یہ فرمانا الخ۔ **اقول** مولانا صاحب ظاہر ہے کہ آیت وَاِنْ مِّنْ اَھْلِ الْکِتٰبِ اِلَّا لَیُؤْمِنَنَّ بِہٖ قَبْلَ مَوْتِہٖ [2] واسطے حیات مسیح کے مسوق نہیں ہے جو حیات میں نص ہو بلکہ حیات کا تو اس میں ذکر بھی نہیں موت کا ہی ذکر ہے پس جناب کا استدلال کرنا اس آیہ سے بطور اشارۃ النص وغیرہ کے ہوگا۔ پس جملہ اہل کتاب کا ایمان لانا قبل موت مسیح بن مریم کے آپ کے استدلال کا ایک مقدمہ ہوا اور اس مقدمہ کی نسبت اب آپ ایسا کچھ ارشاد فرماتے ہیں کہ اس مقام پر نہ میں مدعی ان کے ایمان کا ہوں اور نہ مدعی اس امر کا کہ مراد ایمان سے یقین ہے مقصود اس مقام پر صرف رفع تناقض ہے جو آپ نے درمیان آیت و احادیث کے سمجھا ہے۔ فقط **اقول** مولانا یہ تو سب آپ کی دلیل کے مقدمات تھے جب کہ اثبات مقدمات اپنی دلیل سے دست بردار ہوگئے تو پھر دلیل دلیل کب قائم رہ سکتی ہے کیونکہ دلیل موقوف اثبات مقدمات پر ہوتی ہے مثل **ثبت العرش ثم انقش**۔ اور رفع تناقض اگر منظور تھا تو ایسی وجوہ سے رفع فرمایا جاتا جس میں اور مفاسد پیدا نہ ہوتے۔ یہاں پر تو آپ کی رفع تناقض سے اور مفاسد پیدا ہوگئے حتّٰی کہ بسبب انہیں مفاسد کے آپ خود اثبات مقدمات دلیل اپنی سے دست بردار ہوگئے پھر دلیل کیونکر دلیل باقی رہی کہ **المقدمۃ ما یتوقف علیہ صحۃ الدلیل اعم من ان یکون جزءً ا من الدلیل ام لا**۔ اب آپ ہی انصاف سے فرمائیے کہ آپ جو اس جگہ ہیچمدان اور حکیم نورالدین صاحب کو حَکَم تسلیم کرتے ہیں تو اب یہ ہیچمدان اور حکیم نورالدین کیا فیصلہ کریں گے بجز اسکے کہ جو آپ نے خود ارشاد فرما دیا اور اپنے مقدمہ دلیل سے دستبردار ہوگئے۔ پس دلیل بھی دلیل نہ رہی۔ **قولہ** اول یہ کہ آیت وَاِنْ مِّنْ اَھْلِ الْکِتٰبِ میں صاف وعدہ ہے الخ **اقول** مولوی صاحب نے مسئلہ نسخ اور تخصیص میں خلط ملط کر دیا لہٰذا اولاً یہ ہیچمدان تعریف عام و خاص کی اور جو تخصیص و نسخ میں فرق ہے علم اصول سے لکھتا ہے تا کہ ناظرین کی سمجھ میں بخوبی

[1] ص:٦ [2] النساء: ١٦٠

﴿۱۵۵﴾

آجاوے کہ یہاں پر تخصیص مطلوب مولوی صاحب کی جاری نہیں ہوسکتی۔ ارشاد الفحول میں لکھا ہے۔ وفی الاصطلاح العام ھو اللفظ المستغرق لجمیع مایصلح لہ بحسب وضع واحد دفعة والخاص ھو اللفظ الدال علی مسمی واحداعم من ان یکون فردًا اونوعًا اوصنفا و قیل ما دل علی کثرة مخصوصة ومن الفروق بین النسخ والتخصیص ان التخصیص لا یکون الا لبعض الافراد و النسخ یکون لکلھا ۔اب گذارش یہ ہے کہ آیات بینات سے بطور اخبار کے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ہر زمانہ میں قیامت تک کچھ نہ کچھ کافر بھی موجود رہیں گے۔قال اللّٰہ تعالی وَمَآ اَکۡثَرُ النَّاسِ وَلَوۡ حَرَصۡتَ بِمُؤۡمِنِیۡنَ [1] ایضًا قال ۔ وَلَوۡ شَآءَ رَبُّکَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلَا یَزَالُوۡنَ مُخۡتَلِفِیۡنَ اِلَّا مَنۡ رَّحِمَ رَبُّکَ ؕ وَ لِذٰلِکَ خَلَقَهُمۡ ؕ وَتَمَّتۡ کَلِمَةُ رَبِّکَ لَاَمۡلَـَٔنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الۡجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجۡمَعِیۡنَ [2] اب باوجود اس اخبار اللہ تعالیٰ کے آپ یہ فرماتے ہیں کہ آیت وَاِنۡ مِّنۡ اَهۡلِ الۡکِتٰبِ میں صاف وعدہ ہے کہ قبل موت حضرت عیسیٰؑ کے سب اہل کتاب مومن ہوجاویں گےاور یہ آیت مخصص واقع ہوئی ہے ان آیات بینات کی ۔مولانا صاحب اگر آپ ان دونوں آیتوں میں واسطے توفیق مفاہیم مختلفہ کے تخصیص کے قائل ہیں تو ظاہر یہ ہے کہ جناب کے معنے عام ہیں العام ھو اللفظ المستغرق لجمیع ما یصلح لہ الخ اورمفہوم آیت لَا یَزَالُوۡنَ مُخۡتَلِفِیۡنَ الآیہ کا خاص ہے کہ الخاص مادل علی کثرة مخصوصة او کما قیل پس بموجب فروق مذکورہ بالا کے مفہوم آیت لَا یَزَالُوۡنَ مُخۡتَلِفِیۡنَ الآیہ کا جو خاص ہے آپ کے معنے عام کا مخصص ہوسکتا ہے نہ برعکس لان التخصیص لایکون الالبعض الا فراد لیکن اندریں صورت اس تخصیص سے کوئی فائدہ مترتب نہیں ہوتا کیونکہ اس تخصیص کا مطلب یہ ہوا کہ آئندہ ایک خاص زمانہ میں بعض اہل کتاب ایمان لے آویں گے حالانکہ بعض اہل کتاب تو ہر زمانہ میں ایمان لائے ہوئے ہیں ۔علاوہ یہ کہ اگر اسکے برعکس تخصیص مانی جاوے تو وہ نسخ ہوا جاتا ہے تخصیص نہیں رہتی اور نسخ اخبار میں عند الاصولیین درست نہیں ہے ۔ایہا الناظرین مولوی صاحب نے اس مسئلہ میں غور نہیں فرمایا اس واسطے اشتباہ والتباس واقع ہوگیا کہ جو آیت خاص تھی اور مخصص ہوسکتی تھی اس کو عام قرار دے دیا اور جو آیت کہ عام تھی اس کو خاص یا مخصوص فرما دیا۔ فتأملوا و انظروا واعتبروا یااولی الابصار. **قولہ** دوم احادیث صحیح سے ثابت ہے الخ۔ **اقول** ۔مولوی صاحب آیت کا تو یہ مفہوم ہے کہ مومنین متبعین قیامت تک فائق رہیں گے اور کافر قیامت تک مغلوب رہیں گے اور مضمون احادیث کا یہ ہے کہ وقت قیام قیامت کے سب شریر رہ جاویں گے ان دونوں مفہوموں میں کسی طرح کا تعارض نہیں معلوم ہوتا جو تخصیص یا نسخ کے طور پر ان دونوں مفہوموں میں توفیق کی جاوے ۔ کیونکہ ہوسکتا ہے کہ دفعةً واحدة جملہ مومنین متبعین کو اللہ تعالیٰ اپنی طرف اٹھا لے اور بقیہ

[1] یوسف :۱۰۴ [2] ھود : ۱۱۹،۱۲۰

﴿۱۵۶﴾

شرار الناس پر اس وقت سے قیامت قائم ہو جاوے چنانچہ اس درایت کی روایت صحیح بھی مؤید ہے۔ ثم یبعث اللّٰہ ریحاطیبةً فتوفی کل من فی قلبه مثقال حبة من خردل من ایمان فیبقی من لاخیر فیه فیرجعون الی دین اٰبآئهم. رواہ مسلم پس آیت سے تو یہ معلوم ہوا کہ مومنین متبعین کا وجود جب تک دنیا میں رہے گا قیامت تک ساتھ غلبہ کے رہے گا اور کافر مغلوب رہیں گے اور جب کہ مومنین متبعین کو اللہ تعالیٰ اپنی طرف اٹھا لے گا تب اس وقت سے بقیہ شرذمہ کفار پر قیامت قائم ہوگی۔ پس ثابت ہو گیا کہ وجود کفار بھی اِلٰی یوم القیامہ رہے گا۔ جن پر قیامت قائم ہوگی اور وجود مومنین متبعین بھی جو کفار پر وقت قیام قیامت غالب رہیں گے رہے گا اور نزدیک قیام قیامت کے کچھ قبل اسکے ریح طیّبہ سے مومنین اٹھائے جاویں گے اس میں کوئی تناقض نہیں۔ ثانیاً یہ گذارش ہے کہ سلّمنا کہ آیت عام مخصوص البعض ہے اور احادیث صحیحہ مثل لا تقوم الساعة الاعلی شرار الخلق وغیرہ اس کی مخصص ہیں لیکن چونکہ آیت مستغرق تھی کل افراد زمانوں کے واسطے اور حدیث خاص ہے واسطے وقت قیام ساعت کے پس یہ احادیث خاص اس آیت عام کی مخصص ہو گئیں لیکن اس تخصیص سے مدعا کو کیا فائدہ ہوا مانا کہ آیت مخصوص البعض ہے لیکن بعد اس تخصیص کے بقیہ افراد ازمنہ کو جس میں مسیح بن مریم کا زمانہ بھی داخل ہے شامل رہے گی اور شمول وعموم اس کا زمانہ مسیح بن مریم کے واسطے حجت رہے گا کتب اصول میں یہ مسئلہ مصرح کیا گیا ہے حصول المأمول مؤلفہ حضرت نواب صاحب بہادر مرحوم ومغفور کی عبارت یہاں پر نقل کی جاتی ہے۔ واما اذا کان التخصیص بمبین فقداختلفوا فی ذلک علی اقوال ثمانیة منها انه حجة فی الباقی والیه ذهب الجمهور واختاره الآمدی وابن الحاجب وغیرهما من محققی المتأخرین وهو الحق الذی لا شک فیه ولاشبهة لان اللفظ العام کان متناولا للکل فیکون حجة علٰی کل واحد من اقسام ذالک الکل ونحن نعلم بالضرورة ان نسبة اللفظ اِلٰی کل الاقسام علی السویة فاخراج البعض منها بمخصص لا یقتضی اهمال دلالة اللفظ علی مابقی ولا یرفع التعبد به وقد ثبت عن سلف هذه الامة ومن بعدهم الاستدلال بالعمومات المخصوصة وشاع ذٰلک وذاع وقد قیل انه مامن عموم الاوقد خص وانه لایوجد عام غیر مخصص فلو قلنا انه غیر حجة فی مابقی للزم ابطال کل عموم ونحن نعلم ان غالب هذه الشریعة المطهرة انما تثبت بعمومات۔ پس اس تخصیص سے کہاں ثابت ہوتا ہے وہ دعویٰ کہ مسیح بن مریم کے وقت میں سب اہل ملل ونحل اسلام میں داخل ہو جاویں گے **قولہ** یہ آیت بھی عام مخصوص البعض ہے الخ **اقول** حسب قواعد علم اصول فقہ کے جو عام وخاص میں بظاہر ایک قسم کا

﴿۱۵۷﴾

تعارض ہوا کرتا ہے لہٰذا واسطے توفیق کے عام کو عام مخصوص البعض کرلیا کرتے ہیں۔ اور واضح ہو کہ تعارض کے واسطے یہ بھی شرط ہے کہ ہر دو اَدِلّہ بہمہ وجوہ درجہ مساوی پر ہوں یہ مسئلہ بھی کتب اصول میں مبین ہے۔ پس اب گذارش یہ ہے کہ آیت لیؤمنن به قبل موته بچند وجوہ ذوالوجوہ ٹھہر چکی ہے تو اندریں صورت کیونکر مخصص ہوسکتی ہے اُس آیہ کے جو ذوالوجوہ نہیں یعنے مثلاً یہ آیت فَاَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ [1] اور اگر تخصیص بھی مابین ان دونوں آیتوں کے تسلیم کی جاوے تو چونکہ آیت و ان من اهل الکتب عام تھی اور آپ بھی اسکے عموم کے واسطے ایک زمانہ کے قائل ہیں اور آیت فَاَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وغیرہ کا مخصوص خاص ہے کہ الخاص مادل علٰی کثرة مخصوصة. تو اندریں صورت خاص یعنی آیت ثانی عام یعنے آیت اوّل کی مخصص ہووے گی نہ برعکس کہ عکس القضیہ ہوا جاتا ہے کمامرّ۔ **قوله** اسی واسطے اس آیہ کو قطعی الدلالة لذاتها نہیں کہا گیا۔ **اقول** جب کہ جناب والا بسبب ذوالوجوہ ہونے کے آیت تُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا [2] کو قطعی الدلالت لذاتها نہیں کہتے تو پھر آیت لیؤمننّ به قبل موته کو کیوں قطعی الدلالت فرماتے ہو کیونکہ آیت لیؤمنن به قبل موته بہ نسبت لفظ کہل کے زیادہ تر ذوالوجوہ ہے اول تو ضمیر بہٖ میں روایتاً و درایتاً بہت سا کچھ اختلاف ہے پھر ضمیر قبل موته میں اختلاف کثیر ہے پھر لفظ اہل کتاب میں بھی بہت اختلاف ہے پھر یہ آیت کیونکر قطعی الدلالت ہوگئی اور وہ نہ ہوئی لان هذا ترجیح بلا مرجّح۔ اور دلیل کی دو قسمیں جو باعتبار دلالت کے آپ کرتے ہیں۔ ایک قطعی الدلالت فی نفسها اور دوسری قطعی الدلالت لغیرها یہ ایک اصطلاح جدید ہے جو دوسرے پر حجت نہیں کمامرّ غیر مرّة۔ **قوله** مسلّم ہے کہ آیت اِنِّي مُتَوَفِّيكَ الخ **اقول** آپ خود قسطلانی سے نقل فرما چکے ہیں کہ التوفّی اخذ الشیء وافیا والموت نوع منه اس سے معلوم ہوا کہ موت میں بھی اخذ شیء وافیا ہوا کرتا ہے کیونکہ والموت نوع منه۔ **قوله** آپ کو نزول عین عیسٰی بن مریم سے الخ **اقول** مولانا مجھ کو یہ افسوس آتا ہے کہ آپ ہمیشہ وعدہ فرمایا کرتے تھے کہ میں اگر مباحثہ کروں گا۔ تو بعد دیکھنے تمام ازالہ اوہام کے لیکن افسوس یہ ہے کہ آپ نے ازالہ اوہام کو اول سے آخر تک مطالعہ نہ فرمایا۔ سرسری طور پر دو ایک مقام دیکھ لئے اور مباحثہ قائم کرلیا جسکا انجام یہ ہوا کہ بہت سے امور کی بحث آپکی جانب سے ایک تکرار بے سود رہی۔ ازالہ اوہام اگر آپ مطالعہ فرماویں تو جناب کو صدہا صوارف ایسے قوی مل جاویں کہ معنے حقیقی ابن مریم کے ان صوارف کی وجہ سے ہرگز نہیں لے سکتے۔ مثلاً ایک صارف یہ ہیچمدان سابق لکھ چکا کہ خود صحیحین کی حدیث میں اس مسیح بن مریم کی صفت وامامکم منکم واقع ہے اور صحیح مسلم میں باسانید صحیحہ

[1] المائدة: ۱۵ [2] المائدة: ۱۱۱

﴿۱۵۸﴾ فامّکم منکم بھی ہے جو سب احتمالات کو قطع کرتا ہے کمامرّ سابقا **قولہ** اس حدیث کو قطعی الدلالت نہیں کہا گیا صرف تائید کے لئے لائی گئی ہے **اقول** جب کہ اس حدیث کی معارض احادیث متفق علیہ موجود ہیں تو پھر یہ حدیث بمقابلہ احادیث متفق علیہ کے ساقط رہے گی پھر تائید کے کیا معنے۔ خصوصاً اس حالت میں کہ درصورت عدم مخالفت وتعارض احادیث متفق علیہ کے بھی فی نفسہ وہ حجت نہیں ہوسکتی ہے۔ کمامرّ **قولہ** آپ وہ حدیث صحیح مرفوع متصل الخ۔ **اقول**۔ آپ ملاحظہ فرمائیے ازالہ اوہام اور نیز جو اس میں افادات البخاری لکھے ہیں ان کو مطالعہ فرمائیے تا کہ مخالفت تعلیم قرآن بھی ثابت ہوجاوے۔ **وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ الَّذِیْ ھَدٰنَا لِھٰذَا وَمَا کُنَّا لِنَھْتَدِیَ لَوْلَا اَنْ ھَدٰنَا اللّٰہُ.**

تمّت

===================

مولوی محمد بشیر صاحب کے پرچہ ثالث پر سرسری نظر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَصَلَّی اللّٰہ عَلٰی سَیِّدِنَا محمّد واٰلہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْن وَ حَسْبُنَا اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ نِعْمَ الْمَوْلٰی وَ نِعْمَ النَّصِیْرُ۔ امابعد واضح خاطر عاطر ناظرین منصفین ہو کہ پرچہائے ثلاثہ مولوی صاحب کے جوابات حضرت اقدس مرزا صاحب کی طرف سے ایسے شافی وکافی دیئے گئے ہیں کہ اب حاجت جواب دینے کی باقی نہیں رہی کیونکہ مولانا صاحب نے اس پرچہ ثالث میں بھی اعادہ انہیں ابحاث کا کیا ہے جن کا جواب حضرت اقدس کی طرف سے مکرر ہو چکا لیکن چونکہ مولوی صاحب کی طرف سے مکرر سہ کرر درخواست مباحثہ از ہیچمدان اس اقرار سے واقع ہوئی کہ اگر مجھ کو اس مسئلہ متنازعہ فیہا کا حق ہونا اب بھی ثابت ہوجاوے گا تو میں بالضرور قبول کرلوں گا۔ لہٰذا ادھر سے بھی اظہاراً للحق والصواب جوابہائے شافی وکافی بامید مضمون اذا تکرر تقرر کر کے مکرر سہ کرر دیئے جاتے ہیں شائد کہ مولانا صاحب حسب اقرار خود اس حق کو قبول فرمالیں۔ اول میں ان تمام احادیث کا فیصلہ قطعی مجملاً چند سطور میں کرنا چاہتا ہوں جو اس وقت بعض سائلین نے پیش کی ہیں بعدہٗ جواب بطور قولہ واقول کے اس پرچہ ثالث کا لکھا جاوے گا۔ **فیصلہ** بعض احادیث متفق علیہ درباره نزول مسیح بن مریم ساتھ قید **منکم** کے وارد ہیں چنانچہ **و امامکم منکم** اور صحیح مسلم میں **فامّکم منکم** یعنی **امّکم بکتاب اللّٰہ و سنۃ رسولہ**۔ اب جس قدر احادیث کہ اس قید سے مطلق آئی ہیں خواہ ہزاروں ہی ہوں وہ سب احادیث

﴿۱۵۹﴾

مطلقہ اس مقید پر محمول کی جاویں گی کیونکہ قاعدہ مجمع علیہ علم اصول کا ہے کہ مطلق مقید پر محمول ہوا کرتا ہے ارشاد الفحول میں لکھا ہے جس کی تلخیص حضرت نواب صاحب بہادر مرحوم و مغفور نے ان الفاظ سے کی ہے۔ **الثانی ان یتفقا فی السبب و الحکم فیحمل احدھما علی الاٰخر اتفاقا و بہ قال ابو حنیفۃ ور جح ابن الحاجب وغیرہ ان ھذا الحمل ھو بیان للمطلق ای دال علٰی ان المراد بالمطلق ھو المقید وقیل انہ یکون نسخا و الاول اولٰی و ظاھر اطلاقھم عدم الفرق بین ان یکون المطلق متقدما او متأخرا او جھل السابق فانہ یتعین الحمل**۔ اور اگر کوئی کہے کہ مسیح بن مریم پر تعریف مطلق کی کب صادق آتی ہے جو اس میں تقید جاری ہو تو جواب اس کا یہ ہے کہ حضرت اقدس نے ازالہ میں اور نیز اخیر پرچہ ثالث میں اس بات کو بخوبی ثابت کر دیا ہے کہ احادیث میں جو مسیح بن مریم مذکور ہے اس سے مراد مثیل مسیح ہے نہ عین عیسٰی بن مریم۔ چنانچہ آخر پرچہ ثالث میں تحریر فرماتے ہیں کہ **اطلاق اسم الشیء علٰی مایشابھہ فی اکثر خواصہ و صفاتہ جائز حسن** تفسیر کبیر صفحہ ۶۸۹۔ اور ظاہر ہے کہ لفظ مثیل مسیح کے مطلق ہونے میں کچھ شک نہیں جس کی تقیید ساتھ **منکم** کے احادیث متفق علیہ سے ثابت ہو چکی اور جس قدر احادیث مطلقہ واقع ہیں وہ سب محمول اس مقید پر ہو گئیں فیصلہ شد + اب ایک خواب جو مولانا صاحب نے دیکھا ہے اور وہ بشری ہے واسطے اطلاع و آگہی ناظرین کے لکھا جاتا ہے تا کہ مولانا صاحب اس مباحثہ میں اس خواب کی تعبیر کو بھی ملحوظ نظر رکھیں۔

خواب مولانا محمد بشیر صاحب

بتاریخ ۱۶۔ ربیع الثانی مولوی عبدالکریم صاحب ساکن پاترہ نے ہیچمدان سے بیان کیا کہ مولانا محمدؐ بشیر صاحب نے خواب ذیل کو مجھ سے بیان کیا۔ کہ اندر مکان کے میں کھانا کھا رہا ہوں اور جسم پر لباس کسی قدر نہیں ہے اس اثناء میں معلوم ہوا کہ ڈپٹی امداد علی صاحب مرحوم آئے ہیں میں نے چاہا کہ ان کا استقبال مکان کے باہر سے ہی کروں۔ استقبال کے واسطے باہر کو آیا تو دیکھا کہ ڈپٹی صاحب ممدوح دروازہ صدر سے اندر آ گئے ہیں میں نے معانقہ کرنے کا قصد کیا تو انہوں نے فرمایا کہ تم سے کیا معانقہ کریں تمہاری حالت و ہیئت تو جنوں کی سی ہو رہی ہے۔ میں نے چاہا کہ کچھ جواب اس کا دوں لیکن ان کے لحاظ سے کچھ جواب نہیں دیا اور صرف یہ کہا کہ ہم سے قصور ہوا معاف کیجئے پھر ڈپٹی صاحب سے معانقہ ہو گیا فقط تعبیر اس خواب کی یہ احقر کچھ نہیں دیتا مولوی صاحب اس خواب کے مضمون پر خود غور فرماویں و بس۔ **وَالْعَاقِلُ تَکْفِیْہِ الْاِشَارَۃُ**۔

﴿۱۶۰﴾

قولہ اول یہ کہ آپ قبل ادعائے مسیحیت براہین احمدیہ میں اقرار حیات مسیح کا کر چکے ہیں الخ۔ **اقول**۔ ادعائے مسیحیت بطور روحانی براہین احمدیہ میں بھی موجود ہے اور ازالہ اوہام وغیرہ میں بھی وہی دعویٰ ہے کوئی دعویٰ جدید نہیں۔ آگے رہا اقرار حیات مسیح سو وہ بطور منطوق کے براہین میں نہیں لکھا گیا۔ ہاں البتہ مسیح کا دوبارہ دنیا میں آنا لکھا ہے جس سے حیات مسیح بطور مفہوم کے لازم آتی ہے اور یہ مسئلہ مقررہ علم اصول کا ہے کہ لازم القول یا لازم المذہب کا مذہب ہونا ضروری نہیں۔ معہذا اس سے جناب کو کیا فائدہ ہوا کیونکہ مانا کہ حضرت مرزا صاحب کو حیات مسیح کا اقرار تھا لیکن جب کہ بسبب عدم وجدان دلیل کے حیات مسیح پر حضرت مرزا صاحب حیات مسیح سے دستبردار ہوگئے اور دعویٰ حیات ثابت نہ ہوا تو وفات مسیح خودبخود ثابت ہوگئی کیونکہ حیات و وفات میں کوئی واسطہ نہیں ہے مگر اس صورت میں بار ثبوت حضرت کے ذمہ کہاں رہا۔ **قولہ** ۔خاکسار ایک سوال کرتا ہے الیٰ آخرہ۔ **اقول** ۔مولانا صاحب نے اس جگہ پر بہت سی شقوق بطور منطقین کے جاری فرمائیں۔ مگر دانست ناقص میں طول عبث کیا ہے۔ لہٰذا جواب اس کا مختصر لکھا جاتا ہے۔ اوّل ہم اس شق کو اختیار کرتے ہیں کہ خیال وفات مسیح بعد اس الہام کے پیدا ہوا ہوا ہے اور تسلیم کیا کہ الہام سے پہلے اس خیال سے کچھ واسطہ نہ تھا مگر اس جدت سے حضرت مرزا صاحب ایسے مدعی نہیں ہوسکتے جس کے ذمہ بار ثبوت ہو تقریر اس کی وہی ہے کہ حضرت نے حیات پر کوئی دلیل اور ثبوت نہ پایا تو اس دعوے یا اقرار سے دستبردار ہوئے اور جب کہ اقرار حیات سے دستبردار ہوئے تو بجز وفات کے اور کچھ نہیں ہے کیونکہ اجتماع الضدین و ارتفاع الضدین محالات سے ہے پس اس تقریر سے کسی طرح پر بار ثبوت حضرت اقدس کے ذمہ نہیں ہوا اور وفات خودبخود ثابت ہوگئی۔ اب ہم اس شق کو بھی اختیار کرتے ہیں کہ قبل الہام سے بھی یہ خیال وفات تھا مگر اس کا یقین نہیں تھا اور بعد الہام کے یقین وفات ہوگیا اور یہ بھی تسلیم کر لیا کہ مفید یقین اس وقت میں الہام ہوا جس کی تائید نصوص نے بھی کی اور اس وجہ سے کہ اکثر لوگوں کو ملہم ہونا حضرت اقدس کا پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچا اور ان کے لئے الہام حجت بھی نہیں تھا لہٰذا حضرت اقدس نے سنت اللہ و آیات قرآن مجید سے اس یقین کو ثابت کر دکھایا تا کہ مخالفین اور منکرین الہام پر بھی حجت ہو جاوے اب مخالفین کو لازم ہے کہ یا تو ان نصوص و آیات کا جواب شافی دیویں ورنہ وفات مسیح کو تسلیم کریں پھر بعد تسلیم وفات مسیح کے مسیح موعود ہونے کی بحث ہوسکتی ہے **قولہ** سوم اس مقام پر نصوص قرآنیہ قطعی طور پر الخ۔ **اقول** یہاں پر بھی دو شقیں منطقین کے طور پر جاری فرمائی گئی ہیں لیکن حاصل ان کا کچھ بھی نہیں معلوم ہوتا۔ ہم اس شق کو اختیار کرتے ہیں کہ نصوص

﴿۱۶۱﴾

قرآنیہ قطعی طور سے وفات مسیح پر دلالت کرتی ہیں۔ اور جو فساد اس شق پر بیان کیا گیا ہے اسکی نسبت ہم بھی مولوی صاحب سے یہاں پر صرف ایک سوال کرتے ہیں تا کہ طول لازم نہ آوے جو اس سوال کا جواب مولوی صاحب دیویں وہی جواب حضرت اقدس مرزا صاحب کی طرف سے تصور فرماویں۔ سوال یہ ہے کہ قرآنیت ہر دو سورتوں معوّذتین کی قطعی طور پر آپ کے نزدیک ثابت ہے یا نہیں بر تقدیر ثانی آپ اس کا اشتہار دیں کہ میرے نزدیک یعنی مولوی صاحب کے نزدیک معوّذتین قطعی قرآن نہیں ہیں اور بصورت شِق اول لازم آتا ہے کہ آپ کے نزدیک وہ صحابہ جنہوں نے ان ہر دو سورتوں کے قرآن ہونے کا انکار کیا تھا نعوذ باللہ کافر ہوں۔ کیونکہ منکر قرآن متواتر کا جو قطعی اور یقینی ہے کافر ہوتا ہے **فما هو جوابكم عنه فهو جوابنا۔ قوله** چہارم آپ نے جو تعریف مدعی کی بیان کی ہے الخ **اقول** تعریف مدعی کی حضرت مرزا صاحب نے محض اپنی رائے سے نہیں بیان کی بلکہ فقہاء اور محدثین اور نظار جو تعریف مدعی کی بموجب اپنی اپنی اصطلاح کے کرتے ہیں اس کی تشریح اور توضیح بطور سِرّ اور گُر کے بیان کی ہے اور قرآن مجید سے بھی مستنبط ہے **و کیف لا و کل العلم فی القرآن لکن تقاصر عنه افهام الرجال** اس مقام پر مولانا صاحب نے کتاب الاقضیہ والشہادات کتب حدیث کو اور کتاب الدعویٰ کتب فقہ کو اور تمام آیات مخاصمہ و آیت مداینہ قرآن مجید کو غور و امعان سے نظر نہیں فرمایا جو ایسا کچھ فرماتے ہیں کہ یہ نہ سہی کوئی قول کسی صحابی یا تابعی یا کسی مجتہد یا کسی محدث یا فقیہ کا اسکے ثبوت کیلئے پیش کیجئے **اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ** اگر مولوی صاحب کا اس فرمانے سے یہ مطلب ہے کہ جس عبارت اردو میں حضرت اقدس نے تعریف مدعی کی بیان کی ہے وہ کہیں مذکور نہیں تو البتہ یہ فرمانا مولانا صاحب کا کسی قدر درست اور راست ہے فی الحقیقت یہ عبارت اردو کی جو حضرت اقدسؑ نے تعریف مدعی میں بیان کی نہ قرآن مجید میں مذکور ہے اور نہ کسی حدیث میں اور نہ کتب فقہ عربیہ میں کہیں لکھی ہے کیونکہ وہ عربی زبان میں ہیں اور بعینہا یہ الفاظ تو شائد کسی کتاب فقہ اردو میں بھی نہ نکلیں گے۔ لیکن اس بنا پر تو جناب مولوی صاحب کا سب وعظ و پند جو اردو میں ہوا کرتا ہے وہ بھی کہیں مذکور نہیں اندریں صورت وہ سب وعظ و پند محض رائے جناب کی ہوئی جاتی ہے **ما هو جوابكم فهو جوابنا** اور اگر یہ مطلب نہیں صرف مطلب سے مطلب ہے تو لیجئے زیادہ طوالت تو اس تحریر مختصر میں کیا کی جاوے صرف بحوالہ حجت اللہ مولانا شاہ ولی اللہ صاحب ایک حدیث کی شرح لکھے دیتا ہوں۔ **قال صلعم لو يعطى الناس بدعواهم لادعى الناس دماء رجال واموالهم ولكن البينة للمدعى واليمين على المدعى عليه فالمدعى**

﴿۱۶۲﴾

ھو الذی یدعی خلاف الظاھر ویثبت الزیادۃ والمدعی علیه ھو مستصحب الاصل والمتمسک بالظاھر ولا عدل من ان یعتبر فیمن یدعی بینة فیمن یتمسک بالظاھر و یدرأ عن نفسه الیمین اذالم تقم حجة الأخرو قد اشار النبی صلعم الٰی سبب مشروعیة ھذا الاصل حیث قال لویعطی الناس الخ یعنی کان سببا للتظالم فلا بدمن حجة انتھٰی ۔ایہاالناظرین اب ملاحظہ فرماؤ کہ جوتعریف اورفلاسفی مدعی ہونے کی حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحب حکیم امت نے عربی عبارت میں بیان فرمائی اس کا مطلب وہی ہے جوحضرت اقدس نے اردو میں بیان فرمایا یا کچھ اور ہے۔ بَیِّنُوا تُوجروا **قولہ** پنجم یہ تعریف مدعی کی الخ ۔**اقول** ہم پہلے ثابت کر چکے کہ رشیدیہ میں قید من حیث انه اثبات بالدلیل او التنبیه اسی بیان کا مجمل ہے جس کوحضرت اقدس نے شرح فرمایا ہے۔فتذکروا ۔اور عصام الملة و الدین کی مراد بھی وہی ہے جو رشیدیہ سے ثابت ہو چکی ۔پس جوتعریف مدعی کی حضرت اقدس نے لکھی ہے بالکل مطابق ہے اس تعریف کے جوعلم مناظرہ میں لکھی ہے-علاوہ بریں یہ کہ اس مباحثہ میں جناب والا مدعی ہو چکے ہیں۔مع ھٰذا اندریں صورت حضرت اقدس اس مباحثہ حیات وممات میں مدعی کیونکر ہو سکتے ہیں ۔**قولہ** آپ نے توضیح المرام اورازالہ اوہام میں اس امر کا اقرار کیا ہے الخ۔ **اقول** ۔اگرحضرت اقدس نے بموجب قول ابوالدرداء کے لایفقه الرجل حتّٰی یجعل للقراٰن وجوھا ضمیر قبل موتہٖ کی طرف حضرت عیسٰیؑ کے راجع کی ہے تو اس صورت میں آیت کی تفسیر وہ ہوگی جو ازالة الاوھام میں لکھی ہے اُس کو ملاحظہ فرمائیے پھر آپ کا مدعا ہر طرح پر کیونکر ثابت ہوگا۔ یہ کیا ضرور ہے کہ درصورت ارجاع ضمیر موتہٖ کی طرف حضرت عیسٰیؑ کے وہی معنے ہوں جو آپ کے نزدیک ہیں۔غایة الامر یہ ہے کہ اس صورت میں جو معنے مورد اعتراض آپ کرتے ہیں وہ بھی ایک احتمال ضعیف کے طور پر ہو سکتے ہیں اندریں صورت آپ کے معنے قطعی کیونکر ہوجاویں گے اذاجاء الاحتمال بَطَلَ الاستدلال مثل مشہور ومقبول ہے۔باقی جناب کے کل قول کا جواب شافی وکافی حضرت اقدس نے ایسا دیا ہے کہ خوبی اُس کی انصاف ناظرین منصفین پر موقوف ہے مگراس کا کیا علاج ہے کہ نہ آپ اس کو قبول کریں اورنہ جواب شافی دیں۔ **قولہ** ۔خودآیت وَاِنْ مِّنْ اَھْلِ الْکِتٰبِ ۔الخ۔**اقول** ہرگز ہرگز صریح نہیں بلکہ ذوالوجوہ ہے کما مرّ بیانه. **قولہ** رہی یہ بات کہ بعض مفسرین نے الخ۔**اقول** یہ التباس حق کا ساتھ غیرحق کے کیا گیا ہے کیونکہ جب ضمیر قبل موتہٖ کی کتابی کی طرف راجع

﴿۱۶۳﴾

ہو گی تو سوائے معنے مضارع کے جو دونوں زمانوں حال و استقبال کو شامل ہے۔ اور کیا معنے ہوں گے اور جملہ تفاسیر میں ضمیر قبل موتہٖ کی کتابی کی طرف راجع کی ہے حتیٰ کہ جلالین جو اخصر التفاسیر ہے اس میں بھی اول قول یہی لکھا ہے کہ ضمیر قبل موتہٖ کی کتابی کی طرف راجع ہے پھر اور تفاسیر کا تو ذکر ہی کیا ہے۔ پھر کوئی اہل علم ایسی بات منہ سے نکال سکتا ہے کہ حال و استمرار کے معنے یہاں پر غلط محض ہیں۔ اور اگر حضرت اقدس نے اس تقدیر پر بھی معنے استقبال کا مراد ہونا ممکن فرمایا ہے تو اس سے یہ کب لازم آتا ہے کہ حال و استمرار کا مراد ہونا باطل ہے ایک وجہ کی امکان صحت سے دوسری وجوہ کا ابطال کیونکر لازم آ گیا۔ **قولہ** بلکہ یہ خروج بقول آپ کے آپ پر لازم آ گیا الخ **اقول** مولانا آپ نے ضرور اس شرط کا خیال و لحاظ نہیں کیا اور حضرت اقدس نے اس شرط کو پورا کر دیا کیونکہ نون ثقیلہ کا جو استعمال صحیح صحیح تھا اس کو بھی قرآن مجید سے ہی ثابت کر دیا اور جناب نے بمقابلہ قرآن مجید کے غیر کتاب اللہ و سنت رسول کی طرف رجوع کیا اور اقوال اور فہم رجال سے جو خود بموجب آپ کے اقرار کے حجت نہیں استدلال کیا۔ اور ازالہ اوہام کے صفحہ ٦٦ سے جو جناب نے حضرت اقدس کو الزام دیا ہے وہ ٹھیک نہیں ہے بچند وجوہ۔ اما اولاً آنکہ ازالہ اوہام کی تقریر کے وقت آپ کب مخاطب تھے اور **فیمابین** جناب اور مرزا صاحب کے ازالہ اوہام کی تحریر کے وقت یہ شرط کب ہوئی تھی کہ **قال اللّٰہ** اور **قال الرسول** سے باہر نہ جاویں گے۔ یہ شرط تو آپ سے اس مباحثہ میں ہوئی ہے۔ اور ازالہ اوہام جواب ہے سب مخالفین مختلف طبائع کا ہر شخص کو اس کے فہم کے بموجب الزام اور جواب دیا گیا ہے پھر اس مباحثہ میں یہ نقض و اعتراض کیوں کیا جاتا ہے۔ اما ثانیاً آنکہ حضرت اقدس نے ازالہ اوہام کے صفحہ ۶۰۲ میں کس نحوی کے قول سے استناد کیا ہے وہاں پر بھی محاورہ قرآن مجید سے یہ بات ثابت کی ہے کہ **قَالَ** صیغہ ماضی کا ہے اور اسکے اول میں **اِذْ** موجود ہے جو تمام محاورات قرآن مجید میں واسطے ماضی کے آتا ہے۔ پس عبارت مندرجہ صفحہ ۶۰۲۔ ازالہ میں غیر اللہ کے کلام سے کب استدلال کیا ہے **بیّنوا توجروا**۔ مولانا یہی تو حضرت اقدس کا کمال ہے جو دوسرے میں نہیں پایا جاتا کہ ہر ایک مطلب کو قرآن مجید سے ہی استخراج و استنباط فرماتے ہیں **صدق اللّٰہ تعالٰی** لَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ[1] **قولہ** آپ ایسی باتیں کرتے ہیں الخ۔ **اقول** یہ تو آپ کا ہی مغالطہ ہے نہ حضرت اقدس کا ورنہ آپ پر لازم ہے کہ جن آیات میں آپ نے معنے استقبال کے لئے ہیں۔ اس استقبال کی تصریح یا تو قرآن مجید سے

[1] الانعام:٦٠

﴿۱۶۴﴾

یا حدیث صحیح سے یا قول صحابی سے ثابت کریں اور اس آیہ کو آپ بھی تو پیش نظر رکھیں کہ اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَ تَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَ اَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ [1] **قولہ** یہ بات بھی آپ کی سراسر مغالطہ دہی پر مبنی ہے الخ۔ **اقول** جناب نے بغیر سوچے اور تامل کئے اس مغالطہ کو جس کے مسندالیہ آپ ہی ہیں۔ حضرت اقدس کی طرف نسبت کیا ہے بیان اس کا یہ ہے کہ جو علماء عارف باللہ اور مؤید من اللہ ہوتے ہیں وہ بتائید روح القدس جملہ علوم کا استخراج قرآن مجید سے کر سکتے ہیں۔ **قال اللّٰہ تعالٰی**: لَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِىْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ [2] **وایضاً قال اللّٰہ تعالٰی** وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا [3] **وایضًا قال اللّٰہ تعالٰی**: وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا [4] اور علماء ظاہر کو یہ بات نصیب نہیں ہوسکتی ان کو البتہ اشد احتیاج طرف علوم رسمیہ اور فنون درسیہ کی ہوتی ہے یہ مسئلہ اپنے محل پر ثابت کیا گیا ہے اور کافی و کامل طور پر آیت کے معنے کا کھل جانا اور اس پر اکابر مومنین اہل زبان کی شہادت مل جانا ثابت ہوگیا اب اس کا کوئی اہل علم انکار نہیں کرسکتا اور کوئی قاعدہ نحویہ اجماعیہ آپ نے ایسا بیان نہیں فرمایا جس کا ادھر سے انکار کیا گیا ہو۔ اور نون ثقیلہ کا حال تو آپ کو معلوم ہو چکا اور اب یہ بھی سنا جاتا ہے کہ سابق میں جس قدر رشدّ و مدّ سے نون ثقیلہ کی بحث طلبہ کے روبرو بیان فرمایا کرتے تھے اب اس نون ثقیلہ کا نام تک نہیں لیا جاتا۔ مثل مشہور ہے **جولة غير الحق ساعةً وجولة الحق الى الساعة** اور حضرت اقدس نے کسی علم میں آپ سے الزام نہیں کھایا۔ تمام علوم رسمیہ اور فنون درسیہ کے رو سے جناب پر ہی الزام عائد ہوگیا ہے۔ **کما مرّ**۔ اور ایسی باتیں کرنے سے جو آپکی یہ غرض ہے کہ حضرت اقدس کی ناواقفی علوم درسیہ سے لوگوں پر ثابت کریں یہ غرض ہرگز حاصل نہیں ہوگی۔ کیونکہ علاقہ پنجاب میں سب کو معلوم ہے کہ اوائل عمر میں سب مراحل اور جملہ منازل علوم درسیہ کے بھی آپ طے فرما چکے ہیں اور فی الحقیقت یہ سچ ہے کہ علماء ظاہر کو ان علوم سے چارہ نہیں پھر مع ھٰذا آپ نے جو علماء ظاہر میں سے ہیں ان علوم کو کیوں ترک فرما رکھا ہے۔ پس اگر جناب کو حضرت اقدس سے مباحثہ کرنا ہے تو پہلے ان دو کاموں میں سے ایک کام کیجئے اور اگر ایک بھی آپ قبول نہ کریں گے تو یہ امر اس بات پر محمول ہوگا جس کو آپ حضرت اقدس کی طرف منسوب فرماتے ہیں یا تو ان علوم درسیہ کی اجماعی باتوں کے تسلیم کرنے کا اقرار کیجئے یا بالفعل مناظرہ موقوف کر کے ایک ایک کتاب ایسے قاعدوں کی رائج و شائع کیجئے جیسا نون ثقیلہ کا قاعدہ جناب نے ایجاد فرمایا ہے مگر اس کے ساتھ یہ بھی ہو کہ ان قواعد نو ایجاد کو سب علمائے اسلام

[1] البقرۃ:۴۵ [2] الانعام:۶۰ [3] العنکبوت:۷۰ [4] الکہف:۶۶

﴿۱۶۵﴾

قبول بھی کر لیں اور اگر سب علمائے اسلام نے قبول نہ کیا تو پھر ایسی ایجادوں سے کیا فائدہ ہوا۔ پس بموجب اس طریقہ کے جو جناب نے دربارہ نون ثقیلہ ایجاد کیا ہے کوئی عاقل کسی عاقل کو الزام نہیں دے سکتا جب آپ کسی علم میں ترمیم فرماویں گے تو دوسرا بھی ترمیم کر سکتا ہے **قولہ** اس کا جواب عامہ تفاسیر میں الخ۔ **اقول** یہ کون کہتا ہے کہ عامہ تفاسیر میں اس کا جواب بطور تاویلات رکیکہ اور توجیہات ضعیفہ کے نہیں لکھا مطلب تو یہ ہے کہ قواعد نحو جو کتب درسیہ نحو یہ میں لکھی ہیں۔ قراءت متواترہ اِنَّ ھٰذَان اس کے خلاف ہے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قواعد علوم تابع و خادم قرآن مجید ہیں۔ اور قرآن مجید سب کا متبوع اور مخدوم پس جملہ علوم کو تابع قرآن مجید کا کرنا ضرور ہے نہ برعکس۔ پس بمقابلہ و تعارض قرآن مجید کے کوئی قاعدہ ہو ساقط الاعتبار رہے گا۔ کما مربیانہ. **قولہ** یہ خطا فاحش ہے۔ **اقول** یہ خطا فاش ہے کیونکہ اِنَّ ھٰذَانِ قراءت متواترہ کب ہے جو یوں لکھا جاتا کہ بجائے اِنَّ ھٰذَیْنِ کے اِنَّ ھٰذَانِ لکھا ہوا اور لفظ فاش کو مولوی صاحب نے خلاف محاورہ فرس کے فاحش لکھا ہے یہ خطا فاش محاورہ فرس و نیز محاورہ اردو کے ہے۔ **قولہ** یہ بات اگر قواعد اختلافیہ کی نسبت الخ **اقول** جو مضارع موکد بہ لام تاکید معہ نون تاکید کے ہووے اس کا استعمال التزاماً خالص استقبال کیلئے ہونا کسی ایک امام نحو نے بھی نہیں لکھا۔ چہ جائیکہ اس پر اجماع ہو گیا ہو۔ **ومن ادعی الان فعلیہ البیان** اور میزان الصرف وغیرہ کے حاشیہ میں لکھی ہونے سے اجماع ائمہ نحات کا ثابت نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا آپ کو ضرور ہے کہ جلد اشتہار اس بات کا دیویں کہ خالص استقبال کا مراد ہونا اور وہ بھی التزاماً ہر ایک صیغہ مضارع موکد بلام تاکید و نون تاکید میں جو ہم نے لکھا تھا اور اس کو منسوب باجماع ائمہ نحات کیا تھا وہ خلاف نفس الامر کے اور غیر صحیح تھا ہم نے اس سے رجوع کیا تاکہ کوئی آپ کا معتقد دروازہ الحاد کا نہ کھولنے پاوے۔ **قولہ** سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ [1] **اقول** ۔التفاسیر المعتبرۃ تشھد بھا واللّٰہ الکریم. وَاِنَّهٗ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُوْنَ عَظِيْمٌ [2] **قولہ** آپ ان اکابر کا مطلب الخ۔ **اقول** ۔ آپ ہی ان اکابر مفسرین کا مطلب بالکل نہیں سمجھے فافھم۔ **قولہ** ۔توضیح المرام سے معلوم ہوتا ہے الخ **اقول**۔ **ایّھا الناظرین** ذرا انصاف کرو اور برائے خدا، اللہ تعالیٰ سے ڈر کر توضیح المرام کو بھی دیکھو اور ازالۃ الاوہام کو بھی ملاحظہ کرو کہ حضرت اقدس نے کس جگہ پر آیت لیؤمننّ بہ قبل موتہٖ کو وفات مسیح پر قطعی الدلالت یقینی یا صریح الدلالت لکھا ہے جو مولوی صاحب بطور معارضہ کے فرماتے ہیں کہ آپ کی یہ تقریر بادنیٰ تغیر آپ پر منعکس ہو جاتی ہے الخ ہاں البتہ اگر حضرت اقدس آیت لیؤمننّ بہٖ قبل موتہٖ کو وفات مسیح پر قطعی الدلالت فرماتے جیسا کہ مولوی صاحب اس آیہ کو حیات مسیح پر

[1] النور: ۱۷ [2] الواقعۃ: ۷۷

﴿۱۶۶﴾

قطعی الدلالت فرماتے ہیں تو بالضرور جو الزام مولوی صاحب پر عائد ہے وہ حضرت اقدس پر بھی عائد ہو جاتا **واذ لا فلا** آگے رہی یہ بات کہ کوئی ایسے معنے کسی آیت کے جو مفسرین سابقین پر مکشوف نہ ہوئے ہوں اور وہ حضرت اقدس مرزا صاحب پر مکشوف ہوں سو اس میں کوئی محذور لازم نہیں آتا **کم ترک الاول للاٰخر** مثل مشہور ہے کیونکہ یہ بات اپنے محل پر ثابت کی گئی ہے کہ معارف و اسرار قرآن مجید کے ایک خزائن لا انتہا ہیں جو وقتاً فوقتاً اولیاء اللہ اور علماء عارفین باللہ پر نازل ہوتے رہتے ہیں پچھلے مفسرین نے یہ کب دعویٰ کیا ہے کہ جس قدر معارف و اسرار قرآن مجید کے تھے وہ سب ہم پر مکشوف ہو گئے اور اب آئندہ کوئی اسرار اور معارف باقی نہیں رہا۔ خصوصاً تفاصیل و تفاسیر ان پیشگوئیوں کی جو ابھی تک واقع نہیں ہوئیں ان کی نسبت تو سب کا یہ اقرار ہے کہ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ [1] **قال اللّٰہ تعالٰی:** وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ ۫ وَمَا نُنَزِّلُهٗۤ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ [2] جب کہ ہر شے کی نسبت ایسا کچھ ارشاد فرمایا گیا تو قرآن مجید جو افضل الاشیاء ہے اس کے خزائن اسرار کا کیا ذکر ہے **قولہ** یہ طعن بادنیٰ تغیر آپ پر بھی وارد ہوتے ہیں۔ **اقول** ۔ **جوابہ مرّ آنفا۔ قولہ** اس عبارت سے صرف اس قدر ثابت ہوتا ہے الخ۔ **اقول** ۔ جو معنے آیت **لیؤمننّ بہ قبل موتہٖ** کے آپ لیتے ہیں ان معنے کو تمام مفسرین محققین نے سوائے ابن جریر طبری **ومن تبعہ** کے بطور مرجوح قول ضعیف قرار دیا ہے اور قول اول اور راجح یہی لکھا ہے کہ ضمیر **قبل موتہٖ** کی طرف کتابی کے راجع ہے اور مانا کہ دونوں احتمال مساوی درجہ پر ہیں اور پھر یہ بھی تسلیم کیا کہ آپ کے نزدیک قول مرجوح تو راجح ہے اور قول راجح مرجوح ہے لیکن مع ھٰذا ایک قول کو قطعی الدلالت کہنا باطل ہے **اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال** ۔ اور آیت اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ بالضرور وفات مسیح میں صریح الدلالت ہے اور **توفّی** کے معنے میں سوائے وفات کے جو اور قول لکھے ہیں وہ غیر صحیح ہیں۔ اب اگر کہا جاوے کہ جب کہ تم نے آیت **لیؤمننّ بہ قبل موتہٖ** کو بسبب ذوالوجوہ اور ذو احتمالات ہونے کے متشابہ قرار دے دیا۔ اور تمہارے نزدیک صریح الدلالت نہ رہی تو پھر آیت **متوفّیک** اور **فلمّا توفّیتنی** بھی وفات مسیح میں صریح الدلالت نہ رہی کیونکہ وہ بھی ذوالوجوہ ہے اس واسطے کہ تفاسیر میں معنے **توفّی** کے سوائے موت کے اور کچھ بھی تو لکھے ہیں۔ تو جواب یہ ہے کہ احتمال کی دو قسمیں ہیں ایک تو احتمال ناشی عن الدلیل ہوتا ہے اور دوم احتمال غیر ناشی عن الدلیل۔ احتمال ناشی عن الدلیل مقبول ہوتا ہے اور جس

[1] البقرۃ: ۳۳ [2] الحجر : ۲۲

﴿۱۶۷﴾ کلام میں احتمال ناشی عن الدلیل پیدا ہو وہ کلام بالضرور ایک وجہ پر قطعی الدلالت نہیں رہتا۔ اور جو احتمال غیر ناشی عن الدلیل ہے وہ عند اولی الابصار ساقط الاعتبار ہوتا ہے۔ اگر ایسے احتمالات بعیدہ کا لحاظ کیا جاوے تو ہم کو ضروریات دین کا ثابت کرنا بھی مشکل ہو جاوے گا تفاسیر میں سب طرح کے اقوال ضعیفہ و رکیکہ و روایات موضوعہ مندرج ہیں اگر ان سب روایات موضوعہ اور اقوال رکیکہ کو تسلیم کیا جاوے تو پھر شرع اسلام میں ایک بڑا غدر برپا ہو جاوے گا اور اگر کوئی کہے کہ توفّی کے معنوں میں سوائے وفات و موت کے جو دوسرا احتمال مفید مخالفین ہے وہ بھی ناشی عن الدلیل ہے۔ تو گذارش یہ ہے کہ ایسے مدعی پر لازم ہے کہ ثبوت اس احتمال کا دلیل سے ثابت کرے اور انعام ایک ہزار روپیہ کا جو حضرت اقدس نے ازالۃ الاوہام میں ایسے شخص کے واسطے مشتہر کیا ہے وہ طلب کرے بعد طے کرنے اس مرحلہ کے یہ بات زبان پر لاوے کہ معنے توفّی میں سوائے موت و وفات کے دوسرا احتمال بھی ناشی عن الدلیل ہے۔ ودونہ خرط القتاد **قولہ** نووی کی عبارت سے صرف اس قدر ثابت ہوتا ہے الخ۔ **اقول** جب کہ نووی جیسے شارح حدیث نے یہ امر بدلیل ثابت کیا ہے کہ اکثر ائمہ تفسیر نے ضمیر موتہٖ کی کتابی کی طرف راجع کی ہے تو قطعی الدلالت ہونے میں آیت مذکورہ کے درباره حیات مسیح کیونکر فرق نہ آوے گا۔ آگے رہا آپ کا جرح جو نسبت قطعی الدلالت ہونے آیت متوفّیک وغیرہ کے کیا ہے اس کا جواب مختصر ابھی اوپر گذر چکا ہے اور تفسیر ابن کثیر میں جو یہ قول نقل کیا ہے کہ المراد بالوفاة ھھنا النوم یہ جناب کو کچھ مفید نہیں کیونکہ یہ رائے ہے ایک مفسر کی غایۃ الامر یہ کہ ایک جماعت قلیلہ کی رائے ہے جو غیر پر حجت نہیں۔ خصوصاً ایسی حالت میں جو صحیح بخاری کی معارض ہے بالفعل ہم اس رائے پر یہ جرح کرتے ہیں کہ اگر مراد توفّی سے انامت ہوتی تو فَیُرْسِلُ الْاُخْرٰی کا مضمون واقع ہو جاتا یا اس کی نسبت کچھ ایسی تصریح ہوتی کہ یہ نوم ایک غیر معہود نوم ہے یہ کیسی نوم ہے کہ قریب دو ہزار برس کے گذر چکے اور ابھی تک فَیُرْسِلُ الاخرٰی واقع نہیں ہوا کما مرّ بیانہ سابقاً اور حضرت اقدس مرزا صاحب نے کسی جگہ پر آیت وَاِنْ مِّنْ اَھْلِ الْکِتٰبِ کو وفات مسیح میں قطعی الدلالت نہیں لکھا ومن ادعی فعلیہ تصحیح نقل قولہ۔ **قولہ** اور ایک ترجمہ کر کے اوراق کو بڑھایا ہے الخ **اقول** جب کہ اختلاف مع الدلیل ہے تو ثابت ہو چکا کہ منافی قطعیت ہے اور آیت اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ اور فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ میں جو احتمال دوسرا معنے توفّی میں ہے وہ ناشی عن الدلیل نہیں لہٰذا وہ احتمال اس کے

﴿۱۶۸﴾ قطعی الدلالت ہونے میں مضر نہیں ہوسکتا اور یہ چند مرتبہ گذر چکا کہ آیت وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ کو حضرت اقدس نے دربارہ وفات مسیح قطعی الدلالت کہیں نہیں لکھا **قولہ** اور تفسیر مظہری والے کا یہ تقول الخ **اقول** مولانا صاحب قول صاحب تفسیر مظہری کا اگر آپ کے نزدیک تقول تھا اور مخدوش تھا اور مخالف تھا عامہ تفاسیر کی تو کسی تفسیر سے اس کا مخدوش ہونا بدلائل ثابت کیا ہوتا بلا وجہ کسی مفسر کے قول مبرہن کو مخدوش اور تقول اور مخالف کہہ دینا دیانت اور انصاف کے خلاف ہے اور جو صارف معنے حال سے جناب نے نون ثقیلہ کو قرار دیا تھا وہ تو صارف رہا ہی نہیں پھر اگر کوئی طالب حق تفسیر مظہری کی طرف سے آپ کی خدمت میں یہ کہے کہ لام تاکید جو حال کے واسطے آتا ہے وہ صارف عن معنے الاستقبال ہے تو آپ اس کا کیا جواب دیویں گے اور طرفہ یہ ہے کہ جس تفسیر کی عبارت کو جناب نے دار مدار اپنے مباحثہ کا گردانا ہے اور مناط استدلال اس کو قرار دیا ہے اس عبارت میں خود جناب نے یہ قول بھی نقل کیا ہے ۔ وقال الحسن البصری یعنی النجاشی و اصحابہ رواھما ابن ابی حاتم ۔ اب آپ ہی انصاف فرماویں کہ جب حال کے معنے آپ کے نزدیک محض باطل تھے تو جناب نے قول حسن بصری کو جو مناقض آپ کے مدعا کے ہے کیوں نقل فرمایا اور اس کا ابطال بدلیل کیوں نہیں کیا یہ کیا بات ہے کہ جس معنے کو التزاماً آپ مراد لیتے ہیں اس پر استدلال قول مناقض سے کیا جاوے ۔ اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ اور رواۃ اسناد قراءت ابی بن کعب کی جو تفسیر ابن کثیر میں درج ہیں اور جناب نے ان کی تضعیف کی ہے اور علم اسماء الرجال میں ہمہ دانی ظاہر فرمائی ہے اس کی نسبت یہ گذارش ہے کہ جناب کی تحریر میں خفیف بالفا لکھا ہوا ہے اور تقریب میں کسی جگہ خفیف کا ترجمہ نہیں لکھا اگر خصیب بصاد و با ہے تو جناب پر واجب تھا کہ اوّل تو بمقابل حضرت اقدس مرزا صاحب کے جو آپ کے نزدیک علم اسماء الرجال میں دخل نہیں رکھتے اور شائد اس علم میں حضرت اقدس کو توجہ والتفات نہ ہوا ہو کیونکہ مولانا شاہ ولی اللہ صاحب نے بھی حجۃ اللہ میں اس علم کو قشر علوم حدیث فرمایا ہے اندریں صورت آپ ثابت کرتے کہ خصیب تین ہیں جن میں سے یہاں پر خصیب بصیغہ تصغیر معین ہے اور یہ ترجمہ اس کا جو مراتب اثنا عشر سے مرتبہ خامسہ پر واقع ہے کہ بموجب علم اصول حدیث کے اس مرتبہ خامسہ کا فلاں حکم ہے مثلاً یہ کہ حدیث اس کی اس مرتبہ فلاں کی ہوتی ہے ۔ علٰی هٰذَا القیاس ۔ عتاب بن بشیر کا مرتبہ بھی مراتب اثنا عشر سے مرتبہ خامسہ پر ہے پس بمقابلہ ہم جیسے طلبہ کے جو علم اسماء الرجال سے بے خبر ہیں اس قدر تو آپ پر ضرور واجب تھا کہ رواۃ مرتبہ خامسہ کا حکم علم اصول حدیث سے بیان فرما دیتے تا کہ یہ معلوم ہو جاتا کہ ایسے رواۃ مرتبہ خامسہ کی روایت سے جو کوئی قراءت آئی ہو اس سے تائید

﴿۱۶۹﴾

کرنا کسی معنے قراءت متواترہ کا جیسا کہ تمام مفسرین محققین نے کیا ہے درست نہیں ہے اب تھوڑی سی گذارش اور ہے کہ **عتاب** بن بشیر سے بخاری۔ ابوداؤد۔ ترمذی۔ نسائی نے تخریج کی ہے جیسا کہ تقریب میں بھی لکھا ہے کیا جناب کے نزدیک یہ **عتاب** ساقط الاعتبار ہے۔ آگے رہا **خصیب** جن محدثوں نے اس سے تخریج کی ہے اس کو میں ابھی نہیں لکھتا کیونکہ تقریب میں بھی اس کے ترجمہ میں اس مقام پر کچھ نہیں لکھا دیکھ رہا ہوں کہ آپ **عتاب** کی نسبت کیا جواب دیتے ہیں یا اس ناچیز پر عتاب ہی **عتاب** فرماتے ہیں۔ **قولہ** عموماً یہ بات غلط ہے۔ **اقول** اس اسناد کی رواۃ میں علل ظاہرہ تو جناب والا بیان فرما چکے لیکن علل خفیہ غامضہ سے اطلاع نہ فرمائی۔ شائد اس واسطے کہ ان کی پرکھ سوائے جناب والا کے اور کسی کو حاصل نہیں اسی واسطے تمام مفسرین محققین نے اس قراءت سے بغیر تحقیق تائید معنے قراءت متواترہ کے فرمائی ہے کیونکہ وہ ان علل خفیّہ غامضہ سے واقف نہ تھے اور جناب والا واقف ہیں۔ **قولہ** ہاں دو قول مرجع ضمیر **قبل موتہٖ** میں البتہ منقول ہیں الخ **اقول** جب کہ حسب اقرار جناب کے دو قول آیت کی تفسیر میں منقول ہیں اور یہ ثابت ہو چکا کہ تمام تفاسیر میں قول راجح بدلائل یہی لکھا ہے کہ ضمیر **قبل موتہٖ** کی **کتابی** کی طرف راجع ہے تو پھر جو معنے جناب لیتے ہیں ان کی قطعیت میں کیونکر فرق نہ آوے گا اور **وماھو جوابکم فھو جوابنا** جو ارشاد ہے وہ یہاں پر نہیں ہوسکتا یہ تو قیاس مع الفارق ہے کیونکہ آیت **اِنِّی مُتَوَفِّیْکَ** اور **فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِی** میں احتمال مخالف غیر ناشی عن الدلیل ہے یہ تو مقابلہ نص کا ہوا جاتا ہے۔ ساتھ قول کے بلکہ ترجیح قول کی اوپر نص کے ہوئی جاتی ہے اور یہی تو تقلید ناجائز ہے جس کو ہم اور آپ مدت سے چھوڑے بیٹھے ہیں ذوالوجوہ کلام میں خواہ کلام الٰہی ہو یا کلام رسول مقبول صلعم کسی معنے کو اقوال سے ترجیح ہوسکتی ہے اور نص کے مقابل قول کی ترجیح درست نہیں کتب اصول فقہ مثل مسلم الثبوت وغیرہ کے یہ مسئلہ معتبر نہیں ہو چکا ہے بسبب عدم فرق کرنے کے ان دونوں امروں میں جناب والا کو اس مقام پر دھوکا ہو گیا ہے ذرا اس بارہ میں غور فرمایا جاوے پس ثابت ہوا کہ یہ قیاس جناب کا قیاس مع الفارق ہے **قولہ** یہ کذب صریح ہے **اقول** صحیح بخاری سے ثابت ہو چکا ہے کہ ابن عباس وفات مسیح کے قائل ہیں۔ پس بحکم قاعدہ اصول حدیث کہ صحیح بخاری مقدم ہے سب کتب حدیث پر **اصحّ الکتب بعد کتاب اللّٰہ صحیح البخاری** مسئلہ مسلمہ ہے پس سوائے اس کے جو قول مخالف ابن عباس کا ہے ساقط رہے گا پھر گذارش یہ ہے کہ بعض ائمہ دیگر بھی مثل ابن اسحاق اور وہب وغیرہ کے وفات مسیح کے قائل ہیں اور جو معنے اس آیت کے ابو مالک نے کئے ہیں کہ **ذٰلک عند نزول عیسی بن مریم لایبقٰی احد من**

﴿۱۷۰﴾ اھل الکتاب الا من اٰمن بہٖ اس کو آپ فرما چکے ہیں کہ آیت سے یہ معنے یعنی وقت نزول ہرگز ثابت نہیں ہوتے اور حسن بصری کی طرف قبول ان معنے کا اسناد کرنا نہایت موجب تعجب ہے حسن بصری کا قول تو جناب نے یہ نقل کیا ہے یعنی النجاشی و اصحابه اس قول میں معنے استقبال سے کیا نسبت یہ تو خاص حال ہو گیا اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ تو خود ان معنے کا قبول بطور شک کے فرماتے ہیں نہ مثل جناب کے کہ یہ آیت معنے مطلوب میں قطعی الدلالت لذا تہا ہے اور ابن کثیر سے جو جناب نقل فرماتے ہیں کہ یہ معنی بدلیل قاطع ثابت ہیں الخ۔ لہٰذا جناب سے مطالبہ دلیل قاطع کا ہے وہ دلیل قاطع بیان فرمائی جاوے۔ ؎ نگفتہ ندارد کسی با تو کار۔ ولیکن چو گفتی دلیلش بیار آگے رہا کسی قول کا کسی کے نزدیک اولیٰ ہونا یا اصح ہونا سو یہ چیز دیگر ہے اور قطعی الدلالت ہونا چیز دیگر وشتّان بینھما پس تقریب دلیل جناب کی محض ناتمام ہے **قولہ** میں تو وہی معنے جو تمام صحابہ و تابعین وغیرہم سے الخ **اقول**۔ تمام صحابہ یا تابعین سے منقول ہونا ان معنی کا غیر صحیح ثابت ہو چکا اور آپ خود تسلیم فرما چکے کہ ہاں دو قول مرجع ضمیر قبل موتہٖ میں البتہ منقول ہیں انتھٰی قولکم پس ایسا کچھ فرمانا جناب کا اس اقرار کے مناقض ہے اور مسائل مستنبط کتاب وسنت کو مخترع فرمانا یہ ایک اختراع جدید ہے اور اہل لسان اپنی کلام میں ازمنہ ثلثہ کی تصریح کب کیا کرتے ہیں بلکہ عجم کے علماء اور غیر علماء بھی وقت تخاطب کے ایسی تصریحات نہیں کیا کرتے یہ صرف عجم کے اطفال وقت پڑھنے میزان منشعب کے پڑھا کرتے ہیں کہ فَعَلَ کیا اس ایک مرد نے بیچ زمانہ گذرے ہوئے کے صیغہ واحد مذکر غائب کا بحث اثبات فعل ماضی معروف کی۔ اور حضرت اقدس مرزا صاحب نے جو زمانہ استقبال کو بھی تسلیم فرما کر معنے بیان فرمائے ہیں وہ تو یہ مضمون ہے کہ خصم را تا بدر وازہ باید رسانید یہ جناب کو کیا مفید ہے اور یہ جو آپ ارشاد فرماتے ہیں کہ جن صحابہ نے ارجاع ضمیر کا طرف کتابی کے کیا ہے وہ خطا پر ہیں اگر آپ کی اس تخطیہ صحابہ کو سرسری طور پر تسلیم بھی کر لیا جاوے تو حضرت مرزا صاحب جو عاشق رسول مقبول اور فریفتہ محبت صحابہ صلعم ہیں ہرگز اس آپ کی بات کو تسلیم نہ کریں گے کہ وہ صحابہ قطعی غلطی اور باطل پر ہیں جیسا کہ آپ پرچہ اول میں فرما چکے ہیں کہ جتنے معنے اس کے ماعدا ہیں سب غلط اور باطل ہیں كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ[1] پس کیونکر ہو سکتا ہے کہ یہ مقام استبعاد کا نہ ہو **قولہ** قراءت مذکورہ فی الواقع ضعیف ہے الخ **اقول** جب تک کہ حکم ترجمہ عتّاب بن بشیر اور خصیب کا بموجب علم اصول حدیث کے بیان نہ فرمایا جاوے اور یہ ثابت نہ کیا جاوے کہ ایسے رواۃ جو مرتبہ خامسہ میں واقع ہیں ان کی روایت سے جو قراءت آئی ہو اس سے تائید معنی قراءت کے درست نہیں تب تک یہ قول قابل قبول نہیں ہو سکتا کیونکہ تمام مفسرین محققین اس

[1] الکھف : ۶

﴿۱۷۱﴾

قرآت کوواسطے تائید معنے قراءت متواترہ کے لائے ہیں **قولہ** معنے مذکور کا فساد اس وجہ سے نہیں ہے الخ **اقول** جب کہ اس معنے کا فساد جو آپ کے معنے کے مخالف ہیں۔ اس وجہ سے نہیں ہے کہ وہ مخالف ہو قاعدہ نحو کے تو پھر اور کس وجہ سے وہ فساد ہے بیان فرمایا جاوے ہم نے یہ بھی تسلیم کیا کہ آپ کے معنے قاعدہ نحو کے سراسر موافق ہیں لیکن اس سے یہ کب لازم آتا ہے کہ دوسرے معنے جو حسب اقرار جناب کے مخالف قاعدہ نحو کے نہیں ہیں وہ فاسد اور باطل ہوں۔ یہ کیسا معما ارشاد فرمایا گیا ذرا سوچکر اور تامل فرما کر توضیح اس کی فرمائی جاوے **قولہ** پس اس قول کا کذب **کالشمس فی نصف النہار** ظاہر ہوگیا **اقول** یہ بات اپنے محل پر ثابت ہو چکی ہے کہ جب صرف اقوال رجال میں بحث آ کر پڑتی ہے تو لحاظ کثرت اقوال کا کیا جاتا ہے نہ قلّت کا پس اگر تمام جہان کی تفسیروں میں سے ایک تفسیر ابن جریر جناب نے پیش فرمادی اور ابن کثیر اس کا تابع ہوا تو اس سے قطعیّت معنے جناب کی کیونکر حاصل ہوگئی۔ ایک یا دو مفسرین تو ایک طرف اور تمام جہان کی تفسیریں دوسری طرف۔ اب آپ ہی انصاف سے فرماویں کہ کس کو ترجیح دی جاوے گی پھر اگر حضرت اقدس مرزا صاحب نے بموجب مثل مشہور و مقبول **وللاکثر حکم الکل** کے ایسا کچھ ارشاد فرمایا کہ سب کے سب آپ ہی کے معنے کو ضعیف ٹھہراتے ہیں تو اس قول کا کذب **کالشمس فی نصف النہار** کیونکر ظاہر ہوگیا۔ **بحکم النادر کالمعدوم وللاکثر حکم الکل** کے یہ تو عکس القضیہ ہے اور پھر یہ سب مضمون اس صورت میں ہے کہ معنے مطلوب جناب کے نصوص کے متعارض نہ ہوتے درصورتیکہ یہ معنے متعارض نصوص بیّنہ کے ہیں تو پھر ابن جریر کے قول سے جس کا تابع ابن کثیر بھی ہوگیا ہے قطعیت آپ کے معنے کی اور بطلان دوسرے معنے کا کیونکر ثابت ہوسکتا ہے **بیّنوا توجروا** **قولہ** بالجملہ مقصود رفع مخالفت ہے نہ اثبات دعویٰ۔ **اقول** بڑے تعجب کی بات ہے جب آپ کے معنے پر کوئی بڑا فساد لازم آتا ہے تب آپ دعوے ہی سے دست بردار ہو جاتے ہیں اور پھر بھی اپنے دعوے کو قطعی الثبوت فرمائے جاتے ہیں۔ جناب من اگر معنے قراءت متواترہ کے وہ کئے جاویں جو قراءت غیر متواترہ سے ثابت ہوتے ہیں تو پھر دعوے جناب پر اب کونسی دلیل باقی رہ گئی۔ مولانا رفع مخالفت جو آپ کیا کریں ذرہ سوچ کر اور تامل فرما کر کیا کریں وہ رفع مخالفت ہی کیا ہوا جس سے دعویٰ بالکل نیست و نابود ہو جاوے۔ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّتِيْ نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ اَنْكَاثًا[1] **قولہ** سند میں جو جرح ہے وہ الخ **اقول** کوئی ایسی جرح جناب نے بیان نہیں فرمائی جس سے تمام مفسرین محققین کا اس قراءت غیر متواترہ

[1] النحل : ۹۳

﴿۱۷۲﴾

کو واسطے تائید معنے قراءت متواترہ کے لانا باطل ثابت ہو اور اس کا جناب سے مطالبہ ہے **قولہ** تفسیر ابن جریر اور تفسیر ابن کثیر اس معنے کی صحت پر معترض ہیں **اقول** جواب اس کا مکرر سہ کرر گذر چکا۔ بھلا تیرہ سو برس کی تفاسیر اس قدر کثیر کا مقابلہ صرف ایک تفسیر ابن جریر و من تبعہ یعنے ابن کثیر کیا کرے گی **وللاکثر حکم الکل و النادر کالمعدوم** علاوہ یہ کہ اقوال مندرجہ ابن جریر معارض ہیں نصوص قرآن مجید اور حدیث شریف کے **فتسقط لا محالة قولہ** یہ محض غلط ہے الخ **اقول** یہ ثبوت **تعارض بین المعنیین** کی کیا عمدہ دلیل ارشاد ہوئی ہے سبحان اللہ مگر یہ تو ارشاد ہو کہ یہ تعارض کونسا ہے آیا صرف تعارض عرفی بمعنے متعدد کے ہے یا بمعنے تناقض منطقی کے۔ بشق اول حضرت مرزا صاحب کو کچھ مضر نہیں دو متعدد معنے جمع ہو سکتے ہیں مثلث مثلاً یہ معنے کہ ہر ایک اہل کتاب کو قبل موت عیسیٰ بن مریم کے یہ خیالات شک و شبہ صلب و قتل کے حضرت عیسیٰ بن مریم کی نسبت چلے آتے ہیں جو اس آیت کے اوپر مذکور ہیں اور ان کو ان شبہات کے ہونے پر یقین ہے اور یہ معنے کہ ہر ایک اہل کتاب اپنے مرنے سے پہلے اس بیان مذکورہ بالا پر ایمان و یقین رکھتا ہے کہ مسیح بن مریم یقینی طور پر صلب و قتل کی موت سے نہیں مرا اس کے قتل یا صلب کی نسبت صرف شکوک و شبہات ہیں **علیٰ ھٰذا القیاس** اور معانی جو حضرت اقدس نے ازالہ وغیرہ میں بہ سبب ذو الوجوہ ہونے آیت کے لکھے ہیں وہ متناقض نہیں جو باہم جمع نہ ہو سکیں۔ اور بشق ثانی ان دونوں معنوں میں تناقض ثابت فرمایا جاوے ورنہ حضرت مرزا صاحب کا یہ کہنا کہ الہامی معنے ان معنوں کے مغائر نہیں بہت درست اور نہایت صحیح ہے۔ پھر سخت تعارض اور بین تخالف کیسا۔ یہ کیا ضرورت ہے کہ درصورت ارجاع اس ضمیر کی طرف کتابی کے ہونے میں ہم نے ان دونوں معنی کا غیر متناقض ہونا ثابت کر دیا ورنہ جمع کیوں ہو سکتی **اجتماع النقیضین** تو درست ہے ہی نہیں اور حضرت مرزا صاحب یہ کب کہتے ہیں کہ ضمیر **قبل موتہٖ** کی طرف عیسیٰ بن مریم کے رجوع نہیں ہو سکتی وہ تو یہ کہتے ہیں کہ درصورت ارجاع ضمیر کے طرف عیسیٰ بن مریم کے وہ معنے جو آپ کرتے ہیں وہ مورد فساد ہیں اور اس وجہ سے قابل تسلیم نہیں ہیں اور آیت وَاِنْ مِّنْ اَھْلِ الْکِتٰبِ کو وفات مسیح میں مرزا صاحب نے کسی جگہ یقینی **صریحة الدلالت** اور **قطعیة الدلالت** نہیں لکھا ہاں وفات مسیح میں بطور اشارۃ النص کے لکھا ہے اب آپ ہی انصاف فرمائیے کہ آیت ذو الوجوہ کا باوجود اقرار ذو الوجوہ ہونے کے ایک وجہ پر اصرار کر کر اس وجہ کو قطعیۃ الدلالت کہہ دینا اور باقی وجوہ کا بلا دلیل جحد و انکار کرنا وَجَحَدُوْا بِهَا وَ اسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ[1] کا مصداق ہے یا نہیں۔ **قولہ** یہ امر مسلم ہے الخ۔

[1] النمل: ۱۵

﴿۱۷۳﴾

اقول یہ ایک نزاع لفظی ہے اور مرزا صاحب کو کچھ مضر نہیں۔ کسی کلمہ کے تکلم کے بعد متصلہ کا زمانہ آپ کے نزدیک استقبال قریب ہے اور اہل عربیہ کے نزدیک حال ہے۔ مطول اور ہوامش اس کے سے یہ مطلب ثابت ہو چکا اور ایسے مناقشات کرنے کی نسبت عرف اور اہل عربیہ کی طرف سے محشیان مطول وغیرہ یہ کہہ چکے کہ یہ مناقشات واہیہ ہیں **قولہ** فرق نہ کرنا الخ **اقول** فرق کرنا ایسی عرفی باتوں میں جو نہایت درجہ کی موشگافی ہے لاحاصل ولاطایل ہے جو منجملہ مناقشات واہیہ کے ہیں نہ داب محصلین جیسا کہ ماہر علم عربیہ وفنون بلاغت بلکہ قاصر پر بھی مخفی نہیں **قولہ** بلکہ کہا گیا ہے کہ اس کا ایفا الخ **اقول** اس کے کیا معنے کہ مجاہدہ تو کریں زمانہ حال میں اور ہدایت حاصل ہو کسی زمانہ نا معلوم آئندہ میں۔ اے مولانا مجاہدہ کے ساتھ ہی بطور اتصال لزومی کے ہدایت الٰہی فوراً اور معاً پہنچ جاتی ہے بلکہ مجاہدہ فی اللہ بھی خود ہدایت سے ہی ہوتا ہے۔ مجاہدہ اور ہدایت کا ایسا اتصال ہے جیسا طلوع شمس اور وجود نہار میں۔ اگر جناب کو اس میں کچھ کلام ہوگا تو انشاء اللہ تعالیٰ اس بارہ میں دلائل علمیہ کتاب وسنت سے پیش کی جاویں گی۔ بالفعل بطور تنبیہ کے مختصر عرض کیا گیا اور بڑے تعجب کی بات ہے کہ آپ یہ بھی فرماتے ہیں کہ ہم کو اس سنت اللہ سے ہرگز انکار نہیں کہ مجاہدہ کرنے پر ضرور ہدایت مرتب ہوتی ہے اور پھر بلا وجہ و بغیر دلیل یہ بھی فرماتے جاتے ہیں کہ اس آیت سے یہ مطلب ثابت نہیں ہوتا مولانا اس آیت سے تو یہ مطلب بطور عبارت النص کے ثابت ہوتا ہے اگرچہ دوسری آیات سے بھی ثابت ہو اور نون ثقیلہ کا حال تو ناظرین منصفین کو معلوم ہو چکا کہ اس نے اثبات مدعا جناب سے بالکل دست برداری کر دی ہے اور وہ آیت کے پورے معنے کو ادھورا نہیں کر سکتا۔ پھر ہمیں کیا ضرورت واقع ہوئی ہے کہ کلام ابلغ البلغاء کو پورے معنے سے عاری کر کر ادھورے معنے پر محمول کریں **قولہ** یہ آیات منافی قطعیۃ الدلالت الخ **اقول** آیت لیؤمننّ بہٖ آپ کے مسلک کے بموجب عام ہے اور مفہوم ان آیات کا خاص ہے اور یہ امر گذر چکا کہ خاص مخصص عام کا ہوا کرتا ہے نہ برعکس جو عکس القضیہ ہوا جاتا ہے و مرّ تفصیلہ **قولہ** یہ حصر غیر مسلّم ہے الخ **اقول** خود آپ کا حصر ہی معنے غلام میں جو صرف بمعنے کودک صغیر کیا گیا ہے غیر مسلّم ہے قاموس وغیرہ کو ملاحظہ فرمائیے اور منتہی الارب میں بھی لکھا ہے غلام بالضم کودک و مرد میانہ سال از لغات اضداد است یا از ہنگام ولادت تا آمد جوانی۔ پس اندریں صورت جو صراح وغیرہ سے نقل فرمایا گیا ہے جناب کو کچھ بھی مفید نہیں اور حضرت مرزا صاحب کو کچھ بھی مضر نہیں ہے **قولہ** اول یہ کہ آیت وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ الخ۔ **اقول**۔ چند مرتبہ عرض ہو چکا کہ حضرت مرزا صاحب

﴿۱۷۴﴾

اس آیت کو وفات مسیح میں **صریحۃ الدلالت** اور **قطعیۃ الدلالت** نہیں کہتے جیسا کہ جناب اس آیہ کو حیات مسیح میں قطعیۃ الدلالت فرماتے ہیں۔ بموجب اقرار جناب کے آپ کے نزدیک بھی ضمیر **قبل موتہٖ** کی ذوالوجوہ ہے جس کو اہل اصول نے ایسی ضمیر کو متشابہ کی مثال میں لکھا ہے پھر اگر ایک وجہ کو تسلیم کر کر اس کے معنے صحیح اور سالم عن الفساد حضرت مرزا صاحب نے بیان فرمائے ہیں تو اس سے یہ کب لازم آتا ہے کہ دوسری وجہ غلط اور باطل ہوگئی **قولہ** دوم برتقدیر موت بھی الخ **اقول** اللہ تعالیٰ جو اصدق الصادقین ہے فرماتا ہے۔ اَوْ تَرْقٰى فِي السَّمَآءِ ؕ وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ ؕ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا [1] اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مخبر صادق نے جو خبر دی ہے اس مسیح آنے والے کے واسطے از روئے احادیث متفق علیہ کے یہ قید بھی لگا دی ہے **و امامکم منکم** اور **فامّکم منکم** یعنی **امّکم بکتاب اللہ تعالیٰ وسنۃ رسولہ صلی اللّٰہ علیہ و سلم** پس جملہ احادیث مطلقہ جو درجہ تواتر معنوی کو پہنچی ہوئی ہیں ان سے مراد بھی یہی مقید ہوگا **کما مرّ تفصیلہ** پس ثابت ہوا کہ مخبر صادق نے یہ خبر بھی نہیں دی کہ مسیح بن مریم جو اس امت میں آنے والا ہے وہی عیسیٰ بن مریم بنی اسرائیلی آوے گا جو نبی ورسول بنی اسرائیل کا تھا بلکہ یہ خبر دی ہے۔ وہ مسیح آنے والا تم میں سے ایک ایسا اور ایسا امام ہوگا اور اس کی امامت کتاب اللہ کے معارف واسرار اور سنت رسول صلعم کے بیان دقائق وحقائق میں ہوگی جیسا کہ صحیح مسلم میں اس کی بحث واقع ہو چکی **قولہ** برتقدیر وفات بھی الخ **اقول** مولانا بڑی وجہ قوی اور معقول موجود ہے جس کا بیان مفصلاً ثابت ہو چکا یعنی حضرت عیسیٰ بن مریم رسول اللہ جنت میں داخل ہو چکے **قیل ادخل الجنۃ۔ وادخلی جنتی۔ وماھم منھا بمخرجین** + **قولہ** ظاہر اس سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ سوائے احادیث نزول کے دیگر الخ **اقول** ملاحظہ فرمایا جاوے ازالۃ الاوہام افادات البخاری صفحہ ۹۰۱ تا کہ جناب کو ثابت ہو کہ بخاری میں متعدد جگہ ابن مریم کا ذکر کر کے اس سے مراد کوئی مثیل لیا گیا ہے **قولہ** افسوس کہ باوجود الخ **اقول** باوجود اسکے کہ آپکے اقرار سے آیت **و ان من اھل الکتاب** حیات ووفات میں ذوالوجوہ ہے پھر بھی آپ اس کو قطعی الدلالت حیات میں فرماتے ہیں☆ **انا للہ وانا الیہ راجعون والی اللّٰہ المشتکیٰ** اب سنیے یہ تو آپ کی تحریر کا جواب ترکی بترکی ہوا اب ایک نہایت منصفانہ اور فیصلہ کرنے والا جواب دیا جاتا ہے آپ اگر انصاف کے مدعی اور حق کے طالب ہیں تو اسی جواب کا جواب دیں اور جواب ترکی بترکی سے تعارض نہ کریں ایسا کریں گے تو یقیناً سمجھا جاوے گا کہ آپ فیصلہ کرنا نہیں چاہتے اور احقاق حق سے آپ کو غرض نہیں

[1] بنی اسرائیل: ۹۴ ☆ دیکھئے اگلے صفحہ ۳۰۵ پر درج حاشیہ (حاشیہ صفحہ ۱۷۴ ایڈیشن اوّل)۔ ناشر

﴿۱۷۵﴾ ہے وہ جواب یہ ہے کہ مولوی صاحب میں نے کمال نیک نیتی سے احقاق حق کی غرض سے اپنے ان جملہ جوابوں کو جن کو میں اس وقت پیش کرنا چاہتا تھا یکبارگی قلمبند کر کے آپ کی خدمت میں پیش کر دیا اور آپ نے یہ بھی کہہ دیا تھا کہ میرا اصل تمسک اور مستقل دلیل پہلی آیت ہے مع ہذا اس کی قطعی الدلالت کے ثبوت میں قواعد نحویہ اجماعیہ کو پیش نہ کیا اگر آپ بھی نیک نیت اور طالب حق ہیں تو اس کے جواب میں دو صورتوں میں سے ایک صورت اختیار کریں یا تو جملہ دلائل و جوابات سے تعرض کریں اور ان میں سے ایک بات کا جواب بھی باقی نہ چھوڑیں یا میری بات یعنی وفات مسیح سے جو سنت اللہ کے موافق ہے تعرض فرماویں۔ اس کے سوا کسی بات کے جواب سے **متعرض** نہ ہوں مگر افسوس کہ آپ نہ پہلی صورت اختیار کرتے ہیں نہ دوسری بلکہ میری اصل بات کے علاوہ اور باتوں سے بھی تعرض کرتے ہیں مگر ان کو بھی ادھورا چھوڑا اور بہت سی باتوں کے جواب کا حوالہ آئندہ پر چھوڑا کہ ازالہ کا جواب یوں بسط سے دیا جاوے گا اور وُوں تفصیل سے رد کیا جاوے گا اور ان کے مقابلہ میں اپنے دلائل وغیرہ کے بیان کو بھی اپنے آئندہ رد ازالہ اوہام پر ملتوی کیا اور جو کچھ بیان کیا وہ ایسے انداز سے بیان کیا کہ اصل دلیل سے بہت دور چلے گئے اور اپنے بیان کو ایسے پیرایہ میں ادا کیا کہ اس سے عوام دھوکا کھاویں اور خواص ناخوش ہوں۔ اس کی ایک مثال آپ کی یہ بحث ہے کہ آپ مدعی نہیں ہیں۔ صاحبِ من جس حالت میں آپ نے خود مدعی ہو کر دلائل بھی پیش نہ کئے اور یہ بھی فرماتے رہے کہ میرا منصب مدعی ہونے کا نہیں ہے تو آپ کو اس بحث کی کیا ضرورت تھی صرف دلائل قطعیۃ الدلالت پیش کر دیتے۔ **دوسری مثال** یہ ہے کہ حضرت شیخنا و شیخ الکل کی رائے کے بھی آپ نے خلاف بے موقع کیا اور لوگوں کو یہ جتانا چاہا کہ حضرت شیخ الکل بھی اس بحث میں آپ سے علم کو کم رکھتے ہیں حالانکہ یہ امر خلاف ہے اور طرہ اس پر یہ ہے کہ وہ بھی............ اس بحث میں آپ کے مخاطب ہیں حالانکہ شیخ الکل نے اس بحث میں بسبب چند مصالح علمیت کے مناظرہ نہ فرمایا لہٰذا شیخ الکل کا ذکر آپ کے خطاب میں محض اجنبی و نامناسب تھا کیونکہ آپ کو شیخ الکل کی رائے سے مخالف ہونا نہیں چاہئے تھا اور نیز اپنے موافق مولوی محمد حسین صاحب سے بھی مخالفت مناسب نہیں تھی باوجودیکہ حضرت شیخ الکل نے فیما بین جناب اور مولوی صاحب بٹالوی ممدوح کے اس نزاع معلومہ کی بابت صلح بھی کرا دی تھی پھر ان کے نہ شریک کرنے میں کیا مصلحت تھی **تیسری مثال**

حاشیہ صفحہ ۱۷۴

ل عبارت زیر خط مولانا صاحب کی ہے اور کلمات غیر معلم بخطوط اس ہیچمدان کے ہیں ناظرین منصفین لطف اس معارضہ بالقلب کا حاصل کر کر داد انصاف دیں الانصاف احسن الاوصاف اور جو کلمات مولوی صاحب پر عائد ہوئے اور اس جگہ لکھے گئے ہیں وہ میری طرف سے نہیں مولوی صاحب کی ہی عبارت بعینہا ہے ؎ ایں جہان کوہست فعل ماندا باز می آید ندا ہارا صدا

﴿۱۷۶﴾

یہ ہے کہ آپ نے نہ صرف ایک تفسیر ابن جریر کی عبارت واقوال بعض صحابہ رضوان اللہ علیہم اور وہ بھی بطور شک کے جس پر اِنْ دلالت کرتا ہے نقل کر کے عوام الناس کو یہ جتانا چاہا ہے کہ تمام مفسرین اور عامہ صحابہ وتابعین مسئلہ حیات مسیح میں جو اس آیہ لیؤمننّ بہٖ قبل موتہٖ کو قطعی الدلالت نہیں کہتے محض غلطی اور باطل پر ہیں نعوذ باللہ منہ اور مع ھٰذا یہ بھی جتلانا چاہا ہے کہ وہ سب مرزا صاحب کے مخالف اور ہمارے موافق ہیں اور یہ محض مغالطہ ہے کوئی صحابی کوئی تابعی کوئی مفسر اس بات کا قائل نہیں ہے کہ حضرت مسیح بن مریم علیہ السلام کی حیات اس آیہ سے بطور قطعی الدلالت کے ثابت ہوتی ہے اور ابن جریر اور ابن کثیر کا مطلب بھی یہ نہیں۔ ہاں البتہ انہوں نے اپنی رائے کو ترجیح دے کر یہ تقوّل مسامحتاً کر دیا ہے کہ یہ رائے دلیل قاطع سے ثابت ہے چنانچہ اب جناب سے اسی دلیل قاطع کا مطالبہ ہے اگر موجود ہو تو بیان فرمائی جاوے **چوتھی مثال** آپ کا عوام الناس کو یہ جتانا ہے کہ نون لیؤمننّ کو باوجود لام تاکید کے التزاماً خالص استقبال کیلئے ٹھہرانا تمام صحابہ ومفسرین کا مذہب ہے جو سراسر آپ کا دھوکا و مغالطہ ہے آپ کی اس قسم کی باتوں کا میں تین دفعہ جواب ترکی بترکی دے چکا آئندہ بھی اگر یہی طریق جاری رہا تو اس سے آپ کو تو یہ فائدہ ہوگا کہ اصل بات ٹل جاوے گی اور آپ کی اتباع میں آپ کی جواب نویسی ثابت ہو جاوے گی مگر اس میں مسلمانوں کا یہ حرج ہوگا کہ ان پر نتیجہ بحث ظاہر نہ ہوگا اور آپ کا اصل حال نہ کھلے گا کہ آپ لاجواب ہو چکے ہیں اور اعتقاد حیات مسیح میں خطا پر ہیں اور بات کو اِدھر اُدھر لے جا کر ٹلا رہے ہیں لہٰذا آئندہ آپ کو اس پر مجبور کیا جاتا ہے کہ اگر بحث منظور اور الزام فرار سے احتراز مدنظر ہے تو زائد باتوں کو چھوڑ کر میری اصل بات یعنی وفات مسیح پر دلیل قطعی قائم کرنے میں کلام و بحث کو محدود و محصور کریں اور جو میں نے بہ شہادت قواعد نحو یہ اجماعیہ و باستدلال قواعد علم بلاغت واصول حدیث واصول فقہ وسائر علوم درسیہ رسمیہ کے مضمون آیت کا زمانہ استقبال کیلئے مخصوص نہ ہونا اور بصورت صحت تحقق اس مضمون کا وقت نزول سے مخصوص نہ ہونا ثابت کیا ہے اس کا جواب درصورت عدم تسلیم قواعد نحو یہ اجماعیہ وعلم بلاغت وغیرہ کے دو حرفی یہ دیں کہ تمام قواعد نحوی و قواعد علم بلاغت وغیرہ بے کار و بے اعتبار ہیں یا خاص کر یہ قاعدہ یعنی صیغہ مستقبل کا واسطے دوام تجددی کے آنا غلط ہے اور اس کو فلاں شخص امام فن نے غلط قرار دیا ہے اور اس کی غلطی پر قرآن یا حدیث صحیح یا اقوال عرب عرباء سے یہ دلیل ہے اور بجائے اس کے قاعدہ صحیحہ فلاں ہے☆ یا یہ کہ فہم معنے قرآن کیلئے کوئی قاعدہ علم بلاغت وعلم اصول فقہ وعلم اصول حدیث وغیرہ کا مقرر نہیں ہے جس

☆ خط کشیدہ عبارت ۱۸۹۲ء ایڈیشن میں موجود ہے جبکہ ۱۸۹۵ء کے ایڈیشن میں سہو کتابت سے نقل ہونے سے رہ گئی ہے۔ (ناشر)

﴿۱۷۷﴾

طرح کوئی چاہے قرآن کے معنے گھڑ سکتا ہے اور درصورت تسلیم قاعدہ اور تسلیم تعمیم مضمون آیت بزمانہ حال و استقبال یا تجدد دوامی کے اس مضمون کی تخصیص زمانہ نزول مسیح سے فلاں دلیل کی شہادت سے ثابت ہے یا اس تعمیم سے جو فائدہ بیان کیا گیا ہے وہ اور صورتوں اور اور معنے سے بھی جو بیان کئے گئے ہیں حاصل ہوسکتا ہے اور اگر مجرد اختلاف ایک دو مفسرین کا تفسیر آیت میں اس تعمیم کا مبطل ہوسکتا ہے اور مجرد اقوال ایک دو مفسر کے آپ کے نزدیک لائق استدلال و استناد ہیں تو آپ مفسرین صحابہ و تابعین کے ان اقوال کو جو درباره وفات مسیح وارد ہیں اور صحیح بخاری وغیرہ میں مذکور ہیں قبول کریں۔ کیونکہ اصح الکتاب بعد کتاب اللّٰہ صحیح البخاری مسئلہ مسلمہ ہے یا ان کے ایسے معنے بتا دیں جن سے حیات مسیح ثابت ہو ہم دعوے سے کہتے ہیں کہ جہان کے مفسرین اور جملہ صحابہ و تابعین ہمارے ساتھ ہیں ان میں کوئی اس کا قائل نہیں کہ مسیح بن مریم کی حیات اس آیہ سے بطور قطعیۃ الدلالت کے ثابت ہوتی ہے آپ ایک صحابی یا ایک تابعی یا ایک امام مفسر سے بہ سند صحیح اگر یہ ثابت کر دیں کہ حضرت مسیح کی حیات اس آیت سے بطور قطعیۃ الدلالت کے ثابت ہے اور برہان قطعی اس کی یہ ہے تو ہم وفات مسیح سے دست بردار ہو جاویں گے لیجئے ایک ہی بات میں بات طے ہوتی ہے اور فتح ہاتھ آتی ہے۔ اب اگر آپ یہ ثابت نہ کر سکے تو ہم سے تیس آیات قرآن شریف اور احادیث صحیح بخاری وغیرہ اور صحابہ و تابعین کے اقوال سنیں جن کو ہم آئندہ بھی جواب رد ازالہ اوہام میں انشاء اللہ تعالیٰ نقل کریں گے جیسا کہ بعض اب بھی بیان کئے گئے ہیں۔ آپ مانیں یا نہ مانیں عامہ ناظرین تو اس سے فائدہ اٹھاویں گے اور اس سے نتیجہ بحث نکالیں گے آپ سے ہم کو امید نہیں رہی کہ آپ اصل مدعا کی طرف آئیں اور زائد باتوں کو چھوڑ کر صرف وہ دو حرفی جواب دیں جو اس منصفانہ جواب میں آپ سے طلب کیا گیا ہے۔ واٰخر دعوانا ان الحمدُ لِلّٰہ ربّ العالمین و الصلوٰۃ و السلام علٰی خیر خلقہ محمد و اٰلہ و أصحابہ اجمعین وعلٰی من اتبع الرشد و الھدٰی من بعد ماتبین من الغی و الطغوی ۔ محررہ سیم ربیع الثانی ۱۳۰۹ھ کتبہ محمد احسن۔ امروہی نزیل بھوپال۔

﴿۱۷۸﴾

مراسلت نمبر (۲)☆

مابین

منشی بُوبہ شاہ صاحب و منشی محمد اسحٰق صاحب

اور مولوی سیّد محمد احسن صاحب

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

از خاکسار بوبہ شاہ و محمد اسحٰق بخدمت مولانا مولوی محمد احسن صاحب زادلطفہ‘

بعد مراسم مسنون تمنا مشحون مدعا آنکہ۔ شاید جناب کو یاد ہوگا جب آپ ہمراہ لشکر گورنر جنرل لارڈ رپن صاحب بہادر مقام لاہور میں تشریف لائے۔ چند اشخاص خدمت میں حاضر ہو کر مشرف زیارت ہوئے تھے لیکن بعد اس کے کبھی اتفاق زیارت نصیب نہ ہوا اور نہ کبھی باہم خط و کتابت کی نوبت پہنچی اگرچہ اس بات کا تو علم تھا کہ آپ ریاست بھوپال میں ایک مدت سے قیام پذیر ہیں۔ جب جد عبد الرحمہ ۞ ...... راقم محمد اسحٰق ریاست میں پنشن خوار ہوئے انہوں نے چند بار آپ کا ذکر تحریر فرمایا۔ اس وقت وجہ تصدیعہ دہی یہ ہے کہ ہم نے سنا ہے کہ جناب نے ایک رسالہ موسومہ اعلام الناس در بارہ تائید مرزا غلام احمد قادیانی تالیف فرما کر طبع کر دیا ہے اور اس میں دلائل ان کے دعویٰ مسیح ہونے کے بڑے پر زور لکھے ہیں جب سے یہ بات سنی ہے اس رسالہ کے معائنہ کا از حد شوق ہے۔ اگرچہ ہم ہر دو اب تک مرزا قادیانی کے معتقد نہیں ہیں اور بڑا انتظار آپ کے رسالہ کا ہے۔ اگر ممکن

☆ الحق مباحثہ دہلی کا یہ حصہ ’’مراسلت نمبر۲‘‘ جو ایڈیشن اوّل میں چھپ چکا ہے روحانی خزائن کی تدوین کے وقت دستیاب نہ ہونے کی وجہ سے شامل نہ ہو سکا۔ اب یہ حصہ اس جلد میں شامل کیا جارہا ہے۔ (ناشر) ۞ خط چونکہ پھٹا ہوا تھا یہاں سے پڑھا نہیں گیا۔ (ناشر)

ہو تو ایک رسالہ بذریعہ پمفلٹ عنایت فرما کر اس کی قیمت اور خرچ ڈاک سے مطلع فرماویں۔ انشاء اللہ قیمت مذکور بذریعہ ٹکٹ ارسال خدمت کی جائے گی۔ یا پہلے اطلاع دیں کہ جس قدر قیمت اس کی ہو ترسیل خدمت کی جائے گی امید کہ جواب سے ضرور مطلع فرماویں۔ پتہ یہ ہے لاہور ڈ ڈیلیٹر آفس پاس محمد اسحٰق ملازم ڈ ڈیلیٹر کے پہنچے۔ مکرر یہ کہ چند اشعار مؤلفہ مرزا قادیانی رسالہ توضیح المرام میں ثبت ہیں۔ ان کے مطلب پر خدشہ گزرتا ہے۔ مولانا مولوی محمد اسمٰعیل رحمۃ اللہ نے تقویت الایمان میں ایسے مضامین کی مذمت کی ہے۔ چونکہ مولانا مرحوم تیرھویں صدی کے مجدد تھے اور مرزا کو مجددیت کا دعویٰ چودھویں صدی مرکوز خاطر ہے۔ پھر ایک بات کو ایک مجدد ناجائز اور گناہ تحریر فرمائے دوسرا مجدد اسی بات کو اپنی کتاب میں ترویج دے یہ امر کیونکر جائز سمجھا جائے۔ اشعار یہ ہیں۔ ﴿۱۷۹﴾

شان احمد را کہ داند جز خداوندِ کریم ۔۔۔ آنچنان از خود جدا شد کز میان افتاد میم

زان نمط شد محو دلبر کز کمالِ اتحاد ۔۔۔ پیکر او شد سراسر صورتِ ربّ رحیم

بوئے محبوبِ حقیقی مے دمد زان روئے پاک ۔۔۔ ذات حقّانی صفاتش مظہرِ ذاتِ قدیم

گرچہ منسوبم کند کس سوئے الحاد و ضلال ۔۔۔ چون دلِ احمدؐ نہ مے بینم دگر عرشِ عظیم

ان اشعار کا مضمون سر بسر عقیدہ وجودیہ پر دال ہے جس سے گروہ موحدین کوسوں متنفر چلا آتا ہے۔ مسلمانوں میں وجودی ہنود میں بیدانتی باہم ایک ہی ہیں۔ تعجب ہے کہ مرزا مدعی مجددیت ہو کر ایسے کلمہ ملحدانہ اپنی تالیف میں درج کرے۔ دلیری یہ۔ گرچہ منسوبم کند کس سوئے الحاد وضلال۔ یعنی گو مجھے کوئی ملحد یا زندیق پڑا کہے میرا کیا بگاڑ سکتا ہے۔ ہاں دنیا میں تو کوئی کسی کا کچھ بگاڑ نہیں سکتا اِلَّا روز حشر اس اَحکم الحاکمین کے سامنے قلعی کھل جائے گی۔

مولوی محمد احسن صاحب کا جواب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

از عاجز سید محمد احسن بخدمت بوبہ شاہ و محمد اسحٰق صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ دو خط آپ کے صادر ہوئے حال یہ ہے کہ رسائل اعلام الناس اب تقسیم مفت میں باقی نہیں رہے پچاس جلد اس احقر کو ملی تھیں وہ سب تقسیم ہو گئیں۔ اور لاہور میں چند اشخاص کے پاس یہ رسائل پہنچ گئے ہیں۔ آپ کسی سے خرید فرما لیجئے اور نسبت اشعار مندرجہ توضیح مرام کے جو خدشات آپ نے تحریر فرمائے ہیں وہ بہ سبب عدم غور اور تامل کے ہیں ۔

شان احمد را کہ داند جز خداوند کریم آنچنان از خود جدا شد کز میان افتاد میم

﴿۱۸۰﴾ اوّل تو ان اشعار کا مطلب اور شرح خود حضرت اقدس نے سیاق اور سباق اشعار میں مفصل اور مشرح کر کر لکھ دی ہے کہ جس کے مطالعہ سے مخلصین کو کسی طرح کا خدشہ اور شبہ باقی نہیں رہتا۔ آپ اس مقام کو مطالعہ فرماویں اور اگر صرف **لا تقربوا الصّلٰوۃ** پر نظر رہے گی تو شکوک وشبہات کیونکر رفع ہو سکتے ہیں۔ ثانیاً ان آیات کے کیا معنی ہیں۔ دَنَا فَتَدَلّٰی فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی [1] وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی [2] وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی [3] اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰہَ [4] **و غیر ذٰلک من الاٰیات الکثیرۃ** ۔ جو معنے ان آیات کے آپ سمجھیں ان اشعار کو تفسیر اس کی تصور فرماویں۔ ثالثاً ان اشعار میں کوئی خدشہ ظاہری بھی نہیں معلوم ہوتا حاصل مطلب یہ ہے کہ رتبہ و درجہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سوائے خدائے کریم کے کوئی نہیں جان سکتا۔ آنحضرت کے رتبہ اعلیٰ کا تو ذکر ہی کیا ہے کسی ادنیٰ ولی کا

[1] النجم: ۹،۱۰ [2] الانفال: ۱۸ [3] النجم: ۴،۵ [4] الفتح: ۱۱

رتبہ بھی کوئی نہیں جان سکتا۔ مثل مشہور ہے۔ ولی راولی مے شناسد۔ اورآنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اپنی خودی اور ہواؤ ہوس سے ایسے جدا اور علیحدہ ہو گئے ہیں کہ کوئی امر مقتضائے خودی اور خودبینی کا سوائے مرضیات احدیت کے ان میں پایا نہیں جاتا۔ حدیث اصح الصحیح میں آنحضرت کے خادمین اولیا کی نسبت موجود ہے۔ **کنت سمعه الذی یسمع به و بصره الذی یبصر به و یده التی یبطش بها و رجله التی یمشی بها و لسانه الذی یتکلم بہٖ الٰی اٰخرہٖ** ۔آپ اس حدیث کے کیا معنے سمجھتے ہیں اُسی قسم کے یہ اشعار ہیں ۔

زان نمط شد محو دلبر کز کمالِ اتحاد پیکر او شد سراسر صورتِ ربِ رحیم

کُلُّ شَیْءٍ هَالِکٌ اِلَّا وَجْهَهٗ کے کیا معنے ہیں اور **خلق آدمؑ علٰی صورتہٖ** کے معنے پر غور کرو اگر چہ ضمیر صورتہٖ میں بہت اختلاف ہے مگر جس صورت میں کہ ضمیر صورتہٖ کی راجع ہو طرف اللہ کی تو پھر کیا معنے ہوں گے۔ وہی معنے اس شعر کے سمجھے جائیں۔ ۔

بوئے محبوبِ حقیقی مے دمد زان روئے پاک ذات حقانی صفاتش مظہر ذات قدیم

اے میرے پیارے دوست تم ہر جمعہ کے خطبہ میں سنتے ہو گے کہ **السّلطان ظلّ اللّٰه الخ**۔ جب ایک ادنیٰ سلطان کے واسطے ایسا کچھ ارشاد ہے کہ وہ ظل اللہ ہے تو پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مظہر الٰہی ہونے میں کون مومن شک کر سکتا ہے ۔

گرچہ منسوبم کند کس سوئے الحاد و ضلال چون دل احمد نمے بینم دگر عرش عظیم

مہربان من اس آیت کے کیا معنے ہیں۔ **قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِيْنَ** [1] امام شافعی و نیز کبراء مجتہدین امت کے اشعار میں اس قسم کا محاورہ پایا جاتا ہے ۔ ﴿۱۸۱﴾

ان کان رفضًا حب اٰل محمدٍ فلیشهد الثقلان انی رافض

[1] الزخرف:۸۲

جو معانی ان محاورات کے ہیں وہی اس شعر کے معنے ہو سکتے ہیں۔ رابعاً کتاب منصب امامت اور صراط المستقیم مصنفہ مولانا و مقتدانا جناب شہید فی سبیل اللہ مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کی ملاحظہ ہوان دونوں کتابوں کو آپ شرح پاویں گے اُن مضامین کی جو حضرت اقدس کی تصانیف میں پائی جاتی ہیں۔ ’’ہمچنین چون امواج جذب وکشش رحمانی نفس کاملہ این طالب را درقعرلجج بحار احدیت فرو مے کشد زمزمہ انا الحق و لیس فی جبتی سوی اللّٰہ ازان سر بر میزند کہ کلام ہدایت التیام کنت سمعہ الذی یسمع بہٖ و بصرہ الذی یبصر بہ و یدہ التی یبطش بھا و رجلہ التی یمشی بھا ودر روایتےو لسانہ الذی یتکلم بہٖ۔ حکایتے است ازان۔ و اذ قال اللّٰہ علٰی لسان نبیّہ سمع اللّٰہ لمن حمدہ و یقضی اللّٰہ علٰی لسان نبیّہ ما شاء کنایتے است ازان این مقالے است بس باریک ومسئلہ است بس نازک۔ باید کہ دران نیک تامل کنی و تفصیل اورا بر معانی دیگر تفویض نمائی شعر و وراء ذاک فلا اقول لانہ اثر لسان النطق عنہ اخرس وزِنہار برین معاملہ تعجب نہ نمائی وبانکار پیش نہ آئی زیرا کہ چون ازنارِ وادی ندائے اِنِّیۡۤ اَنَا اللّٰہُ رَبُّ الۡعٰلَمِیۡنَ [1] سر برزد اگر ازنفس کاملہ کہ اشرف موجودات ونمونہ حضرت ذات است آوازانا الحق برآید محل تعجب نیست‘‘ الخ۔ پس اس مجدد الوقت کا کوئی کلام مخالف کلام مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کے ہرگز ہرگز نہیں ہے بلکہ ایک صاحب کا کلام دوسرے صاحب کے کلام کی شرح ہے البتہ ناظرین کی نظر اور سمجھ کا قصور ہے اگر رسالہ اعلام آپ کو نہ ملے گا تو میں انشاء اللہ تعالیٰ خرید کر روانہ کروں گا اپنے حالات خیریت سمات سے ہمیشہ مطلع فرماتے رہو۔ مورخہ ۳۱؍ جولائی ۱۸۹۱ء۔

الراقم محمد احسن مہتمم مصارف ریاست بھوپال

[1] القصص: ۳۱

بوبہ شاہ صاحب اور محمد اسحٰق صاحب کا جواب

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

از خاکسار بوبہ شاہ و محمد اسحٰق بخدمت گرامی جناب مولانا صاحب مولوی محمد احسن صاحب دام مجدھم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ آپ کا گرامی نامہ موصول ہو کر کاشف مضامین مندرجہ ہوا اس جواب کے دیکھنے سے واضح ہوتا ہے کہ آپ نے نیاز نامہ کو کافی توجہ سے ملاحظہ نہیں فرمایا جناب من اصل خدشہ یہ ہے کہ جب مرزا صاحب نے اپنے اور مسیح علیہ السلام کے لئے ایک ایسا درجہ ثابت کیا ہے جس کو ابن اللہ ہونے سے تعبیر کر سکتے ہیں حالانکہ کتاب و سنت میں اس کا بالکل ثبوت نہیں۔ تو یہ استفسار پیدا ہوا کہ اب جناب رسول مقبول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے کون سا درجہ باقی رہا۔ اُس کے جواب میں مرزا صاحب نے فرمایا کہ آپ کے لئے ایک اعلیٰ مقام اور برتر مرتبہ جو آپ کی ذات کمال الصفات پر ختم ہو گیا ہے جس کی کیفیت کو پہنچنا ہی کسی دوسرے کا کام نہیں۔ چہ جائیکہ وہ کسی اور کو حاصل ہو سکے۔ اسی جواب کے ذیل میں مرزا صاحب نے یہ اشعار تحریر فرمائے ہیں جن سے جناب رسول مقبول علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذات باری تعالیٰ سے اتحاد مفہوم ہوتا ہے اب اس اتحاد سے وحدت مجازی اور اتحاد صوری مراد ہے یا اتحاد حقیقی اور وحدت ذاتی۔ پہلی قسم کی وحدت تو آپ کے خادمین اولیاء کو بھی حاصل اور ثابت ہے جو مسیح علیہ السلام سے بدرجہا کم ہیں۔ آیہ فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ [1] اور حدیث **کنت سمعه الذی یسمع به الخ** ۔ ملاحظہ ہو پس اس قسم کی مراد ہونے کی تقدیر پر مرزا صاحب کا اپنے لئے مرتبہ ابنیت اور مساوات بالمسیح علیہ السلام ثابت کرنا اور اس کے مقابلہ میں جناب رسول مقبول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے وہ مرتبہ بیان کرنا جو حضرت مسیح علیہ السلام سے بدرجہا کم مرتبہ کے لوگوں کے لئے بھی ثابت اور متحقق ہے درحقیقت اپنے آپ کو

﴿۱۸۲﴾

[1] الانفال : ۱۸

جناب رسول مقبول علیہ الصلوٰۃ والسلام پر افضل و فایق قرار دینا ہے علاوہ بریں مرزا صاحب اس مقام پر جناب رسول مقبول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علوشان اور فوقیت علی المسیح علیہ السلام بیان کرنا چاہتے ہیں اور اس عام وصف کے بیان کرنے سے وہ مطلب حاصل نہیں ہوسکتا جس سے مرزا صاحب کا کلام مہمل ہوا جاتا ہے اس لئے ضرور دوسری قسم معنے اتحاد حقیقی اور وحدت ذاتی مراد ہونے چاہیے اور یہی ہمارا سوال تھا کہ ان شعروں سے اتحاد الممکن مع الواجب ثابت ہوتا ہے جو باجماع المسلمین باطل ہے۔ **اشھد ان محمدا عبدہ و رسولہ+ سبحان الّذی اَسرٰی بِعَبْدِہٖ+ فَاَوْحٰی اِلٰی عَبْدِہٖ مَا اَوْحٰی+ قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ یُوْحٰی اِلَیَّ** +آپ کو واضح ہوگیا ہوگا کہ صرف **لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوۃَ** پر آپ ہی نے نظر کو مقصور و محصور رکھا ہے نہ خاکساروں نے۔ **قولکم** ان آیات کے کیا معنے ہوں گے **دَنٰی فَتَدَلّٰی** الخ۔ جناب من ان آیات کے وہی معنے ہیں جو عائشہ رضی اللہ عنہا اور یا جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہیں۔ لیکن وہ آپ کو کیا مفید ہیں **قولکم وَ مَا رَمَیْتَ الخ** ۔اس قسم کا خطاب اوروں کے حق میں بھی موجود ہے جو مسیح علیہ السلام سے کم ہیں۔ اَللّٰہُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِھَا [1]. (سورۃ الزمر) اِذْ اَرْسَلْنَآ اِلَیْھِمُ اثْنَیْنِ [2] (یٰسٓ) فَلَمْ تَقْتُلُوْھُمْ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ قَتَلَھُمْ [3]۔ **کنت مرضت فلم تعدنی** ۔مگر مرزا صاحب اپنے شعر میں ایسا وصف بیان کرنا چاہتے ہیں جو آپ کی ذات کامل الصفات پر ختم ہوگیا ہو اور اس سے آپ کا کمال علو منصب ثابت ہو برخلاف آیہ کریمہ وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ [4] کے کہ اُس سے یہ مقصود نہیں پس مرزا صاحب کے شعر کو آیت کریمہ پر قیاس کرنا درست نہیں ہوسکتا **قولکم وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی** ۔الخ۔ غزوہ بدر اور غزوہ حدیبیہ میں جو غلطی آپ سے ہوئی تھی بقول آپ کے جناب باری **عزّ اسمہٗ** سے ہوئی ہوگی۔ افسوس مرزا صاحب کے عشق نے آپ کو کہاں سے کہاں پہنچایا سچ ہے **حبک الشیء یعمی و یصم قولکم اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ** الخ۔

﴿۱۸۳﴾

[1] الزمر: ۴۳ [2] یٰسٓ: ۱۵ [3] الانفال: ۱۸ [4] الانفال: ۱۸

اس آیہ کریمہ کا حال بھی آیت کریمہ وَ مَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ کا سا ہے فقد مرّ ۔ **قولکم** کُلُّ شَیْءٍ ھَالِکٌ الخ ۔ آپ کے نزدیک کسی شے کا ہلاک وفنا ہونا اور اس کا کسی دوسری چیز سے متحد ہو جانا ایک ہی بات ہو گی مع ھٰذا جب ہر چیز کو ہلاک ہونا اور بقول آپ کے ذات باری تعالیٰ سے متحد ہو جانا ضروری ہے تو اس میں جناب رسول مقبول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کیا خصوصیت ہوئی آپ وحدت الوجود کے مسئلہ کو یہاں کھپانا چاہتے ہیں لیکن آپ کے پیر کا سیاق وسباق کلام اُسے کھپنے نہیں دیتا اور آپ اپنے پیر صاحب کا کلام ملاحظہ کیجئے **قولکم** خلق اٰدم علٰی صورتہٖ الخ ۔ مرجع قریب ہوتے ہوتے کیا ضرور ہے کہ بعید کی طرف ضمیر راجع کی جائے مع ھٰذا یہ بھی صفات مختصہ بالنبی الکریم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے نہ ہوگا ذرا تامل کیجئے **قولکم** اے میرے پیارے الخ ۔ جناب رسول مقبول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مظہر ہونے میں شک کرنا فی الواقع کسی مومن کا کام نہیں لیکن اور کون سی چیز ہے جو مظہر نہیں ہے ؎ ہر چہ بینی بدانکہ مظہر اوست ۔ سبحان اللہ اپنے لئے ابن اللہ ہونے کا دعویٰ اور جناب رسول مقبول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے صرف مظہر ہونا جس میں ادنیٰ سے ادنیٰ ممکن آپ کا شریک ہے ۔ آفرین باد بریں ہمت مردانۂ او ۔ حاصل یہ کہ ان اشعار میں وحدت مجازی مراد لینے سے بقرینہ سیاق وسباق کلام مرزا صاحب کے فوقیت علی النبی الکریم علیہ الصلوٰۃ والسلام ثابت ہوتی ہے اور وحدت حقیقی مقصود ہو تو ...... غُلاّت کا مذہب ماننا پڑتا ہے و کلاھما کفر بالاجماع **قولکم** اس آیہ کے کیا معنے ہوں گے قل ان کان الخ ۔ جناب من اس محاورہ اور طرز استعمال میں خدشہ نہیں ہے ۔ خدشہ یہ ہے کہ اگر مرزا صاحب کا اشعار سابقہ میں اتحاد حقیقی مقصود و مراد نہ ہو تو پھر ان اشعار میں کون سی بات ہے جس کے سبب سے کوئی ان کو الحاد اور کفر کی طرف منسوب کرے گا اس شعر سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مرزا صاحب کے اشعار سابقہ میں وحدت حقیقی مراد ہے جس پر ان کو خدشہ ہوا کہ علمائے شریعت ملحد کہیں گے پس آپ نے جو کچھ ان کے کلام کو

﴿۱۸۴﴾

وحدت مجازی وغیرہ پر محمول کرنے میں کوشش کی ہے مرزا صاحب کے نزدیک رائیگاں ہے ؎
یارب مباد کس را مخدوم بے عنایت ۔ **قولکم** کتاب منصب امامت وصراط المستقیم الخ ۔ شاید آیہ کریمہ وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا[1] آپ کے نزدیک منسوخ ہوگئی ہوگی جو منصب وغیرہ پر چلنے کی ہدایت ہوتی ہے علاوہ بریں منصب امامت اور صراط المستقیم کو تقویت الایمان پر کیا ترجیح ہے جو اُسے چھوڑ کر اُن پر چلیں ۔ صفحہ ۶۲ ۔ تقویت الایمان ملاحظہ فرمایئے کہ اس میں مولانا محمد اسمٰعیل شہید علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں ۔ بلکہ بعض جھوٹے دغابازوں نے اس بات کو خود پیغمبر کی طرف نسبت کیا ہے کہ انہوں نے خود فرمایا ہے انا احمد بلا میم اور اسی طرح ایک بڑی عبارت عربی کی بنا کر اس میں ایسی ایسی خرافتیں جمع کر کر اس کا نام خطبۃ الافتخار رکھا ہے ۔ اور اس کو حضرت علیؓ مرتضےٰ کی طرف نسبت کیا ہے سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ اللہ سارے جھوٹوں کا مونہہ کالا کرے انتہٰی ۔ یہ عبارت مولانا مرحوم کی درباره رد لفظ احمد بلا میم نص صریح ہے اس کے مقابلہ میں منصب اور صراط مستقیم کے مضامین مبہم قابل حجت نہیں ہوسکتے بلکہ صحیحین کی حدیث میں آیا ہے رسول صلعم نے فرمایا **لا تطرونی کما اطرت النصارٰی عیسٰی ابن مریم فانّما انا عبده فقولوا عبداللّٰہ و رسولہٗ. فقط ۔**

جناب من خاکساروں نے آپ کو قدیمی شفیق تصور کر کے دوبارہ تصدیعہ دیا ہے تاکہ خدشات ہمارے رفع ہو جائیں شاید اگر جناب کے نزدیک کوئی لفظ ناملائم معلوم ہو تو معاف فرمادیں ۔ اگر معاملہ دینی نہ ہوتا تو جو کچھ آپ تحریر فرما دیتے اس کے قبول کرنے میں عذر نہ ہوتا چونکہ یہ معاملہ متعلق دین اور اعتقاد کے ہے اور وجودیوں کو ہم جمیع پیشوایان دین سے مخالف ومخرب شریعت سنتے آئے ہیں خصوص جملہ فرق اسلام سے یہ فرقہ بدترین ہے پھر کیونکر صبر کیا جاتا ۔ عریضہ بوبہ شاہ و محمد اسحٰق مورخہ ۳۰ / اگست ۱۸۹۱ء

[1] الحشر : ۸

مولوی سیّد محمد احسن صاحب کا جواب

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مجی فی اللہ واخی لِلّٰہ منشی محمد اسحٰق صاحب و منشی بوبہ شاہ صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ عنایت نامہ نے صادر ہوکر محظوظ ومسرور کیا۔ جزاکم اللہ خیرالجزاء آپ کو تحقیق مسائل کا بڑا شوق ہے اور اس پر یہ بڑی خوبی ہے کہ کتاب وسنت ہی آپ کا مطمح نظر ہے آپ جیسے صاحبوں سے قبول حق کی بڑی امید ہے تقلید کی صورت میں یہ امید نہیں ہوتی۔ خط حال میں آپ نے چند اعتراض کئے ہیں۔ میرے پہلے خط کو آپ نے غور سے ملاحظہ نہیں فرمایا لہٰذا مکرر لکھتا ہوں۔ ﴿۱۸۵﴾

اعتراض اوّل حضرت مرزا صاحب نے اپنے اور مسیح علیہ السلام کے لئے ایک ایسا درجہ ثابت کیا ہے جس کو ابن اللہ کے ساتھ تعبیر کر سکتے ہیں۔ حالانکہ کتاب وسنت میں بالکل اس کا ثبوت نہیں ہے۔

الجواب بے شک بہت صحیح ہے۔ کتاب وسنت میں اس مرتبہ کے ثبوت کا کیا ذکر ہے۔ اس کی نفی موجود ہے اور یہ تو مذہب یہود ونصاریٰ کا ہے۔ وَقَالَتِ الۡیَھُوۡدُ عُزَیۡرُ ۨابۡنُ اللّٰہِ وَقَالَتِ النَّصٰرَی الۡمَسِیۡحُ ابۡنُ اللّٰہِ [1]۔ اور فرمایا وَلَا تَقُوۡلُوۡا ثَلٰثَۃٌ ؕ اِنۡتَھُوۡا خَیۡرًا لَّکُمۡ [2] لیکن اے میرے محبّ فی اللہ مرزا صاحب اس کے کب قائل ہیں وہ اس کی نسبت یہ کہتے ہیں ’’جس کو ناپاک طبیعتوں نے مشرکانہ طور پر سمجھ لیا ہے اور ذرا امکان کو جو ہالکۃ الذات باطلۃ الحقیقت ہے حضرت اعلیٰ واجب الوجوب کے ساتھ برابر ٹھہرا دیا ہے‘‘ انتھی بلفظہٖ۔ مرزا صاحب کے کلام سے صحیح وصریح معلوم ہوا کہ جو لوگ ایسی تثلیث کے قائل ہیں اُن کی طبیعتیں ناپاک ہیں اور وہ مشرک ہیں اور عیسیٰؑ ابن مریم ہوں یا ان کے

[1] التوبۃ: ۳۰　[2] النساء: ۱۷۲

مثیل وہ سب ایک ذرہ امکان ہیں جس کا ہونا نہ ہونا برابر ہے بقول شاعر ؎

آنکس کہ اولش عدم و آخرش فنا است + درحق او گمان ثبات و بقا خطا است

اسی واسطے اس ذرہ امکان کو فرمایا کہ وہ تو اپنی ذات میں بالکل ہالک اور فانی ہے **کُلُّ شَیْءٍ هَالِکٌ اِلَّا وَجْهَه**۔ پھر آگے فرمایا کہ اس کی حقیقت ہی محض باطل ہے۔ **الا کل شی ما خلا اللّٰہ باطل** جبکہ اس ذرہ کی یہ حقیقت ٹھہری کہ وہ اپنی حقیقت میں ہی باطل ہے تو ایسی ذات کے ساتھ جو سب سے اعلیٰ ہے اور واجب الوجود ہے کیونکر کسی بات یا صفات میں شریک و برابر ہوسکتا ہے اب آپ کو مرزا صاحب کا عقیدہ تو اُسی رسالہ توضیح المرام سے معلوم ہو گیا اور یہی عقیدہ ہمارا اور آپ کا ہے۔ اب اس قدر گذارش اور ہے کہ جو نسبتیں اور حالتیں عارفین اولیاء اللہ پر وارد ہوتی ہیں اُن کو ہم پورے پورے طور پر نہیں سمجھ سکتے۔ کہ ولی را ولی می شناسد ۔ مثل مشہور ہے مگر بطور نمونہ ایک حالت جو مجھ پر اور آپ پر اور سب پر طاری ہوئی ہے یا ہوتی ہے میں اس کو یاد دلاتا ہوں۔ جب آپ حالت طفولیت میں زیر تربیت اپنے والدین کے تھے تب اپنے والدین پر آپ کو سب طرح سے اطمینان تھا۔ نہ آپ کو کھانے کی فکر تھی۔ نہ آپ کو لباس کی فکر تھی۔ نہ آپ کو کسی دشمن کی فکر تھی اور جملہ امور میں رجوع آپ کی اپنے والدین ہی کی طرف رہتی تھی حتّٰی کہ اگر والدہ نے کبھی آپ کو مارا بھی ہوگا تو بھی آپ نے والدہ ہی کی طرف رجوع کیا ہوگا۔ مثل مشہور ہے کہ ماں مارے لڑکا ماں ہی ماں پکارے یہ حالت تو آپ کی ہوئی۔ اب اپنے والدین کی حالت کو دیکھئے۔ ان کی شفقت اور محبت کا کچھ ذکر ہی نہیں دنیا بھر کی خوبی وہ آپ ہی کے واسطے چاہتے ہیں اور آپ کے دشمن کو اگر ان کا قابو چلتا تو نیست و نابود ہی کر ڈالتے اب میں آپ سے دریافت کرتا ہوں کہ اگر کسی مومن کی حالت توکل اپنے رب معبود کے ساتھ بلاتشبیہ مجازاً ایسی ہی ہو جیسا کہ آپ کو اپنے والدین مربی کے ساتھ تھی اور سب طرح سے آپ کو اپنے والدین مربی پر اطمینان تھا تو کیا یہ حالت بھی شرک یا کفر ہے۔ آپ ضرور فرماویں گے کہ یہ حالت

﴿۱۸۶﴾

کیوں شرک ہوتی یہ تو کمال مقتضائے ایمان ہے پھر اگر اس درجہ کمال ایمان پر مرزا صاحب پہنچے ہوئے ہوں تو اس میں کون سا امر خلاف کتاب وسنت کے ہے مولانا شاہ ولی اللہ صاحب نے تفسیر فوز الکبیر میں لکھا ہے کہ اگر ہم تسلیم کرلیں کہ اناجیل میں لفظ ابن اللہ آیا ہے تو واضح ہو کہ معنے لفظ ابن کے زمان قدیم میں محبوب اور پیارے کے آئے ہیں اور یہی معنے محاورات انجیل سے معلوم ہوتے ہیں انتہیٰ حاصلہ۔ اسی طرح پر حضرت مرزا صاحب کو مراتب ثلاثہ قرب الٰہی کے مکشوف ہوئے ہیں جن میں سے ایک یہ مرتبہ ہے کہ بطور استعارہ وتمثیل کے اُس مرتبہ کو علاقہ ابنیت سے تعبیر کر سکتے ہیں اس کے یہ معنے نہیں کہ مخلوق میں سے کسی کو مرتبہ ابنیت کا حقیقتاً حاصل ہو۔ نعوذ باللہ منہ۔

اگر آپ کہیں کہ ہم کو کتاب وسنت سے اس مرتبہ کا پتہ اور نشان بتلاؤ تب ہماری پوری تسکین ہوگی **واذ لا فــلا** ۔ لیجئے فرمایا اللہ تعالیٰ نے ۔ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا [۱] جب تک کہ یہ حالت جو اوپر مذکور ہوئی تقاضائے ایمان کامل سے حاصل نہ ہو تو کیونکر ایسا ذکر الٰہی آدمی کر سکتا ہے جیسا آیت میں مذکور و مامور ہے اور جیسا کہ آیت میں کاف حرف تشبیہ کا موجود ہے۔ حضرت مرزا صاحب نے بھی جا بجا لفظ استعارہ وغیرہ الفاظ مجاز کا استعمال کیا ہے جو ویسا ہی آیت میں بھی مذکور ہے پھر اُسی آیت کی تفسیر حضرت مرزا صاحب نے کی ہے اور پھر طبرانی کی حدیث میں حرف تشبیہ تک نہیں ہے۔ **الخلق کلھم عیال اللّٰہ و احبھم الیہ انفعھم لعیالہ** اے میرے دوست اولیاء اللہ کا کوئی کلام جس پر اُن کو اصرار رہا ایسا نہیں ہوتا جو کتاب وسنت سے مستنبط نہ ہو لیکن اس کو ہر ایک شخص نہیں سمجھ سکتا اور مخالف رہتا ہے **الناس اعداء لما جھلوا** ۔ البتہ استنباط والے لوگ ہی اس کو سمجھ لیتے ہیں۔ **قال اللّٰہ تعالیٰ** لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ [۲]۔

اعتراض دوم۔ آپ کا یہ ہے کہ مرزا صاحب کی تقریر سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم

[۱] البقرۃ: ۲۰۱ [۲] النساء : ۸۴

کا اتحاد اللہ تعالیٰ کے ساتھ اتحاد حقیقی ہے جو باجماع مسلمین باطل ہے اور اگر اتحاد مجازی مراد لی جاوے تو اُس میں کوئی فضیلت حضرت نبی علیہ السلام کو حاصل نہیں ہوتی مرزا صاحب ہی حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل ہوئے جاتے ہیں کہ ابن اللہ ہیں۔

﴿۱۸۷﴾

الجواب۔ بےشک اتحاد حقیقی باطل ہے باطل ہے اور پھر باطل ہے اٰمنّا ببطلانہٖ یہی ہمارا آپ کا عقیدہ ہے اور مرزا صاحب کا بھی یہی عقیدہ ہے۔ اتنا فرق عبارتی ہے کہ آپ نے فرمایا **اتحاد الممکن مع الواجب باطل**۔ اور مرزا صاحب اس سے بڑھ کر فرماتے ہیں۔ **اتحاد ذرۃ الامکان ھالکۃ الذات باطلۃ الحقیقۃ مع الذات الاعلی الواجب وجودہ باطل**۔ اور وصف اتحاد مجازی کا آپ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے خادمین کو بھی تسلیم فرما چکے ہیں تو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بطریق اولیٰ حاصل ہوگا۔ اُس میں ہمارا آپ کا کوئی نزاع نہیں ہے صرف شُبہ یہ رہا کہ جو وصف مشترک ہے اُس میں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ خصوصیت اور فضیلت حاصل نہیں ہوتی۔ اے میرے پیارے دوستو اسی قدر آپ کی غلط فہمی ہے۔ اگر یہ غلطی رفع ہو جاوے تو فیصلہ شد۔ اب اس کا رفع لیجئے میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ وصف منعم علیہم ہونے کا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر مومنین صالحین تک مشترک ہے **قال اللّٰہ تعالیٰ** اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ صِرَاطَ الَّذِيۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَيۡهِمۡ [1] **وقال تعالیٰ فی تفسیرہٖ** ۔ مِنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيۡقِيۡنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيۡنَ [2] ۔ تو کیا اس وصف میں آپ جو میرے نزدیک صالحین میں داخل ہیں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر ہیں **ما ھو جوابکم فھو جوابنا** ۔ اس کو بھی رہنے دیجئے وصف مومن ہونے کا ایک ایسا وصف ہے جس میں مومن فاسق سے لے کر تا حضرت خاتم النبیین سب میں پایا جاتا ہے۔ اور سب کو مومن کہتے ہیں تو

[1] الفاتحۃ: ۶، ۷ [2] النساء: ۷۰

کیا مومن فاسق حضرت نبی علیہ السلام کے برابر ہو گیا؟ اس کو بھی رہنے دیجئے لفظ وجود ایک ایسی کلی ہے جس میں تمام سلسلہ ممکنات ادنیٰ اعلیٰ سے لے کر تا واجب الوجود سب شریک ہیں تو کیا وجود ممکن وجود واجب تعالیٰ کے برابر ہے پہلی تقریر میں ہم اور آپ دونوں اس کو باطل کہہ چکے ہیں۔ ایسی مثالیں سینکڑوں میں آپ کے روبرو پیش کرسکتا ہوں آپ ان کا کیا جواب دیویں گے **ما هو جوابكم فهو الجواب من حضرة المجدّد**۔ اے میرے پیارے دوستو آپ نے اگر ابتدائی رسائل منطق کے بھی دیکھے ہوں گے تو اُن میں جواب اس کا بآسانی آپ کو ملے گا کلیات کی دو قسمیں ہیں ایک کلی متواطی جس کے افراد سب مساوی ہوں۔ دوسری کلی مشکک جس کے افراد مختلف ہوتے ہیں۔ پس مرزا صاحب یہی فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس وصف اتحادی مجازی میں جو آپ کو بھی مسلّم ہے ایسے مقام اعلیٰ اور برتر پر پہنچے ہوئے ہیں کہ نہ مسیح اس مرتبہ تک پہنچ سکتے ہیں اور نہ کوئی اور ملک یا نبی ؎

اگر یک سرِ موئے برتر پرم فروغِ تجلّے بسوزد پرم

﴿۱۸۸﴾

اور حضرت مجدد نے اسی مرتبہ کا نام مقام جمع اور مقام وحدت تامہ رکھا ہے جس کے سبب سے وہ آیات حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں وارد ہوئیں جو میں نے خط سابق میں آپ کو لکھی تھیں اگرچہ ظلّی اور طفیلی طور پر آپ کے خادمین کے حق میں بھی وارد ہوئی ہوں۔ اب سچ سچ فرماؤ کہ **لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوۃَ** پر آپ کا عمل تھا یا اس ناچیز کا۔

اعتراض سوم۔ آپ کا یہ ہے کہ آیت **دَنٰی فَتَدَلّٰی** آپ کے مطلب کو مفید نہیں۔

الجواب۔ اس آیہ کی تفسیر میں مفسرین نے بہت سے وجوہ لکھے ہیں اور ہر ایک مفسر نے اپنی اپنی وجہ کو دلائل سے مبرہن اور موجہ کیا ہے آپ کے نزدیک جو وجہ مختار ہو اُسی کو اپنا

مذہب رکھئے۔ کیونکہ مدعا ہمارا یعنے اتحاد مجازی تو آپ تسلیم ہی فرما چکے ہیں۔ثبوت مدعا اس آیت پر موقوف نہیں لیکن جس صاحب کے نزدیک اس آیہ کی تفسیر و ترجمہ اس طرح پر ہو (کہ نزدیک ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ سے پھر نیچے کی طرف اُترے یعنی مخلوق کی طرف واسطے تبلیغ احکام کے بلکہ اس سے زیادہ نزدیک تر ہوئے) حاصل یہ کہ ضمیر دَنٰـی فَتَدَلّٰـی وغیرہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہو جیسا کہ اکثر مفسرین نے لکھا ہے۔تو اس صورت میں جس اتحاد مجازی کے واسطے اس آیہ کو میں نے سابق میں لکھا تھا بخوبی مفید ہوگی اگر مفصلاً و مشرحاً آپ کو یہ تفسیر مطلوب ہوگی تو انشاء اللہ تعالیٰ عرض کی جاوے گی اور واضح خاطر ہو جیسا کہ درصورت اختلاف احادیث کے جمع مقدم ہوتی ہے ترجیح پر تاکہ اہمال احادیث کا لازم نہ آوے۔اسی طرح پر جب کسی آیت کی وجوہ صحیحہ تفسیر مختلف ہوں تو مھما امکن سب وجوہ کو اخذ کرنا چاہئے تاکہ سب پر اعمال ہو جاوے اور اہمال لازم نہ آوے۔اس ہیچمدان کے نزدیک تفسیر اس آیہ کی جو حضرت مجدّد پر مکشوف ہوئی ہے وہ کسی مجدّد سابق پر مکشوف نہیں ہوئی کم ترک الاول للاٰخر اس میں کوئی استبعاد نہیں ہے۔ قال اللّٰہ تعالٰی وَاِنۡ مِّنۡ شَیۡءٍ اِلَّا عِنۡدَنَا خَزَآئِنُہٗ ۫ وَمَا نُنَزِّلُہٗۤ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعۡلُوۡمٍ [1] ۔جبکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہر ایک شے کے خزائن کثیرہ موجود ہیں تو کیا معارف قرآنیہ و اسرار فرقانیہ شے میں داخل نہیں ہیں وہ تو اپنے اپنے وقت میں مجدد امت پر نازل ہوتے رہتے ہیں اور اسی واسطے اُس کو مجدّد کہا گیا ہے کہ وہ فہم جدید کتاب و سنت کا لاتا ہے کوئی شریعت جدید نہیں لاتا اگر فہم جدید بھی نہ لاتا ہو تو......اُس کو مجدّد کیوں کہا گیا آیت مَـارَمَیۡتَ وغیرہ کی نسبت جو آپ نے لکھا ہے کہ ایسا وصف اوروں کے واسطے بھی آیا ہے اس میں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کیا فضیلت بخصوصیت حاصل ہوئی......اس کا

﴿۱۸۹﴾

[1] الحجر : ۲۲

جواب ہو چکا بطور کلی مشکک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُس وصف میں ایسے درجہ کمال پر پہنچے ہوئے ہیں کہ کوئی دوسرا نبی وملک اس میں شریک نہیں ہے این ہم فیصلہ شد۔

اعتراض چہارم آپ کا یہ ہے کہ غزوہ بدر وغزوہ حدیبیہ میں جو غلطی آپ سے ہوئی وہ آپ کے نزدیک جناب باری **عزّ اسمہٗ** سے ہوئی ہوگی۔

الجواب۔ اے میرے پیارے دوستو **بغضک الشیء یعمی و یصم**۔ افسوس مرزا صاحب کے بغض بلا وجہ نے آپ کو کہاں سے کہاں تک پہنچا دیا ہے۔ ہنر بچشم عداوت بزرگ ترعیب است۔ باوجودیکہ مرزا صاحب کے کلام میں جا بجا تصریحات موجود ہیں کہ یہ وصف اتحاد بطور استعارہ و مجاز کے ہے نہ حقیقتاً بلکہ خود شعر میں لفظ (آنچنان) کا جو خاص مجاز کے واسطے آتا ہے موجود ہے اور یہ عبارت (کہ ذرہ امکان ہالکۃ الذات باطلۃ الحقیقت اس ذات اعلیٰ واجب الوجود سے کیونکر برابر ہوسکتا ہے) بھی توضیح المرام میں موجود ہے۔ آپ یہی سمجھتے ہیں کہ مرزا صاحب وحدۃ الوجود کے قائل ہیں **کلّا ثُمّ کلّا** ۔اے میرے پیارے دوستو۔ یہ اعتراض تو اس شخص پر وارد ہوسکتا ہے جو قائل ہو اتحاد حقیقی کا **نعوذ باللہ منہ** ایں ہم فیصلہ شد۔

اور یہ اعتراض کہ آیت **کُلُّ شَیۡءٍ ھَالِکٌ اِلَّا وَجۡھَہٗ** سے اتحاد ثابت نہیں ہوتا اور اگر ہو بھی تو کچھ مفید نہیں کہ اس میں **کل شیء** مشترک ہے۔

الجواب۔ بے شک معنے ظاہری آیہ سے اتحاد ثابت نہیں ہوتا اور جو ایک طرح کے اشارہ سے اولیاء وعرفاء اتحاد مجازی نکالتے ہیں وہ معنے بہت خفی ہیں۔ غیر پر حجت بینہ نہیں ہو سکتے۔ میں نے ضمن میں دیگر آیات کے اس آیہ کو بھی لکھ دیا تھا۔ لیکن وہ معنے خفی باطل بھی نہیں کیونکہ اتحاد مجازی کو تو آپ بھی تسلیم فرما ہی چکے ہیں کہ یہ وصف تو ادنیٰ خادمین

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی حاصل ہے اور یہ ثابت ہو چکا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بطور کلی مشکک کے اعلیٰ درجہ کا یہ وصف حاصل ہے اندریں صورت آیہ مذکورہ ایک خفی اشارہ اس اتحاد مجازی پر بھی کرتی ہے۔ آفتاب اور ستاروں کا وجود دو۲ وجود ہیں لیکن روز روشن میں سوائے وجود آفتاب کے دوسرا وجود ستاروں کا موجود ہی نہیں۔ شیخ بوستان لکھتا ہے ؎

رہِ عقل جز پیچ در پیچ نیست بر عارفان جز خدا ہیچ نیست
توان گفتن این با حقایق شناس ولے خوردہ گیرند اہلِ قیاس
الیٰ قولہ۔ ولے اہل صورت کجا پے برند کہ ارباب معنے بہ ملکے درند
کہ گر آفتاب ست یک ذرّہ نیست وگر ہفت دریاست یک قطرہ نیست
چو سلطانِ عزت علم بر کشد جہاں سر بجیب عدم در کشد
الیٰ قولہ۔ مگر دیدہ باشی کہ در باغ وراغ بتابد بشب کرمکے چوں چراغ
یکے گفتش اے کرمک شب فروز چہ بودت کہ بیرون نیائی بروز
ببین کاتشین کرمکِ خاک زاد جواب از سرِ روشنائی چہ داد
کہ من روز و شب جز بصحرا نیم ولے پیش خورشید پیدا نیم

اگر آپ کہیں کہ اقوال شیخ بوستان سے مسائل مہمہ میں یہ کیسا استناد ہے تو جواب یہ ہے کہ اس اتحاد مجازی کے ثبوت میں مولوی محمد حسین صاحب نے ایک بہت عمدہ نقل لکھی ہے۔ شیخ محی الدین ابن عربی کی کتاب سے **غایة الوصلة ان یکون الشیء عین ما ظھر و لا یعرف کما رأیت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم و قد عانق ابن حزم المحدث فغاب احدھما فی الاٰخر فلم نر الا واحدا و ھو رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلم فھٰذہٖ غایة الوصلة وھو المعبر عنہ بالاتّحاد۔ و لنعم ما قیل۔**

جذبۂ شوق بحد یست میانِ من وتو کہ رقیب آمد ونہ شناخت نشانِ من وتو

﴿۱۹۰﴾

آ گے رہا یہ شبہ کہ جب ہر ایک شے میں یہ وصف مشترک ہے تو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس سے کیا فضیلت ہوئی تو اس کا جواب مکرر سہ کرر گذر چکا یا د کرو کلی مشکک کو۔ اور پھر جبکہ بقول آپ کے سباق و سیاق کلام مرزا صاحب کا وحدۃ الوجود کے مسئلہ کو ردّ کرتا ہے تو اب نزاع ہی کیا رہا۔ اور جبکہ وحدۃ الوجود کا مسئلہ میری اور آپ کی سمجھ سے باہر ہے تو پھر میں اس کا کیونکر قائل ہوسکتا ہوں۔ لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا[1]۔ آپ مجھ کو بلا وجہ الزام دیتے ہیں۔

اعتراض ششم آپ کا یہ ہے کہ ضمیر صورتہٖ میں راجع طرف قریب کے ہونی چاہئے بعید کی طرف کیوں پھیرتے ہو۔

الجواب۔ جو آپ نے معنے حدیث کے سمجھے ہیں وہ بھی صحیح ہیں۔ اور جو احتمال اس ہیچمدان نے لکھا تھا وہ بھی درست ہے کیونکہ اس کو ترجیح اس وجہ سے ہے کہ مرجع ضمیر کا اُس میں عمدہ ہوتا ہے۔ بخلاف آپ کے احتمال کے کہ اُس میں مرجع ضمیر کا فضلہ ہوتا ہے متعلقات فعل میں ضمیر کا رجوع عمدہ کی طرف مناسب ہے۔ نہ فضلہ کی طرف۔ این ہم فیصلہ شد

اعتراض ہفتم آپ کا یہ ہے۔ ہر چہ بینی بدانکہ مظہر اوست۔ پھر اس وصف مظہریّت سے حضرت صلعم کو کون سی فضیلت حاصل ہوئی۔

الجواب۔ یہ وصف بھی بدرجہ اکمل جس سے فوق متصور نہیں۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی میں پایا جاتا ہے دوسرے میں نہیں پایا جاتا۔ وہی کلی مشکک کا حال اور علاقہ ابنیت ﴿۱۹۱﴾ جو بطور استعارہ حضرت مسیح یا مثیل مسیح وغیرہ کو حاصل ہے وہ بدرجہا کم ہے اس وصف وحدت تامہ سے جس کی تفصیل اوپر ہو چکی الحاصل واسطے سمجھنے کے آپ ان مراتب ثلاثہ قرب الٰہیہ کو بطور استعارہ و تمثیل کے یوں سمجھ لیجئے کہ ایک طرح کے مقربین کو ایسا

[1] البقرۃ: ۲۸۷

قرب الٰہی بلاتشبیہ حاصل ہے جیسا کہ خادم خاص فرمانبردار کو اپنے مخدوم کے ساتھ یہ ادنیٰ درجہ قرب کا ہے جو فی نفسہٖ وہ بھی بہت بڑا ہے کہ اُس کی نسبت وارد ہے وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ[1]۔ دوسرا مرتبہ قرب کا بلاتشبیہ ایسا ہے جیسا کہ خلف الرشید پسر کو اپنے والد ماجد سے جس کی طرف اشارہ ہے فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا[2]۔ تیسرا مرتبہ قرب کا کہ سب سے بڑھ کر ہے اُس کی تمثیل بطور استعارہ کے ایسی ہے کہ کسی شخص کی تصویر جو آئینہ میں دکھائی دیتی ہو کہ اس میں تمام صفات ذی الصورت کے موجود ہوں گے۔ ان تینوں مراتب میں جو فرق ہے وہ اہل بصیرت پر پوشیدہ نہیں ہے اور یہی خلاصہ اور حاصل ہے حضرت مجدّد صاحب کی کلام کا جو توضیح المرام میں مذکور ہے۔

اعتراض ہشتم آپ کا یہ ہے کہ اتحاد سے مراد اگر اتحاد مجازی ہے تو کچھ موجب فضیلت نہیں اور اگر اتحاد حقیقی مراد ہے تو کفر ہے۔

الجواب۔ جواب اس کا گذر چکا کہ قول اتحاد حقیقی کا بلاشبہ کفر ہے اور اتحاد مجازی مجھ کو اور آپ کو دونوں کو مسلم ہے جس کے مدارج بطور کلی مشکک کے مختلف ہیں۔ سب سے اوپر کے مرتبہ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام ہے کہ اس مقام تک کوئی نہیں پہنچ سکتا۔ اٰدم و من دونہٖ تحت لوائی۔

اعتراض نہم۔ اس محاورہ اور طرز استعمال میں کوئی خدشہ نہیں۔

الجواب۔ پھر مرزا صاحب پر آپ کیوں خدشہ کرتے ہیں جو خدشہ آپ کا مرزا صاحب پر ہے وہی بعینہٖ امام شافعی و ابن تیمیہ وغیرہ پر وارد ہوتا ہے۔ قال الشافعی:

ان کان رفضًا حبّ اٰل محمد فلیشهد الثقلان انّی رافض

و قال شیخ الاسلام ابن تیمیة:

ان کان نصبًا حبّ صحب محمد فلیشهد الثقلان انی ناصب

و قال ابن قیم:

[1] البقرۃ: ۱۶۶ [2] البقرۃ: ۲۰۱

فان کان تجسیما ثبوت صفاتہٖ لدیکم فانی الیوم عبد مجسّم

ما ھو جوابکم من ھذہ الا کابر فھو الجواب من المجدّد اے میرے مخدوم۔ ذرہ میرے حال پر عنایت فرما کر خط حال اور خط سابقہ کو غور سے پڑھو ورنہ پھر میں بھی یہ مصرعہ پڑھے دیتا ہوں ؎ یارب مباد کس را مخدوم بے عنایت

اعتراض دہم۔ کتاب منصب امامت پر چلنے کی کیوں ہدایت ہے آیت وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا[1]۔ کیا منسوخ ہوگئی۔ آخر خط تک۔ ﴿۱۹۲﴾

الجواب۔ گستاخی معاف ’’تقویۃ الایمان‘‘ پر چلنے کی کیوں ہدایت ہے۔ کیا آیہ مذکورہ منسوخ ہوگئی جو تقویۃ الایمان وغیرہ پر چلنے کی ہدایت ہوتی ہے۔ **ما ھو جوابکم فھو جوابنا۔** علاوہ یہ کہ تقویت الایمان کو منصب امامت وغیرہ پر کیا ترجیح ہے جو انہیں چھوڑ کر اُس پر چلیں بلکہ منصب امامت اور صراط مستقیم کو تقویت الایمان پر ضرور بالضرور ترجیح حاصل ہے کیونکہ یہ دونوں کتابیں آخری تصنیف ہیں اور قول آخر قول سابق کا ناسخ ہوا کرتا ہے اور پھر یہ عرض ہے کہ میں نے آپ کو منصب امامت پر چلنے کی کب ہدایت کی ہے خود آپ نے خط اوّل میں لکھا تھا کہ مولانا اسمٰعیل صاحب شہید و مجدّد نے ایسے مضامین کی جو توضیح المرام میں لکھے ہیں تقویت الایمان میں مذمت کی ہے۔ میں نے آپ کے جواب میں الزاماً لکھا کہ خود حضرت مولانا اسمٰعیل صاحب نے ایسے مضامین کو منصب امامت صراط مستقیم میں صحیح فرمایا ہے۔ اب فرمایئے کہ مولانا اسمٰعیل مجدّد صاحب کی کتاب پر چلنے کا ذکر اولاً آپ نے کیا یا میں نے۔ اور پھر یہ عرض ہے کہ تقویت الایمان اور منصب امامت وغیرہ میں کوئی تناقض بھی نہیں ہے جو تقویت الایمان پر چلنے سے منصب امامت وغیرہ ہاتھ سے جاتی رہے یا منصب امامت وغیرہ پر چلنے سے تقویت الایمان فوت ہو جاوے۔ کیونکہ ان دونوں میں کسی طرح کا تناقض اور تضاد نہیں ہے میں دو جملہ عرض کرتا ہوں۔ سنئے۔ زید

[1] الحشر: ۸

باعتبار شجاعت کے مجازاً شیر ہے۔ اور زید باعتبار حقیقت کے ہرگز شیر نہیں ہے۔ ان دونوں میں کیا تناقض ہے۔ رسائل منطق میں آپ نے دیکھا پڑھا ہوگا ۔ در تناقض ہشت وحدت شرط دان...... وحدتِ موضوع ومحمول ومکان ۔ الیٰ آخرہ۔ جو ہدایات تقویت الایمان میں ہیں۔ وہ باعتبار حقیقت کے ہیں اور جو معارف و اسرار منصب امامت وغیرہ میں مذکور ہوئے ہیں۔ وہ دوسرے اعتبارات پر مسطور ہیں۔ **لو لا الاعتبارات لبطلت الحکمۃ** ۔ جو صاحب منصب امامت وغیرہ کے مضامین کا انکار کرتے ہیں وہ عین حکمت کو باطل کر رہے ہیں اور پھر یہ گذارش ہے کہ یہ سب نزاع بھی جانے دیجئے آپ سے میں اور کچھ نہیں کہتا۔ آپ تقویت الایمان پر ہی عامل رہیے لیکن حضرت مرزا صاحب کو مثل حضرت مولانا اسمٰعیل شہید ومجدّد کی اور اُن کی کتاب توضیح المرام کو مثل کتاب منصب امامت وغیرہ کے تصور کیجئے۔ جو حالت آخر میں حضرت مولانا اسمٰعیل صاحب شہید فی سبیل ومجدد کو حاصل ہوئی وہی حالت ابتدا سے اس مجدد الوقت کی ہے اور جیسے اسرار و معارف کتاب منصب امامت صراط مستقیم میں لکھے ہیں ویسے معارف توضیح المرام وغیرہ میں لکھے ہیں۔ پس این ہم فیصلہ شد۔ اے میرے پیارے دوست پورے پورے غیر مقلد نہ آپ ہیں اور نہ میں ہوں۔ کسی مسئلہ کی جب ہم اور آپ تحقیق کرنے بیٹھے تو بڑا اکمال ہمارا یہ ہوگا کہ تقویت الایمان میں یوں لکھا ہے اور منصب امامت میں ووں لکھا ہے اور جلالین میں ایسا کچھ مندرج ہے اور کمالین میں ایسا کچھ اور اگر زیادہ تر اس سے توغل علمی ہوگا تو مولوی محمد حسین کی طرح حوالے مسلّم الثبوت اور مطول حمد اللہ ملا حسن، ارشاد الفحول، دائرۃ الوصول کے ہونے لگیں گے۔ اب آپ فرمایئے یہ تقلید نہیں تو کیا ہے پورا پورا غیر مقلد تو وہی شخص ہوگا جو صاحب نفس قدسیہ اور مؤید من اللہ ہو اور مرتبہ مجدّدیّت پر اللہ تعالیٰ نے اُس کو مبعوث

﴿۱۹۳﴾

فرمایا ہو۔ میرے علم ناقص کے رو سے یہ منصب اس زمانہ میں سوائے حضرت مرزا صاحب کے اور کسی کو حاصل نہیں ہے۔ کلکتہ سے پنجاب تک اور دامن کوہ ہمالہ سے بمبئی تک اس احقر نے سفر کیا اور اکثر علماء سے ملاقاتیں ہوئیں لیکن جو بات باوجود نہ ہونے ملاقات کے اس مسافت بعیدہ پر میں نے مرزا صاحب میں پائی وہ کسی میں نہیں پائی۔ ورنہ یہ عاجز غیر مقلدوں میں دم بھرنے والا کیونکر اول حضرت کا ارادتمند ہو جاتا۔ ؎

اور امتحان بغیر تو یہ آپ کا غلام قائل نہیں ہے قبلہ کسی شیخ وشاب کا

کبھی آپ نے نہ سنا ہوگا کہ حضرت مرزا صاحب کے یہاں مسلم الثبوت کا درس ہو رہا ہے یا مطول پڑھائی جاتی ہے یا مُلاّ حسن حمد اللہ کی تعلیم ہو رہی ہے لیکن باوجود اس کے تمام علمائے ہندوستان وغیرہ کو جو اُن علوم میں ماہر واقف ہیں اُن کے مقابلہ کے واسطے بلایا جاتا ہے کوئی عالم اُس کا مقابلہ نہیں کرتا اور نہ کر سکے گا۔ مولوی محمد حسین جو ان علوم میں ایک فاضل اجلّ شمار کیا جاتا ہے اُس نے جو حضرت مجدّد سے مقابلہ اور مباحثہ کیا آپ نے سنا ہوگا کہ کیا نتیجہ اُس کا حاصل ہوا جو اسرار اور معارف حضرت مجدد نے اس مباحثہ میں بغیر کتاب اور سامان علم کے بیان کئے ہیں وہ مصداق **ما لا عین رأت و لا اذن سمعت** کے ہیں اور مولوی محمد حسین صاحب کی تقریر میں بجز مضامین علوم رسمیہ کے (وہ بھی صحیح طور پر نہیں) کوئی دوسرا مضمون ہی نہیں ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مولوی محمد حسین ایک پکّے مقلد ہیں اور حضرت ایک پکّے محقق پھر کیا اہل بصیرت کے نزدیک یہی مباحثہ ایک بڑا نشان آسمانی حضرت مجدد کی مجددیّت اور محدثیت کا نہیں ہے اور اگر کسی صاحب کی نظر میں بعض کلام حضرت مجدد کا بظاہر خلاف معلوم ہو تو اول تو نفس الامر میں وہ خلاف اصول صحیحہ کے ہی نہیں اور پھر ثانیاً کیا آپ یہ نہیں جانتے کہ تمام علوم رسمیہ میں بعض مسائل ایسے بھی ہیں جو باہم مخالف ہیں اور ان میں

﴿۱۹۴﴾

حق ایک جانب ہے۔علم صرف سے لے کر منطق ۔ معانی ۔ بیان ۔ اصول فقہ۔ اصول حدیث وغیرہ میں کوئی ایسا علم نہیں جس کے بعض مسائل میں اختلاف نہ ہو جو کتاب ان علوم کی کھول کر دیکھو گے اُس میں پاؤ گے۔ اخفش یوں کہتا ہے۔ سیبویہ یُوں کہتا ہے ابن سینا کا یہ مذہب ہے فارابی کا قول اُس کے خلاف ہے امام رازی نے یوں کہا ہے۔ ابن الصلاح یوں فرماتے ہیں لیکن ابن تیمیہ نے اس کا خلاف کیا ہے۔ توضیح تلویح میں فلاں اصل کو متاصل کہا ہے۔ ارشاد الفحول میں اس اصل کو ردّ کر دیا ہے۔ کہاں تک میں اس اختلاف کی شرح کروں پھر اگر حضرت مجدد کا کوئی کلام اصول فقہ یا اصول حدیث کے ظاہر میں کسی کو خلاف معلوم ہوتا ہو تو باوجود اختلاف موجودہ ان علوم کے یہ کیونکر ثابت ہو کہ حضرت مجدد غلطی پر ہیں وہ تو اپنے ہر ایک مدعا پر کتاب اللہ کو جو جملہ دلائل شرعیہ سے مقدم ہے اور جملہ فِرق اسلام کو مسلم ہے پیش کرتے ہیں۔ اب اگر کسی کو طاقت علمی ہے تو ان کے اس مدعا کو قرآن مجید سے ہی توڑے۔ خیر حدیث سے ہی توڑے۔ خیر عقل سے ہی توڑے۔ علمائے ہندوستان جو مدعو ہوئے ہیں دیکھیں ان میں کون کون اس میدان میں آتا ہے اور جبکہ کتاب اللہ کی نسبت لَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ [1]۔ وارد ہے تو کیا اس آیہ کو قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا کلام نہ کہا جاوے اور اُس پر ایمان نہ لایا جاوے آگے رہا یہ امر کہ ایسا کھلا کھلا نشان بیّن حضرت مجدد کی مجددیت و ملہمیت و محدثیت پر ہم سب پر ظاہر ہو جاوے کہ کسی طرح کا حجاب کسی کو بھی نہ رہے تو یہ بات اللہ تعالیٰ کی حکمت کے جو اُس نے ایمان بالغیب میں رکھی مخالف ہے دیکھو حضرت موسیٰؑ سے نبی جلیل القدر صاحب الکتاب کو بڑے بڑے معجزات دیئے گئے لیکن مخالفین کی نظروں میں ایک حجاب بھی قائم کر دیا گیا۔ ایک قبطی کو اُن کے ہاتھ سے قتل کروا دیا تاکہ مخالفین کی نظروں میں یہ فعل قتل اُن

[1] الانعام : ۶۰

کی نبوت کا حجاب ہو جاوے۔ حضرت یونسؑ نے عذاب کے نازل ہونے کی قوم مخالف کو بہ تعیین وقطع خبر دی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس عذاب کو ٹال دیا تا کہ مخالفین کی نظروں میں ایک حجاب ہو جاوے۔ خلفائے راشدین کی خلافت راشدہ میں طرح طرح کے حجاب مخالفین کے واسطے کھڑے کر دیئے گئے حالانکہ یہ خلافت باقی نبوت اور تتمہ رسالت تھی اور بڑے زور شور سے موعود کی گئی تھی تا کہ روافض اور خوارج کی نظروں میں وہ حجاب خفی حجاب جلی ہو جاویں اے میرے پیارے دوستو کیا اچھا کہا ہے کسی شاعر نے ؎

در کارخانۂ عشق از کفر ناگزیر است آتش کرا بسوزد گر بولہب نباشد

﴿۱۹۵﴾ مولانا شاہ ولی اللہ حکیم اُمت فرماتے ہیں کہ یہ خفاء اور حجاب اس واسطے ڈالے جاتے ہیں کہ امتحان مخلصان ومنافقان بمیان آید۔ الحاصل جو طعن آپ حضرت مرزا صاحب پر کرتے ہیں۔ اس میں مولانا اسمٰعیل صاحب علیہ الرحمۃ بھی شریک ہیں۔ انا احمد بلا میم کو حدیث قرار دینا فی الحقیقت بڑا افترا اور کذب صریح ہے وہ کسی طرح پر درست نہیں **سُبْحَانَکَ ھٰذَا بُھْتَانٌ عَظِیْمٌ** ۔ اللہ تعالیٰ سارے جھوٹوں کا منہ کالا کرے۔ اور پھر یہ عرض ہے کہ جملہ **انا احمد بلا میم** میں کوئی حرف تشبیہ وغیرہ کا مذکور نہیں جس سے معنے مجازی مفہوم ہوں صرف معنے حقیقی متبادر ہوتے ہیں اور وہ بالاتفاق باطل ہیں بخلاف کلام مرزا صاحب کے کہ اس میں جا بجا الفاظ مجاز اور استعارات کی تصریح ہے جس سے سوا اتحاد مجازی کے اتحاد حقیقی مفہوم ہی نہیں ہوتا حتیٰ کہ شعر میں بھی لفظ آنچنان کا موجود ہے۔ ؎ آنچنان از خود جدا شد کز میان افتاد میم لفظ چنان کا محض تمثیل کے واسطے آتا ہے معنے حقیقی یہاں پر مراد ہو ہی نہیں سکتے **لا تطرونی**۔ کے معنے پر ہمارا ایمان ہے اور جو اطراء مذہب نصاریٰ کا ہے وہ بالکل شرک اور کفر ہے اس کی نسبت مرزا صاحب فرما چکے ہیں کہ ان کی طبیعتیں بسبب اس شرک کے ناپاک ہو گئی ہیں

وغیرہ وغیرہ مگر اس حدیث میں وہی اطراء منع ہے جو نصاریٰ کا سا ہو نہ وہ اطراء جو قرآن مجید اور سنت سے ثابت ہے اور جو اولیائے امت نے قرآن و حدیث سے آپ کی مدح میں اطراء کیا۔ وہ کہاں ممنوع ہے لفظ حدیث کے **لا تطرونی کما اطرت النصاریٰ**۔ ہیں نہ مطلق **لا تطرونی**۔ جناب من تقویت الایمان کو **لآ الٰہ الا اللّٰہ** کی شرح اور تفسیر سمجھئے اور منصب امامت یا صراط مستقیم یا توضیح المرام کے مضامین محمد الرسول اللہ کی تفسیر تصور کیجئے۔ ان میں وہ اطراء نہیں ہے جو یہود و نصاریٰ نے کیا ہے۔ والسلام خیر الختام۔
مورخہ دوازدہم ستمبر ۹۱ء مطابق نہم صفر ۱۳۰۹ھ

خاکسار

محمد احسن مہتمم مصارف ریاست بھوپال

ٹائیٹل بار اوّل

جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ

هٰذَا الَّذِیْ کُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ

(یہ وہی ہے جس کے لئے تم جلدی کرتے تھے)

میاں نذیر حسین صاحب دہلوی اور اُن کے شاگرد بٹالوی کو جو مؤلف رسالہ ہذا صاحب ازالۂ اوہام و توضیح مرام کو کافر اور دجال اور کذاب اور ملحد اور بے ایمان اور ملعون اور دور از رحمتِ رحمٰن ٹھہراتے ہیں اور ایسا ہی اُن کے تمام ہمخیالوں مولویوں صوفیوں پیرزادوں فقیروں سجادہ نشینوں کو آسمانی فیصلہ کی طرف دعوت اور نیز اُنکے گذشتہ مباحثات کی کیفیت

والحمد للہ والمنّة کہ یہ رسالہ موسومہ

آسمانی فیصلہ

مطبع ریاض ہند امرتسر میں چھپا

ایک ہزار جلد فی سبیل اللہ تقسیم کیگئی ہے

﴿۳﴾

بسم اللّٰہ الرّحمٰن الرّحیم

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

لَنۡ یَّجۡعَلَ اللّٰہُ لِلۡکَافِرِیۡنَ عَلَی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ سَبِیۡلًا

یہ ہرگز نہیں ہوگا کہ کافر مومنوں کو ملزم کرنے کے لئے راہ پاسکیں۔

اے خداوند رہنمائے جہان — آتش افتاد درجہان ز فساد
صادقاں را زِ کاذبانِ بُرہان — الغیاث اے مغیث عالمیان

میاں نذیر حسین صاحب کی تکفیر کی اصل حقیقت اور ان کی مصنوعی فتح کی واقعی کیفیت اور ان کو اور ان کے ہم خیال لوگوں کو آسمانی فیصلہ کی طرف دعوت

میاں نذیر حسین صاحب دہلوی اگرچہ آپ بھی کفر کے فتوؤں سے بچے ہوئے نہیں ہیں اور خیر سے ہندوستان میں اول الکافرین وہی ٹھہرائے گئے ہیں تاہم ان کو دوسرے مسلمانوں کے کافر بنانے کا اس قدر جوش ہے کہ جیسے راست باز لوگوں کو مسلمان بنانے کا شوق ہوتا ہے وہ اس بات کے بڑے ہی خواہش مند پائے جاتے ہیں کہ کسی مسلمان پر خواہ نخواہ کفر کا فتویٰ لگ جائے گو کفر کی ایک بھی وجہ نہ پائی جائے اور ان کے شاگرد رشید میاں محمد حسین بٹالوی جو شیخ کہلاتے ہیں انہیں کے نقش قدم پر چلے ہیں بلکہ شیخ جی تو کچھ زیادہ گرمی دار اور تکفیر کے شوق میں اپنے استاد سے بھی کچھ بڑھ چڑھ کر ہیں۔ ان دونوں استاد اور شاگرد کا مذہب یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر ننانویں وجوہ ایمان کی کھلی کھلی ان کی نگاہ میں پائی جائیں اور ایک ایمانی وجہ ان کو اپنی کوتہ نظری کی وجہ سے سمجھ میں نہ آوے تو پھر بھی ایسے آدمی کو کافر کہنا ہی مناسب ہے چنانچہ اس عاجز کے ساتھ بھی ان حضرات نے ایسا ہی برتاؤ کیا جو شخص اس عاجز کی تالیفات براہین احمدیہ اور سرمہ چشم آریہ وغیرہ کو غور سے پڑھے اس پر بخوبی کھل جائے گا کہ یہ عاجز کس

جان نثاری کے ساتھ خادم دین اسلام ہے اور کس قدر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی
عظمتوں کے شائع کرنے میں فدا شدہ ہے مگر پھر بھی میاں نذیر حسین صاحب اور ان کے
شاگرد بٹالوی نے صبر نہ کیا جب تک کہ اس عاجز کو کافر قرار نہ دے دیا میاں نذیر حسین
صاحب کی حالت نہایت ہی قابل افسوس ہے کہ اس پیرانہ سالی میں کہ گور میں پیر لٹکا رہے
ہیں اپنی عاقبت کی کچھ پروانہ کی اور اس عاجز کو کافر ٹھہرانے کیلئے دیانت اور تقویٰ کو بالکل
ہاتھ سے چھوڑ دیا اور موت کے کنارہ تک پہنچ کر اپنے اندرون کا نہایت ہی برا نمونہ دکھایا
خداترس اور متدیّن اور پرہیزگار علماء کا یہ فرض ہونا چاہئے کہ جب تک ان کے ہاتھ میں کسی
کے کافر ٹھہرانے کیلئے ایسی صحیحیہ یقینیہ قطعیہ وجوہ نہ ہوں کہ جن اقوال کی بناء پر اس
پر کفر کا الزام لگایا جاتا ہے ان اقوال مستلزم کفر کا وہ اپنے مُنہ سے صاف اقرار کرے انکار نہ
کرے تب تک ایسے شخص کو کافر بنانے میں جلدی نہ کریں لیکن دیکھنا چاہئے کہ میاں نذیر
حسین اسی تقویٰ کے طریق پر چلے ہیں یا اور طرف قدم مارا۔ سو واضح ہو کہ میاں نذیر حسین
نے تقویٰ اور دیانت کے طریق کو بکلی چھوڑ دیا میں نے دہلی میں تین اشتہار جاری کئے اور
اپنے اشتہارات میں بار بار ظاہر کیا کہ میں مسلمان ہوں اور عقیدۂ اسلام رکھتا ہوں بلکہ میں
نے اللہ جلّ شانہٗ کی قسم کھا کر پیغام پہنچایا کہ میری کسی تحریر یا تقریر میں کوئی ایسا امر نہیں ہے
جو نعوذ باللہ عقیدۂ اسلام کے مخالف ہو صرف معترضین کی اپنی ہی غلط فہمی ہے ورنہ میں تمام
عقائد اسلام پر بدل و جان ایمان رکھتا ہوں اور مخالف عقیدۂ اسلام سے بیزار ہوں لیکن حضرت
میاں صاحب نے میری باتوں کی طرف کچھ بھی التفات نہ کی اور بغیر اس کے کہ کچھ تحقیق اور
تفتیش کرتے مجھے کافر ٹھہرایا بلکہ میری طرف سے أَنَا مُؤمن انا مؤمن کے صاف اقرارات
بھی سن کر پھر بھی لَسْتَ مُؤْمِنًا کہہ دیا اور جا بجا اپنی تحریروں اور تقریروں اور اپنے شاگردوں
کے اشتہارات میں اس عاجز کا نام کافر و بے دین اور دجال رکھا اور عام طور پر مشتہر کر دیا کہ یہ
شخص کافر اور بے ایمان اور خدا اور رسولؐ سے روگردان ہے سو میاں صاحب کی اس پھونک سے
عوام الناس میں ایک سخت آندھی پیدا ہو گئی اور ہندوستان اور پنجاب کے لوگ ایک سخت فتنہ میں پڑ
گئے خاص کر دہلی والے تو میاں صاحب کی اس اخگر اندازی سے آگ ببولا بن گئے شاید دہلی میں

﴿۴﴾

ساٹھ یا ستّر ہزار کے قریب مسلمان ہوگا لیکن ان میں سے واللہ اعلم شاذ و نادر کوئی ایسا فرد ہوگا جو اس عاجز کی نسبت گالیوں اور لعنتوں اور ٹھٹھوں کے کرنے یا سننے میں شریک نہ ہوا ہو یہ تمام ذخیرہ میاں صاحب کے ہی اعمال نامہ سے متعلق ہے جس کو انہوں نے اپنی زندگی کے آخری دنوں میں اپنی عاقبت کیلئے اکٹھا کیا انہوں نے سچی گواہی پوشیدہ کر کے لاکھوں دلوں میں جما دیا کہ درحقیقت یہ شخص کافر اور لعنت کے لائق اور دین اسلام سے خارج ہے اور میں نے انہیں دنوں میں جب کہ میں دہلی میں مقیم تھا شہر میں تکفیر کا عام غوغا دیکھ کر ایک خاص اشتہار انہیں میاں صاحب کو مخاطب کر کے شائع کیا اور چند خط بھی لکھے اور نہایت انکسار اور فروتنی سے ظاہر کیا کہ میں کافر نہیں ہوں۔ اور خدائے تعالیٰ جانتا ہے کہ میں مسلمان ہوں اور ان سب عقائد پر ایمان رکھتا ہوں جو اہل سنت والجماعت مانتے ہیں اور کلمہ طیبہ **لا اِلٰہ الا اللّٰہ محمد رسول الله** کا قائل ہوں اور قبلہ کی طرف نماز پڑھتا ہوں اور میں نبوت کا مدعی نہیں بلکہ ایسے مدعی کو دائرہ اسلام سے خارج سمجھتا ہوں اور یہ بھی لکھا کہ میں ملائک کا منکر بھی نہیں بخدا میں اسی طرح ملائک کو مانتا ہوں جیسا کہ شرع میں مانا گیا اور یہ بھی بیان کیا کہ میں لیلۃ القدر کا بھی انکاری نہیں بلکہ میں اس لیلۃ القدر پر ایمان رکھتا ہوں جس کی تصریح قرآن اور حدیثوں میں وارد ہو چکی ہے اور یہ بھی ظاہر کر دیا کہ میں وجود جبرائیل اور وحی رسالت پر ایمان رکھتا ہوں انکاری نہیں اور نہ حشر ونشر اور یوم البعث سے منکر ہوں اور نہ خام خیال نیچریوں کی طرح اپنے مولیٰ کی کامل عظمتوں اور کامل قدرتوں اور اس کے نشانوں میں شک رکھتا ہوں اور نہ کسی استبعاد عقلی کی وجہ سے معجزات کے ماننے سے منہ پھیرنے والا ہوں اور کئی دفعہ میں نے عام جلسوں میں ظاہر کیا کہ خدائے تعالیٰ کی غیر محدود قدرتوں پر میرا یقین ہے بلکہ میرے نزدیک قدرت کی غیر محدودیّت الوہیت کا ایک ضروری لازمہ ہے اگر خدا کو مان کر پھر کسی امر کے کرنے سے اس کو عاجز قرار دیا جائے تو ایسا خدا خدا ہی نہیں اور اگر نعوذ باللہ وہ ایسا ہی ضعیف ہے تو اس پر بھروسہ کرنے والے جیتے ہی مر گئے اور تمام امیدیں ان کی خاک میں مل گئیں بلا شبہ کوئی بات اس سے انہونی نہیں ہاں وہ بات ایسی چاہئے کہ خدا تعالیٰ کی شان اور تقدس کو زیبا ہو اور اس کے صفات کاملہ اور اس کے مواعید صادقہ کے برخلاف نہ ہو۔ لیکن میاں صاحب نے باوجود میرے

ان تمام اقرارات کے صاف لکھا کہ تم پر کفر کا فتویٰ ہو چکا اور ہم تم کو کافر اور بے ایمان سمجھتے ہیں بلکہ ۲۰/ اکتوبر ۱۸۹۱ء میں جو تاریخ بحث مقرر کی گئی تھی جس سے پہلے اشتہارات مذکورہ جاری ہو چکے تھے میاں صاحب کی طرف سے بحث ٹالنے کیلئے بار بار یہی عذر تھا کہ تم کافر ہو پہلے اپنا عقیدہ تو مطابق اسلام ثابت کرو پھر بحث بھی کرنا۔ اس وقت بھی بتامتر ادب یہی کہا گیا کہ میں کافر نہیں ہوں بلکہ ان تمام امور پر ایمان رکھتا ہوں جو اللہ جلّ شانہٗ نے مسلمانوں کیلئے عقائد ٹھہرائے ہیں بلکہ جیسا کہ اشتہار ۲۳/ اکتوبر ۱۸۹۱ء میں درج ہے میں نے اپنے ہاتھ سے ایک تحریر بھی لکھ کر دی کہ میں ان تمام عقائد پر ایمان رکھتا ہوں مگر افسوس کہ میاں صاحب موصوف پھر بھی اس عاجز کو کافر ہی جانتے رہے اور کافر ہی لکھتے رہے اور یہی ایک بہانہ ان کے ہاتھ میں تھا جس کی وجہ سے مسیح کی **وفات حیات** کے بارے میں انہوں نے مجھ سے بحث نہ کی کہ یہ تو کافر ہے کافروں سے کیا بحث کریں اگر ان میں ایک ذرہ تقویٰ ہوتی تو اسی وقت سے جو میری طرف سے عقائد اسلام اور اپنے مسلمان ہونے کا اشتہار جاری ہوا تھا تکفیر کے فتوے سے دستکش ہو جاتے اور جیسا کہ ہزاروں لوگوں میں تکفیر کے فتوے کو مشہور کیا تھا ایسا ہی عام جلسوں میں اپنی خطا کا اقرار کر کے میرے اسلام کی نسبت صاف گواہی دیتے اور ناحق کے سوءظن سے اپنے تئیں بچاتے اور خلاف واقعہ تکفیر کی شہرت کا تدارک کر کے اپنے لئے خدائے تعالیٰ کے نزدیک ایک عذر پیدا کر لیتے لیکن انہوں نے ہرگز ایسا نہ کیا بلکہ جب تک میں دہلی میں رہا یہی سنتا رہا کہ میاں صاحب اس عاجز کی نسبت گندے اور ناگفتنی الفاظ اپنے منہ سے نکالتے ہیں اور تکفیر سے دست بردار نہیں ہوئے اور ہر چند کوشش کی گئی کہ وہ اس نالائق طریق سے باز آ جائیں اور اپنی زبان کو تھام لیں لیکن اس عاجز کی نسبت کافر کافر کہنا ایسا ان کی زبان پر چڑھ گیا کہ وہ اپنی زبان کو روک نہیں سکے اور نفس **امّارہ** نے ایسا ان کے دل پر قبضہ کر لیا کہ خدائے تعالیٰ کے خوف کا کوئی خانہ خالی نہ رہا **فاعتبروا یا اولی الابصار**۔ اب میں ان کی تکفیر کو زیادہ طول دینا نہیں چاہتا۔ ہر یک شخص اپنی گفتار و کردار سے پوچھا جائے گا۔ ان کے اعمال ان کے ساتھ اور میرے اعمال میرے ساتھ لیکن افسوس تو یہ ہے کہ ناحق کے الزاموں اور مفتریانہ کاموں کی طرف انھوں نے توجہ کی اور جو اصل بحث کے لائق اور متنازعہ فیہ امر تھا یعنے **وفات مسیح** علیہ السلام اس کی طرف

انہوں نے ذرہ توجہ نہ فرمائی میں نے ان کی طرف کئی دفعہ لکھا کہ میں کسی اور عقیدہ میں آپ کا مخالف نہیں صرف اس بات میں مخالف ہوں کہ میں آپ کی طرح حضرت مسیح علیہ السلام کی جسمانی حیات کا قائل نہیں۔ بلکہ میں حضرت مسیح علیہ السلام کو **فوت شدہ** اور داخل موتی ایماناً و یقیناً جانتا ہوں اور ان کے مرجانے پر یقین رکھتا ہوں اور کیوں یقین نہ رکھوں جب کہ میرا **مولیٰ** میرا آقا اپنی کتاب عزیز اور قرآن کریم میں ان کو متوفیوں کی جماعت میں داخل کر چکا ہے اور سارے قرآن میں ایک دفعہ بھی ان کی خارق عادت زندگی اور ان کے دوبارہ آنے کا ذکر نہیں بلکہ ان کو صرف فوت شدہ کہہ کر پھر چپ ہو گیا لہٰذا ان کا زندہ بجسدہ العنصری ہونا اور پھر دوبارہ کسی وقت دنیا میں آنا نہ صرف اپنے ہی الہام کی رو سے خلاف واقعہ سمجھتا ہوں بلکہ اس خیال حیات مسیح کو نصوص بیّنہ قطعیّہ یقینیہ قرآن کریم کی رو سے لغو اور باطل جانتا ہوں اگر یہ میرا بیان کلمہ کفر ہے یا جھوٹ ہے تو **آیئے** اس امر میں مجھ سے بحث کیجئے پھر اگر آپ نے قرآن اور حدیث سے **حیات جسمانی** حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ثابت کر کے دکھلا دی تو میں اس قول سے رجوع کروں گا بلکہ وہ اپنی کتابیں جن میں یہ مضمون ہے جلا دوں گا۔ اگر بحث نہیں کر سکتے تو آؤ اس بارہ میں اس مضمون کی قسم ہی کھاؤ کہ قرآن کریم میں مسیح کی وفات کا کچھ ذکر نہیں بلکہ حیات کا ذکر ہے یا کوئی اور حدیث صحیح مرفوع متصل موجود ہے جس نے **توفّی** کے لفظ کی کوئی مخالفانہ تفسیر کر کے مسیح کی حیات جسمانی پر گواہی دی ہے۔ پھر اگر ایک سال تک خدائے تعالیٰ کی طرف سے اس بات کا کوئی کھلا نشان ظاہر نہ ہوا کہ آپ نے جھوٹی قسم کھائی ہے یعنے کسی وبال عظیم میں آپ مبتلا نہ ہوئے تب بلاتوقف میں آپ کے ہاتھ پر توبہ کروں گا مگر افسوس کہ ہر چند بار بار میاں صاحب سے یہ درخواست کی گئی لیکن نہ انہوں نے بحث کی اور نہ قسم کھائی اور نہ کافر کافر کہنے سے باز آئے ہاں اپنی اس کنارہ کشی کی ذلت کو عوام سے پوشیدہ رکھنے کیلئے جھوٹے اشتہارات شائع کر دیئے جن میں یہ بار بار لکھا گیا کہ گو وہ تو اس عاجز کو بحث کیلئے اخیر تک بلاتے ہی رہے اور قسم کھانے کیلئے بھی مستعد تھے لیکن یہ عاجز ہی ان سے ڈر گیا اور مقابل پر نہ آیا۔ میاں صاحب اور شیخ الکل کہلانا اور اس قدر جھوٹ! میں ان کے حق میں **علی الکاذبین** کیا کہوں خدائے تعالیٰ ان پر رحمت کرے۔ ناظرین! اگر کچھ نور فراست رکھتے ہو تو یقیناً سمجھو کہ

﴿۵﴾

یہ سب باتیں میاں صاحب اور ان کے شاگردوں کی سراسر دروغ بے فروغ اور محض اوباشانہ لاف وگزاف ہے جب کہ میری طرف سے اشتہار پر اشتہار اس بات کیلئے جاری ہوا تھا کہ میاں صاحب مسیح کی وفات کے بارہ میں مجھ سے بحث کریں اور اسی مطلب کیلئے میں حرج اور خرچ اٹھا کر ایک ماہ برابر دہلی میں رہا تو پھر ایک حقیقت رس آدمی سمجھ سکتا ہے کہ اگر میاں صاحب بحث کے لئے سیدھے دل سے مستعد ہوتے تو میں کیوں ان سے بحث نہ کرتا نقل مشہور ہے کہ سانچ کو آنچ نہیں میں اسی طرح بحث وفات مسیح کیلئے **اب پھر حاضر** ہوں جیسا کہ پہلے حاضر تھا اگر میاں صاحب لاہور میں آ کر بحث منظور کریں تو میں ان کی خاص ذات کا کرایہ آنے جانے کا خود دے دوں گا اگر آنے پر راضی ہوں تو میں ان کی تحریر پر بلاتوقف کرایہ پہلے روانہ کرسکتا ہوں اب میں دہلی میں بحث کیلئے جانا نہیں چاہتا کیونکہ دہلی والوں کے شور وغوغا کو دیکھ چکا ہوں اور ان کی مفسدانہ اور اوباشانہ باتیں سن چکا ہوں **وَلَایُلْدَغُ الْمُؤْمِنُ مِنْ جُحْرٍ وَاحِدٍ مَرَّتَیْنِ** میں تو یہ بھی کہتا ہوں کہ اگر میں بحث وفات مسیح سے گریز کروں تو میرے پر بوجہ **صدّ عن سبیل اللّٰہ** خدائے تعالیٰ کی ہزار لعنت ہو۔ اور اگر شیخ الکل صاحب گریز کریں تو ان پر اس سے آدھی ہی سہی اور اگر وہ حاضر ہونے سے **روگردان** ہیں تو میں یہ بھی اجازت دیتا ہوں کہ وہ اپنی جگہ پر ہی بذریعہ تحریرات اظہار حق کیلئے بحث کرلیں غرض مَیں ہر طرح سے حاضر ہوں اور میاں صاحب کے جواب باصواب کا منتظر ہوں میں زیادہ تر گرمجوشی سے میاں صاحب کی طرف اسلئے مستعد ہوں کہ لوگوں کے خیال میں ان کی علمی حالت سب سے بڑھی ہوئی ہے اور وہ علمائے ہند میں **بیخ** کی طرح ہیں اور کچھ شک نہیں کہ بیخ کے کاٹنے سے تمام شاخیں خود بخود گریں گی سو مجھے **بیخ** ہی کی طرف متوجہ ہونا چاہئے اور شاخوں کا قصہ خود بخود تمام ہو جائے گا اور اس بحث سے دنیا پر کھل جائے گا کہ شیخ الکل صاحب کے پاس مسیح علیہ السلام کی جسمانی زندگی پر کون سے دلائل یقینیہ ہیں جن کی وجہ سے انھوں نے عوام الناس کو سخت درجہ کے اشتعال میں ڈال رکھا ہے مگر یہ پیشگوئی بھی یاد رکھو کہ وہ **ہرگز بحث نہیں** کریں گے اور اگر کریں گے تو ایسے رسوا ہوں گے کہ منہ دکھانے کی جگہ نہیں رہے گی۔ ہائے مجھے ان پر بڑا افسوس ہے کہ انھوں نے چند روزہ زندگی کے ننگ و ناموس سے پیار کر کے حق کو چھپایا اور راستی کو ترک کر کے **ناراستی** سے دل لگایا ان کو خوب معلوم تھا کہ حضرت مسیح علیہ السلام

﴿۶﴾ کی وفات قرآن کریم اور احادیث صحیحہ مرفوعہ سے بخوبی ثابت ہے مگر سراسر خیانت اور بددیانتی کی راہ سے اس شہادت کے ادا کرنے سے وہ عمداً پیچھے ہٹے رہے انھوں نے سچائی کا پکا دشمن بن کر محض دروغ گوئی کی راہ سے عوام میں اس بات کو پھیلایا کہ قرآن کریم میں یہی لکھا ہے کہ مسیح ابن مریم زندہ **بجسدہ العنصری** آسمان پر اٹھایا گیا ہے اور وفات کا کہیں ذکر نہیں مگر چونکہ وہ دل میں جانتے تھے کہ ہم ناحق پر ہیں اور کتاب اللہ کے مخالف کہہ رہے ہیں اسلئے وہ سیدھی نیت سے بحث کرنے کیلئے مقابل پر نہ آئے اور بے ہودہ شرطوں کے ساتھ اس مختصر اور صاف طریق بحث وفات کو ٹال دیا۔ غضب کی بات ہے کہ خداوند ذوالمجد والجلال تو یہ فرماوے کہ مسیح ابن مریم فوت ہوگیا ہے اور میاں نذیر حسین یہ کہیں کہ نہیں ہرگز نہیں بلکہ وہ تو زندہ **بجسدہ العنصری** آسمان کی طرف اٹھایا گیا ہے **آفرین اے نذیر حسین** تو نے خوب قرآن کی **پیروی** کی اور طرفہ تر یہ کہ قران کریم میں آسمان کی طرف اٹھا لینے کا کہیں ذکر بھی نہیں بلکہ وفات دینے کے بعد اپنی طرف اٹھا لینے کا ذکر ہے جیسا کہ عام طور پر تمام فوت شدہ راستبازوں کے لئے ارْجِعِىٓ اِلٰى رَبِّكِ[1] کا خطاب ہے سو وہی رفع الی اللہ اور رجوع الی اللہ جس کے لئے پہلے موت شرط ہے حضرت مسیح کے بھی نصیب ہوگیا کہاں یہ **رفع الی اللّٰہ** اور کہاں **رفع الی السماء** ہائے افسوس ان لوگوں نے قرآن کریم کو کیسے پس پشت ڈال دیا اور اس کی عظمت ان کے دلوں سے کیسی یکدفعہ اٹھ گئی اور خدائے تعالیٰ کی پاک کلام کی جگہ بے اصل لکیر سے محبت کرنے لگے کتابوں سے تو لدے ہوئے ہیں مگر خدائے تعالیٰ نے **سمجھ چھین لی** فتح اور شکست کے خیال نے دیانت اور ایمان کو دبا لیا اور پندار اور عُجب نے حق کے قبول کرنے سے دور ڈال دیا اور مجھے تو اس بات کا ذرہ بھی رنج نہیں کہ میاں نذیر حسین اور ان کے شاگردوں نے ایک جھوٹی فتح کو خلاف واقعہ مشہور کر دیا اور نفس الامر کو چھپایا۔ اور نہ میرے لئے یہ کچھ رنج کی بات ہے کیونکہ جس حالت میں راست راست اور حق الامر یہی ہے کہ دراصل میاں صاحب ہی ایک بڑی ذلت کے ساتھ ہمیشہ کیلئے شکست یاب اور پس پا ہو گئے ہیں اور ایسے گرے ہیں کہ اب پھر کبھی کھڑے نہیں ہوں گے یہاں تک کہ اسی مغلوبی میں اس عالم سے گذر جائیں گے پھر اگر وہ ملامت خلق پر پردہ ڈالنے کیلئے ایک مصنوعی فتح کا خاکہ اپنی نظر کے سامنے رکھ کر چند منٹ کیلئے

[1] الفجر : ۲۹

اپنا جی خوش کر لیں تو مجھے کیوں بُرا ماننا چاہیئے بلکہ اگر رحم کی نظر سے دیکھا جائے تو ان کا یہ حق بھی ہے کیونکہ میں یقیناً جانتا ہوں کہ انھوں نے اس عاجز کے مقابل پر شکست فاش کھا کر بہت کچھ غم وغصہ اٹھایا ہے اور ان کے دل پر اس اخیر عمر میں سخت صدمہ خجالت اور شرمندگی کا پہنچ گیا ہے اب اگر غم غلط کرنے کیلئے اس قدر بھی نہ کرتے کہ خلاف واقع فتح کا نقارہ بجاتے تو پیرانہ سالی کا ضعیف دل اتنے بڑے صدمہ کی برداشت کیونکر کر سکتا سو شاید انہوں نے جان رکھنا فرض سمجھ کر اتنا بڑا جھوٹ اپنے لئے روا رکھ لیا اور مجھے اب بھی اس بات کی ضرورت نہ تھی کہ میں اس حق الامر کا اظہار کر کے ان کے ملمع خوشی کو کالعدم کر دیتا کیونکہ فتح وشکست پر نظر رکھنا ایک مجوبانہ خیال ہے اور سچائی کے عاشق سچائی کو ہی چاہتے ہیں خواہ وہ فتح کی صورت میں حاصل ہو جائے یا شکست کے پیرایہ میں ملے مگر چونکہ لوگ ایسی غلط اور مخالفانہ تحریروں سے دھوکے میں پڑ جاتے ہیں اور خلاف واقعہ شہرت کی وجہ سے متأثر ہو کر ان تحریروں کو صحیح اور باوقعت سمجھنے لگتے ہیں اور پھر اس کا بداثر لوگوں کے دین کو سخت نقصان پہنچاتا ہے اس لئے اصل حقیقت کا ظاہر کرنا ایک حق لازم اور دین واجب میرے پر تھا جو ادا کرنے کے بغیر ساقط نہیں ہو سکتا تھا مگر میں اس بات سے تو نادم ہوں کہ میاں صاحب کی پیرانہ سالی کی حالت میں ان کے دوبارہ غم تازہ کرنے کا موجب ہوا ہوں۔

اس جگہ یہ بیان کرنا بھی بے محل نہیں کہ میاں صاحب کے ناحق کے ظلموں سے جو انہوں نے اس عاجز کی نسبت روا رکھے **ایک یہ** بھی ہے کہ بٹالوی کو انھوں نے بکلّی کھلا چھوڑ دیا اور اس بات پر راضی ہو گئے کہ وہ ہر ایک طرح کی گالیوں اور لعن طعن سے اس عاجز کی آبرو پر دانت تیز کرے سو وہ میاں صاحب کا منشاء پا کر حد سے گذر گیا اور آیت کریمہ لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ [1] کی کچھ بھی پروا نہ کر کے ایسی گندی گالیوں پر آ گیا کہ چوہڑوں چماروں کے بھی کان کاٹے یہاں تک کہ اس پاکیزہ سرشت نے صدہا لوگوں کے روبرو **دہلی** کی جامع مسجد میں اس عاجز کو فحش گالیاں دیں چنانچہ گالیوں کے سننے والوں میں سے **شیخ حامد علی** میرا ملازم بھی ہے جو اس وقت موجود تھا جس کی اور لوگوں نے بھی تصدیق کی ایسا ہی اس بزرگ نے پھلور کے اسٹیشن پر ایک جماعت کے روبرو اس عاجز کی نسبت کہا کہ وہ

[1] النساء : ۱۴۹

کتے کی موت سے مرے گا اور عام تحریروں میں اس عاجز کا نام کافر اور دجال رکھا اور ۱۱۔ اکتوبر ۱۸۹۱ء کے کارڈ میں جو اس نے منشی فتح محمد اہلکار ریاست جموں کے نام لکھا جو اس وقت میرے پاس سامنے پڑا ہے بجز گالیوں کے اور کچھ تحریر نہیں کیا کھلی تحریر میں سخت گالیاں دینا اور کارڈوں میں جن کو ہر یک شخص پڑھ سکتا ہے بدزبانی کرنا اور اپنے مخالفانہ جوش کو انتہا تک پہنچانا کیا اس **عادت** کو خدا پسند کرتا ہے یا اس کو شیوہ شرفاء کہہ سکتے ہیں اس **گیارہ اکتوبر** کے کارڈ میں اس بزرگ نے بڑے جوش سے اس ناکارہ کی نسبت لکھا ہے کہ یہ شخص درحقیقت **کافر** ہے دجال ہے ملحد ہے **کذاب** ہے۔ اے میرے مولیٰ اے میرے پیارے آقا میں نے اس شخص کی تمام سخت باتوں اور لعنتوں اور گالیوں کا جواب تیرے پر چھوڑا۔ اگر تیری یہی مرضی ہے تو جو کچھ تیری مرضی وہ میری ہے مجھے اس سے بڑھ کر کچھ نہیں چاہئے کہ تُو راضی ہو میرا دل تجھ سے پوشیدہ نہیں تیری نگاہیں میری تہہ تک پہنچی ہوئی ہیں اگر مجھ میں کچھ فرق ہے تو نکال ڈال اور اگر تیری نگاہ میں مجھ میں کچھ بدی ہے تو میں تیرے ہی منہ کی اس سے پناہ مانگتا ہوں۔ اے میرے پیارے ہادی!! اگر میں نے ہلاکت کی راہ اختیار کی ہے تو مجھے اس سے بچا اور وہ کام کرا کہ جس میں تیری رضامندی ہو۔ میری روح بول رہی ہے کہ تُو میرے لئے ہے اور ہوگا جب سے کہ تو نے کہا کہ میں **تیرے ساتھ ہوں** اور جب سے کہ تو نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا کہ **اِنّیْ مُھِیْنٌ من اراد اھانتک** اور جب سے کہ تُو نے دل جوئی اور نوازش کی راہ سے مجھے کہا کہ **انت منی بمنزلة لا یعلمھا الخلق** تو اسی دم سے میرے قالب میں جان آ گئی تیری دل آرام باتیں میرے زخموں کی مرہم ہیں تیرے محبت آمیز کلمات میرے غم رسیدہ دل کے مُفرّح ہیں۔ میں غموں میں ڈوبا ہوا تھا تو نے مجھے بشارتیں دیں۔ میں مصیبت زدہ تھا تو نے مجھے پوچھا پیارے میرے لئے یہ خوشی کافی ہے کہ تُو میرے لئے اور میں تیرے لئے ہوں۔ تیرے حملے دشمنوں کی صف توڑیں گے اور تیرے تمام پاک وعدے پورے ہوں گے تو اپنے بندہ کا آمرزگار ہوگا۔

پھر میں پہلی کلام کی طرف رجوع کر کے ناظرین پر واضح کرنا چاہتا ہوں کہ جس قدر میں نے **بٹالوی** کی سخت زبانی لکھی ہے وہ صرف بطور نمونہ کے بیان کی گئی ہے ورنہ اس شخص کی بدزبانی کا کچھ انتہا نہیں رہا اور درحقیقت یہ ساری بدزبانی میاں نذیر حسین صاحب کی ہے کیونکہ استاد کے خلاف منشاء شاگرد کو کبھی جرأت نہیں ہوتی میاں صاحب نے آپ بھی بدزبانی کی اور

﴿۷﴾

کرائی بھی اور بٹالوی کی کوئی بدگوئی میاں صاحب کو مکروہ معلوم نہ ہوئی اور میاں صاحب کے مکان میں بیٹھ کر ایک اور اشتہار تکبر کا بھرا ہوا بٹالوی نے لکھا جس میں اس عاجز کی نسبت یہ فقرہ درج تھا کہ یہ میرا شکار ہے کہ بدقسمتی سے پھر دہلی میں میرے قبضہ میں آ گیا اور میں خوش قسمت ہوں کہ بھاگا ہوا شکار پھر مجھے مل گیا۔ ناظرین!! انصافاً کہو کہ یہ کیسے سفلہ پن کی باتیں ہیں میں سچ سچ کہتا ہوں کہ اس زمانہ کے مہذّب ڈوم اور نقّال بھی تھوڑا بہت حیا کو کام میں لاتے ہیں اور پشتوں کے سفلے بھی ایسا کمینگی اور شیخی سے بھرا ہوا تکبر اپنے حقیقت شناس کے سامنے زبان پر نہیں لاتے۔ اگر میں بٹالوی صاحب کا شکار ہوتا تو اس کے استاد کو دہلی میں کیوں جا پکڑتا کیا شاگرد استاد سے بڑا ہے جب استاد ہی چڑیا کی طرح میرے پنجہ میں گرفتار ہو گیا تو پھر ناظرین سمجھ لیں کہ کیا میں بٹالوی کا شکار ہوا یا بٹالوی میرے شکار کا شکار بٹالوی کی شوخیاں انتہا کو پہنچ گئی ہیں اور اس کی کھوپڑی میں ایک کیڑا ہے جس کو ضرور ایک دن خدائے تعالیٰ نکال دے گا افسوس کہ آج کل ہمارے مخالفوں کا جھوٹ اور بہتانوں پر ہی گذارہ ہے اور فرعونی رنگ کے تکبر سے اپنی عزت بنانی چاہتے ہیں۔ فرعون اس روز تک جو معہ اپنے لشکر کے غرق ہو گیا یہی سمجھتا رہا کہ موسیٰ اس کا شکار ہے آخر رود **نیل** نے دکھا دیا کہ واقعی طور پر کون شکار تھا۔ میں نادم ہوں کہ نااہل حریف کے مقابلہ نے کسی قدر مجھے درشت الفاظ پر مجبور کیا ورنہ میری فطرت اس سے دور ہے کہ کوئی تلخ بات منہ پر لاؤں۔ میں کچھ بھی بولنا نہیں چاہتا تھا مگر بٹالوی اور اس کے استاد نے مجھے بلایا۔ اب بھی بٹالوی کیلئے بہتر ہے کہ اپنی **پالیسی** بدل لیوے اور منہ کو لگام دیوے ورنہ ان دنوں کو رو رو کے یاد کرے گا۔ بادردکشاں ہر کہ درافتاد ورافتاد **وما علینا الا البلاغ المبین**۔

گندم از گندم بروید جو ز جو از مکافات عمل غافل مشو

جو لوگ ان جھوٹے اشتہارات پر خوش ہو رہے ہیں جن میں میاں نذیر حسین کی مصنوعی فتح کا ذکر ہے میں خالصاً للہ ان کو نصیحت کرتا ہوں کہ اس دروغ گوئی میں ناحق کا گناہ اپنے ذمہ نہ لیں میں ۲۳ر اکتوبر ۱۸۹۱ء کے اشتہار میں مفصل بیان کر چکا ہوں کہ میاں صاحب ہی بحث کرنے سے گریز کر گئے یہ کیا شرارت اور بے حیائی کا بہتان ہے کہ میری نسبت اڑایا گیا ہے کہ گویا میں میاں نذیر حسین سے ڈر گیا نعوذ باللہ میں ہرگز ان سے نہیں ڈرا اور کیونکر ڈرتا میں اس بصیرت کے ﴿۸﴾

مقابل پر جو مجھے آسمان سے عطا کی گئی ہے ان سفلی ملاؤں کو سراسر بے بصر سمجھتا ہوں اور بخدا ایک مرے ہوئے کیڑے کے برابر بھی میں انہیں خیال نہیں کرتا کیا کوئی زندہ مردوں سے ڈرا کرتا ہے۔ یقیناً سمجھو کہ علم دین ایک آسمانی بھید ہے اور وہی کماحقہٗ آسمانی بھید جانتا ہے جو آسمان سے فیض پاتا ہے جو خدائے تعالیٰ تک پہنچتا ہے وہی اس کی کلام کے اسرار عمیقہ تک بھی پہنچتا ہے جو پوری روشنی میں نشست رکھتا ہے وہی ہے جو پوری بصیرت بھی رکھتا ہے۔ ہاں اگر یہ کہا جاتا کہ میں ان کی گندی گالیوں سے ڈر گیا اور ان کی نجاست سے بھری ہوئی باتوں سے میں ترساں ہوا تو شاید کسی قدر سچ بھی ہوتا کیونکہ ہمیشہ شرفاء بدگفتار لوگوں سے ڈرا کرتے ہیں اور مہذب لوگ گندی زبان والوں سے پرہیز کر جاتے ہیں۔ شریف از سفلہ نمے ترسد بلکہ از سفلگی او مے ترسد۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ کا ارادہ تھا کہ میاں نذیر حسین کی پردہ دری کرے اور ان کی آواز دہل کی حقیقت لوگوں پر ظاہر کر دیوے سو بالغ نظر جانتے ہیں کہ وہ خواستہ ایزدی پورا ہو گیا اور نذیر حسین کے تقویٰ اور خدا پرستی اور علم اور معرفت کی ساری قلعی کھل گئی اور ترک تقویٰ کی شامت سے ایک ذلت ان کو پہنچ گئی مگر ایک اور ذلت ابھی باقی ہے جو ان کیلئے اور ان کے ہم خیال لوگوں کے لئے طیار ہے جس کا ذکر ہم نیچے کرتے ہیں۔

ای خدا ای مالکِ ارض و سما
ای پناہِ حزبِ خود در ہر بلا
ای رحیم و دستگیر و رہنما
ایکہ در دستِ تو فصل است و قضا
تختِ شوری اوفتاد اندر زمین
رحم کن بر خلق ای جانِ آفرین

امر فیصل از جنابِ خود نما
تا شود قطع نزاع و فتنہ ہا
اک کرشمہ اپنی قدرت کا دکھا
تجھ کو سب قدرت ہے اے رب الوریٰ
حق پرستی کا مٹا جاتا ہے نام
اک نشاں دکھلا کہ ہو حجت تمام
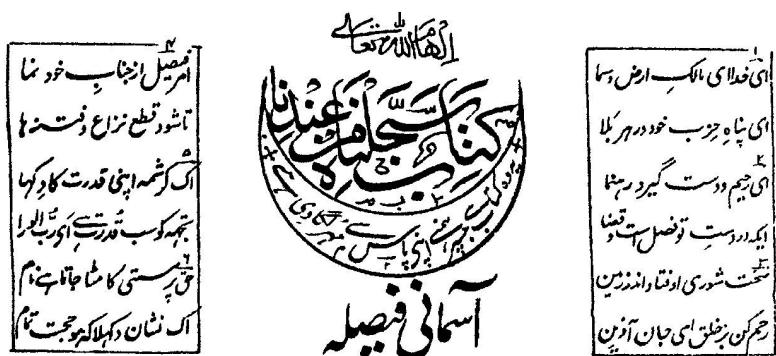
قبل اس کے جو میں آسمانی فیصلہ کا ذکر کروں صفائی بیان کیلئے اس قدر لکھنا ضرور ہے کہ یہ بات ظاہر ہے کہ جو لوگ خدائے تعالیٰ کے نزدیک فی الحقیقت مومن ہیں اور جن کو خدائے تعالیٰ نے خاص اپنے لئے چن لیا ہے اور اپنے ہاتھ سے صاف کیا ہے اور اپنے برگزیدہ گروہ میں جگہ دے دی ہے

اور جن کے حق میں فرمایا ہے۔ فِیْ وُجُوْھِھِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ [1] ان میں آثار سجود اور عبودیّت کے ضرور پائے جانے چاہئیں کیونکہ خدائے تعالیٰ کے وعدوں میں خطا اور تخلف نہیں سو ان تمام علامات کا مومن میں پائے جانا جن کا قرآن کریم میں مومنوں کی تعریف میں ذکر فرمایا گیا ہے ضروریات ایمان میں سے ہے اور مومنوں اور ایسے شخص میں فیصلہ کرنے کیلئے جس کا نام اس کی قوم کے علماء نے کافر رکھا اور مفتری اور دجال اور ملحد قرار دیا یہی علامات **کامل محک** اور معیار ہیں پس اگر کوئی شخص اپنے بھائی مسلمان کا نام کافر رکھے اور اس سے مطمئن نہ ہو کہ وہ شخص اپنے ایماندار ہونے کا اقرار کرتا ہے اور کلمہ طیبہ **لَآ اِلٰــہ اِلَّا اللّٰــہ مــحــمّــد رســول اللّٰــہ** کا قائل ہے اور اسلام کے تمام عقیدوں کا ماننے والا ہے اور خدائے تعالیٰ کے تمام فرائض اور حدود اور احکام کو فرائض اور حدود اور احکام سمجھتا ہے اور حتی الوسع ان پر عمل کرتا ہے۔ تو پھر بالآخر طریق فیصلہ یہ ہے کہ فریقین کو ان علامات میں آزمایا جاوے جو خداوند تعالیٰ نے **مومن** اور **کافر** میں فرق ظاہر کرنے کیلئے قرآن کریم میں ظاہر فرمائی ہیں تا جو شخص حقیقت میں خدا تعالیٰ کے نزدیک مومن ہے اس کو خدائے تعالیٰ اپنے وعدے کے موافق تہمت کفر سے **بری** کرے اور اس میں اور اس کے غیر میں فرق کر کے دکھا دیوے اور روز کا قصہ کوتاہ ہو جاوے۔ یہ بات ہر ایک عاقل سمجھ سکتا ہے کہ اگر یہ عاجز جیسا کہ میاں نذیر حسین اور اس کے شاگرد بٹالوی کا خیال ہے درحقیقت کافر اور دجال اور مفتری اور مورد لعن اور دائرہ اسلام سے خارج ہے تو خدائے تعالیٰ عندالمقابلہ کوئی نشان ایمانداران کا اس عاجز کی تصدیق کیلئے ظاہر نہیں کرے گا کیونکہ خدائے تعالیٰ کافروں اور اپنے دین کے مخالفوں کے بارے میں جو بے ایمان اور مردود ہیں ایمانی علامات کے دکھلانے سے ہرگز اپنی تائید ظاہر نہیں کرتا اور کیونکر کرے جب کہ وہ ان کو جانتا ہے کہ وہ دشمن دین اور نعمت ایمان سے بے بہرہ ہیں سو جیسا کہ میاں نذیر حسین صاحب اور بٹالوی نے میری نسبت کفر اور بے دینی کا فتویٰ لکھا اگر میں درحقیقت ایسا ہی کافر اور دجال اور دشمن دین ہوں تو خدائے تعالیٰ اس مقابلہ میں ہرگز میری تائید نہیں کرے گا بلکہ اپنی تائیدوں سے مجھے بے بہرہ رکھ کر ایسا رسوا کرے گا کہ جیسا اتنے بڑے کذاب کی سزا ہونی چاہئے اور اس صورت میں اہل اسلام میرے شر سے بچ جائیں گے اور تمام مسلمان میرے فتنہ سے امن میں آجائیں گے لیکن اگر کرشمہ قدرت

﴿۹﴾

[1] الفتح : ۳۰

یہ پیدا ہوا کہ خود میاں نذیر حسین اور ان کی جماعت کے لوگ بٹالوی وغیرہ تائید کے نشانوں میں مخذول و مہجور رہے اور تائید الٰہی میرے شامل حال ہوگئی تو اس صورت میں بھی لوگوں پر حق کھل جائے گا اور روز کے جھگڑوں کا خاتمہ ہو جائے گا۔

اب جاننا چاہیئے کہ خدائے تعالیٰ نے قرآن کریم میں چار[۴] عظیم الشان آسمانی تائیدوں کا کامل متقیوں اور کامل مومنوں کیلئے وعدہ دیا ہے اور وہی کامل مومن کی شناخت کے لئے کامل علامتیں ہیں اور وہ یہ ہیں **اول** یہ کہ مومن کامل کو خدائے تعالیٰ سے اکثر بشارتیں ملتی ہیں یعنی پیش از وقوع خوشخبریاں جو اس کی مرادات یا اس کے دوستوں کے مطلوبات ہیں اس کو بتلائی جاتی ہیں **دوئم** یہ کہ مومن کامل پر ایسے امور غیبیہ کھلتے ہیں جو نہ صرف اس کی ذات یا اس کے واسطے داروں سے متعلق ہوں بلکہ جو کچھ دنیا میں قضا و قدر نازل ہونے والی ہے یا بعض دنیا کے افراد مشہورہ پر کچھ تغیّرات آنے والے ہیں ان سے برگزیدہ مومن کو اکثر اوقات خبر دی جاتی ہے **سیوم** یہ کہ مومن کامل کی اکثر دعائیں قبول کی جاتی ہیں اور اکثر ان دعاؤں کی قبولیت کی پیش از وقت اطلاع بھی دی جاتی ہے۔ **چہارم** یہ کہ مومن کامل پر قرآن کریم کے دقائق و معارف جدیدہ و لطائف و خواص عجیبہ سب سے زیادہ کھولے جاتے ہیں۔ ان چاروں علامتوں میں مومن کامل نسبتی طور پر دوسروں پر غالب رہتا ہے۔ اور اگرچہ دائمی طور پر یہ قاعدہ کلیہ نہیں ہے کہ ہمیشہ مومن کامل کو منجانب اللہ بشارتیں ہی ملتی رہیں یا ہمیشہ بلاتخلّف ہر ایک دعا اس کی منظور ہی ہو جایا کرے اور نہ یہ کہ ہمیشہ ہر ایک حادثہ زمانہ سے اس کو اطلاع دی جائے اور نہ یہ کہ ہر وقت معارف قرآنی اس پر کھلتے رہیں لیکن غیر کے مقابلہ کے وقت ان چاروں علامتوں میں کثرت مومن ہی کی طرف رہتی ہے اگرچہ ممکن ہے کہ غیر کو بھی مثلاً جو مومن ناقص ہے شاذ و نادر کے طور پر ان نعمتوں سے کچھ حصہ دیا جاوے مگر **اصلی وارث** ان نعمتوں کا مومن کامل ہی ہوتا ہے ہاں یہ سچ ہے کہ یہ مرتبہ کاملہ مومن کا بغیر مقابلہ کے ہر ایک بلید و غبی اور کوتاہ نظر پر کھل نہیں سکتا۔ لہٰذا نہایت صاف اور سہل طریق حقیقی اور کامل مومن کی شناخت کیلئے مقابلہ ہی ہے کیونکہ اگرچہ یہ تمام علامات بطور خود بھی مومن کامل سے صادر ہوتی رہتی ہیں لیکن یک طرفہ طور پر بعض دقتیں بھی ہیں مثلاً بسا اوقات مومن کامل کی خدمت میں دعا کرانے کیلئے ایسے لوگ بھی آجاتے ہیں جن کی تقدیر میں قطعاً کامیابی

نہیں ہوتی اور قلمِ ازل مبرم طور پر ان کے مخالف چلی ہوئی ہوتی ہے سو وہ لوگ اپنی ناکامی کی وجہ سے مومن کامل کی اس علامت قبولیت کو شناخت نہیں کرسکتے بلکہ اور بھی شک میں پڑ جاتے ہیں اور اپنے محروم رہنے کی وجہ سے مومن کامل کے کمالات قبولیت پر مطلع نہیں ہوسکتے اور اگرچہ **مومن کامل** کا خدائے تعالیٰ کے نزدیک بڑا درجہ اور مرتبہ ہوتا ہے اور اس کی خاطر سے اور اس کی تضرع اور دعا سے بڑے بڑے پیچیدہ کام درست کئے جاتے ہیں اور بعض ایسی تقدیریں جو تقدیر مبرم کے مشابہ ہوں بدلائی بھی جاتی ہیں مگر جو تقدیر حقیقی اور واقعی طور پر مبرم ہے وہ مومن کامل کی دعاؤں سے ہرگز بدلائی نہیں جاتی۔ اگرچہ وہ مومن کامل نبی یا رسول کا ہی درجہ رکھتا ہو۔ غرض نسبتی طور پر مومن کامل ان چاروں علامتوں میں اپنے غیر سے بہ بداہت ممیّز ہوتا ہے اگرچہ دائمی طور پر قادر اور کامیاب نہیں ہوسکتا۔ پس جب کہ یہ امر ثابت ہو چکا کہ نسبتی طور پر حقیقی اور کامل مومن کو کثرت بشارات اور کثرت استجابت دعا اور کثرت انکشاف مغیبات اور کثرت انکشاف معارف قرآنی سے وافر حصہ ہے تو مومن کامل اور اس کے غیر کے آزمانے کیلئے اس سے بہتر اور کوئی طریق نہ ہوگا کہ بذریعہ مقابلہ ان دونوں کو جانچا اور پرکھا جاوے یعنی اگر یہ امر لوگوں کی نظر میں مشتبہ ہو کہ دو شخصوں میں سے کون عنداللہ مومن کامل اور کون اس درجہ سے گرا ہوا ہے تو انہیں **چاروں علامتوں کے ساتھ مقابلہ** ہونا چاہئے یعنی ان چاروں علامتوں کو محک اور **معیار** ٹھہرا کر مقابلہ کے وقت دیکھا جاوے کہ اس معیار اور **ترازو** کی رو سے کون شخص پورا اترا ہے اور کس کی حالت میں کمی اور نقصان ہے۔ ﴿۱۰﴾

اب خلق اللہ گواہ رہے کہ میں خالصاً لِلّٰہ اور اظہاراً لِلحق **اس مقابلہ** کو بدل و جان **منظور** کرتا ہوں اور مقابلہ کیلئے جو صاحب میرے سامنے آنا چاہیں ان میں سب سے **اول نمبر** میاں نذیر حسین دہلوی کا ہے جنہوں نے پچاس سال سے زیادہ قرآن اور حدیث پڑھا کر پھر اپنے **علم** اور **عمل** کا **یہ نمونہ** دکھایا کہ بلا تفتیش و تحقیق اس عاجز کے کفر پر **فتویٰ** لکھ دیا اور ہزارہا **وحشی طبع** لوگوں کو بدظن کر کے ان سے گندی گالیاں دلائیں اور بٹالوی کو ایک مجنون درندہ کی طرح تکفیر اور لعنت کی **جھاگ** منہ سے نکالنے کیلئے چھوڑ دیا اور آپ مومن کامل اور شیخ الکل اور شیخ العرب والعجم **بن بیٹھے** لہٰذا مقابلہ کیلئے سب سے اول انہیں کو **دعوت** کی جاتی ہے

ہاں ان کو اختیار ہے کہ وہ اپنے ساتھ بٹالوی کو بھی کہ اب تو خواب بینی کا بھی دعویٰ رکھتا ہے ملا لیں بلکہ ان کو میری طرف سے اختیار ہے کہ وہ مولوی **عبد الجبّار** صاحب خلف عبد صالح مولوی عبداللہ صاحب مرحوم اور نیز مولوی عبدالرحمٰن لکھو والے کو جو میری نسبت **ابدی گمراہ** ہونے کا الہام مشتہر کر چکے ہیں اور کفر کا فتویٰ دے چکے ہیں اور نیز مولوی محمد بشیر صاحب بھوپالوی کو جو انکے متبعین میں سے ہیں اس مقابلہ میں اپنے ساتھ ملا لیں اور اگر میاں صاحب موصوف اپنی عادت کے موافق گریز کر جائیں تو یہی حضرات مذکورہ بالا میرے سامنے آویں اور اگر یہ سب **گریز** اختیار کریں تو پھر مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی اس کام کیلئے ہمت کریں کیونکہ مقلّدوں کی پارٹی کے تو وہی رُکن اول ہیں اور انکے ساتھ ہر ایک ایسا شخص بھی شامل ہوسکتا ہے کہ جو نامی اور مشاہیر صوفیوں اور پیرزادوں اور سجادہ نشینوں میں سے ہو اور انہیں حضرات علماء کی طرح اس عاجز کو کافر اور مفتری اور کذاب اور مکار سمجھتا ہو اور اگر یہ سب کے سب مقابلہ سے منہ پھیر لیں اور کچے عُذروں اور نامعقول بہانوں سے میری اس دعوت کے قبول کرنے سے منحرف ہو جائیں تو خدائے تعالیٰ کی حجّت ان پر تمام ہے مَیں مامور ہوں اور فتح کی مجھے بشارت دی گئی ہے لہٰذا مَیں حضرات مذکورہ بالا کو مقابلہ کیلئے بلاتا ہوں **کوئی ہے جو میرے سامنے آوے**؟ اور مقابلہ کیلئے احسن انتظام یہ ہے کہ **لاہور** میں جو صدر مقام پنجاب ہے اس امتحان کی غرض سے ایک انجمن مقرر کی جائے اگر فریق مخالف اس تجویز کو پسند کرے تو انجمن کے ممبر بتراضیٔ فریقین مقرر کئے جائیں گے اور اختلاف کے وقت **کثرت رائے کا لحاظ** رہے گا اور مناسب ہوگا کہ چاروں علامتوں کی پورے طور پر آزمائش کیلئے فریقین ایک سال تک انجمن میں بقید تاریخ اپنی تحریرات بھیجتے رہیں اور انجمن کی طرف سے بقید تاریخ و بہ تفصیل مضمون تحریرات موصول شدہ کی رسیدیں فریقین کو بھیجی جائیں گی۔ **علامت اوّل** یعنی بشارتوں کی آزمائش کا طریق یہ ہوگا کہ فریقین پر جو کچھ منجانب اللہ بطریق الہام وکشف وغیرہ ظاہر ہو وہ امر بقید تاریخ و بہ ثبت شہادت چار کس از مسلماناں پیش از وقوع انجمن کی خدمت میں پہنچا دیا جائے اور انجمن اپنے رجسٹر میں بقید تاریخ اس کو درج کرے اور اس پر تمام ارکان انجمن یا کم سے کم پانچ ممبروں کے دستخط ہو کر پھر ایک رسید اس کی فرستندہ کو حسب تصریح مذکور بھیجی جائے اور اس بشارت کے صدق یا کذب کا انتظار کیا جائے اور کسی نتیجہ کے ظہور کے وقت

اس کی یادداشت معہ اس کے ثبوت کے رجسٹر میں لکھی جاوے اور بدستور ممبروں کی گواہیاں اس پر ثبت ہوں۔ اور **دوسری علامت** کی نسبت بھی جو حوادث ونوازل دنیا کے متعلق ہے یہی انتظام مرعی رہے گا اور یاد رہے کہ انجمن کے پاس یہ سب اسرار بطور امانت محفوظ رہیں گے اور انجمن اس بات کا حلفاً اقرار کرلے گی کہ اس وقت سے پہلے کہ فریقین کے موازنہ کیلئے ان امور کا جلسہ عام میں افشا ہو ہرگز کوئی امر کسی اجنبی کے کانوں تک نہیں پہنچایا جائے گا بجز اس صورت کے کہ کسی راز کا فاش ہونا انجمن کے حد اختیار سے باہر ہو اور **علامت سوم** یعنی قبولیت دعا کی آزمائش کا طریق یہ ہوگا کہ وہی انجمن مختلف قسم کے مصیبت رسیدوں کے بہم پہنچانے کیلئے جس میں ہر ایک مذہب کا آدمی شامل ہوسکتا ہے ایک عام اشتہار دے دے گی اور ہر ایک مذہب کا آدمی خواہ وہ مسلمان ہو خواہ عیسائی یا ہندو ہو یا یہودی ہو غرض کسی مذہب یا کسی رائے کا پابند ہو اگر وہ کسی عظیم الشان مصیبت میں مبتلا ہو اور اپنے نفس کو مصیبت زدوں کے گروہ میں پیش کرے تو بلاتمیز وتفرقہ قبول کیا جائے گا کیونکہ خدائے تعالیٰ نے جسمانی دنیوی فوائد کے پہنچانے میں اپنے مختلف المذاہب بندوں میں کوئی تمیز اور تفرقہ قائم نہیں رکھا اور مصیبت زدوں کے فراہمی کیلئے ایک ماہ تک یا جیسے انجمن مناسب سمجھے یہ انتظام رہے گا کہ ان کے نام کے پرچے معہ ولدیت وسکونت وغیرہ کے ایک صندوق میں جمع ہوتے رہیں بعد اس کے ان کی اسم وار دو فردیں برعایت اعتدال اور بقید ولدیت و قومیت وسکونت و مذہب و پیشہ و بتصریح بلاء پیش آمدہ مرتب کر کے فریقین کے سامنے معہ ان مصیبت رسیدوں کے پیش کریں گے اور فریقین ان مصیبت رسیدوں کا ملاحظہ کر کے ان دونوں فردوں کو بذریعہ قرعہ اندازی کے باہم تقسیم کرلیں گے اور اگر کوئی مصیبت زدہ کسی دور دراز ملک میں ہو اور بوجہ بعد مسافت وعدم مقدرت حاضر نہ ہو سکے تو ایک شاخ انجمن اس شہر میں مقرر ہو کر جہاں وہ مصیبت زدہ رہتا ہے اس کے پرچہ مصیبت کو صدر انجمن میں پہنچادیں گی اور بعد قرعہ اندازی کے ہر ایک فریق کے حصہ میں جو فرد آئے گی اس فرد میں جو مصیبت رسیدہ مندرج ہوں گے وہ اسی فریق کے حصہ کے سمجھے جائیں گے جس کو خدائے تعالیٰ نے قرعہ اندازی کے ذریعہ سے یہ فرد دے دی اور واجب ہوگا کہ انجمن مصیبت رسیدوں کی فراہمی کیلئے اور ان کی تاریخ مقررہ پر حاضر ہوجانے کی غرض سے چند ہفتے پہلے اشتہارات شائع کردیوے۔ ان اشتہارات کا تمام خرچ خاص میرے ذمہ ہوگا☆ اور وہ دو فردیں مصیبت رسیدوں کی

﴿۱۱﴾

☆نوٹ: جلسہ عام میں اس تحریر کے پڑھے جانے پر اخویم مولوی غلام قادر صاحب فصیح مالک ومہتمم اخبار پنجاب گزٹ سیالکوٹ نے بذریعہ تحریر ظاہر کیا کہ ان اشتہارات کے طبع اور شائع ہونے کا کل خرچ میرے ذمہ رہے گا۔ فجزاهم الله خیرًا۔ منه

جو تیار ہوں گی ایک ایک نقل ان کی انجمن بھی اپنے دفتر میں رکھے گی اور یہی دن سال مقررہ میں سے پہلا دن شمار کیا جائے گا ہر ایک فریق اپنے حصہ کے مصیبت رسیدوں کیلئے دعا کرتا رہے گا اور بدستور مذکور وہ تمام کارروائی انجمن کی رجسٹر میں درج ہوتی رہے گی۔ اور اگر ایک سال کے عرصہ میں اور اس وقت سے پہلے جو کثرت قبولیّت اور غلبہ صریحہ کا اندازہ پیدا ہو کوئی فریق وفات پا جائے اور اپنے مقابلہ کے تمام امر کو ناتمام چھوڑ جائے تب بھی وہ مغلوب سمجھا جائے گا کیونکہ خدائے تعالیٰ نے اپنے خاص ارادہ سے اس کے کام کو ناتمام رکھا تا اس کا باطل پر ہونا ظاہر کرے۔ اور مصیبت رسیدوں کا اندازہ کثیرہ اس لئے شرط ٹھہرایا گیا ہے کہ قبولیّت دعا کا امتحان صرف باعتبار کثرت ہوسکتا ہے ورنہ جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں یہ ممکن ہے کہ اگر دعا کرانے والے صرف چند آدمی ہوں مثلاً دو یا تین شخص ہوں تو وہ اپنی ناکامی میں تقدیر مبرم رکھتے ہوں یعنی ارادہ ازلی میں قطعی طور پر یہی مقدر ہو کہ یہ ہرگز اپنی بلاؤں سے مخلصی نہیں پائیں گے اور اکثر ایسا اتفاق اکابر اولیاء اور انبیاء کو پیش آتا رہا ہے کہ ان کی دعاؤں کے اثر سے بعض آدمی محروم رہے اس کی یہی وجہ تھی کہ وہ لوگ اپنی ناکامی میں تقدیر مبرم رکھتے تھے لہٰذا ایک یا دو۲ بلا رسیدوں کو معیار آزمائش ٹھہرانا ایک دھوکہ دینے والا طریق ہے اور ہوسکتا ہے کہ وہ اپنی ناکامی میں تقدیر مبرم رکھتے ہوں پس اگر وہ دعا کیلئے کسی مقبول کی طرف رجوع کریں اور اپنی تقدیر مبرم کی وجہ سے ناکام رہیں تو اس صورت میں اس بزرگ کی قبولیت ان پر مخفی رہے گی بلکہ شاید وہ اپنے خیال کو بدظنی کی طرف کھینچ کر اس خدا رسیدہ سے بداعتقاد ہو جائیں اور اپنی دنیا کے ساتھ اپنی عاقبت بھی خراب کر لیں کیونکہ اس طرز آزمائش میں بعض لوگوں نے نبیوں کے وقت میں بھی ٹھوکریں کھائی ہیں اور مرتد ہونے تک نوبت پہنچی ہے اور یہ بات ایک معرفت کا دقیقہ ہے کہ مقبولوں کی قبولیّت کثرت استجابت دعا سے شناخت کی جاتی ہے یعنی ان کی اکثر دعائیں قبول ہو جاتی ہیں نہ یہ کہ سب کی سب قبول ہوتی ہیں۔ پس جب تک کہ رجوع کرنے والوں کی تعداد کثرت کی مقدار تک نہ پہنچے تب تک قبولیت کا پتہ نہیں لگ سکتا۔ اور کثرت کی پوری حقیقت اور عظمت اس وقت بخوبی ظاہر ہوتی ہے کہ جب کہ مومن کامل مستجاب الدعوات کا اس کے غیر سے مقابلہ کیا جائے ورنہ ممکن ہے کہ ایک بدباطن نکتہ چین کی نظر میں وہ کثرت بھی قلت کی صورت میں نظر آوے سو درحقیقت کثرت استجابت دعا ایک نسبتی امر ہے جس کی صحیح اور یقینی اور قطعی تشخیص جو منکر کے منہ کو بند کرنے والی ہو مقابلہ سے

ہی ظاہر ہوتی ہے مثلاً اگر ہزار ہزار مصیبت رسیدہ دو ایسے شخصوں کے حصہ میں آجائے جن کو مومن کامل اور مستجاب الدعوات ہونے کا دعویٰ ہے اور ایک شخص کی قبولیت دعا کا یہ اثر ہو کہ ہزار میں سے پچاس۵۰ یا پچیس۲۵ ایسے باقی رہیں جو ناکام ہوں اور باقی سب کامیاب ہو جائیں اور دوسرے گروہ میں سے شاید پچیس یا پچاس ناکامی سے بچیں اور باقی سب نامرادی کے تحت الثریٰ میں جائیں تو مقبول اور مردود میں صریح فرق ہو جائے گا۔ اس زمانہ کا فرقہ نیچریّہ ان اوہام اور وساوس میں مبتلا معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ ابتدا سے قدرت نے شدنی اور ناشدنی امور میں تقسیم کر رکھی ہے اس لئے استجابت دعا کچھ چیز ہی نہیں مگر یہ اوہام سراسر خام ہیں اور حق بات یہی ہے کہ جیسے حکیم مطلق نے دواؤں میں باوجود انضباط قوانین قدرتیہ کی تاثیرات رکھی ہیں ایسا ہی دعاؤں میں بھی تاثیرات ہیں جو ہمیشہ تجارب صحیحہ سے ثابت ہوتی ہیں اور جس مبارک ذات علّت العلل نے استجابتِ دعا کو قدیم سے اپنی سنت ٹھہرایا ہے اسی ذات قدوس کی یہ بھی سنت ہے کہ جو مصیبت رسیدہ لوگ ازل میں قابل رہائی ٹھہر چکے ہیں وہ انھیں لوگوں کے انفاس پاک یا دعا اور توجہ اور یا ان کے وجود فی الارض کی برکت سے رہائی پاتے ہیں جو قرب اور قبولیت الٰہی کے شرف سے مشرف ہیں اگرچہ دنیا میں بہت سے لوگ بُت پرست بھی ہیں جو مومن کامل کی طرف اپنے مصائب کے وقت رجوع بھی نہیں کرتے اور ایسے بھی ہیں جو استجابت دعا کے قائل ہی نہیں اور بکلّی تدابیر اور اسباب کے مقیّد ہیں اور ان کی سوانح زندگی پر نظر ڈالنے سے شائد ایک سطحی خیال کا آدمی اس دھوکہ میں پڑے گا کہ ان کی مشکلات بھی تو حل ہوتی ہیں پھر یہ بات کہ مقبولوں کی دعائیں ہی کثرت سے قبول ہوتی ہیں کیونکر صفائی سے ثابت ہو سکتی ہے اس وہم کا جواب جو قرآن کریم میں بیان کیا گیا ہے یہ ہے کہ اگرچہ کوئی شخص اپنی مرادات کیلئے بُت کی طرف رجوع کرے یا اور دیوتاؤں کی طرف یا اپنی تدابیر کی طرف لیکن درحقیقت خدائے تعالیٰ کا پاک قانون قدرت یہی ہے کہ یہ تمام امور مقبولوں کے ہی اثر وجود سے ہوتے ہیں اور ان کے انفاس پاک سے اور ان کی برکات سے یہ جہان آباد ہو رہا ہے انھیں کی برکت سے بارشیں ہوتی ہیں اور انھیں کی برکت سے دنیا میں امن رہتا ہے اور وبائیں دور ہوتی ہیں اور فساد مٹائے جاتے ہیں اور انھیں کی برکت سے دنیا دار لوگ اپنی تدابیر میں کامیاب ہوتے ہیں اور انھیں کی برکت سے چاند نکلتا اور سورج چمکتا ہے وہ دنیا کے نور ہیں جب تک وہ اپنے وجود نوعی کے لحاظ سے دنیا میں ہیں دنیا منور ہے اور ان کے وجود نوعی کے خاتمہ کے

﴿۱۲﴾

ساتھ ہی دنیا کا خاتمہ ہو جائے گا کیونکہ **حقیقی آفتاب و ماہتاب دنیا کے وہی ہیں**۔ اس تقریر سے ظاہر ہے کہ بنی آدم کی مرادات بلکہ زندگی کا مدار وہی لوگ ہیں اور بنی آدم کیا ہر یک مخلوق کے ثبات اور قیام کا مدار اور مناط وہی ہیں اگر وہ نہ ہوں تو پھر دیکھو کہ بتوں سے کیا حاصل ہے اور تدبیروں سے کیا فائدہ ہے یہ ایک نہایت باریک بھید ہے جس کے سمجھنے کیلئے صرف اس دنیا کی عقل کافی نہیں بلکہ وہ نور درکار ہے جو عارفوں کو ملتا ہے درحقیقت یہ سارے شبہات مقابلہ سے دور ہو جاتے ہیں کیونکہ مقابلہ کے وقت خدائے تعالیٰ خاص ارادہ فرماتا ہے کہ تا وہ جو خدائے تعالیٰ کی طرف سے سچی قبولیّت اور سچی برکت رکھتا ہے اس کی عزت ظاہر ہو اگر بُت پرست موحّد کے مقابل پر آوے اور استجابت دعا میں ایک دوسرے کی آزمائش کریں تو بُت پرست سخت ذلیل اور رسوا ہو اسی وجہ سے میں نے پہلے بھی کہہ دیا ہے کہ کامل مومن کی آزمائش کیلئے جیسا سہل طریق مقابلہ ہے ایسا اور کوئی طریق نہیں جس بارے میں کامل مومن کی دعا منظور نہ ہو اور اعلام الٰہی سے اس کو نامنظوری کی اطلاع دی جائے پھر اگر اس کام کیلئے یورپ اور امریکہ کی تمام تدبیریں ختم کی جائیں یا دنیا کے تمام بتوں کے آگے سر گڑا جائے یا اگر تمام دنیا اپنی اپنی دعاؤں میں اس امر میں کامیابی چاہے تو یہ ناممکن ہوگا۔ اور اگرچہ مومن کامل کا فیض تمام دنیا میں جاری وساری ہوتا ہے اور اسی کی برکت سے دنیا کی کَل چلتی ہے اور وہ درپردہ ہر یک کیلئے حصولِ مرادات کا ذریعہ ہوتا ہے خواہ کوئی اس کو شناخت کرے یا نہ کرے لیکن جو لوگ خاص طور پر ارادت اور عقیدت کے ساتھ اس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں وہ نہ صرف اس کی برکت سے دنیا کی مرادات پاتے ہیں بلکہ اپنا دین بھی درست کر لیتے ہیں اور اپنے ایمانوں کو قوی کر لیتے ہیں اور اپنے رب کو پہچان لیتے ہیں اور اگر وہ وفاداری سے مومن کامل کے زیر سایہ پڑے رہیں اور درمیان سے بھاگ نہ جائیں تو بکثرت آسمانی نشانوں کو دیکھ لیتے ہیں۔

اور میں نے جو اس مضمون میں مختلف اقسام کے مصیبت رسیدوں کا ہونا بطور شرط لکھ دیا ہے یہ اسلئے لکھا ہے کہ تا عام طور پر انواع اقسام کی صورتوں میں خدائے تعالیٰ کی رحمت ظاہر ہو اور ہر یک طبیعت اور مذاق کا آدمی اسکو سمجھ سکے اور مختلف اقسام کے مصیبت رسیدہ مندرجہ ذیل مثالوں سے سمجھ سکتے ہیں۔ مثلاً کوئی انواع اقسام کے امراض میں مبتلا ہو اور کوئی کسی ناحق کی سزا میں پھنس گیا ہو یا پھنسنے والا ہو اور کسی کا ولد عزیز مفقود الخبر ہو اور کوئی خود لاولد ہو۔ اور کوئی جاہ

ومرتبہ کے بعد لائق رحم ذلت میں پڑا ہوا ور کوئی کسی ظالم کے پنجہ میں گرفتار ہو۔ اور کوئی فوق الطاقت اور غیر معمولی قرضہ کی بلا سے جان بلب ہو اور کسی کا جگر گوشہ دین اسلام سے مرتد ہوگیا ہو اور کوئی کسی ایسے غم وقلق میں گرفتار ہو جس کو ہم اس وقت بیان نہیں کر سکے۔ اور **علامت چہارم** یعنے معارف قرآنی کا کھلنا اس میں احسن انتظام یہ ہے کہ ہر یک فریق چند آیات قرآنی کے معارف وحقائق ولطائف لکھ کر انجمن میں عین جلسہ عام میں سناوے پھر اگر جو کچھ کسی فریق نے لکھا ہے کسی پہلی تفسیر کی کتاب میں ثابت ہو جائے تو یہ شخص محض ناقل متصور ہو کر مورد عتاب ہو لیکن اگر اس کے بیان کردہ حقائق ومعارف جو فی حدّ ذاتہا صحیح اور غیر مخدوش بھی ہوں ایسے جدید اور نو وارد ہوں جو پہلے مفسرین کے ذہن ان کی طرف سبقت نہ لے گئے ہوں اور باایں ہمہ وہ معنے من کل الوجوہ تکلف سے پاک اور قرآن کریم کے اعجاز اور کمال عظمت اور شان کو ظاہر کرتے ہوں اور اپنے اندر ایک جلالت اور ہیبت اور سچائی کا نور رکھتے ہوں تو سمجھنا چاہیئے کہ وہ خدائے تعالیٰ کی طرف سے ہیں جو خداوند تعالیٰ نے اپنے مقبول کی عزت اور قبولیت اور قابلیت ظاہر کرنے کیلئے اپنے لدُنّی علم سے عطا فرمائی ہیں یہ ہر چہار محک امتحان جو میں نے لکھی ہیں یہ ایسی سیدھی اور صاف ہیں کہ جو شخص غور کے ساتھ ان کو زیر نظر لائے گا وہ بلاشبہ اس بات کو قبول کرلے گا کہ متخاصمین کے فیصلہ کیلئے اس سے صاف اور سہل تر اور کوئی روحانی طریق نہیں اور میں اقرار کرتا ہوں اور اللہ جلّ شانہٗ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر میں اس مقابلہ میں مغلوب ہوگیا تو اپنے ناحق پر ہونے کا خود اقرار شائع کردوں گا اور پھر میاں نذیر حسین صاحب اور شیخ بٹالوی کی تکفیر اور مفتری کہنے کی حاجت نہیں رہے گی اور اس صورت میں ہر ایک ذلت اور توہین اور تحقیر کا مستوجب و سزاوار ٹھہروں گا اور اسی جلسے میں اقرار بھی کردوں گا کہ میں خدائے تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہوں اور میرے تمام دعاوی باطل ہیں اور بخدا میں یقین رکھتا ہوں اور دیکھ رہا ہوں کہ میرا خدا ہرگز ایسا نہیں کرے گا اور کبھی مجھے ضائع ہونے نہیں دے گا۔ اب **علماء مذکورہ بالا** کا اس صاف اور صریح امتحان سے انحراف کرنا [اگر وہ انحراف کریں] نہ صرف بے انصافی ہوگی بلکہ میرے خیال میں وہ اس وقت چپ رہنے سے یا صرف مغشوش اور غیر صحیح جوابوں پر کفایت کرنے سے دانش مند لوگوں کو اپنے پر سخت بدگمان کرلیں گے اگر وہ اس وقت ایسے شخص کے مقابل پر جو سچے دل سے مقابلہ کیلئے میدان میں کھڑا ہے محض حیلہ سازی سے بھرا ہوا کوئی ملمع جواب دیں گے تو یاد رکھیں کہ کوئی

﴿۱۳﴾

طالب حق اور حق پسند ایسے جواب کو پسند نہیں کرے گا بلکہ منصف لوگ اس کو تأسف کی نگاہوں سے دیکھیں گے۔ ممکن ہے کہ کسی کے دل میں یہ خیال پیدا ہو کہ جو شخص **مسیح موعود** ہونے کا مدعی ہو وہ کیوں خود یکطرفہ طور پر ایسے نشان نہیں دکھلاتا جن سے لوگ مطمئن ہو جائیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تمام لوگ علماء کے تابع ہیں اور علماء نے اپنے اشتہارات کے ذریعہ سے عوام میں یہ بات پھیلا دی ہے کہ یہ شخص کافر اور دجّال ہے اگر کتنے ہی نشان دکھاوے تو بھی قبول کے لائق نہیں چنانچہ شیخ بٹالوی نے اپنے ایک لمبے اشتہار میں جس کو اس نے لدھیانہ کی بحث کے بعد چھاپا ہے یہی باتیں صاف صاف لکھ دی ہیں اور بڑے انکار اور عناد کی راہ سے اس عاجز کی نسبت بیان کیا ہے کہ یہ شخص جو آسمانی نشانوں کے دکھلانے کی طرف دعوت کرتا ہے اس کی اس دعوت کی طرف متوجہ نہیں ہونا چاہئے کیونکہ نشان تو ابن صیّاد سے بھی ظاہر ہوتے تھے اور دجّال معہود بھی دکھلائے گا پھر نشانوں کا کیا اعتبار ہے ماسوا اس کے میں یہ بھی سنتا ہوں اور اپنے مخالفوں کے اشتہارات میں پڑھتا ہوں کہ وہ میرے یکطرفہ نشانوں کو تحقیر کی نظر سے دیکھتے ہیں اور محض شرارت کی راہ سے کہتے ہیں کہ اگر یہ شخص کوئی سچی خواب بتلاتا ہے یا کوئی الہامی پیشگوئی ظاہر کرتا ہے تو ان امور میں اس کی خصوصیت کیا ہے کافروں کو بھی سچی خوابیں آجاتی ہیں بلکہ کبھی ان کی دعائیں بھی قبول ہو جاتی ہیں کبھی ان کو پیش از وقت کوئی بات بھی معلوم ہو جاتی ہے بعض قسمیں کھا کر کہتے ہیں کہ یہ بات تو ہمیں بھی حاصل ہے اور نہیں جانتے کہ فقط ایک درم سے گدا تونگر نہیں کہلا سکتا اور ایک ذرہ سی روشنی سے کرمکِ شب تاب کو سورج نہیں کہہ سکتے لیکن بغیر مقابلہ کے یہ لوگ کسی طرح سمجھ نہیں سکتے مقابلہ کے وقت انہیں اختیار ہے کہ اگر آپ عاجز آجائیں تو دس بیس کافر ہی اپنے ساتھ شریک کر لیں۔ غرض جب کہ مولویوں نے یکطرفہ نشانوں کو منظور ہی نہیں کیا اور مجھے کافر ہی ٹھہراتے ہیں اور میرے نشانوں کو استدراج میں داخل کرتے یا تحقیر کی نظر سے دیکھتے ہیں تو پھر یکطرفہ نشانوں سے کیا اثر مترتب ہوگا اور عوام جن کے دل اور کان ایسی باتوں سے پُر کئے گئے ہیں ایسے نشانوں سے کیونکر مطمئن ہوں گے لیکن ایمانی نشانوں کے دکھلانے کا باہم مقابلہ ایک ایسا صاف اور روشن امر ہے کہ اس میں ان علماء کا کوئی عذر بھی پیش نہیں جا سکتا اور نیز جس قدر مقابلہ کے وقت کھلے کھلے طور پر حق ظاہر ہوتا ہے ایسی کوئی اور صورت حق کے ظاہر ہونے کی نہیں ہاں اگر یہ لوگ اس مقابلہ سے عاجز ہوں تو پھر ان پر واجب ہے کہ اپنی طرف سے ایک اشتہار بہ ثبت مواہیر

بالاتفاق شائع کر دیں کہ ہم مقابلہ نہیں کر سکتے اور مومنین کاملین کے علامات ہم میں پائے نہیں جاتے اور نیز لکھ دیں کہ ہم یہ بھی اقرار کرتے ہیں کہ اس شخص یعنے اس عاجز کے نشانوں کو دیکھ کر بلا عذر قبول کر لیں گے اور عوام کو قبول کرنے کیلئے فہمائش بھی کر دیں گے اور نیز دعویٰ کو بھی تسلیم کر لیں گے اور تکفیر کے شیطانی منصوبوں سے باز آ جائیں گے اور اس عاجز کو مومن کامل سمجھ لیں گے تو اس صورت میں یہ عاجز عہد کرتا ہے کہ اللہ جلّ شانہٗ کے فضل و کرم سے یکطرفہ نشانوں کا ثبوت ان کو دے گا اور امید رکھتا ہے کہ خداوند قوی و قدیر ان کو اپنے نشان دکھائے گا اور اپنے بندہ کا حامی اور ناصر ہوگا اور صدقاً و حقاً اپنے وعدوں کو پورا کرے گا۔ لیکن اگر وہ لوگ ایسی تحریر شائع نہ کریں تو پھر بہرحال مقابلہ ہی بہتر ہے تا ان کا یہ خیال اور یہ غرور کہ ہم مومن کامل اور شیخ الکل اور مقتدائے زمانہ ہیں اور نیز ملہم اور مکالمات الٰہیہ سے مشرّف ہیں مگر یہ شخص کافر اور دجال اور کتے سے بدتر ہے اچھی طرح انفصال پا جائے اور اس مقابلہ میں ایک یہ بھی فائدہ ہے کہ جو فیصلہ ہماری طرف سے یکطرفہ طور پر ایک مدت دراز کو چاہتا ہے وہ مقابلہ کی صورت میں صرف تھوڑے ہی دنوں میں انجام پذیر ہو جائے گا سو یہ مقابلہ اس امر متنازعہ کے فیصلہ کرنے کیلئے کہ درحقیقت مومن کون ہے اور کافروں کی سیرت کون اپنے اندر رکھتا ہے نہایت آسان طریق اور نزدیک کی راہ ہے۔ اس سے جلد نزاع کا خاتمہ ہو جائے گا گویا صدہا کوس کا فاصلہ ایک قدم پر آ جائے گا۔ اور خدائے تعالیٰ کی غیرت جلد تر دکھا دے گی کہ اصل حقیقت کیا ہے اور اس مقابلہ کا ایک بڑا فائدہ یہ ہے کہ اس میں فریقین کو نکتہ چینی کی گنجائش نہیں رہتی اور نہ ناحق کے عذروں اور بہانوں کی کچھ پیش جاتی ہے لیکن یکطرفہ نشانوں میں بداندیش کی نکتہ چینی عوام کالانعام کو دھوکہ میں ڈالتی ہے یہ بھی جاننے والے جانتے ہیں کہ یکطرفہ نشان بہت سے آج تک اس عاجز سے ظہور میں آ چکے ہیں جن کے دیکھنے والے زندہ موجود ہیں مگر کیا علماء باوجود ثبوت پیش کرنے کے ان کو قبول کر لیں گے ہرگز نہیں۔ اور یہ بھی یاد رہے کہ یہ تمام کلمات اور یہ طریق جو اختیار کیا گیا ہے یہ محض ان منکروں کا جلدی فیصلہ کرنے کے ارادہ سے اور نیز اسکات و افحام کے خیال اور ان پر اتمام حجت کی غرض سے اور سچائی کا کامل جلوہ دکھانے کی نیت سے اور اس پیغام کے پہنچانے کیلئے ہے جو اس عاجز کو منجانب اللہ دیا گیا ہے ورنہ نشانوں کا ظاہر ہونا ان کے مقابلہ پر موقوف نہیں نشانوں کا سلسلہ تو ابتداء سے جاری ہے اور ہر یک صحبت میں رہنے والا بشرطیکہ صدق اور استقامت سے رہے کچھ نہ کچھ دیکھ سکتا ہے اور آئندہ بھی خدائے تعالیٰ اس سلسلہ کو بے نشان نہیں

﴿۱۴﴾

چھوڑے گا اور نہ اپنی تائید سے دستکش ہوگا بلکہ جیسا کہ اس کے پاک وعدے ہیں وہ ضرور اپنے وقتوں پر نشان تازہ بتازہ دکھاتا رہے گا جب تک کہ وہ اپنی حجت کو پوری کرے اور خبیث اور طیّب میں فرق کر کے دکھلاوے اس نے آپ اپنے **مکالمہ** میں اس عاجز کی نسبت فرمایا کہ دنیا میں ایک نذیر آیا پر دنیا نے اس کو قبول نہ کیا لیکن خدا اس کو قبول کرے گا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کر دے گا اور میں کبھی امید نہیں کرسکتا کہ وہ حملے بغیر ہونے کے رہیں گے گو ان کا ظہور میرے اختیار میں نہیں۔ میں آپ لوگوں کو یقین دلاتا ہوں کہ میں سچا ہوں پیارو! یقیناً سمجھو کہ جب تک آسمان کا خدا کسی کے ساتھ نہ ہو ایسی شجاعت کبھی نہیں دکھاتا کہ ایک دنیا کے مقابل پر استقامت کے ساتھ کھڑا ہو جائے اور ان باتوں کا دعویٰ کرے جو اس کے اختیار سے باہر ہیں جو شخص قوت اور استقامت کے ساتھ ایک دنیا کے مقابل پر کھڑا ہو جاتا ہے کیا وہ آپ سے کھڑا ہوسکتا ہے؟ ہرگز نہیں بلکہ وہ اس ذات قدیر کی پناہ سے اور ایک غیبی ہاتھ کے سہارے سے کھڑا ہوتا ہے جس کے قبضہ قدرت میں تمام زمین و آسمان اور ہر ایک روح اور جسم ہے سو آنکھیں کھولو اور سمجھ لو کہ اس خدا نے مجھ عاجز کو یہ قوت اور استقامت دی ہے جس کے مکالمہ سے مجھے عزت حاصل ہے اسی کی طرف سے اور اسی کے کھلے کھلے ارشاد سے مجھے یہ جرأت ہوئی کہ میں ان لوگوں کے مقابل پر بڑی دلیری اور دلی استقامت سے کھڑا ہو گیا جن کا یہ دعویٰ ہے کہ ہم مقتدا اور شیخ العرب والعجم اور مقرب اللہ ہیں جن میں وہ جماعت بھی موجود ہے جو ملہم کہلاتی ہے اور الٰہی مکالمہ کا دعویٰ کرتی ہے اور اپنے زعم میں الہامی طور پر مجھے کافر اور جہنمی ٹھہرا چکے ہیں سو میں ان سب کے مقابل پر باذنہٖ تعالیٰ میدان میں آیا ہوں تا خدائے تعالیٰ صادق اور کاذب میں فرق کر کے دکھاوے اور تا اس کا ہاتھ جھوٹے کو تحت الثریٰ تک پہنچاوے اور تا وہ اس شخص کی نصرت اور تائید کرے جس پر اس کا فضل و کرم ہے۔ **سو بھائیو** دیکھو کہ یہ دعوت جس کی طرف میں میاں نذیر حسین صاحب اور ان کی جماعت کو بلاتا ہوں یہ درحقیقت مجھ میں اور ان میں کھلا کھلا فیصلہ کرنے والا طریق ہے سو میں اس راہ پر کھڑا ہوں اب اگر ان علماء کی نظر میں ایسا ہی کافر اور دجّال اور مفتری اور شیطان کا رہ زدہ ہوں تو میرے مقابل پر انہیں کیوں تامل کرنا چاہئے کیا انہوں نے قرآن کریم میں نہیں پڑھا کہ عند المقابلہ نصرت الٰہی مومنوں کے ہی شامل حال ہوتی ہے اللہ جلّ شانہٗ قرآن کریم میں مومنوں کو فرماتا ہے وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ [1] یعنی اے مومنو مقابلہ سے ہمت مت ہارو اور کچھ اندیشہ مت کرو اور انجام کار

[1] آل عمران : ۱۴۰

غلبہ تمہیں کا ہے اگر تم واقعی طور پر مومن ہو اور فرماتا ہے لَنْ یَّجْعَلَ اللّٰہُ لِلْکٰفِرِیْنَ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ سَبِیْلًا [۱] یعنی خدائے تعالیٰ ہرگز کافروں کو مومنوں پر راہ نہیں دے گا۔ سو دیکھو خدائے تعالیٰ نے قرآن کریم میں مقابلہ کے وقت مومنوں کو فتح کی بشارت دے رکھی ہے اور خود ظاہر ہے کہ خدائے تعالیٰ مومن کا ہی حامی اور ناصر ہوتا ہے مفتری کا ہرگز ناصر اور حامی نہیں ہوسکتا۔ سو جس کا خدائے تعالیٰ آپ دشمن ہو اور جانتا ہے کہ وہ مفتری ہے ایسا نااہل آدمی کیونکر مومن کے مقابل پر ایمان کے علامات خاصہ سے خلعت یاب ہوسکتا ہے بھلا یہ کیونکر ہو کہ جو لوگ خدائے تعالیٰ کے پیارے دوست اور سچے الہامات کے وارث اور نیز مومنین کاملین اور شیخ الکل ہوں وہ تو مقابلہ کے وقت ایمانی نشانوں سے محروم رہ جائیں اور بڑی ذلت کے ساتھ ان کی پردہ دری ہو اور عمداً خدائے تعالیٰ ان کی بزرگی اور نیک نامی کو صدمہ پہنچاوے لیکن وہ جو راندۂ درگاہ الٰہی اور بقول شیخ بٹالوی کتوں کی طرح اور کافر اور دجّال اور بقول میاں نذیر حسین بکلّی ایمان سے بے نصیب اور ملحد اور ہر ایک مخلوق سے بدتر ہو اس میں ایمانی نشان پائے جائیں اور خدائے تعالیٰ عند المقابلہ اسی کو فتح مند اور کامیاب کرے ایسا ہونا تو ہرگز ممکن نہیں۔ ناظرین آپ لوگ ایماناً فرماویں کہ کیا آسمانی اور روحانی تائید مومنوں کیلئے ہوتی ہے یا کافروں کیلئے؟ اس تمام تقریر میں مَیں نے ثابت کردیا ہے کہ حق اور باطل میں کھلا کھلا فرق ظاہر کرنے کیلئے مقابلہ کی ازحد ضرورت ہے ؂ تا سیہ روئے شود ہر کہ درو غش باشد۔ میں نے حضرت شیخ الکل صاحب اور اُن کے شاگردوں کی زبان درازیوں پر بہت صبر کیا اور ستایا گیا اور آپ کو روکتا رہا۔ اب میں مامور ہونے کی وجہ سے اس دعوت اللہ کی طرف شیخ الکل صاحب اور ان کی جماعت کو بلاتا ہوں اور یقین رکھتا ہوں کہ خدائے تعالیٰ اس نزاع کا آپ فیصلہ کردے گا وہ دلوں کے خیالات کو جانچتا اور سینوں کے حالات کو پرکھتا ہے اور کسی سے دل آزار زیادتی اور جہر بالسّوء پسند نہیں کرتا وہ لاپرواہ ہے متقی وہی ہے جو اس سے ڈرے اور میری اس میں کیا کسر شان ہے اگر کوئی مجھے کتا کہے یا کافر کافر اور دجّال کرکے پکارے درحقیقت حقیقی طور پر انسان کی کیا عزّت ہے صرف **اس کے نور کے پرتوہ** پڑنے سے عزّت حاصل ہوتی ہے **اگر وہ مجھ پر راضی نہیں** اور میں اس کی نگاہ میں **بُرا ہوں** تو پھر کتے کی طرح کیا ہزار درجہ کتوں سے بدتر ہوں۔ ؂

گرخدا از بندۂ خوشنود نیست — ہیچ حیوانے چو او مرُدود نیست
گرسگِ نفسِ دنی را پروریم — ازسگانِ کوچہ ہا ہم کم تریم
اے خدا اے طالبان را رہنما — ایکہ مہر تو حیاتِ روح ما
بر رضائے خویش کن انجام ما — تا براید در دو عالم کام ما

[۱] النساء : ۱۴۲

خلق و عالم جملہ در شور و شرانند طالبانت در مقام دیگر اند
آن یکے را نورمے بخشی بدل واں دِگر را می گزاری پابگل
چشم و گوش و دل زِ تو گیرد ضیاء ذات تو سرچشمۂ فیض و ہُدا

غرض خداوند قادر وقدوس میری پناہ ہے اور میں تمام کام اپنا اسی کو سونپتا ہوں اور گالیوں کے عوض میں گالیاں دینا نہیں چاہتا اور نہ کچھ کہنا چاہتا ہوں ایک ہی ہے جو کہے گا افسوس کہ ان لوگوں نے تھوڑی سی بات کو بہت دور ڈال دیا اور خدائے تعالیٰ کو اس بات پر قادر نہ سمجھا کہ جو چاہے کرے اور جسکو چاہے مامور کر کے بھیجے کیا انسان اس سے لڑسکتا ہے یا آدم زاد کو اس پر اعتراض کرنے کا حق پہنچتا ہے کہ تو نے ایسا کیوں کیا ایسا کیوں نہیں کیا۔ کیا وہ اس بات پر قادر نہیں کہ ایک کی قوت اور طبع دوسرے کو عطا کرے اور ایک کا رنگ اور کیفیت دوسرے میں رکھ دیوے اور ایک کے اِسم سے دوسرے کو موسوم کر دیوے اگر انسان کو خدائے تعالیٰ کی وسیع قدرت پر ایمان ہو تو وہ بلا تامل ان باتوں کا یہی جواب دے گا کہ ہاں بلاشبہ اللہ جلّ شانہٗ ہر یک بات پر قادر ہے اور اپنی باتوں اور اپنی پیشگوئیوں کو جس طرز اور طریق اور جس پیرایہ سے چاہے پورا کرسکتا ہے ناظرین تم آپ ہی سوچ کر دیکھو کہ کیا **آنیوالے عیسٰی** کی نسبت کسی جگہ یہ بھی لکھا تھا کہ وہ دراصل وہی بنی اسرائیلی ناصری صاحب انجیل ہوگا بلکہ **بخاری** میں جو بعد کتاب اللہ اصح الکتاب کہلاتی ہے بجائے ان باتوں کے **امامکم منکم** لکھا ہے اور حضرت مسیح کی **وفات** کی شہادت دی ہے جسکی آنکھیں ہیں دیکھے۔ منصفو! سوچ کر جواب دو کہ کیا قرآن کریم میں کہیں یہ بھی لکھا ہے کہ کسی وقت کوئی حقیقی طور پر صلیبوں کو توڑنے والا اور ذمّیوں کو قتل کرنیوالا اور قتل خنزیر کا نیا حکم لانے والا اور قرآن کریم کے بعض احکام کو منسوخ کرنیوالا ظہور کرے گا اور آیت اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ[1] اور آیت حَتّٰی یُعْطُوا الْجِزْیَۃَ عَنْ یَّدٍ[2] اس وقت منسوخ ہو جائے گی اور نئی وحی قرآنی وحی پر خط نسخ کھینچ دے گی۔ اے لوگو اے مسلمانوں کی ذریّت کہلانے والو دشمن قرآن نہ بنو اور خاتم النبیّین کے بعد وحی نبوت کا نیا سلسلہ جاری نہ کرو اور اُس خدا سے شرم کرو جس کے سامنے حاضر کئے جاؤ گے۔ اور بالآخر میں ناظرین کو مطلع کرنا چاہتا ہوں کہ جن باتوں پر حضرت مولوی نذیر حسین صاحب اور ان کی جماعت نے تکفیر کا فتویٰ دیا ہے اور میرا نام کافر اور دجّال رکھا ہے اور وہ گالیاں دی ہیں کہ کوئی مہذب آدمی غیر قوم کے آدمی کی نسبت بھی پسند نہیں کرتا اور یہ دعویٰ کیا ہے کہ گویا یہ باتیں میری کتاب **توضیح مرام** اور **ازالہ اوہام** میں درج ہیں۔ میں انشاء اللہ القدیر عنقریب ایک مستقل رسالہ

[1] المائدۃ : ۴ [2] التوبۃ : ۲۹

﴿۱۶﴾ میں ان تمام مقامات معترض علیہا کو لکھ کر منصفین کو دکھلاؤں گا کہ کیا درحقیقت میں نے اسلام کے عقیدہ سے انحراف کیا ہے یا انہیں کی آنکھوں پر پردہ اور انہیں کے دلوں پر مہریں ہیں کہ باوجود علم کے دعوے کے حقیقت کو شناخت نہیں کر سکتے اور اس پل کی طرح جو یکدفعہ ٹوٹ کر ہر طرف ایک سیلاب پیدا کر دے لوگوں کی سدّ راہ ہو رہے ہیں یاد رکھو کہ آخر یہ لوگ بہت شرمندگی کے ساتھ اپنے منہ بند کر لیں گے اور بڑی ندامت اور ذلت کے ساتھ تکفیر کے جوش سے دستکش ہو کر ایسے ٹھنڈے ہو جائیں گے کہ جیسے کوئی بھڑکتی ہوئی آگ پر پانی ڈال دے لیکن انسان کی تمام قابلیت اور زیرکی اور عقلمندی اس میں ہے کہ سمجھانے سے پہلے سمجھے اور جتلانے سے پہلے بات کو پا جائے اگر سخت مغز خواری کے بعد سمجھا تو کیا سمجھا بہتوں پر عنقریب وہ زمانہ آنے والا ہے کہ وہ کافر بنانے اور گالیاں دینے کے بعد پھر رجوع کریں گے اور بدظنی اور بدگمانی کے بعد پھر حسن ظن پیدا کر لیں گے مگر کہاں وہ پہلی بات اور کہاں یہ۔

اکنوں ہزار عذر بیاری گناہ را مرشوی کردہ را نبود زیب دختری

سوائے میری پیاری قوم اس وقت کو غنیمت سمجھ یہ تیرا گمان صحیح نہیں ہے کہ اس صدی کے سر پر آسمان و زمین کے خدا نے کوئی مجدّد اپنی طرف سے نہ بھیجا بلکہ کافر اور دجّال بھیجا تا زمین میں فساد پھیلائے اے قوم نبی علیہ السلام کی پیشگوئی کا کچھ لحاظ کر اور خدائے تعالیٰ سے ڈر اور نعمت کو ردّ مت کر۔

؎ غافل مشو گر عاقلی دریاب گر صاحبدلی شاید کہ نتواں یافتن دیگر چنیں ایام را

والسّلامُ علیٰ من اتّبع الھدیٰ

نوٹ۔ مندرجہ بالا رسالہ ۲۷ دسمبر ۱۸۹۱ء کو بعد نماز ظہر مسجد کلاں واقعہ قادیان میں ایک جم غفیر کے روبرو مولوی عبدالکریم صاحب سیالکوٹی نے پڑھ کر سنایا اور بعد اختتام یہ تجویز حاضرین کے روبرو پیش کی گئی کہ انجمن کے ممبر کون کون صاحبان قرار دیئے جائیں اور کس طرح اس کی کارروائی شروع ہو۔ حاضرین نے جن کے نام نامی ذیل میں درج کئے جاتے ہیں اور جو محض تجویز مذکورہ بالا پر غور کرنے اور مشورہ کرنے کے لئے تشریف لائے تھے بالاتفاق یہ قرار دیا کہ سردست رسالہ مذکور شائع کر دیا جائے اور مخالفین کا عندیہ معلوم کر کے بعد ازاں بتراضیٔ فریقین انجمن کے ممبر مقرر کئے جائیں اور کارروائی شروع کی جائے جو اصحاب اس جلسہ میں موجود ہوئے ان کے نام نامی یہ ہیں:۔

منشی محمد اروڑا صاحب نقشہ نویس محکمہ مجسٹریٹ کپورتھلہ	منشی محمد خان صاحب اہلمد فوجداری ؍؍	حافظ محمد علی صاحب کپورتھلہ
منشی محمد عبدالرحمٰن صاحب محرر محکمہ جرنیلی ایضاً	منشی سردار خان صاحب کورٹ دفعدار ؍؍	مرزا خدا بخش صاحب اتالیق نواب مالیر کوٹلہ
منشی محمد حبیب الرحمٰن رئیس کپورتھلہ ایضاً	منشی امداد علی خان صاحب محرر سررشتۂ تعلیم ؍؍	منشی رستم علی صاحب ڈپٹی انسپکٹر پولیس ریلوے لاہور
منشی ظفر احمد صاحب اپیل نویس ؍؍	مولوی محمد حسین صاحب کپورتھلہ ؍؍	ڈپٹی حاجی سید فتح علی شاہ صاحب ڈپٹی کلکٹر انہار

﴾۱۷﴿

حاجی خواجہ محمد الدین صاحب رئیس لاہور	سید محمد شاہ صاحب رئیس جموں	شیخ نور احمد صاحب مالک مطبع ریاض ہند امرتسر
میاں محمد چٹو صاحب رئیس لاہور	مستری عمر الدین صاحب جموں	منشی غلام محمد صاحب کاتب امرتسر
خلیفہ رجب الدین صاحب رئیس لاہور	مولوی نور الدین صاحب حکیم خاص ریاست جموں	میاں جمال الدین صاحب ساکن
منشی شمس الدین صاحب کلرک دفتر اگزیمنر لاہور	خلیفہ نور الدین صاحب صحاف جموں	موضع سیکھواں
منشی تاجدین صاحب اکونٹنٹ دفتر اگزیمنر لاہور	قاضی محمد اکبر صاحب سابق تحصیلدار جموں	میاں امام الدین صاحب سیکھواں
منشی نبی بخش صاحب کلارک // //	شیخ محمد جان صاحب ملازم راجہ امر سنگھ صاحب وزیرآباد	میاں خیر الدین صاحب //
حافظ فضل احمد صاحب // //	مولوی عبد القادر صاحب مدرس جمالپور	مولوی محمد عیسیٰ صاحب مدرس نوشہرہ
مولوی رحیم اللہ صاحب لاہور	شیخ رحمت اللہ صاحب میونسپل کمشنر گجرات	میاں چراغ علی صاحب ساکن
مولوی غلام حسین صاحب امام مسجد گمٹی لاہور	شیخ عبد الرحمٰن صاحب بی اے گجرات	تھہ غلام نبی
منشی عبد الرحمٰن صاحب کلارک لوکو آفس لاہور	منشی غلام اکبر صاحب یتیم کلرک اگزیمنر آفس لاہور	شیخ شہاب الدین صاحب ساکن تھہ غلام نبی
مولوی عبد الرحمٰن صاحب مسجد چینیاں لاہور	منشی دوست محمد صاحب سارجنٹ پولیس جموں	میاں عبد اللہ صاحب ساکن سوہل
منشی کرم الٰہی صاحب لاہور	مفتی فضل الرحمٰن صاحب رئیس جموں	حافظ عبد الرحمٰن صاحب ساکن سوہیاں
سید ناصر شاہ صاحب سب اوورسیر	منشی غلام محمد صاحب خلف مولوی دین محمد لاہور	داروغہ نعمت علی صاحب ہاشمی عباسی بٹالوی
حافظ محمد اکبر صاحب لاہور	سائیں شیر شاہ صاحب مجذوب جموں	
مولوی غلام قادر صاحب فصیح مالک و مہتمم	صاحبزادہ افتخار احمد صاحب لدہانہ	حافظ حامد علی صاحب ملازم مرزا صاحب
پنجاب پریس و میونسپل کمشنر سیالکوٹ	قاضی خواجہ علی صاحب ٹھیکیدار شکرم لدہانہ	حکیم جان محمد صاحب امام مسجد قادیانی
مولوی عبد الکریم صاحب سیالکوٹ	حافظ نور احمد صاحب کارخانہ دار پشمینہ لدہانہ	بابو علی محمد صاحب رئیس بٹالہ
میر حامد شاہ صاحب اہلمد معافیات سیالکوٹ	شہزادہ حاجی عبد المجید صاحب لدہانہ	میرزا اسمٰعیل بیگ صاحب قادیانی
میر محمود شاہ صاحب نقل نویس سیالکوٹ	حاجی عبد الرحمٰن صاحب لدہانہ	میاں بڈھے خاں نمبردار بیری
منشی محمد دین صاحب سابق گرداور سیالکوٹ	شیخ شہاب الدین صاحب لدہانہ	میرزا محمد علی صاحب رئیس پٹی
حکیم فضل الدین صاحب رئیس بھیرہ	حاجی نظام الدین صاحب لدہانہ	شیخ محمد عمر صاحب خلف حاجی غلام محمد صاحب بٹالہ
میاں نجم الدین صاحب رئیس بھیرہ	شیخ عبد الحق صاحب لدہانہ	☆☆☆
منشی احمد اللہ صاحب محالدار محکمہ پرمٹ جموں	مولوی محکم الدین صاحب مختار امرتسر	☆☆☆

ڈاکٹر جگن ناتھ صاحب ملازم ریاست جموں کو آسمانی نشانوں کی طرف دعوت

میرے مخلص دوست اور للّٰہی رفیق اخویم حضرت مولوی حکیم نورِدین صاحب فانی فی ابتغاء مرضات ربانی ملازم و معالج ریاست جموں نے ایک عنایت نامہ مورخہ ۷ جنوری ۱۸۹۲ء اس عاجز کی طرف بھیجا ہے جس کی عبارت کسی قدر نیچے لکھی جاتی ہے اور وہ یہ ہے۔خاکسار نابکار نورالدین بحضور خدّام والا مقام حضرت مسیح الزمان سلمہ الرحمٰن السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہٗ کے بعد بکمال ادب عرض پرداز ہے۔غریب نواز۔ پر یروز ایک عرضی خدمت میں روانہ کی اس کے بعد یہاں جموں میں ایک عجیب طوفانِ بےتمیزی کی خبر پہنچی جس کو بضرورت تفصیل کے ساتھ لکھنا مناسب سمجھتا ہوں ازالہ اوہام میں حضور والا نے ڈاکٹر جگن ناتھ کی نسبت ارقام فرمایا ہے کہ وہ گریز کر گئے اب ڈاکٹر صاحب نے بہت سے ایسے لوگوں کو جو اس معاملہ سے آگاہ تھے کہا ہے۔سیاہی سے یہ بات لکھی گئی ہے سرخی سے اس پر قلم پھیر دو میں نے ہرگز گریز نہیں کیا اور نہ کسی نشان کی تخصیص چاہی مردہ کا زندہ کرنا میں نہیں چاہتا اور نہ خشک درخت کا ہرا ہونا۔ یعنے بلا تخصیص کوئی نشان چاہتا ہوں جو ﴿۱۸﴾

نوٹ۔حضرت مولوی صاحب کے محبت نامہ موصوفہ کے چند فقرہ لکھتا ہوں غور سے پڑھنا چاہئے تا معلوم ہو کہ کہاں تک رحمانی فضل سے ان کو انشراح صدر و صدق قدم و یقین کامل عطا کیا گیا ہے اور وہ فقرات یہ ہیں۔’’عالی جناب مرزا جی مجھے اپنے قدموں میں جگہ دو۔اللہ کی رضامندی چاہتا ہوں اور جس طرح وہ راضی ہو سکے طیار ہوں اگر آپ کے مشن کو انسانی خون کی آبپاشی ضرور ہے تو یہ نابکار (مگر محبّ انسان) چاہتا ہے کہ اس کام میں کام آوے‘‘۔ تمّ کلامہ جزاہ اللّٰہ حضرت مولوی صاحب جو انکسار اور ادب اور ایثار مال و عزت اور جان فشانی میں فانی ہیں وہ خود نہیں بولتے بلکہ ان کی روح بول رہی ہے۔درحقیقت ہم اسی وقت سچے بندے ٹھہر سکتے ہیں کہ جو خداوند منعم نے ہمیں دیا ہم اس کو واپس دیں یا واپس دینے کیلئے تیار ہو جائیں۔ ہماری جان اس کی امانت ہے اور وہ فرماتا ہے کہ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا[۱] سر کہ نہ در پائے عزیزش رود بارِ گران ست کشیدن بدوش۔ مِنْهُ

[۱] النساء : ۵۹

انسانی طاقت سے بالاتر ہو۔

اب ناظرین پر واضح ہو کہ پہلے ڈاکٹر صاحب موصوف نے اپنے ایک خط میں نشانوں کو تخصیص کے ساتھ طلب کیا تھا جیسے مردہ زندہ کرنا وغیرہ اس پر ان کی خدمت میں خط لکھا گیا کہ تخصیص ناجائز ہے خدائے تعالیٰ اپنے ارادہ اور اپنے مصالح کے موافق نشان ظاہر کرتا ہے اور جب کہ نشان کہتے ہی اس کو ہیں کہ جو انسانی طاقتوں سے بالاتر ہو تو پھر تخصیص کی کیا حاجت ہے۔ کسی نشان کے آزمانے کیلئے یہی طریق کافی ہے کہ انسانی طاقتیں اسکی نظیر پیدا نہ کرسکیں اس خط کا جواب ڈاکٹر صاحب نے کوئی نہیں دیا تھا اب پھر ڈاکٹر صاحب نے نشان دیکھنے کی خواہش ظاہر کی اور مہربانی فرما کر اپنی اس پہلی قید کو اٹھالیا ہے اور صرف نشان چاہتے ہیں کوئی نشان ہو مگر انسانی طاقتوں سے بالاتر ہو لہٰذا آج ہی کی تاریخ یعنی ۱۱ر جنوری ۱۸۹۲ء کو بروز دوشنبہ ڈاکٹر صاحب کی خدمت میں مکرراً دعوت حق کے طور پر ایک خط رجسٹری شدہ بھیجا گیا ہے جس کا یہ مضمون ہے کہ اگر آپ بلا تخصیص کسی نشان دیکھنے پر سچے دل سے مسلمان ہونے کیلئے تیار ہیں تو اخبارات☆ مندرجہ حاشیہ میں حلفاً یہ اقرار اپنی طرف سے شائع کردیں کہ میں جو فلاں ابن فلاں ساکن بلدہ فلاں ریاست جموں میں برعہدہ ڈاکٹری متعین ہوں اس وقت حلفاً اقرار صحیح سراسر نیک نیتی اور حق طلبی اور خلوص دل سے کرتا ہوں کہ اگر میں اسلام کی تائید میں کوئی نشان دیکھوں جس کی نظیر مشاہدہ کرانے سے میں عاجز آجاؤں اور انسانی طاقتوں میں اس کا کوئی نمونہ انہیں تمام لوازم کے ساتھ دکھلا نہ سکوں تو بلاتوقف مسلمان ہو جاؤں گا اس اشاعت اور اس اقرار کی اس لئے ضرورت ہے کہ خدائے قیوم وقدوس بازی اور کھیل کی طرح کوئی نشان دکھلانا نہیں چاہتا جب تک کوئی انسان پوری انکسار اور ہدایت یابی کی غرض سے اس کی طرف رجوع نہ کرے

☆ پنجاب گزٹ سیالکوٹ اور رسالہ انجمن حمایت اسلام لاہور اور ناظم الہند لاہور اور اخبار عام لاہور اور نور افشاں لدھیانہ۔

تب تک وہ بنظر رحمت رجوع نہیں کرتا اور اشاعت سے خلوص اور پختہ ارادہ ثابت ہوتا ہے اور چونکہ اس عاجز نے خدا تعالیٰ کے اعلام سے ایسے نشانوں کے ظہور کے لئے ایک سال کے وعدہ پر اشتہار دیا ہے سو وہی میعاد ڈاکٹر صاحب کے لئے قائم رہے گی طالب حق کے لئے یہ کوئی بڑی میعاد نہیں۔ اگر میں ناکام رہا تو ڈاکٹر صاحب جو سزا اور تاوان میرے مقدرت کے موافق میرے لئے تجویز کریں وہ مجھے منظور ہے اور بخدا مجھے مغلوب ہونے کی حالت میں سزائے موت سے بھی کچھ عذر نہیں۔

ہماں بہ کہ جاں در رہِ او فشانم
جہاں را چہ نقصاں اگر من نمانم

والسلام علٰی من اتبع الھدٰی

المعـــــلن المشـــــتھر

خاکسار میرزا غلام احمد قادیانی عفی اللہ عنہ

یازدہم جنوری ۱۸۹۲ء

﴿۱۹﴾

منصفین کے غور کے لائق

یہ بات بالکل سچ ہے کہ جب دل کی آنکھیں بند ہوتی ہیں تو جسمانی آنکھیں بلکہ سارے حواس ساتھ ہی بند ہو جاتے ہیں پھر انسان دیکھتا ہوا نہیں دیکھتا اور سنتا ہوا نہیں سنتا اور سمجھتا ہوا نہیں سمجھتا اور زبان پر حق جاری نہیں ہوسکتا۔ دیکھو ہمارے مجوب مولوی کیسے دانا کہلا کر تعصب کی وجہ سے **نادانی میں ڈوب گئے** دینی دشمنوں کی طرح آخر افتراؤں پر آ گئے۔ ایک صاحب اس عاجز کی نسبت لکھتے ہیں کہ ایک اپنے لڑکے کی نسبت الہام سے خبر دی تھی کہ یہ باکمال ہوگا حالانکہ وہ صرف چند مہینہ جی کر مر گیا۔ مجھے تعجب ہے کہ ان جلد باز مولویوں کو ایسی باتوں کے کہنے کے وقت کیوں **لعنت اللّٰہ علی الکاذبین** [۱] کی آیت یاد نہیں رہتی اور کیوں یکدفعہ اپنے باطنی جذام اور عداوت اسلام کو دکھلانے لگے ہیں اگر کچھ حیا ہو تو اب اس بات کا ثبوت دیں کہ اس عاجز کے کس الہام میں لکھا گیا ہے کہ وہی لڑکا جو فوت ہوگیا درحقیقت وہی موعود لڑکا ہے الہام الٰہی میں صرف اجمالی طور پر خبر ہے کہ ایسا لڑکا پیدا ہوگا اور خدا تعالیٰ کے پاک الہام نے کسی کو اشارہ کر کے مورد اس پیشگوئی کا نہیں ٹھہرایا بلکہ اشتہار فروری ۱۸۸۶ء میں یہ پیشگوئی موجود ہے کہ بعض لڑکے صِغر سن میں فوت بھی ہوں گے پھر اس بچے کے فوت ہونے سے ایک پیشگوئی پوری ہوئی یا کوئی پیشگوئی جھوٹی نکلی۔ اب فرض کے طور پر کہتا ہوں کہ اگر ہم اپنے اجتہاد سے کسی اپنے بچہ پر یہ خیال بھی کر لیں کہ شاید یہ وہی پسر موعود ہے اور ہمارا اجتہاد خطا جائے تو اس میں الہام الٰہی کا کیا قصور ہوگا کیا نبیوں کے اجتہادات میں اس کا کوئی نمونہ نہیں! اگر ہم نے وفات یافتہ لڑکے کی نسبت کوئی قطعی الدلالت الہام کسی اپنی کتاب میں لکھا ہے تو وہ پیش کریں جھوٹ بولنا اور نجاست کھانا ایک برابر ہے تعجب کہ ان لوگوں کو نجاست خوری کا کیوں شوق ہوگیا آج تک صدہا الہامی پیشگوئیاں سچائی سے ظہور میں آئیں جو ایک دنیا میں مشہور کی گئیں مگر ان مولویوں نے ہمدردی اسلام کی راہ سے کسی ایک کا بھی ذکر نہ کیا۔ دلیپ سنگھ کا ارادہ سیر ہندوستان و پنجاب سے ناکام رہنا صدہا لوگوں کو پیش از وقوع سنایا گیا تھا۔ بعض ہندوؤں کو پنڈت دیانند کی موت کی خبر چند مہینے اسکے مرنے سے پہلے بتلائی گئی تھی اور یہ لڑکا بشیر الدین محمود جو پہلے لڑکے کے بعد پیدا ہوا ایک اشتہار میں اسکی پیدائش کی قبل از تولد خبر دی گئی تھی سردار محمد حیات خان کی معطّلی کے زمانہ میں ان کی دوبارہ بحالی کی لوگوں کو خبر سنا دی گئی تھی۔ شیخ مہر علی صاحب رئیس ہوشیار پور پر مصیبت کا آنا پیش از وقت ظاہر کیا گیا تھا اور پھر انکی بریّت

[۱] ال عمران : ۶۲

کی خبر نہ صرف ان کو پیش از وقت پہنچائی گئی تھی بلکہ صدہا آدمیوں میں مشہور کی گئی تھی۔ ایسا ہی صدہا نشان ہیں جن کے گواہ موجود ہیں۔ کیا ان دیندار مولویوں نے کبھی ان نشانوں کا بھی نام لیا جس کے دل پر خدا تعالیٰ مہر کرے اس کے دل کو کون کھولے۔ اب بھی یہ لوگ یاد رکھیں کہ ان کی عداوت سے اسلام کو کچھ ضرر نہیں پہنچ سکتا۔ کیڑوں کی طرح خود ہی مر جائیں گے مگر اسلام کا نور دن بدن ترقی کرے گا۔ خدا تعالیٰ نے چاہا ہے کہ اسلام کا نور دنیا میں پھیلاوے۔ اسلام کی برکتیں اب ان مگس طینت مولویوں کی بک بک سے رک نہیں سکتیں۔ خدا تعالیٰ نے مجھے مخاطب کر کے صاف لفظوں میں فرمایا ہے **اَنَا الفتّاح افتح لک۔ تری نصرًا عجیبًا و یَخِرّون علی المساجد ۔ ربنا اغفرلنا انا کنا خاطئین ۔ جلابیب الصدق ۔ فاستقم کما امرت ۔ الخوارق تحت منتھی صدق الاقدام۔ کن لِلّٰہ جمیعًا و مع اللّٰہ جمیعا ۔ عسٰی ان یبعثک ربّک مقامًا محمودا۔** یعنی میں فتّاح ہوں تجھے فتح دوں گا ایک عجیب مدد تو دیکھے گا اور منکر یعنی بعض ان کے جن کی قسمت میں ہدایت مقدر ہے اپنی سجدہ گاہوں پر گریں گے یہ کہتے ہوئے کہ اے ہمارے رب ہمارے گناہ بخش ہم خطا پر تھے۔ یہ صدق کے جلابیب ہیں جو ظاہر ہوں گے۔ سو جیسا کہ تجھے حکم کیا گیا ہے استقامت اختیار کر۔ خوارق یعنی کرامات اس محل پر ظاہر ہوتی ہیں جو انتہائی درجہ صدق اقدام کا ہے۔ تو سارا خدا کیلئے ہو جا تو سارا خدا کے ساتھ ہو جا۔ خدا تجھے اس مقام پر اٹھائے گا جس میں تو تعریف کیا جائے گا اور ایک الہام میں چند دفعہ تکرار اور کسی قدر اختلاف الفاظ کے ساتھ فرمایا کہ میں تجھے عزت دوں گا اور بڑھاؤں گا اور تیرے آثار میں برکت رکھ دوں گا یہاں تک کہ بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے۔ اب اے مولویو۔ اے بخل کی سرشت والو۔ اگر طاقت ہے تو خدا تعالیٰ کی ان پیشگوئیوں کو ٹال کر دکھلاؤ ہر یک قسم کے فریب کام میں لاؤ اور کوئی فریب اٹھا نہ رکھو پھر دیکھو کہ آخر خدا تعالیٰ کا ہاتھ غالب رہتا ہے یا تمہارا۔

والسّلام علٰی من اتبع الھدٰی

اَلمُنبِّہ النّاصِح مرزا غلام احمد قادیانی

ٹائٹل پیج ﴿۳﴾

میرؔ عباس علی صاحب لُدھانوی

چو بشنوی سخن اہل دل مگو کہ خطا است سخن شناس نۂ دلبرا خطا اینجا است

یہ میر صاحب وہی حضرت ہیں جن کا ذکر بالخیر میں نے ازالہ اوہام کے صفحہ ۷۹۰ میں بیعت کرنے والوں کی جماعت میں لکھا ہے افسوس کہ وہ بعض مُوَسوِسین کی وسوسہ اندازی سے سخت لغزش میں آ گئے بلکہ جماعت اعداء میں داخل ہو گئے۔ بعض لوگ تعجب کریں گے کہ ان کی نسبت تو الہام ہوا تھا کہ **اصلھا ثابتٌ و فرعھا فی السمآء** اس کا یہ جواب ہے۔ کہ الہام کے صرف اس قدر معنے ہیں کہ اصل اس کا ثابت ہے اور آسمان میں اس کی شاخ ہے اس میں تصریح نہیں ہے کہ وہ باعتبار اپنی اصل فطرت کے کس بات پر ثابت ہیں بلاشبہ یہ بات ماننے کے لائق ہے کہ انسان میں کوئی نہ کوئی فطرتی خوبی ہوتی ہے جس پر وہ ہمیشہ ثابت اور مستقل رہتا ہے اور اگر ایک کافر کفر سے اسلام کی طرف انتقال کرے تو وہ فطرتی خوبی ساتھ ہی لاتا ہے اور اگر پھر اسلام سے کفر کی طرف انتقال کرے تو اس خوبی کو ساتھ ہی لے جاتا ہے کیونکہ فطرت اللہ اور خلق اللہ میں تبدل اور تغیر نہیں افراد نوع انسان مختلف طور کی کانوں کی طرح ہیں کوئی سونے کی کان کوئی چاندی کی کان کوئی پیتل کی کان پس اگر اس الہام میں میر صاحب کی کسی فطرتی خوبی کا ذکر ہو جو غیر متبدل ہو تو کچھ عجب نہیں اور نہ کچھ اعتراض کی بات ہے بلاشبہ یہ مسلّم مسئلہ ہے کہ مسلمان تو مسلمان ہیں کفار میں بھی بعض فطرتی خوبیاں ہوتی ہیں اور بعض اخلاق فطرتاً ان کو حاصل ہوتے ہیں خدا تعالیٰ نے مجسم ظلمت اور سراسر تاریکی میں کسی چیز کو بھی پیدا نہیں کیا ہاں یہ سچ ہے کہ کوئی فطرتی خوبی بجز حصول صراط مستقیم کے جس کا دوسرے لفظوں میں **اسلام** نام ہے موجب نجات اخروی نہیں ہوسکتی کیونکہ اعلیٰ درجہ کی خوبی ایمان اور خدا شناسی اور راست روی اور خدا ترسی ہے اگر وہی نہ ہوئی تو دوسری خوبیاں ہیچ ہیں۔ علاوہ اس کے یہ الہام اُس زمانہ کا ہے کہ جب میر صاحب میں ثابت قدمی

موجود تھی ۔ زبردست طاقت اخلاص کی پائی جاتی تھی اور اپنے دل میں وہ بھی یہی خیال رکھتے تھے کہ میں ایسا ہی ثابت رہوں گا سو خدا تعالیٰ نے اُن کی اُس وقت کی حالت موجودہ کی خبر دے دی یہ بات خدا تعالیٰ کی تعلیمات وحی میں شائع متعارف ہے کہ وہ موجودہ حالت کے مطابق خبر دیتا ہے کسی کے کافر ہونے کی حالت میں اس کا نام کافر ہی رکھتا ہے ۔ اور اس کے مومن اور ثابت قدم ہونے کی حالت میں اس کا نام مومن اور مخلص اور ثابت قدم ہی رکھتا ہے خدا تعالیٰ کی کلام میں اس کے نمونے بہت ہیں اور اس میں کچھ شک نہیں کہ میر صاحب موصوف عرصہ دس سال تک بڑے اخلاص اور محبت اور ثابت قدمی سے اس عاجز کے مخلصوں میں شامل رہے اور خلوص کے جوش کی وجہ سے بیعت کرنے کے وقت نہ صرف آپ انہوں نے بیعت کی بلکہ اپنے دوسرے عزیزوں اور رفیقوں اور دوستوں اور متعلقوں کو بھی اس سلسلہ میں داخل کیا اور اس دس سال کے عرصہ میں جس قدر انہوں نے اخلاص اور ارادت سے بھرے ہوئے خط بھیجے اُن کا اس وقت میں اندازہ بیان نہیں کرسکتا لیکن دو سو کے قریب اب بھی ایسے خطوط ان کے موجود ہوں گے جن میں انہوں نے انتہائی درجہ کے عجز اور انکسار سے اپنے اخلاص اور ارادت کا بیان کیا ہے بلکہ بعض خطوط میں اپنی وہ خوابیں لکھی ہیں جن میں گویا روحانی طور پر ان کی تصدیق ہوئی ہے کہ یہ عاجز منجانب اللہ ہے اور اس عاجز کے مخالف باطل پر ہیں اور نیز وہ اپنی خوابوں کی بناء پر اپنی معیت دائمی ظاہر کرتے ہیں کہ گویا وہ اس جہان اور اس جہان میں ہمارے ساتھ ہیں ایسا ہی لوگوں میں بکثرت انہوں نے یہ خوابیں مشہور کی ہیں اور اپنے مریدوں اور مخلصوں کو بتلائیں اب ظاہر ہے کہ جس شخص نے اس قدر جوش سے اپنا اخلاص ظاہر کیا ایسے شخص کی حالت موجودہ کی نسبت اگر خدائے تعالیٰ کا الہام ہو کہ یہ شخص اس وقت ثابت قدم ہے متزلزل نہیں تو کیا اس الہام کو خلاف واقعہ کہا جائے گا بہت سے الہامات صرف موجودہ حالات کے آئینہ ہوتے ہیں عواقب امور سے ان کو کچھ تعلق نہیں ہوتا اور نیز یہ بات بھی ہے کہ جب تک انسان زندہ ہے اس کے سوء خاتمہ پر حکم نہیں کرسکتے کیونکہ انسان کا دل اللہ جلّ شانہٗ

کے قبضہ میں ہے میر صاحب تو میر صاحب ہیں اگر وہ چاہے تو دنیا کے ایک بڑے سنگدل اور مختوم القلب آدمی کو ایک دم میں حق کی طرف پھیر سکتا ہے۔ غرض یہ الہام حال پر دلالت کرتا ہے مآل پر ضروری طور پر اس کی دلالت نہیں ہے اور مآل ابھی ظاہر بھی نہیں ہے بہتوں نے راست بازوں کو چھوڑ دیا اور پکے دشمن بن گئے مگر بعد میں پھر کوئی کرشمہ قدرت دیکھ کر پشیمان ہوئے اور زار زار روئے اور اپنے گناہ کا اقرار کیا اور رجوع لائے۔ انسان کا دل خدائے تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اور اس حکیم مطلق کی آزمائشیں ہمیشہ ساتھ لگی ہوئی ہیں۔ سو میر صاحب اپنی کسی پوشیدہ خامی اور نقص کی وجہ سے آزمائش میں پڑ گئے اور پھر اس ابتلا کے اثر سے جوش ارادت کے عوض میں قبض پیدا ہوئی اور پھر قبض سے خشکی اور اجنبیت اور اجنبیت سے ترک ادب اور ترک ادب سے **ختم علی القلب** اور **ختم علی القلب** سے جہری عداوت اور ارادہ تحقیر و استحقاق☆ و توہین پیدا ہو گیا۔ عبرت کی جگہ ہے کہ کہاں سے کہاں پہنچے۔ کیا کسی کے وہم یا خیال میں تھا کہ میر عباس علی کا یہ حال ہوگا۔ مالک الملک جو چاہتا ہے کرتا ہے میرے دوستوں کو چاہئے کہ ان کے حق میں دعا کریں اور اپنے بھائی فرو ماندہ اور در گذشتہ کو اپنی ہمدردی سے محروم نہ رکھیں اور میں بھی انشاء اللہ الکریم دعا کروں گا۔ میں چاہتا تھا کہ ان کے چند خطوط بطور نمونہ اس رسالہ میں نقل کر کے لوگوں پر ظاہر کروں کہ میر عباس علی کا اخلاص کس درجہ پر پہنچا تھا اور کس طور کی خوابیں وہ ہمیشہ ظاہر کیا کرتے تھے اور کن انکساری کے الفاظ اور تعظیم کے الفاظ سے وہ خط لکھتے تھے لیکن افسوس کہ اس مختصر رسالہ میں گنجائش نہیں انشاء اللہ القدیر کسی دوسرے وقت میں حسب ضرورت ظاہر کیا جائے گا۔ یہ انسان کے تغیرات کا ایک نمونہ ہے کہ وہ شخص جس کے دل پر ہر وقت عظمت اور ہیبت سچی ارادت کی طاری رہتی تھی اور اپنے خطوط میں اس عاجز کی نسبت خلیفۃ اللہ فی الارض لکھا کرتا تھا آج اس کی کیا حالت ہے۔ پس خدائے تعالیٰ سے ڈرو اور ہمیشہ دعا کرتے رہو کہ وہ محض اپنے فضل سے تمہارے دلوں کو حق پر قائم رکھے اور لغزش سے بچاوے۔ اپنی استقامتوں پر بھروسہ مت کرو۔ کیا استقامت میں **فاروق** رضی اللہ عنہ سے کوئی بڑھ کر

☆ سہو کتابت معلوم ہوتا ہے ” استخفاف “ ہونا چاہیے۔ (ناشر)

ہوگا جن کو ایک ساعت کیلئے ابتلا پیش آ گیا تھا اور اگر خدائے تعالیٰ کا ہاتھ ان کو نہ تھامتا تو خدا جانے کیا حالت ہو جاتی۔ مجھے اگرچہ میر عباس علی صاحب کی لغزش سے رنج بہت ہوا لیکن پھر میں دیکھتا ہوں کہ جب کہ میں حضرت مسیح علیہ السلام کے نمونہ پر آیا ہوں تو یہ بھی ضرور تھا کہ میرے بعض مدعیان اخلاص کے واقعات میں بھی وہ نمونہ ظاہر ہوتا یہ بات ظاہر ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے بعض خاص دوست جو اُن کے ہم نوالہ و ہم پیالہ تھے جن کی تعریف میں وحی الٰہی بھی نازل ہوگئی تھی آخر حضرت مسیح سے منحرف ہو گئے تھے یہودا اسکریوطی کیسا گہرا دوست حضرت مسیح کا تھا جو اکثر ایک ہی پیالہ میں حضرت مسیح کے ساتھ کھاتا اور بڑے پیار کا دم مارتا تھا جس کو بہشت کے بارھویں تخت کی خوشخبری بھی دی گئی تھی اور میاں پطرس کیسے بزرگ حواری تھے جن کی نسبت حضرت مسیح نے فرمایا تھا کہ آسمان کی کنجیاں ان کے ہاتھ میں ہیں جن کو چاہیں بہشت میں داخل کریں اور جن کو چاہیں نہ کریں لیکن آخر میاں صاحب موصوف نے جو کرتوت دکھلائی وہ انجیل پڑھنے والوں پر ظاہر ہے کہ حضرت مسیح کے سامنے کھڑے ہوکر اور ان کی طرف اشارہ کر کے نعوذ باللہ بلند آواز سے کہا کہ میں اس شخص پر لعنت بھیجتا ہوں۔ میر صاحب ابھی اس حد تک کہاں پہنچے ہیں کل کی کس کو خبر ہے کہ کیا ہو۔ میر صاحب کی قسمت میں اگرچہ یہ لغزش مقدر تھی اور اَصلھا ثابتٌ کی ضمیر تانیث بھی اس کی طرف ایک اشارہ کر رہی تھی لیکن بٹالوی صاحب کی وسوسہ اندازی نے اور بھی میر صاحب کی حالت کو لغزش میں ڈالا میر صاحب ایک سادہ آدمی ہیں جن کو مسائل دقیقہ دین کی کچھ بھی خبر نہیں حضرت بٹالوی وغیرہ نے مفسدانہ تحریکوں سے ان کو بھڑکا دیا کہ یہ دیکھو فلاں کلمہ عقیدہ اسلام کے برخلاف اور فلاں لفظ بے ادبی کا لفظ ہے میں نے سنا ہے کہ شیخ بٹالوی اِس عاجز کے مخلصوں کی نسبت قسم کھا چکے ہیں کہ لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ اور اس قدر غلو ہے کہ شیخ نجدی کا استثناء بھی ان کے کلام میں نہیں پایا جاتا تا صالحین کو باہر رکھ لیتے اگرچہ وہ بعض روگردان ارادتمندوں کی وجہ سے بہت خوش ہیں مگر انھیں یاد رکھنا چاہئے کہ ایک ٹہنی کے خشک ہو جانے سے سارا باغ برباد نہیں ہو سکتا۔ جس ٹہنی کو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے

ٹائٹل پیج ﴿۴﴾

خشک کر دیتا ہے اور کاٹ دیتا ہے اور اس کی جگہ اور ٹہنیاں پھلوں اور پھولوں سے لدی ہوئی پیدا کر دیتا ہے بٹالوی صاحب یاد رکھیں کہ اگر اس جماعت سے ایک نکل جائے گا تو خدائے تعالیٰ اس کی جگہ بیس لائے گا اور اس آیت پر غور کریں فَسَوْفَ يَأْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗٓ ۙ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ۔ [1]

بالآخر ہم ناظرین پر ظاہر کرتے ہیں کہ میر عباس علی صاحب نے ۱۲ / دسمبر ۱۸۹۱ء میں مخالفانہ طور پر ایک اشتہار بھی شائع کیا ہے جو ترک ادب اور تحقیر کے الفاظ سے بھرا ہوا ہے سو ان الفاظ سے تو ہمیں کچھ غرض نہیں جب دل بگڑتا ہے تو زبان ساتھ ہی بگڑ جاتی ہے لیکن اس اشتہار کی تین باتوں کا جواب دینا ضروری ہے:۔

اوّل۔ یہ کہ میر صاحب کے دل میں دہلی کے مباحثات کا حال خلاف واقعہ جم گیا ہے سو اس وسوسہ کے دور کرنے کے لئے میرا یہی اشتہار کافی ہے بشرطیکہ میر صاحب اس کو غور سے پڑھیں۔

دوم۔ یہ کہ میر صاحب کے دل میں سراسر فاش غلطی سے یہ بات بیٹھ گئی ہے کہ گویا میں ایک نیچری آدمی ہوں معجزات کا منکر اور لیلۃ القدر سے انکاری اور نبوت کا مدعی اور انبیاء علیہم السلام کی اہانت کرنے والا اور عقائد اسلام سے منہ پھیرنے والا سو ان اوہام کے دور کرنے کے لئے میں وعدہ کر چکا ہوں کہ عنقریب میری طرف سے اس بارہ میں رسالہ مستقلہ شائع ہوگا اگر میر صاحب توجہ سے اس رسالہ کو دیکھیں گے تو بشرط توفیق ازلی اپنی بے بنیاد اور بے اصل بدظنیوں سے سخت ندامت اٹھائیں گے۔

سوئم۔ یہ کہ میر صاحب نے اپنے اس اشتہار میں اپنے کمالات ظاہر فرما کر تحریر فرمایا ہے کہ گویا ان کو رسول نمائی کی طاقت ہے چنانچہ وہ اس اشتہار میں اس عاجز کی نسبت لکھتے ہیں کہ اس بارہ میں میرا مقابلہ نہیں کیا میں نے کہا تھا کہ ہم دونوں کسی ایک مسجد میں بیٹھ جائیں اور پھر یا تو مجھ کو رسول ؐ کریم کی زیارت کرا کر اپنے دعاوی کی تصدیق کرا دی جائے اور یا میں زیارت کرا کر اس بارہ میں فیصلہ کرا دوں گا۔ میر صاحب کی اس تحریر نے نہ صرف مجھے ہی تعجب میں ڈالا بلکہ ہر ایک واقف حال سخت متعجب ہو رہا ہے کہ اگر میر صاحب میں

[1] المائدۃ : ۵۵

یہ قدرت اور کمال حاصل تھا کہ جب چاہیں رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ لیں اور باتیں پوچھ لیں بلکہ دوسروں کو بھی دکھلا دیں تو پھر انھوں نے اس عاجز سے بدوں تصدیق نبوی کے کیوں بیعت کر لی اور کیوں دس۱۰ سال تک برابر خلوص نماؤں کے گروہ میں رہے تعجب کہ ایک دفعہ بھی رسول کریم ان کی خواب میں نہ آئے اور ان پر ظاہر نہ کیا کہ اس کذّاب اور مکّار اور بے دین سے کیوں بیعت کرتا ہے اور کیوں اپنے تئیں گمراہی میں پھنساتا ہے کیا کوئی عقل مند سمجھ سکتا ہے کہ جس شخص کو یہ اقتدار حاصل ہے کہ بات بات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حضوری میں چلا جاوے اور ان کے فرمودہ کے مطابق کاربند ہو۔ اور ان سے صلاح مشورہ لے لے وہ دس برس تک برابر ایک کذّاب اور فریبی کے پنجہ میں پھنسا رہے اور ایسے شخص کا مرید ہو جاوے جو اللہ اور رسول کا دشمن اور آنحضرتؐ کی تحقیر کرنے والا اور تحت الثریٰ میں گرنے والا ہو زیادہ تر تعجب کا مقام یہ ہے کہ میر صاحب کے بعض دوست بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے بعض خوابیں ہمارے پاس بیان کی تھیں اور کہا تھا کہ میں نے رسول اللہ صلعم کو خواب میں دیکھا اور آنحضرتؐ نے اس عاجز کی نسبت فرمایا کہ وہ شخص واقعی طور پر خلیفۃ اللہ اور مجدد دین ہے اور اسی قسم کے بعض خط جن میں خوابوں کا بیان اور تصدیق اس عاجز کے دعوے کی تھی میر صاحب نے اس عاجز کو بھی لکھے اب ایک منصف سمجھ سکتا ہے کہ اگر میر صاحب رسول اللہ صلعم کو خواب میں دیکھ سکتے ہیں تو جو کچھ انھوں نے پہلے دیکھا وہ بہرحال اعتبار کے لائق ہوگا اور اگر وہ خوابیں ان کی اعتبار کے لائق نہیں اور اضغاث احلام میں داخل ہیں تو ایسی خوابیں آئندہ بھی قابل اعتبار نہیں ٹھہر سکتیں۔ ناظرین سمجھ سکتے ہیں کہ رسول نمائی کا قادرانہ دعویٰ کس قدر فضول بات ہے حدیث صحیح سے ظاہر ہے کہ تمثّل شیطان سے وہی خواب رسول بینی کی مبرا ہو سکتی ہے جس میں آنحضرت صلعم کو ان کے حلیہ پر دیکھا گیا ہو ورنہ شیطان کا تمثّل انبیاء کے پیرایہ میں نہ صرف جائز بلکہ واقعات میں سے ہے۔ اور شیطان لعین تو خدا تعالیٰ کا تمثّل اور اس کے عرش کی تجلّی دکھلا دیتا ہے

تو پھر انبیاء کا تمثل اُس پر کیا مشکل ہے اب جب کہ یہ بات ہے تو فرض کے طور پر اگر مان لیں کہ کسی کو آنحضرت صلعم کی زیارت ہوئی تو اس بات پر کیونکر مطمئن ہوں کہ وہ زیارت درحقیقت آنحضرت صلعم کی ہے کیونکہ اس زمانہ کے لوگوں کو ٹھیک حلیہ نبوی پر اطلاع نہیں اور غیر حلیہ پر تمثل شیطان جائز ہے پس اس زمانہ کے لوگوں کیلئے زیارت حقہ کی حقیقی علامت یہ ہے کہ اُس زیارت کے ساتھ بعض ایسے خوارق اور علامات خاصہ بھی ہوں جن کی وجہ سے رؤیا یا کشف کے منجانب اللہ ہونے پر یقین کیا جائے مثلاً رسول اللہ صلعم بعض بشارتیں پیش از وقوع بتلا دیں یا بعض قضا وقدر کے نزول کی باتیں پیش از وقوع مطلع کر دیں یا بعض دعاؤں کی قبولیت سے پیش از وقت اطلاع دے دیں یا قرآن کریم کی بعض آیات کے ایسے حقائق و معارف بتلا دیں جو پہلے قلمبند اور شائع نہیں ہو چکے تو بلاشبہ ایسی خواب صحیح سمجھی جاوے گی۔ ورنہ اگر ایک شخص دعویٰ کرے جو رسول اللہ صلعم میری خواب میں آئے ہیں اور کہہ گئے ہیں کہ فلاں شخص بے شک کافر اور دجّال ہے اب اس بات کا کون فیصلہ کرے کہ یہ رسول اللہ صلعم کا قول ہے یا شیطان کا یا خود اس خواب بین نے چالاکی کی راہ سے یہ خواب اپنی طرف سے بنالی ہے سو اگر میر صاحب میں درحقیقت یہ قدرت حاصل ہے کہ رسول اللہ صلعم ان کی خواب میں آجاتے ہیں تو ہم میر صاحب کو یہ تکلیف دینا نہیں چاہتے کہ وہ ضرور ہمیں دکھا دیں بلکہ وہ اگر اپنا ہی دیکھنا ثابت کر دیں اور علامات اربعہ مذکورہ بالا کے ذریعہ سے اس بات کو بپایۂ ثبوت پہنچا دیں کہ درحقیقت انہوں نے آنحضرت صلعم کو دیکھا ہے تو ہم قبول کر لیں گے اور اگر انھیں مقابلہ کا ہی شوق ہے تو اس سیدھے طور سے مقابلہ کریں جس کا ہم نے اس اشتہار میں ذکر کیا ہے ہمیں بالفعل ان کی رسول بینی میں ہی کلام ہے چہ جائیکہ ان کی رسول نمائی کے دعویٰ کو قبول کیا جائے پہلا مرتبہ آزمائش کا تو یہی ہے کہ آیا میر صاحب رسول بینی کے دعویٰ میں صادق ہیں یا کاذب اگر صادق ہیں تو پھر اپنی کوئی خواب یا کشف شائع کریں جس میں یہ بیان

ہو کہ رسول اللہ صلعم کی زیارت ہوئی اور آپ نے اپنی زیارت کی علامت فلاں فلاں پیشگوئی اور قبولیت دعا اور انکشاف حقائق و معارف کو بیان فرمایا پھر بعد اسکے رسول نمائی کی دعوت کریں اور یہ عاجز حق کی تائید کی غرض سے اس بات کیلئے بھی حاضر ہے کہ میر صاحب رسول نمائی کا اعجوبہ بھی دکھلاویں **قادیان** میں آجائیں مسجد موجود ہے ان کے آنے جانے اور خوراک کا تمام خرچ اس عاجز کے ذمہ ہوگا اور یہ عاجز تمام ناظرین پر ظاہر کرتا ہے کہ یہ صرف لاف وگزاف ہے اور کچھ نہیں دکھلا سکتے۔ اگر آئیں گے تو اپنی پردہ دری کرائیں گے۔ عقل مند سوچ سکتے ہیں کہ جس شخص نے بیعت کی مریدوں کے حلقہ میں داخل ہوا اور مدت دس سال سے اس عاجز کو خلیفۃ اللہ اور امام اور مجدد کہتا رہا اور اپنی خوابیں بتلاتا رہا کیا وہ اس دعویٰ میں صادق ہے میر صاحب کی حالت نہایت قابل افسوس ہے خدا ان پر رحم کرے۔ پیشگوئیوں کے منتظر رہیں جو ظاہر ہوں گی۔ ازالہ اوہام کے صفحہ ۸۵۵ کو دیکھیں ازالہ اوہام کے صفحہ ۶۳۵۔ اور ۳۹۶ کو بغور مطالعہ کریں۔ اشتہار دہم جولائی ۱۸۸۷ء کی پیشگوئی کا انتظار کریں۔ جس کے ساتھ یہ بھی الہام ہے **ویسئلونک أحق ھو قل ای وربی انہ لحق وما انتم بمعجزین۔ زوجنا کہا لا مبدل لکلماتی۔ وان یروا ایۃ یعرضوا و یقولوا سحر مستمر**۔ اور تجھ سے پوچھتے ہیں کہ کیا یہ بات سچ ہے۔ کہہ ہاں مجھے اپنے رب کی قسم ہے کہ یہ سچ ہے اور تم اس بات کو وقوع میں آنے سے روک نہیں سکتے۔ ہم نے خود اس سے تیرا عقد نکاح باندھ دیا ہے میری باتوں کو کوئی بدلا نہیں سکتا اور نشان دیکھ کر منہ پھیر لیں گے اور قبول نہیں کریں گے اور کہیں گے کہ یہ کوئی پکا فریب یا پکّا جادو ہے۔

۲۸ - ۲۷ - ۱۴ - ۲ - ۲۷ - ۲۶ - ۲ - ۲۸ - ۱ - ۲۳ - ۱۵ - ۱۱ -
۱ - ۲ - ۲۷ - ۱۴ - ۱۰ - ۱ - ۲۸ - ۲۷ - ۲۷ - ۱۲ - ۱۱ - ۲۳ - ۱۴ - ۱۲
۷ - ۱ - ۵ - ۲۴ - ۲۳ - ۲۳ - ۱۱ - ۱۴ - ۷ - ۲۳ - ۱۴ - ۱ - ۱
۱۴ - ۵ - ۲۸ - ۲۷ - ۲۴ - ۷ - ۲۴ - ۱۱ - ۱۲ - ۱ - ۱۴ - ۷ - ۲ - ۱ - ۷ - ۵ - ۱ - ۱۴ - ۱ -
۱۴ - ۲ - ۲۸ - ۱ - ۷ -

والسلام علی من فہم اسرارنا و اتبع الھدے

الناصح المشفق خاکسار غلام احمد قادیانی۔ ۲۷ / دسمبر ۱۸۹۱ء

اطلاع

تمام مخلصین داخلین سلسلہ بیعت اس عاجز پر ظاہر ہو کہ بیعت کرنے سے غرض یہ ہے کہ تا دنیا کی محبت ٹھنڈی ہو اور اپنے مولیٰ کریم اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت دل پر غالب آ جائے اور ایسی حالت انقطاع پیدا ہو جائے جس سے سفر آخرت مکروہ معلوم نہ ہو لیکن اس غرض کے حصول کیلئے صحبت میں رہنا اور ایک حصہ اپنی عمر کا اس راہ میں خرچ کرنا ضروری ہے تا اگر خدائے تعالیٰ چاہے تو کسی برہان یقینی کے مشاہدہ سے کمزوری اور ضعف اور کسل دور ہو اور یقین کامل پیدا ہو کر ذوق اور شوق اور ولولہ عشق پیدا ہو جائے سو اس بات کیلئے ہمیشہ فکر رکھنا چاہئے اور دعا کرنا چاہئے کہ خدائے تعالیٰ یہ توفیق بخشے اور جب تک یہ توفیق حاصل نہ ہو کبھی کبھی ضرور ملنا چاہئے کیونکہ سلسلہ بیعت میں داخل ہو کر پھر ملاقات کی پروا نہ رکھنا ایسی بیعت سراسر بے برکت اور صرف ایک رسم کے طور پر ہوگی ۔ اور چونکہ ہر یک کیلئے بباعث ضعف فطرت یا کمئ مقدرت یا بُعد مسافت یہ میسر نہیں آ سکتا کہ وہ صحبت میں آ کر رہے یا چند دفعہ سال میں تکلیف اٹھا کر ملاقات کیلئے آوے کیونکہ اکثر دلوں میں ابھی ایسا اشتعال شوق نہیں کہ ملاقات کیلئے بڑی بڑی تکالیف اور بڑے بڑے حرجوں کو اپنے پر روا رکھ سکیں لہٰذا قرین مصلحت معلوم ہوتا ہے کہ سال میں تین روز ایسے جلسہ کیلئے مقرر کئے جائیں جس میں تمام مخلصین اگر خدا تعالیٰ چاہے بشرط صحت و فرصت و عدم موانع قویہ تاریخ مقررہ پر حاضر ہو سکیں سو میرے خیال میں بہتر ہے کہ وہ تاریخ ۲۷ دسمبر سے ۲۹ دسمبر تک قرار پائے یعنی آج کے دن کے بعد جو تیس دسمبر ۱۸۹۱ء ہے آئندہ اگر ہماری زندگی میں ۲۷ دسمبر کی تاریخ آ جاوے تو حتی الوسع تمام

دوستوں کو محض للہ ربانی باتوں کے سننے کیلئے اور دعا میں شریک ہونے کیلئے اس تاریخ پر آجانا چاہئے اور اِس جلسہ میں ایسے **حقایق اور معارف** کے سنانے کا شغل رہے گا جو ایمان اور یقین اور معرفت کو ترقی دینے کیلئے ضروری ہیں اور نیز اُن دوستوں کیلئے خاص دعائیں اور خاص توجہ ہوگی اور حتی الوسع بدرگاہِ ارحم الراحمین کوشش کی جائے گی کہ خدائے تعالیٰ اپنی طرف ان کو کھینچے اور اپنے لئے قبول کرے اور پاک تبدیلی ان میں بخشے اور ایک عارضی فائدہ ان جلسوں میں یہ بھی ہوگا کہ ہر یک نئے سال میں جس قدر نئے بھائی اس جماعت میں داخل ہوں گے وہ تاریخ مقررہ پر حاضر ہو کر اپنے پہلے بھائیوں کے منہ دیکھ لیں گے اور روشناسی ہو کر آپس میں رشتہ تودّد وتعارف ترقی پذیر ہوتا رہے گا اور جو بھائی اس عرصہ میں اس سرائے فانی سے انتقال کر جائے گا اس جلسہ میں اس کے لئے دعائے مغفرت کی جائے گی اور تمام بھائیوں کو روحانی طور پر ایک کرنے کے لئے ان کی خشکی اور اجنبیت اور نفاق کو درمیان سے اٹھا دینے کے لئے بدرگاہ حضرت عزت جلّ شانہٗ کوشش کی جائے گی اور اس روحانی جلسہ میں اور بھی کئی روحانی فوائد اور منافع ہوں گے جو انشاء اللہ القدیر وقتاً فوقتاً ظاہر ہوتے رہیں گے اور کم مقدرت احباب کے لئے مناسب ہوگا کہ پہلے ہی سے اس جلسہ میں حاضر ہونے کا فکر رکھیں اور اگر تدبیر اور قناعت شعاری سے کچھ تھوڑا تھوڑا سرمایہ خرچ سفر کے لئے ہر روز یا ماہ بماہ جمع کرتے جائیں اور الگ رکھتے جائیں تو بلادقت سرمایہ سفر میسر آجاوے گا گویا یہ سفر مفت میسر ہو جائے گا اور بہتر ہوگا کہ جو صاحب احباب میں سے اس تجویز کو منظور کریں وہ مجھ کو ابھی بذریعہ اپنی تحریر خاص کے اطلاع دیں تا کہ ایک علیحدہ فہرست میں ان تمام احباب کے نام محفوظ رہیں کہ جو حتی الوسع والطاقت تاریخ مقررہ پر حاضر ہونے کے لئے اپنی آئندہ زندگی کے لئے عہد کر لیں اور بدل وجان پختہ عزم سے حاضر ہو جایا کریں بجز ایسی صورت کے کہ ایسے موانع پیش آجائیں جن میں سفر کرنا اپنی

حد اختیار سے باہر ہو جائے اور اب جو ۲۷؍ دسمبر ۱۸۹۱ء کو دینی مشورہ کے لئے جلسہ کیا گیا۔ اِس جلسہ پر جس قدر احباب محض لِلّٰہ تکلیف سفر اٹھا کر حاضر ہوئے خدا ان کو جزائے خیر بخشے اور ان کے ہر یک قدم کا ثواب ان کو عطا فرماوے۔ آمین ثم آمین

==============

اعلان

ہمارے پاس کچھ جلدیں رسالہ فتح اسلام و توضیح مرام موجود ہیں جن کی قیمت ایک رُوپیہ ہے اور کچھ جلدیں کتاب ازالہ اوہام موجود ہیں جن کی قیمت فی جلد تین روپیہ ہے محصول ڈاک علاوہ ہے جو صاحب خرید کرنا چاہیں منگوالیں پتہ یہ ہے **قادیان** ضلع گورداسپور بنام راقم رسالہ ھٰذا یا اگر چاہیں تو بمقام **پٹیالہ** میر ناصر نواب صاحب نقشہ نویس دفتر نہر سے لے سکتے ہیں۔ اور نیز یہ کتابیں **پنجاب پریس** سیالکوٹ میں مولوی غلام قادر صاحب فصیح مالک مطبع کے پاس بھی موجود ہیں وہاں سے بھی منگوا سکتے ہیں۔

ٹائیٹل بار دوم

الحمد للہ و المنۃ

کہ رسالہ شافیہ کافیہ جو مخالفون پر حجت اللہ اور دافع وساوس کی موجب زیادت ایمان و عرفان ہے

موسوم بہ

نشان آسمانی

جسکا دوسرا نام

شہادۃ الملہمین

بھی ہے

از تالیفات امام ہمام مہدی و مسیح موعود مجدد الوقت حضرت میرزا غلام احمد صاحب قادیانی

بماہ جنوری ۱۸۹۶ء بمطبع ضیاء الاسلام قادیان دارالامان مین چھپا

قیمت فی جلد ۳ ۔ بار دوم ۔ تعداد ۷۰۰

صفحہ۲ ٹائٹل بار اوّل

﴿۲﴾

اطلاع

بخدمت جمیع احباب

ہر ایک دوست کی خدمت میں جو یہ رسالہ نشان آسمانی روانہ کیا جائے تو سمجھ لینا چاہئے کہ یہ قیمت پر بھیجا گیا ہے اور جہاں تک ممکن ہو بلا توقف قیمت اس کی جو تین آنے ہے اور محصول ڈاک آدھا آنہ ہے یعنی کل ۶/۳ پائی بذریعہ منی آرڈر روانہ کردیں تا دوسرے رسالہ **دافع الوساوس** کے لئے سرمایہ جمع ہو جاوے اور جو صاحب اور نسخے خریدنا چاہیں وہ بھی اطلاع بخشیں تا جس قدر طلب کریں بھیجے جائیں۔

والسّلام علٰی من اتبع الھُدٰی۔

راقم خاکسار **میرزا غلام احمد** از قادیان ضلع گورداسپور پنجاب

یکم جون ۱۸۹۲ء

(ب)

بسم اللّٰہِ الرحمٰن الرحیم

قدرتِ کردگار مے بینم — حالتِ روزگار مے بینم
از نجوم این سخن نمے گویم — بلکہ از کردگار مے بینم
درخراسان ومصر و شام وعراق — فتنہ و کارزار مے بینم
ہمہ را حال مے شود دیگر — گر یکے در ہزار مے بینم
قصہ بس غریب مے شنوم — غصۂ در دیار مے بینم
غارت و قتل لشکر بسیار — از یمین و یسار مے بینم
بس فرومایگان بے حاصل — عالم و خوند کار مے بینم
مذہب دین ضعیف می یا بم — مبدع افتخار مے بینم
دوستان عزیز ہر قومے — گشتہ غمخوار و خوار مے بینم
منصب و عزل و تنگیِ عمال — ہریکے را دوبار مے بینم
ترک و تاجیک را بہم دیگر — خصمی و گیردار مے بینم
مکر و تزویر و حیلہ در ہر جا — از صغار و کبار مے بینم
بقعۂ خیر سخت گشت خراب — جائے جمع شرار مے بینم
اند کے امن گر بود امروز — در حدِ کوہسار مے بینم
گرچہ مے بینم این ہمہ غم نیست — شادیٔ غمگسار مے بینم
بعد امسال و چند سال دگر — عالمے چوں نگار مے بینم
بادشاہ مشام دانائے — سرورِ باوقار مے بینم
حکم امثال صورتے دگرست — نہ چو بیدار وار مے بینم

غین ورے سال چوں گذشت از سال | بوالعجب کاروبار مے بینم
گر درِ آئینہ ضمیر جہان | گرد و زنگ و غبار مے بینم
ظلمتِ ظلم ظالمانِ دیار | بے حد و بے شمار مے بینم
جنگ و آشوب و فتنہ و بیداد | درمیان و کنار مے بینم
بندہ را خواجہ وش ہمے یابم | خواجہ را بندہ وار مے بینم
ہرکہ ادبار پار بود امسال | خاطرش زیر بار مے بینم
سکّۂ نو زنند بر رُخِ زَر | درہمش کم عیار مے بینم
ہریک از حاکمان ہفت اقلیم | دیگرے را دوچار مے بینم
ماہ را رُوسیاہ مے نگرم | مہر را دل فگار مے بینم
تاجر از دور دست بے ہمراہ | ماندہ در رہگذار مے بینم
حال ہند و خراب مے یابم | جور ترک تتار مے بینم
بعض اشجار بوستان جہان | بے بہار و ثمار مے بینم
ہمدلیٔ و قناعت و کنجے | حالیا اختیار مے بینم
غم مخور زانکہ من دریں تشویش | خرّمی وصل یار مے بینم
چوں زمستاں بے چمن بگذشت | شمسِ خوش بہار مے بینم
دَورِ او چوں شود تمام بکام | پسرش یادگار مے بینم
بندگانِ جناب حضرت او | سربسر تاجدار مے بینم
بادشاہِ تمام ہفت اقلیم | شاہ عالی تبار مے بینم
صورت و سیرتش چو پیغمبر | علم و حلمش شعار مے بینم
یدِ بیضا کہ با او تابندہ | باز با ذوالفقار مے بینم
گلشنِ شرع را ہمے بویَم | گل دین را ببار مے بینم

﴾ج﴿

تا چہل سال اے برادرِ من دورِ آں شہسوار مے بینم
عاصیاں از امام معصوم خجل و شرمسار مے بینم
غازی دوستدار دشمن کش ہمدم و یار غار مے بینم
زینتِ شرع و رونق اسلام محکم و استوار مے بینم
گنج کسریٰ و نقد اسکندر ہمہ بر روئے کارمے بینم
بعد ازان خود امام خواہد بود بس جہان را مدار مے بینم
اح م و دال مے خوانم نام آں نامدار مے بینم
دین و دنیا ازو شود معمور خلق زو بختیار مے بینم
مہدی وقت و عیسٰیؑ دوراں ہر دو را شہسوار مے بینم
ایں جہاں را چو مصرمے نگرم عدل او را حصار مے بینم
ہفت باشد و زیر سلطانم ہمہ را کامگار مے بینم
بر کف دست ساقی وحدت بادۂ خوشگوار مے بینم
تیغ آہن دلاں زنگ زدہ کند و بے اعتبار مے بینم
گرگ با میش شیر با آہو در چرا باقرار مے بینم
☆ ترک عیار سُست مے نگرم خصم اُو در خمار مے بینم
نعمت اللہ نشست بر کنجے
از ہمہ بر کنار مے بینم

﴿د﴾

☆اس جگہ منشی محمد جعفر صاحب اس بات پر زور دیتے ہیں کہ یہ شعر یعنی ترک عیار گویا اس عاجز کی تکذیب کی نسبت پیشگوئی ہے لیکن ایک عقل مند جو انصاف اور تدبر سے کچھ حصہ رکھتا ہو وہ سمجھ سکتا ہے کہ یہ شعر اس قصیدہ کے مضامین کا ایک آخری مضمون ہے اور قصیدہ کی ترتیب سے بداہت معلوم ہوتا ہے کہ اوّل مسیح موعود کا ظہور ہو اور پھر اس کے بعد کوئی ایسا واقعہ

پیش آوے جو ترک عیار سست نظر آوے اور اس کا دشمن بھی خمار میں دکھلائی دے اور ظاہر ہے کہ اس زمانہ میں بجز اس عاجز کے کسی نے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ نہیں کیا تا اسکے دعویٰ کے بعد ایک ناقص الفہم اس عاجز کو ترک قرار دے پس اس شعر کے صحیح معنے یہ ہیں کہ اس مسیح کے ظہور کے بعد ترکی سلطنت کچھ سست ہو جاوے گی اور سلطنت کا مخالف بھی یعنی روس فتح یابی کا کچھ اچھا پھل نہیں دیکھے گا اور آخر کار فتح کا سرور جاتا رہے گا اور خمار رہ جائے گا اور نیز یہ شعر یعنی مہدیٔ وقت و عیسیٰؑ دوراں صاف دلالت کرتا ہے کہ وہی مہدی موعود مسیح موعود بھی ہوگا۔ حالانکہ سید احمد صاحب نے کبھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ میں مسیح موعود بھی ہوں۔ اور حدیثوں کی رو سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ مہدی کے ظہور کے وقت ترکی سلطنت کچھ ضعیف ہو جائے گی اور عرب کے بعض حصوں میں نئی سلطنت کے لئے کچھ تدبیریں کرتے ہوں گے اور ترکی سلطنت کو چھوڑنے کیلئے تیار ہوں گے سو یہ علامات مہدی موعود اور مسیح موعود کی ہیں جس نے سوچنا ہو سوچے۔ محمد جعفر صاحب کی سمجھ پر تعجب ہے کہ انہوں نے اس مصرعہ پر بھی غور نہیں کی کہ پسرش یادگار مے بینم۔ یہ پیشگوئی سید احمد صاحب پر کیونکر صادق آ سکتی ہے۔ اگر آج یعنی ۲۷؍جنوری ۹۶ء کو زندہ ہو کر آ جائیں تو ایک سو بارہ برس کے ہوں گے تو کیا اس عمر میں جورو کریں گے اور لڑکا پیدا ہوگا۔ پھر ماسوا اسکے یہ لڑکا پیدا ہونا اور جورو کرنا مسیح موعود کی بہت حدیثوں میں لکھا ہے اور اسکے مطابق نعمت اللہ صاحب کا الہام ہے کیونکہ مسیح موعود کی بہت حدیثوں میں ہے کہ یَتَزَوَّجُ وَیُوْلَدُ لَہٗ۔ لیکن سید صاحب نے تو کبھی مسیح موعود ہونے کا دعویٰ نہیں کیا۔ پس وہ کیونکر اس پیشگوئی کے مصداق ہو سکتے ہیں اور یہ بھی یاد رہے کہ مصرعہ ترک عیار میں لفظ عیار کا محل ذم میں نہیں ہے بلکہ یہ لفظ فارسیوں کے استعمال میں محل مدح میں آتا ہے۔ حافظ فرماتے ہیں ؎

خیال زلف تو پختن نہ کار خامان ست — کہ زیر سلسلہ رفتن طریق عیاری ست

منہ

﴿۱﴾

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُلِلّٰہِ وسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیۡنَ اصۡطَفٰی

امابعد واضح ہو کہ ان چند اوراق میں ان بعض اولیاء اور مجاذیب کی شہادتیں درج ہیں جنہوں نے ایک زمانہ دراز اس عاجز سے پہلے اس عاجز کی نسبت خبر دی ہے منجملہ ان کے ایک مجذوب گلاب شاہ نام کی پیشگوئی ہے جو ہمارے اس زمانہ سے تیس یا اکتیس برس پہلے اس عالم گذران سے گذر چکا ہے اور اگرچہ یہ پیشگوئی ازالہ اوہام کے صفحہ ۷۰۷ میں مجمل طور پر شائع ہو چکی ہے لیکن اب کی دفعہ صاحب بیان کنندہ نے تمام جزئیات کو خوب یاد کر کے بہ تفصیل تمام اس پیشگوئی کو بیان کیا ہے اور چاہا ہے کہ الگ طور پر وہ پیشگوئی ایک اشتہار میں شائع کر دی جائے۔

بیان کنندہ یعنے میاں کریم بخش جس قدر اس پیشگوئی کو نہایت یقین اور ایمانی جوش کے ساتھ بیان کرتا ہے اس کو اگر کوئی طالب حق متوجہ ہو کر سنے تو ممکن نہیں کہ اس کا ایک کامل اور عجیب اثر اسکے دل پر پیدا نہ ہو۔ میں نے میاں کریم بخش کو اب ماہ مئی ۱۸۹۲ء میں دوبارہ لدھیانہ میں بلا کر اس پیشگوئی کی اُس سے مکرراً تفتیش کی اور کئی مجلسوں میں اس کو قسم دے کر پوچھا گیا کہ اس بارے میں جو یقینی طور پر راست راست بات ہے اور خوب یاد ہے وہی بات بیان کرے ایک ذرہ مشتبہ بات بیان نہ کرے اور یہ بھی کہا گیا کہ اگر ایک سرِمو کوئی خلاف واقعہ بات

یا کوئی مشتبہ امر بیان کرے گا جو ٹھیک ٹھیک یاد نہیں رہا تو خدائے تعالیٰ کے سامنے اس کا جواب دینا پڑے گا۔ بلکہ سچائی کے امتحان کی غرض سے نہایت سختی سے اس پیر مرد کو کہا گیا کہ آپ اب اس بات کو خوب سوچ لیں اور سمجھ لیں کہ اگر آپ کے بیان میں ایک لفظ بھی خلاف واقعہ ہوگا تو اس کا بوجھ آپ کی گردن پر ہوگا اور حشر کے دن میں وہ طوقِ لعنت گردن میں پڑے گا جو مفتریوں کی گردن میں پڑا کرتا ہے۔ پھر بار بار کہا گیا کہ اے میاں کریم بخش آپ پیر مرد آدمی ہیں اور جیسا کہ سنا جاتا ہے تقویٰ اور صوم وصلوٰۃ کی پابندی سے آپ کا زمانہ گذرا ہے اب اس بات کو یاد رکھو کہ اگر یہ پیشگوئی میاں گلاب شاہ کی جو اس عاجز کی نسبت آپ بیان کرتے ہیں ایک مشتبہ امر ہے یا خلاف واقعہ ہے تو اسکے بیان کرنے سے تمام اعمال خیر سابقہ تمہارے ضائع اور برباد ہوجائیں گے اور ناراض نہ ہونا یقیناً سمجھو کہ اس افترا کی سزا میں تم جہنم میں ڈالے جاؤ گے۔ اگر یقینی طور پر یہ امر واقعی نہیں تو میرے لئے اپنے ایمان کو ضائع مت کرو میں نہ اس جہان میں تمہارے کام آسکتا ہوں نہ اُس جہان میں۔ جو مجرم بن کر خدائے تعالیٰ کے سامنے جائے گا اس کیلئے وہ جہنم ہے جس میں وہ نہ مرے گا اور نہ زندہ رہے گا۔ بدبخت ہے وہ انسان جو افترا کر کے اپنے مالک کو ناراض کرے اور سخت بدنصیب ہے وہ شخص کہ ایک مجرمانہ کام کر کے ساری عمر کی نیکیاں برباد کر دیوے اور یاد رکھو کہ اگر کوئی میرے لئے کسی قسم کا خدائے تعالیٰ پر افترا کرے گا اور کوئی خواب یا کوئی الہام یا کشف میرے خوش کرنے کیلئے مشہور کر دے گا تو میں اس کو کتوں سے بدتر اور سؤروں سے ناپاک تر سمجھتا ہوں اور دونوں جہانوں میں اس سے بیزار ہوں کیونکہ اس نے ایک ذلیل خلق کیلئے اپنے عزیز مولیٰ کو جھوٹ بول کر ناراض کر دیا۔ اگر ہم بے باک اور کذاب ہوجائیں اور خدائے تعالیٰ کے سامنے افتراؤں سے نہ ڈریں تو ہزارہا درجے ہم سے کتے اور سؤر اچھے ہیں۔ سو اگر گناہ کیا ہے۔ تو توبہ کرو تا ہلاک نہ ہوجاؤ اور یقیناً سمجھو کہ خدائے تعالیٰ مفتری کو بے سزا نہیں چھوڑے گا اور اس عاجز کا کاروبار کسی انسان کی شہادت پر موقوف نہیں۔ جس نے مجھے

﴿۲﴾

بھیجا ہے وہ میرے ساتھ ہے اور میں اسکے ساتھ ہوں میرے لئے وہی پناہ کافی ہے یقیناً وہ اپنے بندہ کو ضائع نہیں کرے گا۔ اور اپنے فرستادہ کو برباد نہیں کردے گا۔ یہ وہ تمام باتیں ہیں جو کئی دفعہ میاں کریم بخش کو کئی مجلسوں میں کہی گئیں۔ لیکن اس نے ان سب باتوں کو سن کر ایک درد سے بھرے ہوئے دل کے ساتھ ایسا جواب دیا جس سے رونا آتا تھا اور اسکے لفظ لفظ سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ خدا کے خوف سے بھر کر نہایت سچائی سے بیان کر رہا ہے اور اسکے بیان کرنے میں جو چشم پُرآب ہو کر ایک رِقّت کے ساتھ تھا ایک ایسی تاثیر تھی جس کے اثر سے بدن پر لرزہ آتا تھا پس اس روز یقین قطعی سے سمجھا گیا کہ یہ پیشگوئی اس شخص کے رگ و ریشہ میں اثر کر گئی ہے اور اسکے ایمان کو اس سے اعلیٰ درجہ کا فائدہ پہنچا ہے چنانچہ ہم ذیل میں اس کا وہ اشتہار جو اس نے اللہ جلّ شانہٗ کی قسم کھا کر ایک پُردرد بیان میں لکھایا ہے درج کریں گے اسکے پڑھنے سے ناظرین جو باانصاف اور حقیقت شناس ہیں سمجھ لیں گے کہ کیسی اعلیٰ شان کی وہ شہادت ہے۔ ﴿۳﴾

ماسوا اسکے ایک اور پیشگوئی ہے جو ایک مرد باخدا نعمت اللہ نام نے جو ہندوستان میں اپنی ولایت اور اہل کشف ہونے کا شہرہ رکھتا ہے اپنے ایک قصیدہ میں لکھی ہے اور یہ بزرگ سات سو انچاس برس پہلے ہمارے زمانہ سے گذر چکے ہیں اور اسی قدر مدت ان کے اس قصیدہ کی تالیف میں بھی گذر گئی ہے جس میں یہ پیشگوئی درج ہے مولوی محمد اسماعیل صاحب شہید دہلوی جس زمانہ میں اس کوشش میں تھے کہ کسی طرح ان کے مرشد سید احمد صاحب مہدیٔ وقت قرار دیئے جائیں اس زمانہ میں انہوں نے اس قصیدہ کو حاصل کر کے بہت کچھ سعی کی کہ یہ پیشگوئی ان کے حق میں ٹھہر جائے یہاں تک کہ انہوں نے اپنی کتاب کے ساتھ بھی اس کو شائع کر دیا لیکن اس پیشگوئی میں وہ پتے اور نشان دیئے گئے تھے کہ کسی طرح سید احمد صاحب ان علامات کے مصداق نہیں ٹھہر سکتے تھے۔ ہاں یہ سچ ہے کہ اس پیشگوئی کے مصداق کا نام **اَحْمَدْ** لکھا ہے یعنی اس آنے والے کا نام احمد ہوگا اور نیز یہ بھی اشارہ پایا جاتا ہے کہ وہ ملک ہند میں ہوگا اور نیز یہ بھی لکھا ہے کہ وہ تیرھویں صدی میں ظہور کرے گا۔ پس بنظر

سرسری خیال گذر سکتا ہے کہ سید احمد صاحب میں یہ تینوں علامتیں تھیں لیکن ذرہ غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ اس پیشگوئی کو سید احمد صاحب موصوف سے کچھ بھی تعلق نہیں کیونکہ اول تو ان اشعار سے صاف پایا جاتا ہے کہ وہ مجدّد موعود تیرھویں صدی کے اوائل میں نہیں ہوگا بلکہ تیرھویں صدی کے اخیر پر کئی واقعات اور حادثات اور فتن کے ظہور کے بعد ظہور کرے گا یعنی چودھویں صدی کے سر پر ہوگا مگر ظاہر ہے کہ سید احمد صاحب نے تیرھویں صدی کے نصف تک بھی زمانہ نہیں پایا پھر چودھویں صدی کا مجدّد ان کو کیونکر ٹھہرایا جائے ماسوا اسکے سید موصوف نے یہ دعویٰ جوان کی نسبت بیان کیا جاتا ہے اپنی زبان سے کہیں نہیں کیا اور کوئی بیان ان کا ایسا پیش نہیں ہوسکتا جس میں یہ دعویٰ موجود ہو اور ان سب باتوں سے بڑھ کر یہ امر ہے کہ شیخ نعمت اللہ ولی نے ان اشعار میں اس آنے والے کی نسبت یہ بھی لکھا ہے کہ وہ مہدی اور عیسیٰ بھی کہلائے گا حالانکہ صاف ظاہر ہے کہ سید احمد صاحب نے کبھی عیسیٰ ہونے کا دعویٰ نہیں کیا۔ پھر انھیں اشعار میں ایک یہ بھی اشارہ کیا ہے کہ اسکے بعد اسکے رنگ پر آنے والا اس کا بیٹا ہوگا کہ اس کا یادگار رہوگا۔ اب صاف ظاہر ہے کہ سید احمد صاحب نے ایسے کامل بیٹے کی نسبت کوئی پیشگوئی نہیں کی اور نہ کوئی ان کا ایسا بیٹا ہوا کہ وہ عیسوی رنگ سے رنگین ہو۔ پھر انہیں اشعار میں ایک یہ بھی اشارہ ہے کہ وہ مبعوث ہونے کے وقت سے چالیس برس تک عمر پائے گا۔ مگر ظاہر ہے کہ سید احمد صاحب اپنے ظہور کے وقت سے صرف چند سال زندہ رہ کر اس دنیا فانی سے انتقال کر گئے لیکن **براہین احمدیہ** کے دیکھنے سے ظاہر ہوگا کہ یہ عاجز تجدید دین کیلئے اپنی عمر کے سن چالیس میں مبعوث ہوا جس کو گیاراں برس کے قریب گذر گیا اور باعتبار اس پیشگوئی کے جو ازالہ اوہام میں درج ہے یعنی یہ کہ **ثمانین حولًا او قریباً من ذٰلک** ایام بعثت چالیس برس ہوتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

﴿۴﴾

اور سید صاحب کے پھر دوبارہ آنے کی امید رکھنا اسی قسم کی امید ہے جو حضرت ایلیا اور مسیح کے آنے پر رکھی جاتی ہے اور نہایت سادہ اور بے خبر آدمی اپنے وقتوں کو اُس امید

پر ضائع کر رہے ہیں۔ اس کی صرف اس قدر اصلیت معلوم ہوتی ہے کہ قدیم سے خدائے تعالیٰ کی یہ سنت جاری ہے کہ بعض اوقات وہ ایک کامل فوت شدہ کے دنیا میں دوبارہ آنے کی نسبت کسی اہل کشف کے ذریعہ سے خبر دے دیتا ہے اور اس سے مراد صرف یہ بات ہوتی ہے کہ اس شخص کی طبع اور سیرت پر کوئی شخص پیدا ہوگا چنانچہ بنی اسرائیل کے نبیوں میں سے ملاکی نبی نے بھی یہ خبر دی تھی کہ ایلیا نبی جو آسمان پر اٹھایا گیا ہے پھر دنیا میں آئے گا اور جب تک ایلیا دوبارہ دنیا میں نہ آوے تب تک مسیح نہیں آسکتا۔ اس خبر کے ظاہر الفاظ پر یہود ظاہر پرست اس قدر جم گئے کہ انہوں نے حضرت مسیح کو ان کے ظہور کے وقت قبول نہ کیا اور ہر چند حضرت مسیح نے انہیں کہا کہ ایلیا سے مراد یوحنا زکریا کا بیٹا ہے جو یحییٰ بھی کہلاتا ہے لیکن ان کی نظر تو آسمان پر تھی کہ وہ آسمان سے نازل ہوگا۔ پس اس ظاہر پرستی کی وجہ سے انہوں نے دو نبیوں کا انکار کر دیا یعنی عیسیٰ اور یحییٰ کا اور کہا کہ یہ سچے نبی نہیں ہیں۔ اگر یہ سچے ہوتے تو ان سے پہلے جیسا کہ خدا تعالیٰ نے اپنی پاک کتابوں میں خبر دی تھی ایلیا نبی آسمان سے نازل ہوتا۔ سو یہودی لوگ اب تک آسمان کی طرف دیکھ رہے ہیں کہ کب ایلیا نبی اس سے اترتا ہے اور ان بدنصیبوں کو خبر نہیں کہ ایلیا نبی تو آسمان سے اتر چکا اور مسیح بھی آچکا افسوس کہ خشک ظاہر پرستی نے کس قدر دنیا کو نقصان پہنچائے ہیں پھر بھی دنیا نہیں سمجھتی۔ ﴿۵﴾

ایک صحیح حدیث میں ہے کہ اے مسلمانو تم آخری زمانہ میں بکلی یہودیوں کے قدم بہ قدم ہر یک بات میں چلو گے یہاں تک کہ اگر کسی یہودی نے اپنی ماں سے زنا کیا ہوگا تو تم بھی کرو گے یہ حدیث اور ایلیا نبی کا قصہ مسیح موعود کے قصہ کے ساتھ جس پر آج طوفان برپا ہو رہا ہے ملا کر پڑھو اور غور کرو اور ذرہ عقل سے کام لے کر سوچو کہ ایلیا نبی کے دوبارہ آنے کا خیال جو یہودیوں کے اہل سنت والجماعت میں بالاتفاق قائم ہو چکا تھا آخر وہ حضرت عیسیٰ کی عدالت سے کیونکر فیصلہ ہو کر پاش پاش ہو گیا۔ کہاں گیا ان کا اجماع سوچ کر دیکھو کہ آیا سچ مچ ایلیا نبی آسمان سے اتر آیا یا ایلیا سے یحییٰ بن زکریا مراد لیا گیا۔

خدائے تعالیٰ قرآن کریم میں بار بار فرماتا ہے کہ تم اے مسلمانوں ان ٹھوکروں سے بچو جو یہودی لوگ کھا چکے ہیں اوران خیالات سے پرہیز کرو جن پر جمنے سے یہودی لوگ کتّے اور سؤر بنائے گئے۔ دانا وہ ہے جو دوسرے کے حال سے نصیحت پکڑے اور جس جگہ دوسرے کا پیر پھسل چکا ہے اس جگہ قدم رکھنے سے ڈرے افسوس کہ آپ لوگ اپنے لئے اور اپنی قوم کیلئے وہی غاریں کھود رہے ہیں جو یہودیوں نے کھودی تھیں۔ ذرہ تکلیف اٹھائیں اور یہود کے علماء کے پاس جائیں اور پوچھیں کہ یہود نے حضرت عیسیٰ اور حضرت یحییٰ کو قبول کیوں نہ کیا تو یہی جواب پائیں گے کہ سچے مسیح کے آنے کی آسمانی کتابوں اور بنی اسرائیل کی احادیث میں یہی نشانی لکھی ہے کہ اس سے پہلے ایلیا آسمان سے اترے گا اور نیز مسیح بادشاہ اور صاحب لشکر ہوگا سو چونکہ ایلیا نبی آسمان سے نہیں اترا اور نہ ابن مریم کو ظاہری بادشاہی ملی اسلئے مریم کا بیٹا سچا مسیح نہیں ہے۔ ﴿۶﴾

اب آپ لوگ سوچیں اور خوب سوچیں کہ یہ قصہ ایلیا کا مسیح موعود کے قصہ سے کس قدر ہم شکل ہے اور اس بات کو سمجھ لیں کہ گو مسیح کے پہلے کئی نبی ہوئے مگر کسی نے یہ ظاہر نہ کیا کہ ایلیا سے مراد کوئی دوسرا شخص ہے۔ مسیح کے ظہور کے وقت تک یہود کے تمام فقیہوں اور مولویوں کا اسی پر اتفاق رہا کہ ایلیا نبی پھر دنیا میں آئے گا۔ اور تعجب یہ کہ ان کے ملہموں کو بھی یہ الہام نہ ہوا کہ یہ عقیدہ سراسر غلط ہے اور آسمانی کتاب کے ظاہر لفظ بھی یہی بتلاتے رہے کہ ایلیا نبی دوبارہ دنیا میں آئے گا۔ لیکن آخرکار حضرت مسیح پر خدائے تعالیٰ نے یہ راز سر بستہ کھول دیا کہ ایلیا نبی دوبارہ نہیں آئے گا بلکہ اسکے آنے سے مراد اسکے ہم صفت کا آنا ہے جو یحییٰ نبی ہے اصل بات یہ ہے کہ پیشگوئیوں میں بہت سے اسرار ہوتے ہیں کہ جو اپنے وقت پر کھلتے ہیں اور بغیر پہنچنے وقت کے بڑے بڑے عارف بھی ان کی اصل حقیقت سے بےخبر رہتے ہیں۔ سچ کہا ہے کسی نے کہ ہر سخن وقتے و ہر نکتہ مقامے دارد۔ وَ کَمْ مِنْ عِلْمٍ تَرَکَ الْاَوَّلُوْنَ لِلْاٰخِرِیْنَ ۔ اسی طرح یہ بات قرین قیاس ہے کہ سید احمد صاحب یا اس کے کسی صالح مرید کو یہ الہام ہوا ہو کہ احمد پھر دنیا میں آئے گا اور انہوں نے اسکے یہ معنی سمجھے ہوں کہ یہی سید احمد صاحب کچھ مدت دنیا سے محجوب رہ کر پھر دنیا میں آجائیں گے۔ اس

قسم کے دھوکوں کے نمونے دوسری قوموں میں بھی پائے جاتے ہیں۔لوگ عادت اللہ کی طرف خیال نہیں کرتے اور وہ معنے جو مسنون اللہ اور قرین قیاس ہیں ترک کر کے ایک بے ہودہ اور بے اصل معنے قبول کر لیتے ہیں سو سید احمد صاحب کا دوبارہ آنا جو ہمارے اکثر موحد بھائی بڑے ذوق وشوق سے انتظار کر رہے ہیں درحقیقت اسی قسم کے خیالات میں سے ہے اے حضرات! احمد آنے والا آ گیا۔اب تم بھی سمجھ لو کہ سید احمد آ گیا کیونکہ مومن **کنفسٍ واحدةٍ** ہوتے ہیں۔ **وِلِلّٰہِ دَرّ القائل۔**

انبیاء در اولیاء جلوہ دہند   ہر زمان آیند در رنگے دگر

ہائے افسوس لوگ اس بات سے کیسے بے خبر ہیں کہ ہر ایک فرد بشر کو موت لگی ہوئی ہے اور دوبارہ آنا کسی فوت شدہ کا۔یعنی حقیقی طور پر خدائے تعالیٰ ہر گز تجویز نہیں کرتا اور کوئی صالح آدمی دو موتوں اور دو جان کندنوں سے ہرگز معذب نہیں ہو سکتا۔اس بے ہودہ خیال سے کہ مسیح ابن مریم زندہ آسمان پر بیٹھا ہے بڑے بڑے فتنے دنیا میں پڑ گئے ہیں دراصل عیسائیوں کے پاس مسیح کو خدا ٹھہرانے کی یہی بنیاد ہے اور اس کو زندہ ماننے سے رفتہ رفتہ انکا یہ خیال ہو گیا کہ اب باپ کچھ نہیں کرتا سب کچھ اس نے اپنے بیٹے کو جو زندہ موجود ہے سپرد کر رکھا ہے۔غرض یہی اول دلیل مسیح کے خدا ہونے کی عیسائیوں کے پاس ہے۔جس کی ہمارے علماء تائید کر رہے ہیں مگر حق بات یہی ہے کہ وہ فوت ہو گئے قرآن کریم ان کے فوت پر انہیں لفظوں سے شاہد ہے جو دوسرے موتی کیلئے استعمال کئے گئے ہیں **بخاری** میں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کی موت کی تصدیق کرتے ہیں **ابن عباس** جیسے جلیل الشان صحابی اس آیت **توفّی عیسیٰ** کے بھی موت ہی معنے بیان کرتے ہیں اور طبرانی اور حاکم حضرت عائشہ سے روایت کرتے ہیں کہ عیسیٰ ایک سو بیس برس تک زندہ رہا۔اسی حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ عیسیٰ سے میری عمر آدھی ہے۔اب ظاہر ہے کہ اگر حضرت عیسیٰ فوت نہیں ہوئے تو غالباً ہمارے نبی

﴿۷﴾

صلی اللہ علیہ وسلم بھی اب تک زندہ ہی ہوں گے۔

ایک اور نکتہ ہے جو کلام الٰہی پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ جب انسان خدائے تعالیٰ کے جذبات سے ہدایت پا کر دن بدن حق اور حقانیت کی طرف ترقی کرتا ہے اور نفس اور نفسانی امور کو چھوڑتا جاتا ہے تو آخر انتہائی نقطہ اسکے تصفیہ نفس کا یہ ہوتا ہے کہ وہ بکلی ظلمت نفس اور جذبات نفسانیہ سے باہر آ کر اور جسم کو جو تخت گاہ نفس ہے ادخنہ جسمانیہ سے دھو کر ایک مصفا قطرہ کی طرح ہو جاتا ہے اس وقت وہ خدائے تعالیٰ کی نظر میں فقط ایک روح مجرد ہوتا ہے جو گدازش نفس کے بعد باقی رہ جاتا ہے اور اطاعت کاملہ مولیٰ میں ملائک سے ایک مشابہت پیدا کر لیتا ہے تب اس مقام پر پہنچ کر عند اللہ اس کا حق ہوتا ہے جو اس کو روح اللہ اور کلمۃ اللہ کہا جائے یہ معنی ایک طور سے اس حدیث سے بھی نکلتے ہیں جو ابن ماجہ اور حاکم اپنی کتابوں میں لائے ہیں کہ لَا مَھْدِیَ اِلَّا عِیْسٰی یعنی مہدی کے کامل مرتبہ پر وہی پہنچتا ہے جو اول عیسیٰ بن جائے۔ یعنی جب انسان تبتّل الی اللّٰہ میں ایسا کمال حاصل کرے جو فقط روح رہ جائے تب وہ خدا تعالیٰ کے نزدیک روح اللہ ہو جاتا ہے اور آسمان میں اس کا نام عیسیٰ رکھا جاتا ہے اور خدا تعالیٰ کے ہاتھ سے ایک روحانی پیدائش اس کو ملتی ہے جو کسی جسمانی باپ کے ذریعہ سے نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کے فضل کا سایہ اس کو وہ پیدائش عنایت کرتا ہے۔ پس درحقیقت تزکیہ اور فنا فی اللہ کا کمال یہی ہے کہ ظلمات جسمانیہ سے اس قدر تجرد حاصل کرے کہ فقط روح باقی رہ جائے یہی مرتبہ عیسویت ہے جس کو خدائے تعالیٰ چاہتا ہے کامل طور پر عطا کرتا ہے۔ اور مرتبہ کاملہ دجالیت یہ ہے کہ حسب مضمون اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ[1] نفسانی نشیبوں کی طرف زیادہ سے زیادہ جھکتا جائے یہاں تک کہ گہری تاریکیوں کے غاروں میں پڑ کر تاریکی مجسم ہو جائے اور بالطبع ظلمت کا دوست اور روشنی کا دشمن ہو جائے عیسوی حقیقت کے مقابل پر دجّالیت کی حقیقت کا ہونا ایک امر لازمی ہے کیونکہ ضد ضد سے شناخت کی جاتی ہے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت سے ہی یہ دونوں حقیقتیں شروع ہیں۔ ابن صیّاد کا آپ نے دجّال نام رکھا۔ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو کہا کہ تجھ میں

﴿۸﴾

[1] الاعراف : ۱۷۷

عیسیٰ کی مشابہت پائی جاتی ہے۔ سو عیسیٰ اور دجّال کا تخم اسی وقت سے شروع ہوا اور مرور زمانہ کے ساتھ جیسی جیسی ظلمت فتنہ کی دجالیت کے رنگ میں کچھ زیادتی آتی گئی ویسی ویسی عیسویت کی حقیقت والے بھی اسکے مقابل پر پیدا ہوتے گئے یہاں تک کہ آخری زمانہ میں بباعث پھیل جانے فسق اور فجور اور کفر اور ضلالت اور بوجہ پیدا ہوجانے ان تمام بدیوں کے جو کبھی پہلے اس زور اور کثرت سے پیدا نہیں ہوئی تھیں بلکہ نبی کریم نے آخری زمانہ میں ہی ان کا پھیلنا بطور پیشگوئی بیان فرمایا تھا دجالیت کاملہ ظاہر ہوگئی پس اس کے مقابل پر ضرور تھا کہ عیسویت کاملہ بھی ظاہر ہوتی یاد رہے کہ نبی کریم نے جن بدباتوں کے پھیلنے کی آخری زمانہ میں خبر دی ہے اسی مجموعہ کا نام دجالیت ہے جس کی تاریں یا یوں کہو کہ جس کی شاخیں صدہا قسم کی آنحضرت نے بیان فرمائی ہیں چنانچہ ان میں سے وہ مولوی بھی دجالیت کے درخت کی شاخیں ہیں جنہوں نے لکیر کو اختیار کیا اور قرآن کو چھوڑ دیا۔ قرآن کریم کو پڑھتے تو ہیں مگر ان کے حلقوں کے نیچے نہیں اترتا۔ غرض دجالیت اس زمانہ میں عنکبوت کی طرح بہت سی تاریں پھیلا رہی ہے۔ کافر اپنے کفر سے اور منافق اپنے نفاق سے اور میخوار میخواری سے اور مولوی اپنے شیوہ گفتن و نہ کردن اور سیہ دلی سے دجالیت کی تاریں بُن رہے ہیں ان تاروں کو اب کوئی کاٹ نہیں سکتا بجز اُس حربہ کے جو آسمان سے اترے اور کوئی اس حربہ کو چلا نہیں سکتا بجز اس عیسیٰ کے جو اسی آسمان سے نازل ہو سو عیسیٰ نازل ہوگیا۔ و کان وعداللّٰہ مفعولًا۔ ﴿۹﴾

اب ہم ذیل میں ان پیشگوئیوں کو لکھتے ہیں جن کے لکھنے کا وعدہ تھا لیکن ہم بوجہ تقدم زمان مناسب سمجھتے ہیں کہ پہلے نعمت اللہ ولی کی پیشگوئی معہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی کے لکھی جائے۔ پھر بعد اس کے میاں گلاب شاہ کی پیشگوئی جیسا کہ میاں کریم بخش نے لکھائی ہے درج کی جائے وباللہ التوفیق۔ واضح ہو کہ نعمت اللہ ولی رہنے والے دہلی کے نواح کے اور ہندوستان کے اولیاء کاملین میں سے مشہور ہیں۔ ان کا زمانہ پانسو ساٹھ ہجری ان کے دیوان کے حوالہ سے بتلایا گیا ہے اور جس کتاب میں ان کی یہ پیشگوئی لکھی ہے اسکے طبع کا سن بھی ۲۵ محرم الحرام ۱۸۶۸ء ☆ ہے اس حساب سے

☆ سہو کاتب ہے ۱۲۶۸ء پڑھنا چاہئے۔ (شمس)

اکتالیس [۴۱] برس ان ابیات کے چھپنے پر بھی گذر گئے اور یہ ابیات رسالہ **اربعین فی احوال المهديّين** کے ساتھ شامل ہیں جو مطبوعۂ تاریخ مذکورہ بالا ہے اور جیسا کہ ہم پہلے بھی لکھ آئے ہیں۔ ان بیتوں کو رسالہ اربعین سے شامل کرنا اسی غرض سے ہے کہ تا کسی طرح سید احمد صاحب کا منجملہ مہدیوں کے ایک مہدی ہونا ثابت کیا جائے اگرچہ اس میں کچھ شک نہیں کہ احادیث میں جہاں جہاں مہدی کے نام سے کسی آنے والے کی نسبت پیشگوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی درج ہے اسکے سمجھنے میں لوگوں نے بڑے بڑے دھوکے کھائے ہیں اور غلط فہمی کی وجہ سے عام طور پر یہی سمجھا گیا ہے کہ ہر ایک **مہدی** کے لفظ سے مراد **محمّد بن عبداللّٰه** ہے جس کی نسبت بعض احادیث پائی جاتی ہیں لیکن نظر غور سے معلوم ہوگا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کئی مہدیوں کی خبر دیتے ہیں منجملہ ان کے وہ مہدی بھی ہے جس کا نام حدیث میں **سلطان مشرق** رکھا گیا ہے جس کا ظہور ممالک مشرقیہ ہندوستان وغیرہ سے اور اصل وطن فارس سے ہونا ضرور ہے درحقیقت اسی کی تعریف میں یہ حدیث ہے کہ اگر **ایمان ثریا سے معلق** یا ثریا پر ہوتا تب بھی وہ مرد وہیں سے اس کو لے لیتا اور اسی کی یہ نشانی بھی لکھی ہے کہ **وہ کھیتی کرنے والا ہوگا**۔ غرض یہ بات بالکل ثابت شدہ اور یقینی ہے کہ صحاح سِتّہ میں کئی مہدیوں کا ذکر ہے اور ان میں سے ایک وہ بھی ہے جس کا ممالک مشرقیہ سے ظہور لکھا ہے مگر بعض لوگوں نے روایات کے اختلاط کی وجہ سے دھوکا کھایا ہے لیکن بڑی توجہ دلانے والی یہ بات ہے کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مہدی کے ظہور کا زمانہ وہی زمانہ قرار دیا ہے جس میں ہم ہیں اور چودھویں صدی کا اس کو مجدّد قرار دیا ہے جیسا کہ ہم آئندہ انشاء اللہ بیان کریں گے بہرحال اگرچہ یہ ضرور ثابت ہوتا ہے کہ چودھویں صدی کے سر پر ملک ہند میں **ایک عظیم الشان مجدّد پیدا** ہونے والا ہے لیکن یہ سراسر تحکم ہے کہ سید احمد صاحب کو اس کا مصداق ٹھہرایا جائے کیوں کہ

﴿۱۰﴾

جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں سید صاحب نے چودھویں صدی کا زمانہ نہیں پایا۔
اب چند اشعار نعمت اللہ ولی کے جو مہدی ہند کے متعلق ہیں معہ شرح ذیل میں لکھے
جاتے ہیں۔

ابیات

قدرت کردگار مے بینم حالت روزگار مے بینم

از نجوم این سخن نمے گویم بلکہ از کردگار مے بینم

یعنی جو کچھ میں ان ابیات میں لکھوں گا وہ منجمانہ خبر نہیں بلکہ الہامی طور پر مجھ کو خدا تعالیٰ کی طرف سے معلوم ہوا ہے۔

غین و رےؔ سال چوں گذشت از سال بُوالعجب کاروبار مے بینم

یعنی بارہ سو سال کے گذرتے ہی عجیب عجیب کام مجھ کو نظر آتے ہیں مطلب یہ کہ تیرھویں صدی کے شروع ہوتے ہی ایک انقلاب دنیا میں آئے گا اور تعجب انگیز باتیں ظہور میں آئیں گی اور ہجرت کے باراں سو سال گذرنے کے ساتھ ہی مَیں دیکھتا ہوں کہ بوالعجب کام ظاہر ہونے شروع ہو جائیں گے۔

گر در آئینۂ ضمیرِ جہان گرد و زنگ و غبار می بینم

یعنی تیرھویں صدی میں دنیا سے صلاح وتقویٰ اٹھ جائے گی فتنوں کی گرد اٹھے گی گناہوں کا زنگ ترقی کرے گا اور کینوں کے غبار ہر طرف پھیلیں گے یعنی عام عداوتیں پھیل جائیں گی تفرقہ اور عناد بڑھ جائے گا اور محبت اور ہمدردی اٹھ جائے گی۔ مگر ان باتوں کو دیکھ کر غم نہیں کرنا چاہئے۔

﴿۱۱﴾

ظلمتِ ظلم ظالمانِ دیار بیحد و بے شمار مے بینم

یعنی ملکوں میں ظلم کا اندھیرا انتہا کو پہنچ جائے گا حاکم رعیت پر اور ایک بادشاہ دوسرے بادشاہ پر اور شریک شریک پر ظلم کرے گا اور ایسے لوگ کم ہوں گے جو عدل پر قائم رہیں۔

جنگ و آشوب و فتنہ و بیداد درمیان و کنار مے بینم

یعنی ہندوستان کے درمیان میں اور اسکے کناروں میں بڑے بڑے فتنے اٹھیں گے اور جنگ ہوگا اور ظلم ہوگا۔

بندہ را خواجہ وش ہمی یابم خواجہ را بندہ وار می بینم

یعنی ایسے انقلاب ظہور میں آئیں گے کہ خواجہ بندہ اور بندہ خواجہ ہو جائے گا۔ یعنی امیر سے فقیر اور فقیر سے امیر بن جائے گا۔

سکّۂ نو زنند بر رخ زر درہمش کم عیار مے بینم

یعنی ہندوستان کی پہلی بادشاہی جاتی رہے گی اور نیا سکہ چلے گا جو کم عیار ہوگا اور یہ سب کچھ تیرھویں صدی میں سلسلہ وار ظہور میں آ جائے گا۔

بعض اشجار بوستان جہان بے بہار و ثمار می بینم

یعنی قحط پڑیں گے اور باغات کو پھل نہیں لگیں گے۔

غم مخور زانکہ من دریں تشویش خرمی وصل یار مے بینم

یعنی اس تشویش اور فتنہ کے زمانہ میں جو تیرھویں صدی کا زمانہ ہے غم نہیں کرنا چاہئے کیونکہ میں دیکھتا ہوں کہ وصل یار کی خوشی بھی ان فتنوں کے ساتھ اور ان کے درمیان ہے مطلب یہ کہ جب تیرھویں صدی کے یہ تمام فتنے کمال کو پہنچ جائیں گے تو وصل یار کی خوشی اخیر صدی میں ظاہر ہوگی یعنی خدائے تعالیٰ رحمت کے ساتھ توجہ کرے گا۔

﴿۱۲﴾

چوں زمستان بے چمن بگذشت شمس خوش بہار مے بینم

یعنی جب کہ زمستان بے چمن مراد یہ ہے کہ جب تیرھویں صدی کا موسم خزاں گذر جائے گا تو چودھویں صدی کے سر پر آفتاب بہار نکلے گا یعنی مجدّدِ وقت ظہور کرے گا۔

دور او چوں شود تمام بکام پسرش یادگار مے بینم

یعنی جب اس کا زمانہ کامیابی کے ساتھ گذر جائے گا تو اس کے نمونہ پر اس کا لڑکا یادگار رہ جائے گا یعنی مقدر یوں ہے کہ خدائے تعالیٰ اس کو ایک لڑکا پارسا دے گا جو اسی کے نمونہ پر ہوگا اور اُسی کے رنگ سے رنگین ہو جائے گا اور وہ اس کے بعد اس کا یادگار ہوگا یہ درحقیقت اس عاجز کی اس پیشگوئی کے مطابق ہے جو ایک لڑکے کے بارے میں کی گئی ہے۔

بندگانِ جناب حضرتِ او سر بسر تاج دار مے بینم

یعنی یہ بھی مقدر ہے کہ بالآخر اُمرا اور ملوک اس کے معتقد خاص ہو جائیں گے اور اس کی نسبت ارادت پیدا کرنا بعضوں کے لئے دنیوی اقبال اور تاجداری کا موجب ہوگا۔ یہ اس پیشگوئی کے مطابق ہے جو اس عاجز کو خدائے تعالیٰ کی طرف سے ملی کیونکہ خدائے تعالیٰ نے اس عاجز کو مخاطب کر کے کہا کہ میں تجھ پر اس قدر فضل کروں گا کہ بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے اور ایک جگہ فرمایا کہ تیرے دوستوں اور محبوں پر بھی احسان کیا جائے گا۔

گلشن شرع را ہمی بویم گلِ دیں را ببار مے بینم

یعنی اس سے شریعت تازہ ہو جائے گی اور دین کے شگوفوں کو پھل لگیں گے۔ یہ اس الہام کے مطابق ہے جو براہین احمدیہ کے صفحہ ۴۹۸ میں درج ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ ہر یک دین پر بذریعہ اس عاجز کے دین اسلام غالب کیا جائے گا اور پھر صفحہ ۴۹۱ براہین میں یہ الہام ہے کہ خدا تجھ کو ترک نہیں کرے گا جب تک کہ خبیث اور پاک میں فرق کر کے دکھلائے۔

﴿۱۳﴾

تا چہل سال ای برادرِ من دور آن شہسوار می بینم

یعنی اس روز سے جو وہ امام ملہم ہو کر اپنے تئیں ظاہر کرے گا چالیس برس تک زندگی کرے گا اب واضح رہے کہ یہ عاجز اپنی عمر کے چالیسویں برس میں دعوت حق کے لئے بالہام خاص مامور کیا گیا اور بشارت دی گئی کہ اسی[۸] برس تک یا اس کے قریب تیری عمر ہے سو اس الہام سے چالیس برس تک دعوت ثابت ہوتی ہے جن میں سے دس برس کامل گذر بھی گئے دیکھو براہین احمدیہ صفحہ ۲۳۸۔ **وَاللّٰہ علٰی کل شیء قدیر**۔ اگرچہ اب تک حضرت نوح کی طرح دعوت حق کے آثار نمایاں نہیں لیکن اپنے وقت پر تمام باتیں پوری ہوں گی۔

عاصیاں از امامِ معصومم خجل و شرمسار می بینم

اس بیت میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اس امام کے جو چودھویں صدی کے سر پر آئے گا مخالف اور نافرمان بھی ہوں گے جن کے لئے آخر خجالت اور شرمساری مقدر ہے اسی کی طرف اس الہام میں اشارہ ہے جو **فیصلہ آسمانی** میں چھپ چکا ہے اور وہ یہ ہے کہ میں **فتّاح** ہوں تجھے فتح دوں گا ایک عجیب مدد تو دیکھے گا اور سجدہ گاہوں میں گریں گے یعنی مخالف لوگ یہ کہتے ہوئے کہ خدایا ہمیں بخش کہ ہم خطاوار تھے۔

یدِ بیضا کہ با او تابندہ باز با ذوالفقار می بینم

یعنی اس کا وہ روشن ہاتھ جو اتمام کے حجت کی رو سے تلوار کی طرح چمکتا ہے پھر میں اس کو ذوالفقار کے ساتھ دیکھتا ہوں یعنی ایک زمانہ ذوالفقار کا تو وہ گذر گیا کہ جب ذوالفقار **علی کَرَّمَ اللّٰہُ وَجْہَہٗ** کے ہاتھ میں تھی مگر خدا تعالیٰ پھر ذوالفقار اس امام کو دے دے گا اس طرح پر کہ اس کا چمکنے والا ہاتھ وہ کام کرے گا جو پہلے زمانہ میں ذوالفقار کرتی تھی۔ سو وہ ہاتھ ایسا ہوگا کہ گویا وہ ذوالفقار علی کرم اللہ وجہہ ہے جو پھر ظاہر ہوگئی ہے یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ وہ امام **سلطان القلم** ہوگا اور اس کی قلم ذوالفقار کا کام دے گی یہ پیشگوئی بعینہٖ اس عاجز کے اس الہام کا ترجمہ ہے جو اس وقت سے دس برس پہلے براہین احمدیہ میں چھپ چکا ہے اور وہ یہ ہے **کتاب الولی ذوالفقار علی** ۔ یعنی کتاب اس ولی کی ذوالفقار علی کی ہے۔ یہ اس عاجز کی طرف اشارہ ہے۔ اسی بناء پر بارہا اس عاجز کا نام مکاشفات میں **غازی** رکھا گیا ہے۔ چنانچہ براہین احمدیہ کے بعض دیگر مقامات میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔ ﴿۱۴﴾

غازی دوست دار دشمن کش ہمدم و یارِ غار مے بینم

وہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک غازی ہے دوستوں کو بچانے والا اور دشمنوں کو مارنے والا۔

صورت و سیرتش چو پیغمبر علم و حلمش شعار مے بینم

یعنی ظاہر و باطن اپنا نبی کی مانند رکھتا ہے اور شان نبوت اس میں نمایاں ہے اور علم اور حلم اس کا شعار ہے مراد یہ کہ بباعث اپنی اتباع نبی کریم کے گویا وہی صورت اور وہی سیرت اس کو حاصل ہوگئی ہے یہ اس الہام کے مطابق ہے جو اس عاجز کے بارے میں براہین میں چھپ

چکا ہے اور وہ یہ ہے جری اللّٰہ فی حلل الانبیاء یعنی فرستادہ خدا در حلّہ ہائے انبیاء۔

زینتِ شرع و رونق اسلام محکم و استوار مے بینم

یعنی اسکے آنے سے شرع آرایش پکڑ جائے گی اور اسلام رونق پر آ جائے گا اور دینِ متین محمدی محکم اور استوار ہو جائے گا۔ یہ اس الہام کے مطابق ہے جو اس عاجز کی نسبت اس وقت سے دس برس پہلے براہین میں چھپ چکا ہے اور وہ یہ ہے۔ بخرام کہ وقت تو نزدیک رسید و پائے محمدیاں بر منار بلند تر محکم افتاد۔ اور نیز یہ الہام ھو الّذی ارسل رسولہ بالھدٰی و دین الحق لیظھرہ علی الدّین کلّہٖ دیکھو صفحہ ۲۳۹ براہین احمدیہ حاشیہ۔

﴿۱۵﴾

احؔم و دال مے خوانم نام آن نامدار مے بینم

یعنی کشفی طور پر مجھے معلوم ہوا ہے کہ نام اس امام کا **احمد** ہوگا۔

دین و دنیا ازو شود معمور خلق زو بختیار مے بینم

یعنی اس کے آنے سے اسلام کے دن پھریں گے اور دین کو ترقی ہوگی اور دنیا کو بھی یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جو لوگ اس کے ساتھ بدل و جان ہو جائیں گے خدائے تعالیٰ ان کے گناہ بخش دے گا اور دین میں استقامت عطا کرے گا اور وہی اسلام کی دنیوی ترقی کا بھی پودہ ٹھہریں گے کہ خدا ان کو نشو و نما دے گا اور ان میں اور ان کی ذریت میں برکت رکھے گا یہاں تک کہ دنیا میں بھی وہ ایک با اقبال قوم ہو جائے گی اسی کے مطابق براہین احمدیہ میں یہ الہام درج ہے وجاعل الذین اتبعوک فوق الذین کفروا الٰی یوم القیامۃ اور یہ جو اشارہ کیا کہ اس کے آنے سے اسلام کی دینی و دنیوی حالت صلاحیت پر آ جائیں گی اس کی اصل حقیقت یہ ہے کہ جو خدا تعالیٰ کی طرف سے آتا ہے وہ اسلام کیلئے رحمت ہو کر آتا ہے اور اسی کے ساتھ جلد

یا دیر سے رحمت الٰہی نازل ہوتی ہے مگر اوائل میں قحط اور وبا وغیرہ کی تنبیہیں بھی اترا کرتی ہیں اور اہل کشف انجام کا حال بیان کرتے ہیں نہ ابتدائی واقعات کا۔

بادشاہ تمام ہفت اقلیم   شاہ عالی تبار می بینم

یعنی مجھ کو کشفی نظر میں وہ ایک شاہ عالی خاندان ہفت اقلیم کا بادشاہ نظر آتا ہے۔ یہ مطابق اس پیشگوئی کے ہے جو **ازالہ اوہام** میں درج ہوچکی ہے اور وہ یہ ہے :۔ **حکم اللّٰہ الرَّحمٰنِ لِخَلِیفۃ اللّٰہِ السُّلطَان سیؤتی لہ الملک العظیم الخ** یہ اس عاجز کی نسبت الہام ہے جس کے یہ معنے ہیں کہ خلیفۃ اللہ بادشاہ جس کو ایک ملک عظیم دیا جائے گا اور جس پر زمین کے خزانے کھولے جائیں گے۔ اس بادشاہی سے مراد اس دنیا کی ظاہری بادشاہی نہیں بلکہ روحانی بادشاہی☆ ہے۔

﴿۱۶﴾

مہدیؑ وقت و عیسیٰ دوران   ہر دو را شہسوار می بینم

یعنی وہ مہدی بھی ہوگا اور عیسیٰ بھی دونوں صفات کا حامل ہوگا اور دونوں صفات سے اپنے تئیں ظاہر کرے گا یہ آخری بیت عجیب تصریح پر مشتمل ہے جس سے صاف طور پر سمجھا جاتا ہے کہ وہ خدائے تعالیٰ کی طرف سے حکم پا کر عیسیٰ ہونے کا بھی دعویٰ کرے گا اور ظاہر ہے کہ یہ دعویٰ تیرہ ۱۳ سو برس سے آج تک کسی نے بجز اس عاجز کے نہیں کیا کہ عیسیٰ موعود میں ہوں۔

یہ چند اشعار ہیں جو ہم نے نعمت اللہ ولی کے قصیدہ سے جو طول طویل ہے برعایت اختصار لکھے ہیں ہر ایک کو چاہیے جو اپنی تسلی کے لئے اصل ابیات کو دیکھ لے۔

وَالسَّلام علٰی من اتَّبع الھُدٰی

☆ حضرت عیسیٰ کی نسبت بھی پہلی کتابوں میں یہ پیشگوئی تھی کہ وہ بادشاہ ہوگا اور اس کے ساتھ لشکر ہوگا مگر آخر مسیح غریبوں اور مسکینوں کے لباس میں ظاہر ہوا اور یہودی بوجہ نہ پائے جانے ظاہری نشانوں کے منکر ہوگئے۔ ۱۲

ہمارے سید و مقتدا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی

پیشگوئی

جاننا چاہیے کہ اگرچہ عام طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے یہ حدیث صحیح ثابت ہو چکی ہے کہ خدائے تعالیٰ اس اُمت کی اصلاح کیلئے ہر ایک صدی پر ایسا مجدد مبعوث کرتا رہے گا جو اسکے دین کو نیا کرے گا لیکن چودھویں صدی کیلئے یعنی اس بشارت کے بارہ میں جو ایک عظیم الشان مہدی چودھویں صدی کے سر پر ظاہر ہوگا اس قدر اشارات نبویہ پائے جاتے ہیں جو ان سے کوئی طالب منکر نہیں ہو سکتا ہاں اسکے ساتھ یہ بھی لکھا ہے کہ جب وہ ظہور کرے گا تو علما اسکے کفر کا فتویٰ دیں گے اور نزدیک ہے کہ اس کو قتل کر دیں۔ چنانچہ مولوی صدیق حسن صاحب بھی **حجج الکرامہ** کے صفحہ ۳۶۳ اور صفحہ ۳۸۲ میں اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ علماء وقت کہ جو خوگر تقلید فقہاء و مشائخ ہیں اس مہدی کی تعلیم کو سن کر یوں کہیں گے کہ یہ تو دین اسلام کی بیخ کنی کر رہا ہے اور اس کی مخالفت کیلئے اٹھیں گے اور اپنی قدیمی عادت کے موافق اس کی تکفیر اور **تضلیل** کریں گے یعنی کافر اور ضال اور دجال اور گمراہ اس کا نام رکھیں گے مگر تلوار کی ہیبت سے ڈریں گے اور مولویوں سے زیادہ تر دشمن اس کا کوئی نہیں ہوگا کیونکہ اسکے ظہور سے ان کی وجاہتوں اور ریاستوں میں فرق آ جائے گا اور اگر تلوار نہ ہوتی تو اس کے حق میں قتل کا فتویٰ دیتے اور اگر اس کو قبول بھی کریں گے تو دل میں اس کا کینہ رکھیں گے۔ اس کی پیروی جس قدر عام لوگ کریں گے خاص نہیں کریں گے۔ عارف لوگ جو اہل شہود و کشف ہیں اسکے سلسلہ بیعت میں داخل ہو جائیں گے۔ ﴿۱۷﴾

اس بیان میں صدیق حسن صاحب نے تلوار کے معنے الٹے سمجھے ہیں بلکہ مطلب

یہ ہے کہ اگر گورنمنٹ کی تلوار سے خوف نہ ہوتا تو اس کو قتل کر ڈالتے تلوار کو مہدی کی طرف منسوب کرنا حدیث کے اصل منشاء میں تحریف ہے اگر اس مہدی کے ہاتھ میں تلوار ہوتی تو پھر کیونکر یہ بزدل علما جِیفہ خوار دنیا کے اس کو ملعون اور کافر اور دجال کہہ سکتے۔ کافروں کی تو سوسو خوشامد کر کے اپنا دین برباد کر لیں تو پھر یہ نامرد گروہ تلوار کی چمک دیکھ کر ایک مومن کو کیونکر کافر اور دجال کہہ سکیں اور نیز اس جگہ صدیق حسن صاحب اپنی طرف سے یہ زیادت لگا گئے ہیں کہ اس امام موعود کے منکر اور مکفّر حنفی وغیرہ مقلّدین ہوں گے ہم لوگ نہیں ہوں گے۔ حالانکہ یہی موحدین اول المکفرین ہیں اور مقلدین ان کے اتباع سے ہیں اور صدیق حسن صاحب کی یہ بڑی غلط فہمی ہے کہ اس امام موعود سے محمد بن عبداللہ مہدی مراد ہیں کیونکہ وہ تو بقول ان کے خونی مہدی صاحب سیف و سنان ہیں اور ماسوا اس کے ان کیلئے بقول ان علماء کے آسمان سے آواز آئے گی اور بڑے بڑے خوارق اُس سے ظہور میں آئیں گے اور حضرت مسیح آسمان سے اتر کر اسکے پیرووں اور مبایعین میں داخل ہوں گے اور مکفرین کی سزا کیلئے ان کے پاس تلوار ہوگی۔ پھر مولویوں کی خواہ وہ موحّد ہوں یا مقلّد کیا مجال ہے کہ ان کو ضال اور بے ایمان اور کافر اور دجال کہہ سکیں یہ پیشگوئی تو اس غریب مہدی کیلئے ہے جس کی بادشاہی اس دنیا کی بادشاہی نہیں اور جس کو تلواروں سے کچھ غرض نہیں۔ خونی مہدی جب کہ ادنیٰ ادنیٰ بدعتوں پر بقول صدیق حسن خاں صاحب کے لوگوں کو قتل کر دے گا تو پھر مولوی اس کو کافر اور دجال اور بے ایمان کہہ کر اور اسکے کفر کی نسبت فتوے لکھ کر کیونکر اس کے ہاتھ سے بچیں گے اور کیا ان مولویوں کا حوصلہ ہے کہ ایک زبردست بادشاہ کو جس کی تلوار سے خون چکے کافر اور دجال کہہ سکیں اور اس کی نسبت فتویٰ لکھ سکیں۔ دراصل بات یہ ہے کہ احادیث میں کئی قسم کے مہدیوں کی طرف اشارہ ہے۔ اور مولویوں نے تمام احادیث کو ایک ہی جگہ خلط ملط کر کے گڑبڑ ڈال دیا ہے اور اختلاط روایات کی وجہ سے اور نیز قلّت تدبّر کے باعث سے ان پر امر مشتبہ ہوگیا ہے ورنہ چودھویں صدی کا مہدی جس کا نام **سلطان المشرق** بھی ہے خصوصیت کے ساتھ احادیث میں بیان

﴿۱۸﴾

کیا گیا ہے جس کے جہاد روحانی جہاد ہیں اور جو دجالیت تامہ کے پھیلنے کی وجہ سے **عیسیٰ** کی صفت پر نازل ہوا ہے **حجج الکرامه** کے صفحہ ۳۸۷ میں لکھا گیا ہے کہ **حافظ ابن القیم** منار میں فرماتے ہیں کہ مہدی کے بارے میں چار قول ہیں ان میں سے ایک یہ قول ہے کہ مہدی مسیح ابن مریم ہے میں کہتا ہوں کہ جب کہ دلائل کاملہ سے ثابت ہو گیا کہ اصل مسیح عیسیٰ بن مریم فوت ہو گیا ہے اور مسیح موعود اس کا ظل ہے اور اس کا نمونہ ہے جو بوجہ پھیلنے دجالیت کے اس نام پر **مبعوث ہوا** تو پھر ہر ایک شخص سمجھ سکتا ہے کہ وہ اپنے وقت کا مہدی بھی ہے اور عیسیٰ بھی۔ کیونکہ جب کہ ہر ایک صالح ہدایت یافتہ کو مہدی کہہ سکتے ہیں تو کیا وہ شخص جس نے تزکیہ کاملہ کی برکت سے روح فقط کا مرتبہ پا کر عیسیٰ اور روح اللہ کا نام حاصل کیا ہے وہ مہدی کے نام سے موسوم نہیں ہوسکتا اور مجھے سخت تعجب ہے کہ ہمارے علماء عیسیٰ کے لفظ سے کیوں چڑتے ہیں اسلام کی کتابوں میں تو ایسی چیزوں کا نام بھی عیسیٰ رکھا گیا ہے جو سخت مکروہ ہیں۔ چنانچہ **برھان قاطع** میں حرف عین میں لکھا ہے کہ **عیسیٰ دہقان** کنایہ شراب انگوری سے ہے اور **عیسیٰ نو ماہہ** اس خوشہ انگور کا نام ہے جس سے شراب بنایا جائے اور شراب انگوری کو بھی عیسیٰ نو ماہہ کہتے ہیں۔

اب غضب کی بات ہے کہ مولوی لوگ شراب کا نام تو عیسیٰ رکھیں اور تالیفات میں بے مہابا اس کا ذکر کریں اور ایک پلید چیز کی ایک پاک کے ساتھ اِسمی مشارکت جائز قرار دیں اور جس شخص کو اللہ **جلّ شانہٗ** اپنی قدرت اور فضل خاص سے دجّالیت موجودہ کے مقابل عیسیٰ کے نام سے موسوم کرے وہ ان کی نظر میں کافر ہو۔

﴿۱۹﴾

﴾میاں گلاب شاہ مجذوب کی پیشگوئی جیسا کہ میاں کریم بخش
نے قسم کھا کر بیان کی ہے یہاں لکھی جاتی ہے﴿

کریم بخش جمال پوری کی طرف سے للّٰہی ہمدردی کی غرض سے مسلمانوں کی آگاہی کے لئے ایک سچی گواہی کا اظہار

تمام مسلمان بھائیوں پر واضح ہو کہ اس وقت میں محض اپنے بھائیوں کی خیرخواہی اور ہمدردی کیلئے اس اپنی سچی شہادت کو جس کا ذکر میں نے **ازالہ اوہام** کے صفحہ ۷۰۷ میں پہلے اس سے لکھایا تھا بہ تفصیل تام **میرزا غلام احمد** صاحب قادیانی کی نسبت ظاہر کرنا چاہتا ہوں تا لوگوں کو میری طرف سے خاص طور پر اطلاع ہو جائے اور تا ادائے شہادت کے فرض سے مجھ کو سبکدوشی حاصل ہو اور قبل اس کے کہ میں اس شہادت کو بیان کروں **اللہ جلّ شانہٗ** کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ وہ میری شہادت بالکل صحیح اور ہر یک شک اور شبہ سے بالکل منزّہ ہے اگر اس شہادت کے بیان کرنے میں جو ذیل میں بیان کروں گا کچھ میری طرف سے افترا ہے یا کچھ کم و بیش میں نے اس میں کر دیا ہے تو خدائے تعالیٰ اسی جہان میں میرے پر عذاب نازل کرے۔ میں خوب سمجھتا ہوں کہ اگر میں خلاف واقعہ بیان کروں گا اور خدائے تعالیٰ پر افترا باندھوں گا تو جہنم کے سرگروہوں میں داخل کیا جاؤں گا اور خدائے تعالیٰ کا غضب اور اس کی لعنت دنیا اور آخرت میں میرے پر وارد ہوگی۔ میں نے اس گواہی کو جو ابھی بیان کروں گا بہت ضبط سے یاد رکھا ہے

اور نہ میں نے بلکہ خدائے تعالیٰ نے یاد رکھنے میں مجھ کو مدد دی ہے تا ایک گواہی جو میرے پاس تھی اپنے وقت پر ادا ہو جائے ہر چند کہ میں ابتدا سے خوب جانتا ہوں کہ اس گواہی کے ادا کرنے سے میں اپنی عزیز قوم کو سخت ناراض کروں گا اور وہ کفر جو علماء کے دعوت خانہ سے «۲۰» تقسیم ہو رہا ہے اس کا ایک وافر حصہ مجھ کو بھی ملے گا اور اپنے بھائیوں کی میل ملاقات سے ترک کیا جاؤں گا اور سب وشتم اور لعن وطعن کا نشانہ بنوں گا لیکن ساتھ اس کے مجھے اس بات پر بھی یقین کلی ہے کہ اگر اس دینی گواہی کو اس پُرفتنہ وقت میں پوشیدہ رکھوں گا تو اپنے رب کریم کو ناراض کر دوں گا اور کبیرہ گناہ کا مرتکب ہو جاؤں گا اور اس جلتی ہوئی آگ میں ڈالا جاؤں گا جس کا کچھ انتہا نہیں۔ سو میں نے دونوں طور کے نقصانوں کو جانچا آخر یہ نقصان مجھ کو خفیف اور ہیچ معلوم ہوا کہ میری سچی گواہی کی وجہ سے میری برادری کے معزز لوگ مجھ کو چھوڑ دیں گے یا میں مولویوں کے فتووں میں کافر کافر کر کے لکھا جاؤں گا اب میں بڈھا ہوں اور قریب موت کمال بدنصیبی ہوگی کہ اس عمر تک پہنچ کر پھر میں غیر اللہ سے ڈروں مجھ کو اس کفر اور معصیت سے خوف آتا ہے جو خدائے تعالیٰ کے نزدیک ہے اور میں جہنم کی آگ کی کسی طرح برداشت نہیں کر سکتا۔ پھر میں کیوں چار دن کی زندگی کیلئے مولویوں یا برادری کی خاطر روز حشر میں اپنا مونہہ سیاہ کروں خدائے تعالیٰ مجھے ایمان پر موت دے میں کبھی جھوٹ نہیں بولوں گا اگر وہ راضی ہو تو پھر دنیا کی ہر ایک رسوائی درحقیقت ایک عزت ہے اور ہر ایک درد ایک لذت۔ بھائیوں کی جدائی سے بھی اپنے اللہ کی راہ میں مجھے اندیشہ نہیں میری اب آخری عمر ہے۔ بہت سے عزیزوں کو موت نے مجھ سے جدا کر دیا اور میں بھی جلد اس مسافر خانہ سے سفر کر کے باقی ماندہ عزیزوں سے جدا ہونے والا ہوں پھر اگر خدائے تعالیٰ کیلئے اور اس کی راہ میں اور اس کے راضی کرنے کیلئے جدائی ہو تو زہے **قسمت** کہ ایسا ثواب مجھ کو حاصل ہو۔ بھائیو! یقیناً سمجھو کہ اگر یہ گواہی میرے پاس نہ ہوتی اور اس وقت سے تیس یا اکتیس برس پہلے اگر ایک ربّانی مجذوب میرے پر یہ راز نہ کھولتا کہ **آنے والا عیسیٰ موعود**

کون ہے تو آج میں بھی اپنے بھائیوں کی طرح میرزا غلام احمد قادیانی کا ایک اشد مخالف ہوتا اگرچہ میں قتل بھی کیا جاتا تاہم بالکل غیر ممکن اور محال تھا کہ میں میرزا صاحب کو مسیحِ موعود قبول کر کے اپنے اس محکم عقیدہ کو چھوڑ دیتا جس کو میں اپنے خیال میں اہل سنت والجماعت کا مذہب اور سلف صالح کا اعتقاد اور اپنے علماء کا عقیدہ مسلمہ سمجھتا تھا۔ لیکن یہ خدائے تعالیٰ کی میرے حق میں ایک رحمت تھی جو اس نے اس واقعہ ﴿۲۱﴾ سے تیس برس پہلے ایک باخدا مرد اور بیابان کے پھرنے والے ایک مجذوب کی زبان سے وہ باتیں میرے کانوں تک پہنچادیں جو اب میرے لئے ایک عظیم الشان نشان ہوگئیں اور ان پیشگوئیوں نے میرے دل کو مرزا صاحب کی سچائی پر ایسا قائم کر دیا کہ اگر اب کوئی ٹکڑہ ٹکڑہ بھی کرے تو مجھے اس راہ میں اپنی جان کی بھی کچھ پرواہ نہیں جیسے روز روشن جب نکلتا ہے تو کسی کو اس میں کچھ شک نہیں رہتا ایسا ہی مجھ پر ثابت ہوگیا ہے کہ میرزا غلام احمد قادیانی وہی **مسیح موعود ہیں** جن کے آنے کا وعدہ تھا جن کا کتابوں میں عیسیٰ نام رکھا گیا ہے اور میرا دل اس یقین سے بھرا ہوا ہے کہ عیسیٰ نبی علیہ السلام مر گیا اور پھر نہیں آئے گا۔ جس کے آنے کی **رسول کریمؐ** نے بشارت دی تھی وہ یہی **امام** ہے جو اسی امت سے پیدا ہوا۔ سو میں نے چاہا کہ اس سچائی کو اوروں پر بھی ظاہر کروں۔ اور ناواقف لوگوں کو حق پر قائم کرنے کیلئے مدد دوں اور خدا میرے دل کو دیکھ رہا ہے کہ میں سچا ہوں اور اگر میں سچا نہیں تو خدا میرے پر تباہی ڈالے۔ پس اے بھائیو ڈرو اور ناحق کی بدظنی سے اپنے بھائی کی گواہی ردمت کرو کہ وہ دن ہم سب کیلئے قریب ہے جس سے ہم کسی طرف بھاگ نہیں سکتے۔ وہ گواہی جو میرے پاس ہے یہ ہے کہ میرے گاؤں جمال پور میں جو ضلع لودھیانہ میں واقع ہے ایک بزرگ مجذوب باخدا آدمی تھے جن کا نام **گلاب شاہ** تھا میں ان کی صحبت میں اکثر رہتا اور ان سے فیض حاصل کرتا تھا اور اگرچہ میں مسلمانوں کے گھر میں پیدا ہوا تھا اور مسلمان کہلاتا تھا لیکن میں اس امر کے اظہار سے رہ نہیں سکتا کہ درحقیقت انہوں نے ہی مجھے طریق اسلام سکھلایا اور توحید کی صاف اور پاک راہ پر میرا قدم جمایا۔ اس بزرگ درویش نے ایک دفعہ

میرے پاس بیان کیا کہ عیسیٰ جوان ہوگیا ہے اور لدھیانہ میں آوے گا اور قرآن کی غلطیاں نکالے گا اور فیصلہ قرآن کے ساتھ کرے گا اور پھر فرمایا کہ فیصلہ قرآن پر کرے گا اور مولوی انکار کریں گے اور پھر فرمایا کہ مولوی لوگ سخت انکار کریں گے مَیں نے ان سے پوچھا کہ قرآن تو خدائے تعالیٰ کا کلام ہے کیا اس میں بھی غلطیاں ہیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ تفسیروں پر تفسیریں بن گئیں اور شاعری زبان پھیل گئی اس لئے غلطیاں پڑ گئیں (یعنی مبالغہ پر مبالغہ کر کے حقیقتوں کو چھپایا گیا جیسے شاعر چھپاتے ہیں) عیسیٰ جب آئے گا تو ان سب غلطیوں کو نکالے گا اور فیصلہ قرآن سے کرے گا پھر کہا کہ فیصلہ قرآن پر کرے گا اس پر میں نے کہا کہ مولوی تو قرآن کے وارث ہیں وہ کیوں انکار کریں گے تب انہوں نے جواب دیا کہ مولوی سخت انکار کریں گے پھر میں نے بات کو دوہرا کر کہا کہ مولوی کیوں انکار کریں گے وہ تو وارثِ قرآن ہیں اس پر وہ بہت طیش میں آ کر اور ناراض ہو کر بولے کہ تو دیکھے گا کہ اس وقت مولویوں کا کیا حال ہوگا وہ سخت انکار کریں گے۔ پھر میں نے ان سے پوچھا کہ عیسیٰ جوان تو ہوگیا مگر وہ کہاں ہے انہوں نے کہا کہ بیچ قادیان کے (یعنی قادیان میں) تب میں نے کہا کہ قادیان تو لدھیانہ سے تین کوس کے فاصلہ پر ہے اس جگہ عیسیٰ کہاں ہیں اس وقت انہوں نے اس کا جواب نہ دیا مگر دوسرے وقت میں انہوں نے اس بات کا جواب دے دیا جس کو بباعث امتداد مدت کے میں پہلے لکھا نہ سکا اب یاد آیا کہ آخر میں کئی دفعہ انہوں نے فرمایا کہ وہ قادیان بٹالہ کے پاس ہے اس جگہ عیسیٰ ہے اور جب انہوں نے یہ فرمایا تھا کہ عیسیٰ قادیان میں ہے اور اب جوان ہوگیا تو میں نے انکار کی راہ سے ان کو کہا کہ عیسیٰ مریم کا بیٹا تو آسمان پر زندہ موجود ہے اور خانہ کعبہ پر اترے گا یہ کون عیسیٰ ہے جو قادیان میں ہے اور جوان ہوگیا۔ اس کے جواب میں وہ بڑی نرمی اور سلوک کے ساتھ بولے اور فرمایا کہ وہ عیسیٰ بیٹا مریم کا جو نبی تھا مر گیا ہے وہ پھر نہیں آئے گا اور میں نے اچھی طرح تحقیق کیا ہے کہ عیسیٰ بیٹا مریم کا مر گیا ہے وہ پھر نہیں آئے گا اللہ نے مجھے بادشاہ کہا ہے میں سچ کہتا ہوں جھوٹ نہیں کہتا۔ پھر انہوں نے تین مرتبہ خود بخود کہا کہ وہ عیسیٰ جو آنے والا ہے اس کا نام **غلام احمد** ہے اور میں نے اگرچہ بہت سی

﴿۲۲﴾

پیشگوئیاں گلاب شاہ کی پوری ہوتی دیکھیں تھیں لیکن اس پیشگوئی کے باب میں کہ آنے والا عیسیٰ قادیان میں ہے اور اس کا نام غلام احمد ہے ہمیشہ میں گلاب شاہ کا مخالف ہی رہا جب تک کہ اس کو پورے ہوتے دیکھ لیا اور اگرچہ میں ان کو بزرگ اور باخدا جانتا تھا مگر میں اس پیشگوئی کو بوجہ اس کے کہ وہ جیسا کہ میں خیال کرتا تھا اہل سنت والجماعت کے عقیدہ کے مخالف تھی کسی طرح سے قبول نہیں کر سکتا تھا اس لئے پہلے دن جب میں نے ان کے منہ سے یہ بات سنی تو بڑے جوش وخروش سے میں نے ان کا جواب دیا لیکن پھر میں نے بلحاظ ادب ظاہری تکرار چھوڑ دیا اور دل میں مخالف رہا کیونکہ اور بھائیوں کی طرح بڑی مضبوطی سے میرا یہ اعتقاد تھا کہ عیسیٰ آسمان سے اترے گا اور زندہ آسمان پر بیٹھا ہے مرا نہیں ہے اور انہوں نے مجھے یہ بھی کہا تھا کہ جب عیسیٰ لدھانہ میں آئے گا تو ایک سخت کال پڑے گا جیسا کہ میں نے بچشم خود دیکھ لیا کہ جب اس دعویٰ کے بعد مرزا صاحب لدھانہ میں آئے تو حقیقت میں سخت کال لدھانہ میں پڑا۔ غرض اس بزرگ نے قریباً تیس یا اکتیس برس پہلے مجھ کو وہ خبریں دیں جو آج ظہور میں آئیں اور میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ وہ سب باتیں پوری ہوگئیں جو گلاب شاہ نے آج سے تیس یا اکتیس برس پہلے مجھ کو کہی تھیں۔ ﴿۲۳﴾

میں اس بات کا لکھنا بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ مجھے بارہا اور بتکرار اس بات کا مشاہدہ ہو چکا ہے کہ یہ بزرگ صاحب خوارق وکرامات تھا۔ مَیں نے بچشم خود دیکھا کہ ایک دفعہ ایک جنگل میں موضع رام پور کے قریب انہوں نے نشان کیا کہ اس جگہ دریا چلے گا اور دریا چلنے کی کوئی جگہ نہ تھی اس لئے ہم نے انکار کیا مگر ایک مدت کے بعد اسی جگہ نہر چلی جہاں نشان لگایا تھا۔ ایک جگہ معمار ایک کنواں بنا رہے تھے اور طیار ہو چکا تھا کچھ تھوڑا باقی تھا۔ گلاب شاہ کی اس پر نظر پڑی کہا ناحق اس کنوئیں کو بناتے ہو یہ تو تمام نہیں ہوگا اور بظاہر یہ ان کی بات خلاف عقل تھی کیونکہ کنواں تو بن چکا تھا کچھ تھوڑا سا باقی تھا مگر ان کا کہنا سچ ہو گیا اور اسی اثنا میں وہ کنواں نیچے بیٹھ گیا اور اس کا نشان نہ رہا۔

ایک دفعہ انہوں نے علی بخش نام ایک شخص کو بلایا کہ کوٹھہ پر سے جہاں وہ بیٹھا تھا دوسری طرف چلا آ۔ اور علی بخش اس کوٹھہ پر سے الگ ہونے سے سستی کرتا تھا آخر انہوں نے جھڑک کر اس کو کوٹھہ پر سے اٹھایا۔ پس اسی دم جو علی بخش کوٹھہ پر سے الگ ہوا کوٹھہ بیک دفعہ گر پڑا۔ ایک دفعہ مجھے پوچھنے لگے کہ کیا تیرے باپ کا ایک دانت بھی ٹوٹا ہوا تھا میں نے کہا کہ ہاں تب انہوں نے فرمایا کہ وہ بہشت میں داخل ہو گیا۔ میرا باپ مدت سے فوت ہو چکا تھا اور ان کو اس کے دانت کی کچھ بھی خبر نہیں تھی کیونکہ وہ اس زمانہ کے بعد ہمارے گاؤں میں آئے تھے سو دانت ٹوٹنے کی خبر انہوں نے الہام کے رُو سے دی اور عالم کشف سے اس کے بہشتی ہونے کی مجھے بشارت دی۔ یہ بھی بیان کے لائق ہے کہ گلاب شاہ ایک مرد باخدا پاک مذہب موحد تھا اور مجذوب ہونے کی حالت میں توحید کا چشمہ ان کی زبان پر جاری تھا میں نے دین اسلام کی راہ اور توحید کا طریقہ انہیں سے سیکھا اور انہیں کی تعلیم کے موافق ذکر الٰہی کرتا رہا یہاں تک کہ تھوڑے دنوں میں میرا قلب جاری ہو گیا اور عبادت کی لذت آنے لگی اور ایسا ہو گیا کہ جیسا ایک مرا ہوا زندہ ہو جاتا ہے اور سچی خوابیں آنے لگیں جو خواب دیکھتا وہ پوری ہو جاتی اور الہامات صحیحہ مجھ کو ہونے لگے۔ یہ سب کچھ ان کی توجہ کی برکت تھی وہ بارہا فرمایا کرتے تھے کہ ہر ایک برکت اللہ اور رسول کی پیروی میں ہے اور چار مذہب اور چار سلسلے جو لوگوں نے مقرر کر رکھے ہیں ان کو دراصل کچھ چیز نہیں سمجھنا چاہئے اور ہمیشہ اور ہر حال میں اپنا مدعا یہ رکھنا چاہئے کہ واقعی طور پر اللہ اور رسول کی پیروی ہو جائے۔ جو بات اللہ اور رسول سے ثابت نہ ہو وہ صحیح نہیں ہے گو اس کا کوئی قائل ہو اور فرمایا کرتے تھے کہ جیسے ایک شاگرد کہے کہ میں اپنے ہی استاد کا کہا مانوں گا نہ کسی اور کا۔ یہی چار مذہب کے ان مقلدوں کی مثال ہے جو اتباع نبوی سے اپنے ائمہ کی متابعت مقدم سمجھتے ہیں۔ حق خالص پر وہ لوگ ہیں جو قرآن اور حدیث پر غور کرتے ہیں اور کلام اللہ سے سچائی کو ڈھونڈتے ہیں اور پھر اس پر عمل کرتے ہیں چار مذہب کا خواہ نخواہ فرمودہ خدا کا مخالف بن کر بھی پیرو بن جانا یا چار سلسلوں میں ہی

﴿۲۴﴾

خدائے تعالیٰ کے فیض کو محدود سمجھنا دین داروں کا کام نہیں یہ دین نہیں ہے بلکہ نفسانی باتیں ہیں۔ دین وہی ہے جو قرآن لایا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھلایا۔ میں نے ایک دفعہ کہا کہ آپ کا مرید بننا چاہتا ہوں اجازت دیں تا مٹھائی لاؤں فرمایا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ سے مٹھائی منگوایا کرتے تھے ہر ایک نعمت محبت سے حاصل ہوتی ہے۔ بارہا مجذوبانہ حالت میں کہتے کہ معین الدین چشتی اور قطب الدین بختیار کاکی درویش تھے اور میں بادشاہ ہوں اور امراء سے سخت نفرت رکھتے اور غریبوں سے محبت اور پیار سے پیش آتے اور بسنے کیلئے کوئی مکان نہیں بنایا تھا آزاد طبیعت تھے جہاں چاہتے رہتے اور بیماروں کا علاج کرتے اور کسی سے ہرگز سوال نہ کرتے اور محبت الٰہی سے بھرے ہوئے تھے۔ ﴿۲۵﴾

ان کی تاثیر صحبت سے جو مجھ کو نعمتیں ملیں ان میں سے ایک بڑی نعمت میں یہ سمجھتا ہوں کہ اس وقت میں جو بڑے بڑے علماء ٹھوکر کھا کر مُنہ کے بل گر پڑے۔ مجھ کو خدائے تعالیٰ نے مرزا صاحب کی نسبت ٹھوکر کھانے سے بچا لیا یہ استقامت میری قوت سے ظہور میں نہیں آئی یہ اس پیشگوئی کا اثر ہے جو ایک عمر پہلے اس زمانہ سے سن چکا ہوں انہوں نے مجھ کو فرمایا تھا کہ تو دیکھے گا کہ جب عیسیٰ آئے گا اس وقت مولویوں کا کیا حال ہوگا۔ اس کلمہ میں انہوں نے میری طول عمر کی طرف بھی اشارہ کیا تھا جس سے یہ مطلب تھا کہ تیس برس تک تیری زندگی وفا کرے گی میں اس وقت تک زندہ نہیں رہوں گا مگر تو رہے گا اور ان کی فیض صحبت سے جس قدر مجھ کو رؤیا صالحہ آئیں ان کو اس جگہ میں مفصل لکھ نہیں سکتا۔ میں اکثر مولویوں سے تعلقات محبت واخلاص رکھتا اور ان کی ہمدردی کرتا۔ ایک دفعہ فرمانے لگے کہ ان مولویوں کا حال بھی دیکھا کچھ عرصہ کے بعد خواب میں مجھ کو بعض مولوی نظر آئے جن کے کپڑے نہایت چرکیں اور بدن نہایت دبلے تھے اور حالت ذلیل اور خوار تھی اور وہ اسی شہر لدھیانہ کے تھے جن کو میں جانتا ہوں جو اب تک زندہ ہیں اور جن علماء کی صحبت سے وہ مجھ کو منع نہیں کرتے تھے بلکہ کہتے تھے کہ ان کی صحبت میں رہو ان کے اچھے حالات مجھ پر خواب میں کھلتے تھے۔ چنانچہ مولوی محمد شاہ صاحب والد بزرگوار

مولوی محمد حسن صاحب رئیس اعظم لودیانہ کی خدمت میں میرا آنا جانا بہت تھا وہ ایک دفعہ مجھ کو خواب میں نظر آئے۔ کیا دیکھتا ہوں کہ وہ ایک جماعت میں بیٹھے ہیں اور لباس ان کا نہایت سفید ہے اور بہت عمدہ اور خوبصورت ہے اور جس قدر ان کی محفل ہے تمام محفل کے لوگ سفید پوش ہیں اس وقت میرے دل میں یہ ڈالا گیا کہ مولوی محمد شاہ صاحب دین اور شریعت پر استقامت رکھتے ہیں اس لئے یہ لباس نظر آتا ہے۔ ایک دفعہ مجھ کو یہ خواب آیا کہ کوئی شخص مجھ کو کہتا ہے کہ تجھے سترؔ ایمان بخشے گئے ہیں۔ یہ خواب میں نے مولوی محمد شاہ صاحب موصوف کے پاس بیان کیا تو آپ نے فرمایا کہ ایمان تو ایک ہی ہوتا ہے مگر یہ کمال ایمان کی طرف اشارہ ہے اور سترؔ کے عدد سے قوت ایمان اور خاتمہ بالخیر کا ظاہر کرنا مقصود ہے۔ سوالحمدللہ کہ اس طوفان کے وقت میں میں نے حق کو پہچان لیا اور خدائے تعالیٰ نے بچالیا۔ ﴿۲۶﴾

میں خوب جانتا ہوں کہ یہ تمام برکات گلاب شاہ صاحب کی صحبت کی ہیں وہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر میری صحبت میں رہنے سے کسی کو کچھ بھی فائدہ نہ ہو تو یہ فائدہ تو ضرور ہوگا کہ اس کی عبادت میں حلاوت وقبولیت پیدا ہوگی یعنی خطرہ سلب ایمان سے بچ جائے گا۔ سو خدا تعالیٰ نے اس فتنہ کے زمانہ میں مجھے ٹھوکر سے محفوظ رکھا اور مرزا صاحب کی سچائی پر میرے دل کو قائم کر دیا۔

بالآخر یہ بھی واضح رہے کہ اگرچہ میں نے اللہ جلّ شانہٗ کی قسم کھا کر یہ اشتہار شائع کیا ہے لیکن جیسا کہ میں ازالہ اوہام میں لکھوا چکا ہوں میرے چال چلن کے واقف اس نواح میں بہت لوگ ہیں وہ خوب جانتے ہیں کہ میری زندگی کیسی صلاح اور تقویٰ سے گذری ہے اور ہمیشہ خدائے تعالیٰ نے مجھ کو ناپاک طریقوں جھوٹ اور افترا سے محفوظ رکھا ہے اور شہر لودیانہ کے سرگروہ موحدین حضرت مولوی محمد حسن صاحب جن کے دادا صاحب کے وقت سے میں اس خاندان کے ساتھ تعلق محبت و ارادت رکھتا ہوں اور ہم قومی کا شرف بھی مجھ کو حاصل ہے وہ میرے حال سے خوب واقف ہیں۔ وہ باوجود اختلاف رائے کے پھر بھی میرے لئے قرآن شریف اٹھا کر قسم کھا سکتے ہیں کہ کریم بخش

یعنی یہ عاجز ہمیشہ نیک نامی اور دینداری کے ساتھ عمر بسر کرتا رہا ہے اور دروغ وافتراء جو بدمعاشوں اور اوباشوں کا کام ہے کبھی اس سے ظہور میں نہیں آیا۔ اور اگر میرے مخدوم مولوی محمد شاہ صاحب آج زندہ ہوتے تو وہ بھی میرے صلاح وتقویٰ کی گواہی دیتے علاوہ اس کے ایک دانا سوچ سکتا ہے کہ مجھے مرزا صاحب کے معاملہ میں ناحق کا جھوٹ بولنے اور افترا کرنے سے بجز لعنت خلق وخالق اور کیا حاصل تھا۔ ایک عظیم الشان خاندان اسلام سے میرا قدیمی تعلق دوستی وبرادری ہے یعنی خاندان مولوی محمد حسن صاحب رئیس لودیانہ پس جس حالت میں مولوی صاحب مرزا صاحب سے کنارہ کر گئے اور ایک جہان ان کو کافر کافر کہنے لگا تو مجھے کیا حاصل تھا کہ میں مرزا صاحب کی طرف رجوع کر کے اپنا دین بھی برباد کرتا اور اپنی دنیا بھی اور اپنے معزز بھائیوں کو چھوڑتا اور اپنی قوم سے بھی علیحدہ ہوتا سو جس چیز نے مجھے مرزا صاحب کی طرف رجوع کیا اور خلقت کے لعن وطعن کو میں نے اپنے پر گوارا کر لیا اور اپنے قدیم مخدوم کو ناراض کیا وہ مرزا صاحب کی سچائی ہے جو گلاب شاہ کی پیشگوئی سے مجھ پر کھل گئی اور پھر میں کہتا ہوں کہ میرے چال چلن کی حضرت مولوی محمد حسن صاحب سے قسم دے کر تفتیش کرنی چاہئے میرے خیال میں وہ متقیوں کی اولاد اور نجیب وشریف اور اہل علم اور باکمال مردوں کی ذرّیت ہیں وہ میرے حال سے واقف اور میں ان کی خاندانی شرافت اور نجابت سے واقف ہوں اور ان کے والد بزرگوار کے وقت سے میری ان سے ملاقات ہے یہ سب میں نے محض للہ لکھا ہے کیونکہ گمراہی کی ایک آگ بھڑک رہی ہے۔ اگر ایک شخص بھی میری اس گواہی سے راہِ راست پر آجاوے تو انشاء اللہ مجھے اس کا اجر ملے گا۔ میں بڈھا ہو گیا اور اب موت کے دن بہت قریب ہیں کیا تعجب کہ رب کریم نکتہ نواز اس نیک مرد کی طرح جس کا اس نے ذکر خیر اپنے پاک کلام میں لکھا ہے۔ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ بَنِيٓ اِسْرَآءِيْلَ[1] میرے پر صرف اس قدر عمل صالح سے فضل کر دیوے اور وہ غفور ورحیم ہے۔ اب میں نے جو کہنا تھا کہہ چکا اور اس اشتہار کو ختم کرتا ہوں۔

گر نیائد بگوش رغبت کس — بر رسولاں بلاغ باشد و بس

﴿۲۷﴾

[1] الاحقاف : ۱۱

بٹالوی صاحب کا ہمارے رسالہ آسمانی فیصلہ پر جرح اور اس کا جواب اور نیز آسمانی نشانوں کے پیش کرنے سے اتمام حُجت

شیخ بٹالوی نے جو رسالہ جواب فیصلہ آسمانی میں لکھا ہے اس کے صفحہ ۲۷و ۵۰ و ۵۱ و ۵۲ وغیرہ میں بہت کچھ ہاتھ پیر مارے ہیں تا کسی طرح لوگوں کی نظر میں ہماری اس درخواست مقابلہ کو جو حقیقی ایمان کی آزمائش کیلئے میاں نذیر حسین دہلوی اور ان کے ہم خیال لوگوں کی خدمت میں پیش کی گئی تھی خلاف انصاف ثابت کر کے دکھلاویں مگر ہر ایک باخبر اور منصف مزاج سمجھ سکتا ہے کہ انہوں نے بجائے اس بات کے کہ ہماری حجت کو اپنے اور اپنے شیخ دہلوی کے سر پر سے دور کر سکتے اور بھی زیادہ اپنی تحریر سے اس بات کو ثابت کر دیا ﴿۲۸﴾ کہ ان کو سچائی کی طرف قدم مارنا اور اپنے شیطانی اوہام سے نجات پا جانا کسی طرح منظور ہی نہیں۔ تمام لوگ جانتے ہیں اور شیخ جی کے کفرنامہ کو پڑھ کر ہر یک شخص معلوم کر سکتا ہے کہ ان حضرت اور نذیر حسین نے بڑے اصرار اور قطع اور یقین سے اس عاجز کی نسبت کفر اور بے ایمانی کا فتویٰ لکھا ہے اور دجال اور ضال اور کافر نام رکھا ہے۔ ان الزامات کی نسبت اگرچہ میں نے بار بار بیان کیا اور اپنی کتابوں کا مطلب سنایا کہ کوئی کلمہ کفر اِن میں نہیں ہے نہ مجھے دعویٰ نبوت وخروج از امت اور نہ میں منکر معجزات اور ملائک اور نہ لیلۃ القدر سے انکاری ہوں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیّین ہونے کا قائل اور یقین کامل سے جانتا ہوں اور اس بات پر محکم ایمان رکھتا ہوں کہ ہمارے نبی صلعم خاتم الانبیاء ہیں اور آنجناب کے بعد اس امت کیلئے کوئی نبی نہیں آئے گا نیا ہو یا پرانا ہو اور قرآن کریم کا ایک شعشہ یا نقطہ منسوخ نہیں ہوگا۔ ہاں محدّث آئیں گے جو

اللہ جلّ شانہٗ سے ہم کلام ہوتے ہیں اور نبوت تامہ کی بعض صفات ظلّی طور پر اپنے اندر رکھتے ہیں اور بلحاظ بعض وجوہ شان نبوت کے رنگ سے رنگین کئے جاتے ہیں اور ان میں سے میں ایک ہوں۔ لیکن ان بزرگوں نے میرے ان بیانات کو نہ سمجھا خاص کر نذیر حسین پر بہت افسوس ہے جس نے پیرانہ سالی میں اپنی تمام معلومات کو خاک میں ملا دیا۔ غرض میں نے جب دیکھا کہ یہ لوگ قرآن اور حدیث کو چھوڑتے ہیں اور کلام الٰہی کے الٹے معنے کرتے ہیں تب میں نے ان سے بکلّی نومید ہو کر خدائے تعالیٰ سے آسمانی فیصلہ کی درخواست کی اور جیسا کہ خدائے تعالیٰ نے میرے دل پر القا کیا وہ صورت فیصلہ کیلئے میں نے پیش کر دی۔ اگر ان لوگوں کے دل میں انصاف اور حق طلبی ہوتی تو اس کے قبول کرنے میں توقف نہ کرتے یہ درخواست کس قدر فضول ہے کہ ایک سال کے عرصہ کو جو ایک الہامی امر ہے خود بخود بدلا دیا جائے اور ایک یا دو ہفتے بجائے اس کے مقرر کئے جائیں یہ لوگ نہیں جانتے کہ یہ میعاد منجانب اللہ ہے اور انسان تو اپنے اختیار سے کبھی جرأت ہی نہیں کر سکتا کہ خوارق کے دکھلانے کیلئے کوئی میعاد مقرر کر سکے انبیاء نے بھی ایسا نہیں کیا اور اگر کوئی میعاد اپنی طرف سے مقرر کی تو عتاب ہوا تو پھر کیونکر ایک سال ایک ہفتہ سے بدل سکتا ہے میں سوچ میں ہوں کہ ان لوگوں کے دعاوی علم اور معرفت کہاں گئے۔ کیا یہ نہیں جانتے کہ میعادوں کا مقرر کرنا انسان کا کام نہیں اگر ان میں سے کسی ملہم کو دو ہفتہ میں کرامت دکھلانے کا الہام ہو گیا ہے تو بہت اچھا وہی اپنی کرامت ظاہر کرے میں اس کو قبول کروں گا۔ اور اگر میں اس کے مقابلہ سے عاجز رہا تو وہ سچے ٹھہریں گے۔ لیکن یاد رہے کہ یہ تمام دروغ گوئی اور فضول گوئی ہے اصل بات یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ نے ان کے دلوں کو سخت کر دیا اور ان کی آنکھوں پر پردے ڈال دیئے ہیں اس لئے وہ نہ دیکھ سکتے ہیں اور نہ سمجھ سکتے ہیں۔ منصفو! سوچو کہ جو شخص ملہم ہوتا ہے کیا وہ اپنی طرف سے کچھ کہہ سکتا ہے پھر کیونکر میں اس میعاد کو بدل سکتا ہوں جس پر خدائے تعالیٰ نے مجھ کو ان کے مقابل پر اطلاع دی ہاں اگر وہ خود بدل دے تو اس کا اختیار ہے انسان کا

﴿۲۹﴾

اختیار نہیں اور نہ اس پر کسی کا حکم ہے **طلب گار باید صبور وحمول**۔ اگر ان میں سچی طلب ہے اور جہنم کا خوف ہے تو ایک سال کیا دور ہے اور نیز اس جگہ ایک سال سے مراد یہ نہیں کہ سال کے تمام دن پورے ہو جائیں بلکہ خدائے تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اس میعاد کے اندر ہی فیصلہ کر دے گا۔ اور قادر ہے کہ ابھی دو ہفتہ بھی نہ گذریں اور نشان ظاہر ہو۔ میں نے مقابلہ کیلئے اس لئے لکھا تھا کہ یہ لوگ نذیر حسین اور بٹالوی وغیرہ اس عاجز کو کھلے کھلے طور پر کافر اور مردود اور ملعون اور دجال اور ضال لکھتے ہیں۔ یہاں تک کہ ان کے نزدیک میرے پر اعتقاد رکھنے والا بھی کافر ہو جاتا ہے تو پھر اس صورت میں ضرور تھا کہ ایمانی نشانوں کی آزمائش ہو۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ مومنوں کو خدائے تعالیٰ خاص نشانوں سے ممتاز کر دیتا ہے چنانچہ وہ ان آسمانی نشانوں کی رو سے اپنے غیر سے خواہ وہ کافر ہو یا منافق یا فاسق امتیاز کلی پیدا کر لیتے ہیں۔ سو اسی کی طرف ان لوگوں کو بلایا گیا تھا تا معلوم ہو جاوے کہ عنداللہ کون مومن اور کون مورد سخط وغضب الٰہی ہے اگر ان حضرات کو اپنے ایمان پر کچھ بھروسا ہوتا تو مقابلہ سے فرار نہ کرتے لیکن آج تک کسی نے میدان میں آکر مقابل کا نام بھی نہیں لیا اور اخیر عذر یہ پیش کیا کہ آپ دکھلا دیں ہم قبول کریں گے اور اس کے ساتھ بھی یہ شرطیں لگا دیں کہ تب قبول کریں گے کہ جب آسمان سے من وسلویٰ نازل ہو یا کوئی مجذوم اچھا ہو جائے یا ایک کانے کو دوسری آنکھ مل جائے یا لکڑی کا سانپ بن جائے یا جلتی آگ میں کود پڑیں اور بچ جائیں دیکھو صفحہ ۵۰ جواب فیصلہ آسمانی۔ ﴿۳۰﴾

ان تمام واہیات باتوں کا جواب یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ ان سب باتوں پر قادر ہے اور اس کے علاوہ بے شمار اور نشانوں پر بھی قادر ہے مگر اپنی مصلحت اور مرضی کے موافق کام کرتا ہے پہلے کفار نے یہی سوال کیا تھا۔ فَلْيَأْتِنَا بِآيَةٍ كَمَا أُرْسِلَ الْأَوَّلُونَ[1] یعنی اگر یہ نبی سچا ہے تو موسیٰ وغیرہ انبیاء بنی اسرائیل کے نشانوں کی مانند نشان دکھاوے

[1] الانبیاء : ٦

اور مشرکین نے یہ بھی کہا کہ ہمارے مُردے ہمارے لئے زندہ کر دیوے یا آسمان پر ہمارے روبرو چڑھ جاوے اور کتاب لاوے جس کو ہم ہاتھ میں لے کر دیکھ لیں وغیرہ وغیرہ مگر خدائے تعالیٰ نے محکوموں کی طرح ان کی پیروی نہیں کی اور وہی نشان دکھلائے جو اس کی مرضی تھی یہاں تک کہ بعض دفعہ نشان طلب کرنے والوں کو یہ بھی کہا گیا کہ کیا تمہارے لئے قرآن کا نشان کافی نہیں۔ اور یہ جواب نہایت پُرحکمت تھا کیونکہ ہر ایک عقل مند سمجھتا ہے کہ نشان دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک وہ کہ ان میں اور سحر و مکر و دست بازی وغیرہ میں تفرقہ و تمیز کرنا نہایت مشکل بلکہ محال ہوتا ہے اور دوسرے وہ نشان ہیں جو اِن مغشوش کاموں سے بکلّی تمیز رکھتے ہیں اور کوئی شائبہ یا شبہ سحر یا مکر یا دست بازی اور حیلہ گری کا ان میں نہیں پایا جاتا۔ سو اسی دوسری قسم میں سے قرآن کریم کا معجزہ ہے جو بکلّی روشن اور ہر یک پہلو اور ہر ایک طور سے لعل تاباں کی طرح چمک رہا ہے۔ لکڑی کا سانپ بنانا کوئی ممیّز نشان نہیں ہے۔ حضرت موسیٰ نے بھی سانپ بنایا اور ساحروں نے بھی اور اب بھی بنائے جاتے ہیں مگر اب تک معلوم نہیں ہوا کہ سحر کے سانپ اور معجزہ کے سانپ میں ما بہ الامتیاز کیا ہے۔ اسی طرح سلب امراض میں عمل الترب میں مشق کرنے والے خواہ وہ عیسائی ہیں یا ہندو یا یہودی یا مسلمان یا دہریہ اکثر کمال رکھتے ہیں اور البتہ بعض اوقات جذام وغیرہ امراض مزمنہ کو بمشیت الٰہی اسی عمل کی تاثیر سے دور کر دیتے ہیں سو صرف شفاء امراض پر حصر رکھنا ایک دھوکہ ہے جب تک اس کے ساتھ پیشگوئی شامل نہ ہو اسی طرح آج کل بعض تماشا کرنے والے آگ میں بھی کودتے ہیں اور اس کے اثر سے بچ جاتے ہیں سو کیا اس قسم کے تماشوں سے کوئی حقیقت ثابت ہو سکتی ہے۔ من سلویٰ کا تماشا شاید آپ نے کبھی دیکھا نہیں ایک ایک پیسہ لے کر کشمش وغیرہ برسا دیتے ہیں اگر آپ آج کل کے یورپ کے تماشائیوں کو دیکھیں جو ایک مخفی فریب کی راہ سے سر کاٹ کر بھی پیوند کر دیتے ہیں تو شاید آپ ان کے دست بیع ہو جائیں۔ مجھے یاد ہے کہ جالندھر کے مقام میں ایک شعبدہ باز تھا مہتاب علی نام نے جو آخر توبہ کر کے

﴿۳۱﴾

اس عاجز کے سلسلہ بیعت میں داخل ہوگیا میرے مکان پر ایک مجلس میں شعبدہ دکھلایا تب آپ جیسے ایک بزرگ بول اٹھے کہ یہ تو صریح کرامت ہے۔ حضرت ایسے کاموں سے ہرگز حقیقت نہیں کھلتی بلکہ اس زمانہ میں تو اور بھی شک پڑتا ہے۔ بہتیرے ایسے تماشا کرنے والے اور طلسم دکھلانے والے پھرتے ہیں کہ اگر آپ ان کو دیکھیں تو کراماتی نام رکھیں لیکن کوئی عقل مند جس کی آج کل کے شعبدوں پر نظر محیط ہو۔ ایسے کاموں کا نام نشان بیّن نہیں رکھ سکتا۔ مثلاً اگر کوئی شخص ایک کاغذ کے پرچہ کو اپنی بغل میں پوشیدہ کر کے پھر بجائے کاغذ کے اس میں سے کبوتر نکال کر دکھلا دے تو پھر آپ جیسا کوئی آدمی اگر اس کو صاحب کرامات کہے تو کہے مگر ایک عقل مند جو ایسے لوگوں کے فریبوں سے بخوبی واقف ہے ہرگز اس کا نام کرامت نہیں رکھے گا بلکہ اس کو فریب اور دست بازی قرار دے گا اسی وجہ سے قرآن کریم اور توریت میں سچے نبی کی شناخت کیلئے یہ علامتیں قرار نہیں دیں کہ وہ آگ سے بازی کرے یا لکڑی کے سانپ بناوے یا اسی قسم کے اور کرتب دکھلاوے بلکہ یہ علامت قرار دی کہ اس کی پیشگوئیاں وقوع میں آجائیں یا اس کی تصدیق کیلئے پیشگوئی ہو۔ کیونکہ استجابت دعا کے ساتھ اگر حسب مراد کوئی امر غیب خدا تعالیٰ کسی پر ظاہر کرے اور وہ پورا ہو جائے تو بلاشبہ اس کی قبولیت پر ایک دلیل ہوگی اور یہ کہنا کہ نجومی یا رمّال اس میں شریک ہیں یہ سراسر خیانت اور مخالف تعلیم قرآن ہے کیونکہ اللہ جلّ شانہٗ فرماتا ہے۔ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ[1] ☆ پس جب کہ خدا تعالیٰ نے امور غیبیہ کو اپنے مرسلین کی ایک علامت خاصہ قرار دی ہے۔ چنانچہ دوسری جگہ بھی فرمایا ہے۔ وَاِنْ يَّكُ صَادِقًا يُّصِبْكُمْ بَعْضُ الَّذِيْ يَعِدُكُمْ[2] ☆☆

☆نوٹ : خدائے تعالیٰ بجز ان لوگوں کے جن کو وہ ہدایت خلق کیلئے بھیجتا ہے کسی دوسرے کو اپنے غیب پر مطلع نہیں کرتا۔

☆☆ ۔ اگر یہ رسول سچا ہے تو اس کی بعض پیشگوئیاں جو تمہارے حق میں ہیں پوری ہوں گی یعنی پیشگوئیوں کا پورا ہونا سچائی کی نشانی ہے۔

[1] الجن : ۲۷،۲۸ [2] المؤمن : ۲۹

﴿۳۲﴾ تو پھر پیشگوئی کو استخفاف کی نظر سے دیکھنا اور لکڑی کا سانپ بنانے کیلئے درخواست کرنا انہیں مولویوں کا کام ہے جنہوں نے قرآن کریم میں خوض کرنا چھوڑ دیا اور نیز زمانہ کی ہوا سے بے خبر ہیں۔

بہر حال چونکہ میری طرف سے آسمانی فیصلہ میں ایمانی مقابلہ کیلئے درخواست ہے تو پھر مقابلہ سے دستکش ہو کر خاص مجھ سے نشانوں کیلئے استدعا کرنا اس صورت میں میاں نذیر حسین اور بٹالوی صاحب کا حق پہنچتا ہے کہ جب حسب تحریر میری اول اس بات کا اقرار شائع کریں کہ ہم لوگ صرف نام کے مسلمان ہیں اور دراصل ایمانی انوار وعلامات ہم میں موجود نہیں کیونکہ یک طرفہ نشانوں کے دکھلانے کیلئے بغرض کبرشکنی ان کی کے میں نے یہی شرط آسمانی فیصلہ میں قرار دی ہے اور نیز ظاہر بھی ہے کہ ان لوگوں کو بجائے خود مومن کامل اور شیخ الکل اور ملہم ہونے کا دعویٰ ہے اور مجھ کو ایمان سے خالی اور بے نصیب سمجھتے ہیں تو پھر بجز مقابلہ کے اور کونسی صورت فیصلہ کی ہے ہاں اگر اپنے ایمانی کمالات کے دعویٰ سے دست بردار ہو جائیں تو پھر یک طرفہ ثبوت ہمارے ذمہ ہے۔ اس بات کا جواب میاں نذیر حسین اور بٹالوی صاحب کے ذمہ ہے کہ وہ باوجود دعویٰ مومن کامل بلکہ شیخ الکل ہونے کے کیوں ایسے شخص کے مقابلہ سے بھاگتے ہیں جو ان کی نظر میں کافر بلکہ سب کافروں سے بدتر ہے اور کس بنا پر یک طرفہ نشان مانگتے ہیں۔ اگر فیصلہ آسمانی کے جواب میں یہ درخواست ہے تو حسب منشاء اس رسالہ کے درخواست ہونی چاہئے یعنی اگر اپنی ایمانداری کا کچھ دعویٰ ہے تو مقابلہ کرنا چاہئے جیسا کہ آسمانی فیصلہ میں بھی شرط درج ہے ورنہ صاف اس بات کا اقرار کر کے کہ ہم حقیقی ایمان سے خالی ہیں یک طرفہ نشان کی درخواست کریں۔

بالآخر ہم یہ بھی ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ یہ دونوں پیشگوئیاں میاں گلاب شاہ اور نعمت اللہ ولی کی اس عاجز کے حق میں حسب منشا قرآن کریم کے نشان صریح ہیں

جس میں کسی دست بازی اور مکر اور فریب کی گنجائش نہیں۔ اب اگر کوئی صوفی پردہ نشین جو پردہ سے نکلنا نہیں چاہتا بقول بٹالوی صاحب اور میر عباس علی صاحب لدھیانوی کے بالمقابل نشان دکھلانے کو طیار ہے تو وہ بھی ایسی ہی دو پیشگوئیاں ان ہی ثبوتوں کے ساتھ اپنے حق میں کسی گذشتہ ولی کی طرف سے پیش کرے۔ ہم خدائے تعالیٰ کی قسم یاد کر کے وعدہ کرتے ہیں کہ اگر یہ ثابت ہو جائے گا کہ وہ بھی ایسے ہی نشان اور اسی درجہ ثبوت پر اور ایسی عظمت کے ساتھ باعتبار اپنے بعد زمانہ کے پائے گئے ہیں تو ہم سزائے موت اٹھانے کیلئے بھی طیّار ہیں۔ اور اس عاجز کی اپنی گذشتہ پیشگوئیاں **تین ہزار** کے قریب ہیں جو اکثر استجابت دعا کے بعد ظہور میں آئی ہیں۔ ان میں سے **دلیپ سنگھ** کے روکے جانے کی پیشگوئی ہے یعنی یہ کہ وہ اپنے قصد ارادہ پنجاب سے ناکام رہے گا۔ یہ پیشگوئی اجمالی طور پر اشتہار میں چھپ چکی ہے اور صدہا آدمیوں کو زبانی سنائی گئی۔ اسی طرح **پنڈت دیانند** کے فوت ہونے کی نسبت پیشگوئی اور **شیخ مہر علی** صاحب رئیس کے ابتلا اور پھر رہائی کی نسبت پیشگوئی ☆۔ **بٹالوی** صاحب کے مخالف ہو جانے کی نسبت پیشگوئی وغیرہ پیشگوئیاں جن کا مفصل ذکر موجب طول ہے۔ اگر فریق مخالف کے مولویوں میں کچھ ایمان ہے تو ان پیشگوئیوں کے بارے میں بھی ایک جلسہ مقرر کر کے اول ہم سے ثبوت لیں اور پھر اس کے موافق اپنی طرف سے پیشگوئیوں کا ثبوت دیں اور اگر بباعث اپنی تہی دستی کے ان دونوں طوروں مقابلہ سے عاجز آ جائیں تو یہ بھی اختیار ہے کہ ایک سال کی مہلت پر آئندہ کیلئے آزمائش کر لیں کسی بڑے جھگڑے کی ضرورت نہیں ہر یک پیشگوئی جو کسی دعا کی قبولیت سے ظاہر ہو کسی اخبار میں بقید اس کے وقت ظہور کے چھپوا دیں اور اس طرف سے بھی یہی کارروائی ہو سال گذرنے کے بعد خود معلوم ہو جائے گا کہ کون مؤید من اللہ اور کون مخذول اور مردود ہے۔ اگر یہ بھی نہ کریں تو سب لوگ یاد رکھیں کہ ان ملاؤں کا ارادہ صرف حق پوشی اور بخل اور

﴿۳۳﴾

☆نوٹ: شیخ مہر علی صاحب کے ہاتھ میں قرآن شریف دے کر اس پیشگوئی کی نسبت ان کو قسم دینی چاہئے کیونکہ اگر کوئی زمانہ سازی یا مولویوں کے خوف سے انکار کرے تو قسم کے بعد تو ہرگز نہیں کر سکتا۔ اگر کرے تو حلف دروغی کے وبال سے جلد رسوا ہو جاتا ہے۞۔

۞ یہ حاشیہ ایڈیشن ۱۸۹۲ء کے صفحہ ۳۶ پر ہے۔ (ناشر)

تعصب ہے۔ حق جوئی سے کچھ غرض نہیں اگر ان کو سمجھ ہو تو ایک بڑا نشان یہ بھی ہے کہ یہ لوگ دن رات اس نور الٰہی کے بجھانے کیلئے کوشش کر رہے ہیں اور ہر قسم کے مکر عمل میں لا رہے ہیں اور لوگوں کو بہکا رہے ہیں اور ناخنوں تک حق کے مٹانے کے لئے زور لگا رہے ہیں کفر کے فتوے لکھ رہے ہیں اور آزار دہی کے تمام منصوبے گھڑ رہے ہیں یہاں تک کہ بٹالوی صاحب نے لوگوں کو برانگیختہ کیا ہے کہ گورنمنٹ کے سامنے جا کر سیاپا کریں غرض کوئی دقیقہ مکر اور فریب اور سعی اور کوشش کا اٹھا نہیں رکھا اور ایک جہان اپنے ساتھ کر لیا ہے اور جیسا کہ میں نے بٹالوی صاحب کو ان تمام واقعات سے پہلے اس الہام کی خبر دی تھی کہ میں اکیلا ہوں اور خدا میرے ساتھ ہے۔ اب وہی صورت پیدا ہو رہی ہے لوگوں نے یہاں تک دشمنی کی ہے کہ رشتہ ناطہ کو چھوڑ دیا ہے۔ باوجود ان تمام کارسازیوں کے جو کمال کو پہنچ گئی ہیں بالآخر ہم **فتح پا جائیں** تو اس سے بڑھ کر اور کیا **نشان ہوگا**۔ ﴿۳۴﴾

اور اگر کسی کی آنکھیں ہوں تو اس عاجز پر جو کچھ عنایات **اللہ جلّ شانہٗ** کی وارد ہو رہی ہیں وہ سب نشان ہی ہیں۔ دیکھو خدائے تعالیٰ قرآن کریم میں صاف فرماتا ہے کہ جو میرے پر افترا کرے اس سے بڑھ کر کوئی ظالم نہیں اور میں جلد مفتری کو پکڑتا ہوں اور اس کو مہلت نہیں دیتا۔ لیکن اس عاجز کے دعویٰ **مجدد** اور **مثیل مسیح** ہونے اور دعویٰ ہم کلام الٰہی ہونے پر اب بفضلہٖ تعالیٰ گیارھواں برس جاتا ہے کیا یہ نشان نہیں ہے اگر خدائے تعالیٰ کی طرف سے یہ کاروبار نہ ہوتا تو کیونکر عشرہ کاملہ تک جو ایک حصہ عمر کا ہے ٹھہر سکتا تھا۔ پھر مَیں کہتا ہوں کہ کیا یہ نشان نہیں ہے کہ الہامی پیشگوئیوں کے بالمقابل آزمائش کیلئے کوئی اس عاجز کے سامنے نہیں آسکتا اور اگر آوے تو خدائے تعالیٰ اس کو سخت ذلیل کرے ایسا ہی صدہا تائیدات الٰہیہ شامل حال ہو رہی ہیں۔ میں حضرت قدس کا باغ ہوں جو مجھے کاٹنے کا ارادہ کرے گا وہ خود کاٹا جائے گا مخالف روسیاہ ہوگا اور منکر شرمسار یہ سب نشان ہیں

مگران کے لئے جو دیکھ سکتے ہیں۔

اے سخت اسیر بدگمانی وے بستہ کمر بہ بدزبانی
سوزم کہ چسان شوی مسلمان و این طرفہ کہ کافرم بخوانی

تبلیغ روحانی

لَھُمُ الْبُشْرٰی فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا

اگرخود آدمی کاہل نباشد در تلاشِ حق خدا خود راہ بنماید طلب گارِ حقیقت را

یہ بات قرآن کریم اور حدیث نبوی سے ثابت ہے کہ مومن رؤیا صالحہ مبشرہ دیکھتا ہے اوراس کے لئے دکھائی بھی جاتی ہیں۔ بالخصوص جب کہ مومن لوگوں کی نظر میں مطرود اور مخذول اور ملعون اور مردود اور کافر اور دجال بلکہ اکفر اور شرّ البریّہ ہو۔ اس کوفت اور شکست خاطر کے وقت مَیں جو کچھ مکالمات پُراز لطف واحسان خدا تعالیٰ کی طرف سے مومن کے ساتھ واقعہ ہوتے ہیں اس کو کون جانتا ہے۔ ﴿۳۵﴾

رحمتِ خالق کہ حِرزِ اولیاست ہست پنہان زیر لعنت ہائے خلق

یہ عاجز خدائے تعالیٰ کے احسانات کا شکر ادا نہیں کرسکتا کہ اس تکفیر کے وقت میں کہ ہر ایک طرف سے اس زمانہ کے علماء کی آوازیں آرہی ہیں کہ **لست مومنا** اللہ جلّ شانہٗ کی طرف سے یہ ندا ہے کہ **قل انّی اُمِرتُ وَانا اوّل المؤمنین** ایک طرف حضرات مولوی صاحبان کہہ رہے ہیں کہ کسی طرح اس شخص کی بیخ کنی کرو اور ایک طرف الہام ہوتا ہے **یتربصون علیک الدّوائر علیھم دائرۃ السّوءِ** اور ایک طرف وہ کوشش کررہے ہیں کہ اس

شخص کو سخت ذلیل اور رسوا کریں اور ایک طرف خدا وعدہ کر رہا ہے کہ **انّی مُھِیْن من اراد اھانتک۔ اللّٰہ اجرک۔ اللّٰہ یعطیک جَلالک** اور ایک طرف مولوی لوگ فتوے پر فتوے لکھ رہے ہیں کہ اس شخص کی ہم عقیدگی اور پیروی سے انسان کافر ہو جاتا ہے اور ایک طرف خدائے تعالیٰ اپنے اس الہام پر بتواتر زور دے رہا ہے کہ **قل ان کنتم تحبّون اللّٰہ فاتبعونی یُحْبِبْکُم اللّٰہُ**. غرض یہ تمام مولوی صاحبان خدا تعالیٰ سے لڑ رہے ہیں اب دیکھئے کہ فتح کس کی ہوتی ہے۔

بالآخر واضح ہو کہ اس وقت میرا مدعا اس تحریر سے یہ ہے کہ بعض صاحبوں نے پنجاب اور ہندوستان سے اکثر خوابیں متعلق زیارت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور نیز الہامات بھی اس عاجز کے بارہ میں لکھ کر بھیجی ہیں جن کا مضمون قریباً اور اکثر یہی ہوتا ہے کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا ہے اور یا بذریعہ الہام کے خدائے تعالیٰ کی طرف سے معلوم ہوا ہے کہ یہ شخص یعنی یہ عاجز خدائے تعالیٰ کی طرف سے ہے اس کو قبول کرو چنانچہ بعض نے ایسی خوابیں بھی بیان کیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نہایت غضب کی حالت میں نظر آئے اور معلوم ہوا کہ گویا آنحضرت روضہ مقدسہ سے باہر تشریف رکھتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ تمام ایسے لوگ جو اس شخص یعنی اس عاجز کو عمداً ستا رہے ہیں قریب ہے جو اُن پر غضب الٰہی نازل ہو۔ اوّل اوّل اس عاجز نے ان خوابوں کی طرف التفات نہیں کی ﴿۳۶﴾ مگر اب میں دیکھتا ہوں کہ کثرت سے دنیا میں یہ سلسلہ شروع ہو گیا یہاں تک کہ بعض لوگ محض خوابوں کے ہی ذریعہ سے عناد اور کینہ کو ترک کر کے کامل مخلصین میں داخل ہو گئے اور اسی بنا پر اپنے مالوں سے امداد کرنے لگے سو مجھے اس وقت یاد آیا کہ براہین احمدیہ کے صفحہ ۲۴۱ میں یہ الہام درج ہے جس کو دس برس کا عرصہ گذر گیا اور وہ یہ ہے۔ **ینصرک رجال نوحی الیھم من السّماء**۔ یعنی ایسے لوگ تیری مدد کریں گے جن پر ہم آسمان سے وحی نازل کریں گے سو وہ وقت آ گیا۔ اس لئے میرے نزدیک قرین مصلحت ہے

کہ جب ایک معقول اندازہ ان خوابوں اور الہاموں کا ہو جائے تو ان کو ایک رسالہ مستقلہ کی صورت میں طبع کر کے شائع کیا جائے۔ کیونکہ یہ بھی ایک شہادت آسمانی اور نعمت الٰہی ہے اور خدائے تعالیٰ فرماتا ہے کہ وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ[1] لیکن پہلے اس سے ضروری طور پر یہ اطلاع دی جاتی ہے کہ آئندہ ہر ایک صاحب جو کوئی خواب یا الہام اس عاجز کی نسبت دیکھ کر بذریعہ خط اس سے مطلع کرنا چاہیں تو ان پر واجب ہے کہ خدائے تعالیٰ کی قسم کھا کر اپنے خط کے ذریعہ سے اس بات کو ظاہر کریں کہ ہم نے واقعی اور یقینی طور پر یہ خواب دیکھی ہے اور اگر ہم نے کچھ اس میں ملایا ہے تو ہم پر اسی دنیا اور آخرت میں لعنت اور عذاب الٰہی نازل ہو اور جو صاحب پہلے قسم کھا کر اپنی خوابیں بیان کر چکے ہیں ان کو دوبارہ لکھنے کی ضرورت نہیں مگر وہ تمام صاحب جنہوں نے خوابیں یا الہامات تو لکھ کر بھیجے تھے لیکن وہ بیانات ان کے موکد بقسم نہیں تھے ان پر واجب ہے کہ پھر دوبارہ ان خوابوں یا الہامات کو قسم کے ساتھ موکد کر کے ارسال فرماویں اور یاد رہے کہ بغیر قسم کے کوئی خواب یا الہام یا کشف کسی کا نہیں لکھا جاوے گا۔ اور قسم بھی اس طرز کی چاہئے جو ہم نے ابھی بیان کی ہے۔

اس جگہ یہ بھی بطور تبلیغ کے لکھتا ہوں کہ حق کے طالب جو **مواخذہ الٰہی** سے ڈرتے ہیں وہ بلاتحقیق اس زمانہ کے مولویوں کے پیچھے نہ چلیں اور آخری زمانہ کے مولویوں سے جیسا کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ڈرایا ہے ویسا ہی ڈرتے رہیں اور ان کے فتووں کو دیکھ کر حیران نہ ہو جاویں کیونکہ یہ فتوے کوئی نئی بات نہیں اور اگر اس عاجز پر شک ہو اور وہ دعویٰ جو اس عاجز نے کیا ہے اس کی صحت کی نسبت دل میں شبہ ہو تو میں ایک آسان صورت رفع شک کی بتلاتا ہوں جس سے ایک طالب صادق انشاء اللہ مطمئن ہو سکتا ہے اور وہ یہ ہے کہ اول تو بہ نصوح کر کے رات کے وقت دو رکعت نماز پڑھیں جس کی پہلی رکعت میں سورۃ **یٰسین** اور دوسری رکعت میں

﴿۳۷﴾

[1] الضحیٰ : ۱۲

اکیس مرتبہ سورۃ **اخلاص** ہو اور پھر بعد اس کے تین سو مرتبہ **درود شریف** اور تین سو مرتبہ **استغفار** پڑھ کر خدا تعالیٰ سے یہ دعا کریں کہ اے قادر کریم تو پوشیدہ حالات کو جانتا ہے اور ہم نہیں جانتے اور مقبول اور مردود اور مفتری اور صادق تیری نظر سے پوشیدہ نہیں رہ سکتا۔ پس ہم عاجزی سے تیری جناب میں التجا کرتے ہیں کہ اس شخص کا تیرے نزدیک کہ جو مسیح موعود اور مہدی اور مجدّد الوقت ہونے کا دعویٰ کرتا ہے کیا حال ہے۔ کیا صادق ہے یا کاذب اور مقبول ہے یا مردود۔ اپنے فضل سے یہ حال رؤیا یا کشف۔ یا الہام سے ہم پر ظاہر فرما تا اگر مردود ہے تو اس کے قبول کرنے سے ہم گمراہ نہ ہوں اور اگر **مقبول** ہے اور تیری طرف سے ہے تو اس کے انکار اور اس کی اہانت سے **ہم ہلاک نہ ہو جائیں**۔ ہمیں ہر ایک قسم کے فتنہ سے بچا کہ ہر ایک قوت **تجھ کو ہی** ہے۔ آمین۔ یہ استخارہ کم سے کم دو ہفتے کریں لیکن اپنے نفس سے خالی ہو کر۔ کیونکہ جو شخص پہلے ہی بُغض سے بھرا ہوا ہے اور بدظنی اس پر غالب آ گئی ہے اگر وہ خواب میں اس شخص کا حال دریافت کرنا چاہے جس کو وہ بہت ہی بُرا جانتا ہے تو شیطان آتا ہے اور موافق اس ظلمت کے جو اس کے دل میں ہے اور پُر ظلمت خیالات اپنی طرف سے اس کے دل میں ڈال دیتا ہے۔ پس اس کا پچھلا حال پہلے سے بھی بدتر ہوتا ہے۔ سو اگر تو خدائے تعالیٰ سے کوئی خبر دریافت کرنا چاہے تو اپنے سینہ کو بکلّی بغض اور عناد سے دھو ڈال اور اپنے تئیں بکلی خالی النفس کر کے اور دونوں پہلوؤں بُغض اور محبت سے الگ ہو کر اس سے ہدایت کی روشنی مانگ کہ وہ ضرور اپنے وعدہ کے موافق اپنی طرف سے روشنی نازل کرے گا جس پر نفسانی اوہام کا کوئی دخان نہیں ہوگا۔ سو اے حق کے طالبو۔ ان مولویوں کی باتوں سے فتنہ میں مت پڑو اٹھو اور کچھ مجاہدہ کر کے اس قوی اور قدیر اور علیم اور ہادی مطلق سے مدد چاہو اور دیکھو کہ اب میں نے یہ روحانی تبلیغ بھی کر دی ہے آئندہ تمہیں اختیار ہے۔ ﴿۳۸﴾

والسلام علٰی من اتّبع الھدٰی

المبلّغ غلام احمد عفی عنہ

شیخ بٹالوی صاحب کے فتویٰ تکفیر کی کیفیت

اس فتویٰ کو میں نے اول سے آخر تک دیکھا۔ جن الزامات کی بنا پر یہ فتویٰ لکھا ہے انشاء اللہ بہت جلد ان الزامات کے غلط اور خلاف واقعہ ہونے کے بارے میں ایک رسالہ اس عاجز کی طرف سے شائع ہونے والا ہے جس کا نام **دافع الوساوس** ہے باایں ہمہ مجھ کو ان لوگوں کے لعن وطعن پر کچھ افسوس نہیں اور نہ کچھ اندیشہ بلکہ میں خوش ہوں کہ میاں نذیر حسین اور شیخ بٹالوی اور ان کے اتباع نے مجھ کو کافر اور مردود اور ملعون اور دجّال اور ضال اور بے ایمان اور جہنمی اور اکفر کہہ کر اپنے دل کے وہ بخارات نکال لئے جو دیانت اور امانت اور تقویٰ کے التزام سے ہرگز نہیں نکل سکتے تھے اور جس قدر میری اتمام حجت اور میری سچائی کی تلخی سے ان حضرات کو زخم پر زخم پہنچا۔ اس صدمہ عظیمہ کا غم غلط کرنے کیلئے کوئی اور طریق بھی تو نہیں تھا بجز اس کے کہ لعنتوں پر آجاتے مجھے اس بات کو سوچ کر بھی خوشی ہے کہ جو کچھ یہودیوں کے فقیہوں اور مولویوں نے آخر کار حضرت مسیح علیہ السلام کو تحفہ دیا تھا وہ بھی تو یہی لعنتیں اور تکفیر تھی جیسا کہ اہل کتاب کی تاریخ اور ہر چہار انجیل سے ظاہر ہے تو پھر مجھے مثیل مسیح ہونے کی حالت میں ان لعنتوں کی آوازیں سن کر بہت ہی خوش ہونا چاہئے کیونکہ جیسا کہ خدائے تعالیٰ نے مجھ کو حقیقت دجّالیہ کے ہلاک اور فانی کرنے کے لئے حقیقت عیسویہ سے متصف کیا۔ ایسا ہی اس نے اس حقیقت کے متعلق جو جو نوازل و آفات تھے ان سے بھی خالی نہ رکھا لیکن اگر کچھ افسوس ہے تو صرف یہ کہ بٹالوی صاحب کو اس فتوے کے طیار کرنے میں یہودیوں کے فقیہوں سے بھی زیادہ خیانت کرنی پڑی اور وہ خیانت تین قسم کی ہے **اول** یہ کہ بعض لوگ جو مولویّت اور فتویٰ دینے کا منصب نہیں رکھتے وہ صرف

﴿۳۹﴾

مکفرین کی تعداد بڑھانے کیلئے مفتی قرار دیئے گئے۔ **دوسرے** یہ کہ بعض ایسے لوگ جو علم سے خالی اور علانیہ فسق و فجور بلکہ نہایت بدکاریوں میں مبتلا تھے وہ بڑے عالم متشرع متصور ہوکران کی مہریں لگائی گئیں۔ **تیسرے** ایسے لوگ جو علم اور دیانت رکھتے تھے مگر واقعی طور پر اس فتوے پر انہوں نے مہر نہیں لگائی بلکہ بٹالوی صاحب نے سراسر چالاکی اور افتراء سے خود بخود ان کا نام اس میں جڑ دیا۔ ان تینوں قسم کے لوگوں کے بارے میں ہمارے پاس تحریری ثبوت ہیں۔ اگر بٹالوی صاحب یا کسی اور صاحب کو اس میں شک ہو تو وہ لاہور میں ایک جلسہ منعقد کر کے ہم سے ثبوت مانگیں۔ تا سیہ روئے شود ہر کہ درو غش باشد۔ یوں تو تکفیر کوئی نئی بات نہیں ان مولویوں کا آبائی طریق یہی چلا آتا ہے کہ یہ لوگ ایک باریک بات سن کر فی الفور اپنے کپڑوں سے باہر ہو جاتے ہیں اور چونکہ خدائے تعالیٰ نے یہ عقل تو ان کو دی ہی نہیں کہ بات کی تہہ تک پہنچیں اور اسرار غامضہ کی گہری حقیقت کو دریافت کرسکیں اس لئے اپنی نافہمی کی حالت میں تکفیر کی طرف دوڑتے ہیں اور اولیاء کرام میں سے ایک بھی ایسا نہیں کہ ان کی تکفیر سے باہر رہا ہو۔ یہاں تک کہ اپنے مُنہ سے کہتے ہیں کہ جب **مہدی موعود آئے گا** تو اس کی بھی مولوی لوگ **تکفیر** کریں گے اور ایسا ہی حضرت **عیسیٰ جب اتریں گے** تو ان کی بھی تکفیر ہوگی۔ ان باتوں کا جواب یہی ہے کہ اے حضرات آپ لوگوں سے خدا کی پناہ۔ اوسبحانہ خود اپنے برگزیدہ بندوں کو آپ لوگوں کے شر سے بچاتا آیا ہے ورنہ آپ لوگوں نے تو ڈائن کی طرح امت محمدیہ کے تمام اولیاء کرام کو کھا جانا چاہا تھا اور اپنی بدزبانی سے نہ پہلوں کو چھوڑا نہ پچھلوں کو۔ اور اپنے ہاتھ سے ان نشانیوں کو پوری کررہے ہیں جو آپ ہی بتلا رہے ہیں۔ تعجب کہ یہ لوگ آپس میں بھی تو نیک ظن نہیں رکھتے۔ تھوڑا عرصہ گذرا ہے کہ موحدین کی بے دینی پر **مدار الحق** میں شاید تین سو کے قریب مہر لگی تھی پھر جب کہ تکفیر ایسی سستی ہے تو پھر ان کی تکفیروں سے کوئی کیونکر ڈرے مگر افسوس تو یہ ہے کہ میاں

نذیر حسین اور شیخ بٹالوی نے اس تکفیر میں جعل سازی سے بہت کام لیا ہے اور طرح طرح کے افترا کر کے اپنی عاقبت درست کر لی ہے اس مختصر رسالہ میں ہم مفصّل ان خیانتوں کا ذکر نہیں کر سکتے جو شیخ بٹالوی نے حسب منشاء شیخ دہلوی اپنے کفرنامہ میں کام میں لا کر اپنا نامہ اعمال درست کیا ہے۔ صرف بطور نمونہ **ایک مولوی صاحب کا خط** معہ ان کے **چند اشعار** کے ذیل میں لکھا جاتا ہے اور وہ یہ ہے۔

بحضور فیض گنجور حضرت مجدّد وقت مسیح الزمان مہدی دوران

حضرت مرزا غلام احمد صاحب دام برکاتہ

پس از سلام سنت اسلام گذارش حال اینکہ۔ غریب نواز پٹیالہ سے حضور کے تشریف لے جانے کے بعد سکنائے بلدہ نے مجھ کو نہایت تنگ کیا یہاں تک کہ مساجد میں نماز ادا کرنے سے بند کیا گیا میں نے اپنے بعض دوستوں کو ناحق کا الزام دور کرنے کیلئے یہ لکھ دیا کہ میرا عقیدہ اہلسنت والجماعت کے موافق ہے اور انکار ختم نبوت اور وجود ملائکہ و معجزات انبیاء ولیلۃ القدر وغیرہ موجب کفر والحاد سمجھتا ہوں۔ وہی تحریر میری مولوی محمد حسین مہتمم اشاعۃ السنۃ نے لے کر اپنے **کفرنامہ** میں جو آپ کے لئے تیار کیا تھا درج کر دی میں نے خبر پا کر مولوی محمد حسین صاحب کی خدمت میں خط لکھا کہ جو میری طرف سے فتویٰ تکفیر پر عبارت لکھی گئی ہے وہ کاٹ دینی چاہئے کیونکہ میں حضرت مرزا صاحب کے مکفر کو خود کافر وملحد سمجھتا ہوں۔ مولوی صاحب نے اس کا کوئی جواب نہیں بھیجا پیچھے سے مجھے معلوم ہوا کہ انہوں نے میرا نام مکفرین کے زمرہ میں چھاپ کر شائع کر دیا۔ سو میرے فتوے کی یہ حقیقت ہے۔ یہ نالائق حضور سے بیعت ہو چکا ہے لِلّٰہ اس عاجز کو اپنی جماعت سے خارج تصور نہ فرماویں۔ میں اس ناکردہ گناہ سے خداوند تعالیٰ کی درگاہ میں توبہ کرتا ہوں اور حضور سے معافی مانگتا ہوں اور چند ابیات محبت اور عقیدت کے جوش سے میں نے حضور کے بارہ میں تالیف کئے ہیں وہ بھی ذیل میں تحریر کرتا ہوں۔ اور امیدوار ہوں کہ میری یہ تمام تحریر معہ اشعار کے طبع کرا کر شائع کر دی جاوے۔ ﴿۴۱﴾

اشعار یہ ہیں

موجبِ کفرست تکفیر تو ای کانِ کرم
و این مواہیر و فتاوے رہزنِ راہ ارم

آرزو دارم کہ جان و مال قربانت کنم
این تمنایم بر آرد کارساز قادرم

چون بتابم رو ز تو حاشا و کلا این کجا
من فدائے روئے تو ای رہبرِ دین پرورم

دین مردہ را بقالب جان درآمد از دمت
چون ازین انفاس اعراضی کنم ایم مہترم

من کجا و ایں طور بدعہدی و بیراہی کجا
خادمم تا زندہ ہستم و از دل و جان چاکرم

حملہ ہا کردند ایں غولانِ راہِ حق بہ من
رہ ز دندی گر نبودے لطفِ یزدان رہبرم

ایں یہودی سیرتان قدر ترا نشناختند
چوں نبی ناصری نفرین شنیدی لاجرم

ہر کہ تکفیرت کند کافر ہمان ساعت شود
حق نگہدارد مرا زین زمرۂ نا محترم

بر من امّی بہ بخش ای حضرت مہر منیر
گر خطا دیدی ازاں بگذر کہ من مستغفرم

تار وانم ہست درتن از دل و جانم غلام
لطف فرما کز تذلّل بر در تو حاضرم

نورِ ماہِ دین احمد بر وجودت شد تمام
آمدی در چار دہ اے بدر تام و انورم

حسب تبشیر نبی بروقت خود کردی ظہور
السلام ای رحمت ذات جلیل و اکبرم

مشکلاتِ دین حق بر دست تو آسان شدند
مے کنی تجدید دین از فضل رب ذوالکرم

از رہِ منت درونم را مسلماں کردۂ
گر نباشم جان نثار آستانت کافرم

راقم خاکسار مولوی حافظ عظیم بخش پٹیالوی ۔۲۴؍مئی ۱۸۹۲ء

اگر کوئی جگہ حضور کے رسالہ میں خالی ہووے تو یہ اشتہار مندرجہ ذیل میرے مکرم وشفیق استاد کا بھی طبع فرما کر ممنون فرماویں

اشتہار

جو فتویٰ بحق امامنا، مخدومنا، مسیحنا و مسیح الدنیا میرزا غلام احمد صاحب قادیانی ۔محمد حسین بٹالوی ایڈیٹر اشاعۃ السنہ نے اپنے رسالہ اشاعۃ السنہ میں شائع کیا ہے اس کے علماء پٹیالہ کی فہرست میں میرے بعض احباب نے میرے ہم نام مولوی عبداللہ پٹیالوی کے نام کو میرا نام خیال کیا ہے اور بعض نے دریافت کے لئے میرے نام عنایت نامہ جات بھی ارسال فرمائے ہیں۔ ایڈیٹر اشاعۃ السنہ نے ناظرین کو اور بھی شبہ میں ڈالا کہ اس نام پر یہ نوٹ ایزاد کیا کہ ’’یہ مولوی صاحب بھی میرزا صاحب کے پہلے معتقد تھے‘‘۔ لہٰذا میں جمیع احباب کو اطلاع دیتا ہوں کہ مولوی عبداللہ پٹیالوی اور شخص ہیں اور وہ کبھی پہلے بھی مرزا صاحب کے معتقد نہ تھے اور نہ ہیں۔ باقی رہا نیازمند سو میں اسی طرح اس فدائے قوم و کشتہ اسلام کا معتقد و نیازمند ہوں۔ ﴿۴۲﴾

المشتہر

خاکسار **محمد عبداللہ خاں**۔ دوم مدرس عربی

مہندر کالج پٹیالہ ۔۴؍ ذیقعدہ ۱۳۰۹ھ

ضروری گزارش

ان باہمت دوستوں کی خدمت میں جو کسی قدر
امداد امور دین کے لئے مقدرت رکھتے ہیں

==========

اے مردان بکوشید و برائے حق بجوشید

اگرچہ پہلے ہی سے میرے مخلص احباب للّٰہی خدمت میں اس قدر مصروف ہیں کہ میں شکر ادا نہیں کرسکتا اور دعا کرتا ہوں کہ خداوند کریم ان کو ان تمام خدمات کا دونوں جہانوں میں زیادہ سے زیادہ اجر بخشے۔ لیکن اس وقت خاص طور پر توجہ دلانے کیلئے یہ امر پیش آیا ہے کہ آگے تو ہمارے صرف بیرونی مخالف تھے اور فقط بیرونی مخالفت کی ہمیں فکر تھی اور اب وہ لوگ بھی جو مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں بلکہ مولوی اور فقیہ کہلاتے ہیں سخت مخالف ہوگئے ہیں یہاں تک کہ وہ عوام کو ہماری کتابوں کے خریدنے بلکہ پڑھنے سے منع کرتے اور روکتے ہیں۔ اس لئے ایسی دقتیں پیش آگئی ہیں جو بظاہر ہیبت ناک معلوم ہوتی ہیں لیکن اگر ہماری جماعت سست نہ ہوجائے تو عنقریب یہ سب دقتیں دور ہوجائیں گی۔ اس وقت ہم پر فرض ہوگیا ہے کہ بیرونی اور اندرونی دونوں قسم کی خرابیوں کی اصلاح کرنے کیلئے بدل و جان کوشش کریں اور اپنی زندگی کو اسی راہ میں **فدا کردیں** اور وہ صدق قدم دکھلاویں جس سے خدائے تعالیٰ جو پوشیدہ بھیدوں کو جاننے والا اور سینوں کی چھپی ہوئی باتوں پر مطلع ہے راضی ہوجائے۔ اسی بنا پر میں نے قصد کیا ہے کہ **اب قلم اٹھا کر** پھر اس کو اس وقت تک موقوف نہ رکھا جائے جب تک کہ خدائے تعالیٰ اندرونی اور بیرونی مخالفوں پر کامل طور پر حجت پوری کر کے حقیقت عیسویہ کے حربہ سے حقیقت **دجّالیہ** کو پاش پاش نہ کرے۔ ﴿۴۳﴾

لیکن کوئی قصد بجز توفیق و فضل و امداد و رحمت الٰہی انجام پذیر نہیں ہوسکتا اور خدائے تعالیٰ کی بشارات پر نظر کر کے جو **بارش** کی طرح برس رہی ہیں اس عاجز کو یہی امید ہے کہ وہ اپنے اس بندہ کو ضائع نہیں کرے گا اور اپنے دین کو اس خطرناک پراگندگی میں نہیں چھوڑے گا جو اب اس کے لاحق حال ہے مگر برعایت ظاہری جو طریق مسنون ہے مَنْ اَنْصَارِیْٓ اِلَی اللّٰہِ [1] بھی کہنا پڑتا ہے۔ سو بھائیو جیسا میں ابھی بیان کر چکا ہوں سلسلہ **تالیفات** کو بلا فصل جاری رکھنے کیلئے میرا پختہ ارادہ ہے اور یہ خواہش ہے کہ اس رسالہ کے چھپنے کے بعد جس کا نام **نشان آسمانی** ہے رسالہ **دافع الوساوس** طبع کرا کر شائع کیا جاوے اور بعد اس کے بلا توقف رسالہ **حیات النبی و ممات المسیح** جو یورپ اور امریکہ کے ملکوں میں بھی بھیجا جائے گا شائع ہو اور بعد اس کے بلا توقف حصہ پنجم براہین احمدیہ جس کا دوسرا نام **ضرورت قرآن** رکھا گیا ہے ایک مستقل کتاب کے طور پر چھپنا شروع ہو لیکن میں اس سلسلہ کے قائم رکھنے کیلئے یہ احسن انتظام خیال کرتا ہوں کہ ہر یک رسالہ جو میری طرف سے شائع ہو میرے ذی مقدرت دوست اس کی خریداری سے مجھ کو بدل و جان **مدد دیں** اس طرح پر کہ حسب مقدرت اپنی ایک نسخہ یا چند نسخے اس کے خرید لیں جن رسائل کی قیمت تین آنہ یا چار آنہ یا اس کے قریب ہو۔ ان کو ذی مقدرت احباب اپنی مقدور کے موافق ایک مناسب تعداد تک لے سکتے ہیں اور پھر وہی قیمت دوسرے رسالہ کے **طبع** میں کام آ سکتی ہے۔ اگر میری جماعت میں ایسے احباب ہوں جو ان پر بوجہ املاک و اموال و زیورات وغیرہ کے زکوٰۃ فرض ہو تو ان کو سمجھنا چاہئے کہ اس وقت دین اسلام جیسا غریب اور یتیم اور بے کس کوئی بھی نہیں اور زکوٰۃ نہ دینے میں جس قدر تہدید شرع وارد ہے وہ بھی ظاہر ہے اور عنقریب ہے جو منکر زکوٰۃ کافر ہو جائے پس فرض عین ہے جو اسی راہ میں **اعانت اسلام** میں زکوٰۃ دی جاوے۔ زکوٰۃ میں کتابیں خریدی جائیں اور مفت تقسیم کی جائیں اور میری تالیفات بجز ان رسائل کے اور بھی ہیں جو نہایت مفید ہیں جیسے رسالہ **احکام القرآن** اور **اربعین فی علامات المقربین** اور **سراج منیر** اور تفسیر کتاب عزیز لیکن چونکہ کتاب براہین احمدیہ کا کام از بس ضروری ہے اس لئے بشرط فرصت کوشش کی جائے گی کہ یہ رسائل بھی درمیان میں طبع ہو کر شائع ہو جائیں آئندہ ہر ایک امر اللہ جلّ شانہٗ کے اختیار میں ہے یَفْعَلُ مَا یَشَآءُ وَ ھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۔

خاکسار **غلام احمد** از قادیان ضلع گورداسپور ۲۸ ؍ مئی ۱۸۹۲ء

[1] الصف : ۱۵

﴿۴۴﴾

ضروری اشتہار

اس عاجز کا ارادہ ہے کہ **اشاعتِ دین اسلام** کیلئے ایسا احسن انتظام کیا جائے کہ ممالک ہند میں ہر جگہ ہماری طرف سے واعظ و مناظر مقرر ہوں اور بندگان خدا کو دعوت حق کریں تا حجت اسلام روئے زمین پر پوری ہو لیکن اس ضعف اور قلت جماعت کی حالت میں ابھی یہ ارادہ کامل طور پر انجام پذیر نہیں ہوسکتا۔ بالفعل یہ تجویز کیا ہے کہ اگر حضرت مولوی محمد احسن صاحب امروہی جو ایک فاضل جلیل اور امین اور متقی اور محبت اسلام میں بدل و جان فدا شدہ ہیں قبول کریں تو کسی قدر جہاں تک ممکن ہو یہ خدمت ان کے سپرد کی جائے۔ مولوی صاحب موصوف بچوں کی تعلیم اور درس قرآن و حدیث اور وعظ و نصیحت اور مباحثہ و مناظرہ میں یَدِ طُولیٰ رکھتے ہیں نہایت خوشی کی بات ہے اگر وہ اس کام میں لگ جائیں لیکن چونکہ انسان کو حالت عیالداری میں وجوہ معیشت سے چارہ نہیں اس لئے یہ فکر سب سے مقدم ہے کہ مولوی صاحب کے کافی گذارہ کیلئے کوئی احسن تجویز ہو جائے یعنی یہ کہ ہر ایک ذی مقدرت صاحب ہماری جماعت میں سے دائمی طور پر جب تک خدائے تعالیٰ چاہے ان کے گذارہ کیلئے حسب استطاعت اپنی کوئی چندہ مقرر کریں اور پھر جو کچھ مقرر ہو بلا توقّف ان کی خدمت میں بھیج دیا کریں۔ دنیا چند روزہ مسافر خانہ ہے۔ آخرت کیلئے نیک کاموں کے ساتھ تیاری کرنی چاہئے مبارک وہ شخص جو ذخیرہ آخرت کے اکٹھا کرنے کیلئے دن رات لگا ہوا

ہے۔اس اشتہار کے پڑھنے پر جو صاحب چندہ کیلئے طیار ہوں وہ اس عاجز کو اطلاع دیں۔

والسلام علی من اتبع الھدٰی

المشتھر

غلام احمد از قادیان

۲۶؍مئی ۱۸۹۲ء

رسالہ نشانِ آسمانی

کی امداد طبع کیلئے جو مخلص دوستوں کی طرف خط لکھے گئے تھے ان کا خلاصہ جواب

خلاصہ خط اخویم مولوی سیّد تفضّل حسین صاحب تحصیلدار علی گڑھ ضلع فرخ آباد سلمہ اللہ تعالیٰ

﴿۴۵﴾

''دو والا نامے بندگان عالی شرف ورود لائے باعث عزت ہوئے مجھ کو بہت شرم ہے کہ عرصہ سے میں نے کوئی عریضہ حضور میں نہیں بھیجا مگر ہر وقت یاد بندگان والا میں رہا کرتا ہوں۔حضور کا نام نامی میرا وظیفہ ہے اور اکثر حضور کی کتب دیکھا کرتا ہوں اور ان کو ذریعہ بہتری دارین سمجھتا ہوں پچاس جلد رسالہ نشان آسمانی یا جس قدر حضور خود چاہیں میرے پاس بھجوا دیں میں ان کو خرید لوں گا اور اپنے دوستوں میں تقسیم کر دوں گا مجھے حضور کی کتابوں کی اشاعت سے دلی خوشی پہنچتی ہے اور میرے سب اہل وعیال خوش اور اچھے ہیں اور حضور کو یاد کیا کرتے ہیں۔

عریضہ نیاز کمترین تفضل حسین از علی گڑھ ضلع فرخ آباد ۳۱ مئی ۱۸۹۲ء

مولوی صاحب موصوف چندہ امدادی دیتے ہیں اور امداد کے طور پر اپنی تنخواہ میں سے رقم کثیر دے چکے ہیں۔

خلاصہ خط اخویم نواب محمد علی خان رئیس کوٹلہ مالیر سلمہ اللہ تعالیٰ

جناب کا عنایت نامہ پہنچا۔بندہ رسالہ نشان آسمانی کی دو۲ سو جلد فی الحال خرید کرے گا۔راقم محمد علی خان

نواب صاحب موصوف ابھی تھوڑا عرصہ ہوا کہ پانچسو روپیہ کی کتابیں اس عاجز کی خرید کر کے محض لِلّٰہ تقسیم کر چکے ہیں۔

خلاصہ خط اخویم حکیم فضل دین صاحب بھیروی سلمہ اللہ تعالیٰ

سات۷ سو جلد رسالہ نشان آسمانی نابکار کے خرچ سے چھپوایا جائے اور فروخت کیا جائے اور اس کی قیمت حضور اپنی مرضی سے جہاں چاہیں خرچ فرماویں بیس۲۰ روپیہ معہ بقیہ چندہ دو۲

روپیہ محمد صاحب عرب ابھی ارسال خدمت ہیں اور مابعد میں عنقریب ایک سو روپیہ یا اس سے دس بیس روپیہ زائد بھیجتا ہوں یا جلدتر خود لے کر باریاب خدمت ہوں گا ورنہ منی آرڈر بھیج دوں گا۔
(ایک سو روپیہ پہنچ گیا) حکیم صاحب موصوف پہلے بھی تخمیناً سات سو روپیہ امداد کے طور پر دے چکے ہیں۔

خلاصہ خط اخویم حضرت مولوی حکیم نوردین صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ معالج ریاست جموں

نحمده و نصلّی علٰی رسوله الکریم مع التسلیم امابعد ''ایک خاکسار بالکل نابکار اور خاکساری کے ساتھ نہایت ہی شرمسار بحضور حضرت مسیح الزمان عرض پرداز۔ اس خادم با اخلاص اور دلی مرید کا جو کچھ ہے بتمامہ آپ ہی کا ہے۔ زن و فرزند روپیہ آبرو و جان۔ میری یہی سعادت ہے کہ تمام خرچ میرا ہو پھر جس قدر حضور پسند فرماویں۔ برادرم فصیح بھی اس وقت موجود ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر میرے مطبع پنجاب پریس سیالکوٹ میں حضور رسالہ کو طبع فرماویں تو چہارم حصہ قیمت کا منافع رہے گا۔ مولوی حکیم نوردین صاحب اپنے اخلاص اور محبت اور صفت ایثار اور للہ شجاعت اور سخاوت اور ہمدردی اسلام میں عجیب شان رکھتے ہیں۔ کثرت مال کے ساتھ کچھ قدر قلیل خدا تعالیٰ کی راہ میں دیتے ہوئے تو بہتوں کو دیکھا مگر خود بھوکے پیاسے رہ کر اپنا عزیز مال رضائے مولیٰ میں اٹھا دینا اور اپنے لئے دنیا میں سے کچھ نہ بنانا یہ صفت کامل طور پر مولوی صاحب موصوف میں ہی دیکھی یا ان میں جن کے دلوں پر ان کی صحبت کا اثر ہے مولوی صاحب موصوف اب تک تین ہزار روپیہ کے قریب للہ اس عاجز کو دے چکے ہیں اور جس قدر ان کے مال سے مجھ کو مدد پہنچی ہے اس کی نظیر اب تک کوئی میرے پاس نہیں۔ اگرچہ یہ طریق دنیا اور معاشرت کے اصولوں کے مخالف ہے مگر جو شخص خدائے تعالیٰ کی ہستی پر ایمان لاکر اور دین اسلام کو ایک سچا اور منجانب اللہ دین سمجھ کر اور با ایں ہمہ اپنے زمانہ کے امام کو بھی شناخت کر کے اللہ جلّ شانہٗ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم کی محبت اور عشق میں فانی ہو کر محض اعلاء کلمہ اسلام کیلئے اپنے مال حلال اور طیب کو اس راہ میں فدا کرتا ہے اس کا جو عند اللہ قدر ہے وہ ظاہر ہے اللہ جلّ شانہٗ فرماتا ہے لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ [1]

خدا سے وہی لوگ کرتے ہیں پیار	جو سب کچھ ہی کرتے ہیں اس پر نثار
اسی فکر میں رہتے ہیں روز و شب	کہ راضی وہ دلدار ہوتا ہے کب
اُسے دے چکے مال و جان بار بار	ابھی خوف دل میں کہ ہیں نابکار

[1] ال عمران: ۹۳

﴿۴۶﴾

لگاتے ہیں دل اپنا اس پاک سے　　وہی پاک جاتے ہیں اس خاک سے

خدائے تعالیٰ اس خصلت اور ہمت کے آدمی اس امت میں زیادہ سے زیادہ کرے آمین ثم آمین

چہ خوش بودے اگر ہر یک زامت نوردین بودے
ہمیں بودے اگر ہر دل پُر از نورِ یقین بودے

﴿۴۷﴾

طبّ روحانی

یہ کتاب حضرت حاجی منشی احمد جان صاحب مرحوم کی تالیفات میں سے ہے۔ حاجی صاحب موصوف نے اس کتاب میں اس علم مخفی سلب امراض اور توجہ کو مبسوط طور پر بیان کیا ہے جس کو حال کے مشائخ اور پیرزادے اور سجادہ نشین پوشیدہ طور پر اپنے خاص خاص خلیفوں کو سکھلایا کرتے تھے اور ایک عظیم الشان کرامت خیال کی جاتی تھی اور جس کی طلب میں اب بھی بعض مولوی صاحبان دور دور کا سفر اختیار کرتے ہیں۔ اس لئے محض للہ عام و خاص کو مطلع کیا جاتا ہے کہ اس کتاب کو منگوا کر ضرور ہی مطالع کریں کہ یہ بھی منجملہ ان علوم کے ہے جو انبیاء پر فائض ہوئے تھے بلکہ حضرت مسیح کے معجزات تو اسی علم کے سرچشمہ میں سے تھے۔

کتاب کی قیمت ایک روپیہ ہے صاحبزادہ **افتخار احمد** صاحب جو لدھیانہ محلّہ جدید میں رہتے ہیں۔ ان کی خدمت میں خط و کتابت کرنے سے قیمتاً مل سکتی ہے۔

کتب موجودہ حضرت اقدس مہدی و مسیح موعود علیہ السلام

حصہ چہارم براہین احمدیہ ۸/للعہ + سرمہ چشم آریہ ۱۲/ + شحنہ حق ۶/ + فتح اسلام ۴/ + توضیح مرام ۴/ + ازالہ اوہام / + الحق مباحثہ لودیانہ ۱۲/ + الحق مباحثہ دہلی عہ۔ فیصلہ آسمانی ۲/ + نشان آسمانی ۳/۔ آئینہ کمالات اسلام معہ تبلیغ عربی معہ ترجمہ فارسی عگر برکات الدعا ۲/۔ شہادت القرآن ۶/۔ تحفہ بغداد عربی ۲/۔

﴿۴۸﴾

حجۃ الاسلام ا/۔ سچائی کا اظہار ا/۔ جنگ مقدس ۷/۔ حمامۃ البشریٰ عربی عہ۔ نور الحق عربی حصہ اول معہ ترجمہ اردو ۱۲/۔ نور الحق عربی حصہ دوم معہ ترجمہ اردو ۶/۔ اتمام الحجہ ۳/۔ کرامات الصادقین عہ۔ سر الخلافہ عربی ۸/۔ ست بچن و آریہ دھرم دریک جلد ۸ عہ/۔ نور القرآن حصہ اول ۴/۔ نور القرآن حصہ دوم ۸/۔

المشتہر محمد سراج الحق از قادیان ضلع گورداسپور

یہ ان علماء و فضلاء و صوفیہ ہندوستان و پنجاب وغیرہ کی اسماء گرامی ہیں جنہوں نے حضرت اقدس مرزا غلام احمد صاحب قادیانی دام فیضہ کو مسیح و مہدی موعود اور مجدد چودھویں صدی تسلیم کیا ہے اور بیعت کی ہے اور حضرت مسیح ابن مریم عیسٰی علیہ السلام کو متوفّٰی جان کر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم الانبیاء بصدق دل مانا ہے۔ سراج الحق از قادیان حضرت مولوی حکیم نور الدین صاحب بھیرہ۔ حضرت مولوی قاضی سید امیر حسین صاحب بھیرہ۔ حضرت مولوی حکیم فضل الدین صاحب سیالکوٹ۔ حضرت مولوی عبد الکریم صاحب سیالکوٹ۔ حضرت مولوی ابو یوسف محمد مبارک علی صاحب //۔ حضرت مولوی برہان الدین صاحب جہلم۔ حضرت مولوی محمد قاری صاحب //۔ حضرت مولوی فضل حق صاحب۔ ح مولوی خان ملک صاحب کھیوال ضلع جہلم۔ ح مولوی عبد الرحمٰن صاحب //۔ ح مولوی حبیب شاہ صاحب خوشاب۔ ح مولوی فضل الدین صاحب کھاریاں ضلع گجرات۔ ح مولوی محمد افضل صاحب موضع کملہ //۔ ح مولوی محمد اکرم صاحب //۔ ح مولوی محمد شریف صاحب۔ ح م قاضی ضیاء الدین صاحب قاضی کوٹ۔ ح م حافظ احمد الدین صاحب موضع چک باسریا۔ ح مولوی صاحب دین صاحب طحال۔ ح مولوی شیر محمد صاحب ہجن۔ ح مولوی قطب الدین صاحب بدوملی۔ ح مولوی غلام حسن صاحب پشاور۔ ح مولوی محمد حسین صاحب کپورتھلہ۔ ح مولوی نور محمد صاحب مانگٹ۔ حضرت مولوی غلام حسین لاہور۔ حضرت مولوی مرزا خدا بخش صاحب اتالیق نواب محمد علی خان صاحب مالیر کوٹلہ۔ ح مولوی محمد یوسف صاحب سنور۔ حضرت مولوی حافظ عظیم بخش صاحب پٹیالہ۔ ح مولوی محمد صادق صاحب جموں۔ ح مولوی خلیفہ نور الدین صاحب //۔ ح مولوی محمد زمان صاحب دھنی گہیپ۔ ح مولوی نور احمد صاحب لودی ننگل۔ حضرت مولوی سید محمد احسن صاحب امروہوی۔ ح مولوی انوار حسین خان صاحب رئیس شاہ آباد۔ حضرت مولوی سید تفضّل حسین صاحب۔ ح مولوی سید محمد عسکری خان صاحب۔ حضرت مولوی سید مردان علی صاحب حیدر آباد نظام۔ ح م سید ظہور علی صاحب۔ ح م سید محمد السعیدی طرابلسی شامی۔ ح م عبد الحکیم صاحب۔ باقی اسماء کی گنجائش نہیں۔ کسی اور موقعہ پر لکھے جاویں گے۔ سراج الحق نعمانی فقط

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا

اے ایمان لانے والو! اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ۔

ایک عیسائی کے تین سوال

اور

ان کے جوابات

۱۳۰۹ ہجری

۱۸۹۲ء

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

ایک عیسائی کے تین سوال اور ان کے جوابات

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں آخری زمانہ میں اسلام کے ازسرنو احیاء اور غلبہ کے لئے اُمت میں مسیح موعود کے مبعوث ہونے کی بشارت دی وہاں مسیح موعود کا ایک بنیادی کام فَیَکۡسِرُ الصَّلِیۡبَ وَ یَقۡتُلُ الۡخِنۡزِیۡرَ (بخاری کتاب الانبیاء باب نزول عیسیٰ ابن مریم) یعنی مسیح موعود صلیب کو توڑے گا اور خنزیر کو قتل کرے گا‘ بھی بیان فرمایا۔ صلیب کو توڑنے سے مراد یہ تھی کہ مسیح موعود عیسائیت کے عقائد باطلہ کے زور کو توڑ کر ان کی بجائے اسلام کے عقائد حقہ کو غالب کرے گا اور خنزیر صفت لوگوں سے ہر قسم کی پلیدی دور کرکے انہیں پاک و صاف اور مطہر بنائے گا۔ اس حدیث میں جہاں مسیح موعود کے مبعوث ہونے کی بشارت دی گئی تھی وہاں اس میں یہ واضح اشارہ بھی مضمر تھا کہ آخری زمانہ میں عیسائیت کو بہت فروغ حاصل ہوگا یہاں تک کہ وہ پورے کرّہ ارض پر چھا جائے گا۔

اُس وقت جو مسلمانوں کی حالت تھی اس سے ہر وہ مسلمان جس کے دل میں اسلام کا درد تھا بے چین تھا۔ برصغیر میں آریوں اور عیسائی پادریوں اور اُن کے مبلغوں نے اسلام پر بے انتہا تابڑ توڑ حملے شروع کئے ہوئے تھے اتنے شدید حملے تھے کہ مسلمان علماء بھی اس وقت سہمے ہوئے تھے اور ان کے پاس کوئی جواب ان حملوں کا نہیں تھا۔ کچھ مسلمان تو لاجواب ہونے کی وجہ سے

اسلام کو چھوڑ کر عیسائیت کی جھولی میں گرتے جاتے تھے اور کچھ بالکل اسلام سے لاتعلق ہو رہے تھے۔ اس وقت اگر عیسائیت اور دوسرے مذاہب کے حملوں کا مقابلہ کرنے کے لئے اگر کوئی شخص تھا تو ایک ہی جری اللہ تھا یعنی حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ السلام۔ آپ نے ان مذاہب سے تن تنہا چومکھی لڑائی لڑی۔

انجمن حمایت اسلام سے ایک عیسائی عبداللہ جیمز نے تین سوال اسلام کی نسبت بطلب جواب تحریر کئے۔ انہوں نے یہ سوال حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور حضرت مولانا نورالدین صاحب کو بھی ارسال کئے۔ ان جوابات کو انجمن حمایت اسلام نے ۱۳۰۹ھ میں ''ایک عیسائی کے تین سوال اور ان کے جوابات'' کے نام سے شائع کیا۔ (اس کتاب کو بعد میں قادیان سے ''تصدیق النبی'' کے نام سے شائع کیا گیا جس میں صرف حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے جوابات شائع کئے گئے۔)

انجمن حمایت اسلام نے اس کے دیباچہ میں تحریر کیا کہ

''دین اسلام کے وہ مخلص پیرو بندے جو اپنی اعلیٰ درجے کی دین داری، لیاقت، فضیلت، حسن اخلاق وغیرہ خوبیوں کے باعث آج کل کی معدن علم ہونے کی مدعی قوموں کے استاد تھے۔ انہیں کی نسلیں آج جاہل مطلق بے ہنر محض اور اپنے سچے مذہب کے مقدس اصولوں کی پابندی سے کوسوں دور ہیں۔ ان کی جہالت کا نتیجہ یہ ہے کہ بت پرست قومیں جن کے پاس اپنے مذہب کی حقیقت کی کوئی بھی عقلی اور نقلی دلیل نہیں علانیہ اسلام کی تردید کے واسطے کھڑی ہیں اور ہمیں اپنی بے علمی اور نالیاقتی سے ان کے جواب دینے کی جرأت نہیں۔''

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے نہایت شرح اور بسط کے ساتھ ان سوالات کے جواب دیئے۔ بطور نمونہ چند اقتباسات پیش ہیں۔

''اب اے حق کے طالبو! اور سچے نشانوں کے بھوکو اور پیاسو!! انصاف سے

دیکھواور ذرا پاک نظر سے غور کرو کہ جن نشانوں کا خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں ذکر کیا ہے کس اعلیٰ درجہ کے نشان ہیں اور کیسے ہر زمانہ کے لئے مشہود و محسوس کا حکم رکھتے ہیں۔ پہلے نبیوں کے معجزات کا اب نام ونشان باقی نہیں صرف قصے ہیں۔ خدا جانے ان کی اصلیت کہاں تک درست ہے؟ بالخصوص حضرت مسیحؑ کے معجزات جو انجیلوں میں لکھے ہیں باوجود قصوں اور کہانیوں کے رنگ میں ہونے کے اور باوجود بہت سے مبالغات کے جو ان میں پائے جاتے ہیں ایسے شکوک وشبہات ان پر وارد ہوتے ہیں کہ جن سے انہیں بکلّی صاف و پاک کر کے دکھلانا بہت مشکل ہے۔''

''غرض امریکہ اور یورپ آج کل ایک جوش کی حالت میں ہے اور انجیل کے عقیدوں نے جو برخلاف حقیقت ہیں بڑی گھبراہٹ میں انہیں ڈال دیا ہے یہاں تک کہ بعضوں نے یہ رائے ظاہر کی کہ مسیحؑ یا عیسیٰؑ نام خارج میں کوئی شخص کبھی پیدا نہیں ہوا بلکہ اس سے آفتاب مراد ہے اور بارہ حواریوں سے بارہ برج مراد ہیں اور پھر اس مذہب عیسائی کی حقیقت زیادہ تر اس بات سے کھلتی ہے کہ جن نشانیوں کو حضرت مسیحؑ ایمانداروں کے لئے قرار دے گئے تھے ان میں سے ایک بھی ان لوگوں میں پائی نہیں جاتی۔ حضرت مسیحؑ نے فرمایا تھا کہ اگر تم میری پیروی کرو گے تو ہر ایک طرح کی برکت اور قبولیت میں میرا ہی روپ بن جاؤ گے اور معجزات اور قبولیت کے نشان تم کو دیئے جائیں گے اور تمہارے مومن ہونے کی یہی علامت ہوگی کہ تم طرح طرح کے نشان دکھلا سکو گے اور جو چاہو گے تمہارے لئے وہی ہوگا اور کوئی بات تمہارے لئے ناممکن نہیں ہوگی لیکن عیسائیوں کے ہاتھ میں ان برکتوں میں سے کچھ بھی نہیں وہ اس خدا سے ناآشنا محض ہیں جو اپنے مخصوص بندوں کی دعائیں سنتا ہے اور انہیں آمنے سامنے شفقت اور رحمت کا جواب دیتا ہے اور عجیب عجیب کام ان کے لئے کر دکھاتا ہے۔''

''اب جاننا چاہیئے کہ محبوبیت اور قبولیت اور ولایت حقّہ کا درجہ جس کے کسی قدر مختصر طور پر نشان بیان کر چکا ہوں یہ بجز اتباع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے

ہرگز حاصل نہیں ہوسکتا اور سچے متبع کے مقابل پر اگر کوئی عیسائی یا آریہ یا یہودی قبولیت کے آثار وانوار دکھلانا چاہے تو یہ اس کے لئے ہرگز ممکن نہ ہوگا اور نہایت صاف طریق امتحان کا یہ ہے کہ اگر ایک مسلمان صالح مقابل پر جو سچا مسلمان اور سچائی سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا متبع ہو اور کوئی دوسرا شخص عیسائی وغیرہ معاوضہ کے طور پر کھڑا ہو اور یہ کہے کہ جس قدر تجھ پر آسمان سے کوئی نشان ظاہر ہوگا یا جس قدر اسرار غیبیہ تجھ پر کھلیں گے یا جو کچھ قبولیت دعاؤں سے تجھے مدد دی جائے گی یا جس طور سے تیری عزت اور شرف کے اظہار کے لئے کوئی نمونہ قدرت ظاہر کیا جائے گا یا اگر انعامات خاصہ کا بطور پیشگوئی تجھے وعدہ دیا جائے گا یا اگر تیرے کسی موذی مخالف پر کسی تنبیہہ کے نزول کی خبر دی جائے گی تو ان سب باتوں میں جو کچھ تجھ سے ظہور میں آئے گا اور جو کچھ تو دکھلائے گا وہ مَیں بھی دکھلاؤں گا۔ تو ایسا معارضہ کسی مخالف سے ہرگز ممکن نہیں اور ہرگز مقابل پر نہیں آئیں گے کیونکہ ان کے دل شہادت دے رہے ہیں کہ وہ کذاب ہیں انہیں اس سچے خدا سے کچھ بھی تعلق نہیں کہ جو راستبازوں کا مددگار اور صدیقوں کا دوست دار ہے جیسا کہ ہم پہلے بھی کسی قدر بیان کر چکے ہیں۔ **و ھٰذا اٰخر کلامنا والحمد للّٰہ اوّلًا وّ اٰخرًا وّ ظاھرًا وّ باطنًا ھو مولانا نعم المولٰی و نعم الوکیل۔**‘‘

ناظر اشاعت

﴿۱﴾

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡم

بَلۡ ھُوَ اٰیٰتٌۢ بَیِّنٰتٌ فِیۡ صُدُوۡرِ الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡعِلۡمَ [1]

چند روز ہوئے کہ ایک عیسائی صاحب مسمّٰی عبداللہ جیمز نے چند سوال اسلام کی نسبت بطلب جواب انجمن میں ارسال فرمائے تھے چنانچہ اُن کے جواب اس انجمن کے تین معزز و مقتدر معاونین نے تحریر فرمائے ہیں جو بعد مشکوری تمام بصورت رسالہ ہٰذا شائع کئے جاتے ہیں۔

سوالات

اوّل: محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی نبوت اورقرآن مجید کے کلام اللہ ہونے پر متشکی ہونا جیسا سورۂ بقر اور سورۂ انعام میں درج ہے فَلَا تَکُوۡنَنَّ مِنَ الۡمُمۡتَرِیۡنَ [2] اس سے ثابت ہوتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دل میں یقین جانتے تھے کہ وہ پیغمبر خدا نہیں اگر وہ پیغمبر خدا ہوتے یا انہوں نے کبھی بھی کوئی معجزہ کیا ہوتا یا معراج ہوا ہوتا یا جبرئیل علیہ السلام قرآن مجید لائے ہوتے تو وہ کبھی اپنی نبوت پر متشکی نہ ہوتے اُس سے ان کا قرآن مجید پر اور اپنی نبوت پر متشکی ہونا صاف صاف ثابت ہوتا ہے اور نہ وہ رسول اللہ ہیں۔

دوم: محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی بھی کوئی معجزہ نہ ملا جیسا کہ سورۂ عنکبوت میں درج ہے (ترجمہ عربی کا) اور کہتے ہیں کیوں نہ اُتریں اس پر کچھ نشانیاں (یعنی کوئی ایک بھی

[1] العنکبوت: ۵۰ [2] البقرۃ: ۱۴۸

کیونکہ **لا** نافیہ اس آیت میں جو کہ جنس ہے کل جنس کی نفی کرتا ہے) اس کے ربّ سے۔ اور سورۂ بنی اسرائیل میں بھی۔ اور ہم نے موقوف کیں نشانیاں بھیجنی کہ اگلوں نے ان کو جھٹلایا۔ اس سے صاف ظاہر ہے خدا نے کوئی معجزہ نہیں دیا۔ حقیقت میں اگر کوئی ایک معجزہ ملتا تو وہ نبوت اور قرآن پر متشکی نہ ہوتے۔

سوم : اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم پیغمبر ہوتے تو اس وقت کے سوالوں کے جواب میں لاچار ہو کر یہ نہ کہتے کہ خدا کو معلوم یعنی مجھ کو معلوم نہیں اور اصحابِ کہف کی بابت ان کی تعداد میں غلط بیانی نہ کرتے اور یہ نہ کہتے کہ سورج چشمہ دلدل میں چھپتا ہے یا غرق ہوتا ہے حالانکہ سورج زمین سے نو کروڑ حصہ بڑا ہے وہ کس طرح دلدل میں چھپ سکتا ہے۔

نوٹ:- حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے عبداللہ جیمز کے تیسرے سوال کو (غالباً اس کی اہمیت کے پیش نظر) دوسرا سوال قرار دے کر اس کا جواب دیا ہے اور دوسرے سوال کو آخر میں رکھا ہے۔ جبکہ حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ نے عبداللہ جیمز کے سوالات کی ترتیب کو قائم رکھا ہے۔ (ناشر)

﴿۲﴾

مورد برکات رحمانی مصدر انوار قرآنی
جناب مرزا غلام احمد صاحب رئیس قادیاں
کی طرف سے جوابات

پہلے سوال کا جواب

معترض نے پہلے اپنے دعوے کی تائید میں سورۂ بقر میں سے ایک آیت پیش کی ہے جس کے پورے پورے لفظ یہ ہیں۔ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ [1] اس آیت کا سیاق سباق یعنی اگلی پچھلی آیتوں کے دیکھنے سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اس جگہ نبوت اور قرآن شریف کا کوئی ذکر نہیں۔ صرف اس بات کا بیان ہے کہ اب بیت المقدس کی طرف نہیں۔ بلکہ بیت کعبہ کی طرف منہ پھیر کر نماز پڑھنی چاہیے۔ سو اللہ جلّ شانہٗ اس آیت میں فرماتا ہے کہ یہ ہی حق بات ہے یعنی خانہ کعبہ کی طرف ہی نماز پڑھنا حق ہے جو ابتدا سے مقرر ہو چکا ہے اور پہلی کتابوں میں بطور پیشگوئی اس کا بیان بھی ہے سو تو (اے پڑھنے والے اس کتاب کے) اس بارے میں شک کرنے والوں سے مت ہو☆ پھر

☆ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ پہلی کتابوں میں اور نیز انجیل میں بھی تحویل قبلہ کے بارے میں بطور پیشگوئی اشارات ہو چکے ہیں۔ دیکھو یوحنا ۴۔۲۱۔۲۴ یسوع نے اُس سے کہا کہ اے عورت میری بات کو یقین رکھ وہ گھڑی آتی ہے کہ جس میں تم نہ اِس پہاڑ پر اور نہ یروشلم میں باپ کی پرستش کروگے۔

[1] البقرة: ۱۴۸

اس آیت کے آگے بھی اسی مضمون کے متعلق آیتیں ہیں چنانچہ فرماتا ہے وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۖ وَإِنَّهُ لَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ [1] یعنی ہر ایک طرف سے جو تو نکلے تو خانہ کعبہ کی ہی طرف نماز پڑھ یہی تیرے ربّ کی طرف سے حق ہے غرض صاف ظاہر ہے کہ یہ تمام آیات خانہ کعبہ کے بارے میں ہیں نہ کسی اور تذکرہ کے متعلق اور چونکہ یہ حکم جو خانہ کعبہ کی طرف نماز پڑھنے کے لئے صادر ہوا ایک عام حکم ہے جس میں سب مسلمان داخل ہیں لہٰذا بوجہ عموم منشاء حکم بعض وسوسے والی طبیعتوں کا وسوسہ دور کرنے کے لئے ان آیات میں اُن کو تسلی دی گئی کہ اس بات سے متردد نہ ہوں کہ پہلے بیت المقدس کی طرف نماز پڑھتے پڑھتے اب اُس طرف سے ہٹ کر خانہ کعبہ کی طرف نماز پڑھنا کیوں شروع کر دیا سو فرمایا کہ یہ کوئی نئی بات نہیں بلکہ یہ وہی مقرر شدہ بات ہے جس کو خدائے تعالیٰ نے اپنے پہلے نبیوں کے ذریعے سے پہلے ہی سے بتلا رکھا تھا اس میں شک مت کرو۔

دوسری آیت جو معترض نے بتائید دعویٰ خود تحریر کی ہے وہ سورہ انعام کی ایک آیت ہے جو معہ اپنی آیات متعلقہ کے اس طرح پر ہے أَفَغَيْرَ اللَّهِ أَبْتَغِي حَكَمًا وَهُوَ الَّذِي أَنْزَلَ إِلَيْكُمُ الْكِتَابَ مُفَصَّلًا ۚ وَالَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَعْلَمُونَ أَنَّهُ مُنَزَّلٌ مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِينَ [2] یعنی کیا بجز خدا کے میں کوئی اور حَکَم طلب کروں اور وہ وہی ہے جس نے مفصل کتاب تم پر اُتاری اور جن لوگوں کو ہم نے کتاب یعنی قرآن دیا ہے مراد یہ ہے کہ جن کو ہم نے علمِ قرآن سمجھایا ہے وہ خوب جانتے ہیں کہ وہ منجانب اللہ ہے سو اے پڑھنے والے تو شک کرنے والوں میں سے مت ہو۔

﴿۳﴾

اب اِن آیات پر نظر ڈالنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مخاطب اس آیت کے جو فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِينَ ہے ایسے لوگ ہیں جو ہنوز یقین اور ایمان اور علم سے

[1] البقرۃ: ۱۵۰ [2] الانعام: ۱۱۵

کم حصہ رکھتے ہیں بلکہ اوپر کی آیتوں سے یہ بھی کھلتا ہے کہ اِس جگہ یہ حکم فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ کا پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے جس کا قرآن شریف میں ذکر کیا گیا ہے کیونکہ شروع کی آیت میں جس سے یہ آیت تعلق رکھتی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی قول ہے یعنی یہ کہ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِيْ حَكَمًا سو اِن تمام آیات کا با محاورہ ترجمہ یہ ہے کہ میں بجز خدائے تعالیٰ کے کوئی اور حَکَم جو مجھ میں اور تم میں فیصلہ کرے مقرر نہیں کر سکتا وہ وہی ہے جس نے تم پر مفصل کتاب نازل کی سو جن کو اس کتاب کا علم دیا گیا ہے وہ اس کا منجانب اللہ ہونا خوب جانتے ہیں سو تو (اے بے خبر آدمی) شک کرنے والوں میں سے مت ہو۔

اب تحقیق سے ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود شک نہیں کرتے بلکہ شک کرنے والوں کو بحوالہ شواہد و دلائل منع فرماتے ہیں پس باوجود ایسے کھلے کھلے بیان کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف شک فی الرسالت کو منسوب کرنا بے خبری و بے علمی یا محض تعصب نہیں تو کیا ہے۔

پھر اگر کسی کے دل میں یہ خیال پیدا ہو کہ اگر شک کرنے سے بعض ایسے نَومسلم یا متردّد منع کئے گئے تھے جو ضعیف الایمان تھے تو اُن کو یوں کہنا چاہیے تھا کہ تم شک مت کرو نہ یہ کہ تو شک مت کر کیونکہ ضعیف الایمان آدمی صرف ایک ہی نہیں ہوتا بلکہ کئی ہوتے ہیں بجائے جمع کے واحد مخاطب کا صیغہ کیوں استعمال کیا گیا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس وحدت سے وحدت جنسی مراد ہے جو جماعت کا حکم رکھتی ہے اگر تم اوّل سے آخر تک قرآن شریف کو پڑھو تو یہ عام محاورہ اُس میں پاؤ گے کہ وہ اکثر مقامات میں جماعت کو فرد واحد کی صورت میں مخاطب کرتا ہے مثلاً نمونہ کے طور پر اِن آیات کو دیکھو۔ لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَقْعُدَ مَذْمُوْمًا مَّخْذُوْلًا ۔ وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّاۤ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ

﴿۴﴾ اِحْسَانًا ؕ اِمَّا یَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَاۤ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَاۤ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ـ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ـ [1]

یعنی خدائے تعالیٰ کے ساتھ کوئی دوسرا خدا مت ٹھہرا اگر تو نے ایسا کیا تو مذموم اور مخذول ہو کر بیٹھے گا۔ اور تیرے خدا نے یہی چاہا ہے کہ تم اسی کی بندگی کرو اُس کے سوا کوئی اور دوسرا تمہارا معبود نہ ہو اور ماں باپ سے احسان کر اگر وہ دونو یا ایک اُن میں سے تیرے سامنے بڑی عمر تک پہنچ جائیں تو تُو اُن کو اُف نہ کر اور نہ اُن کو جھڑک بلکہ اُن سے ایسی باتیں کہہ کہ جن میں اُن کی بزرگی اور عظمت پائی جائے اور تذلل اور رحمت سے ان کے سامنے اپنا بازو جھکا اور دعا کر کہ اے میرے ربّ تو ان پر رحم کر جیسا اُنہوں نے میرے بچپن کے زمانے میں میری پرورش کی۔

اب دیکھو کہ ان آیات میں یہ ہدایت ظاہر ہے کہ یہ واحد کا خطاب جماعت اُمت کی طرف ہے جن کو بعض دفعہ انہیں آیتوں میں تم کر کے بھی پکارا گیا ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان آیات میں مخاطب نہیں کیونکہ ان آیتوں میں والدین کی تعظیم و تکریم اور اُن کی نسبت برّ و احسان کا حکم ہے اور ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین تو صغیر سنی کے زمانے میں بلکہ جناب ممدوح کی شیر خوارگی کے وقت میں ہی فوت ہو چکے تھے سو اس جگہ سے اور نیز ایسے اور مقامات سے بوضاحت ثابت ہوتا ہے کہ جماعت کو واحد کے طور پر مخاطب کر کے پکارنا یہ قرآن شریف کا ایک عام محاورہ ہے کہ جو ابتدا سے آخر تک جا بجا ثابت ہوتا چلا جاتا ہے۔ یہی محاورہ توریت کے احکام میں بھی پایا جاتا ہے کہ واحد مخاطب کے لفظ سے حکم صادر کیا جاتا ہے اور مراد بنی اسرائیل کی جماعت ہوتی ہے جیسا کہ خروج باب ۳۳، ۳۴ میں بظاہر حضرت موسیٰؑ کو مخاطب کر کے فرمایا

[1] بنی اسرآءیل: ۲۳ تا ۲۵

ہے۔(۱۱) آج کے دن میں جو حکم تجھے کرتا ہوں تو اُسے یادرکھیو۔(۱۲) ہوشیار رہ تا نہ ہووے کہ اُس زمین کے باشندوں کے ساتھ جس میں تو جاتا ہے کچھ عہد باندھے۔ (۱۷) تو اپنے لئے ڈھالے ہوئے معبودوں کو مت بنائیو۔

اب ان آیات کا سیاق سباق دیکھنے سے صاف ظاہر ہے کہ اگرچہ ان آیات میں حضرت موسیٰؑ مخاطب کئے گئے تھے مگر دراصل حضرت موسیٰؑ کو اِن احکام کا نشانہ نہیں بنایا گیا۔ حضرت موسیٰؑ نہ کنعان میں گئے اور نہ بت پرستی جیسا بُرا کام حضرت موسیٰؑ جیسے مردِ خدا بت شکن سے ہوسکتا تھا جس سے ان کو منع کیا جاتا کیونکہ موسیٰؑ وہ مقربُ اللہ ہے جس کی شان میں اسی باب میں خدائے تعالیٰ فرماتا ہے کہ ’’تو میری نظر میں منظور ہے اور میں تجھ کو بنام پہچانتا ہوں‘‘۔ دیکھو خروج (باب ۳۳) آیت (۱۷)۔

﴿۵﴾ سو یاد رکھنا چاہیے کہ یہی طرز قرآن شریف کی ہے توریت اور قرآن شریف میں اکثر احکام اسی شکل سے واقعہ ہیں کہ گویا مخاطب اُن کے حضرت موسیٰؑ اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں مگر دراصل وہ خطاب قوم اور اُمت کے لوگوں کی طرف ہوتا ہے لیکن جس کو ان کتابوں کی طرز تحریر معلوم نہیں۔ وہ اپنی بے خبری سے یہی خیال کر لیتا ہے کہ گویا وہ خطاب وعتاب نبی منزل علیہ کو ہو رہا ہے مگر غور اور قرائن پر نظر ڈالنے سے اُس پر کھل جاتا ہے کہ یہ سراسر غلطی ہے۔

پھر یہ اعتراض اُن آیات پر نظر ڈالنے سے بھی بکلّی مستاصل ہوتا ہے جن میں اللہ جلّ شانہٗ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے یقین کامل کی تعریف کی ہے جیسا کہ وہ ایک جگہ فرماتا ہے۔ قُلْ اِنِّیْ عَلٰی بَیِّنَۃٍ مِّنْ رَّبِّیْ [1] نمبر ۷ یعنی کہہ کہ مجھے اپنی رسالت پر کھلی کھلی دلیل اپنے ربّ کی طرف سے ملی ہے اور پھر دوسری جگہ فرماتا ہے قُلْ ھٰذِہٖ سَبِیْلِیْٓ

[1] الانعام: ۵۸

اَدۡعُوۡۤا اِلَی اللّٰہِ ۟ؔ عَلٰی بَصِیۡرَۃٍ[1] نمبر۱۳ یعنی کہہ کہ یہ میری راہ ہے میں اللہ کی طرف بصیرت کاملہ کے ساتھ بُلاتا ہوں اور پھر ایک جگہ فرماتا ہے وَاَنۡزَلَ اللّٰہُ عَلَیۡکَ الۡکِتٰبَ وَالۡحِکۡمَۃَ وَعَلَّمَکَ مَا لَمۡ تَکُنۡ تَعۡلَمُ ؕ وَکَانَ فَضۡلُ اللّٰہِ عَلَیۡکَ عَظِیۡمًا[2] نمبر۵ یعنی خدا نے تجھ پر کتاب اُتاری اور حکمت یعنی دلائل حقیت کتاب و حقیت رسالت تجھ پر ظاہر کئے اور تجھے وہ علوم سکھائے جنہیں تو خود بخود جان نہیں سکتا تھا اور تجھ پر اُس کا ایک عظیم فضل ہے پھر سورہ نجم میں فرماتا ہے مَا کَذَبَ الۡفُؤَادُ مَا رَاٰی[3] مَا زَاغَ الۡبَصَرُ وَمَا طَغٰی. لَقَدۡ رَاٰی مِنۡ اٰیٰتِ رَبِّہِ الۡکُبۡرٰی۔[4] یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دل نے جو اپنی صداقت کے آسمانی نشان دیکھے تو اُس کی کچھ تکذیب نہ کی یعنی شک نہیں کیا اور آنکھ چپ وراست کی طرف نہیں پھیری اور نہ حد سے آگے بڑھی یعنی حق پر ٹھہر گئی اور اس نے اپنے خدا کے وہ نشان دیکھے جو نہایت بزرگ تھے۔

اب اے ناظرین ذرا انصافاً دیکھو اے حق پسندو ذرا منصفانہ نگہ سے غور کرو کہ خدائے تعالیٰ کیسے صاف صاف طور پر بشارت دیتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بصیرتِ کاملہ کے ساتھ اپنی نبوت پر یقین تھا اور عظیم الشان نشان ان کو دکھلائے گئے تھے۔

اب خلاصہ جواب یہ ہے کہ تمام قرآن شریف میں ایک نقطہ یا ایک شعشہ اس بات پر دلالت کرنے والا نہیں پاؤ گے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی نبوت یا قرآن شریف کے منجانب اللہ ہونے کی نسبت کچھ شک تھا بلکہ یقینی اور قطعی بات ہے کہ جس قدر یقین کامل و بصیرت کامل و معرفت اکمل کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات بابرکات کی نسبت دعویٰ کیا ہے اور پھر اُس کا ثبوت دیا ہے ایسا کامل ثبوت کسی دوسری موجودہ کتاب میں ہرگز نہیں پایا جاتا۔ فَھَلۡ مَنۡ یَّسۡمَعُ فَیُؤۡمِنُ بِاللّٰہِ وَرَسُوۡلِہٖ مُحَمَّدٍ

﴿۶﴾

[1] یوسف: ۱۰۹ [2] النّسآء: ۱۱۴ [3] النجم: ۱۲ [4] النجم: ۱۸،۱۹

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَیَکُوْنُ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ الْمُخْلِصِیْنَ۔ واضح رہے کہ انجیلوں☆ میں حضرت مسیح کے بعض اقوال ایسے بیان کئے گئے ہیں جن پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مسیحؑ اپنی عمر کے آخری دنوں میں اپنی نبوت اور اپنے مؤیّد من اللہ ہونے کی نسبت کچھ شبہات میں پڑ گئے تھے جیسا کہ یہ کلمہ کہ گویا آخری دم کا کلمہ تھا یعنی ایلی ایلی لماسبقتنی جس کے معنی یہ ہیں کہ اے میرے خدا، اے میرے خدا تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا۔ عین دنیا سے رخصت ہونے کے وقت میں کہ جو اہل اللہ کے یقین اور ایمان کے انوار ظاہر ہونے کا وقت ہوتا ہے آنجناب کے منہ سے نکل گیا۔ پھر آپ کا یہ بھی طریق تھا کہ دشمنوں کے بدارادہ کا احساس کر کے اُس جگہ سے بھاگ جایا کرتے تھے حالانکہ خدائے تعالیٰ سے محفوظ رہنے کا وعدہ پا چکے تھے۔ ان دونوں امور سے شک اور تحیر ظاہر ہے پھر آپ کا تمام رات رو رو کر ایسے امر کے لئے دعا کرنا جس کا انجام بد آپ کو پہلے سے معلوم تھا بجز اس کے کیا معنی رکھتا ہے کہ ہر ایک بات میں آپ کو شک ہی شک تھا۔ یہ باتیں صرف عیسائیوں کے اس اعتراض اُٹھانے کی غرض سے لکھی گئی ہیں ورنہ ان سوالات کا جواب ہم تو اَحسن طریق سے دے سکتے ہیں اور اپنے پیارے مسیح کے سر سے جو بشری ناتوانیوں اور ضعفوں سے مستثنیٰ نہیں تھے ان تمام الزامات کو صرف ایک نفی الوہیت وابنیت سے ایک طرفۃ العین میں اُٹھا سکتے ہیں مگر ہمارے عیسائی بھائیوں کو بہت دقت پیش آئے گی۔

دوسرے سوال کا جواب

پوشیدہ نہ رہے کہ ان دونوں آیتوں سے معترض کا مدعا جو استدلال بر نفی معجزات ہے،

☆ یہ شبہات چاروں انجیلوں سے پیدا ہوتے ہیں خاص کر انجیل متی تو اول درجہ کی شبہ اندازی میں ہے۔

ہرگز ثابت نہیں ہوتا بلکہ برخلاف اس کے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ضرور ایسے معجزات ظہور پذیر ہوتے رہے ہیں کہ جو ایک صادق و کامل نبی سے ہونے چاہئیں۔ چنانچہ تصریح اس کی نیچے کے بیانات سے بخوبی ہو جائے گی۔ ﴿۷﴾

پہلی آیت جس کا ترجمہ معترض نے اپنے دعویٰ کی تائید کیلئے عبارات متعلقہ سے کاٹ کر پیش کر دیا ہے مع اس ساتھ کی دوسری آیتوں کے جن سے مطلب کھلتا ہے، یہ ہے۔

وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيٰتٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ۔ اَوَلَمْ يَكْفِهِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَرَحْمَةً وَّذِكْرٰى لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ۔[1] .... وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ ؕ وَلَوْلَآ اَجَلٌ مُّسَمًّى لَّجَآءَهُمُ الْعَذَابُ ؕ وَلَيَاْتِيَنَّهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ۔[2]

یعنی کہتے ہیں کیوں نہ اُتریں اس پر نشانیاں کہ وہ نشانیاں (جو تم مانگتے ہو یعنی عذاب کی نشانیاں) وہ تو خدائے تعالیٰ کے پاس اور خاص اس کے اختیار میں ہیں اور میں تو صرف ڈرانے والا ہوں۔ یعنی میرا کام فقط یہ ہے کہ عذاب کے دن سے ڈراؤں نہ یہ کہ اپنی طرف سے عذاب نازل کروں اور پھر فرمایا کہ کیا ان لوگوں کیلئے (جو اپنے پر کوئی عذاب کی نشانی وارد کرانی چاہتے ہیں) یہ رحمت کی نشانی کافی نہیں جو ہم نے تجھ پر (اے رسول اُمّی) وہ کتاب (جو جامع کمالات ہے) نازل کی جو اُن پر پڑھی جاتی ہے یعنی قرآن شریف جو ایک رحمت کا نشان ہے۔ جس سے درحقیقت وہی مطلب نکلتا ہے جو کفّار عذاب کے نشانوں سے پورا کرنا چاہتے ہیں کیونکہ کفّار مکہ اس غرض سے عذاب کا نشان مانگتے تھے کہ تا وہ ان پر وارد ہو کر انہیں حق الیقین تک پہنچا دے۔ صرف دیکھنے کی چیز نہ رہے کیونکہ مجرد رؤیت کے نشانوں میں ان کو دھوکے کا احتمال تھا اور چشم بندی وغیرہ کا خیال سو اس

[1] العنکبوت: ۵۱، ۵۲ [2] العنکبوت: ۵۴

وہم اور اضطراب کے دور کرنے کے لئے فرمایا کہ ایسا ہی نشان چاہتے ہو جو تمہارے وجودوں پر وارد ہو جائے تو پھر عذاب کے نشان کی کیا حاجت ہے؟ کیا اس مدّعا کے حاصل کرنے کے لئے رحمت کا نشان کافی نہیں؟ یعنی قرآن شریف جو تمہاری آنکھوں کو اپنی پُر نور اور تیز شعاعوں سے خیرہ کر رہا ہے اور اپنی ذاتی خوبیاں اور اپنے حقائق اور معارف اور اپنے فوق العادت خواص اس قدر دکھلا رہا ہے جس کے مقابلہ و معارضہ سے تم عاجز رہ گئے ہو اور تم پر اور تمہاری قوم پر ایک خارق عادت اثر ڈال رہا ہے☆ اور دلوں پر وارد ہو کر عجیب در عجیب تبدیلیاں دکھلا رہا ہے۔ مدت ہائے دراز کے مردے اس سے زندہ ﴿۸﴾

☆ **حاشیہ** ﴿۷﴾ یہ تمام خارق عادت خاصیتیں قرآن شریف کی، جن کی رو سے وہ معجزہ کہلاتا ہے ان مفصلہ ذیل سورتوں میں بہ تفصیل ذیل لکھتے ہیں۔ سورۃ البقر، سورۃ اٰل عمران، ﴿۸﴾ سورۃ النساء، سورۃ المائدہ، سورۃ الانعام، سورۃ الاعراف، سورۃ الانفال، سورۃ التوبۃ، سورۃ یونس، سورۃ ھود، سورۃ الرعد، سورۃ ابراھیم، سورۃ الحجر، سورۃ الواقعہ، سورۃ النمل، سورۃ الحج، سورۃ البیّنہ، سورۃ المجادلۃ چنانچہ بطور نمونہ چند آیات یہ ہیں فرماتا ہے عزّوجلّ۔

یَهْدِیْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَیُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ[1] شِفَآءٌ لِّمَا فِی الصُّدُوْرِ[2] اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْیَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا[3] اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَالَتْ اَوْدِیَةٌۢ بِقَدَرِهَا[4] اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَتُصْبِحُ الْاَرْضُ مُخْضَرَّةً[5] تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِیْنَ یَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ثُمَّ تَلِیْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ[6] اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَىِٕنُّ الْقُلُوْبُ[7] اُولٰٓىِٕكَ كَتَبَ فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْاِیْمَانَ وَاَیَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ[8] قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ لِیُثَبِّتَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِیْنَ[9] اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ[10] فِیْهَا كُتُبٌ قَیِّمَةٌ[11] قُلْ لَّىِٕنِ

[1] المائدۃ:۱۷ [2] یونس:۵۸ [3] النحل:۶۶ [4] الرعد:۱۸ [5] الحج: ۶۴ [6] الزمر:۲۴ [7] الرعد:۲۹
[8] المجادلۃ:۲۳ [9] النحل:۱۰۳ [10] الحجر:۱۰ [11] البینۃ:۴

﴿۹﴾

ہوتے چلے جاتے ہیں اور مادرزاد اندھے جو بے شمار پشتوں سے اندھے ہی چلے آتے تھے۔ آنکھیں کھول رہے ہیں اور کفر اور الحاد کی طرح طرح کی بیماریاں اس سے اچھی ہوتی چلی جاتی ہیں اور تعصب کے سخت جذامی اس سے صاف ہوتے جاتے ہیں۔ اس سے نور ملتا ہے اور ظلمت دُور ہوتی ہے اور وصل الٰہی میسر آتا ہے اور اس کی علامات پیدا ہوتی ہیں۔ سوتم کیوں اس رحمت کے نشان کو چھوڑ کر جو ہمیشہ کی زندگی بخشتا ہے عذاب اور موت کا نشان مانگتے ہو؟ پھر بعد اس کے فرمایا کہ یہ قوم تو جلدی سے عذاب ہی مانگتی ہے۔ رحمت کے نشانوں سے فائدہ اُٹھانا نہیں چاہتی۔ اُن کو کہہ دے کہ اگر یہ بات نہ ہوتی کہ عذاب کی نشانیاں وابستہ باوقات ہوتی ہیں تو یہ عذابی نشانیاں بھی کب کی نازل ہوگئی ہوتیں اور

ترجمہ

اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓی اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِیْرًا[1] یعنی قرآن کے ذریعہ سے سلامتی کی راہوں کی ہدایت ملتی ہے اور لوگ ظلمت سے نور کی طرف نکالے جاتے ہیں وہ ہر ایک اندرونی بیماری کو اچھا کرتا ہے۔ خدا نے ایک ایسا پانی اُتارا ہے جس سے مردہ زمین زندہ ہو رہی ہے ایسا پانی اُتارا جس سے ہر ایک وادی میں بقدر اپنی وسعت کے بہہ نکلا ہے۔ ایسا پانی اُتارا جس سے گلی سڑی ہوئی زمین سرسبز ہوگئی۔ اس سے خدا خوف بندوں کی جلدیں کانپتی ہیں۔ پھر ان کی جلدیں اور ان کے دل ذکر الٰہی کیلئے نرم ہو جاتے ہیں۔ یاد رکھو کہ قرآن سے دل اطمینان پکڑتے ہیں جو لوگ قرآن کے تابع ہو جائیں اُن کے دلوں میں ایمان لکھا جاتا ہے اور روح القدس انہیں ملتا ہے۔ روح القدس نے ہی قرآن کو اُتارا تا قرآن ایمانداروں کے دلوں کو مضبوط کرے اور مسلمین کیلئے ہدایت اور بشارت کا نشان ہو۔ ہم نے ہی قرآن کو اُتارا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں، یعنی کیا صورت کے لحاظ سے اور کیا خاصیت کے لحاظ سے ہمیشہ قرآن اپنی حالت اصلی پر رہے گا اور الٰہی حفاظت کا اس پر سایہ ہوگا۔ پھر فرمایا کہ قرآن میں تمام معارف وحقائق وصداقتیں ہیں جو حقّانی کتابوں میں پائی جاتی ہیں۔ اور اس کی مثل بنانے پر کوئی انسان وجن قادر نہیں اگرچہ اس کام کیلئے باہم مددومعاون ہو جائیں۔

[1] بنی اسراءیل:۸۹

عذاب ضرور آئے گا اور ایسے وقت میں آئے گا کہ ان کو خبر بھی نہیں ہوگی۔

اب انصاف سے دیکھو! کہ اس آیت میں کہاں معجزات کا انکار پایا جاتا ہے یہ آیتیں تو بآواز بلند پکار رہی ہیں کہ کفّار نے ہلاکت اور عذاب کا نشان مانگا تھا۔ سو اوّل انہیں کہا گیا کہ دیکھو تم میں زندگی بخش نشان موجود ہے یعنی قرآن جو تم پر وارد ہو کر تمہیں ہلاک کرنا نہیں چاہتا بلکہ ہمیشہ کی حیات بخشتا ہے مگر جب عذاب کا نشان تم پر وارد ہوا تو وہ تمہیں ہلاک کرے گا۔ پس کیوں تم ناحق اپنا مرنا ہی چاہتے ہو اور اگر تم عذاب ہی مانگتے ہو تو یاد رکھو کہ وہ بھی جلد آئے گا۔ پس اللہ جل شانہٗ نے ان آیات میں عذاب کے نشان کا وعدہ دیا اور قرآن شریف میں جو رحمت کے نشان ہیں اور دلوں پر وارد ہو کر اپنا خارق عادت اثر ان پر ظاہر کرتے ہیں ان کی طرف توجہ دلائی۔ پر معترض کا یہ گمان کہ اس آیت میں **لا** **نافیہ** جنس معجزات کی نفی پر دلالت کرتا ہے۔ جس سے کل معجزات کی نفی لازم آتی ہے۔ محض صَرف و نحو سے ناواقفیت کی وجہ سے ہے۔ یاد رکھنا چاہیے کہ نفی کا اثر اُسی حد تک محدود ہوتا ہے جو متکلّم کے ارادہ میں متعین ہوتی ہے۔ خواہ وہ ارادہ تصریحاً بیان کیا گیا ہو یا اشارۃً۔ مثلاً کوئی کہے کہ اب سردی کا نام و نشان باقی نہیں رہا، تو ظاہر ہے کہ اس نے اپنے بلدہ کی حالت موجودہ کے موافق کہا ہے اور گو اس نے بظاہر اپنے شہر کا نام بھی نہیں لیا مگر اس کے کلام سے یہ سمجھنا کہ اس کا یہ دعویٰ ہے کہ کل کوہستانی ملکوں سے بھی سردی جاتی رہی اور سب جگہ سخت اور تیز دھوپ پڑنے لگی اور اس کی دلیل یہ پیش کرنا کہ جس **لا** کو اس نے استعمال کیا ہے وہ نفی جنس کا **لا** ہے۔ جس کا تمام جہان پر اثر پڑنا چاہئے، درست نہیں۔ مکّہ کے مغلوب بُت پرست جنہوں نے آخر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور آنجناب کے معجزات کو معجزہ کر کے مان لیا اور جو کفر کے زمانہ میں بھی صرف خشک منکر نہیں تھے بلکہ ﴿۱۰﴾

روم اور ایران میں بھی جا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو **متعجبانہ** خیال سے ساحر مشہور کرتے تھے اور گو بے جا پیرایوں میں ہی سہی، مگر نشانوں کا اقرار کرلیا کرتے تھے۔ جن کے اقرار قرآن شریف میں موجود ہیں۔ وہ اپنے ضعیف اور کمزور کلام میں جو انوار ساطعہ نبوت محمدیہ کے نیچے دبے ہوئے تھے کیوں **لا** نافیہ استعمال کرنے لگے۔ اگر ان کو ایسا ہی لمبا چوڑا انکار ہوتا تو وہ بالآخر نہایت درجہ کے یقین سے جو انہوں نے اپنے خونوں کے بہانے اور اپنی جانوں کے فدا کرنے سے ثابت کر دیا تھا مشرف بالاسلام کیوں ہو جاتے؟ اور کفر کے ایام میں جو اُن کے بار بار کلمات قرآن شریف میں درج ہیں وہ یہی ہیں کہ وہ اپنی کوتہ بینی کے دھوکہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام **ساحر** رکھتے تھے۔ جیسا کہ اللہ جلّ شانہٗ فرماتا ہے وَاِنۡ یَّرَوۡا اٰیَۃً یُّعۡرِضُوۡا وَیَقُوۡلُوۡا سِحۡرٌ مُّسۡتَمِرٌّ [1] یعنی جب کوئی نشان دیکھتے ہیں تو منہ پھیر لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ پکا جادو ہے۔ پھر دوسری جگہ فرماتا ہے وَعَجِبُوۡۤا اَنۡ جَآءَہُمۡ مُّنۡذِرٌ مِّنۡہُمۡ ۫ وَقَالَ الۡکٰفِرُوۡنَ ہٰذَا سٰحِرٌ کَذَّابٌ [2] یعنی انہوں نے اس بات سے تعجب کیا کہ انہیں میں سے ایک شخص اُن کی طرف بھیجا گیا اور بے ایمانوں نے کہا کہ یہ تو جادوگر کذّاب ہے۔ اب ظاہر ہے کہ جبکہ وہ نشانوں کو دیکھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جادوگر کہتے تھے اور پھر اس کے بعد انہیں نشانوں کو معجزہ کر کے مان بھی لیا اور جزیرہ کا جزیرہ مسلمان ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاک معجزات کا ہمیشہ کیلئے سچے دل سے گواہ بن گیا تو پھر ایسے لوگوں سے کیونکر ممکن ہے کہ وہ عام طور پر نشانوں سے صاف منکر ہو جاتے اور انکار معجزات میں ایسا **لا** نافیہ استعمال کرتے جو اُن کی حدّ حوصلہ سے باہر اور ان کی مستمر رائے سے بعید تھا بلکہ قرائن سے آفتاب کی طرح ظاہر ہے کہ جس جس جگہ پر قرآن شریف میں کفّار کی طرف سے یہ اعتراض لکھا گیا

[1] القمر: ۳ [2] صٓ: ۵

ہے کہ کیوں اس پیغمبر پر کوئی نشانی نہیں اُتری؟ ساتھ ہی یہ بھی بتلا دیا گیا ہے کہ اُن کا مطلب یہ ہے کہ جونشانیاں ہم مانگتے ہیں۔اُن میں سے کوئی نشانی کیوں نہیں اُترتی۔ ☆

☆ واضح ہو کہ قرآن شریف میں نشان مانگنے کے سوالات کفّار کی طرف سے صرف ایک دو جگہ نہیں بلکہ کئی مقامات میں یہی سوال کیا گیا ہے اوران سب مقامات کو بنظر یکجائی دیکھنے سے ثابت ہوتا ہے کہ کفّارِ مکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تین قسم کے نشان مانگا کرتے تھے۔ ﴿۱۰﴾ ﴿۱۱﴾ حاشیہ

(۱) وہ نشان جو عذاب کی صورت میں فقط اپنے اقتراح سے کفّارِ مکّہ نے طلب کئے تھے۔

(۲) دوسرے وہ نشان جو عذاب کی صورت میں یا مقدمہ عذاب کی صورت میں پہلی اُمتوں پر وارد کئے گئے تھے۔

(۳) تیسرے وہ نشان جس سے پردہ غیبی بکلّی اُٹھ جائے، جس کا اُٹھ جانا ایمان بالغیب کے بکلّی برخلاف ہے۔سو عذاب کے نشان ظاہر ہونے کے لئے جو سوال کئے گئے ہیں ان کا جواب تو قرآن شریف میں یہی دیا گیا ہے کہ تم منتظر رہو، عذاب نازل ہوگا۔ہاں ایسی صورت کا عذاب نازل کرنے سے انکار کیا گیا ہے جس کی پہلے تکذیب ہوچکی ہے تاہم عذاب نازل ہونے کا وعدہ دیا گیا ہے جو آخر غزوات کے ذریعہ سے پورا ہوگیا لیکن تیسری قسم کا نشان دکھلانے سے بکلّی انکار کیا گیا ہے اور خود ظاہر ہے کہ ایسے سوال کا جواب انکار ہی تھا نہ اور کچھ۔ کیونکہ کفار کہتے تھے کہ ہم تب ایمان لائیں گے کہ جب ہم ایسا نشان دیکھیں کہ زمین سے آسمان تک ایک نردبان رکھی جائے اور تو ہمارے دیکھتے دیکھتے اس نردبان کے ذریعہ سے زمین سے آسمان پر چڑھ جائے اور فقط تیرا آسمان پر چڑھنا ہم ہرگز قبول نہیں کریں گے جب تک آسمان سے ایک ایسی کتاب نہ لاوے جس کو ہم پڑھ لیں اور پڑھیں بھی اپنے ہاتھ میں لے کر۔ یا تو ایسا کر کہ مکّہ کی زمین میں جو ہمیشہ پانی کی تکلیف رہتی ہے۔شام اور عراق کے ملک کی طرح نہریں جاری ہو جائیں اور جس قدر ابتدا دنیا سے آج تک ہمارے بزرگ مر چکے ہیں، سب زندہ ہوکر آجائیں اور اس میں قصی بن کلاب بھی ہو کیونکہ وہ بڈھا ہمیشہ سچ بولتا تھا۔اس سے ہم پوچھیں گے کہ تیرا دعویٰ حق ہے یا باطل؟ یہ سخت سخت خود تراشیدہ نشان تھے جو وہ مانگتے تھے

اب قصہ کوتاہ یہ کہ آپ نے آیت متذکرہ بالا کے **لا** نافیہ کو قرائن کی حد سے زیادہ کھینچ دیا ہے ایسا **لا** نافیہ عربوں کے کبھی خواب میں بھی نہیں آیا ہوگا۔ ان کے دل تو ﴿۱۱﴾ اسلام کی حقیت سے بھرے ہوئے تھے۔ تب ہی تو سب کے سب بجز معدودے چند کہ جو ﴿۱۲﴾ اس عذاب کو پہنچ گئے تھے جس کا اُن کو وعدہ دیا گیا تھا بالآخر مشرف بالاسلام ہو گئے تھے

بقیہ حاشیہ

اور پھر بھی نہ صاف طور پر بلکہ شرط پر شرط لگانے سے جن کا ذکر قرآن شریف میں جا بجا آیا ہے۔ پس سوچنے والے کیلئے عرب کے شریروں کی ایسی درخواستیں ہمارے سیّد و مولیٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات ظاہرہ و آیات بینہ و رسولانہ ہیئت پر صاف اور کھلی کھلی دلیل ہے۔ خدا جانے ان دل کے اندھوں کو ہمارے مولیٰ و آقا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے انوار صداقت نے کس درجہ تک عاجز و تنگ کر رکھا تھا اور کیا کچھ آسمانی تائیدات و برکات کی بارشیں ہو رہی تھیں کہ جن سے خیرہ ہو کر اور جن کی ہیئت سے منہ پھیر کر سراسر ٹالنے اور بھاگنے کی غرض سے ایسی دور از صواب درخواستیں پیش کرتے تھے۔ ظاہر ہے کہ اس قسم کے معجزات کا دکھلانا ایمان بالغیب کی حد سے باہر ہے۔ یوں تو اللہ جلشانہٗ قادر ہے کہ زمین سے آسمان تک زینہ رکھ دیوے۔ جس کو سب لوگ دیکھ لیویں اور دو چار ہزار کیا دو چار کروڑ آدمیوں کو زندہ کر کے ﴿۱۲﴾ ان کے منہ سے اُن کی اولاد کے سامنے صدق نبوت کی گواہی دلا دیوے۔ یہ سب کچھ وہ کر سکتا ہے مگر ذرا سوچ کر دیکھو کہ اس انکشاف تام سے ایمان بالغیب جو مدار ثواب اور اجر ہے دور ہو جاتا ہے اور دنیا نمونہ محشر ہو جاتی ہے۔ پس جس طرح قیامت کے میدان میں جو انکشاف تام کا وقت ہوگا ایمان کام نہیں آتا۔ اِسی طرح اس انکشاف تام سے بھی ایمان لانا کچھ مفید نہیں بلکہ ایمان اسی حد تک ایمان کہلاتا ہے کہ جب کچھ اخفا بھی باقی رہے جب سارے پردے کھل گئے تو پھر ایمان ایمان نہیں رہتا اسی وجہ سے سارے نبی ایمان بالغیب کی رعایت سے معجزے دکھلاتے رہے ہیں کبھی کسی نبی نے ایسا نہیں کیا کہ ایک شہر کا شہر زندہ کر کے ان سے اپنی نبوت کی گواہی دلاوے یا آسمان تک نردبان رکھ کر اور سب کے روبرو چڑھ کر تمام دنیا کو تماشا دکھلاوے۔

اور یاد رہے کہ ایسا لا نافیہ حضرت مسیح کے کلام میں بھی پایا جاتا ہے اور وہ یہ ہے۔ فریسیوں نے مسیح کے نشانات طلب کئے اُس نے آہ کھینچ کر کہا کہ اس زمانہ کے لوگ کیوں نشان چاہتے ہیں میں تم سے سچ کہتا ہوں اِس زمانہ کے لوگوں کو کوئی نشان نہیں دیا جائے گا۔ دیکھو مرقس ۸ باب ۱۱۔

اب دیکھو کیسا حضرت مسیح نے صفائی سے انکار کر دیا ہے اگر غور فرمائیں تو آپ کا اعتراض اس اعتراض کے آگے کچھ بھی چیز نہیں کیونکہ آپ نے فقط کفار کا انکار پیش کیا اور وہ بھی نہ عام انکار بلکہ خاص نشانات کے بارے میں اور ظاہر ہے کہ دشمن کا انکار بکلّی قابل اطمینان نہیں ہوتا کیونکہ دشمن خلاف واقعہ بھی کہہ جاتا ہے مگر حضرت مسیح تو آپ اپنے مُنہ سے معجزات کے دکھلانے سے انکار کر رہے ہیں اور نفی صدور معجزات کو زمانہ کے ساتھ متعلق کر دیا ہے اور فرماتے ہیں کہ اس زمانے کے لوگوں کو کوئی نشان دیا نہ جائے گا پس اس سے بڑھ کر انکار معجزات کے بارے میں اور کون سا بیان واضح ہو سکتا ہے اور اس **لا** نافیہ سے بڑھ کر اور کونسا لا نافیہ ہوگا۔

پھر دوسری آیت کا ترجمہ پیش کیا گیا ہے۔ اس میں بھی سیاق سباق کی آیتوں سے بالکل الگ کر کے اس پر اعتراض وارد کر دیا ہے مگر اصل آیت اور اس کے متعلقات پر نظر ڈالنے سے ہر ایک منصف بصیر سمجھ سکتا ہے کہ آیت میں ایک بھی ایسا لفظ نہیں ہے کہ جو انکار معجزات پر دلالت کرتا ہو بلکہ تمام الفاظ صاف بتلا رہے ہیں کہ ضرور معجزات ظہور میں آئے۔ چنانچہ وہ آیت معہ اس کے دیگر آیات متعلقہ کے یہ ہے۔

﴿۱۳﴾ وَاِنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوْهَا قَبْلَ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ اَوْ مُعَذِّبُوْهَا عَذَابًا شَدِيْدًا ۭ كَانَ ذٰلِكَ فِي الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا ۔ وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ

بِالْاٰيٰتِ اِلَّآ اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ ؕ وَاٰتَيْنَا ثَمُوْدَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً فَظَلَمُوْا بِهَا ؕ وَمَا نُرْسِلُ بِالْاٰيٰتِ اِلَّا تَخْوِيْفًا ۔ [1] فرماتا ہے عزوجل کہ یوں تو قیامت سے پہلے ہر ایک بستی کو ہم نے ہی ہلاک کرنا ہے یا عذاب شدید نازل کرنا ہے یہی کتاب میں مندرج ہو چکا ہے۔مگر اس وقت ہم بعض ان گذشتہ قہری نشانوں کو (جو عذاب کی صورت میں پہلی اُمتوں پر نازل ہو چکے ہیں) اس لئے نہیں بھیجتے جو پہلی اُمت کے لوگ اس کی تکذیب کر چکے ہیں۔ چنانچہ ہم نے ثمود کو بطور نشان کے جو مقدمہ عذاب کا تھا ناقہ دیا جو حق نما نشان تھا۔(جس پر انہوں نے ظلم کیا۔یعنی وہی ناقہ جس کی بسیار خوری اور بسیار نوشی کی وجہ سے شہر حجر کے باشندوں کے لئے جو قوم ثمود میں سے تھے۔ نہ پانی تالاب وغیرہ کا پینے کے لئے باقی رہا تھا اور نہ اُن کے مویشی کیلئے کوئی چراگاہ رہی تھی اور ایک سخت تکلیف اور رنج اور بلا میں گرفتار ہوگئی تھی) اور قہری نشانوں کے نازل کرنے سے ہماری غرض یہی ہوتی ہے کہ لوگ اُن سے ڈریں یعنی قہری نشان تو صرف تخویف کیلئے دکھلائے جاتے ہیں پس ایسے قہری نشانوں کے طلب کرنے سے کیا فائدہ جو پہلی اُمتوں نے دیکھ کر انہیں جھٹلا دیا اور اُن کے دیکھنے سے کچھ بھی خائف وہراساں نہ ہوئے۔

اس جگہ واضح ہو کہ نشان دو قسم کے ہوتے ہیں۔

(۱) نشان تخویف وتعذیب جن کو قہری نشان بھی کہہ سکتے ہیں۔

(۲) نشان تبشیر وتسکین جن کو نشان رحمت سے بھی موسوم کر سکتے ہیں۔

تخویف کے نشان سخت کافروں اور کج دلوں اور نافرمانوں اور بے ایمانوں اور فرعونی طبیعت والوں کیلئے ظاہر کئے جاتے ہیں تا وہ ڈریں اور خدائے تعالیٰ کی قہری اور جلالی ہیبت ان کے دلوں پر طاری ہو۔اور تبشیر کے نشان اُن حق کے طالبوں اور مخلص مومنوں اور سچائی

[1] بنی اسرآءیل: ۶۰،۵۹

کے متلاشیوں کیلئے ظہور پذیر ہوتے ہیں جو دل کی غربت اور فروتنی سے کامل یقین اور زیادت ایمان کے طلبگار ہیں اور تبشیر کے نشانوں سے ڈرانا اور دھمکانا مقصود نہیں ہوتا بلکہ اپنے اُن مطیع بندوں کو مطمئن کرنا اور ایمانی اور یقینی حالات میں ترقی دینا اور ان کے مضطرب سینہ پر دستِ شفقت و تسلّی رکھنا مقصود ہوتا ہے۔ سو مومن قرآن شریف کے وسیلہ سے ہمیشہ تبشیر کے نشان پاتا رہتا ہے اور ایمان اور یقین میں ترقی کرتا جاتا ہے۔ تبشیر کے نشانوں سے مومن کو تسلی ملتی ہے اور وہ اضطراب جو فطرتًا انسان میں ہے جاتا رہتا ہے اور سکینت دل پر نازل ہوتی ہے۔ مومن ببرکت اتباع کتاب اللہ اپنی عمر کے آخری دن تک ﴿۱۴﴾ تبشیر کے نشانوں کو پاتا رہتا ہے اور تسکین اور آرام بخشنے والے نشان اس پر نازل ہوتے رہتے ہیں تا وہ یقین اور معرفت میں بے نہایت ترقیاں کرتا جائے اور حق الیقین تک پہنچ جائے اور تبشیر کے نشانوں میں ایک لطف یہ ہوتا ہے کہ جیسے مومن ان کے نزول سے یقین اور معرفت اور قوتِ ایمان میں ترقی کرتا ہے ایسا ہی وہ بوجہ مشاہدہ آلاء ونعماءِ الٰہی و احسانات ظاہرہ و باطنہ وجلیہ وخفیہ حضرت باری عزاسمہٗ جو تبشیر کے نشانوں میں بھرے ہوئے ہوتے ہیں محبت و عشق میں بھی دن بدن بڑھتا جاتا ہے۔ سو حقیقت میں عظیم الشان اور قوی الاثر اور مبارک اور موصل الی المقصود تبشیر کے نشان ہی ہوتے ہیں جو سالک کو معرفتِ کاملہ اور محبتِ ذاتیہ کے اس مقام تک پہنچا دیتے ہیں جو اولیاء اللہ کے لئے منتہی المقامات ہے اور قرآن شریف میں تبشیر کے نشانوں کا بہت کچھ ذکر ہے یہاں تک کہ اس نے اُن نشانوں کو محدود نہیں رکھا بلکہ ایک دائمی وعدہ دے دیا ہے کہ قرآن شریف کے سچے متبع ہمیشہ ان نشانوں کو پاتے رہیں گے جیسا کہ وہ فرماتا ہے لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۚ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ [1]

[1] یونس: ۶۵

یعنی ایماندارلوگ دنیوی زندگی اورآخرت میں بھی تبشیر کےنشان پاتے رہیں گے۔جن کے ذریعے سے وہ دنیا اورآخرت میں معرفت اورمحبت کے میدانوں میں ناپیدا کنار ترقیاں کرتے جائیں گے۔ یہ خدا کی باتیں ہیں جوکبھی نہیں ٹلیں گی اورتبشیر کےنشانوں کو پالینا یہی **فوز عظیم** ہے(یعنی یہی ایک امر ہے جومحبت اورمعرفت کے منتہیٰ مقام تک پہنچادیتا ہے)۔

اب جاننا چاہئے کہ خداتعالیٰ نے اس آیت میں جومعترض نے بصورت اعتراض پیش کی ہےصرف تخویف کےنشانوں کا ذکرکیاہے۔جیسا کہ آیت **وَمَا نُرْسِلُ بِالْاٰيٰتِ اِلَّا تَخْوِيْفًا** [1]سے ظاہر ہورہا ہے۔ کیونکہ اگر خدائے تعالیٰ کے کل نشانوں کوقہری نشانوں میں ہی محصور سمجھ کراس آیت کے یہ معنی کئے جائیں کہ ہم تمام نشانوں کومحض تخویف کی غرض سے ہی بھیجا کرتے ہیں اورکوئی دوسری غرض نہیں ہوتی۔تو یہ معنی بہ بداہت باطل ہیں۔جیسا کہ ابھی بیان ہوچکا ہے کہ نشان دوغرضوں سے بھیجے جاتے ہیں یاتخویف کی غرض سے یاتبشیر کی غرض سے۔انہیں دوقسموں کوقرآن شریف اور بائیبل بھی جابجا ظاہرکررہی ہے۔پس جب کہ نشان دوقسم کے ہوئے توآیت ممدوحہ بالا میں جولفظ **الأيـــات** ہے (جس کے معنی وہ نشانات) بہرحال اسی تاویل پربصحت منطبق ہوگا کہ نشانوں سے قہری نشان مراد ہیں کیونکہ اگر یہ معنی نہ لئے جائیں توپھراس سے یہ لازم آتا ہے کہ تمام نشانات جوتحت قدرت الٰہی داخل ہیں۔تخویف کی قسم میں ہی محصور ہیں حالانکہ فقط تخویف کی قسم میں ہی سارےنشانوں کا حصر سمجھنا سراسر خلاف واقعہ ہے کہ جونہ کتاب اللہ کی روسےاورنہ عقل کی روسےاورنہ کسی پاک دل کے کانشنس کی روسے درست ہوسکتا ہے۔ ﴿۱۵﴾

اب چونکہ اس بات کا صاف فیصلہ ہوگیا کہ نشانوں کی دوقسموں میں سے صرف

[1] بنی اسرآءیل: ٦٠

تخویف کے نشانوں کا آیات موصوفہ بالا میں ذکر ہے تو یہ دوسرا امر تنقیح طلب باقی رہا کہ کیا اس آیت کے (جو مَامَنَعَنَا الخ ہے) یہ معنی سمجھنے چاہئیں کہ تخویف کا کوئی نشان خدائے تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر ظاہر نہیں کیا یا یہ معنی سمجھنے چاہئیں کہ تخویف کے نشانوں میں سے وہ نشان ظاہر نہیں کئے گئے جو پہلی اُمتوں کو دکھلائے گئے تھے اور یا یہ تیسرے معنی قابل اعتبار ہیں کہ دونوں قسم کے تخویف کے نشان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ سے ظاہر ہوتے رہے ہیں۔ بجز اُن خاص قسم کے بعض نشانوں کے جن کو پہلی اُمتوں نے دیکھ کر جھٹلا دیا تھا اور ان کو معجزہ نہیں سمجھا تھا۔

سو واضح ہو کہ آیات متنازعہ فیہا پر نظر ڈالنے سے بتمام تر صفائی کھل جاتا ہے کہ پہلے اور دوسرے معنی کسی طرح درست نہیں۔ کیونکہ آیت ممدوحہ بالا کے یہ سمجھ لینا کہ تمام انواع واقسام کے وہ تخویفی نشان جو ہم بھیج سکتے ہیں اور تمام وہ وراء الوراء تعذیبی نشان جن کے بھیجنے پر غیر محدود طور پر ہم قادر ہیں اس لئے ہم نے نہیں بھیجے کہ پہلی اُمتیں اُس کی تکذیب کر چکی ہیں۔ یہ معنے سراسر باطل ہیں۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ پہلی اُمتوں نے انہیں نشانوں کی تکذیب کی جو انہوں نے دیکھے تھے وجہ یہ کہ تکذیب کیلئے یہ ضرور ہے کہ جس چیز کی تکذیب کی جائے۔ اوّل اس کا مشاہدہ بھی ہو جائے۔ جس نشان کو ابھی دیکھا ہی نہیں اس کی تکذیب کیسی حالانکہ نادیدہ نشانوں میں سے ایسے اعلیٰ درجہ کے نشان بھی تحت قدرت باری تعالیٰ ہیں جس کی کوئی انسان تکذیب نہ کر سکے اور سب گردنیں اُن کی طرف جھک جائیں۔ کیونکہ خدائے تعالیٰ ہر ایک رنگ کا نشان دکھلانے پر قادر ہے اور پھر چونکہ نشان ہائے قدرت باری غیر محدود اور غیر متناہی ہیں تو پھر یہ کہنا کیونکر درست ہو سکتا ہے کہ محدود زمانہ میں وہ سب دیکھے بھی گئے اور ان کی تکذیب بھی ہوگئی۔ وقت محدود میں تو وہی ﴿۱۶﴾

چیز دیکھی جائے گی جو محدود ہوگی۔ بہرحال اس آیت کے یہی معنی صحیح ہوں گے کہ جو بعض نشانات پہلے کفار دیکھ چکے تھے اور ان کی تکذیب کر چکے تھے۔ ان کا دوبارہ بھیجنا عبث سمجھا گیا۔ جیسا کہ قرینہ بھی انہیں معنوں پر دلالت کرتا ہے یعنی اس موقعہ پر جو ناقہ ثمود کا خدائے تعالیٰ نے ذکر کیا وہ ذکر ایک بھاری قرینہ اس بات پر ہے کہ اس جگہ گزشتہ اور ردّ کردہ نشانات کا ذکر ہے جو تخویف کے نشانوں میں سے تھے اور یہی تیسرے معنی ہیں جو صحیح اور درست ہیں۔

پھر اس جگہ ایک اور بات منصفین کے سوچنے کے لائق ہے جس سے اُن پر ظاہر ہوگا کہ آیت وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ الخ [1] سے ثبوت معجزات ہی پایا جاتا ہے نہ نفی معجزات کیونکہ الاٰیٰــت کے لفظ پر جو الف لام واقعہ ہے وہ بموجب قواعد نحو کے دو صورتوں سے خالی نہیں۔ یا کل کے معنے دے گا یا خاص کے اگر کل کے معنے دے گا تو یہ معنے کئے جائیں گے کہ ہمیں کل معجزات کے بھیجنے سے کوئی امر مانع نہیں ہوا مگر اگلوں کا ان کو جھٹلانا اور اگر خاص کے معنی دے گا تو یہ معنی ہونگے کہ ہمیں ان خاص نشانیوں کے بھیجنے سے (جنہیں منکر طلب کرتے ہیں) کوئی امر مانع نہیں ہوا مگر یہ کہ ان نشانیوں کو اگلوں نے جھٹلایا۔ بہرحال ان دونوں صورتوں میں نشانوں کا آنا ثابت ہوتا ہے کیونکہ اگر یہ معنی ہوں کہ ہم نے ساری نشانیاں بوجہ تکذیب اُممِ گذشتہ نہیں بھیجیں تو اس سے بعض نشانوں کا بھیجنا ثابت ہوتا ہے جیسے مثلاً اگر کوئی کہے کہ میں نے اپنا سارا مال زید کو نہیں دیا تو اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ اس نے کچھ حصہ اپنے مال کا زید کو ضرور دیا ہے اور اگر یہ معنے لیں کہ بعض خاص نشان ہم نے نہیں بھیجے تو بھی بعض دیگر کا بھیجنا ثابت ہے مثلاً اگر کوئی کہے کہ بعض خاص چیزیں میں نے زید کو نہیں دیں تو اس سے صاف پایا جائے گا کہ بعض دیگر

[1] بنی اسرآءیل: ٦٠

ضروری ہیں۔ بہرحال جو شخص اوّل اس آیت کے سیاق و سباق کی آیتوں کو دیکھے کہ کیسی وہ دونوں طرف سے عذاب کے نشانوں کا قصہ بتلا رہی ہیں اور پھر ایک دوسری نظر اُٹھاوے اور خیال کرے کہ کیا یہ معنی صحیح اور قرین قیاس ہیں کہ خدائے تعالیٰ کے تمام نشانوں اور عجائب کاموں کی جو اس کی بے انتہا قدرت سے وقتاً فوقتاً پیدا ہونے والے اور غیر محدود ہیں پہلے لوگ اپنے محدود زمانہ میں تکذیب کر چکے ہوں۔ اور پھر ایک تیسری نظر منصفانہ سے کام لے کر سوچے کہ کیا اس جگہ تخویف کے نشانوں کا ایک خاص بیان ہے یا تبشیر اور رحمت کے نشانوں کا بھی کچھ ذکر ہے اور پھر ذرا چوتھی نگاہ اَلْآیات کے اَل پر بھی ڈال دیوے کہ وہ کن معنوں کا افادہ کر رہا ہے تو اس چار طور کی نظر کے بعد بجز اس کے کہ کوئی تعصب کے باعث حق پسندی سے بہت دور جا پڑا ہو ہر ایک شخص اپنے اندر سے نہ ایک شہادت بلکہ ہزاروں شہادتیں پائے گا کہ اس جگہ نفی کا حرف صرف نشانوں کی ایک قسم خاص کی نفی کیلئے آیا ہے جس کا دوسری اقسام پر کچھ اثر نہیں بلکہ اس سے ان کا متحقق الوجود ہونا ثابت ہو رہا ہے اور ان آیات میں نہایت صفائی سے اللہ جلّ شانہٗ بتلا رہا ہے کہ اس وقت تخویفی نشان جن کی یہ لوگ درخواست کرتے ہیں صرف اس وجہ سے نہیں بھیجے گئے کہ پہلی اُمتیں ان کی تکذیب کر چکی ہیں۔ سو جو نشان پہلے ردّ کئے گئے اب بار بار انہیں کو نازل کرنا کمزوری کی نشانی ہے اور غیر محدود قدرتوں والے کی شان سے بعید۔ پس ان آیات میں یہ صاف اشارہ ہے کہ عذاب کے نشان ضرور نازل ہوں گے مگر اور رنگوں میں۔ یہ کیا ضرورت ہے کہ وہی نشان حضرت موسیٰؑ کے یا وہی نشان حضرت نوحؑ اور قوم لوط اور عاد اور ثمود کے ظاہر کئے جائیں۔ چنانچہ ان آیات کی تفصیل دوسری آیات میں زیادہ تر کی گئی ہے جیسا کہ اللہ جلّ شانہٗ فرماتا ہے۔

﴿۱۷﴾

وَاِنۡ يَّرَوۡا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤۡمِنُوۡا بِهَا ؕ حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوۡكَ يُجَادِلُوۡنَكَ [1] وَاِذَا جَآءَتۡهُمۡ اٰيَةٌ قَالُوۡا لَنۡ نُّؤۡمِنَ حَتّٰى نُؤۡتٰى مِثۡلَ مَاۤ اُوۡتِىَ رُسُلُ اللّٰهِ ؔؕ اَللّٰهُ اَعۡلَمُ حَيۡثُ يَجۡعَلُ رِسَالَتَهٗ [2] قُلۡ اِنِّىۡ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنۡ رَّبِّىۡ وَكَذَّبۡتُمۡ بِهٖ ؕ مَا عِنۡدِىۡ مَا تَسۡتَعۡجِلُوۡنَ بِهٖ ؕ اِنِ الۡحُكۡمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ يَقُصُّ الۡحَقَّ وَهُوَ خَيۡرُ الۡفٰصِلِيۡنَ [3] قَدۡ جَآءَكُمۡ بَصَآئِرُ مِنۡ رَّبِّكُمۡ ۚ فَمَنۡ اَبۡصَرَ فَلِنَفۡسِهٖ ۚ وَمَنۡ عَمِىَ فَعَلَيۡهَا ؕ وَمَاۤ اَنَا عَلَيۡكُمۡ بِحَفِيۡظٍ [4] وَيَسۡتَعۡجِلُوۡنَكَ بِالۡعَذَابِ [5] قُلۡ هُوَ الۡقَادِرُ عَلٰٓى اَنۡ يَّبۡعَثَ عَلَيۡكُمۡ عَذَابًا مِّنۡ فَوۡقِكُمۡ اَوۡ مِنۡ تَحۡتِ اَرۡجُلِكُمۡ اَوۡ يَلۡبِسَكُمۡ شِيَعًا وَّيُذِيۡقَ بَعۡضَكُمۡ بَاۡسَ بَعۡضٍ [6] وَقُلِ الۡحَمۡدُ لِلّٰهِ سَيُرِيۡكُمۡ اٰيٰتِهٖ فَتَعۡرِفُوۡنَهَا [7] قُلۡ لَّكُمۡ مِّيۡعَادُ يَوۡمٍ لَّا تَسۡتَاۡخِرُوۡنَ عَنۡهُ سَاعَةً وَّلَا تَسۡتَقۡدِمُوۡنَ [8] وَيَسۡتَنۡۢبِـُٔوۡنَكَ اَحَقٌّ هُوَ ؔؕ قُلۡ اِىۡ وَرَبِّىۡۤ اِنَّهٗ لَحَقٌّ ۚۘ وَمَاۤ اَنۡتُمۡ بِمُعۡجِزِيۡنَ [9] سَنُرِيۡهِمۡ اٰيٰتِنَا فِى الۡاٰفَاقِ وَفِىۡۤ اَنۡفُسِهِمۡ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمۡ اَنَّهُ الۡحَقُّ [10] خُلِقَ الۡاِنۡسَانُ مِنۡ عَجَلٍ ؕ سَاُورِيۡكُمۡ اٰيٰتِىۡ فَلَا تَسۡتَعۡجِلُوۡنِ [11] یعنی یہ لوگ تمام نشانوں کو دیکھ کر ایمان نہیں لاتے۔ پھر جب تیرے پاس آتے ہیں تو تجھ سے لڑتے ہیں اور جب کوئی نشان پاتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم کبھی نہیں مانیں گے۔ جب تک ہمیں خود ہی وہ باتیں حاصل نہ ہوں جو رسولوں کو ملتی ہیں۔ کہہ میں کامل ثبوت لے کر اپنے ربّ کی طرف سے آیا ہوں اور تم اس ثبوت کو دیکھتے ہو اور پھر تکذیب کر رہے ہو۔ جس چیز کو تم جلدی سے مانگتے ہو (یعنی عذاب) وہ تو میرے اختیار میں نہیں۔ حکم اخیر صادر کرنا تو خدا ہی کا منصب ہے، وہی حق کو کھول دے گا اور وہی خیر الفاصلین ہے جو ایک دن میرا اور تمہارا فیصلہ کر دے گا۔ خدا نے میری رسالت پر روشن نشان تمہیں

﴿۱۸﴾

[1] الانعام: ۲۶ [2] الانعام: ۱۲۵ [3] الانعام: ۵۸ [4] الانعام: ۱۰۵ [5] العنکبوت: ۵۴ [6] انعام: ۶۶
[7] النّمل: ۹۴ [8] سبا: ۳۱ [9] یونس: ۵۴ [10] حٰمٓ السجدة: ۵۴ [11] الانبیآء: ۳۸

دیئے ہیں۔ سو جوان کو شناخت کرے اُس نے اپنے ہی نفس کو فائدہ پہنچایا اور جو اندھا ہو جائے اس کا وبال بھی اسی پر ہے میں تو تم پر نگہبان نہیں۔ اور تجھ سے عذاب کیلئے جلدی کرتے ہیں۔ کہہ وہی پروردگار اس بات پر قادر ہے کہ اوپر سے یا تمہارے پاؤں کے نیچے سے کوئی عذاب تم پر بھیجے اور چاہے تو تمہیں دو فریق بنا کر ایک فریق کی لڑائی کا دوسرے کو مزا چکھا دے اور یہ کہ سب خوبیاں اللہ کے لئے ہیں۔ وہ تمہیں ایسے نشان دکھائے گا جنہیں تم شناخت کرلو گے اور کہہ تمہارے لئے ٹھیک ایک برس کی میعاد ہے☆ نہ اس سے تم تاخیر کرسکو گے نہ تقدیم۔ اور تجھ سے پوچھتے ہیں کہ کیا یہ سچ بات ہے۔ کہہ ہاں مجھے قسم ہے اپنے ربّ کی کہ یہ سچ ہے اور تم خدائے تعالیٰ کو اس کے وعدوں سے روک نہیں سکتے۔ ہم عنقریب ان کو اپنے نشان دکھلائیں گے۔ ان کے ملک کے اردگرد میں اور خود اُن میں بھی یہاں تک کہ اُن پر کھل جائے گا کہ یہ نبی سچا ہے۔ انسان کی فطرت میں جلدی ہے میں عنقریب تمہیں اپنے نشان دکھلاؤں گا سو تم مجھ سے جلدی تو مت کرو۔

اب دیکھو کہ ان آیات میں نشانات مطلوبہ کے دکھلانے کے بارے میں کیسے صاف اور پختہ وعدے دیئے گئے ہیں یہاں تک کہ یہ بھی کہا گیا کہ ایسے کھلے کھلے نشان دکھلائے جائیں گے کہ تم ان کو شناخت کرلو گے اور اگر کوئی کہے کہ یہ تو ہم نے مانا کہ عذاب کے نشانوں کے بارے میں جابجا قرآن شریف میں وعدے دیئے گئے ہیں کہ وہ ضرور کسی دن دکھلائے جائیں گے اور یہ بھی ہم نے تسلیم کیا کہ وہ سب وعدے اس زمانہ میں پورے بھی ہوگئے کہ جب کہ خدائے تعالیٰ نے اپنی خداوندی قدرت دکھلا کر مسلمانوں کی کمزوری اور

﴿۱۹﴾

☆ یوم سے مراد اس جگہ برس ہے۔ چنانچہ بائیبل میں بھی یہ محاورہ پایا جاتا ہے سو پورے برس کے بعد بدر کی لڑائی کا عذاب مکہ والوں پر نازل ہوا۔ جو پہلی لڑائی تھی۔

ناتوانی کو دور کر دیا اور معدودے چند سے ہزار ہا تک ان کی نوبت پہنچادی اوران کے ذریعہ سے ان تمام کفّار کو تہ تیغ کیا جو مکہ میں اپنی سرکشی اور جور و جفا کے زمانہ میں نہایت تکبر سے عذاب کا نشان مانگا کرتے تھے لیکن اس بات کا ثبوت قرآن شریف سے کہاں ملتا ہے کہ بجز اُن نشانوں کےاور بھی نشان آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دکھلائے تھے سو واضح ہو کہ نشانوں کے دکھلانے کا ذکر قرآن شریف میں جابجا آیا ہے بعض جگہ اپنے پہلے نشانوں کا حوالہ بھی دیا ہے دیکھو آیت كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖٓ اَوَّلَ مَرَّةٍ[1] الجزو نمبر ۷ سورۂ انعام بعض جگہ کفّار کی ناانصافی کا ذکر کر کے ان کا اس طور کا اقرار درج کیا ہے کہ وہ نشانوں کو دیکھ کر کہتے ہیں کہ وہ جادو ہے۔ دیکھو آیت وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا وَيَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ[2] الجزو نمبر ۲۷ سورۃ القمر بعض جگہ جو نشانوں کے دیکھنے کا صاف اقرار منکرین نے کر دیا ہے وہ شہادتیں ان کی پیش کی ہیں۔ جیسا کہ فرماتا ہے وَ شَهِدُوْٓا اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ وَّجَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ[3] یعنی انہوں نے رسول کے حق ہونے پر گواہی دی اور کھلے کھلے نشان ان کو پہنچ گئے اور بعض جگہ معجزات کو بتصریح بیان کر دیا ہے جیسے معجزہ شق القمر جو ایک عظیم الشان معجزہ اور خدائی قدرت کا ایک کامل نمونہ ہے جس کی تصریح ہم نے کتاب سرمہ چشم آریہ میں بخوبی کر دی ہے جو شخص مفصل دیکھنا چاہے اس میں دیکھ سکتا ہے۔ اس جگہ یہ بھی یاد رہے کہ جو لوگ آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خود تراشیدہ نشان مانگا کرتے تھے اکثر وہی آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نشانوں کے آخر کار گواہ بھی بن گئے تھے کیونکہ آخر وہی لوگ تو تھے جنہوں نے مشرف باسلام ہو کر دین اسلام کو مشارق و مغارب میں پھیلایا اور نیز معجزات اور پیشگوئیوں کے بارے میں کتب احادیث میں اپنی رویت کی شہادتیں قلمبند کرائیں پس اس زمانہ میں ایک عجیب طرز ہے کہ ان بزرگان دین کے اس زمانہ جاہلیت کے انکاروں کو

[1] الانعام:۱۱۱ [2] القمر: ۳ [3] اٰلِ عمران: ۸۷

بار بار پیش کرتے ہیں جن سے بالآخر خود وہ دست کش اور تائب ہو گئے تھے لیکن اُن کی اُن شہادتوں کو نہیں مانتے جو راہ راست پر آنے کے بعد انہوں نے پیش کی ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات تو چاروں طرف سے چمک رہے ہیں وہ کیونکر چھپ سکتے ہیں صرف معجزات جو صحابہ کی شہادتوں سے ثابت ہیں وہ تین ہزار معجزہ ہے اور پیش گوئیاں تو شاید دس ہزار سے بھی زیادہ ہوں گی جو اپنے وقتوں پر پوری ہوگئیں اور ہوتی جاتی ہیں۔ ماسوائے اس کے بعض معجزات و پیشگوئیاں قرآن شریف کی ایسی ہیں کہ وہ ہمارے لئے بھی جو اس زمانہ میں مشہود و محسوس کا حکم رکھتی ہیں اور کوئی ان سے انکار نہیں کرسکتا چنانچہ وہ یہ ہیں۔ ﴿۲۰﴾

(۱) عذابی نشان کا معجزہ جو اس وقت کے کفّار کو دکھلایا گیا تھا یہ ہمارے لئے بھی فی الحقیقت ایسا ہی نشان ہے جس کو چشم دید کہنا چاہئے۔ وجہ یہ کہ یہ نہایت یقینی مقدمات کا ایک ضروری نتیجہ ہے جس سے کوئی موافق اور مخالف کسی صورت سے انکار نہیں کرسکتا۔ اوّل یہ مقدمہ جو بطور بنیاد معجزہ کے ہے نہایت بدیہی اور مسلّم الثبوت ہے کہ یہ عذابی نشان اس وقت مانگا گیا تھا کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور چند رفیق آنجناب کے مکہ میں دعوت حق کی وجہ سے خود صدہا تکالیف اور دردوں اور دکھوں میں مبتلا تھے اور وہ ایام دین اسلام کے لئے ایسے ضعف اور کمزوری کے دن تھے کہ خود کفّارِ مکہ ہنسی اور ٹھٹھے کی راہ سے مسلمانوں کو کہا کرتے تھے کہ اگر تم حق پر ہو تو اس قدر عذاب اور مصیبت اور دکھ اور درد ہمارے ہاتھ سے کیوں تمہیں پہنچ رہا ہے اور وہ خدا جس پر تم بھروسہ کرتے ہو وہ کیوں تمہاری مدد نہیں کرتا اور کیوں تم ایک قدر قلیل جماعت ہو جو عنقریب نابود ہونے والی ہے اور اگر تم سچے ہو تو کیوں ہم پر عذاب نازل نہیں ہوتا؟ ان سوالات کے جواب میں جو کچھ کفّار کو قرآن شریف کے متفرق مقامات میں ایسے زمانہ تنگی و تکالیف میں کہا گیا وہ دوسرا

مقدمہ اس پیشگوئی کی عظمت شان سمجھنے کیلئے ہے کیونکہ وہ زمانہ آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے صحابہ پر ایسا نازک زمانہ تھا کہ ہر وقت اپنی جان کا اندیشہ تھا اور چاروں طرف ناکامی مُنہ دکھلا رہی تھی سو ایسے زمانہ میں کفار کو اُن کے عذابی نشان مانگنے کے وقت صاف صاف طور پر یہ کہا گیا تھا کہ عنقریب تمہیں اسلام کی فتح مندی اور تمہارے سزایاب ہونے کا نشان دکھلایا جائے گا اور اسلام جو اب ایک تخم کی طرح نظر آتا ہے کسی دن ایک بزرگ درخت کی مانند اپنے تئیں ظاہر کرے گا اور وہ جو عذاب کا نشان مانگتے ہیں وہ تلوار کی دھار سے قتل کئے جائیں گے اور تمام جزیرہ عرب کفر اور کافروں سے صاف کیا جائے گا اور تمام عرب کی حکومت مومنوں کے ہاتھ میں آ جائے گی اور خدائے تعالیٰ دین اسلام کو عرب کے ملک میں ایسے طور سے جما دے گا کہ پھر بت پرستی کبھی پیدا نہیں ہوگی اور حالت موجودہ جو خوف کی حالت ہے بکلّی امن کے ساتھ بدل جائے گی اور اسلام قوت پکڑے گا اور غالب ہوتا چلا جائے گا۔ یہاں تک کہ دوسرے ملکوں پر اپنی فتح اور نصرت کا سایہ ڈالے گا اور دور دور تک اس کی فتوحات پھیل جائیں گی اور ایک بڑی بادشاہت قائم ہو جائے گی جس کا اخیر دنیا تک زوال نہیں ہوگا۔

اب جو شخص پہلے ان دونوں مقدمات پر نظر ڈال کر معلوم کر لیوے کہ وہ زمانہ جس میں یہ پیشگوئی کی گئی، اسلام کے لئے کیسی تنگی اور ناکامی اور مصیبت کا زمانہ تھا اور جو پیشگوئی کی گئی وہ کس قدر حالت موجودہ سے مخالف اور خیال اور قیاس سے نہایت بعید بلکہ صریح محالات عادیہ سے نظر آتی تھی۔ پھر بعد اس کے اسلام کی تاریخ پر جو دشمنوں اور دوستوں کے ہاتھ میں موجود ہے ایک منصفانہ نظر ڈالے کہ کیسی صفائی سے یہ پیشگوئی پوری ہوگئی اور کس قدر دلوں پر ہیبت ناک اثر اس کا پڑا اور کیسے مشارق اور مغارب میں تمام تر قوت

﴿۲۱﴾

اور طاقت کے ساتھ اس کا ظہور ہوا تو اس پیشگوئی کو یقینی اور قطعی طور پر چشم دید معجزہ قرار دے گا جس میں اس کو ایک ذرہ بھی شک وشبہ نہیں ہوگا۔

پھر دوسرا معجزہ قرآن شریف کا جو ہمارے لئے حکم مشہود ومحسوس کا رکھتا ہے وہ عجیب وغریب تبدیلیاں ہیں جو اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ببرکت پیروی قرآن شریف واثر صحبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ظہور میں آئیں۔ جب ہم اس بات کو دیکھتے ہیں کہ وہ لوگ مشرف باسلام ہونے سے پہلے کیسے اور کس طریق اور عادت کے آدمی تھے اور پھر بعد شرف صحبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم واتباع قرآن شریف کس رنگ میں آ گئے اور کیسے اخلاق میں، عقائد میں، چلن میں، گفتار میں، رفتار میں، کردار میں اور اپنی جمیع عادات میں خبیث حالت سے منتقل ہوکر نہایت طیّب اور پاک حالت میں داخل کئے گئے تو ہمیں اس تاثیر عظیم کو دیکھ کر جس نے ان کے زنگ خوردہ وجودوں کو ایک عجیب تازگی اور روشنی اور چمک بخش دی تھی اقرار کرنا پڑتا ہے کہ یہ تصرف ایک خارقِ عادت تصرف تھا جو خاص خدائے تعالیٰ کے ہاتھ نے کیا۔ قرآن شریف میں خدائے تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے ان کو مُردہ پایا اور زندہ کیا اور جہنم کے گڑھے میں گرتے دیکھا تو اُس ہولناک حالت سے چھڑایا۔ بیمار پایا اور اُنہیں اچھا کیا۔ اندھیرے میں پایا انہیں روشنی بخشی۔ اور خدائے تعالیٰ نے اس اعجاز کے دکھلانے کے لئے قرآن شریف میں ایک طرف عرب کے لوگوں کی وہ خراب حالتیں لکھی ہیں جو اسلام سے پہلے وہ رکھتے تھے اور دوسری طرف ان کے وہ پاک حالات بیان فرمائے ہیں کہ اسلام لانے کے بعد ان میں پیدا ہوگئے تھے کہ تا جو شخص ان پہلے حالات کو دیکھے جو کفر کے زمانہ میں تھے اور پھر مقابل اس کے وہ حالت پڑھے جو اسلام لانے کے بعد ظہور پذیر ہوگئی تو ان دونوں طور کے سوانح پر مطلع ہونے سے

بہ یقینِ کامل سمجھ لیوے گا کہ یہ تبدیلی ایک خارق عادت تبدیلی ہے جسے معجزہ کہنا چاہئے۔

پھر تیسرا معجزہ قرآن شریف کا جو ہماری نظروں کے سامنے موجود ہے اس کے حقائق و معارف و لطائف ونکات ہیں جو اس کی بلیغ و فصیح عبارات میں بھرے ہوئے ہیں اس معجزہ کو قرآن شریف میں بڑی شدّ ومد سے بیان کیا گیا ہے اور فرمایا ہے کہ اگر تمام جنّ وانس اکٹھے ہو کر اس کی نظیر بنانا چاہیں تو اُن کے لئے ممکن نہیں یہ معجزہ اس دلیل سے ثابت اور متحقق الوجود ہے کہ اس زمانہ تک کہ تیرہ سو برس سے زیادہ گزر رہا ہے باوجودیکہ قرآن شریف کی منادی دنیا کے ہر ایک نواح میں ہو رہی ہے اور بڑے زور سے هَلْ مِنْ مُّعَارِضٍ کا نقارہ بجایا جاتا ہے مگر کبھی کسی طرف سے آواز نہیں آئی۔ پس اس سے اسؔ بات کا صریح ثبوت ملتا ہے کہ تمام انسانی قوتیں قرآن شریف کے مقابلہ و معارضہ سے عاجز ہیں بلکہ اگر قرآن شریف کی صدہا خوبیوں میں سے صرف ایک خوبی کو پیش کر کے اس کی نظیر مانگی جائے تو انسان ضعیف البنیان سے یہ بھی ناممکن ہے کہ اس ایک جزو کی نظیر پیش کر سکے مثلاً قرآن شریف کی خوبیوں میں سے ایک یہ بھی خوبی ہے کہ وہ تمام معارف دینیہ پر مشتمل ہے اور کوئی دینی سچائی جو حق اور حکمت سے تعلق رکھتی ہے، ایسی نہیں جو قرآن شریف میں پائی نہ جاتی ہو مگر ایسا شخص کون ہے کہ کوئی دوسری کتاب ایسی دکھلائے جس میں یہ صفت موجود ہو اور اگر کسی کو اس بات میں شک ہو کہ قرآن شریف جامع تمام حقائق دینیہ ہے تو ایسا مشکک خواہ عیسائی ہو خواہ آریہ اور خواہ برہمو ہو، خواہ دہریہ اپنی طرز اور طور پر امتحان کر کے اپنی تسلی کرا سکتا ہے اور ہم تسلی کر دینے کے ذمہ دار ہیں۔ بشرطیکہ کوئی طالب حق ہماری طرف رجوع کرے۔ بائیبل میں جس قدر پاک صداقتیں ہیں یا حکماء کی کتابوں میں جس قدر حق اور حکمت کی باتیں ہیں جن پر ہماری نظر پڑی ہے یا ہندوؤں کے

﴿۲۲﴾

ویدوغیرہ میں جو اتفاقاً بعض سچائیاں درج ہوگئی ہیں یا باقی رہ گئی ہیں جن کو ہم نے دیکھا ہے یا صوفیوں کی صدہا کتابوں میں جو حکمت و معرفت کے نکتے ہیں جن پر ہمیں اطلاع ہوئی ہے اُن سب کو ہم قرآن شریف میں پاتے ہیں اور اس کامل استقراء سے جو تیس برس کے عرصہ سے نہایت عمیق اور محیط نظر کے ذریعہ سے ہم کو حاصل ہے، نہایت قطع اور یقین سے ہم پر یہ بات کھل گئی ہے کہ کوئی روحانی صداقت جو تکمیل نفس اور دماغی اور دلی قویٰ کی تربیت کے لئے اثر رکھتی ہے ایسی نہیں ہے جو قرآن شریف میں درج نہ ہو اور یہ صرف ہمارا ہی تجربہ نہیں بلکہ یہی قرآن شریف کا دعویٰ بھی ہے جس کی آزمائش نہ فقط میں نے بلکہ ہزارہا علماء ابتداء سے کرتے آئے اور اس کی سچائی کی گواہی دیتے آئے ہیں۔

پھر چوتھا معجزہ قرآن شریف کا اس کی روحانی تاثیرات ہیں جو ہمیشہ اس میں محفوظ چلی آتی ہیں یعنی یہ کہ اس کی پیروی کرنے والے قبولیت الٰہی کے مراتب کو پہنچتے ہیں اور مکالماتِ الٰہیہ سے مشرف کئے جاتے ہیں۔ خدائے تعالیٰ ان کی دعاؤں کو سنتا اور انہیں محبت اور رحمت کی راہ سے جواب دیتا ہے اور بعض اسرارِ غیبیہ پر نبیوں کی طرح ان کو مطلع فرماتا ہے اور اپنی تائید اور نصرت کے نشانوں سے دوسری مخلوقات سے انہیں ممتاز کرتا ہے یہ بھی ایسا نشان ہے جو قیامت تک اُمت محمدیہ میں قائم رہے گا اور ہمیشہ ظاہر ہوتا چلا آیا ہے اور اب بھی موجود اور متحقق الوجود ہے۔ مسلمانوں میں سے ایسے لوگ اب بھی دنیا میں پائے جاتے ہیں کہ جن کو اللہ جلّشانہٗ اپنی تائیداتِ خاصہ سے مؤیّد فرما کر الہامات صحیحہ و صادقہ و مبشرات و مکاشفات غیبیہ سے سرفراز فرماتا ہے۔ ﴿۲۳﴾

اب اے حق کے طالبو اور سچے نشانوں کے بھوکو اور پیاسو! انصاف سے دیکھو اور ذرا پاک نظر سے غور کرو کہ جن نشانوں کا خدائے تعالیٰ نے قرآن شریف میں ذکر کیا ہے کس

اعلیٰ درجہ کے نشان ہیں اور کیسے ہر زمانے کیلئے مشہود ومحسوس کا حکم رکھتے ہیں۔ پہلے نبیوں کے معجزات کا اب نام ونشان باقی نہیں، صرف قصے ہیں۔ خدا جانے ان کی اصلیت کہاں تک درست ہے۔ بالخصوص حضرت مسیحؑ کے معجزات جو انجیلوں میں لکھے ہیں باوجود قصوں اور کہانیوں کے رنگ میں ہونے کے اور باوجود بہت سے مبالغات کے جو اُن میں پائے جاتے ہیں۔ ایسے شکوک وشبہات ان پر وارد ہوتے ہیں کہ جن سے انہیں بکلّی صاف و پاک کر کے دکھلانا بہت مشکل ہے۔ اور اگر ہم فرض کے طور پر تسلیم بھی کر لیں کہ جو کچھ اناجیل مروجہ میں حضرت مسیح کی نسبت بیان کیا گیا ہے کہ لولے اور لنگڑے اور مفلوج اور اندھے وغیرہ بیماران کے چھونے سے اچھے ہو جاتے تھے۔ یہ تمام بیان بلا مبالغہ ہے اور ظاہر پر ہی محمول ہے کوئی اور معنی اس کے نہیں۔ تب بھی حضرت مسیح کی ان باتوں سے کوئی بڑی خوبی ثابت نہیں ہوتی۔ اوّل تو انہیں دنوں میں ایک تالاب بھی ایسا تھا کہ اس میں ایک وقت خاص میں غوطہ مارنے سے ایسی سب مرضیں فی الفور دور ہو جاتی تھیں جیسا کہ خود انجیل میں مذکور ہے پھر ماسوائے اس کے زمانہ دراز کی تحقیقاتوں نے اس بات کو ثابت کر دیا ہے کہ ملکہ سلب امراض منجملہ علوم کے ایک علم ہے جس کے اب بھی بہت لوگ مشاق پائے جاتے ہیں۔ جس میں شدت توجہ اور دماغی طاقتوں کے خرچ کرنے اور جذب خیال کا اثر ڈالنے کی مشق درکار ہے۔ سو اس علم کو نبوت سے کچھ علاقہ نہیں بلکہ مردِ صالح ہونا بھی اس کے لئے ضروری نہیں اور قدیم سے یہ علم رائج ہوتا چلا آیا ہے۔ مسلمانوں میں بعض اکابر جیسے محی الدین (ابن) عربی صاحب فصوص اور بعض نقشبندیوں کے اکابر اس کام میں مشاق گزرے ہیں۔ ایسے کہ ان کے وقت میں ان کی نظیر پائی نہیں گئی بلکہ بعض کی نسبت ذکر کیا گیا ہے کہ وہ اپنی کامل توجہ سے باذنہٖ تعالیٰ تازہ

مردوں سے باتیں کر کے دکھلا دیتے تھے☆ اور دو دو تین تین سَو بیماروں کو اپنے دائیں بائیں بٹھلا کر ایک ہی نظر سے تندرست کر دیتے تھے اور بعض جو مشق میں کچھ کمزور تھے وہ ہاتھ لگا کر یا بیمار کے کسی کپڑے کو چھو کر شفا بخشتے تھے۔ اس مشق میں عامل عمل کے وقت میں کچھ ایسا احساس کرتا ہے کہ گویا اس کے اندر سے بیمار پر اثر ڈالنے کے وقت ایک قوت نکلتی ہے اور بسا اوقات بیمار کو بھی یہ مشہود ہوتا ہے کہ اس کے اندر سے ایک زہریلا مادہ حرکت کر کے سفلی اعضا کی طرف اُترتا چلا جاتا ہے یہاں تک کہ بکلّی منہدم ہو جاتا ہے۔ اس علم میں اسلام میں بہت سی تالیفیں موجود ہیں اور میں خیال کرتا ہوں کہ ہندوؤں میں بھی اس کی کتابیں ہونگی۔ حال میں جو انگریزوں نے فن مسمریزم نکالا ہے حقیقت میں وہ بھی اسی علم کی ایک شاخ ہے۔ انجیل پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مسیح کو بھی کسی قدر اس علم میں مشق تھی مگر کامل نہیں تھے۔ اس وقت کے لوگ سادہ اور اس علم سے بے خبر تھے۔ اسی وجہ سے اس زمانہ میں یہ عمل اپنی حد سے زیادہ قابل تعریف سمجھا گیا تھا مگر پیچھے سے جوں جوں اس علم کی حقیقت کھلتی گئی لوگ اپنے علوّ اعتقاد سے تنزل کرتے گئے۔ یہاں تک کہ بعضوں نے یہ رائے ظاہر کی کہ ایسی مشقوں سے بیماروں کو چنگا کرنا یا مجنونوں کو شفا بخشنا کچھ بھی کمال کی بات نہیں بلکہ اس میں ایماندار ہونا بھی ضروری نہیں۔ چہ جائیکہ نبوت یا ولایت پر یہ دلیل ہو سکے۔ ان کا یہ بھی قول ہے کہ عمل سلبِ امراض بدنیہ کی کامل مشق اور اُسی شغل میں دن رات اپنے تئیں ڈالے رکھنا روحانی ترقی کیلئے سخت مضر ہے اور ایسے شخص کے ہاتھ سے

﴿۲۴﴾

☆ تازہ مردوں کا عمل توجہ سے چند منٹ یا چند گھنٹوں کیلئے زندہ ہو جانا قانون قدرت کے منافی نہیں جس حالت میں ہم بچشم خود دیکھتے ہیں کہ بعض جاندار مرنے کے بعد کسی دوا سے زندہ ہو جاتے ہیں تو پھر انسان کا زندہ ہونا کیا مشکل اور کیوں دور از قیاس ہے۔ منه

روحانی تربیت کا کام بہت ہی کم ہوتا ہے اور قوتِ منوّرہ اُس کے قلب کی بغایت درجہ گھٹ جاتی ہے۔ خیال ہوسکتا ہے کہ اسی وجہ سے حضرت مسیح علیہ السلام اپنی روحانی تربیت میں بہت کمزور نکلے جیسا کہ پادری بٹلر صاحب جو باعتبار عہدہ و نیز بوجہ لیاقت ذاتی کے ایک ممتاز آدمی معلوم ہوتے ہیں۔ وہ نہایت افسوس سے لکھتے ہیں کہ مسیحؑ کی روحانی تربیت بہت ضعیف اور کمزور ثابت ہوتی ہے اور اُن کے صحبت یافتہ لوگ جو حواریوں کے نام سے موسوم تھے اپنے روحانی تربیت یافتہ ہونے میں اور انسانی قوتوں کی پوری تکمیل سے کوئی اعلیٰ درجہ کا نمونہ دکھلا نہ سکے۔ (کاش حضرت مسیح نے اپنے ظاہری شغل سلبِ امراض کی طرف ﴿۲۵﴾ کم توجہ کی ہوتی اور وہی توجہ اپنے حواریوں کی باطنی کمزوریوں اور بیماریوں پر ڈالتے خاص کر یہودا اسکریوطی پر) اس جگہ صاحب موصوف یہ بھی فرماتے ہیں کہ اگر نبی عربی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے صحابہ کے مقابلہ پر حواریوں کی روحانی تربیت یابی اور دینی استقامت کا موازنہ کیا جائے تو ہمیں افسوس کے ساتھ اقرار کرنا پڑتا ہے کہ حضرت مسیح کے حواری روحانی طور پر تربیت پذیر ہونے میں نہایت ہی کچے اور پیچھے رہے ہوئے تھے اور ان کے دماغی اور دلی قویٰ کو حضرت مسیح کی صحبت نے کوئی ایسی توسیع نہیں بخشی تھی جو صحابہ نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مقابل تعریف ہو سکے بلکہ حواریوں کی قدم قدم میں بزدلی، سست اعتقادی، تنگدلی، دنیا طلبی، بیوفائی ثابت ہوتی تھی مگر صحابہؓ نبی عربی (صلی اللہ علیہ وسلم) سے وہ صدق وفا ظہور میں آیا جس کی نظیر کسی دوسرے نبی کے پیروؤں میں ملنا مشکل ہے سو یہ اس روحانی تربیت کا جو کامل طور پر ہوئی تھی اثر تھا جس نے اُن کو بکلّی مبدّل کر کے کہیں کا کہیں پہنچا دیا تھا۔ اسی طرح بہت سے دانشمند انگریزوں نے حال میں ایسی کتابیں تالیف کی ہیں کہ جن میں اُنہوں نے اقرار کرلیا ہے کہ اگر ہم نبی عربی

(صلی اللہ علیہ وسلم) کی حالت رجوع الی اللہ وتوکّل واستقامت ذاتی وتعلیم کامل ومطہر والقائے تاثیرواصلاح خلق کثیرازمفسدین وتائیدات ظاہری وباطنی قادرمطلق کوان معجزات سے الگ کرکے بھی دیکھیں جو بمدمنقول ان کی نسبت بیان کی جاتی ہیں تب بھی ہماراانصاف اس اقرار کے لئے ہمیں مجبورکرتا ہے کہ یہ تمام امور جواُن سے ظہور میں آئے یہ بھی بلاشبہ فوق العادت اور بشری طاقتوں سے بالاتر ہیں اورنبوت صحیحہ صادقہ کے شناخت کرنے کیلئے قوی اور کافی نشان ہیں۔کوئی انسان جب تک اس کے ساتھ خدائے تعالیٰ نہ ہوکبھی ان سب باتوں میں کامل اورکامیاب نہیں ہوسکتااورنہ ایسی غیبی تائیدیں اُس کے شامل ہوتی ہیں۔

تیسرے سوال کا جواب

جن خیالات کوعیسائی صاحب نے اپنی عبارت میں بصورت اعتراض پیش کیا ہے وہ درحقیقت اعتراض نہیں ہیں بلکہ وہ تین غلط فہمیاں ہیں جو بوجہ قلّت تدبّراُن کے دل میں پیداہوگئی ہیں۔اوّل ہم الگ الگ ان غلط فہمیوں کو دورکرتے ہیں۔ ﴿۲۶﴾

پہلی غلط فہمی کی نسبت جواب یہ ہے کہ نبی برحق کی یہ نشانی ہرگزنہیں ہے کہ خدائے تعالیٰ کی طرح ہرایک مخفی بات کا بالاستقلال اس کوعلم بھی ہو بلکہ اپنے ذاتی اقتداراور اپنی ذاتی خاصیت سے عالم الغیب ہونا خدائے تعالیٰ کی ذات کا ہی خاصہ ہے۔قدیم سے اہل حق حضرت واجب الوجود کے علم غیب کی نسبت وجوبِ ذاتی کا عقیدہ رکھتے ہیں اور دوسرے تمام ممکنات کی نسبت امتناعِ ذاتی اورامکان بالواجب عزّاسمہٗ کا عقیدہ ہے یعنی یہ عقیدہ کہ خدائے تعالیٰ کی ذات کے لئے عالم الغیب ہوناواجب ہےاوراس کی ہَوِیّت حقہ کی یہ ذاتی خاصیت ہے کہ عالم الغیب ہومگرممکنات کے جو **ھالکۃ الذات** اور **باطلۃ الحقیقت** ہیں اس صفت میں اورایسا ہی دوسری صفات میں شراکت بحضرت باری عزّ اِسمہٗ

جائز نہیں اور جیسا ذات کی رو سے شریک الباری **ممتنع** ہے ایسا ہی صفات کی رو سے بھی **ممتنع** ہے۔ پس ممکنات کیلئے **نظراً علٰی ذاتھم** عالم الغیب ہونا **ممتنعات** میں سے ہے۔ خواہ نبی ہوں یا محدّث ہوں یا ولی ہوں، ہاں الہام الٰہی سے اسرار غیبیہ کو معلوم کرنا یہ ہمیشہ خاص اور برگزیدہ کو حصّہ ملتا رہا ہے اور اب بھی ملتا ہے جس کو ہم صرف تابعین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں پاتے ہیں نہ کسی اور میں۔ عادت اللہ اسی طرح پر جاری ہے کہ وہ کبھی کبھی اپنے مخصوص بندوں کو اپنے بعض اَسرارِ خاصہ پر مطلع کر دیتا ہے اور اوقات مقررہ اور مقدرہ میں رشحِ فیض غیب ان پر ہوتا ہے بلکہ کامل مقرب اللہ اسی سے آزمائے جاتے اور شناخت کئے جاتے ہیں کہ بعض اوقات آیندہ کی پوشیدہ باتیں یا کچھ چھپے اَسرار اُنہیں بتلائے جاتے ہیں مگر یہ نہیں کہ ان کے اختیار اور ارادہ اور اقتدار سے بلکہ خدائے تعالیٰ کے ارادہ اور اختیار اور اقتدار سے یہ سب نعمتیں انہیں ملتی ہیں۔

وہ جو اس کی مرضی پر چلتے ہیں اور اُسی کے ہو رہتے اور اسی میں کھوئے جاتے ہیں اس خیر محض کی ان سے کچھ ایسی ہی عادت ہے کہ اکثر ان کی سنتا اور اپنا گزشتہ فعل یا آئندہ کا منشاء بسا اوقات ان پر ظاہر کر دیتا ہے مگر بغیر اعلامِ الٰہی انہیں کچھ بھی معلوم نہیں ہوتا وہ اگرچہ خدائے تعالیٰ کے مقرب تو ہوتے ہیں مگر خدا تو نہیں ہوتے سمجھائے سمجھتے ہیں، بتلائے جانتے ہیں، دکھلائے دیکھتے ہیں، بلائے بولتے ہیں اور اپنی ذات میں کچھ بھی نہیں ہوتے۔ جب طاقت عظمٰی انہیں اپنے الہام کی تحریک سے بلاتی ہے تو وہ بولتے ہیں ﴿۲۷﴾ اور جب دکھلاتی ہے تو دیکھتے ہیں اور جب سناتی ہے تو سنتے ہیں اور جب تک خدائے تعالیٰ ان پر کوئی پوشیدہ بات ظاہر نہیں کرتا تب تک انہیں اس بات کی کچھ بھی خبر نہیں ہوتی۔ تمام نبیوں کے حالات زندگی (لائف) میں اس کی شہادت پائی جاتی ہے۔ حضرت مسیح علیہ السلام

کی طرف ہی دیکھو کہ وہ کیونکر اپنی لاعلمی کا آپ اقرار کر کے کہتے ہیں کہ اُس دن اور اس گھڑی کی بابت سوا باپ کے نہ تو فرشتے جو آسمان پر ہیں، نہ بیٹا، کوئی نہیں جانتا۔ باب۱۳۔ آیت۳۲ مرقس۔ اور پھر وہ فرماتے ہیں کہ میں آپ سے کچھ نہیں کرتا (یعنی کچھ نہیں کرسکتا) مگر جو میرے باپ نے سکھلایا وہ باتیں کہتا ہوں۔ کسی کو راستبازوں کے مرتبہ تک پہنچانا میرے اختیار میں نہیں۔ مجھے کیوں نیک کہتا ہے نیک کوئی نہیں مگر ایک یعنی خدا۔ مرقس☆۔

غرض کسی نبی نے بااقتدار یا عالم الغیب ہونے کا دعویٰ نہیں کیا۔ دیکھو اس عاجز بندہ کی طرف جس کو مسیح کر کے پکارا جاتا ہے اور جسے نادان مخلوق پرستوں نے خدا سمجھ رکھا ہے کہ کیسے اس نے ہر مقام میں اپنے قول اور فعل سے ظاہر کر دیا کہ میں ایک ضعیف اور کمزور اور ناتواں بندہ ہوں اور مجھ میں ذاتی طور پر کوئی بھی خوبی نہیں اور آخری اقرار جس پر ان کا خاتمہ ہوا کیسا پیارے لفظوں میں ہے۔ چنانچہ انجیل میں یوں لکھا ہے کہ وہ یعنی مسیح (اپنی گرفتاری کی خبر پا کر) گھبرانے اور بہت دلگیر ہونے لگا اور ان سے (یعنی اپنے حواریوں سے) کہا کہ میری جان کا غم موت کا سا ہے اور وہ تھوڑا آگے جا کر زمین پر گر پڑا (یعنی سجدہ کیا) اور دعا مانگی کہ اگر ہو سکے تو یہ گھڑی مجھ سے ٹل جائے اور کہا کہ اے ابّا! اے باپ! سب کچھ تجھ سے ہوسکتا ہے۔ اس پیالہ کو مجھ سے ٹال دے۔ یعنی تو قادرِ مطلق ہے اور میں ضعیف اور عاجز بندہ ہوں۔ تیرے ٹالنے سے یہ بلا ٹل سکتی ہے اور آخر **ایلی ایلی لما سبقتنی** کہہ کر جان دی جس کا ترجمہ یہ ہے کہ ’’اے میرے خدا! اے میرے خدا!! تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا۔‘‘

اب دیکھئے کہ اگرچہ دعا تو قبول نہ ہوئی کیونکہ تقدیر مبرم تھی۔ ایک مسکین مخلوق کی

☆ مرقس باب۱۰ آیت ۱۸۔ (ناشر)

خالق کے قطعی ارادہ کے آگے کیا پیش جاتی تھی مگر حضرت مسیح نے اپنی عاجزی اور بندگی کے اقرار کو نہایت حد تک پہنچا دیا۔ اس امید سے کہ شاید قبول ہو جائے۔ اگر انہیں پہلے سے علم ہوتا کہ دعا ردّ کی جائے گی ہرگز قبول نہیں ہوگی تو وہ ساری راتؔ برابر فجر تک اپنے بچاؤ کے لئے کیوں دعا کرتے رہتے اور کیوں اپنے تئیں اور اپنے حواریوں کو بھی تقید سے اس لاحاصل مشقت میں ڈالتے۔ ﴿۲۸﴾

سو بقول معترض صاحب ان کے دل میں یہی تھا کہ انجام خدا کو معلوم ہے مجھے معلوم نہیں۔ پھر ایسا ہی حضرت مسیح کی بعض پیشگوئیوں کا صحیح نہ نکلنا دراصل اسی وجہ سے تھا کہ بباعث عدم علم براسرارِ مخفیہ اجتہادی طور پر تشریح کرنے میں اُن سے غلطی ہو جاتی تھی جیسا کہ آپ نے فرمایا تھا کہ جب نئی خلقت میں ابن آدم اپنے جلال کے تخت پر بیٹھے گا تم بھی (اے میرے بارہ حواریو) بارہ تختوں پر بیٹھو گے۔ دیکھو باب ۱۹۔ آیت ۲۸۔ متی۔

لیکن اسی انجیل سے ظاہر ہے کہ یہودا اسکریوطی اس تخت سے بےنصیب رہ گیا۔ اس کے کانوں نے تخت نشینی کی خبر سن لی مگر تخت پر بیٹھنا اُسے نصیب نہ ہوا اب راستی اور سچائی سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر حضرت مسیح کو اس شخص کے مرتد اور بدعاقبت ہونے کا پہلے سے علم ہوتا تو کیوں اس کو تخت نشینی کی جھوٹی خوش خبری سناتے۔ ایسا ہی ایک مرتبہ آپ ایک انجیر کا درخت دور سے دیکھ کر انجیر کھانے کی نیت سے اس کی طرف گئے مگر جا کر جو دیکھا تو معلوم ہوا کہ اس پر ایک بھی انجیر نہیں تو آپ بہت ناراض ہوئے اور غصہ کی حالت میں اس انجیر کو بددعا دی جس کا کوئی بداثر انجیر پر ظاہر نہ ہوا۔ اگر آپ کو کچھ غیب کا علم ہوتا تو بےثمر درخت کی طرف اس کا پھل کھانے کے ارادہ سے کیوں جاتے۔

ایسا ہی ایک مرتبہ آپ کے دامن کو ایک عورت نے چھوا تھا تو آپ چاروں طرف

پوچھنے لگے کہ کس نے میرا دامن چھوا ہے؟ اگر کچھ علم غیب سے حصہ ہوتا تو دامن چھونے والی کا پتہ معلوم کرنا تو کچھ بڑی بات نہ تھی ایک اور مرتبہ آپ نے یہ پیشگوئی بھی کی تھی کہ اس زمانہ کے لوگ گزر نہ جائیں گے جب تک یہ سب کچھ (یعنی مسیح کا دوبارہ دنیا میں آنا اورستاروں کا گرنا وغیرہ) واقع نہ ہووے لیکن ظاہر ہے کہ نہ اس زمانہ میں کوئی ستارہ آسمان کا زمین پر گرا اور نہ حضرت مسیح عدالت کیلئے دنیا میں آئے اور وہ صدی تو کیا اس پر اٹھارہ صدیاں اور بھی گزر گئیں اور انیسویں گزرنے کو عنقریب ہے۔ سوحضرت مسیح کے علم غیب سے بے بہرہ ہونے کے لئے یہی چند شہادتیں کافی ہیں جو کسی اور کتاب سے نہیں بلکہ چاروں انجیلوں سے دیکھ کر ہم نے لکھی ہیں دوسرے اسرائیلی نبیوں کا بھی یہی حال ہے۔ حضرت یعقوب نبی ہی تھے مگر انہیں کچھ خبر نہ ہوئی کہ اُسی گاؤں کے بیابان میں میرے بیٹے پر کیا گزر رہا ہے۔ حضرت دانیال اس مدت تک کہ خدائے تعالیٰ نے بخت نصر کے رؤیا کی ان پر تعبیر کھول دی کچھ بھی علم نہیں رکھتے تھے کہ خواب کیا ہے اور اس کی تعبیر کیا ہے؟ ﴿۲۹﴾

پس اس تمام تحقیق سے ظاہر ہے کہ نبی کا یہ کہنا کہ یہ بات خدا کو معلوم ہے مجھے معلوم نہیں، بالکل سچ اور اپنے محل پر چسپاں اور سراسر اس نبی کا شرف اور اس کی عبودیت کا فخر ہے بلکہ ان باتوں سے اپنے آقائے کریم کے آگے اس کی شان بڑھتی ہے نہ یہ کہ اس کے منصب نبوت میں کچھ فتور لازم آتا ہے۔ ہاں اگر یہ تحقیق منظور ہو کہ خدائے تعالیٰ کے اعلام سے جو اسرار غیب حاصل ہوتے ہیں وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کس قدر ہوئے تو میں ایک بڑا ثبوت اس بات کا پیش کرنے کیلئے تیار ہوں کہ جس قدر توریت وانجیل اور تمام بائیبل میں نبیوں کی پیشگوئیاں لکھی ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئیاں کَمًّا وَ کَیْفًا ہزار حصہ سے بھی ان سے زیادہ ہیں جن کی تفصیل احادیث نبویہ کی رو سے جو بڑی

تحقیق سے قلم بند کی گئی ہیں، معلوم ہوتی ہے اور اجمالی طور پر مگر کافی اور اطمینان بخش اور نہایت مؤثر بیان قرآن شریف میں موجود ہے۔ پھر دیگر اہل مذاہب کی طرح مسلمانوں کے ہاتھ میں صرف قصہ ہی نہیں بلکہ وہ تو ہر صدی میں غیر قوموں کو کہتے رہے ہیں اور اب بھی کہتے ہیں کہ یہ سب برکات اسلام میں ہمیشہ کے لئے موجود ہیں۔ بھائیو! آؤ اوّل آزماؤ پھر قبول کرو مگر اُن آوازوں کو کوئی نہیں سنتا۔ حجت الٰہی ان پر پوری ہے کہ ہم بلاتے ہیں وہ نہیں آتے اور ہم دکھاتے ہیں وہ نہیں دیکھتے۔ انہوں نے آنکھوں اور کانوں کو بکلّی ہم سے پھیر لیا تا نہ ہو کہ وہ سنیں اور دیکھیں اور ہدایت پاویں۔

دوسری غلط فہمی جو معترض نے پیش کی ہے یعنی یہ کہ اصحاب کہف کی تعداد کی بابت قرآن شریف میں غلط بیان ہے یہ نرا دعویٰ ہے۔ معترض نے اس بارے میں کچھ نہیں لکھا کہ وہ بیان کیوں غلط ہے اور اس کے مقابل پر صحیح کونسا بیان ہے اور اس کی صحت پر کون سے دلائل ہیں تا اس کے دلائل پر غور کی جائے اور جواب شافی دیا جائے۔ اگر معترض کو فرقانی بیان پر کچھ کلام تھا تو اس کی وجوہات پیش کرنی چاہئیں تھیں۔ بغیر پیش کرنے وجوہات کے یونہی غلط ٹھہرانا متلاشیٔ حق کا کام نہیں ہے۔

﴿۳۰﴾ **تیسری غلط فہمی** معترض کے دل میں یہ پیدا ہوئی ہے کہ قرآن شریف میں لکھا ہے کہ ایک بادشاہ (جس کی سیر و سیاحت کا ذکر قرآن شریف میں ہے) سیر کرتا کرتا کسی ایسے مقام تک پہنچا جہاں اُسے سورج دلدل میں چھپتا نظر آیا۔ اب عیسائی صاحب مجاز سے حقیقت کی طرف رُخ کر کے یہ اعتراض کرتے ہیں کہ سورج اتنا بڑا ہو کر ایک چھوٹے سے دلدل میں کیونکر چھپ گیا۔ یہ ایسی بات ہے جیسے کوئی کہے کہ انجیل میں مسیح کو خدا کا برّہ لکھا ہے یہ کیونکر ہو سکتا ہے۔ برّہ تو وہ ہوتا ہے جس کے سر پر سینگ اور بدن پر پشم وغیرہ بھی ہو

اور چار پایوں کی طرح سرنگوں چلتا اور وہ چیزیں کھاتا ہو جو برّے کھایا کرتے ہیں؟ اے صاحب! آپ نے کہاں سے اور کس سے سن لیا کہ قرآن شریف نے واقعی طور پر سورج کے دلدل میں چھپنے کا دعویٰ کیا ہے۔ قرآن شریف تو فقط بمنصب نقل خیال اس قدر فرماتا ہے کہ اس شخص کو اس کی نگاہ میں دلدل میں سورج چھپتا ہوا معلوم ہوا۔ سو یہ تو ایک شخص کی رویت کا حال بیان کیا گیا ہے کہ وہ ایسی جگہ پہنچا جس جگہ سورج کسی پہاڑ یا آبادی یا درختوں کی اوٹ میں چھپتا ہوا نظر نہیں آتا تھا جیسا کہ عام دستور ہے بلکہ دلدل میں چھپتا ہوا معلوم دیتا تھا۔ مطلب یہ کہ اُس جگہ کوئی آبادی یا درخت یا پہاڑ نزدیک نہ تھے بلکہ جہاں تک نظر وفا کرے ان چیزوں میں سے کسی چیز کا نشان نظر نہیں آتا تھا فقط ایک دلدل تھا جس میں سورج چھپتا دکھائی دیتا تھا۔

ان آیات کا سیاق سباق دیکھو کہ اس جگہ حکیمانہ تحقیق کا کچھ ذکر بھی ہے فقط ایک شخص کی دور دراز سیاحت کا ذکر ہے اور ان باتوں کے بیان کرنے سے اسی مطلب کا اثبات منظور ہے کہ وہ ایسے غیر آباد مقام پر پہنچا۔ سو اس جگہ ہیئت کے مسائل لے بیٹھنا بالکل بےمحل نہیں تو اور کیا ہے؟ مثلاً اگر کوئی کہے کہ آج رات بادل وغیرہ سے آسمان خوب صاف ہو گیا تھا اور ستارے آسمان کے نقطوں کی طرح چمکتے ہوئے نظر آتے تھے تو اس سے یہ جھگڑا لے بیٹھیں کہ کیا ستارے نقطوں کی مقدار پر ہیں اور ہیئت کی کتابیں کھول کھول کر پیش کریں تو بلاشبہ یہ حرکت بےخبروں کی سی حرکت ہوگی کیونکہ اس وقت متکلّم کی نیت میں واقعی امر کا بیان کرنا مقصود نہیں وہ تو صرف مجازی طور پر جس طرح ساری دنیا جہان بولتا ہے بات کر رہا ہے۔ اے وہ لوگو! جو عشائے ربّانی میں مسیح کا لہو پیتے اور گوشت کھاتے ہو کیا ابھی تک تمہیں مجازات اور استعارات کی خبر نہیں؟ سب جانتے ہیں کہ ہر ایک ملک کی عام

﴿۳۱﴾

بول چال میں مجازات اور استعارات کے استعمال کا نہایت وسیع دروازہ کھلا ہے اور وحی الٰہی انہیں محاورات و استعارات کو اختیار کرتی ہے جو سادگی سے عوام الناس نے اپنی روزمرہ کی بات چیت اور بول چال میں اختیار کر رکھی ہیں۔ فلسفہ کی دقیق اصطلاحات کی ہر جگہ اور ہر محل میں پیروی کرنا وحی کی طرز نہیں کیونکہ روئے سخن عوام الناس کی طرف ہے۔ پس ضرور ہے کہ ان کی سمجھ کے موافق اور ان کے محاورات کے لحاظ سے بات کی جائے۔ حقائق و دقائق کا بیان کرنا بجائے خود ہے مگر محاورات کا چھوڑنا اور مجازات اور استعارات عادیہ سے یک لخت کنارہ کش ہونا ایسے شخص کے لئے ہرگز روا نہیں جو عوام الناس سے مذاق پر بات کرنا اس کا فرضِ منصب ہے تا وہ اس کی بات کو سمجھیں اور ان کے دلوں پر اس کا اثر ہو۔ لہٰذا یہ مسلّم ہے کہ کوئی ایسی الہامی کتاب نہیں جس میں مجازات اور استعارات سے کنارہ کیا گیا ہو یا کنارہ کرنا جائز ہو۔ کیا کوئی کلامِ الٰہی دنیا میں ایسا بھی آیا ہے؟ اگر ہم غور کریں تو ہم خود اپنی ہر روزہ بول چال میں صدہا مجازات و استعارات بول جاتے ہیں اور کوئی بھی ان پر اعتراض نہیں کرتا۔ مثلاً کہا جاتا ہے کہ ہلال بال سا باریک ہے اور ستارے نقطے سے ہیں یا چاند بادل کے اندر چھپ گیا اور سورج ابھی تک جو پہر دن چڑھا ہے نیزہ بھر اوپر آیا ہے یا ہم نے ایک رکابی پلاؤ کی کھائی یا ایک پیالہ شربت کا پی لیا۔ تو ان سب باتوں سے کسی کے دل میں یہ دھڑکا شروع نہیں ہوتا کہ ہلال کیونکر بال سا باریک ہوسکتا ہے اور ستارے کس وجہ سے بقدر نقطوں کے ہوسکتے ہیں یا چاند بادل کے اندر کیونکر سما سکتا ہے اور کیا سورج نے باوجود اپنی اس تیز حرکت کے جس سے وہ ہزارہا کوس ایک دن میں طے کر لیتا ہے ایک پہر میں فقط بقدر نیزہ کے اتنی مسافت طے کرے ہے اور نہ رکابی پلاؤ کی کھانے یا پیالہ شربت کا پینے سے یہ کوئی خیال کرسکتا ہے کہ رکابی اور پیالہ کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے کھا لیا

ہوگا۔ بلکہ یہ سمجھیں گے کہ جوان کے اندر چاول اور پانی ہے وہی کھایا پیا ہوگا۔ نہایت صاف بات پر اعتراض کرنا کوئی دانا مخالف بھی پسند نہیں کرتا۔ انصاف پسند عیسائیوں سے ہم نے خود سنا ہے کہ ایسے ایسے اعتراض ہم میں سے وہ لوگ کرتے ہیں جو بے خبر یا سخت درجہ کے متعصّب ہیں۔

بھلا یہ کیا حق روی ہے؟ کہ اگر کلامِ الٰہی میں مجاز یا استعارہ کی صورت پر کچھ وارد ہو تو اس بیان کو حقیقت پر حمل کر کے مورد اعتراض بنایا جائے۔ اس صورت میں کوئی الہامی کتاب بھی اعتراض سے نہیں بچ سکتی۔ جہاز میں بیٹھنے والے اور اگنبوٹ پر سوار ہونے والے ہر روز یہ تماشا دیکھتے ہیں کہ سورج پانی میں سے ہی نکلتا ہے اور پانی میں ہی غروب ہوتا ہے اور صدہا مرتبہ آپس میں جیسا دیکھتے ہیں، بولتے بھی ہیں کہ وہ نکلا اور وہ غروب ہوا۔ اب ظاہر ہے کہ اس بول چال کے وقت میں علم ہیئت کے دفتر اُن کے آگے کھولنا اور نظامِ شمسی کا مسئلہ لے بیٹھنا گویا یہ جواب سننا ہے کہ اے پاگل! کیا یہ علم تجھے ہی معلوم ہے۔ ہمیں معلوم نہیں۔ ﴿۳۲﴾

عیسائی صاحب نے قرآن شریف پر تو اعتراض کیا مگر انجیل کے وہ مقامات جن پر حقًّا وحقیقتاً اعتراض ہوتا ہے بھولے رہے۔ مثلاً بطور نمونہ دیکھو کہ انجیل متی ومرقس میں لکھا ہے کہ مسیح کو اس وقت آسمان سے خلق اللہ کی عدالت کے لئے اُترتا دیکھو گے جب سورج اندھیرا ہو جائے گا اور چاند اپنی روشنی نہیں دے گا اور ستارے آسمان سے گر جائیں گے۔ اب ہیئت کا علم ہی یہ اشکال پیش کرتا ہے کہ کیونکر ممکن ہے کہ تمام ستارے زمین پر گریں اور سب ٹکڑے ٹکڑے ہو کر زمین کے کسی گوشہ میں جا پڑیں اور بنی آدم کو ان کے گرنے سے کچھ بھی حرج اور تکلیف نہ پہنچے اور سب زندہ اور سلامت رہ جائیں حالانکہ ایک ستارہ کا گرنا بھی سُکَّانُ الْاَرْضِ کی تباہی کے لئے کافی ہے پھر یہ امر بھی قابل غور ہے کہ جب

ستارے زمین پر گر کر زمین والوں کو صفحہ ہستی سے بے نشان و نابود کریں گے تو مسیح کا یہ قول کہ تم مجھے بادلوں میں آسمان سے اُترتا دیکھو گے کیونکر درست ہوگا؟ جب لوگ ہزاروں ستاروں کے نیچے دبے ہوئے مرے پڑے ہوں گے تو مسیح کا اُترنا کون دیکھے گا؟ اور زمین جو ستاروں کی کشش سے ثابت و برقرار ہے کیونکر اپنی حالت صحیحہ پر قائم اور ثابت رہے گی اور مسیح کن برگزیدوں کو (جیسا کہ انجیل میں ہے) دور دور سے بلائے گا اور کن کو سرزنش اور تنبیہ کرے گا کیونکہ ستاروں کا گرنا تو بہ بداہت مستلزم عام فنا اور عام موت بلکہ تختۂ زمین کے انقلاب کا موجب ہوگا۔ اب دیکھئے کہ یہ سب بیانات علم ہیئت کے برخلاف ہیں یا نہیں؟ ایسا ہی ایک اور اعتراض علم ہیئت کی رو سے انجیل پر ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ انجیل متی میں دیکھو وہ ستارہ جو انہوں نے (یعنی مجوسیوں نے) پورب میں دیکھا تھا ان کے آگے آگے چل رہا اور اس جگہ کے اوپر جہاں وہ لڑکا تھا جا کر ٹھہرا۔ (باب ۲۔ آیت ۹ متی)

اب عیسائی صاحبان براہ مہربانی بتلاویں کہ علم ہیئت کی رو سے اس عجیب ستارہ کا کیا نام ہے جو مجوسیوں کے ہم قدم اور ان کے ساتھ ساتھ چلا تھا اور یہ کس قسم کی حرکت اور کن قواعد کی رو سے مسلّم الثبوت ہے؟ مجھے معلوم نہیں کہ انجیل متی ایسے ستارہ کے بارے میں ہیئت والوں سے کیونکر پیچھا چھڑا سکتی ہے۔ بعض صاحب تنگ آکر یہ جواب دیتے ہیں کہ یہ مسیح کا قول نہیں متی کا قول ہے۔ متی کے قول کو ہم الہامی نہیں جانتے۔ یہ خوب جواب ہے جس سے انجیل کے الہامی ہونے کی بخوبی قلعی کھل گئی اور میں بطور تنزل کہتا ہوں کہ گو یہ مسیح کا قول نہیں متی یا کسی اور کا قول ہے مگر مسیح کا قول بھی تو (جس کو الہامی مانا گیا ہے اور جس پر ابھی ہماری طرف سے اعتراض ہو چکا ہے) اسی کا ہم رنگ اور ہم شکل ہے ذرا اُسی کو اصولِ ہیئت سے مطابق کر کے دکھلایئے اور نیز یہ بھی یاد رہے کہ یہ قول الہامی نہیں بلکہ

﴿۳۳﴾

انسان کی طرف سے انجیل میں ملایا گیا ہے تو پھر آپ لوگ ان انجیلوں کو جو آپ کے ہاتھ میں ہیں تمام بیانات کے اعتبار سے الہامی کیوں کہتے ہو؟ صاف طور پر کیوں مشتہر نہیں کر دیتے کہ بجز چندان باتوں کے جو حضرت مسیح کے مُنہ سے نکلی ہیں باقی جو کچھ اناجیل میں لکھا ہے وہ مؤلفین نے صرف اپنے خیال اور اپنی عقل اور فہم کے مطابق لکھا ہے، جو غلطیوں سے مبرا متصور نہیں ہوسکتا۔ جیسا کہ پادری صاحبوں کی عام تحریروں سے مجھے معلوم ہوا ہے کہ یہ رائے عام طور پر مشتہر بھی کی گئی ہے یعنی بالاتفاق انجیلوں کے بارے میں یہ تسلیم کرلیا گیا ہے کہ جو کچھ تاریخی طور پر معجزات وغیرہ کا ذکر ان میں پایا جاتا ہے وہ کوئی الہامی امر نہیں بلکہ انجیل نویسوں نے اپنے قیاس یا سماعت وغیرہ وسائل خارجیہ سے لکھ دیا ہے۔ غرض پادری صاحبوں نے اس اقرار سے ان بہت سے حملوں سے جو انجیلوں پر ہوتے ہیں اپنا پیچھا چھڑانا چاہا ہے اور ہر ایک انجیل میں تقریباً دس۹ حصے انسان کا کلام اور ایک حصہ خدائے تعالیٰ کا کلام مان لیا ہے اور ان اقرارات کی وجہ سے جو جو نقصان انہیں اُٹھانے پڑے۔ ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ عیسوی معجزات ان کے ہاتھ سے گئے اور ان کا کوئی شافی کافی ثبوت ان کے پاس نہ رہا کیونکہ ہر چند انجیل نویسوں نے تاریخی طور پر فقط اپنی طرف سے مسیح کے معجزات انجیلوں میں لکھے ہیں مگر مسیح کا اپنا خالص بیان جو الہامی کہلاتا ہے حواریوں کے بیان سے صریح مبائن ومخالف معلوم ہوتا ہے بلکہ اُسی کی ضد اور نقیض ہے۔ وجہ یہ کہ مسیح نے اپنے بیان میں جس کو الہامی کہا جاتا ہے جابجا معجزات کے دکھلانے سے انکار ہی کیا ہے اور معجزات کے مانگنے والوں کو صاف جواب دے دیا ہے کہ تمہیں کوئی معجزہ دکھلایا نہیں جائے گا۔ چنانچہ ہیرودیس نے بھی مسیح سے معجزہ مانگا تو اُس نے نہ دکھلایا اور بہت سے لوگوں نے اس کے نشان دیکھنے چاہے اور اور نشانوں کے بارے میں اس

﴿۳۴﴾

سے سوال بھی کیا مگر وہ صاف منکر ہو گیا اور کوئی نشان دکھلا نہ سکا بلکہ اس نے تمام رات جاگ کر خدا تعالیٰ سے یہ نشان مانگا کہ وہ یہودیوں کے ہاتھ سے محفوظ رہے تو یہ نشان بھی اس کو نہ ملا اور دعا ردّ کی گئی۔ پھر مصلوب ہونے کے بعد یہودیوں نے سچے دل سے کہا کہ اگر وہ اب صلیب پر سے زندہ ہو کر اُتر آوے تو ہم سب کے سب اس پر ایمان لائیں گے مگر وہ اُتر بھی نہ سکا۔ پس ان تمام واقعات سے صاف ظاہر ہے کہ جہاں تک انجیلوں میں الہامی فقرات ہیں وہ مسیح کو صاحب معجزات ہونے سے صاف جواب دے رہے ہیں اور اگر کوئی ایسا فقرہ ہے بھی کہ جس میں مسیح کے صاحب معجزات ہونے کے بارے میں کچھ خیال کر سکیں تو حقیقت میں وہ فقرہ ذوالوجوہ ہے جس کے اور اور معنی بھی ہو سکتے ہیں۔ کچھ ضروری نہیں معلوم ہوتا کہ اس کو ظاہر پر ہی محمول کیا جائے یا خواہ نخواہ کھینچ تان کر ان معجزات کا ہی مصداق ٹھہرایا جائے جن کا انجیل نویسوں نے اپنی طرف سے ذکر کیا ہے اور کوئی فقرہ خاص حضرت مسیح کی زبان سے نکلا ہوا ایسا نہیں کہ جو وقوع اور ثبوت معجزات پر صاف طور پر دلالت کرتا ہو بلکہ مسیح کے خاص اور پُر زور کلمات کی اسی امر پر دلالت پائی جاتی ہے کہ اُن سے ایک بھی معجزہ ظہور میں نہیں آیا۔☆ تعجب کہ عیسائی لوگ کیوں ان باتوں پر اعتماد و اعتبار نہیں کرتے جو مسیح کا خاص بیان اور الہامی کہلاتی ہیں اور خاص مسیح کے منہ سے نکلی ہیں؟ اور باتوں پر کیوں اعتماد کیا جاتا ہے اور کیوں ان کے قدر سے زیادہ ان پر زور دیا جاتا ہے جو عیسائیوں کے اپنے اقرار کے موافق الہامی نہیں ہیں بلکہ تاریخی طور پر انجیلوں میں

☆ قرآن شریف میں فقط اس مسیح کے معجزات کی تصدیق ہے جس نے کبھی خدائی کا دعویٰ نہیں کیا کیونکہ مسیح کئی ہوئے ہیں اور ہوں گے اور پھر قرآنی تصدیق ذوالوجوہ ہے جو انجیل نویسوں کے بیان کی ہرگز مصداق نہیں۔ منہ

داخل ہیں اور الہام کے سلسلہ سے بکلّی خارج ہیں اور الہامی عبارات سے بکلّی ان کا تناقض پایا جاتا ہے۔ پس جب الہامی اور غیر الہامی عبارات میں تناقض ہو تو اس کے دور کرنے کیلئے بجز اس کے اور کیا تدبیر ہے کہ جو عبارتیں الہامی نہیں ہیں وہ ناقابل اعتبار سمجھی جائیں اور صرف انجیل نویسوں کے مبالغات یقین نہ کئے جائیں؟ چنانچہ جا بجا ان کا مبالغہ کرنا ظاہر بھی ہے جیسا کہ یوحنا کی انجیل کی آخری آیت جس پر وہ مقدس انجیل ختم کی گئی ہے یہ ہے۔ ''پر اور بھی بہت سے کام ہیں جو یسوع نے کئے اور اگر وہ جُدا جُدا لکھے جاتے تو میں گمان کرتا ہوں کہ کتابیں جو لکھی جاتیں دنیا میں سما نہ سکتیں''۔ دیکھو کس قدر مبالغہ ہے زمین و آسمان کے عجائبات تو دنیا میں سما گئے مگر مسیح کی تین یا اڑھائی برس کی سوانح دنیا میں سما نہیں سکتی ایسے مبالغہ کرنے والے لوگوں کی روایت پر کیونکر اعتبار کر لیا جاوے۔ ﴿۳۵﴾

ہندوؤں نے بھی اپنے اوتاروں کی نسبت ایسی ہی کتابیں تالیف کی تھیں اور اسی طرح خوب جوڑ جوڑ سے ملا کر جھوٹ کا پل باندھا تھا سو اس قوم پر بھی اس افترا کا نہایت قوی اثر پڑا اور اِس سرے سے ملک کے اُس سرے تک رام رام اور کرشن کرشن دلوں میں رَچ گیا۔ بات یہ ہے کہ مرتب کردہ کتابیں جن میں بہت سا افتراء بھرا ہوا ہو اُن قبروں کی طرح ہوتے ہیں جو باہر سے خوب سفید کی جائیں اور چمکائی جائیں پر اندر کچھ نہ ہو۔ اندر کا حال ان بے خبر لوگوں کو کیا معلوم ہو سکتا ہے جو صدہا برسوں کے بعد پیدا ہوئے اور بنی بنائی کتابیں ایسی متبرک اور بے لوث ظاہر کر کے ان کو دی گئیں کہ گویا وہ اسی صورت اور وضع کے ساتھ آسمان سے اُتری ہیں سو وہ کیا جانتے ہیں کہ دراصل یہ مجموعہ کس طرح طیار کیا گیا ہے؟ دنیا میں ایسی تیز نگاہیں جو پردوں کو چیرتی ہوئی اندر گھس جائیں اور اصل حقیقت پر اطلاع پا لیں اور چور کو پکڑ لیں بہت کم ہیں اور افتراء کے جادو سے متأثر ہونے والی

روحیں اس قدر ہیں جن کا اندازہ کرنا مشکل ہے اسی وجہ سے ایک عالم تباہ ہوگیا اور ہوتا جاتا ہے۔ نادانوں نے ثبوت یا عدم ثبوت کے ضروری مسئلہ پر کچھ بھی غور نہیں کی اور انسانی منصوبوں اور بندشوں کا جو ایک مستمرہ طریقہ اور نیچرلی امر ہے جو نوع انسان میں قدیم سے چلا آتا ہے اس سے چوکس رہنا نہیں چاہا اور یونہی شیطانی دام کو اپنے پر لے لیا۔ مکّاروں نے اس شریر کیمیا گر کی طرح جو ایک سادہ لوح سے ہزار روپیہ نقد لے کر دس بیس لاکھ کا سونا بنا دینے کا وعدہ کرتا ہے سچا اور پاک ایمان نادانوں کا کھویا اور ایک جھوٹی راستبازی اور جھوٹی برکتوں کا وعدہ دیا جن کا خارج میں کچھ بھی وجود نہیں اور نہ کچھ ثبوت۔ آخر شرارتوں میں، مکروں میں، دنیا پرستیوں میں، نفس امّارہ کی پیروی میں اپنے سے بدتر ان کو کر دیا۔ بالآخر یہ نکتہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اعجازات اور پیشگوئیوں کے بارے میں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے وقوع میں آئیں قرآن شریف کی ایک ذرہ شہادت، انجیلوں کے ایک تودۂ عظیم سے جو مسیح کے اعجاز وغیرہ کے بارے میں ہو، ہزار ہا درجہ بڑھ کر ہے کیوں بڑھ کر ہے؟ اسی وجہ سے کہ خود باقرار تمام محقق پادریوں کے انجیلوں کا بیان خود حواریوں کا اپنا ہی کلام ہے اور پھر اپنا چشم دید بھی نہیں اور نہ کوئی سلسلہ راویوں کا پیش کیا ہے اور نہ کہیں ذاتی مشاہدہ کا دعویٰ کیا لیکن قرآن شریف میں اعجازات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں جو کچھ لکھا گیا ہے وہ خاص خدائے صادق وقدوس کی پاک شہادت ہے۔ اگر وہ صرف ایک ہی آیت ہوتی تب بھی کافی ہوتی۔ مگر اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کہ ان شہادتوں سے سارا قرآن شریف بھرا ہوا ہے۔ اب موازنہ کرنا چاہئے کہ کجا خدائے تعالیٰ کی پاک شہادت جس میں کذب ممکن نہیں اور کجا نادیدہ جھوٹ اور مبالغہ آمیز شہادتیں۔ ؎

بہ نزدیک دانائے بیدار دل جوئے سیم بہتر زِ صد تودۂ گِل

﴿۳۶﴾

افترائی باتوں پر کیوں تعجب کرنا چاہئے۔ ایسا بہت کچھ ہوا ہے اور ہوتا ہے۔ عیسائیوں کو آپ اقرار ہے کہ ہم میں سے بہت لوگ ابتدائی زمانوں میں اپنی طرف سے کتابیں بنا کر اور بہت کچھ کمالات اپنے بزرگوں کے ان میں لکھ کر پھر خدائے تعالیٰ کی طرف اُن کو منسوب کرتے رہے ہیں اور دعویٰ کر دیا جاتا تھا کہ وہ خدائے تعالیٰ کی طرف سے کتابیں ہیں☆ پس جب کہ قدیم عادت عیسائیوں اور یہودیوں کی یہی جعلسازی چلی آئی ہے تو پھر کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی کہ متی وغیرہ انجیلوں کو اس عادت سے کیوں باہر رکھا جائے؟ ﴿۳۷﴾

☆ جو کچھ انجیلوں میں ناجائز اور بے ثبوت مبالغہ معجزات حضرت مسیح کی نسبت یا ان کی ناواجب تعریفوں کے بارے میں پایا جاتا ہے۔ اس کی تحقیق کرنا مشکل ہے کہ کب اور کس وقت یہ باتیں انجیلوں میں ملائی گئی ہیں۔ اگرچہ عیسائیوں کو اقرار ہے کہ خود انجیل نویسوں نے یہ باتیں اپنی طرف سے ملا دی ہیں مگر اس عاجز کی دانست میں یہ حاشیئے آہستہ آہستہ چڑھے ہیں۔ اور جعلساز مکار پیچھے سے بہت کچھ موقع پاتے رہے ہیں ہاں مستقل طور پر کئی جعلی کتابیں جو الہامی ہونے کے نام سے مشہور ہو گئیں حضرات مسیحوں اور یہودیوں نے اوائل دنوں میں ہی تالیف کر کے شائع کر دی تھیں۔ چنانچہ اسی جعلسازی کی برکت سے بجائے ایک انجیل کے بہت سی انجیلیں شائع ہو گئیں عیسائیوں کا خود یہ بیان ہے کہ مسیح کے بعد جعلی انجیلیں کئی تالیف ہوئیں۔ جیسا کہ منجملہ اُن کے ایک انجیل برنباس بھی ہے۔ یہ تو عیسائیوں کا بیان ہے۔ مگر میں کہتا ہوں کہ چونکہ اُن انجیلوں اور اناجیل اربعہ مروجہ میں بہت کچھ تناقض ہے یہاں تک کہ برنباس کی انجیل مسیح کے مصلوب ہونے سے بھی منکر اور مسئلہ تثلیث کے بھی مخالف اور مسیح کی الوہیت اور ابنیت کو بھی نہیں مانتی اور نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے کی صریح لفظوں میں بشارت دیتی ہے۔ تو اب عیسائیوں کے اس دعوی بے دلیل کو کیونکر مان لیا جائے کہ جن انجیلوں کو اُنہوں نے رواج دیا ہے۔ وہ تو سچی ہیں اور جو اُن کے مخالف ہیں وہ سب جھوٹی ہیں۔ ماسوا اس کے جب کہ عیسائیوں میں جعل کی اس قدر گرم بازاری رہی ہے کہ بعض کامل اُستادوں نے ﴿۳۶﴾ ﴿۳۷﴾

حالانکہ اس ساہوکار کی طرح جس کا روزنامچہ اور بہی کھاتہ بوجہ صریح تناقض اور مشکوکیت کے پوشیدہ حال کو ظاہر کررہا ہو۔ ہر چہار انجیلوں سے وہ کارستانی ظاہر ہو رہی ہے جس کو انہوں نے چھپانا چاہا تھا۔ اسی وجہ سے یورپ اور امریکہ میں غور کرنے والوں کی طبیعتوں میں ایک طوفانِ شکوک پیدا ہو گیا ہے اور جس ناقص اور متغیر اور مجسم خدا کی طرف انجیل رہنمائی کر رہی ہے اس کے قبول کرنے سے وہ دہریہ رہنا زیادہ پسند کرتے ہیں۔ چنانچہ ﴿۳۸﴾ میرے ایک دوست فاضل انگریز نے امریکہ سے بذریعہ اپنی کئی چٹھیوں کے مجھے خبر دی ہے کہ ان ملکوں میں دانشمندوں میں سے کوئی بھی ایسا نہیں کہ عیسائی مذہب کو نقص سے خالی سمجھتا ہو اور اسلام کے قبول کرنے کے لئے مستعد نہ ہو۔ اور گو عیسائیوں نے قرآن شریف کے ترجمے محرف اور بدنما کر کے یورپ اور امریکہ کے ملکوں میں شائع کئے ہیں مگر ان کے

بقیہ حاشیہ : - پوری پوری انجیلیں بھی اپنی طرف سے بنا کر عام طور پر قوم میں اُنہیں شائع کر دیا اور ایک ذرہ پروں پر پانی پڑنے نہ دیا۔ تو کسی کتاب کا محرف مبدل کرنا اُن کے آگے کیا حقیقت تھا۔ پھر جب کہ یہ بھی تسلیم کر لیا گیا ہے کہ مسیح کے زمانہ میں یہ انجیلیں قلمبند نہیں ہوئیں بلکہ ساٹھ یا ستر برس مسیح کے فوت ہونے کے بعد یا کچھ کم و بیش یا اختلاف روایت اناجیل اربعہ کا مجموعہ دنیا میں پیدا ہوا تو اُس سے ان انجیلوں کی نسبت اور بھی شک پیدا ہوتا ہے۔ کیونکہ اس بات کا ثبوت دینا مشکل ہے کہ اس عرصہ تک حواری زندہ رہے ہوں یا اُن کی قوتیں قائم رہی ہوں۔ اب ہم سب قصوں کو مختصر کر کے ناظرین کو یہ باور دلاتے ہیں کہ اس بات کا عیسائیوں نے ہرگز صفائی سے ثبوت نہیں دیا کہ بارہ انجیلیں جعلی اور چار جن کو رواج دے رہے ہیں جعل اور تحریف سے مبرا ہیں بلکہ وہ ان چاروں کی نسبت بھی خود اقرار کرتے ہیں کہ وہ خالص خدائے تعالیٰ کا کلام نہیں اور اگر وہ ایسا اقرار بھی نہ کرتے تب بھی انجیلوں کے مغشوش ہونے میں کچھ شک نہیں تھا کیونکہ اس بات کا بار ثبوت اُن کے ذمہ ہے۔ جس سے آج تک وہ سبکدوش نہیں ہو سکے کہ کیوں دوسری انجیلیں جعلی اور یہ جعلی نہیں۔

اندر جو نور چھپا ہوا ہے وہ پاکیزہ دلوں پر اپنا کام کر رہا ہے۔ غرض امریکہ اور یورپ آج کل ایک جوش کی حالت میں ہے اور انجیل کے عقیدوں نے جو برخلاف حقیقت ہیں بڑی گھبراہٹ میں انہیں ڈال دیا ہے یہاں تک کہ بعضوں نے یہ رائے ظاہر کی کہ مسیح یا عیسیٰ نام (کا) خارج میں کوئی شخص کبھی پیدا نہیں ہوا بلکہ اس سے آفتاب مراد ہے اور بارہ حواریوں سے بارہ بُرج مراد ہیں۔ اور پھر اس مذہب عیسائی کی حقیقت زیادہ تر اس بات سے کھلتی ہے کہ جن نشانیوں کو حضرت مسیح ایمان داروں کے لئے قرار دیئے گئے تھے اُن میں سے ایک بھی ان لوگوں میں نہیں پائی جاتی حضرت مسیح نے فرمایا تھا کہ اگر تم میری پیروی کرو گے تو ہر ایک طرح کی برکت اور قبولیت میں میرا ہی روپ بن جاؤ گے اور معجزات اور قبولیت کے نشان تم کو دیئے جائیں گے اور تمہارے مومن ہونے کی یہی علامت ہوگی کہ تم طرح طرح کے نشان دکھلا سکو گے اور جو چاہو گے تمہارے لئے وہی ہوگا۔ اور کوئی بات تمہارے لئے ناممکن نہیں ہوگی۔ لیکن عیسائیوں کے ہاتھ میں ان برکتوں میں سے کچھ بھی نہیں۔ وہ اس خدا سے ناآشنا محض ہیں جو اپنے مخصوص بندوں کی دعائیں سنتا ہے اور انہیں آمنے سامنے شفقت اور رحمت کا جواب دیتا ہے۔ اور عجیب عجیب کام ان کے لئے کر دکھاتا ہے لیکن سچے مسلمان جو اُن راستبازوں کے قائم مقام اور وارث ہیں جو ان سے پہلے گذر چکے ہیں وہ اُس خدا کو پہچانتے اور اس کی رحمت کے نشانوں کو دیکھتے ہیں۔ اور اپنے مخالفوں کے سامنے آفتاب کی طرح جو ظلمت کے مقابل ہو ما بہ الامتیاز رکھتے ہیں۔ ہم بار بار لکھ چکے ہیں کہ اس دعویٰ کو بلا دلیل نہیں سمجھنا چاہئے سچے اور جھوٹے مذہب میں ایک آسمان پر فرق ہے اور ایک زمین پر۔ زمین کے فرق سے مراد وہ فرق ہے جو انسان کی عقل اور انسان کا کانشنس اور قانون قدرت اس عالم کا اس کی تشریح کرتا ہے۔ سو عیسائی مذہب اور اسلام

﴿۳۹﴾ کو جب اس محک کی رو سے جانچا جائے تو صاف ثابت ہوتا ہے کہ اسلام وہ فطرتی مذہب ہے جس کے اصولوں میں کوئی تصنع اور تکلّف نہیں اور جس کے احکام کوئی مستحدث اور بناوٹی امر نہیں اور کوئی ایسی بات نہیں جو زبردستی منوانی پڑے اور جیسا کہ خدائے تعالیٰ نے جابجا آپ فرمایا ہے۔ قرآن شریف صحیفۂ فطرت کے تمام علوم اور اس کی صداقتوں کو یاد دلاتا ہے اور اس کے اسرارِ غامضہ کو کھولتا ہے اور کوئی نئے امور برخلاف اس کے پیش نہیں کرتا بلکہ درحقیقت اُسی کے معارف دقیقہ ظاہر کرتا ہے۔ برخلاف اس کے عیسائیوں کی تعلیم جس کا انجیل پر حوالہ دیا جاتا ہے ایک نیا خدا پیش کر رہی ہے جس کی خودکشی پر دنیا کے گناہ اور عذاب سے نجات موقوف اور اس کے دُکھ اُٹھانے پر خلقت کا آرام موقوف اور اس کے بے عزت اور ذلیل ہونے پر خلقت کی عزت موقوف خیال کی گئی ہے۔ پھر بیان کیا گیا ہے کہ وہ ایک ایسا عجیب خدا ہے کہ ایک حصہ اس کی عمر کا تو **منزّہ عن الجسم و عن عیوب الجسم** میں گزرا ہے اور دوسرا حصہ عمر کا (کسی نامعلوم بدبختی کی وجہ سے) ہمیشہ کو تجسم اور تحیّز کی قید میں اسیر ہو گیا اور گوشت پوست استخوان وغیرہ سب کے سب اس کی روح کے لئے لازمی ہو گئے اور اس تجسم کی وجہ سے کہ اب ہمیشہ اس کے ساتھ رہے گا، انواع اقسام کے اس کو دکھ اُٹھانے پڑے آخر دکھوں کے غلبہ سے مر گیا اور پھر زندہ ہوا اور اُسی جسم نے پھر آ کر اس کو پکڑ لیا اور ابدی طور پر اُسے پکڑے رہے گا۔ کبھی مَخلصی نہیں ہوگی۔ اب دیکھو کہ کیا کوئی فطرت صحیحہ اس اعتقاد کو قبول کر سکتی ہے؟ کیا کوئی پاک کانشنس اس کی شہادت دے سکتا ہے؟ کیا قانون قدرت کا ایک جزو بھی خدائے بےعیب و بےنقص وغیر متغیر کیلئے یہ حوادث و آفات روا رکھ سکتا ہے کہ اس کو ہمیشہ ہر ایک عالم کے پیدا کرنے اور پھر اس کو نجات دینے کیلئے ایک مرتبہ مرنا درکار ہے اور بجز خودکشی اپنے کسی افاضۂ خیر کی

صفت کو ظاہر نہیں کر سکتا اور نہ کسی قسم کا اپنی مخلوقات کو دنیا یا آخرت میں آرام پہنچا سکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر خدائے تعالیٰ کو اپنی رحمت بندوں پر نازل کرنے کیلئے خودکشی کی ضرورت ہے تو اُس سے لازم آتا ہے کہ ہمیشہ اس کو حادثہ موت کا پیش آتا رہے اور پہلے بھی بے شمار موتوں کا مزہ چکھ چکا ہو اور نیز لازم آتا ہے کہ ہندوؤں کے پرمیشر کی طرح معطل الصفّات ہو۔ اب خود ہی سوچو کہ کیا ایسا عاجز اور درماندہ خدا ہو سکتا ہے کہ جو بغیر خودکشی کے اپنی مخلوقات کو کبھی اور کسی زمانہ میں کوئی بھلائی پہنچا نہیں سکتا۔ کیا یہ ﴿۴۰﴾ حالت ضعف اور ناتوانی کی خدائے قادر مطلق کے لائق ہے؟ پھر عیسائیوں کے خدا کی موت کا نتیجہ دیکھئے تو کچھ بھی نہیں۔ ان کے خدا کی جان گئی مگر شیطان کے وجود اور اس کے کارخانہ کا ایک بال بھی بیکا نہ ہوا۔ وہی شیطان اور وہی اس کے چیلے جو پہلے تھے اب بھی ہیں۔ چوری، ڈکیتی، زنا، قتل، دروغ گوئی، شراب خواری☆ قماربازی، دنیا پرستی، بے ایمانی، کفر شرک، دہریہ پن اور دوسرے صدہا طرح کے جرائم ﴿۴۱﴾

﴿۴۰﴾ ☆ تازہ اخبارات سے معلوم ہوا ہے کہ تیرہ کروڑ ساٹھ ہزار پاؤنڈ ہر سال سلطنت برطانیہ میں شراب کشی اور شراب نوشی میں خرچ ہوتا ہے (اور ایک نامہ نگار ایم اے کی تحریر ہے) کہ شراب کی بدولت لندن میں صدہا خودکشی کی وارداتیں ہو جاتی ہیں اور خاص لندن میں شاید منجملہ تیس لاکھ آبادی کے دس ہزار آدمی مے نوش نہ ہوں گے، ورنہ سب مرد اور عورت خوشی اور آزادی سے شراب پیتے اور پلاتے ہیں۔ اہل لندن کا کوئی ایسا جلسہ اور سوسائٹی اور محفل نہیں ہے کہ جس میں سب سے پہلے برانڈی اور شری اور لال شراب کا انتظام نہ کیا جاتا ہو۔ ہر ایک جلسہ کا جزوِ اعظم شراب کو قرار دیا جاتا ہے اور طرفہ برآں یہ کہ لندن کے بڑے بڑے قسّیس اور پادری صاحبان بھی باوجود دیندار کہلانے کے مے نوشی میں اوّل درجہ ہوتے ہیں۔ جتنے جلسوں میں مجھ کو بطفیل مسٹر نکلیٹ صاحب شامل ہونے کا اتفاق ہوا ہے ان سب میں ضرور دو چار نوجوان پادری اور ریورنڈ بھی شامل ہوتے دیکھے۔ لندن میں شراب نوشی کو

جو قبل از مصلوبیت مسیح تھے اب بھی اُسی زور وشور میں ہیں بلکہ کچھ چڑھ، بڑھ کر۔ مثلاً دیکھئے کہ اس زمانہ میں کہ جب ابھی مسیحیوں کا خدا زندہ تھا عیسائیوں کی حالت اچھی تھی جبھی کہ اس خدا پر موت آئی جس کو کفّارہ کہا جاتا ہے۔ تبھی سے عجیب طور پر شیطان اس قوم پر سوار

بقیہ حاشیہ :- کسی بُری مد میں شامل نہیں سمجھا گیا اور یہاں تک شراب نوشی کی علانیہ گرم بازاری ہے کہ میں نے بچشم خود ہنگام سیر لندن اکثر انگریزوں کو بازار میں پھرتے دیکھا کہ متوالے ہو رہے ہیں اور ہاتھ میں شراب کی بوتل ہے۔ **علٰی ھذا القیاس** ۔لندن میں عورتیں دیکھی جاتی تھیں کہ ہاتھ میں بوتل بیئر پکڑے لڑکھڑاتی چلی جاتی ہیں۔ بیسیوں لوگ شراب سے مدہوش اور متوالے، اچھے بھلے، بھلے مانس مہذب بازاروں کی نالیوں میں گرے ہوئے دیکھے۔ شراب نوشی کے طفیل اور برکت سے لندن میں اس قدر خودکشی کی وارداتیں واقعہ ہوتی رہتی ہیں کہ ہر ایک سال اُن کا ایک مہلک وبا پڑتا ہے (یکم فروری ۱۸۸۳ء۔ رہبر ہندلاہور)

اسی طرح ایک صاحب نے لندن کی عام زنا کاری اور قریب ستر ستر ہزار کے ہر سال ولدالزنا پیدا ہونا ذکر کر کے وہ باتیں ان لوگوں کی بے حیائی کی لکھی ہیں کہ جن کی تفصیل سے قلم رُکتی ہے۔ بعض نے یہ بھی لکھا ہے کہ یورپ کے اوّل درجہ کے مہذب اور تعلیم یافتہ لوگوں کے اگر دس حصے کئے جائیں تو بلا شبہ نو حصے ان میں سے دہریہ ہوں گے جو مذہب کی پابندی اور خدائے تعالٰی کے اقرار اور جزا سزا کے اعتقاد سے فارغ ہو بیٹھے ہیں اور یہ مرض دہریّت کا دن بدن یورپ میں بڑھتا جاتا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ دولت برطانیہ کی کشادہ دلی نے اس کی ترقی سے کچھ بھی کراہت نہیں کی۔ یہاں تک کہ بعض پکے دہریہ پارلیمنٹ کی کرسی پر بھی بیٹھ گئے اور کچھ پرواہ نہیں کی گئی۔ نامحرم لوگوں کو نوجوان عورتوں کا بوسہ لینا صرف جائز ہی نہیں بلکہ یورپ کی نئی تہذیب میں ایک مستحسن امر قرار دیا گیا ہے۔ کوئی دعویٰ سے نہیں کہہ سکتا کہ انگلستان میں کوئی ایسی عورت بھی ہے کہ جس کا عین جوانی کے دنوں میں کسی نامحرم جوان نے بوسہ نہ لیا ہو۔ دنیا پرستی اس قدر ہے کہ آروپ الیگزانڈر صاحب اپنی ایک چٹھی میں (جو میرے نام بھیجی ہے) لکھتے

﴿۴۱﴾

﴿۴۲﴾

ہو گیا اور گناہ اور نافرمانی اور نفس پرستی کے ہزار ہا دروازے کھل گئے۔ چنانچہ عیسائی لوگ خود اس بات کے قائل ہیں اور پادری فنڈر صاحب مصنف میزان الحق فرماتے ہیں کہ عیسائیوں کی کثرت گناہ اور اُن کی اندرونی بدچلنی اور فسق و فجور کے پھیلنے کی وجہ سے ہی محمد صلی اللہ علیہ وسلم بغرض سزا دہی اور تنبیہ عیسائیوں کے بھیجے گئے تھے۔ پس ان تقریروں سے ظاہر ہے کہ زیادہ تر گناہ اور معصیت کا طوفان مسیح کے مصلوب ہونے کے بعد ہی عیسائیوں میں اُٹھا ہے۔ اس سے ثابت ہے کہ مسیح کا مرنا اس غرض سے نہیں تھا کہ گناہ کی تیزی اس کی موت سے کچھ روبہ کمی ہو جائے گی مثلاً اس کے مرنے سے پہلے اگر لوگ

بقیہ حاشیہ:- ہیں کہ تمام مہذب اور تعلیم یافتہ جو اس ملک میں پائے جاتے ہیں ان میں سے ایک بھی میری نظر میں ایسا نہیں جس کی نگاہ آخرت کی طرف لگی ہوئی ہو بلکہ تمام لوگ سر سے پیر تک دنیا پرستی میں مبتلا نظر آتے ہیں۔ اب ان تمام بیانات سے ظاہر ہے کہ مسیح کے قربان ہونے کی وہ تاثیریں جو پادری لوگ ہندوستان میں آکر سادہ لوحوں کو سناتے ہیں، سراسر پادری صاحبوں کا افترا ہے۔ اور اصل حقیقت یہی ہے کہ کفّارہ کے مسئلہ کو قبول کر کے جس طرف عیسائیوں کی طبیعتوں نے پلٹا کھایا ہے وہ یہی ہے کہ شراب خواری بکثرت پھیل گئی۔ زنا کاری اور بدنظری شیر مادر سمجھی گئی۔ قمار بازی کی از حد ترقی ہوگئی۔ خدائے تعالیٰ کی عبادت سچے دل سے کرنا اور بکلّی روبحق ہو جانا یہ سب باتیں موقوف ہوگئیں۔ ہاں انتظامی تہذیب یورپ میں بے شک پائی جاتی ہے۔ یعنی باہم رضامندی کے برخلاف جو گناہ ہیں جیسے سرقہ اور قتل اور زنا بالجبر وغیرہ جن کے ارتکاب سے شاہی قوانین نے بوجہ مصالح ملکی روک دیا ہے ان کا انسداد بے شک ہے مگر ایسے گناہوں کے انسداد کی یہ وجہ نہیں کہ مسیح کے کفّارہ کا اثر ہوا ہے بلکہ رعب قوانین اور سوسائٹی کے دباؤ نے یہ اثر ڈالا ہوا ہے اگر یہ موانع درمیان نہ ہوں تو حضرات مسیحیان سب کچھ کر گزریں اور پھر یہ جرائم بھی تو اور ملکوں کی طرح یورپ میں بھی ہوتے ہی رہتے ہیں انسداد کُلّی تو نہیں۔ منہ

بہت شراب پیتے تھے یا اگر بکثرت زنا کرتے تھے یا اگر پکے دنیا دار تھے تو مسیح کے مرنے کے بعد یہ ہر ایک قسم کے گناہ دور ہو جائیں گے کیونکہ یہ بات مستغنی عن الثبوت ہے کہ جس قدر اب شراب خوری و دنیا پرستی و زنا کاری خاص کر یورپ کے ملکوں میں ترقی پر ہے کوئی دانا ہرگز خیال نہیں کر سکتا کہ مسیح کی موت سے پہلے یہی طوفان فسق و فجور کا برپا ہو رہا تھا بلکہ اس کا ہزارم حصہ بھی ثابت نہیں ہو سکتا اور انجیلوں پر غور کر کے بکمال صفائی کھل جاتا ہے کہ مسیح کو ہرگز منظور نہ تھا کہ یہودیوں کے ہاتھ میں پکڑا جائے اور مارا جائے اور صلیب پر کھینچا جائے کیونکہ اگر یہی منظور ہوتا تو ساری رات اس بلا کے دفعہ کرنے کیلئے کیوں روتا رہتا اور رو رو کر کیوں یہ دعا کرتا کہ اے ابّا! اے باپ!! تجھ سے سب کچھ ہو سکتا ہے یہ پیالہ مجھ سے ٹال دے۔ بلکہ سچ یہی ہے کہ مسیح بغیر اپنی مرضی کے ناگہانی طور پر پکڑا گیا اور اس نے مرتے وقت تک رو رو کر یہی دعا کی ہے کہ اے میرے خدا! اے میرے خدا! تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا۔ اس سے بوضاحت ثابت ہوتا ہے کہ مسیح زندہ رہنا اور کچھ اور دن دنیا میں قیام کرنا چاہتا تھا اور اس کی روح نہایت بے قراری سے تڑپ رہی تھی کہ کسی طرح اس کی جان بچ جائے لیکن بلا مرضی اس کے یہ سفر اس کو پیش آ گیا تھا اور نیز یہ بھی غور کرنے کی جگہ ہے کہ قوم کے لئے اس طریق پر مرنے سے جیسا کہ عیسائیوں نے تجویز کیا ہے۔ مسیح کو کیا حاصل تھا اور قوم کو اُس سے کیا فائدہ؟ اگر وہ زندہ رہتا تو اپنی قوم میں بڑی بڑی اصلاحیں کرتا بڑے بڑے عیب اُن سے دور کر کے دکھاتا مگر اس کی موت نے کیا کر کے دکھایا بجز اس کے کہ اس کے بے وقت مرنے سے صدہا فتنے پیدا ہوئے اور ایسی خرابیاں ظہور میں آئیں جن کی وجہ سے ایک عالم ہلاک ہو گیا۔ یہ سچ ہے کہ جوانمرد لوگ قوم کی بھلائی کیلئے اپنی جان

﴿۴۳﴾

بھی فدا کر دیتے ہیں یا قوم کے بچاؤ کے لئے جان کو معرض ہلاکت میں ڈالتے ہیں مگر نہ
ایسے لغو اور بیہودہ طور پر جو مسیح کی نسبت بیان کیا جاتا ہے بلکہ جو شخص دانشمندانہ طور سے قوم
کے لئے جان دیتا ہے یا جان کو معرض ہلاکت میں ڈالتا ہے وہ تو معقول اور پسندیدہ اور
کارآمد اور صریح مفید طریقوں میں سے کوئی سے ایسا اعلیٰ اور بدیہی اَنْفَع طریقہ فدا ہونے کا
اختیار کرتا ہے جس طریقے کے استعمال سے گو اس کو تکلیف پہنچ جائے یا جان ہی جائے مگر
اُس کی قوم بعض بلاؤں سے واقعی طور پر بچ جائے یہ تو نہیں کہ پھانسی لے کر یا زہر کھا کر یا
کسی کوئیں میں گرنے سے خودکشی کا مرتکب ہو اور پھر یہ خیال کرے کہ میری خودکشی قوم
کے لئے بہبودی کا موجب ہوگی۔ ایسی حرکت تو دیوانوں کا کام ہے نہ عقلمندوں دینداروں
کا بلکہ یہ موت موتِ حرام ہے اور بجز سخت جاہل اور سادہ لوح کے کوئی اس کا ارادہ نہیں
کرتا۔ میں سچ کہتا ہوں کہ کامل اور اولوالعزم آدمی کا مرنا بجز اُس حالت خاص کے کہ
بہتوں کے بچاؤ کے لئے کسی معقول اور معروف طریق پر مرنا ہی پڑے قوم کے لئے اچھا
نہیں بلکہ بڑی مصیبت اور ماتم کی جگہ ہے اور ایسا شخص جس کی ذات سے خلق اللہ کو طرح
طرح کا فائدہ پہنچ رہا ہے اگر خودکشی کا ارادہ کرے تو وہ خدائے تعالیٰ کا سخت گنہگار ہے اور
اس کا گناہ دوسرے ایسے مجرموں کی نسبت زیادہ ہے پس ہر ایک کامل کے لئے لازم ہے کہ
اپنے لئے جناب باری تعالیٰ سے درازیٔ عمر مانگے تو وہ خلق اللہ کے لئے ان سارے
کاموں کو بخوبی انجام دے سکے جن کے لئے اُس کے دل میں جوش ڈالا گیا ہے۔ ہاں!
شریر آدمی کا مرنا اس کے لئے اور نیز خلق اللہ کے لئے بہتر ہے تا شرارتوں کا ذخیرہ زیادہ نہ
ہوتا جائے اور خلق اللہ اس کے ہر روز کے فتنہ سے تباہ نہ ہو جائے۔ اور اگر یہ سوال کیا جائے
کہ تمام پیغمبروں میں سے قوم کے بچاؤ کے لئے اور الٰہی جلال کے اظہار کی غرض سے

معقول طریقوں کے ساتھ اور ضروری حالتوں کے وقت میں کس پیغمبر نے زیادہ تر اپنے تئیں معرضِ ہلاکت میں ڈالا اور قوم پر اپنے تئیں فدا کرنا چاہا آیا مسیح یا کسی اور نبی یا ہمارے سیّد و مولیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے۔ تو اس کا جواب جس جوش اور روشن دلائل اور آیات بینات اور تاریخی ثبوت سے میرے سینہ میں بھرا ہوا ہے، میں افسوس کے ساتھ اس جگہ اس کا لکھنا چھوڑ دیتا ہوں کہ وہ بہت طویل ہے یہ تھوڑا سا مضمون اس کی برداشت نہیں کر سکتا۔ انشاءاللہ القدیر، اگر عمر نے وفا کی تو آئندہ ایک رسالہ مستقلہ اس بارے میں لکھوں گا لیکن بطور مختصر اس جگہ بشارت دیتا ہوں کہ وہ فرد کامل جو قوم پر اور تمام بنی نوع پر اپنے نفس کو فدا کرنے والا ہے وہ ہمارے نبی کریم ہیں یعنی سیّدنا و مولانا و وحیدنا و فریدنا احمد مجتبٰی محمد مصطفٰی الرسول النبی الاُمّی العربی القرشی صلی اللہ علیہ وسلم۔ ﴿۴۴﴾

اس جگہ میں نے سچے اور جھوٹے مذہب کی تفریق کیلئے وہ فرق جو زمین پر موجود ہے یعنی جو باتیں عقل اور کانشنس کے ذریعہ سے فیصلہ ہو سکتی ہیں، کسی قدر لکھ دیا ہے لیکن جو فرق آسمان کے ذریعہ سے کھلتا ہے وہ بھی ایسا ضروری ہے کہ بجز اس کے حق اور باطل میں امتیاز بیّن نہیں ہو سکتا اور وہ یہ ہے کہ سچے مذہب کے کامل پیرو کے ساتھ خدائے تعالیٰ کے ایک خاص تعلقات ہو جاتے ہیں اور وہ کامل پیرو اپنے نبی متبوع کا مظہر اور اس کے حالات روحانیہ اور برکات باطنیہ کا ایک نمونہ ہو جاتا ہے اور جس طرح بیٹے کے وجود درمیانی کی وجہ سے پوتا بھی بیٹا ہی کہلاتا ہے اسی طرح جو شخص زیر سایہ متابعت نبی پرورش یافتہ ہے اس کے ساتھ بھی وہی لطف اور احسان ہوتا ہے جو نبی کے ساتھ ہوتا ہے اور جیسے نبی کو نشان دکھائے جاتے ہیں ایسا ہی اس کی خاص طور پر معرفت بڑھانے کے لئے اس کو بھی نشان ملتے ہیں۔ سو ایسے لوگ اس دین کی سچائی کے لئے جس کی تائید کے لئے وہ ظہور

فرماتے ہیں، زندہ نشان ہوتے ہیں۔ خدائے تعالیٰ آسمان سے ان کی تائید کرتا ہے اور بکثرت ان کی دعائیں قبول فرماتا ہے اور قبولیت کی اطلاع بخشتا ہے۔ ان پر مصیبتیں بھی نازل ہوتی ہیں مگر اس لئے نازل نہیں ہوتیں کہ اُنہیں ہلاک کریں بلکہ اس لئے کہ تا آخر ان کی خاص تائید سے قدرت کے نشان ظاہر کئے جائیں۔ وہ بے عزتی کے بعد پھر عزت پا لیتے ہیں اور مرنے کے بعد پھر زندہ ہو جایا کرتے ہیں تا خدائے تعالیٰ کے خاص کام ان میں ظاہر ہوں۔

اس جگہ یہ نکتہ یاد رکھنے کے لائق ہے کہ دعا کا قبول ہونا دو طور سے ہوتا ہے۔ ایک بطور ابتلاء اور ایک بطور اصطفاء۔ بطور ابتلاء تو کبھی کبھی گنہگاروں اور نافرمانوں بلکہ کافروں کی دعا بھی قبول ہو جاتی ہے مگر ایسا قبول ہونا حقیقی قبولیت پر دلالت نہیں کرتا بلکہ از قبیل استدراج و امتحان ہوتا ہے لیکن جو بطور اصطفاء دعا قبول ہوتی ہے اس میں یہ شرط ہے کہ دعا کرنے والا خدائے تعالیٰ کے برگزیدہ بندوں میں سے ہو اور چاروں طرف سے برگزیدگی کے انوار و آثار اس میں ظاہر ہوں کیونکہ خدائے تعالیٰ حقیقی قبولیت کے طور پر نافرمانوں کی دعا ہرگز نہیں سنتا بلکہ انہیں کی سنتا ہے کہ جو اس کی نظر میں راستباز اور اس کے حکم پر چلنے والے ہیں۔ سو ابتلاء اور اصطفاء کی قبولیت ادعیہ میں ما بہ الامتیاز یہ ہے کہ جو ابتلاء کے طور پر دعا قبول ہوتی ہے اس میں متقی اور خدا دوست ہونا شرط نہیں اور نہ اس میں یہ ضرورت ہے کہ خدائے تعالیٰ دعا کو قبول کر کے بذریعہ اپنے مکالمہ خاص کے اس کی قبولیت سے اطلاع بھی دیوے اور نہ وہ دعائیں ایسی اعلیٰ پایہ کی ہوتی ہیں جن کا قبول ہونا ایک امر عجیب اور خارقِ عادت متصور ہو سکے لیکن جو دعائیں اصطفاء کی وجہ سے قبول ہوتی ہیں ان میں یہ نشان نمایاں ہوتے ہیں۔

﴿۴۵﴾

(۱) اوّل یہ کہ دعا کرنے والا ایک متقی اور راست باز اور کامل فرد ہوتا ہے۔

(۲) دوسرے یہ کہ بذریعہ مکالماتِ الٰہیہ اُس دعا کی قبولیت سے اس کو اطلاع دی جاتی ہے۔

(۳) تیسری یہ کہ اکثر وہ دعائیں جو قبول کی جاتی ہیں نہایت اعلیٰ درجہ کی اور پیچیدہ کاموں کے متعلق ہوتی ہیں، جن کی قبولیت سے کھل جاتا ہے کہ یہ انسان کا کام اور تدبیر نہیں بلکہ خدائے تعالیٰ کا ایک خاص نمونہ قدرت ہے جو خاص بندوں پر ظاہر ہوتا ہے۔

(۴) چوتھی یہ کہ ابتلائی دعائیں تو کبھی کبھی شاذونادر کے طور پر قبول ہوتی ہیں لیکن اصطفائی دعائیں کثرت سے قبول ہوتی ہیں۔ بسا اوقات صاحب اصطفائی دعا کا ایسی بڑی بڑی مشکلات میں پھنس جاتا ہے کہ اگر اور شخص ان میں مبتلا ہو جاتا تو بجز خودکشی کے اور کوئی حیلہ اپنی جان بچانے کیلئے ہرگز اُسے نظر نہ آتا۔ چنانچہ ایسا ہوتا بھی ہے کہ جب کبھی دنیا پرست لوگ جو خدائے تعالیٰ سے مہجور و دور ہیں بعض بڑی بڑی ہموم وغموم و اَمراض و اَسقام و بلیّاتِ لاینحل میں مبتلا ہو جاتے ہیں تو آخر وہ بباعث ضعف ایمان خدائے تعالیٰ سے ناامید ہو کر کسی قسم کی زہر کھا لیتے ہیں یا کوئیں میں گرتے ہیں یا بندوق وغیرہ سے خودکشی کر لیتے ہیں لیکن ایسے نازک وقتوں میں صاحب اصطفاء کا بوجہ اپنی قوت ایمانی اور تعلق خاص ﴿۴۶﴾ کے خدائے تعالیٰ کی طرف سے نہایت عجیب در عجیب مدد دیا جاتا ہے اور عنایت الٰہی ایک عجیب طور سے اس کا ہاتھ پکڑ لیتی ہے یہاں تک کہ ایک محرم راز کا دل بے اختیار بول اُٹھتا ہے کہ یہ شخص مؤید الٰہی ہے۔

(۵) پانچویں یہ کہ صاحب اصطفائی دعا کا مورد عنایات الٰہیہ کا ہوتا ہے اور خدائے تعالیٰ اس کے تمام کاموں میں اس کا متولّی ہو جاتا ہے اور عشق الٰہی کا نور اور مقبولانہ کبریائی کی

مستی اور روحانی لذت یابی اور تنعم کے آثار اس کے چہرہ میں نمایاں ہوتے ہیں جیسا کہ اللہ جلّشانہٗ فرماتا ہے۔

تَعْرِفُ فِيْ وُجُوْهِهِمْ نَضْرَةَ النَّعِيْمِ [1] اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ۔ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ۔ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ؕ لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ۔ [2] اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ۔ نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ۔ [3] وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ ؕ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۙ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ وَلْيُؤْمِنُوْا بِيْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ۔ [4] ☆

﴿۴۶﴾

☆: خبردار ہو یعنی یقیناً سمجھ کہ جو لوگ اللہ (جلّشانہٗ) کے دوست ہیں یعنی جو لوگ خدائے تعالیٰ سے سچی محبت رکھتے ہیں اور خدائے تعالیٰ ان سے محبت رکھتا ہے تو ان کی یہ نشانیاں ہیں کہ نہ ان پر خوف مستولی ہوتا ہے کہ کیا کھائیں گے یا کیا پئیں گے یا فلاں بلا سے کیونکر نجات ہوگی کیونکہ وہ تسلی دیئے جاتے ہیں اور نہ گزشتہ کے متعلق کوئی حزن واندوہ انہیں ہوتا ہے کیونکہ وہ صبر دیئے جاتے ہیں۔ دوسری یہ نشانی ہے کہ وہ ایمان رکھتے ہیں یعنی ایمان میں کامل ہوتے ہیں اور تقویٰ اختیار کرتے ہیں یعنی خلافِ ایمان وخلاف فرمانبرداری جو باتیں ہیں اُن سے بہت دور رہتے ہیں۔ تیسری اُن کی یہ نشانی ہے کہ انہیں (بذریعہ مکالمہ الٰہیہ ورؤیائے صالحہ بشارتیں ملتی رہتی ہیں) اس جہان میں بھی اور دوسرے جہان میں بھی۔ خدائے تعالیٰ کا ان کی نسبت یہ عہد ہے جو ٹل نہیں سکتا اور یہی پیارا درجہ ہے جو انہیں ملا ہوا ہے۔ یعنی مکالمہ الٰہیہ اور رؤیائے صالحہ سے خدائے تعالیٰ کے مخصوص بندوں کو جو اس کے ولی ہیں

[1] المطففین: ۲۵ [2] یونس: ۶۳ تا ۶۵ [3] حٰمٓ السجدۃ: ۳۱ تا ۳۲ [4] البقرۃ: ۱۸۷

﴿۴۷﴾ اب جاننا چاہئے کہ محبوبیت اور قبولیت اور ولایت حقّہ کا درجہ جس کے کسی قدر مختصر طور پر نشان بیان کر چکا ہوں۔ یہ بجز اتباع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہرگز حاصل نہیں ہو

﴿۴۷﴾ **بقیہ حاشیہ :-** ضرور حصہ ملتا ہے اور ان کی ولایت کا بھاری نشان یہی ہے کہ مکالمات ومخاطبات الٰہیہ سے مشرف ہوں (یہی قانونِ قدرت اللہ جلّشانہٗ کا ہے) کہ جو لوگ اربابِ متفرقہ سے منہ پھیر کر اللہ جلشانہٗ کو اپنا ربّ سمجھ لیں اور کہیں کہ ہمارا تو ایک اللہ ہی ربّ ہے (یعنی اور کسی کی ربوبیت پر ہماری نظر نہیں) اور پھر آزمائشوں کے وقت میں مستقیم رہیں (کیسے ہی زلزلے آویں، آندھیاں چلیں، تاریکیاں پھیلیں ان میں ذرا تزلزل اور تغیر اور اضطراب پیدا نہ ہو پوری پوری استقامت پر رہیں) تو ان پر فرشتے اُترتے ہیں (یعنی الہام یا رؤیائے صالحہ کے ذریعہ سے انہیں بشارتیں ملتی ہیں) کہ دنیا اور آخرت میں ہم تمہارے دوست اور متولّی اور متکفّل ہیں اور آخرت میں جو کچھ تمہارے جی چاہیں گے وہ سب تمہیں ملے گا۔ یعنی اگر دنیا میں کچھ مکروہات بھی پیش آویں تو کوئی اندیشہ کی بات نہیں کیونکہ آخرت میں تمام غم دور ہو جائیں گے اور سب مرادیں حاصل ہوں گی۔ اگر کوئی کہے کہ یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ آخرت میں جو کچھ انسان کا نفس چاہے اس کو ملے میں کہتا ہوں کہ یہ ہونا نہایت ضروری ہے اور اسی بات کا نام نجات ہے ورنہ اگر انسان نجات پا کر بعض چیزوں کو چاہتا رہا اور ان کے غم میں کباب ہوتا اور جلتا رہا مگر وہ چیزیں اس کو نہ ملیں تو پھر نجات کاہے کی ہوئی۔ ایک قسم کا عذاب تو ساتھ ہی رہا۔ لہٰذا ضرور ہے کہ جنت یا بہشت یا مکتی خانہ یا سُرگ جو نام اس مقام کا رکھا جائے جو انتہا سعادت پانے کا گھر ہے وہ ایسا گھر چاہئے کہ انسان کو من کل الوجوہ اس میں مصفّا خوشی حاصل ہو اور کوئی ظاہری یا باطنی رنج کی بات درمیان نہ ہو اور کسی ناکامی کی سوزش دل پر غالب نہ ہو۔ ہاں یہ بات سچ ہے کہ بہشت میں نالائق و نامناسب باتیں نہیں ہوں گی مگر مقدس دلوں میں اُن کی خواہش بھی پیدا نہ ہوگی بلکہ ان مقدس اور مطہر دلوں میں جو شیطانی خیالات سے پاک کئے گئے ہیں، انسان کی پاک فطرت اور خالق کی پاک مرضی کے موافق پاک خواہشیں پیدا ہوں گی۔ تا انسان اپنی ظاہری اور باطنی اور بدنی اور روحانی سعادت کو پورے پورے طور پر پالیوے اور اپنے جمیع قویٰ کے کامل ظہور سے کامل انسان کہلاوے کیونکہ بہشت میں داخل کرنا

سکتا۔اور سچے متبع کے مقابل پر اگر کوئی عیسائی یا آریہ یا یہودی قبولیت کے آثار وانوار دکھلانا چاہے تو یہ اس کے لئے ہرگز ممکن نہ ہوگا اورنہایت صاف طریق امتحان کا یہ ہے کہ اگر ایک مسلمان صالح کے مقابل پر جو سچا مسلمان اور سچائی سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا متبع ہو کوئی دوسرا شخص عیسائی وغیرہ معارضہ کے طور پر کھڑا ہو اور یہ کہے کہ جس قدر تجھ پر آسمان سے کوئی نشان ظاہر ہوگا، یا جس قدر اسرارِ غیبیہ تجھ پر کھلیں گے، یا جو کچھ قبولیت دعاؤں سے تجھے مدد دی جائے گی، یا جس طور سے تیری عزت اور شرف کے اظہار کے لئے کوئی نمونہ قدرت ظاہر کیا جائے گا، یا اگر انعامات خاصہ کا بطور پیش گوئی تجھے وعدہ دیا جائے گا، یا اگر

﴿۴۸﴾

بقیہ حاشیہ :- انسانی نقش کے مٹادینے کی غرض سے نہیں جیسا کہ ہمارے مخالف عیسائی وآریہ خیال کرتے ہیں بلکہ اس غرض سے ہے کہ تا انسانی فطرت کے نقوش ظاہراً و باطناً بطور کامل چمکیں اور سب بے اعتدالیاں دور ہو کر ٹھیک ٹھیک وہ امور جلوہ نما ہو جائیں جو انسان کے لئے بلحاظ ظاہری و باطنی خلقت اس کی کے ضروری ہیں۔

اور پھر فرمایا کہ جب میرے مخصوص بندے (جو برگزیدہ ہیں) میرے بارہ میں سوال کریں اور پوچھیں کہ کہاں ہے تو انہیں معلوم ہو کہ میں بہت ہی قریب ہوں۔ اپنے مخلص بندوں کی دعا سنتا ہوں جب ہی کہ کوئی مخلص بندہ دعا کرتا ہے (خواہ دل سے یا زبان سے) سن لیتا ہوں (پس اس سے قرب ظاہر ہے) مگر چاہئے کہ وہ ایسی اپنی حالت بنائے رکھیں جس سے میں ان کی دعا سُن لیا کروں۔ یعنی انسان اپنا حجاب آپ ہو جاتا ہے۔ جب پاک حالت کو چھوڑ کر دور جا پڑتا ہے تب خدائے تعالیٰ بھی اُس سے دور ہو جاتا ہے اور چاہیئے کہ ایمان اپنا مجھ پر ثابت رکھیں (کیونکہ قوتِ ایمانی کی برکت سے دُعا جلد قبول ہوتی ہے) اگر وہ ایسا کریں تو رُشد حاصل کر لیں گے یعنی ہمیشہ خدائے عزّ وجلّ اُن کے ساتھ ہوگا۔ اور کبھی عنایت ورہنمائی الٰہی اُن سے الگ نہیں ہوگی۔ سو استجابِ دعاء بھی اولیاء اللہ کے لئے ایک بھاری نشان ہے۔ فتدبّر۔ منه

﴿۴۸﴾

تیرے کسی موذی مخالف پر کسی تنبیہہ کے نزول کی خبر دی جائے گی تو اُن سب باتوں میں جو کچھ تجھ سے ظہور میں آئیگا اور جو کچھ تو دکھائے گا، وہ میں بھی دکھلاؤں گا۔ تو ایسا معارضہ کسی مخالف سے ہرگز ممکن نہیں اور ہرگز مقابل پر نہیں آئیں گے کیونکہ اُن کے دل شہادت دے رہے ہیں کہ وہ کذّاب ہیں۔ انہیں اس سچے خدا سے کچھ بھی تعلق نہیں کہ جو راستبازوں کا مددگار اور صدیقوں کا دوست دار ہے۔ جیسا کہ ہم پہلے بھی کسی قدر بیان کر چکے ہیں۔ وَھٰذَا اٰخِرُ کَلَامِنَا وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ اَوَّلًا وَّ اٰخِرًا وَّ ظَاھِرًا وَّ بَاطِنًا۔ ھُوَ مَوْلَانَا نِعْمَ الْمَوْلٰی وَنِعْمَ الْوَکِیْل۔

ترجمہ فارسی عبارات

صفحہ ۳۱

۔ آنکھیں کھلیں، کان کھلے اور یہ عقل موجود۔ خدا کرے ان کی آنکھیں سینے پر حیران ہوں

صفحہ ۴۰

۔ یہ کیا سنگ دلی ہے کہ کسی کی بات کا تجھ پر اثر نہیں حالانکہ نفس آہنی آئینہ پر بھی اثر کرتا ہے

صفحہ ۴۱

۔ فقیر کو شروع ہی سے خدا تعالیٰ سے کلام کا شوق تھا اور میں دعا کیا کرتا تھا کہ اے الہ العالمین اپنے کلام کے دروازے اس عاجز پر کھول دے۔ سالوں گزر گئے اور یہ مصیبت اس حد تک بڑھ گئی کہ جس جگہ بھی میں جاتا بلوہ ہو جاتا۔ دل تنگ ہوا تو اچانک ہی یہ القا ہوا قَدْ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰهَا۔ اس کے بعد قرآن کی طرف توجہ کرنے کے سلسلہ میں چند آیات القا ہوئیں مثلاً اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِيَآءَ اور اس طرح کی اور مثالیں حتیٰ کہ ایک روز دیکھا کہ میرے سامنے قرآن کریم رکھا ہے اور القا ہوا۔ هٰذَا كِتَابِيْ وَ هٰذَا عِبَادِيْ فَاقْرَءُوْا كِتَابِيْ عَلٰى عِبَادِيْ۔

صفحہ ۴۶

۔ یہ کام تمہارے لائق ہے۔ مرد ہی ایسے کام کرتے ہیں

صفحہ ۵۶

۔ علم تو وہ ہے کہ فراست کا نور اس کے ساتھ ساتھ چلتا ہے۔ اس تاریک علم کو تو میں ایک کوڑی کو بھی نہیں خریدتا

صفحہ ۶۸

۔ بے وقوف کہتا ہے اور دیوانہ مان جاتا ہے

صفحہ ۷۸

۔ دل کے معمولی تغیر کی وجہ سے اپنے پرانے مخدوم سے دلبرداشتہ ہونا اور سالوں کے احسان کے حقوق سے پہلوتہی کرنا

صفحہ۸۶

۔ وہ جو کہ خود ضعف اور مرض سے لاغر ہو جاتا ہے

صفحہ۱۰۳

۔ اگر تو نے کوئی بات نہیں کہی تو کسی کو تجھ سے کوئی واسطہ نہیں لیکن اگر کہی ہے تو اس کی دلیل لانی پڑے گی

صفحہ۱۰۷

۔ اس عجلت پر جو تو نے کی ہے اب پشیمان ہو

صفحہ۱۱۴

۔ کمان سے نکلا ہوا تیر دوبارہ ہاتھ میں نہیں آتا

صفحہ۱۱۶

۔ یہ کیسی عقل ہے کہ سو سال تک جمع کرتے رہنا اس کے بعد ایک پل میں جلا ڈالنا

صفحہ۱۲۱

۔ یہ پتھر ہی ہے جو تو نے میرے سر پر مارا ہے

صفحہ۱۲۳

۔ علم دو قسم کا ہے۔ ایک ظاہری جو کسب و اکتساب اور نظر و استدلال سے حاصل ہوتا ہے اور دوسرا باطنی جو خدائے غیب الغیب سے ملتا ہے چنانچہ یہ انبیاء علیھم السلام اور ان کے بعد اولیاء کرام کو حاصل ہوتا ہے

صفحہ۲۱۱

۔ احمد کا نام سب نبیوں کے نام کا مجموعہ ہے۔ جب سو کا ہندسہ آ گیا تو نوے بھی ہمارے سامنے ہے

صفحہ۲۲۳،۲۳۳

۔ یہ جو میں دیکھ رہا ہوں یا رب! وہ بیداری ہے یا خواب ہے

۔ بہت سی آرزوئیں ہیں جو خاک میں مل گئیں

صفحہ۲۲۴

۔ وہ راز کب پوشیدہ رہ سکتا ہے کہ جو محفلوں کا موضوع سخن بن گیا ہے

صفحہ ۲۲۵

۔ وہ قدح (شراب کا بڑا پیالہ) ٹوٹ گیا اور وہ ساقی نہ رہا

صفحہ ۲۳۹

۔ اس فقیر کے نزدیک یہ تحقیق شدہ امر ہے کہ صحابہ اور تابعین میں بہت سے ایسے تھے جو یہ کہتے تھے نَزَلَتِ الْاٰیَةُ فِیْ کَذَا وَ کَذَا اور ان کی غرض اس آیت کی تفسیر ماصدق ہوتی اور بعض واقعات جو اس آیت میں بالعموم شامل شدہ ہیں خواہ وہ کہانی مقدم ہو یا متاخر، اسرائیلی ہو یا جاہلی یا اسلامی تمام قیود آیت کو اکٹھا کیا گیا ہے یا بعض کو۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ ۔ اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ اجتہاد کو اس میں کوئی دخل نہیں اور متعدد قصوں کو اس جگہ گنجائش ہے اور جو اس نقطہ کو اپنے ذہن میں مستحضر رکھتا ہے وہ سبب نزول کے اختلافات کو ایک ادنیٰ توجہ سے حل کر سکتا ہے۔

۔ نیک وفات یافتگان کے ذکر کو ضائع نہ کرتا کہ تیرا نام بھی یادگار رہے

صفحہ ۲۴۳

۔ قرآن کی نحو میں ایک عجیب خلل راہ پا گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ ایک جماعت نے سیبویہ کا مذہب اختیار کیا ہے اور جو کچھ بھی اس کے مطابق یا موافق ہے اس کی تاویل کرتے ہیں۔ تاویل بعید ہو یا قریب اور میرے نزدیک یہ صحیح نہیں کہ سیاق و سباق کے اقویٰ اور اوفق ہونے کی اتباع کرنی چاہیے اور سیبویہ کا مذہب وَالْمُقِیْمِیْنَ الصَّلٰوۃَ وَالْمُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ ۔ حضرت عثمان نے کہا ہے سَتُقِیْمُھَا الْعَرَبُ بِاَلْسِنَتِھَا اور تحقیق اس فقیر کے نزدیک یہ حکم یوں ہے کہ روزمرہ مشہورہ کے مخالف ہے اور یہ روزمرہ ہے اور اس اوّل کو عرب اپنے خطابات کے دوران محاورات ایسے لاتے ہیں جو گزشتہ زمانہ کے مشہور قاعدہ کے خلاف ہیں کہ اگر کبھی کبھی ''و'' کی جگہ پر ''ی'' آ جائے یا تثنیہ کی جگہ پر مفرد آ جائے یا مذکر کی جگہ مؤنث آ جائے تو کیا عجب ہے۔ پس متحقق یہ ہے کہ ترجمہ وَالْمُقِیْمِیْنَ الصَّلٰوۃَ کو مرفوع کے معنوں میں شمار کرنا چاہیے۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ

۔ دیکھو راستہ کا فرق کہاں سے کہاں تک ہے

صفحہ ۲۵۹

۔ دیکھو راستہ کا فرق کہاں سے کہاں تک ہے

صفحہ ۲۶۳

۔ تو وہ نفس ناطقہ ہے کہ اس مادی جسم کے علاوہ ایک اور جسم بھی رکھتا ہے۔ پس روح کا جسم سے نکل جانے کا خوف نہ کھا

صفحہ ۲۶۷

۔ مشک وہ ہے کہ خود خوشبو دیتی ہے نہ کہ عطار بتاتا ہے

۔ کیا ہی اچھا ہو کہ ایک پنتھ سے دو کاج ہو جائیں

صفحہ ۲۶۹

۔ اگر کعبہ سے ہی کفر اٹھے تو مسلمان کہاں جائے گا

صفحہ ۲۷۱، ۲۷۸

۔ دشمن کو اس کے گھر تک پہنچانا چاہیے

صفحہ ۲۷۴

۔ یہ کام تمہارے لائق ہے مرد ہی ایسے کام کرتے ہیں

صفحہ ۲۷۹

۔ میں تجھے بار بار کہہ کر تھک گیا ہوں لیکن تجھ پر ذرہ برابر بھی اثر نہیں

صفحہ ۳۰۰

۔ اگر تو نے کوئی بات نہیں کہی تو کسی کو تجھ سے کوئی واسطہ نہیں لیکن اگر کہی ہے تو اس کی دلیل لانی پڑے گی

صفحہ ۳۰۵

۔ یہ جہاں وہ جہاں ہے جس میں ہمارا فعل آواز کے ذریعہ سے ظاہر ہوتا رہتا ہے اور یہ صدائیں بازگشت کرتی رہتی ہیں

صفحہ۳۳۵

۔ اے جہاں کو ہدایت دینے والے مالک سچوں کو جھوٹوں کی (گرفت) سے رہائی بخش

۔ فساد کی وجہ سے دنیا میں آگ لگ گئی۔اے اہل جہان کے فریادرس امداد کو پہنچ

صفحہ۳۴۴

۔ گندم سے گندم ہی اگتی ہے اور جو سے جو۔تو اپنے عمل کی پاداش سے غافل نہ ہو

صفحہ۳۴۵

۔ اے خدا۔اے زمین وآسمان کے مالک اے ہر مصیبت میں اپنی جماعت کی پشت وپناہ

۔ اے رحیم دستگیر اور رہنما اے وہ کہ تیرے ہاتھ میں فیصلہ اور حکم ہے

۔ زمین میں سخت شور برپا ہے اے جان آفریں !اپنی مخلوقات پر رحم کر

۔ اپنی درگاہ سے کوئی فیصلہ کرنے والی بات ظاہر کر۔تاکہ جھگڑے اور فساد بند ہو جائیں

صفحہ۳۵۸

۔ اگر خدا بندہ سے خوش نہیں ہے تو اس جیسا کوئی حیوان بھی مردود نہیں

۔ اگر ہم اپنے ذلیل نفس کو پالنے میں لگے رہیں تو ہم گلیوں کے کتوں سے بھی بدتر ہیں

۔ اے خدا ! اے طالبوں کے رہنما۔اے وہ کہ تیری محبت ہماری روح کی زندگی ہے

۔ تو ہمارا خاتمہ اپنی رضا پر کر کہ دونوں جہان میں ہماری مراد پوری ہو

صفحہ۳۵۹

۔ دنیا اور اس کے لوگ سب شور وشر میں مصروف ہیں مگر تیرے طالب اور ہی مقام پر ہیں

۔ ان میں سے ایک کے دل کو تُو نور بخشتا ہے اور دوسرے کو کیچڑ میں پھنسا ہوا چھوڑ دیتا ہے

۔ آنکھ،کان اور دل تجھ سے ہی روشنی حاصل کرتے ہیں۔تیری ذات ہدایت اور فیض کا سرچشمہ ہے

صفحہ۳۶۰

۔ اب تو اپنی غلطی پر ہزاروں عذر پیش کرے لیکن شادی شدہ عورت کے لئے کنوارپن کا دعویٰ زیب نہیں دیتا

۔ اگر تو عقل والا ہے تو جاگ اٹھ اگر ہمت والا ہے تو اپنا مقصد حاصل کر لے۔شاید پھر ایسے دن نہ مل سکیں

صفحہ ۳۶۲

۔ وہ سر جو اس کے مبارک قدموں میں نہ پڑے مفت کا بوجھ ہے جسے کندھوں پر اٹھانا پڑتا ہے

صفحہ ۳۶۴

۔ یہی بہتر ہے کہ میں اس کی راہ میں جان قربان کردوں اگر میں نہ رہوں تو دنیا کا کیا نقصان ہے

صفحہ ۳۶۷

۔ جب تو دل والوں کی کوئی بات سنے تو مت کہہ اٹھ کہ غلط ہے۔ اے عزیز! تو بات نہیں سمجھ سکتا غلطی تو یہی ہے

صفحہ ٹائٹل نشان آسمانی

۔ اس کتاب کا نام ’’نشان آسمانی‘‘ ہے اگر ہوسکتا ہے تو اس کی نظیر لا

۔ یا تو اپنے صوفی کو باہر نکال یا پھر بدگمانی سے توبہ کر

صفحہ ۳۸۱

۔ ان اشعار کا ترجمہ صفحہ ۳۹۵ تا ۴۰۱ میں آچکا ہے

صفحہ ۳۸۴

۔ تیری زلفوں پر دھیان دینا کچے لوگوں کا کام نہیں کیونکہ ان زنجیروں کی نیچے آجانا حد درجہ کی چالاکی ہے

صفحہ ۳۹۰

۔ ہر بات کا ایک وقت اور ہر نکتہ کا ایک مقام ہوتا ہے

صفحہ ۳۹۱

۔ نبی اولیاء کی شکل میں جھلک دکھاتے ہیں۔ ہر زمانہ میں ایک نئے روپ میں آتے ہیں

صفحہ ۴۱۲

۔ اگرچہ کسی کو بھی متوجہ نہ کرسکے۔ پیغام لے جانے والوں کی ذمہ داری پیغام پہنچانے تک ہے

صفحہ ۴۱۶

۔ سائل کو چاہیے کہ وہ صبر کرنے والا اور برداشت کرنے والا ہو

صفحہ ۴۲۲

۔ اے بدگمانی میں مبتلا انسان اور اے بدزبانی پر مستعد شخص

۔ میں تو اس غم سے جل رہا ہوں کہ تو کس طرح مسلمان ہوگا مگر عجیب بات یہ ہے کہ الٹا تو مجھے ہی کافر سمجھتا ہے

۔ اگر آدمی خود ہی تلاش حق میں سُست نہ ہو تو خدا آپ طالب حق کو راستہ دکھا دیتا ہے

۔ خدا کی رحمت جو اولیاء اللہ کا تعویذ ہے وہ خلقت کی لعنت کے نیچے مخفی ہوا کرتی ہے

صفحہ ۴۲۷

۔ تا جس کا جھوٹ ثابت ہو جائے اس کا منہ کالا ہو

صفحہ ۴۲۹

۔ اے بخشش کی کان تیرا انکار کرنا موجب کفر ہے اور یہ فتاوے اور مہریں بہشت کی راہ میں رکاوٹ ہیں

۔ میری خواہش ہے کہ میری جان و مال تیری راہ میں فدا کروں اور میری یہ تمنا خدائے کارساز و قادر ضرور پوری کرے گا

۔ میرے چہرے کی رونق تیری ہی وجہ سے ہے اس لئے ادھر ادھر کی باتیں چھوڑ۔ اے میری پرورش کرنے والے دین کے راہبر! میں تیرے چہرے پر قربان

۔ دین مردہ تیرے دم سے زندہ ہو گیا تو اے میرے محترم! میں کیوں کر ان (مبارک) سانسوں سے روگردانی کروں

۔ میں کہاں اور یہ بدعہدی اور گمراہی کہاں۔ میں تو جب تک زندہ ہوں خادم ہوں اور دل و جان سے خادم ہوں

۔ مجھ پر ان راہ حق کے لٹیروں نے کئی حملے کئے ہیں۔ اگر خدا کا لطف میرے شامل حال نہ ہوتا تو وہ سب لوٹ کر لے جاتے

۔ ان یہود صفت (علماء) نے تیری قدر کو نہیں پہچانا اور مسیح ناصری کی مانند تو نے طعنے سنے

۔ جو بھی تیری تکفیر کرتا ہے وہ اسی وقت کافر ہو جاتا ہے اور خدا مجھے اس رذیل گروہ سے بچائے رکھے

۔ مجھ اندھے پر بھی اے روشن سورج کرم کر دے اور اگر مجھ میں کوئی غلطی دیکھیں تو اس سے صرف نظر کر دیں کیونکہ میں معافی کا طلب گار ہوں

۔ میں اندر سے ٹوٹا ہوا ہوں اور دل و جان سے غلام ہوں ۔ مجھ پر لطف فرما کیونکہ میں تذلل کے ساتھ تیرے در پر حاضر ہوا ہوں

۔ دین احمد کا نور تیرے وجود پر کامل ہوا ہے۔تو چودھویں (صدی) میں آیا ہے اے میرے چودھویں کے کامل اور روشن تر چاند

۔ تو نے موافق پیشگوئی نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے وقت پر ظہور کیا ہے۔اے میرے بزرگ اور جلیل خدا کی رحمت تجھ پر سلامتی ہو

۔ دین حق کی مشکلات تیری وجہ سے آسان ہو گئیں تو خدائے کریم کے فضل سے تجدید دین کر رہا ہے

۔ تو نے مہربانی کرتے ہوئے میرے باطن کو بھی مسلمان کر دیا ہے اگر میں تیرے آستانہ پر جان نثار نہ کروں تو میں کافر ہوں

صفحہ ۴۳۵

۔ کیا اچھا ہوتا اگر امت میں سے ہر ایک نور دین ہوتا۔یہی ہوتا اگر ہر دل نور یقین سے بھرا ہوتا

صفحہ ۴۹۰

۔ روشن دل دانش مند کے نزدیک جَو بھر چاندی مٹی کے سینکڑوں ڈھیروں سے بہتر ہے

انڈیکس

روحانی خزائن جلد نمبر ۴

زیر نگرانی

سید عبد الحی

آیات قرآنیہ

احادیث نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم

احادیث بالمعنی

الہامات حضرت مسیح موعود علیہ السلام

الهامات (عربی)

الهامات (اردو)

کلید مضامین

فارسی اقوال و اشعار

فقہ

ق۔ک

قرآن کریم

نشان نمائی

نماز

نونِ ثقلیہ رنون تاکید کی بحث دیکھئے صرف ونحو

نیچری رنیچریت

و۔ہ۔ی

وحی

وفات مسیح ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۹۶، ۲۹۷

ولی رولایت

ہندومت

یہود ریہودیت

اسماء

آ

ا

ب۔ت۔ٹ

مسیح کی آمد ثانی

غلام احمد قادیانی، حضرت مرزا

مسیح موعود و مہدی معہود علیہ السلام

دعاوی اور عقائد

اشاعت دین

مخالفوں کو چیلنج

مخالفت / اعتراضات

تصانیف

آپ کے بارہ میں پیشگوئیاں

نصرت الٰہی اور پیشگوئیاں

مقامات

ا ـ ب ـ پ ـ ت

ج ـ ح ـ د ـ ر

ش ـ ع ـ ق ـ ک

ل ـ م ـ ہ ـ ی

کتابیات